

**PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET**

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

PK
6416
S5
1920
C.1
ROBA

 *N. 2154*

19d. *161 no*

Rare



Shirk

شیرخاہ

۳۹۱۴ھ

1920

حصہ اول

عباس مردزی سے نظامیں

مادہ تابع آغاز تصنیف

مادہ تابع آغاز تصنیف

مذکورہ

تاریخ جم

۱۳۲۵ھ

مُصنِّف

رشبل نعمان

مطبوعہ معارف پر لیو افع عظیم گلہ

طبع سوم

PK
6416

S5

1920

V-1-5

Nov
20
1985

فہرست مصنایں شعر اجمم

صفہ	مصنفوں	صفہ	مصنفوں
۲۸	رو دکی کا عام انداز	۱	تمہید اور سبب تصنیف
۳۱	رو دکی کے انواع شاعری	۳	شعر اجمم کے اخذ
۳۳	دقیقی	۶	فارسی زبان کے ساتھ اہل یورپ کا اعتنا
"	شہنامہ کا نگ بناو	۸	شعر کی حقیقت
۳۶	دقیقی کی شاعری کی نسبت فردودکی کی رائے		شاہری کے متعلق ارسطو اور مل کی رائے
۴۴	دقیقی کا انداز کلام	۱۰	اور مل مسلمہ کی تحقیق،
۵۱	شمید بخی ایونشکل بخی و خجاز بخی عمارہ ہروزی	۱۵	فارسی شاعری کی ابتداء
۵۲	غزویہ کا دور		فارسی شاعری ایک یہ تک کیون و چوہ
۵۴	سلطان محمود اور شعرا کی تربیت	۱۶	میں نہیں آئی،
۵۸	عقلسری	۱۸	شاعری کے شروع ہونے کے اسباب
۶۰	عقلسری کی بدیہیہ گوئی	۷	متقدین شعرا،
۶۱	عقلسری کی خصوصیات شاعری	۲۱	خاندان ساما نیہ
۷۱	فرخی	۲۳	سامانی عہد کے شعرا،
۷۳	فرخی کی شاعری	۲۶	رو دکی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۰	شاہنامہ کا تاریخی مあと	۳۷	زبان کی سلاست
۱۱۲	ایران کی قدیم تاریخی جو عربی میں جھمپہین	۵۷	صورت نگاری
۱۱۴	شاہنامہ کے ماذک کے متعلق خود فردی کا بیان	۸۲	داغس نگاری
۱۱۶	شاہنامہ کی وقعت تاریخ کی حدیث سے	۸۴	مرشیہ گوئی
۱۱۸	اس امر کے متعلق محققین یورپ کی بے	۸۶	تلخ اور صنائع
۱۲۰	اسلام کے قبل جو کتابیں فارسی زبان میں	۸۸	فردوسي
۱۲۲	تصنیف ہوئیں ان سے شاہنامہ کی	۹۰	شاہنامہ کی ابتداء
۱۲۴	سلطان محمود کے دربار میں پانچ سال کی تقریب مطابقت،	۹۲	غزنیں میں شمار سے معکر
۱۲۶	شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہونا	۹۴	شاہنامہ کی فردوسی کی شاعری
۱۲۷	شاہنامہ کی خصوصیات	۹۵	فردوسی کے ناکامی کے اسباب،
"	پہلی خصوصیت	۹۹	سلطان محمود کی بہوج
۱۲۹	دوسری خصوصیت	۱۰۰	فردوسی کا غزنیں سے نکلنا اور مختلف مقامات میں جانا،
۱۳۰	تیسرا خصوصیت	۱۰۵	فردوسی کی دفاتر، اور اس کی اولاد
۱۳۲	چوتھی خصوصیت	۱۰۶	شاہنامہ کا زمانہ تصنیف
۱۳۴	پانچویں خصوصیت		

صفحہ	صفحہ	صفحہ	صفحہ	مضبوط
۱۹۵	۱۵۶	۱۵۷	۱۵۸	چھٹی خصوصیت
۱۹۸	۱۴۰	۱۴۱	۱۴۲	ساتویں خصوصیت
۲۰۱	۱۴۲	۱۴۳	۱۴۴	اٹھویں خصوصیت
۲۰۳	"	۱۴۵	۱۴۶	فردوسی کی رزمیہ شاعری،
۲۰۴	۱۴۶	۱۴۷	۱۴۸	شاہ نامہ کا اندر
۲۱۲	۱۴۹	۱۴۹	۱۵۰	شاہ نامہ کی زبانِ رجاب مت روک ہے
۲۱۴	۱۷۷	۱۷۷	۱۷۸	اسدی طوسی
"	۱۷۸	۱۷۸	۱۷۹	اس خیال کی غلطی کہ اسدی نے شاہنامہ پہنی خصوصیت
۲۱۷	۱۷۸	۱۷۹	۱۸۰	کی تکمیل کی،
۲۱۸	"	۱۷۹	۱۸۱	اسدی نے قصیدہ مین کیا جدت کی
"	۱۸۰	۱۸۰	۱۸۲	اسدی کی شاعری۔
۲۲۱	۱۸۲	۱۸۲	۱۸۳	منوچہری دامتانی
۲۲۵	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۴	منوچہری کے کلام کی خصوصیات
۲۲۸	۱۸۴	۱۸۴	۱۸۵	پہنی خصوصیت عرب کی تقلید
۲۳۰	۱۸۵	۱۸۵	۱۸۶	دوسری خصوصیت
۲۳۲	۱۹۰	۱۹۰	۱۹۱	منظاظر قدرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۰	نظمی کے قصائد اور غزل	۲۴۵	خیام کا فلسفہ
۳۰۱	نظمی کی شاعری اور انکی خصوصیات	۲۵۶	خیام کا فلسفہ اخلاق
۳۰۷	تام انواع شاعری بہ قدرت	۷۴۰	خیام اور یورپ
۰	نظمی کی اولیات	۲۹۷	انوری
۳۵۸	زور کلام	۲۶۳	انوری کی شاعری
۳۵۹	انوری کی شاعری کے متعلق، شماری	۲۷۴	انوری کی شاعری کے متعلق، شماری
۳۱۱	استعارات اور شبہات	۲۷۷	انوری کی ترجیح کے وجہ
۳۱۳	شبہات کی لطافت	۲۸۱	انوری اور ہجو
۳۲۰	فلسفیانہ شاعری	۲۷۸	انوری کے کلام میں عربیت
۳۲۳	جزیبات انسانی کا انعام	۲۸۵	انوری کی مضمون آفرینی
۳۴۴	مناظر قدرت	۲۸۶	انوری اور یورپ
۳۷۸	عشقیہ شاعری	۲۸۸	نظمی گنجوی
۳۷۹	رزیمیر شاعری	۲۸۹	مخزن اسرار کی تصنیف
۳۹۰	نظمی اور فردوسی کا موازنہ تا آخر	۲۹۰	شیرین خسرو کی تصنیف
۳۹۲	کتاب،	۲۹۳	یلی مجنون
۳۹۵	نوٹ۔ چونکہ صفحہ کے بعد غلطی سرچار مخفی چھوٹ گئی تھی ایسا وہ کو دوبارہ چھپا پکر پڑنے کے حافظہ کر ہندو یورپی کوئی من		سکندر نامہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فیہمان اور فترے رامی پرستند	حمد جویاں، لئے رامی پرستند
کہیا ران دیگرے رامی پرستند	بر انگلن پر دہ تما معلوم گردد

وَالصَّلَوةُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَاحًا بِهِ أَجْمَعِينَ

اسلام ایک ابرا کرم تھا اور طلح خاک کے ایک ایک چھپ پر بر سائکن فیض بعد
استعدادو پنچی، جس خاک میں جس قدر زیادہ قابلیت تھی اُسی قدر زیادہ فیضیا ب ہوئی۔
ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، ہمار، مصر، شام، روم، اسپ اسکے حلقو میں آئے
لیکن قبول اُٹر میں سب یکسان نہ تھے، افراد مرتب تھا، اور فرق مرتب کی جنیں بھی
تم مختلف تھیں جس قوم میں جس قسم کی قابلیت تھی، اسلام نے اسکو اور چمکایا، ترک شجاع تھے
شجاع تر ہو گئے، ایرانی ہمیشہ سے تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون میں ممتاز تھے اسلام

ان کو متاز تر کر دیا، بولی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام جماری، مسلم، سیبوئہ جوہری، سب ایران ہی کی خاک سے اٹھتے تھے، آج تمام اسلامی دنیا میں ایران ہی کی تندیب و معاشر جاری ہے، ترکون نے ٹربی ٹربی پُرزو سلطنتیں فائم کیں، لیکن دفتر کی زبان، اور دربار کے دستور اور آئین سب فارسی ہی رہے۔

ایران کی خاک نہون رطیفہ کی قابلیت میں بھی سب سے متاز تھی، اور بالخصوص شاعری اسکا خیر تھا، اسلام نے اس خاص جوہر کو زیادہ چھکایا اور اس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف، اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج تک کسی اسلامی زبان میں ایران کی شاعری کی کوئی ایسی فرمیج نہیں لکھی گئی جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی، کن اسباب سے شروع ہوئی؟ کس طرح عمدہ بعده بڑھی ہے کیا کیا انداز قائم ہوئے؟ کیا کیا صورتیں بدلیں، ملکی اور قومی حالتون نے اپر کیا کیا اثر کئے خود اسے ملک اور قوم پر کیا اثر ڈالا؟

شعراء کے تذکرے بہت ہیں لیکن وہ دقیقت بیاض اشاعتیں جن میں شوارکے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھدیے ہیں، شوارکے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہیں، اور شاعر کے عمدہ بعندہ کے انقلابات اور اُنکے اسباب کا تو مطلق ذکر نہیں ہیں اس کی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا، اور اکثر اس او ہیتر بن ہیں رہتا تھا، مئی ۱۹۵۷ء میں میرے معزز و دست اور استاذ شریعت نے مجھکو اطلاع دی کہ جمن کے ایک پروفیسٹ جمیس ڈائشیٹ نے اس موضوع پر فرمج ہیں ایک کتاب لکھی ہے، میں اس زمانے میں فرمج زبان سیکھ رہا تھا، بڑے شوق سے

اپنے ملکوں کی دین وہ صنوف کا ایک رسالہ تھا جس میں شوار کے نہایت احمولی حالات تھے، ایک مدت کے بعد اس صنف کی ایک اور یہ کتاب شائع ہوئی، تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے نہایت حرثت انگیز تھی لیکن وہ زبان کی تاریخ ہجت میں ترندہ پہلوی وغیرہ زبانوں پر نہایت متفقانہ بحث کی ہے اور اسلام کے قبل کی تصنیفات کا سراغ لگایا ہے، شاعری کی تاریخ سے اسکو لکھا دیتے ہیں۔ اس نتایج میں سرشنستہ علوم و فنون جید رہا اباد کے تعلق سے سلسلہ کلامیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور چند کتابیں لکھیں جو چھپ کر شائع ہوئیں، اس سلسلہ سے فی الجملہ فراغت ہوئی تو کچھ سال پرانا خیال پھر تازہ ہوا، اور ۶ ماہ چ ۱۹۰۷ء کو میں نے اس عمارت کا نگاہنیا درکھلا لیکن پنج بج میں موائزہ اٹھیں اور لالہ دہ سدر را ہ ہوتے رہے، جب موائزہ سے بالکل فارغ ہو کر ہم تین اس کام میں صروف ہوا اور فردوسی کے حال تک پہنچا تو ہے اسی عرصہ کو صدمہ پا کا واقعہ بیش آیا یعنی انفاق سے میرے پاؤں میں گولی لگی اور پاؤں کاٹ ڈالا گیا یا بھی فردوسی کی کرامت تھی کہ واقعہ سے ذرا پہلے شامہنامہ کا یہ صرع درید و برید خاکست و بیہت، قلم کی زبان پر تھا، اس حادث نے تین چار ہفتہ کھنے سے مندر رکھا، پھر وہ سلسلہ شروع ہوا اور رہا و جو درود رسمیت کے پچھے کام ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمہرے ۱۹۰۸ء کی جنمی تاریخ کو دور ادالہ کا پہلا حصہ انجام پذیر ہوا۔

کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ قدماً متوسطین، متاخرین مکے تین دور ہیں، پہلا دور خظلہ شروع ہو کر نظامی پر تمام ہوتا ہے، دوسرا مکال آئیل سے جامی تک اور تیسرا غافی

لہ شبلی نامہ سے رابہ جزاۓ علش پاپر یہند و صد اخاست کسر بھی طیت

کے ابوطالب کلیم کے بعد شاعری، شاعری نہیں رہی بلکہ جیتنان گوئی بیگنی، ان روشن کے
خاطر سو کتاب میں حضور پرنسپل ہے، چوتھے حصہ، میں شاعری پر عام ریویو ہے اور یہی حصہ
گویا کتاب کی جان، اور اُسکی روح و روان ہے، اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے
مدول گئی ہے، اگرچہ بہت ہیں، لیکن خاص طرح پر جذکر کے قابل ہیں جس سب ذیل ہیں:

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
للب اللباب	عوفی یزدی	سب سے پہلا نہ کہا ہے، مصنف ساتویں صدی ہجری میں تھا اور اپنے عدالت کے حالات لکھتے ہیں، پروفیسر براؤن نے تصمیح و تجھیہ کر کے شائع کیا ہے۔
چار مقالہ	نظمی عرضی سمرقندی	مصنف نظامی گنجوی کا ہمدرد تھا، گو منحصر اس رسالہ ہو لیکن نہایت منفرد تابیں لکھتی ہیں، خود بھی باکمال شاعر تھا۔
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی	مشهور ترین کرہتے، اور گو اکثر جگہ غلطیاں کی ہیں تاہم دچپ اور مفید ہے۔	
تاریخ آل غزین	بہیقی	مصنف مسعود بن سلطان محمد غزنوی کے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
غرفات	اوحدی	زمانہ میں تھا فہمٹا شوار عصر کا تذکرہ کیا ہے، عرقی وغیرہ کا ہم صحبت تھا، یہ تذکرہ ضخیم دو جلد و نین بیو، حالات بھی کسی تفصیل سے لکھتے ہیں،
م خانہ	عبدالنبی فخر ازمانی	چنانگیہ کے زمانہ میں تھا، صرف اُن شوار کا حال لکھا ہے جھون نے ساقی نامے لکھے، تمام تذکرہ دون کی نسبت زیادہ مفصل ہو، اور اپنے ہمھرون کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے،
تذکرۃ الشعرا	میرزا طاہر صیری پادی	ست سنہ ع کی تصنیف ہے،
ماثر حسینی	عبدالباقي تہاؤندی	مصنف خان خانان عبد الرحیم کا درباری تھا کتاب محل میں خان خانان کی سوانح غری ہے، ضمن میں تمام شوار سے خان خانان کے حالات بھی لکھتے ہیں، اور تمام تذکرہ دون کی نسبت زیادہ مفصل اور صحیح لکھتے ہیں۔
مرآۃ الخيال	شیرخان لودی	چھپ گیا ہے
ہرفت اقلیم	امین لازمی	چنانگیہ کے عہد میں لکھا گیا، استند اور عقبہ پڑی

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
تذکرہ میر تقی کاشی	سما میز راصفوی	سنه ۹۹ھ کی تصنیف ہے، خاندان صفویہ کا خنززادہ اور جہانگیر کا مناصرہ مسبکت اب ہے مصنف جہانگیر کے عمدیں تھا
تذکرہ سامي	واله واغستانی	جلیب السیر ریاض الشعرا
سررو آزاد	مولوی علام علی آزاد	شاعر اے عمدتیوریہ کا تذکرہ ہے، عامت ذکرہ ہے۔
ید بیضا	"	"
خزانہ عامره	"	صرف ان شعرا کا حال ہی جنکو منح کے معاوضہ میں حلہ ملا۔
مجموع الفتاویٰ	خان آرزو	ہدایت قلی خان
مجموع الفصی	کثرت سے جمع کیا ہے۔	حال کی تصنیف ہو شعرا کا کلام نہایت

شورا کے کلمات اور دیوان جس قدر نظر سے گزرے ان کی فہرست اسقدر لبی ہے کئی درج صرف ہونگے اس لیے قلم انداز کرتا ہوں۔

عجیب یات یہ ہے کہ یورپی فارسی زبان کے ساتھ مسلمانوں سے زیاد اپتنا کیا، مسلمانوں کو اسلام سے قبل فارسی زبان کی ایک تصنیف کا بھی پتہ معلوم نہ ہوتا لیکن یورپیانے ان تصنیفات کا اسقدر سرمایہ جمع کر لیا کہ نہ دشمن سے ایک

نوشیروان کے عہد تک زبان کی پوری تاریخ مرتب ہو گئی۔

پروفیسر دا مسٹر ہرمنی نے فرخ زبان میں ایک ضمیم کتاب لکھنے میں کیا مرث سے یہ سکر اسلام کے عہد تک چار دور قائم کئے اور ہر دور کی زبان کی خود صرف نبات، الفاظ و تنیزت یہ مفصل ریویو لکھا ری کتاب ہماری نظر سے گز ری ہے) پورپ کے اور عقین نے خاص خاص زبانوں پر تعلق تصنیفات لکھنے، خصوصاً اوستا اور شند کی زبان کے متعلق اسقدر کثرت سے معلومات میا کئے کہ نکتہ مکمل ہو گیا۔ اکثر اساتذہ کے دیوان، جنایا ب تھے انکو بڑی کوشش اور تلاش سے بہم پہنچا کر تصحیح و تختیہ کے ساتھ چھاپا منو ہپری کے تصاویر ایران میں نہایت اعتماد اور غلط ساطع پچھے تھے لیکن فرانس میں اس اہتمام سے چھاپا کر دیکھ کر انکھیں روشن ہوتی ہیں، اسکے ساتھ فرخ میں اسکا ترجمہ بھی چھاپا، اور لغات و اصطلاحات کی علیحدہ فرنگ لکھی، اسی طرح روس کے پروفیسر والن ٹن ٹروکسکی نے انوری کے تصاویر پہنچا پے، اور دیبا چہ میں انوری کی سوانح اور کلام پر ریویو لکھا، پروفیسر نولڈیکی نے خاص شاہنا کے تاریخی مأخذوں پر ایک تعلق کتاب جرمنی زبان میں لکھی، شعر کے بہت سے تذکرے لکھے گئے جنہیں سے سفر گوراوسی کا تذکرہ عام طور پر مشہور ہے۔ سب سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب پروفیسر براؤن نے لکھی جو کیم بر ج کالج کے فارسی لکھا رہیں، اس کتاب پر کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔

ان کو ششون کے علاوہ قدیم فارسی زبان کی اصل کتابیں بہم پہنچائیں اور چھاپ کر

لے اس کتاب کا تمام لٹری ہستری آٹ پر خیا ہے اور انہیں متنداہ میں چاپ گئی ہے۔

شائع کیں۔ آج مسلمانوں کے پاس پہلوی زبان کا ایک حروف موجود نہیں لیکن یورپ پہلوی زبان کی بہت سی تصنیفات شائع کیں جن میں سے ایک کتاب یاد نہ رہا ان حضرت علیسی سے پانچ سو برس قبل کی تصنیف ہے۔

ان تصنیفات میں سے بعض بعض میری نظر سے گزریں اور جسے فائدہ اٹھا سکنا ممکن تھا میں نے فائدہ اٹھایا، لیکن ان تمام باتوں پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کتاب کے لکھنے کا جو حق پورا ہوا، قدیم واقعہ نگاریں اور تذکرہ نویسیوں نے جو کمی کی وہ آج کیونکر پوری ہو سکتی ہوئے

پیدا اُrst کہ با این سوسامان چن لوگ	اگر کہ مراطز نوشتہ نشد از یاد
-------------------------------------	-------------------------------

شعر کی حقیقت

چونکہ ایک دلت سے علم کی کمی اور طبیعتوں کی بدناتی نے فخر کی حقیقت پر وہ ڈال دیا ہوا اسی نے ضرور ہے کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کیجاں تاکہ ایک صحیح معیار قائم ہو جیسے ایران کی شاعری کا اندازہ کیا جائے یہ

شاعری کی حقیقت اور اُسکی ماہیت پر حسب پہلے ارشتوں نے بحث کی چنانچہ اسے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جس کا نام پوبلیقاو پوٹیری ہے، اس کتاب کا ترجمہ، عربی زبان میں ہوا اور ابن رشد نے اسکی تجزیص کی، اس تجزیص کے جستہ جستہ ملے شاعری کی حقیقت پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے نہایت اجمالی لکھا ہوا اسکے مستقل اسقدر مواد موجود ہیں ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

حضرت پروفسر شنون لویس نے اپنی کتاب علم الادب میں جو ہدایت میں چھپ گئی ہے شامل کئے ہیں افسوس ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے اسطوکی ادبی تصنیفات کی طرف اتفاقات نہیں کیا اسیلے شاعری متعلق اسطوکے جو خیالات تھے وہ مسلمانوں میں بالکل بھیل نہ سکے۔

کتب ادبی میں شاعری کی جو تعریف کی گئی ہے، اور وہی عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہے۔

یہ ہے کہ "کلام موزوں ہوا اور متكلم نے بہارادہ موزوں کیا ہوا" لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہے، آج تو یہ مسلم بالکل نصیل ہو چکا ہے، لیکن قدما رک کلام میں بھی اس کے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہیں کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہیں، کتب ادبی میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن شابت کے صنیر السن بچے کو بڑھنے کاٹ کھایا وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجبو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے، حسان نے جانور کا نام پوچھا، وہ نام "ادافت نہ تھا"، حسان نے کہا اچھا اسکی صورت کیا تھی؟ بچے نے کہا ہے کہا نہ ملتقٹ بر فی حرۃ۔

یعنی اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مختلف چادر ون میں لپٹا ہوا ہے، اچونکہ بچہ کے پردون پر رنگیں، دھاریاں ہوتی ہیں، اس لیے اُس نے مختلف چادر سے تشبیہ دی، حسان اچھل پڑے اور خوشی کے جوش میں کھا کر اللہ صارا نبی الشاعر، یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا، فقرہ موزوں نہ تھا، لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی، حسان نے بھا کر بچے میں شاعری کی قابلیت موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک شرکی اصل حقیقت کیا تھی؟ ابن حسین تیروانی نے عرب کی شعرو خاوری پر ایک مستقل کتاب لکھئی، اسی میں شعر اور علماء ادب کے جو اقوال نقل کئے ہیں انسے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

شرکی عام
تعریف

شعرو خاوری کا
وزن و قافیہ کا
نام نہیں

شوارے فارس کے نزدیک بھی شاعری دراصل تخلیل کا نام تھا، نظامی عروضی سمجھ دی جو خود بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا معاصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ میں لکھتا ہے۔

«شاعری صناعت است کہ شاعر بدان صفت اتساق مقدمات موهومہ کند والیا م قیاس نتیجہ برآں وجہ کہ منی خود را بزرگ کند، و بزرگ را خرد، نیکورا درلباس نزشت و نشت را در حلیہ نیکو جلو و دہ، و با یہا م قوت غصانی و شهوانی بر انگیزہ تابان ایام طالع را بسط دو انقباضے بود و امور عظام را در نظام عالم سبب گردد»

اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ شاعری اسکا نام ہے کہ مقدمات موهومہ کی ترتیب سے اچھی پڑیں گا اور بُری پڑیں گا کہ جس سے محبت و خسب کی قوتیں شتعل ہو جائیں۔

یہ قدم کے احوال و خیالات تھے یورپ کے نکتہ شجن نے اس مسئلہ پر نہایت ذریعینگیں کی ہیں اور عجیب عجیب نکتے پیدا کئے ہیں۔ مل نے اس پر ایک نہایت منصل اور سبیط مضمون لکھا ہو جس کا نہایت مختصر خلاصہ حسب ذمیل ہے۔

یورپ کے
محققین کے نزدیک
شُرکی نہایت

انسان کے درکات میں میں سے بعض ایسے ہیں جسے جذبات انسانی کو کچھ تعلق نہیں
مٹتا اگر ہم اعلیٰ میں کوئی مسئلہ حل کریں تو اس سے ہم کو غصہ یا جوش یا رنج نہیں پیدا ہو گا۔
لیکن اگر ہمارے سامنے کسی شخص کی مصیبت کا حال اور دلگیز نظر گلوں میں بیان کیا جائے
تو اس واقعہ کے اور اس کے ساتھ ہم پر ایک اخطر طاری ہو گا، اس قسم کے اثر دون کا نام
جذبات یا احساسات ہے اور جیسا کہ جذبات یا احساسات کو بر انگیزہ کر سکتی ہو رہی ہی

شاعری ہے اس تعریف کی بناء پر تصور یقینی۔ وعظ بھی شعر میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں بھی جذبات انسانی کو بر لگنے کر سکتی ہیں۔ اسی بناء پر بعضوں نے ان چیزوں کو بھی شاعری میں داخل کر لیا ہے لیکن مل صاحب کے نزدیک یہ چیزیں شاعری کے دائرے میں باہر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انسان جو کلام کرتا ہے اُسکی غرض کبھی تو دوسرا پر اثر فلان ہوتا ہے مثلاً اپنی کچھ وغیرہ کہ ان سب کا مقصد دوسروں کا متاثر کرنا ہوتا ہے، کبھی دوسروں ہو مطلق غرض نہیں ہوتی بلکہ انسان محض اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے اور اپنا آپ ہی مخاطب ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا بیٹا امر جائے تو اس حالت میں اُسکی زبان سے جو الفاظ نکلیں گے اُسکی غرض کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنا ہو گا، بلکہ وہ اپنا آپ مخاطب ہو گا، فرض کر دو ان کوئی شخص موجود نہ تباہ بھی وہی الفاظ اُس کی زبان سے نکلیں گے۔ شاعری اسی قسم کے کلام کا نام ہے، اس بناء پر شاعری کی تعریف منطقی طور پر کرنا چاہیں تو یون کہیں گے کہ تو کلام اس اس قسم کا ہو کہ اس سے جذبات انسانی بر لگنے ستم ہوں، اور اسکا مخاطب حاضرین نہوں بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو اسکا نام شاعری ہے۔

مل صاحب کی یہ تعریف الرجح نہایت باریک مبنی پر مبنی ہے لیکن اس سے شاعری کا دو افراد نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو فارسی اور اردو کا ذفتر بے پایان بالکل بیکار ہو جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر کا دائرہ نہ اس قدر تنگ ہے جیسا مل صاحب کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس قدر و سچ حسنہ ہمارے علاوے ادب نہ کیا ہے۔

شعر (جیسا کہ اس طور کا نہ ہے) ایک قسم کی مصوری یا تفاسیل، اُر فرق یہ ہے کہ مصور صرف ماڈی اشیا کی تصور کی چیز سکتا ہے جو غلاف کے شاعر قسم کے خیالات، جذبات اور حساسات کی تصور کی چیز سکتے ہے۔ ایک شخص کی عزیز دوست جو اپنے ہے، اس حالت میں جو اپنے صد سے گزرتے ہیں، اور دل دوز خیالات کا جو طوفان اُسکے دل میں اٹھتا ہے شاعر اس کی تصور اس طرح کی چیز سکتا ہے اگر رنج و غم مادی چیزوں ہوتیں اور ان کی تصور کی پیشی جاتی، تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے کی چیزیں تھیں۔

اُس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کہ اُس شے کی اصلی تصور اُنہوں کے سامنے پھر جائے، تو اُس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی، دریا کی روانی، خجل کا ساتھ، باغ کی دالی، سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نیک کے چھوٹنے، دھوپ کی شدت، گرمی کی طبیش، جائزون کی ٹھنڈی، بسح کی تبلیغی، شام کی دلا دیزی، یار بخ، غم، غنیظ، غصب، جوش، محبت، افسوس، جسرت، خوشی، ان اشیا کا اس طرح بیان کرنے کا ذکر اُنہوں میں پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے یہی شاعری ہے۔

ایک اور پیرایہ میں شاعری کی تعریف کیجا سکتی ہو۔

دنیا میں جو قدر قدرت کے مظاہر ہیں، خواہ ماڈی ہوں مثلاً پھاڑ بیابان، بلغ زریا غیر خواہ غیر مادی، مثلاً صل، بھر تھیں، نفرین، ان سب سے دل پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے، لیکن اُن کے مراتب متفاوت ہیں۔ بعض اشخاص پر کم بعض پر زیادہ اور بعض کے بہت زیادہ ہوتا ہے، جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ تاثر ہواد ر

بیانہ اس اثر کو الفاظ سے ادبی کر سکتا ہو وہی شاعر ہے۔

شاعر کے جذبات اور احساسات، فطرت، نہایت نازک، اطیف اور سریع الاشتغال ہوتے ہیں، دوست کی جدی ای شہرخش کے دل پر اثر کرتی ہے لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بیباہ ہو جاتا ہے، دریا کی روائی سے شہرخش محظوظ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، بیرون کے دیکھنے سے شہرخش کو فرحت ہوتی ہے لیکن شاعر جو منے گلتا ہے، ممکن ہے کہ اس درجہ کی کیفیت دوسروں پر بھی طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعے اس طرح ادا نہیں کر سکتے جس طرح شاعر کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ شہرخش واقعات اور مطلبہ قدرت کے اور لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہوا اور اس اثر کو الفاظ کے ذریعے سے پورا پورا لاظاہ کر سکتا ہو دیسی شاعر ہے،

برادر عزیز مولوی حمید الدین نے جمہرۃ البلاغۃ فن بلاغت میں ایک نادر کتاب لکھی ہے اس میں شعر کی حقیقت نہایت نکتہ بخی سے بیان کی ہے اسکا خلاصہ ذیل میں ہے۔

”شاعر کے لفظی معنی صاحب شعر کے ہیں، قحور اصل میں احساس رفیلگیک، کو کہتے ہیں یعنی شاعر وہ شخص ہے جو کہ احساس تو می ہو انسان پر خاص خالیں طاری ہوتی ہیں، مثلاً روزہ، ہندن، انگڑی لینا، یہ خالیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص حرکات صادر ہوتی ہیں، رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہیں، ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہے، انگڑی میں اعضا تھن جاتے ہیں، اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر بخیا، خوشی، یا غصہ، یا استجواب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر

پڑتا ہے۔ اور یہ اثر مزون الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام شاعری ہو۔
 حیوانات پر جب کوئی جذب طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازوں کے ذریعہ سے ظاہر
 ہوتا ہے مشائیر کی گوجھ، طاؤس کی جنکار کویل کی کوک، بُبل کا تراہ، اسی طرح انسان پر جب
 کوئی جذب طاری ہوتا ہے تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جب طرح حیوانات کی جذبات
 کبھی حرکات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں شلا طاؤس ناچنے لگتا ہے، سانپ جھوٹا اور
 لہرتا ہے، ایم طرح انسان کو چونکہ نطق کے ساتھ، نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہے ایسے مزون الفاظ
 سمجھ سے نکلتے ہیں، اور ساتھ ہی انسان غنقا نے بھی لگتا ہے، اور جب یہ جذب نیزادہ تیز ہو جاتا ہے
 تو انسان ناچنے لگتا ہے، یہ سب باتیں صحیح ہو جائیں تو یہی اصلی شعر ہے، اس بیان سے ظاہر ہو گا
 کہ شعر الفاظ، وزن، نغمہ، اور رقص کے مجموعے کا نام ہے۔

لیکن چونکہ یہ تمام چیزیں، جذبات کی کمال خدعت کے وقت پیدا ہوتی ہیں ایسے ہر شعر میں
 ان تمام چیزوں کا پایا جانا ضرور نہیں تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہیں ہو سکتا اور ان جو شعر کا
 ایک ضروری جزو ہے۔ راگ کی ایک قسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اشعار کو گاکر
 پڑھتے تھے بشرط کے پڑھنے کو جو اہل عرب انشاد کرتے ہیں، اس کی بھی وجہ ہے کیونکہ انشاد کے اصلی
 معنی گابنے کے ہیں۔

اسطورے اس بحث میں سخت علیحدی کی سبے دو کہتا ہے کہ شاعری کے جذبے کے وقت
 انسان جگانے یا ناچنے لگتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی صورتی ہے
 لیفی انسان کے دل میں جو جذبات پیدا ہوتے ہیں، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے انکی تصویر

کی پختا ہے جنا نچہ رقص جو کچھ گاتے ہیں، حرکات رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے جاتے ہیں۔ لیکن اس طور کا یہ خیال غلط ہے اصل یہ ہے کہ جذبات انسانی مثلاً رنج، خوشی وغیرہ انسان کے دل میں نہایت پُرزو رکھت پیدا کر دیتے ہیں، یہی حرکت آواز، یا لگ یا رقص یا انحراف نجاتی ہے مثلاً انسان کو جب نہیں آتی ہے تو دل میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور یہی حرکت نہیں نجاتی ہے، اور چونکہ یہ آثار حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہیں اسیلئے وہ حرکات نفسانی پر ایسی طرح دلالت کرتے ہیں، جس طرح الفاظ امعانی پر دلالت کرتے ہیں، شہر جس طرح نقط، ایک نقطی چیز ہے، اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی خود بخود سرزد ہوتے ہیں، اور تقالی اور محاذات کی غرض سے نہیں کیتے جاتے، گوئی ممکن ہے کہ محاذات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے۔

ان تمام خیالات سے تکمیل تعاویری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوا ہو گا، اور معلوم ہو گا کہ آج کل جس چیز کا نام شاعری ہے اسکو شاعری سے کچھ تعلق نہیں۔

فارسی شاعری کی ابتدا

اس قدر عمدہ مسلم ہے کہ اسلامی دور میں، شاعری تیری صدی سے خصوص ہوتی ہے ابوالعباس مروزی کے اشعار جنکا ذکر اس کے چلکر کہیں آئیکا اگر رعایتاً نابت بھی ہوں تو وہ ایک اتفاقیہ تفریج خاطر تھی، جو سلسلہ تاریخی کی کوئی کڑی نہیں بن سکتی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ دوسرا بس تک شاعری کی زبان کیون بندرہی، فارسی شاعری کیون دو جو دین نہیں آئی

تذکرہ فویسون نے اسکے اسباب یہ بتائے ہیں: «ظاہراً است کلا شمار قدیم شعراً عجم بدب غلبہ عرب از میان رفتہ، چنانکہ مشهور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیان را عرب سوختند ہے۔» از کتب قدیمہ چیز سے بر جانکندا اشتندادا قلیلے کرنے ہمان داشتند چون مردم راقی عن بنی نومن بلخی نومنہ قاعدہ سخن فارسی و شتر تروک شد، تامدستے گذشت و اوضاع بنوع دیگر گشت۔»

یہ مجمع الفصحی اور کی عبارت تھی جو زبان حال کا سب سے طراستند تذکرہ ہے، اور ناصر الدین

قاچار مقصود کے عمد میں ۲۸۷ھ میں تصنیف ہوا ہے، یہ خیالِ محل میں دولت شاہ کے تذکرے سے مانوذ ہے، اُنسنے یہ روایت نقل کی ہے کہ «عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی تمام کتابیں بر باد کر دیجائیں اس بنا پر آل سامان کے زمان تک فارسی شاعری ناطقو نہیں بلکہ ان بزرگوں کی تاریخ دانی کی داد دینے کا یہ موقع نہیں، اسکے لیے چارے مضمون، تراجم کو دیکھنا چاہیے جو رسائل شبی کے ساتھ چھپ کر شائع ہوا ہے، لیکن استدلال کس قدر لطیف ہے یعنی چونکہ ایران کی قدمی کتابیں بر باد کر دی گئیں، اس لیے اہل عجم فارسی میں شعر بھی نہ کہہ سکے،» اسلام نے ملکی زبان سے کبھی کچھ تعریض نہیں کیا، حضرت عمرؓ کے عہد سر ججاج بن یوسف کے زماں تک تمام دفاتر فارسی زبان میں تھے، حجاج کے زمانے سے عربی میں ہو گئے، لیکن ملک کی محلی زبان دہی رہی، رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہو گا رہا کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہو گئی، اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی، جب خود فارسی زبان سے کسی قسم کے تصب کا اظہار نہیں کیا گی، تو فارسی شاعری نے کیا گناہ کیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام جس قوم میں پھیلتا تھا، اسکو مذہبی اثر سے اسقدر

لبریز کر دیتا تھا کہ اسکو سو اے نہ بہب کے دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہیں رہتا تھا، خود عرب کو دیکھو، وہ ملک جسکے درودیوار سے شاعری کی آواز آتی تھی، اسلام کے آتے ہی دفعہ چاروں طاف سناتا سا چاگایا، ولید کے زمانے سے جب فناہنہ درود ربار قائم ہوا تو لوازم سلطنت کی خلیفہ سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت کی زبان عربی تھی، اس لیئے شاعری بھی عربی ہی شواجور مدنیتہ قبادت کے ذریعہ سے زندگی برپ کرتے تھے فارسی میں شاعری کرتے تو مددوح انکی زبان یعنی نکر سمجھتا، اور نہ سمجھتا تو ان کی دادکیاوسے ملتا، اتنے سے سہارے سے کہ ماون الرشیدیا کی مدستک خراسان میں رہا تھا، اور غالباً فارسی سے حرف آشنا ہو گیا تھا، عباس مروزقی نے ایک تصدیدہ فارسی میں لکھا، اور ماون الرشیدی نے اس کے صلح میں ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے، ارباب تذکرہ لکھتے ہیں، کہ اسلامی عہد میں فارسی شاعری کا یہ پہلا حروف تجھی تھا، اسے پہلے اگر برائے نام کچھ پتہ چلتا، تو اب حضن حکیم سعدی کا شہر ہے جو پہلی صدی ہجری میں جو دنکھا انشعر ہے۔

آہو سے کوہی در دشت چکو نہ دو دا	زدار ویار، بے یار چکو نہ بودا
---------------------------------	-------------------------------

ایکسا اور بڑا سلب یہ ہوا کہ چند ہی روز میں اسلام نے اپنے خاص علوم و فنون ادب و انسا کا سرمایہ استمرار دیکھ کر لیا تھا، اور ہر شاخ میں وہ اختراقات اور رجد تین پہلی کی تھیں کہ اسے سامنے نام قوم و مون کو اپنا قدیم لہر بخیر، پچ اور بے وقت نظر آتا تھا و سری تیسری صدی ہجری میں اسلام کی جان جہان حکومتیں قائم ہوئیں، یعنی ایران، هصر شام، اندرس، ان تمام ممالک میں اسلامی علوم و فنون نے مفتوحہ قوموں کے علوم و فنون کو بالکل ہاتک روایا اس لیے عرب کی شاعری کے آگے دوسری قوموں کو اپنی زبان میں شاعری

کرتے شرم آئی تھی، خراسان، مصر، وشام، وغیرہ میں سیکڑوں ہزاروں شعر اپیدا ہو گئے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی میں کہتے تھے، چنانچہ تعلیبی نے پیغمبر الہم من ان عجمی شعر کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

تیسرا صدی ہجری میں دولت عباسیہ کا اقبال اقبال ڈھلنا شروع ہوا اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہو کر نئی نئی حاکمیتیں قائم ہونے لگیں، اس قسم کی سب سے پہلی سلطنت جو قائم ہوئی وہ خاندان طاہریہ تھا، جو مون الرشید کے مشهور سپہ سالار طاہر زادہ ایمینیں کی طرف مسوب ہوا، یہ خاندان جو ۲۵۹ھ بر سر حکمران رہا اور ۴۰۷ھ میں اسکا خاتمه ہو گیا، اگر خود مختاری کا دعی نہ تھا، لیکن خراسان میں اسکا اس قدر زور اور اقتدار ہو گیا تھا کہ خود مختاری کے تمام سروسامان پائے جاتے تھے، دربار میں شعر کا ہونا بھی ضرور تھا، اس لیے باوجود اسکے کہی خاندان فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا، اس بہت سے شعر اپیدا ہو گئے، سنو چہری دامغا نے ایک تصدیق میں متفقہ میں شعر کا ذکر کیا ہے۔

بُو الْعَلَاءُ وَبُو الْعَبَاسِ	وَبُو سَلِيكِ وَبُو الْمَشْلُ
بُو خَلُوَرْ بْنِي وَبُو الْفَسْطَحِ	بْنِي كَهْذَى

ان شعروں میں جن شعر کے نام آئے ہیں، ان میں طاہریہ شعر ابھی میں یعنی خسطہ

بادقیسی، محمود و راق، فیروز مشرقی،

خسطہ باد غلیسی، یہ سب پہلا شخص ہے، جس نے باقاعدہ شاعری اختری کی ۲۱۹ھ میں استقال کیا، عرضی سکر قدمی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صاحب

دیوان تھا، چند اشعار یہ ہیں،

یارِ سپند کر پہ براتش ہمی نگند	از بہرِ چشم تانر سد مرور! گز نہ
اور اسپند و مجرہ نایہ ہمی بکار	باروی بمحاج آتش و باحال چون سپند

یعنی میر امعتوق نظر بستے بخپنے کے لیے آگ پر سپند جلاتا ہے، لیکن اسکو اس کی کیفیت حاجت ہے، اسکا چہرو خود آگ، اور اُسکا تسلی خود سپند ہو۔ خطاط نے ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔

محمود و راقی، محمد بن طاہر جو خاندان طاہر کا سب سے اخیر فرمانزدہ تھا یہ اُسکے زمانہ میں تھا، مجمع الفصحاء میں اسکے یہ دو شعر قتل کئے ہیں ہے

نگار زیا نبقد جانت نہ ہم	گرانی درہا، ارزانت نہ ہم
گرفتہ تم پہ جان، دامانِ صلت	نم جان از کفت و دامانت نہ ہم

فیروز مشرقي، اصل میں یہ کارہنے والا تھا، ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ اسکے چند اشعار یہ ہیں ہے

مرغی است خدگنگ او عجب دیدی	خاندان طاہری کے اخیر فرمانزدہ محمد بن طاہر کو ۷۵۵ھ میں یعقوب صفاری نے گرفتار کر لیا اور اس خاندان کا خاتمه ہو گیا۔
وا رہ پر خویش گرگش ہدیہ	تماچپ اش را برد بہ مہانا

خاندان طاہری کے اخیر فرمانزدہ محمد بن طاہر کو ۷۵۵ھ میں یعقوب صفاری نے گرفتار کر لیا اور اس خاندان کا خاتمه ہو گیا۔

۱۰۔ یہ تمام حالات اور اشعار مجمع الفصحاء سے مخذول ہیں۔

یعقوب صفار را اوت کا تھیٹرا تھا لیکن شاہزاد دل و دماغ رکھتا تھا، یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کے زمانے میں اس نے علم بغاوت بندا کیا، اور خراسان و فارس پر قابض ہو گیا۔ ۷۹۳ھ میں وفات پائی اسکے بعد اس کا بھائی عمر و بن ایش اور اس کے بعد اس کا پوتا طاہر بن محمد چند روز حکمران رہ کر ۷۹۷ھ میں گرفتار ہوا اور اس سلسیلہ کا خاتمه ہو گیا اس چند روزہ خاندان نے بھی متعدد شعر اپیدا کیے جنہیں سے ابو سلیک گر کافی زیادہ متاز ہو منسوب چہری دامغانی نے اسکو قدما رشوار میں شمار کیا ہے، جمیع الفصحاء میں اس کے یہ اشعار لعل کئے ہیں۔

لے بڑہ دل زم بز دیدی می ،	بڑہ دل زم بز دیدی می ،
لے بخُلقنا کہ دیدی دزدی دفر دی	مُزد خدا ہی کہ دل زم بُردوی

شاعر می کے متعلق اس خاندان کا بڑا احسان یہ ہے کہ رباعی کی ایجاد اسی زبان میں ہوئی، یعقوب صفار کا ایک کسن بچہ ایک دن اخروں سے کھلیل رہا تھا، ایک اخروں لڑکتے لڑکتے ایک گڑھے زین جا کر گرا، بچہ کی زبان سے پیساختہ یہ مصرع بخلاع غلطان غلطان ہی رودمالپ کو، یعقوب بھی موجود تھا، اسکو بچہ کی زبان سے یہ مذوق ن کلام بہت پسند آیا، لیکن چونکہ اسوقت تک اس بچہ زین اشتازہ میں کئے جاتے تھے، تھر کو بلکہ کہا کہ یہ کیا بھر ہے انہوں نے کہا نہیں ہے، بچہ زین مصرع اور لگا کر رباعی کر دیا، اور دو بیتی نام رکھا نہیں تک بھی نام رہا، پھر دو بیتی کے بجائے رباعی کہنے لگئے۔

سلہ تذکرہ دولت شاہی سرتقندی -

لیکن یہ تجھب ہے کہ عربی زبان میں آج بھی دوستی کئے ہیں جس سے اہل عرب کی دیانت
کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خاندان سامانیہ

اس وقت تک جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابھر تھی لیکن خاندان سامانیہ نے دفعتہ اس
میں کو آسمان بنادیا، روڈ کی جو نارسی شاعری کا ابوالاً باہم جما جاتا ہے اسی دربار کا
روست پر در تھا شامناہ مہ جو عجم کا صحیفہ آسمانی ہے اسکا غصر اسی عمد میں تیار ہوا
اس خاندان کا سلسلہ نسب ہر امچوپین تک پہنچتا ہے اس لیئے اس خاندان میں حکومت
آنماجم و کسری کا دوبارہ عالم وجود میں آنا تھا، عدل و انصاف، جاہ و جلال، شان و نیکت
تریتی علم و فن، کسی بات میں وہ اپنے اسلام سے کم نہ تھا۔

اس سلسلہ کے قائم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ رامون الرشید کی جہان اور
شامناہ فیاضیان تھیں، ان میں ایک سایہ بھی تھی کہ وہ قدیم خاندانوں کی تہذیت کا خیال لگتا
تھا، جس زمانے میں وہ مرویں تھا، اس سلسلہ کا مورث اول اسد بن سامان اور بار
میں پہنچا، اور رامون نے اسکو پایا قرب ہیں جگہ دی، جب مرد سے بعد اور وادا نہ ہوا
تو وہاں کے گورنر کو تاکید کرتا آیا کہ اسد کی اولاد کو منزز عمدے دیے جائیں اسدر کے
چار فرزند تھے، نوح، احمد بھی، الیاس، چنانچہ دہ ستر قند، فرانس، بشناس، ہرات
کے گورنر مقرر کیے گئے، نوح کی وفات کے بعد اسکا بیٹا احمد ستر قند کا حاکم مقرر ہوا،

لیکن چند روز کے بعد اپنے بیٹے نصر کو اپنا قائم مقام کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا، اللہ تعالیٰ خلیفہ مقتضد باللہ نے نصر کو ماوراء النہر کی حکومت دی، اب نے اپنی طرف سے امیل کو بخارا کا حاکم تقرر کیا، چند روز کے بعد درانزارون نے دونوں بھائیوں کو باہم لڑادیا، یہاں تک کہ نصر میں گرفتار ہو کر امیل کے دربار میں آیا، لیکن امیل نے حوصلہ شاہزاد سے کام لیا اور بھائی کو تقدیم سے آزاد کر کے تخت پر بُجھایا اپ دست بستہ اُسکے سامنے کھڑے ہو کر آواب و درست بوس کیا ہیں ادا کیں اور عرض کیا کہیں وہی اپکی ماتحت صوبہ دار ہوں، نصر نے ۹۳۴ھ میں انتقال کیا، اور نعمتنڈ کا صوبہ بھی امیل کے ہات آگیا،

سلسلہ سامانی کی سلطنت حکومت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا فرمان روایتی امیل تھا، یہ خاندان ایک توپیں برس تک قائم رہا، امیل نے ۹۴۵ھ میں وفات پائی، امیل کے بعد احمد بن امیل اور اسکے بعد نصر بن احمد تخت نشین ہوا اور یہی وہ تاجدار ہے جس کے دربار کا ملک الشعرا رود کی تھا، جو فارسی شاعری کا بنی اول کا ماجما ہے، وہ نہایت فیاض عادل اور قدر دان علم و فن تھا، تیس برس کی حکمرانی کے بعد ۹۶۳ھ میں وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیانو ح فرمان روایہ ہوا وہ بھی باری طرح مری علم و فن تھا، فلسفہ و حکمت اور دیگر علوم و فنون کا جو کتب خانہ اس نے مرتباً لیا تھا، اس کی نسبت علامہ ابن حلقان نے بوعی سینا کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے۔

کانت عدید المثل فيها من كل فن من
الكتب المشهورة بآيادي الناس غيرهم
ملا يوجده في سواها ولا سمع باسمه
فضلاً عن معرفته

یکتب غانہ بن نظیر تھا، اسکیں متداول اور مشہور
کتابوں کے علاوہ وہ کتابیں تھیں جو اس کتاب غائب
سو، اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی تھیں، اور بجا
جانباً تو درکار رکسی نے اکنام بھی نہیں سناتھا۔

فلسفہ یونان کی بے شمار تصنیفات خلافے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں لیکن
اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے، اور حسن کتابوں کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے
فوح بن نصر نے حکیم ابو نصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام ترجمہ کو سامنے رکھ کر ایک صحیح اور
جامع ترجمہ تیار کر دے، چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام علمی انداز
رکھا، اس واقعہ کو تاریخی حدیث سے یاد رکھنا چاہیے کہ حکماء اسلام میں فارابی نے معلم تانی کا
جوقب حاصل کیا ہے وہ اسی کتاب کی بدولت تھا، افسوس ہے کہ یہ کتب غانہ جل گیا، اور
چونکہ اس کتاب کا اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضمائل ہو گیا، اس لیے آج یہ بے نظر
کتاب ناپید ہے۔

سلہ اس کتب غانہ کا مال خود بعلی یمنی کی زبانی طبعات الاطباء میں نقل کیا ہو جکا، حاصل یہ ہے کہ یہ بہت بڑی کتب
فانہ تھا، ہر علم و فن کے لیے الگ الگ مکان تھے، اور اسیں صرف ایسی فن کی کتابیں تھیں کتابیں اور پستے ترجمہ
ضندوقوں میں رکھی ہوتی تھیں، بعلی یمنی کا بیان ہر کہی نے قدما کی کتابوں کی نہ راست رکھی، اور اپنی پند کے
مواافق کتابیں نکالو کر دیکھیں، ان میں اکثر ایسی کتابیں تھیں جنکے نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے اور خود میں نے
بھی کچھی اُن کو نہیں دیکھا تھا۔ سلہ یہ واقعہ اکثر کتابوں میں ہے کشف الطعون (باب الحکمة) میں اس تمام واقعہ کو
منصور بن فوح کے عمد سخنوب کیا ہے، اور موخر ان کو بھی یہ دعوہ ہوا ہے لیکن یہ صریح غلطی ہے اسیلے کہ فارابی نے
وہ سترہ میں انتقال کیا ہے اور منصور نہ سمجھتے ہیں تجسس نہیں ہوا ہے۔

نوح نے سیّہہ میں وفات پائی اسکے بعد عبد الملک اور عبد الملک کے بیوی منصور بنت
فوج تخت نشین ہوا، اسکے دربار کا وزیر ابو علی بن محمد تھا، جسے تاریخ طبری کا عربی زبان
فارسی میں ترجمہ کیا منسوب نے سیّہہ میں وفات پائی اسکے بعد نوح بن منصور ثانی
فرماز را ہوا، قیمتی مشور شاعر اسی کے دربار کا شاعر تھا، نوح کے بیوی منصور بنت نوح، اسکے
بعد عبد الملک اور اسکے بعد ابی عبد اللہ بن عبد الملک تخت نشین ہوا اور اسی پر اس خاندان کی
نام نہ ہوا، جس کی تاریخ ۹۵ تھی ہے۔

شہزادے ساما نیس

سلسلہ ساما نیس کے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے، طاہریہ عربی
انسل خاندان تھا اس سے فارسی شاعری کو اسکے زمانے میں عربی خوبی ہو سکتا تھا اس
یہ نو دولت اور کم اصل تھے اور انکی حیثیت ایک فتنہ جو باغی سے بڑھ کر رہی تھی لیکن ساما نیس
خاندان نسل کیان کا یاد کا تھا، ان کی سلطنت نے ایکسو دس برس کی عمر پائی، اقدار دان علم
من ہونے کے ساتھ وہ خود بھی صاحب کمال اور سخن سخچ جھوہ دیکھتے تھے کہ اہل حکوم
اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی شاعرانہ
قوتین بالکل ایک غیر زبان عربی پر صرف ہو رہی ہیں انہیں دخراں دنگارا میں سیکڑوں
ہزاروں شعر موجود ہیں جو نسل اعمیں لیکن دلائل افتادہ نہیں اوسکے اثر سے جو کچھ کہتے ہیں گی ایسے
کہتے ہیں، ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی اور ملکی زبان کی حریق پر شامانہ توجہ کی
شمارک بیش قرار تھا ہیں مقرر کیں، خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے، کلیلہ و منی

سنکرست سے اولفارسی میں ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبداللہ بن امفع نے اس ترجمہ کو عربی میں منتقل کیا تو فارسی نسخہ بالکل گہنمہ ہو گیا، نصر بن احمد سامانی نے رود کی کو حلم دیا کہ اسکو فارسی میں نظر کرنے علیحدہ کی تاریخ اب تک نام تر اور پریشان تھی، اس سے قصیقی کو اس کام پر مأمور کیا چنانچہ اس نے ہزار شعر لکھے اور یہ شاہ نامہ کا پہلا شنگ نبیاد ہوتا، تفصیل ان واقعات کی آگے آتی ہے۔

شعراء سامانیہ کی تعداد اگرچہ سیکڑوں تک پہنچتی ہے، لیکن عروضی سمرقندی وغیرہ
فائدان سامانیہ
غیرہ
نے جن لوگوں کا نام خصوصیت سے لیا ہوا ہے یعنی، ابوالعباس، ابوالملک، ابوالحاص
جو سباری، ابوالحسن، جنائزی نیشاپوری، ابوالحسن کعبانی، شہید بجن، ابوالمومنیون عبد اللہ فراولاد
رود کی، قصیقی، رابعہ فردارسی، ابوذر، محمد جرجانی، ابوالمظفر نصر بن محمد نیشاپوری، عمار
مرزوی، طخاری، مرادی،

یہ تینیں کرنا خشكل ہے کہ اس دور کا پہلا شاعر کون ہو؟ لیکن جہاں تک قران سو
پتہ چلتا ہے، ابوعبد اللہ فراولادی، مرادی، شہید، ابوشکور بجنی، اس قافلہ کے پیشوور ہیں، رود کی
ایک شعر ہے لہ

شاعر شہید و شعرہ فراولادی	اوین دیگران ہج جلہ ہمہ راوی
یعنی شاعر اصل میں شہید ہے لیکن فراولادی مشہور زیادہ ہو گیا ہے، باقی اور شعرا انھیں ردون کے رواۃ ہیں، رود کی نے شہید کا مرثیہ بھی لکھا ہے، چنانچہ کہتا ہے۔	
	۱۷. مجع الفصیح اتمہ کرہ ابوعبد اللہ فراولادی۔

کاروں شہید رفت از پیش	وان مارفته گیر و می اندیش
از شمار در حشم یک تن کم	وزن تمار خرد هزار ان بیش

رابعہ

اس دور کی نیچوصیت یادگار ہے کہ شعرو شاعری کا مذاق عورتوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ رابعہ فوارنی لمحیٰ جو روکی کی ہم صحر تھی، اعلیٰ درجہ کی شاعر تھی، اسکا باپ کم اعاب میں سے تھا یکن رابعہ عجم میں پیدا ہوئی اور اس وجہ سے عربی فارسی دونوں باؤں میں شعر کرتی تھی، نہایت حسین اور صاحبِ فضل و مکال تھی، یکتاں نام ایک علام میں اُسکو عشق تھا یکن پھر مجازی سے گزر کر عشقِ حقیقی کی نوبت آپنی چنانچہ اسکا شمار صوفیہ میں کیا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ عورت کا کسی اجنی مرو سے محبت کرنا اسلامی جماعت میں معیوقہ تھا اسکے لئے لوگوں نے اُسکو قتل کر دیا، مجمعِ نفعہ میں اسکے بہت سے شریعت کی کئے ہیں جنہیں سے چند یہ ہیں۔

د عورت من بر تو ان شد کانیز دت عاشش کننا	بر کیے نگین دے ناہر بان چون خویشن
تابانی در عشق و داع بحسب در غم کشی	چون بہ جرا ندر سیچی پس بدالی تدر من

رو دی

اس دور کا مشہور شاعر ہی، تمام تذکرے تفق اللطف ہیں کہ سب سے پہلے جس نے فاسی زبان میں دیوان مرتب کیا وہ رو دی کیا تھا۔

سامانیوں کے دور میں سیکڑوں شعرات تھے جنہیں سے بعض کا تذکرہ آگئے آئے گا، لیکن

اُج کمک سامانیوں کا نام جس کی بدولت زندہ ہے وہ روکی ہو تشریف اگر کافی نے پچ کہا

ازان چندیں نعیم جاودا نی	کماند ازآل ساسان وآل سامان
شناے روکی ماند سست و مخش	نواسے بار بد ماند است دوستان

روکی کا اصلی نام محمد یا جعفر ہو، روک، نخشب، کے ضلع میں جمکون سف بھی کہتے ہیں
ایک گاؤں کا نام ہے، روکی اسی گاؤں کی طرف نسب ہے، بعضوں کا بیان ہے کہ روکی
کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ روڈ ایک باجے کا نام ہے اچھا بجا تھا۔

یورپ اور ایشیا کا عجیب اتفاقی توافق ہے کہ روکی بھی ہومر کی طرح مادر زادہ دھا
تھا، آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر علم قرأت کی تکمیل کی، اسی سن میں شرکرہت
شروع کر دیا، شاعری کے شغل کے ساتھ تمام متداول علوم و فنون حاصل کیئے، خوش قصمتی کو
ہمایت خوش آواز اور طبیعت بذریعہ واقع ہوئی تھی، سلاطین و امراء کے دربار میں ایک
بڑی خدمت نیتی کی تھی، تقریب و اثر کے لحاظ سے ندیم کا رتبہ ذر رائے بھی بالاتر ہوتا تھا
اس عمدہ کے لیے بذریعہ، اطیف الطبعی، حاضر جوانی، طرافت، وسعت معلومات، اضوری
شرطیں تھیں، روکی میں یہ سب شرطیں جمع تھیں، اس بنابر انصار بن احمد سامانی کے دربار میں
ایک سورسی حاصل ہوئی، اس کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی، تمام ارباب تذکرہ کا
بیان ہے کہ روکی کو اس قدر جاہ و دولت حاصل ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امر کو
بھی نصیب نہیں، جب اسکی سواری بھلتی تو دو سو زمین کمر غلام، رکاب کے ساتھ ساتھ

پلتے، سفر میں اسکا اسباب چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوئی تھی لیکن اس زمانہ میں عربی شاعری واقعیت اور حقیقت پر دوہر کر، ستائیگری اور ملائی کے سوا اور کسی کام کی نہیں رہی تھی تہذیب، الہ تمام، بھتری، جو اس دور کے پیغمبر ان سخن ہیں، انکا تامہر کارنامہ یہی خوش اور شناگری تھا، خلفاء اور امراء شاعری کو صرف تفريح طبع، کا ایک مشغله سمجھتے تھے، لیکن خاندان ساماںیہ نے شاعری سے اصلی کام لیے پڑا پچھہ روکی کو کلید دمنہ کے نظم کی خدمت دی، اور اسکے صلے میں چالیس ہزار درہم عطا کئے، غصہ یہ ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

چهل ہزار درم روکی ز فتح رحیش	عطالگرفت پ نظم یہم کلیلہ در کشور
------------------------------	----------------------------------

روکی کی شاعری کا عام انداز واقعہ گوئی، بند و موغضت اور حسن تاثیر ہے۔ عرب جاہلیت کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اس سے ٹرے ٹرے قوی اور ملکی انقلابات پیدا کر دیتے تھے، فارسی شاعری تفريح طبع کے سوا اور کسی کام کی نہ تھی، یعنی اس سے کبھی کوئی تاریخی واقعہ وجود میں نہیں آیا لیکن روکی اس عام اعتراض سے مستثنے ہے۔

نصر بن ساماںی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اور با غمیں میں جو ہرات کا مشہور زندہ گاہ ہے، پڑا اودا، بھار کے دن تھے، اور تمام دشت و صحرائیں زار بنا گیا تھا، فصران دفعہ بیوت میں ایسا محو جو اک ساری بھاری میں گزر کی، جاڑے آئے تو میدان کی بہتان ہوئی، ان اطراف میں ایک سو بیس قسم کے انگوہ ہوئے ہیں جنہیں تریان، اور کلنجہی نہایت خوش مزہ

شاداب، اور زم بوتے ہیں، نصر، صحراء سے اٹکر آبادی میں آیا اور درواز میں جو ایک مشہور مقام ہے قیام کیا، یہ مقامات نہایت آباد اور رمغور تھے، ہر طوف عالیشان قصور ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ خانہ باغ اور پائین باغ ہوتا تھا، اسی زمانے میں سیستان اور مازندران کے میوہ جات کی آمد ہوئی، نصر نے جاڑ سے بھی یہیں گزارے، ہر دفعہ قصد کرتا تھا کہ اب کی بھار گزر نے پر روانہ ہو جاؤ گلائیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا تو دوسرے زخمی پا بن جاتا تھا اسی طرح پورے چار برس گزر گئے، امراء اور فوج کے لوگ تندگ آگئے تاہم باادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، آخر روکی کے پاس گئے اور پانچ ہزار اشرفیان اس شہر پر دینی منظوریں کہ باادشاہ یہاں سے بچارا کو داپس جائے۔ اگلے دن روکی دربار میں گیا، نصر ارب پی رہا تھا، روکی نے ساز کے ساتھ عشق کی دھن میں یہ اشعار گئے۔

بُو سے جو سے مولیاں آیدہ ہے	بُو سے جو سے مولیاں آیدہ ہے
ریگ آہوی و درُستیاے اُ	ریگ آہوی و درُستیاے اُ
یعنی دریا سے جوں،	آب جھون بامہ سرپناوری
آب جھون بامہ سرپناوری	اے بچارا شادباش دشادزی
شاد سرو است و بچارا بوتان	شاد سرو است و بچارا بوتان
شاد ماہ است و بچارا آسمان	شاد ماہ است و بچارا آسمان

نصر کا یہ حال ہوا کہ پاؤں میں موز سے تک نہ پہنچ اور اسی وقت سوار ہو کر بگ شد

دوڑاتا ہوا پوری ایک منزل پر جا کر دم لیا، سمر قندی نے یہ واقعہ لکھ کر حیرت ظاہر کی ہو کہ یہ ایک سید ہی سادھی نظم ہے، اُنہوں کوئی صفت ہے نہ مضمون بندی ہے اسکا سقدر اثر کیونکر پوچھتا تھا، دولت شاہ کے زمانے میں شاعری کی اصلی اور فطری حالت بدل چکی تھی، اس لیے لوگوں کو واقعیت اور اظہار فطرت میں مزہ نہیں آتا تھا یعنی جب یہ کوہ میں صحیح مقام باقی رہا شوار ان اشعار پر سرد ہستے تھے وہ جتنی ہر قندی خود بہت برا شائع تھا چار مقالہ میں لکھتا ہو ”ہنوز این قصیدہ را کے جواب نگفہ ہست کجھال آن نبیدہ انذکہ ازین مضافات بیروان رومن“ سلطان سخیر کے ملک اشتر امیر معزی سے فرمائیں گی کئی تھی کہ اس قصیدے کا جواب لکھنے اچانچ پہ اُنسے جو قصیدہ لکھا اُسکا مطلع یہ ہے۔

ر ششم از ما زند ران آید ہے	رین ملک از اضناهان آید ہے
----------------------------	---------------------------

امیر معزی مشہور اور کامل الفن شاعر میں سے ہی لیکن رود کی کے کلام کے سامنے اسکے شعر کا جو رتبہ ہو محتاج اظہار نہیں، رود کی نہایت پُر گو تھا، رشیدی سمر قندی نے اسکے اشعار کی طرف جو زانے میں میں علی گڑھ کلچ میں پروفیسر رہا آسمان جاہ (وہی ریاست حیدر آباد دکن) علی گڑھ میں آئے سر سید مروم نے مجھ سے فرمایا کہ میا نامہ کے بجاے کام کی طرف سے قصیدہ بیش کیا جائے گا، وہ تم کھدو بیش ایک خاص مناسبت سے اسی قصیدہ کو بیش نظر رکھا، ابتداء میں یہ تھیہ تھی کہ لوگوں میں آسمان جاہ کی آدھا چڑھا ہے، اپھر یہ اشعار تھے۔

بچت ان بآشیم گرم گفتگو اکشنڈ شور مبارک بادو پس آسمان جاہ از سو ملک دکن	قصید از در تاگس ان آید ہے این حدیثس بر زبان آید ہے آسمان جاہ از سو ملک دکن
--	--

تھے مجمع اضحا ذکر رہ دی۔

تعداد ایک لاکھ تباہی ہو، چنانچہ کہتا ہے۔

اہم فرزوں تر آیدا، اچان کہ بایل شہری اور اچھی طرح گئے جائیں تو اس کو بھی زیادہ نہ کیں	شواور بر شرم دیز ردہ صدہ ہزار میں اُسکے اخوات یہ وغیرہ گئے تو ایک لاکھ تھے
--	---

اقام سخن میں روڈکی کے ہاں، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، اہم تری، سب کچھ موجود ہے
مثنوی کا کوئی نہ موجو نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ کلیلہ و منیجہ اس نے لکھی ہے مثنوی ہی ہو گی
لیونکہ مسلسل واقعات مثنوی کے سو اور کسی طرح ادا نہیں ہو سکتے،

مضایین کے حافظت سے بھی اس کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن واقعہ نگاری
خيال بندی، موعظت و نصیحت، عشق و محبت، سلح فہنا، اصناف و مبالغ، سب چیزیں پائی
جاتی ہیں، اور درجہ کمال پر پائی جاتی ہیں، اہم خصص را ایک کامونیٹیں کر لے ہیں۔

اخلاق و موعظت اخلاق و موعظت میں حسن ادا کے ساتھ، اسے دلیق نکتے بھی
بیان کئے ہیں، خلا اسکو یہ کہم کو اور وون کی خوشحالی پر رشک اور حسن نہیں کرنا
چاہیے اسکو وہ اس طرح دلشنیں کرتا ہو۔

زمانہ پندرہ سے آزادہ دار، داد مر	زماز راجوں کو نگری ہمہ بند است
بروز نیک کسان گفت غم خور زینا	بس اس کا کہ پروڑا زرمد است

یعنی جس طرح تم اور عون کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو اسی طرح دنیا میں ایسے
لوگ بھی ہیں جو تمہاری حالت پر رشک کرتے ہیں، ایسے تم کو شکایت کا کوئی موقع نہیں
اکثر آدمی لوگوں کی بحالت کی شکایت کرتے ہیں، لیکن انکو یہ خیال نہیں آتا کہ کسی

شخص کی سیاست اور سخاوت پر تو بکرنگا لطفی اور طاعی کی دلیل ہو رہو کی اس نکتے کو یہن
اداکرتا ہے۔

درستی دنیستی یہند	تا کے گوئی کر اہل گستی
دان کہ ہمسہ جہان کریمہند	چون تو طمع از جہان بریدی

زمانہ کی بے شایعی گواہی طرح اداکرتا ہے۔

نہ بآحسنہ برد باید باز	زندگانی چ کوتہ وچہ دراز
ایں رسن را لگر چہست دراز	ہم بچنبر گزار خواہ بود
خواہی اندر نشاط و نعمت دنماز	خواہی اندر عناد و محنت زمی
خواہی اندر سے گبیرتا بچماز	خواہی انڈک تراز جہان بپذیر
خواب را حکم نے گمراہ بجا ز	ایں ہمہ برو بار تو خواب سہت
نشاسی زیکر دوز مرگ، لگر بسین	ایں ہمہ روز مرگ، لگر بسین

لبیکرس اور عمر خیام کے فلسفہ کو فالائبان فارسی میں اول اسی نے روشناس کیا ہو
چنانچہ کرتا ہے۔

کہ جہان نیست جزو نہ و باد	شادو زی، باسیاہ چمن شاد
وزگز شستہ نکر د باید باد	ز آمدہ شادمان نہ باید بود
شور بخت آن کہ او خنجر دو ز داد	نیک نجت آن کے کہ داد و بخورد
باد و پیش آر ہر چہ باد ا باد	باد او ابر است، این جہان افسوس

خواجہ حافظ درم کا سارا دیوان اسی تمن کی تحریر ہے۔

دل بہنچا را دبتان طراز	روی پھر اب نہادن چھ سود
از تو پذیر د، نہ پذیر د نماز	ایز دتا و سو سه عاشق

و اقتداء سکھار می
یعنی کسی واقعہ یا حالت، کی تصویر کھینچنا شاعری کا ایک عنصر ہے روکی
کے قام میں یہ عنصر ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ایک قصیدہ میں اتنے جوانی اور طبھاپے کی
کیفیت میان کی ہے ایسکے چند اشعار یہ ہیں۔

نم بود دندان لابل، چران غ خندان بود	مرا بسودو فر رنجست هرجی دندان بود
چخس بود ہمانکہ نحس کیوان بود	سیکے نہاند کنون، بل ہبہ بسودو بر رنجست
چہ بود براست گوکم، تقضائے زیزان بود	نم نحس کیوان بود، وند رو زگار در راز
کہ حال بندہ ازین پیش برچہ سامان بود	ہمی مزان لے ماہرو سے غالیہ موے
ذیدی اور لانگہ کہ زلف چوکان بود	بزر لطف چوکان نازش ہمیکنی تو بردہ
شد آن زمانہ کہ مویش بسان طفان بود	شد آن زمانہ کہ رویش بسان دیسا بابود
نشاط او ب فزون بود و غم ب نقصان بود	شد آن زمانہ کہ او فنا دبود و خرم بود
ہمیشہ گوشش زی مردم مخدان بود	چیشہ دستش زی زلفکان خوشبو بود
دل نشاط طرب رافراخ منیدان بود	چیشہ شاذند انسکے گہ غم چس بود
ازین چمہ تنم آسودہ بود و آسان بود	عیال نہ بزل د فرزند نہ، صنیعت نہ
پہنچ ہرچچ ہمی ترک ناپستان بود	ہمی خرید و ہمی رنجست پیشما ردر ص

سلہ غیبت ہو کر ای ای شاہزاد کو مرد کے بجائے عورت کا نام لیتا ہے۔

پشب زیارت او نزد او بہ نہان بود
شد آن زمانہ کہ او شا عرخ امان بود
بمان زمان نہ دیدی کہ در خرا سان بود
سر و گویان گوئی هزار دستان بود
ورا بزرگی و نعمت زآل سامان بود
از فردونی یک چیخ، میر ماکان بود
عصا بیار که وقت عصا و انبان بود

ابا کینزک نیکو کہ میسل داشت بود
شد آن زمانہ کہ شعرو را جهان نہشت
اور ووکی را لے ماہر دکون نیزی
بدان زمان نہ دیدی کہ در چن رفت
گرا بزرگی و نعمت، ازاین آن بونے
بداد میر خراسان چسل هزار درم
کونون زمانه دگر گشت، ومن دگر گشم

مدحیتہ مدحیہ شاعری کے جو نوئے پائے جاتے ہیں، اعلیٰ درجہ کے ہیں،
در ان میں خیال آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔

نہ نہ کہ بر دز دزم از بر دی	شتابے کہ بر دز دزم از بر دی
تا خستہ او از ان کفن ساز د	تا خستہ او از ان کفن ساز د

یعنی "بادشاہ اس درجہ کا شخص ہے کہ لا ای میں تیر جو استعمال کرتا ہے اُنکی بیکان
سوئے کی ہوتی ہیں جس سے یہ مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص رسمی ہو تو بیکان کو بچکر اپنا
عملج کر سکے اور مر جائے تو تحریر تکفین کے کام آئے" ॥

مرثیہ مرثیہ متعدد ہیں، اور سب میں مرثیہ کی خالص شان پائی جاتی ہے، ایک
مرثیہ میں جو وزیر عظم کے بیٹے کی وفات پر لکھا ہے، حکیما نہ اندرا زمین وزیر کو صبر کی
تمقین کی ہے۔

و اندر نہ ان سر شک بھی باری لے وہ کہ چکے چکے آنسو باتا ہے بود اچھے بود، خیرہ پھغم داری جو ہونا تھا ہو، اب فضول کیون غم کرو گیتی است کے پنیر دھواری یہ زمانہ ہو، بھلا وہ کب ہوا رہ سکتا ہو زاری مکن، کہ نشود او زاری فریاد تکردا، وہ فریاد نہیں سنتا کے رفتہ را بزاری بازاری لیکن شخص چلا گی، کیا دہ دنیو دلپس ک جائیگا	اے آنکہ غلگینی و سزا داری لے دہ کہ غزدہ ہے، اور غزوہ ہنا زیستی رفت آنکہ رفت، آمد آنکہ آمد جو گیسا، گیسا، جو آیا، آیا ہموار کر دخواہی گیستی را؟ کیا تم زمانہ کہ ہموار کرنا چاہئے ہو مستی مکن، نشود او مستی جو شہزادہ کروادہ جوش کا لاحظہ ہیں کتنا شوہا قیامت زاری کن اچھا جاؤ قیامت تک رو تے رہو
---	--

شید بھی، اور مرادی، جو اسکے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، انکا مرثیہ بھی لکھا ہے،
جو مجمع الفصوا وغیرہ میں نقول ہے،
غزل | غزل نے اسوقت تک متصل جیتیت اختیار نہیں کی تھی، اقصاد کی ابتداء میں
جو تشبیب کرتے تھے یہی اُس زمانہ کی غزل تھی، اسکا نمونہ یہ ہے۔

بنما سے کیے رئے پہنچا سے برین جان آسان بر بائی دل د آسان بہری جان نر دیک من آسانی تو دشواری من باشد آسان	اے جان من از آر زوی تو پڑ مان دو شوار نمائی رخ دشوار دھی بوس نر دیک من آسانی تو باشد دشوار
--	--

چنان کہ خاطر مجنون نہ طڑا سیلے	مشوش است دلم از کر شمکر سلمے
چورش بنت شوی دار ہانی از صفا	چو گلشکر دیحیم، درد دل شود لکین
کنادہ غنچہ تو با ب مجر ب عینے	بیرونہ نرگس تو اب جادوے با بل
والہ داغستانی نے روکی کی ایک غزل کی نقل کی ہر جگہ مطلع یہ ہے۔	

ز ہے فرزدہ جمال تو زیب رارا	شکستہ سنبل زلف آر مشکس رارا
لیکن اس زمانہ کا یہ انداز نہیں ہے، اسکے علاوہ اس غزل کے مقطع ہن تخلص بھی ذکور ہے حالانکہ اس زمانہ تک غزلوں میں تخلص نہیں لاستے تھے۔	
روکی کے ان اشعار کا جو رتبہ ہے ظاہر ہے تاہم عنصری آتا ہوا	

غزل روکی دار نیکو بود	غزل ہے من روکی دارست
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنصری، روکی کو غزل گوئی میں اُستاد مانا تھا، اسیلے یا تو ماننا چاہیے کہ روکی کی عمرہ غزلیں جاتی رہیں، یا یہ کہ عنصری غزل گوئی میں روکی سے بھی کم تھا،	

قصیدہ قصیدہ کا جو طریقہ روکی نے قائم کیا، اُج تک فاعل ہے، یعنی ابتداء میں ہے یا ہماری دعیری و پھر بادشاہ کی محکی طرف گریزا جود دخا، عدد اول والغماون، شجاعت و دلیری کا ذکر، پھر دعائیہ، اصلاح شاعری میں ایک صفت ہے جو کو ترصیح کئے ہیں یعنی دونوں مصروعوں میں تم وزن الفاظ لاتے ہیں، مثلاً	
---	--

عرفی	رمادہ افسر ر قهر او کند فیجن
جمادر اثر لطف، او کند شمشاد	

یہ صفت روکی کے تمام تھیں میں پائی جاتی ہے اور چھپی صدی تک تمام شعر
کا یہ عالم انداز رہا۔

قصیدہ میں اگرچہ صرف ماحی ہی ماحی ہوتی ہے لیکن روکی نے جا بجا نچلے
سین بھی دکھلا سے ہیں۔

وز شکوفہ شاخما بر بستہ در شاہوار بار بر زمین اوست گفتی ہرچہ در عالم بہا شاخماے گل غافہ بر کنار جو بار گلستان در گلتان و میرہ اند رسیدہ نار آب دیگر بارہ روشن گشت و تیرہ شدہ خزان گشت بلبل بے نو اتابوتان شدب نوا سیب چون بر چہرہ سین نشانہ سے بکا بانک زاغ آمد چہار مشتوق پیغام جفا	از بفیثہ مرز با گستر وہ دیبا ہاہ چین بہا ہوا سے اوست گفتی ہرچہ گفتی دیم از میان جو سے آن آبے روان، تجو گلاب بود هر جا بہر زہستگا و بار، نقش و مل کوہ دیگر کوہ سین گشت در زمین تھین برن یکو چکر زرد چین ایوب چکر گشت خامش فاختہ تاشد چین پر داختہ نا رچن بر حکم زمین نگین ہائے عقیق با و سر آمد چواؤ عاشقان ہنگام جمع
گران کنندہ کا ب و سک کنندہ عنان زبانگا ب مردان خیرہ شود رخ خور شید کیے کشادہ کنندہ کیے کشیدہ کمان	بد اسکے کہ دو شکر بر و سے یک دیگر زگرد اسپان تیزہ شود رخ خور شید کیے کشیدہ سان و سیکے کشادہ حسام

قصیدہ کے صن کا برا سیا رگریز ہے لیکن شبیب، سکتے کتے مدوح کا ذکر اس طرح چھڑ
جائے جس طرح بات میں سے بات پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل نہ معلوم ہو کہ ہ تصد و

ارادہ مددوں کی سچ شروع کی ہے، روکی کی اکثر گریزین اسی قسم کی ہیں مثلاً ایک
قصیدہ میں خزان کا حال لکھتے لکھتے کہتا ہے۔

بادخوار زمی کتنا بر باغ پُر دنیار کرد	چون کنار ز اڑان را کر دوست باشد
---------------------------------------	---------------------------------

یا مشائی باغ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

یا من گفتا بہشت است اے شفقت !! این باغ نیست
گفتم این باعیست خوبم چون بہشت کرد گار

آن بہشت ناپدید است، این بہشت اسے عیان

این بہ نقد است آن ہل سی آن نہان این آشکار

آن مکافات نماز است، این مکافات مسح

آن عطا سے کرد گار است، این عطا شہر یار

یعنی معشوق نے باغ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بہشت ہے، میں نے کہا بہشت نہیں، باغ ہو،
لیکن خدا کی بہشت کے ہم پاہے ہے، فرق یہ ہے کہ خدا کی بہشت کا پتا نہیں، اور یہ علاوہ
موجود ہے، یہ نقد ہے وہ ادھار، یہ ظاہر ہے، وہ مخفی، وہ نماز پڑھنے سے ہات
آتی ہے اور یہ مسح کرنے سے، وہ خدا کا عطا یہ ہے، اور یہ باشاد کا،

بعض بعض قصیدوں میں ایسی باتوں کا الترام کیا ہے جبکی تقليد کسی نہیں
کی، مثلاً ایک قصیدہ تینیں، شعروں کا کہا ہے جبکہ صرف مطلع ہیں، میں پلا مطلع یہ ہو

دگر زارم نگردانی بہ داغ ہجگردانی	مدانی در دھجرے بت مرا زان ہار گردانی
----------------------------------	--------------------------------------

بچو یا شکایت بچو فارسی شاعری کے چھرہ کا نہایت بد نمایا راغ ہے، لیکن روڈکی کی بچو
میں بھی تاثرت اور واقعیت پانی جاتی ہے،

بچو سوار جوان، تو انگریز رو در	بچو مدت آیدیں کو سکال نیکان نہیں
پند آید مر خواجہ را پس از دہ سال	کہ بازگرد و پیر و پیارہ و دل بھیں

مذوق سے کہتا ہے کہ کیا یہ مناسب ہو کہ جو لوگ آپ کے دلبار میں جوان، دل تند اور سوار یون پر آئیں، وہ ابقدر آپ کے ہاں امیدواری میں پڑے جھو لا کریں، کہ جب واپس جانے لگیں تو دل تند غریب، اور سوار پیادہ، اور جوان بوڑھا ہو کر جائے۔
حدت مضمون عام قاعدہ یہ ہے کہ ابتداء سے شاعری میں مضمون بندی باکل نہیں ہوتی، لیکن یہ حرمت انگریز بات ہے کہ روڈکی نے کثرت سے نئے نئے مضمون پیدا کئے مثلاً۔

مکوڑے کی تریٹ شراب کی تریٹ	بر سرہ ذرہ نہ ساید جو لان بادہ انداز، کو سرو دندخت	آفت ایک زچاپک استدی روڈکی چند بر گرفت و نوخت
تشیہ	از عقین گداختہ نشناخت لئن بفیرد، و آن دگر مگداخت ناچشمہ دو دست رنگیں کرو	آن عقین گے کہ ہر کہ بہ یہ ہر دو یک گوہر نہ، لیک لطیح تایسی دو دست رنگیں کرو

یعنی شراب، اور عقین، دونوں ایک ہی چیز ہیں، فرق یہ ہے کہ ایک سیال عقین ہے، اور روسری مخدوم، شراب کے رنگ، اور نشکی کیفیت ہے کہب چھوٹے

ہوئے بات زمین ہو جاتے ہیں، اور بے چکے ہو سنا دماغ میں دوڑ جاتی ہی،

بفشنہاے طرب خیل خیل سر بر کرد	چہ آتھے کہ گوگر برو دید کپو د
بیار وہان بدہ ان آقتاب کش بخوری	زلب فرد شور واز رہان بر آرد دو دو

یعنی بفشنہ دستہ دستہ آگ رہا ہے، جس طرح گندبک سے جلا نیکے وقت، رنگ کا
شعلہ اٹھتا ہے، اب وہ آقتاب لا اور یعنی شراب (کہ ادھر ہون گھون سے اُترے اور
اُدھرن گھون سے دھوان اُٹھنے لگے۔

تیرا دہمانہ روزی کہ زی مردم رسدا	تیر شکن بازگر دوسوے دشمن چولہا
----------------------------------	--------------------------------

یعنی مددوچ کا تیر، اس طرح فتنے پر گتا ہے جس طرح انسان کا مقدر، اور
دشمن کا تیر اس طرح دشمن ہی کی طرف پڑتا جاتا ہے جس طرح آواز،

ہرا چپے بست میان ارم بھم شداد	بر اچپے بست میان ارم بھم شداد
نیکم با دپدیا ار کر دور بامون	سر شکب ابر پر اگندر کر دور بامون

یعنی بارگ میں شداد نے جو چیزیں فراہم کی تھیں، بادل کے آنسوؤں نے وہ سب
باعث میں پھیلائیں، اور قارون نے زمین کے اندر جو چیزیں جھیل کھی تھیں نیکم
وہ سب میدان میں کھو لکر دکھادیں۔

سر نیان شجیخون کرد، اکنون بر مہ کافون

ک گر دون گشت ازو پر گر داو صحرا گشت ازو پر جو	ک گر دون گشت ازو پر گر داو صحرا گشت ازو پر جو
اگر خواہی نشان خون نگکن لال بر صحرا اگر خواہی نشان گر دسکر ابر بر گر دون	اگر خواہی نشان خون نگکن لال بر صحرا اگر خواہی نشان گر دسکر ابر بر گر دون

یعنی بہار کے مینے نے خزان کے مینے پر خجنون مارا جس کی وجہ سے صحراء پر خون ہوگا، اور آسان میں گرد بھر گئی، صحرائیں جو لالہ نظر آتا ہے، یہ وہی خون ہے،

سے پیرا ہن سلب بودہ است یوسف یہ عالم زندہ	لکھاری نا شنید تم کہ گاہِ محنت فی راحت
سُومْ يَقُوبَ الْأَزْبُوَرِ رُوشْ كَرْضَمْ تَرِ نَصِيبُ مَنْ شَوَّدْ رَوْصَلَانْ پَرِاَهَنْ دِيَگَرْ	کیے از کید خند پر خون، دوم شد چال تتمت رخجم ماند بدان اول، دلم ماند بدان دوم

یعنی اے مشوق! میں نے ساہے کہ حضرت یوسف کے تین پیرا ہن تھے، ایک غون سے نگین ہوا، دوسرا زیجنا نے چاک کیا، تیر سے نے حضرت یعقوب کی سکھیں روشن کیں، میرا چہرہ پہلے پیرا ہن کے مثاہ ہے، اور میرا دل دوسرا پیرا ہن ہے باقی تیسرا، وہ خدا وصل میں نصیب کرے۔

خالٰ تر انقطع آن جسم کرد دانگلے نار بدو نیسم کرد	زلف تراجیم کر د، آن کہ اد از دہن تنگ تو گویا کے
یعنی تیرا دہن ایسا چٹو ہا ہے کہ معلوم ہوتا ہو کہ کسی آثار کے دانے کے دھنے کر دیے ہیں۔	

رابعیان ربعیان معمولی ہیں، مجمع انصحاب میں ایک رباعی نقل کی ہے۔

چوں کار دلم ز زلف او ماند گرہ کانہم شب وصل در گلو ماند گرہ	در ہر گرگ جان صد آر ز و ماند گرہ امید ز گری بور، افسوس ان موس
---	--

لیکن یہ ہر گز رو دگی کے زمانہ کا کلام نہیں ہو سکتا، قبولیت عام اور اعتراف خمرا رو دگی کے کمال شاعری کو تمام شوارے تسلیم کیا ہو،

خود اسکا معاصر اور ہم فن اور ہم پری شہید کرتا ہے۔

رو دکی را سخنش تلو نیا است	لبن ماند شعر شعر شرزا،
رو دکی را خد و حننت، مدح بینی خوب ۲۰	شاعران را خد و حننت، مدح

عصری کرتا ہے۔

غزل ہے من رو دکی و ایت	غزل رو دکی دار، نسیکو بود
درین پر دھ اندر مر ابا نیت	اگرچہ بکوشم بباریک دھم

مروف بحقی کرتا ہے،

از رو دکی شنید ملطان شاعران

حقی کرتا ہے۔

ایام فنون و سخنوار بود	اکرا رو دکی گفته باشد مدح
چون رہا بسوے ہج بیور بود	دقیقی مدح آور د نزد اُو

نظمی سمرقندی کے زمانہ میں کسی نے رو دکی کی شاعری پر اعتراض کیا تھا نظامی نے اُسکے جواب میں لکھا ہے۔

این طعن کردن تو از جبل و کو دکی است	لے آنکہ طعن کر دی در خبر رو دکی
صاحب قرآن شاعری اُستار رو دکی است	کانکس کہ شفر داند، داند کہ در جان

رو دکی نے شنیدہ میں وفات پائی۔ اسکا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے۔

دقیقی

سلسلہ سامانیہ کے ہر فرمانزد اکا عمد، اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہو، لیکن فوج بن منصور کا زمانہ آخر المیازل ہی، یہ فخر اسی دور کو حاصل ہے کہ عجم کا سربراہی فخر و نازیعی "شاہنامہ" جسکوا بن الاشیر، قرآن الجم کتا ہے، اسکا ابتدائی خاکہ اسی عمدتیں قائم ہوا، اور اگر ایک الفاقی واقعہ نہ پیش آ جاتا، تو سلطان محمود کے کارناموں کی دفتر شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی۔

سامانی خاندان، ابتداء سے اس بات کا خواہ شمند تھا کہ اسکے اسلاف کی داشت نشر سے نظم ہو کر، عام زبانوں پر چڑھ جائے، لیکن ابھی شاعری نے اسقدر ترقی نہیں کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ، شعر کے قالب میں آ جائے، فوج بن منصور جو بیستہ میں تخت نشین ہوا، تو پا یہ تخت یعنی بخارا میں ٹرے ٹرے شرماوجود تھے، ان میں دقیقی خاص پا یہ تخت کا رہنے والا تھا، اسکا اصل نام منصور بن الحمد ہے ابتدائی تربیت امر اچھا نیز ابوالمظفر نے کی تھی، لیکن جب اسکا مکال مشہور ہوا تو فوج نے دربار میں بلا کر، شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت پر دکی، دقیقی اپنے زور بازو کا ندازہ کر چکا تھا، اس نے یہ خدمت قبول کی، اور کم قبیل میں ہزار شعر لکھ، بعضوں کا بیان ہوا کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو اج شاہنامہ میں شامل ہیں، افرادی نے شاہنامہ کی تاریخ کے بیان میں ان دو اتفاقات کو اس طرح اجلا لکھا ہے۔

لئے تذکرہ ہفت آنٹھ مجھ الفصیح اور دایت اخیر۔

خنگوی و خوش طبع در وشن روان	جو انسے بیا مکشادہ زبان
از وشا دمان شد دلِ اجمن	ب شهر آرم این نامہ را گفت من
بگفت و سرآمد و رار و زگار	زگت اسپ ارجاسپ بیتے هزار

کیا عجیب بات ہے، کہ اتنے بڑے کامل الفن کا دامن عزت، ایک اخلاقی دھنگر
داد گدار ہے، دیقیقی کا ایک خوشنود غلام تھا، جس سے ایکو عاشقانہ محبت تھی، لیکن
افوس ہے کہ اس محبت میں ہوس کا شائیب تھا، غلام نہایت غیور تھا، اس نے ننگ کو
اگوارا نہ کیا اور دیقیقی کا خاتمہ کر دیا، فردوسی نے اس ناگوار و اتعہ کو ابہام کے پر دہ
میں ادا کیا ہے،

ابا پہمیشہ ہے پیکار بود	جو شیش راخوے بدیار بود
بہست کیکے سبندہ کشہ شد	یکاکیک از ونجت گر شتہ شد

فردوسی نے فیاض دلی سے اسکے اشعار شاہنامہ میں شامل کر لیے ہیں
بدولت، آج اسکا نام زندہ رہ گیا، چنانچہ خود کہتا ہے،

حدیث دیقیقی گویم ترا	کنون راز ہا باز جو یم ترا
کیک جام می داشتے چون گلنا	چنان دید گویندہ کیک شب نجفہ
بدان جام سے داستانہ ازدے	دیقیقی ز جا سے پہیہ آمدے
خور جز بہ آئین کا وس کے	پ فردوسی آواز دادے کرتے
بناز و بروتاج و شمشیر و نجت	کہ شاہنے گزیزے زگیتی کرتخت

ز خادی بہر کس رسانندہ بہر کنون ہرچہ جبی ہمسایتے اگر بازیابی بخسیلی کمن گفتم۔ سرآمد مراروزگار	شنشاد محمود گیرنده شمس ہمین نامہ گر چند بستانتے از اندازہ من بیش گفتہ سخن ز گشت اسپ دار جاسپ بیتے نہ ل
روان من از خاک برمد رسد درین داستان رنج بُردش بیے	گر آن مایہ نزد شنہشہ رسد پداند که پیش از تو آخر کے
مرا در دل آمد ز هر سو هر اس ز گفتار او در نشا یی گزشت	پندر فتم و داشتم ز روپاس که روزے مرزاهم بیاد گزشت
که گفت است این داستان کن ز گفتار او بشنو، اکنون سخن	ز گفتار او بشنو، اکنون سخن

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے
ہات میں جام شراب ہے، تدقیق کیمیں سے آنکھا اور رُسٹے کہا کہ شراب کیا نی طریقے سے
پیو، تکوایا بادشاہ ہات الگیا ہے جسپر سلطنت کو ناز ہے، تنشا ہنا مہ کے یہے بہت
تگ دودکی، جو تم چاہتے تھے وہ تکمول ملگیا، میں بھی گشت اسپ دار جاسپ کے واقعہ میں
ہزار شرکتے تھے تم کو اگر یہ اشعار مجاہین تو اپنی کتاب میں شامل کر دینا کہ بادشاہ تک پنج
جایئں، اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اور بھی کسی نے کچھ محنت اٹھائی تھی،

یہ سنکر میرا دل کا نپ اٹھا کہ مجھکو بھی ایک دن مزما ہے، اسیے اُسکی خواہش پورا
کرنی چاہئے، اب تم اسکے اشعار سنئے

فردوسي نے دقيقی کے ساتھ جس ہمدردی اور صرددہ پرستی کا اظہار کیا ہے، اقدار کے قابل ہے لیکن داستان کے ختم ہوتے ہوئے نیت بدل جاتی ہے، دقيقی کے اشعار کے بعد کہتا ہے،

بہم مبیہنا درست آمد م	نگر کردم این نظم سُست آدم
بہ اند سخن گفتہ نا بکار	من این زان نوشتم کہ تا شہر یار
از ان ہے کہ ناساز خواہ نہی	دان گر باندز خوردن تھی
کنون شاہ دار دہ گفتار گوش	دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش
گوی و مکن رنج باطن جفت	سخن چون بہ نیگو ز بایت گفت
مہر دست بازی نامہ خسر و ان	چو طبعت نباشد چ آب ز و ان

یعنی جب میں نے دقيقی کی یہ نظم رکھی تو تمام اشعار مجاؤ شستا اور غلط نظر آئے
میں نے یہ اشعار اس لیے نقل کر دیے کہ بادشاہ ان اشعار کی انوثیت سے واقف ہو جائے
اگر آدمی کو کھانا زد دیا جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اسکے سامنے بد مزہ کھانے لائے جائیں
میں نے گوہر فروش کے سامنے دو موڑی رکھدی یہ ہیں، اب بادشاہ خود تمیز کر لے جب
تکوا اسی طرح کا شرکنا آتا ہے تو اس سے تو نہ کہنا ہی اچھا ہے، جب تمہاری طبیعت نہیں
روالی نہیں ہے، تو سلاطین کی تاریخ پر کیوں ہات ڈالتے ہو،

اگر دقيقی کا کلام نقل کرنے سے اپنے اشعار کا چکنا مقصود تھا، تو اُس غریب پر
احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ سلطان محمود کی چو

میں کس حد تک واقعیت کا پہلو ہو گا۔

فردوسي خداے سخن ہے، اسکے آگے بندوں کو زبان کھونے کی کیا جرأت
بوسکتی ہے؟ لیکن سع انصاف شیوه ایست کہ بالامی طاعت است، ہم مسرسری طور پر
یہاں حقیقی کے چند اشعار بغیر کسی انتساب کے تقلیل کرتے ہیں جس سے دقیقی کے تبہہ
کلام کا اندازہ ہو سکے گا، وہ معکرہ آزادی کا سامان اس طرح کھینچیا ہے۔

ادعا کام
و تدقیقی کا

ہمی نال کوس لشندیده گوش	زبس بانگ اسپان وجوش درخوش
سم نیزما، زابر، گجزشتہ	درختان بسیار افراشته
چبیشہ نیستان بو قت بہار	چور ستہ درخت از بر کوہ سار
کے روز روشن، نمی دید راه	زتار کی گرد و بانگ سپاہ
بسان گنگ بہاران درست	بکر ذندہ یک تیر بامان سخت
زپریکانہاے درختان چو آب	پپو شنیده شد چشم، آفاب
وزان ابرالماس بارد ہئے	و گفتی ہوا ابر آرد ہئے
زمین سرسپر پاک درخون شدہ	ہوا زین جان بود خنگون شدہ
پر دشت دبیا بان ہمی رنجیت خون	درود سستہا شدہ سہس لارگون
کہ بہرے نہ ناہست رفتہ نگاہ	چنان شد زبس کشته آن رز مگاہ

فردوسي کے کلام کا جو اصلی جو ہر ہے یہی ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہے،
اسکی تصور کی چند تیا ہے، انصاف سے کہو، کیا ان اشعار میں یہ بات نہیں؟ پہ شہب

فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہی شربات جو دوبارہ کھنکر تیز ہو گئی ہے۔ قصیٰ کے زمانہ تک فارسی زبان میں عربی الفاظ اطیح مخلوط تھے کہ دونوں سے ملکر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی، عباس مروزی کے کل چار شعروں، لیکن عربی الفاظ، فارسی سے زیادہ ہیں، روکی و شہید بخش رغیب کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ رسے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس میز شرح پر قیقی کیا،
اُن عربی الفاظ بہت کم ہیں

پاک کر کے منتقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے، وہ قیقی ہی ہے، اسکے سیکڑوں شعر یہ ہتھے چلے جاؤ، عربی کا ایک انفظ نہیں آتا۔ قیقی کی بستی دیکھو کہ اس فور کا شماج، شمرت کے ہاتون نے اس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا، قیقی نے اس بان کو جس طرح صاف کیا اُس کا نمونہ یہ ہے۔

فرودآمد از تخت و بر بست خست	چوگنستا سپ را داده را سپ تخت
کم نیز دان پرستان آن روزگار	بنج نگزین شند بدان نوبهار
که مرکمه راتازیاں این زمان	مرآن خانہ را داشتندے چنان
اہل عرب ۱۷	بدان خانہ شد شاہ نیز دان پست
فرودآمد آن جاں یکل نیز بست	پست آن دیر آفریین خانہ را
دران خانہ نگز اشت بیگانہ را	عبدت ۲۹
خدار اچیں داشت باید سپاس	بپوشید جامہ پرستش پلاس
سوے روشن داد گر کر دروے	نگنہ اضافت عَزْمی
چنان ببرده بُر را جمیشید را	بنگنند پارہ، فروہشت موسے
	نیا نیش ہمی کر دختر شیدرا

کو گشا سپ برش د تخت پدر	چو گشا سپ برش د تخت پدر
ک زیندہ باشد بر آزاده تاج	بسر بر نہاد آن پدر داده تاج
مرا یز دا پک داد اس کلاہ	نم گفت یزان پر مستندہ شاہ
ک بیرون کغم از رمه میش بگ	بدان داده اکلاه بزرگ
بر آزاده گیستی نداریتگ	سوے راه و راز ان نیار میچنگ
که ناهیه بدمام آن دختر	پس از دفتر نامور قصدا
دوفزندش آمد چون خور خید و ماہ	کتایوش خواندی گرانمای شاه
شنه کارزاری انبوده سوار	یکے نامور فرشت اسفت دیار
لایا	پشوتن دگرگرد شمشیر زن
شنه نامبردار شکر شکن	چو یک چند گاہے برآمد بیین
درختے پدید آمد اند رزین	از ایوان گشا سپ بیان کاخ
درختے کشن بگ، و بسیار شلخ	بهم بگ او پدر، بارش خرد
کسے کو چبو بر خور د کے مرد	خجسته پی نام او نزد روشنست
که اهرین پکش س را بکشت	

ان اشعار میں جا بجا فکاتِ اضافت اور لفظ اشباع ہو جائج کل متروک
و میوب ہے، لیکن قدما کے ان اسکا عام رواج تھا، فردوسی بے تکلف ان چیزوں
کو مرتبتا ہے۔

وقيقی نے مثنوی کے ساتھ، تصدید اور غزل کو بھی ترقی دی، یہ دو شعر حوزہ معلوم

طور پر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں، اسی کی غزل کے ہیں۔

اُرسے دہ دلیک بہ عمر دگر دہدہ	گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہدہ
عمر دگر بسایتا صبر بر دہدہ	من عمر خوشیت بہ صبوری گز خشم

اسنے بعض غزلیں مسلسل لکھی ہیں، اور یہ اس زمانہ کے حافظ سے بالکل نئی باتیں

اسکی شاعری کی ٹہری خصوصیت یہ ہے کہ رزم و بزم، اور عشق و عاشقی کے دائروں
میں حصہ نہیں، آج جس چیز کو لوگ تحریل شاعری کہتے ہیں فارسی میں غالبًاً
سب سے پہلے اسی نے اسکی نبیاد قائم کی، ایک قصیدہ ہے میں بہار کا سماں دکھایا۔

خچل شہری اس میں خشنگ اور زنگ بہنگ بھولوں کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے۔

سمرگا بان کہ بار بزم جنبید	سجدنا م درخت سرخ دا صفر
تو پندرہ می کہ ازگر دون ستارہ	سمے بارید بردیاے اخضر
نگاراند زنگار دلوں دراؤں	بزار ان در شدہ پیکر بہ پیکر

ایک مسلسل غزل بہار کی ریکھنی اور سے دیشوں پر لکھی ہے۔

در آفند اسے صنم ابر بہشتی	زین راطھعت اُرسے بہشتی
زین برسان خون آلو دہ دیبا	ہوا بر سان مشک ان در در خشتنی
بیان ماند کہ گوئی از سے مشک	مشک انڈاں
بتے رخسار او ہنگ بیا قوت	مثاں دوست بر صحرا نو شتی
چنان طاوس کو نہ گشتہ گوئی	سمے بر گونہ جامہ کنشتی
بجا سے نرمی وجاء در شتی	بجا سے نرمی وجاء در شتی

غزل مسلسل

که پند ازی گل اندر گل شری بگیتی از همه خوبی و شری مئ خون زنگ کوچن ریشتنی نمیب	زگل مجسے گلاب آید بد اسان وقیقی چار حملت بر گنیه است لب یاقوت زنگ و ناله چنگ
--	--

شہید ملجمی

ز، نک نقدر واقع
کی شکایت

ایس دور کا مشور شاعر ہے، تختصر تدکرہ (سکا او پنگز رجھا، اشعار کا نونہ یعنی

که بیکجا سے شکافند بسم هر کراخواستہ است دانش کم	دانش و خواستہ است زنگی گل هر کراخواستہ خواستہ است
جان تاریکاں بوسے جادو دانہ خر و مند سے نیابی شاد رانہ	اگر غم را چو آتش دود بودے درین گیستی سر اسر گر گردی
ایں کیے درزی، ان دگر جعلہ وان تم با فدگر پلاس سپاہ	بر فلک ہڑو شخص پیشہ و نہ ایں نہ دوز و مگر کلاہ ملوک
بانغ ہمی گرید چون عا غقا ان چون کر بیالم ہے سحر گاہ زار	ابر ہمی گرید چون عا غقا ان ر عد ہمی نا لد ما مند من
کاب رینے است بانغ لاز جلی برق مانند ذوم الفقاہ عسلی	چون چلیا پے روم زان شنید بانغ ابر چون چشم ہند بن عقبہ است

۱۷ یعنی زد شتنی، کیونکہ زردشت کے ندیہب میں شراب حلال ہے۔

گر شتاب آیدا سے رفیق ملام	عیب باشد بکار نیک درنگ
تاب غفلت گلو ن گیر دام	عاقبت را تم از خستین بن

ابو شکور مخنی

شستہ میں تھا، اسکا کلام بہت کم ملتا ہے لیکن جو قدر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے، سفرات سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو اس قدر تحقیقات و تدقیقات کے بعد کیا معلوم ہوا؟ اپنے کہا یہ معلوم ہوا کہ چند نہیں معلوم ہوا، اس فلسفیا نہ خیال کو کس قدر رعایہ اور شاعرا نہ انداز میں ادا کیا ہے۔

تاب آنجار سیدہ دانش من	کہ بد انم ہے کہ نادانم
یعنی میرا علم ارس حد تک ترقی کر گیا کہ میں نے اب جان لیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اسکی ثنوی کے چند اشارج و مقول ہیں انہیں صاف شاہنامہ کا رنگ نظر آتا ہے۔	یعنی میرا علم ارس حد تک ترقی کر گیا کہ میں نے اب جان لیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اسکی ثنوی کے چند اشارج و مقول ہیں انہیں صاف شاہنامہ کا رنگ نظر آتا ہے۔

کہ دشمن درختے است تلخ ان زهاد	پر شمن بر ت هر بانی مبار
اگر چرب و شیرین دیده هر د را	درختے که تلخش بود گو هر را

از و چرد ب و شیرین سخن اسی فرمیہ۔

اگر شہر تھاتی ہے بارع بہشت بیچ آنکھیں رینے می وشنداب ہمان میوہ تلخ بار آور د	درخت کہ تلخ است ویراشت و راز جسے خلدش بنگام آب سر انجام گوہر بکار آور د
--	---

خوازہ میشتابوی

دولت ساما نیہ کا نامور شاعر ہے ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔ اسکا کلام باکمل
تاایا ہے، ایک تصحیحہ کی گزینے کے درخواست مشہور ہیں جنہیں متاخرین کی حدت
مضمون کے ساتھ، نیچرل زنگ بھی موجود ہے۔

گوئی کہ عاشقی است کہ تیپش قرازیت کر زدومی خاید کا مرود زبار نیست	می میںی آن روز لف کہ بادش ہمی برو یانہ کہ دست حاجب سالار لشکر است
---	--

یعنی مشوق کی زلف جو وہ اسے ہل رہی ہی، گویا ایک بیچن عاشق ہر یہ شاہی
نقیب کا ہات ہے جو دور سے اشارہ کر رہا ہے کہ آج دربار نہ ہو گا۔

عمارہ مروزی

مروکار ہنسنے والا تھا، ۷۴۵ھ میں انتقال کیا، کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اینک نکاہ کن تو بدین جام و این تشریف گوئیکہ آتش سستا ہر آمینتہ ہا ب	آتش اگر ندیدی می با آب ممتاز جام ببور و ببل سے صاف اندر د
--	--

ان شمار کے علاوہ اس دور میں اور بہت سے خوشگاو و خوش فکر تھے، مثلاً اجنبی، طخیاری، ابوالعباس زنجی، جو نباری، ابوالفضل بخاری، طخی، وغیرہ لیکن چون کہ انکے حالات، اور ان شمار بہت کم ملتے ہیں اس لیے ہم ان کے نام قلم انداز کرتے ہیں۔

غزویہ

شاعری اگرچہ ابتداء نے ظہور سے روز افزودن ترقی کرنی جاتی تھی لیکن غزویہ دو میں انتہا سے کمال تک پہنچنی، فردوسی، اسدی طوسی، عنصری، فرخی، حکم سنائی، منوجہی و امنائی، جن میں ہر شخص قلیم سخن کا صاحب تاج و تخت ہو، اسی عمدہ کی یادگاریں۔

سلسلہ غزویہ، حقیقت میں سامانی حکومت کی ایک شاخ ہو، عبدالملک بن نوح سامانی المتومن ^{۳۵} کے زمانہ میں اپنیں جو اسی خاندان کا غلام تھا، ترقی کر کے امار کے درجہ تک پہنچ گیا، عبدالملک نے اسکو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا، عبدالملک کے بعد جب اُس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا تو اپنیں، خراسان چھوڑ کر غزنیں چلا گیا اور یہاں ۶ ابریں تک حکومت کر کے وفات پای، اسکے بعد اسکا بیٹا ابوالحق قائم مقام ہوا لیکن چند روز کے بعد مر گیا، اپنیں کا ایک غلام سبکتیں تھا، اسے اپنیں، کے عمدہ میں ایسی قابلیت کے جو ہر رکھا سے کہ ابوالحق کے بعد لوگوں نے ^{۶۵} میں اسی کو غزنیں کا حاکم مقرر کر دیا، یہی غلام (در غلام) سلطنت غزویہ کا بانی ول ہوا اور سلطانِ محمود فاتح ہندوستان اسی نامور کا فرزند ہے سبکتیں پہلا شخص ہو جس نے ہندوستان کو تحریر کی نکاہ سے دیکھا،

غزوی خاندان کا
اجمی تکرہ۔

اور جیپال کو بار بار سخت شکستین دین، سامانی دربار سے اسکونا صرالدین کا خطاب ملائیں
میں وفات پائی، اس کے بعد اسکا پیٹا اسمعیل جو الپیگین کی دختر کے بطن سے تھا، بغزین میں
تخت نشین محمود، غرزین میں تھا، اسے بھائی کو لکھا، کہ آپ بغزین میں حکومت کیجیے،
لیکن بغزین میرے قبضہ میں رہنے دیجئے، اس نے نہ مانا، اپنے جنگ ہولی اور
اسمیل نے شکست کھائی، محمود، بادپ کی زندگی ہی میں نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ
خطاب حاصل کر چکا تھا، تخت نشینی کے بعد اسکو نجداد کے دربار سے بغزین الدولہ کا
لقب ملا،

محمود کی شاہانہ فتوحات اور مرکز کے آرائیان ایک دچکپ داستان ہی، جبکی آواز
باڑگشت آج بھی ہندوستان کے درویا اسے آرہی ہے، لیکن غور الجم کی زبان کر
اسکے ملکی فتوحات کے بجائے، علمی فتوحات کا ترازن زیادہ موزوں ہو گا۔

سلطان محمود
کے علمی کارکرda

محمود جب طرح فتح و کشورستان تھا اسی طرح علم و فضل میں بھی کمال رکھتا تھا جو
فضیلہ سجن قہماںے خفیہ کے حالات میں ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں اسکو
نہایاں شمار کیا ہو، فقہ میں خود اسکی ایک بسوط اصنیف موجود ہے، بغزین میں
اسے ایک عظیم اشان درست قائم کیا تھا جسکے ساتھ ایک عجائب خازن بھی تھا جیسیں تمام
دنیا کے نوار موجود تھے ملک میں جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے اکثر وہن کو بلکہ
دربار میں جگہ دی تھی، ان میں سے ایک ابو ریحان بیرونی بھی تھا جو متعدد فنون میں

بعلی سینا کا ہمپایہ وہ سر تھا بول علی کو مجھی اس نے خوان کرم پر دعوت دی تھی، لیکن اسکو کچھ وہم پیدا ہوا اور نہ آیا۔

شاعری پر اسے حوصلہ شاہزاد سے توجہ کی، ایک مستقل حکمہ قائم کیا اور عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب دیکر اسکا افسر مقرر کیا، تمام تذکرے متفق المفظین کے محمود کے خوان کم سے چار سو شاعر بہرہ یا ب تھے، جکلو حکم تھا کہ جو کچھ کہیں پہنچے عنصری کو دکھلا کر پھر دربار میں لا لیں، ایک موقع پر حجب شہزادہ مسعود خراسان سے غربتین میں آیا، اور شعراء نے در بار عام میں تھامہ پیش کیئے تو ایک ایک شاعر کو جیس میں ہزار اور زندگی اور عصری کو پچاس پچاس ہزار در ہم عطا کیے، عصری کو دو شعروں پر دو توڑے دیے چنانچہ عنصری خود کہتا ہے۔

مرا و بیت لب فرمود شہر یار جہاں،	بران صنو پر عنبر عدا مشکین خال
دو بعد رہ زر لب فرماد دو ہزار در م	برغم حاسد و تیار پر سکال نکال

عصری کو ایک رباعی پر حکم دیا کہ اسکا نہم جاہرات سے بھر دیا جائے، ان واقعات کو ایک نکتہ چین مجموعہ کے فضائل کے بجائے، اسکے مساوی کے وفتر میں لکھنا، اور واقعی، محاون اور خوش مگویوں کی ایک فرج کثیر بھی پختانا اور ان پر زر و جواہر کا منہج بر سانا، فیاضی نہیں، بلکہ اسراف اور سبک سری ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ محمود کی یہ نیا نصیان، مدح پسندی کی غرض سے نہیں، بلکہ فن اور تاثیج

لیے مجمع الفضائل کا ذکر ہے۔

کی ترقی کی غرض سے تھیں، اس نے فردوسی سے شاہ نامہ لکھو کر عجم پر یہ احسان کیا، کہ عجم
گو خود مرت کیا لیکن اُس کے کارنامے آج تک نہ مرت سکے، اسلامی فتوحات،
سلمانوں کے نہیں ترانے ہیں، لیکن مسلمان، خالد، وضرار، کے بجائے، رستم،
وسراب کے نام سے زیادہ آخنا ہیں، عبد الملک، ولید، مقتدر، مخدود، معمور، مستعصم کو
کتنے آدمی جانتے ہیں؟ لیکن جم و کیمر و کیکا وس و فریدون، افراسیاب اسندیار
کو بچپہ بچہ جانتا ہے۔

عنصری نے اشعر و ان کا قصیدہ لکھا جیسیں محمود کی تمام اڑائیاں نہیں تفصیلی
بیان کیں ہیں، بدائعی بخی نے نوشیروان کا نصیحت نامہ نظم کیا، اسدی طوسی نے نفات
فارسی کی تدوین کی اور بدائع و صنائع فارسی پر ایک کتاب لکھی، تاریخ و اخلاق کے
علاوہ محمودی شعراء اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا جس
قسم کے مطالب چاہیں ادا کر سکیں، واقعہ بکھاری، معاملہ بندی، اظہار جذبات،
قدرتی مناظر کی تصویر، غرض شاعری کے جتنے انواع ہیں، سب انکے ہان پائے
جاتے ہیں، غزل البتہ رہ گئی لیکن ابھی اسلام کی ترقی کا خباب تھا، ابھی سے
اس فتنہ خوابیدہ کے جگانے کی کیا ضرورت تھی۔

محمودی شعرا اگرچہ میثا رہیں، لیکن جن ناموروں کو محمود نے نہ ماییں افضل
کر لیا تھا اور جو اسماں سخن سمجھے سیارہ تھیں یعنی عنصری، فردوسی، اسدی، عجمی، غفاری، فخری، منوجہی،

لہٰ تذکرہ دولت شاہ سعیدی۔

عنصری

حسن بن احمد نام، ابو الفاسکم کنیت، عنصری تخلص نام کاربنت والا تھا، آئن از
 شباب میں والدین کا سایہ سرے اٹھ گیا، چونکہ آبائی پیشہ تجارت تھا، خود بھی تجارت شروع
 کی، ایک دفعہ اسی ضرورت سے سفر کو نکلا، راہ میں ڈاکہ ڈپا در جو کچھ کائنات تھی سچائی بھی
 عنصری نے تجارت کا خیال چھوڑ کر علم کی طرف تو جکی، اس زمانے میں تحسیل علم
 کے لیے فیض وغیرہ کا چکو جیگڑا نہ تھا، ہر جگہ، ہر طرف بڑی بڑی درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں،
 اور جو شخص جس آزادی سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ سکتا تھا، عنصری نے تمام مداروں علم و فن
 حاصل کے لیکن طبیعت کو قدرتی لگاؤ شاعری سے تھا، ایسے شاعری کو اپنان فرادریا
 اور اسی فریدت سے، سلطان محمود کے چھوٹے بھائی ناصر بن بیتلیس کے دربار میں پہنچا،
 نصر نے جو ہر قابل دیکھ کر محمود کے دربار میں تقریب کی، رفتہ رفتہ ملک الشرا، کاظم
 ملک اشتران کا خطاب، سلطان محمود نے حکم دیا کہ دربار کے تمام شوار و جن کی تعداد چار سو تھی، اپنا کلام عنصری
 اصلاح کی غرض سے دکھائیں اور جو کلام پیش ہو عنصری کی اصلاح کے بعد پیش ہو
 بڑے بڑے نامور شوار عنصری کی میں قصاد ملکہ کر پیش کرتے تھے اور گران
 بھا صلے پاتے تھے، محمود کی شاہانہ فیاضیوں نے عنصری کو دولت و مال سے اسقدر
 مالا مال کر دیا کہ چار سو زریں کمر خلاہ، رکاب میں ساتھ چلتے تھے، اور جب سفر کرتا تو
 اس کا ساز و سامان جو عموماً اعلانی و نظری ہوتا تھا چار سو اوٹوں پر باہر کیا جاتا تھا،

ملک اشتران
کاظم

عنصری کی
دولت و
ثروت

انہما یہ کہ دلگینہ بھی طلاقی اور نقری ہوتی تھیں۔ اکثر شعراء نے عنصری کی دونتمندی کا ذکر صرف درٹک کے ساتھ کیا ہے، خاقانی کہتا ہے۔

شندیدم کہ از نقرہ ز د دیگان	ز ز ر ساخت آلات خوان عنصری
محمود کے دربار میں چار سو شعرائے جن میں فرنگی، عسجدی، غفاری، منوجہری جیسے قارآنکلام بھی شامل ہیں لیکن یہ بات اسی کو حاصل ہوئی کہ سلطان محمود کا مقابلہ نام اسی کی طرف فسوب کیا جاتا ہے، نظامی سمرقندی کہتا ہے۔	
بس کا خاکہ محمود شش بنایا کرد زینی زان ہمہ کیک خشت بر پے	اکہ از رفتہ ہمی با مرزا کرد معنی غصری مانداست بر جے

عنصری نے سلطان محمود کی وفات کے تقریباً دس برس بعد ۱۲۳۷ھ میں
وفات پائی، اسکے اشارکی تعداد ۱۲۳۷ھ زاربیان کیجا تی ہے جن میں اب صرف تین
هزار موجود ہیں قصائد کے سواتور و متنو یا ان بھی لکھی تھیں مثلًا و امق و عذر، سرخ
بت و خنگ نہ روئیں لیکن آج بالکل ناپید ہیں، اس زمانہ تک شاعری کا طیارہ
لندی یعنی فن مجلس تھا، جو شاعر جس قدر زیادہ اس فن میں کمال رکھتا تھا، اُسی قد نے یہ
کام ایسا ہوتا تھا، اسکے لیے سب سے مقدم چیز بہیہ گوئی تھی، عنصری اس وصف میں
پنا جواب نہیں رکھتا تھا، وہ نہایت پرگو تھا اور برجستہ کہتا تھا، انکتدہ میں لکھا ہو کر
ایک موقع پر رات بھر ہیں ہزار شتر کہہ دیا گی۔ اس کی بہیہ گوئی کے واقعات
۱۴ عنصری کے حالات زیادہ تر مجمع الفہمی و تذکرہ دولت شاہ سمرقندی سے یہ گئے ہیں۔

عنصری کی
بیہودگی

تذکرہ و انہیں کثرت سے ملتے ہیں۔

سلطان محمود کو ایا ز سے جو محبت تھی اگرچہ حد سے متباہز تھی لیکن ہوس کا شائستہ تھا،

ایک دن نرم عیش میں بادہ و جام کا دور تھا محمود و خلاف عادات معمول سے زیادہ پیسکر بدست ہو گیا، اسی حالت میں ایا ز پر نظر پڑی اُس کی شکن در شکن زلفین چہرہ پر بکھری بونی تھیں، محمود نے بے اختیار اسکے لگئے میں ہات ڈالدیے لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوش تقویٰ میں آکر ایا ز کو حکم دیا کہ زلفین کاٹ کر رکھ دے، ایا ز نے فوراً حکم کی تعییل کی، صحیح کو جب محمود سو کر اتحاہ ایا ز کی صورت دیکھ کر سخت مکمل رہا، بار بار اٹھا اٹھا کر بٹھیج جاتا تھا نہیں اور مقریں دم بخود تھے، آخر علی قریبے جو حاجب خاص تھا، عنصری کو بلا کر صورت واقع بیان کی، عنصری نے محمود کے سامنے جا کر یہ رباعی پڑھی۔

اگر عیب سہ زلف بنت، از کا ستون است	ن جا سے پغمب شتن خاستن است
وقت طرف نشاط، و می خوتمن است	کا راستن سرو ز پیر استن است

یعنی اگر مشتوق کی زلفین ترش لئیں تو یہ رنج و غم کی کیا بات ہے، یہ تو اور خوشی کا موقع ہے اسلئے کہ سرو جب چھانٹ دیا جاتا ہے تو اور زیادہ وہ موزون ہو جاتا ہے، محمود نے حکم دیا کہ عنصری کا منہ جاہرات سے بھر دیا جائے، چنانچہ تین دفعہ ایسا کیا گیا، چہار مقام ایں لکھا ہے کہ منہ کے بجائے دامن بھرا گیا تھا، نیاضی کے مبانہ کے لحاظ سے ثابت یہی روایت صحیح ہو، لیکن موونہ بھرنے میں جو بات اسکو دامن میں نہیں،

۱۷ شرار نے اس واقعہ سے مضامین پیدا کئے، مراہم بکتے ہیں، پا انگلیم خوش نباید دعا کر دیج تھی، ہمیں چہ بزرگ دیا کرنا

ایک دفعہ سلطان نے فصلی، عنصری نے برجستہ کہا۔

نیش الماس گون گرفتہ پست	آمد آن رگ زن میخ پرست
بازو سے شہر یار را برپست	طشت زرین د آبدستان خواست
ایں چین دست را کہ یار خست	میش گیرفت و لفعت عز علیک
وز من شاخ ارغوان برجست	سرفر برد و بو سه برداد

پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اوج ترقی کے زمانے میں بھی جراحی فضادی کا کام یعنی کرتے تھے ایک دھمکو د چوگان کھیلنے میں گھوڑے سے گڑپ اخیف ساز نہماً یا، عنصری نے فی البدیہ کہا۔

شاہا! ادب کے کن فلک بد خو را	کا سیدب رسانید سخ نیکورا
گرگوی خطا رفت بر چوگانش زن	در اسپ غلط کر د بین بخش اورا

آخر صرع دو پہلو رکھتا ہی، ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اسکو بخشد یکٹے، دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رہے تو مجھے دے ڈالیے۔ محمود نے اس حسن طلب کے صلیمین گھوڑا عنصری کو دیا، عنصری نے ایک اویاعی گھوڑے کی طرف سے مفردت میں لکھی،

رفقم برو اسپ تانہ ارش بکشم	گفتاکہ خست بشنا مین عذر خوشم
نے چیخ چارم کہ خود شید کشم	نے گاوز مینم کہ جہان بر گیرم

یعنی میں نے گھوڑے کو سزادینے کا قصد کیا، گھوڑے نے کہا، پہلے میرا عذر تو میں

لیجے کچھ میں گاوز میں تو نہیں ہوں کہ عالم کا باراً تھالوں، نہ چوتھاً سماں ہوں کہ آفتاب
کوئی سے پھروں،

شاعری کے متعلق، عنصری نے جو کام کیے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قصیدہ میں خاص اور گزیز سب سے زیادہ مضمون باشان چیز بھی جاتی ہے لیکن غزلیہ مصنایں کہتے کہتے بادشاہ کی محکم کی طرف کیونکر رجوع کریں، متاخرین کو ناز ہے کہ یہ کہتے آفرینیاں انھیں کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن انسان شاید ہے کہ عنصری کے خواص بھی متاخرین سے کم نہیں ایک قصیدہ میں ابتداء سے اتهام ک دو و چیزوں کا مقابلہ غیری کی خصوصیات کیا ہے، ایکن لکھتا ہے۔

خط، وز لفین آن، مد روئے دلبرا کیے رالا رخود رے بستر بے آفس ر، ہر دو آن را فعل آذر کیے بے نور روز و شب منور دل پاک وز بان مح گستر کیے بر من شاہنشاہ کشور	غند ستند آن ماہ منور کیے راسبیل نور ستہ بالین بہ روی دموی او بنگر کہ بینی کیے بے دود سال و ماہ تیرہ مرا بہرہ دو حینہ را مذ لگتی کیے بر هر جاناں و قفت کردم
--	---

ایک اور قصیدہ ہے۔

گ آن آرستہ زلفش گرہ گردد، گئے چیز بڑا ز عاج و دل ز خارفہ تن از شیر و دل بخت	گ آن آرستہ زلفش گرہ گردد، گئے چیز ٹکفتہ لار رخسارہ - حجاب لار چیز ارہ
--	--

پر بیزارے پر بیکر غزل چند دین چار گوئی ز عشق آن بہت دلبر غزل بہا و زیبائخ اخنا بر شاہ نیک اختر	سمن بیس، شبه نمکے، بلا جوے، خاگوے، بپر دانایی دل از رودے کر کا و آمد که حق بجی شانجی از غزل پا سخن کرت این ہر دو یو فتح
--	---

ایک قصیدہ سوال وجواب سے شروع کیا ہوا اور آخر تک یہ انداز قائم رکھا
ہے اُس میں نہایت خوبی سے مح کی طرف رجوع کی ہے۔

دوش کردم مراد باد جواب گفت آن کہ دل توکر دکباب گفت عاشق نکو بود بہ عذاب گفت ہر دم از روی خوش فتاب گفت آن مالک قلوب رقاب گفت تے دخواندہ ام بکتاب گفت بخون، مسیل کذاب گفت زنیان کنداو لوالا لیاب گفت عمر در از دولت شاب	ہر سوالے کزان گل سیراب گفتم اتش بان رخت کفر خوت گفتم اندر عذاب عشق توام گفتم از چیست روے راحیں گفتم آن میر فصرنا صردین گفتم اندر جان چو او دیوی گفتم اعداء اور وغ زن اند گفتم از من او نیا سایم گفتم اور اچڑا ہم ازا نیزو
---	---

ایک قصیدہ کو تبییسے شروع کیا ہو، معشوق کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہو:
اوامن ہر دمہی زازیم، اونا زمن بست کو جس نہیں نازو من بدمح شہریا
ایک قصیدہ زلف کی تعریف سے شروع کیا ہے۔

دست دست ترت، گریا ساحلان کیان کنی خوشنیں راگہ زردہ سازی و گچکان کنی میتی پروانہ، گرد شمع چون جولان کتی؟	ای شکستہ زلف بارہ از بکم تو دستان کنی ہم زرد پوشی دھم جو گان زنی براغلان نیستی دیوانہ، برائش چاغلٹی ہی؛
زلف سے خطاب کرتے کرتے، اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے۔	
تانتاے کہ خدا کے کشور ایران کنی دل نگہدار بائے تن از در و شکن دل بایرا	
(۲) قصیدہ اگرچہ ماجی اور بھٹکی کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، اسی بنابر عرفی کے کام اور قصیدہ کا رہوس پیشگان بود عرفی۔	ایک اور شاعر کہتا ہے۔
من خوشنامنی تو انگ گفت اگر گاویم قصیدہ با کے نیست	
لیکن عضمری نے اکثر قصائد سے واقعہ نگاری کا کام لیا ہوا، اسے اکثر قصیدہ نہیں غمود کی رثائیاں اور فتوحاتِ نظم کی ہیں، ایک قصیدہ میں جو ۲۴ اشرون کا ہے غمود کے تمام معروکے احوالاً لکھتے ہیں، اسکے چند استغایہ ہن۔	
اکبر سپر بلندش ہی بسود افسر بدرست ایشان شمشیر را سے بچو سحر تو گفتی کہ پر اگنہ دشداہ شست سفر بھسلہ پر اگد آن ہم سے مشکر	شنبیدہ ۴ خبر شناو ہند وال جھیپال بدان صفت پے چلن شب سیاہ بزرگ چو دو دیرہ، در و آتشے زبانہ زنان خدایگان خراسان بدشت پیشا اور
۱۵ تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہو کہ اس قصیدہ میں ۸۰ اشعار ہیں، لیکن دیوان مر وجہ میں اس کو مکہیں۔	

و گر ندانی تا مج الفتوح بیش آور به شاهنامه بران بر حکایت است هر وزان پس که بران با دران بو و عبر که هر کیه را صد بند و بود چون خبر بزرد باد همه تو دهای خاکستر ازان که بو دخواسان زربه سان مانند	حکایت سفر مولتان است دانی اگر زد جلد فریدون گزشت بخشی ازان پس که درود هم را بند پایا ب پر مولتان شد و در ره دولیست تکشاد بلاد و بت کده ثان کشاد و سوخت هم چوباز گشت به کیک تاختن به مینه شد
--	--

خارزم کی فتح میں لکھتا ہے۔

ہوا چو آتش و گردان درو، بجایے شرار به فال اختنیک و به نصرت دادار ہمہ ہوا شدہ از عکس چاؤ شان فرخار چو برگز گشت که آن آب، شاهه موٹی وار کلاه و کرش و زین بود و جامنه و دستار اگر چیزش درست است مہست چون چشمیش اندرا تیراست اگر بود سیدار گمان کند کہ ہمی بر جگر خور دسمار و گر جواب دهد اگوید اے لک نہار	بوقت آن کہ زمین تفتہ بُر زبا و سوم فرو گذشت بآمویه شهر پار جان دریا سے چون ^{۱۲} از روے بندگان گشیر در آب در ہمہ غرقہ شدند چون فرعون فراخ چیخون چون کوہ شد ز بکه درو کسے که زندہ بماند است ازان نہیں بمنزش اندر، تیغ است، اگر بود خستہ اگر چون سبد، بند قبابے او از باد اگر سوال کند، اگوید اے سوار مزن
--	---

آخر شعروں میں تخلیک است یا فتح فوجون کی بحدا سی اور خوفت زوگی کی تصویر

کس خوبی سے کھینچی ہے، کہتا ہے کہ جب یہ سوتے ہیں تو عذاب میں ان کو ہر طرف
سواریں نظر آتی ہیں، اور آنکھ کھلتی ہے تو تیر ہی تیر دھائی دیتے ہیں، قبا کا بنداگیوں
سے خبش کرتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ کوئی شخص لکھجے میں کیل مٹھوک رہا ہے۔ اگر کچھ درخوا
کرتا ہے تو یہ کہ میان سوار اب نہ مارنا، اور کچھ حباب دیتا ہے تو یہ کہ اے باشتا و پیاہ
(۲۳) مناظر قدرت، اور خاص خاص چیزیں کے اوصاف بھی اسے نہایت خوبی کو
لکھے ہیں۔

		بہار
تازِ صخش ہر درختے بُعثتے دیگر شود	ابرنوروزی، ہمی دُر بار دو بہت گرشو	
باد بچوں طلبہ عطا رپُ غنبر شود	لاغن بچوں گلکبہ بڑا زپُ دیسا شود	
گوشوار ہر درختے رشته گو ہر شود	روے بنید ہر زمینے ٹکلہ چینی شود	
درخت کافون میں سونے کے بُند ڈال ٹھیک	زمیں کا ہر تجھہ چینی کپڑے کی نقاپ پہن یہاں	
گہ بروں آید زمین، وگہ بہ منی اندر شود	چون جانبی بعدان خورشید رامیں کہ باز	
کچبی بدل سکل آتا ہے اور کبھی بادو نین چن جا تاہی	آفتاب، بجان متی کی پُستلی بن گیا ہے	
باز زینا چشم، او دیوار دے مشکین شود	افسر سین فرو گیرد، ز سر کو و بلند	
او را کی تکھیں بہر جپو پر تکار، او رہ شکنیں گیا	پہاڑ نے چاندی کا تاج (ربوت)، سر سے اُتار کر رکھو	

مقصد یہ کہ پہاڑ پر سبزہ، نبض، اور طرح طرح کے پھول پیدا ہو گئے

تاریخ کی تقریبیں	درخت نارنج، از خامہ گوئیا شنگرف	
	برخیت است کے مُشت مُشت از زنگار	

۱۵ نقاب کو کہتے ہیں۔

کہ بُرگ شان ہمہ پر استی باشان نے قار	ز بُرگ و بارہمہ طوطیاں پر امند
بُرگ خضرتہ کردہ، آب او بازار ابڑ خیات	محترہ داریکے جو سے اندر و گز رد لہستان
و گرہ پچید گئی ہے بہ پچید مار	اگر بجنبند گئی ہے بجنبند جان
گئے خود بہ ہوا بر چو جفہ شر طیار	بان قارول گاہے فروشون بین
نہ کوہند، لیکن ہمہ جیخ گردش	نہ جیخ اند، لیکن ہمہ جیخ گردش
چو بر قوم عاد آیت با د صر	چو اندر ہوا، کوہ بر قوم موے
پہ مج اندر آید، ہمی بھرا خضر	چنان گردو، از عرض شان نشت کئی
پہ ندان پہ رند پو لا دو مرمر	تیک راہ گیزند، بر آب والش
چو اندر گز شتند، چاہ مقعر	زمیں کوہ باشد چو آیند پیدا

ضائع و بداع | یہ بعثت عنصری سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن خال خال تھی اور اسقدر نہیں کہ لوگوں کا خیال اس طرف رجوع ہوتا، عنصری نے اکثرین شکایت و نشر، ترصیع، تقسیم، سوال و جواب، کثرت سے بر تین، اور چونکہ بعض ضعیفین تباہی سے استعمال کیں، اور شرعاً نے بھی تقیید کی، اور ایک عام شاہراہ پیدا ہو گئی، چنانچہ ترصیع یعنی دونوں مصراعوں میں تمام الفاظ کا باہم مساوی الوزن ہونا یا ہم فافیہ ہونا، اسقدر عام ہوا کہ قدما کے اخیر دو یعنی سالوں میں صدی تک تمام تصانیماں کی انداز پر لکھے جاتے تھے اور فیصلہ میں شروع میں یہ صنعت پائی جاتی تھی۔ لغت و نشر تقسیم یا قاتلا عدد، کو بھی رواج ہوا، لیکن نہ اسقدر کہ تصانیما کے لگے کا ہار بن جائیں،

عنصری نے جس طرح ان صفتوں کو بردا، انکی مثالیں درج ذیل ہیں۔

تو صحیح

پرندے سے سوت گویا بولو شجھے رہے	درختے است گویا بہ مینا منقش
خورنده است و خورنہ زمزہ کافر	روندہ است و قتش رہ مزہ شیران
زمزہ است و بودنہ چون مزدہ سر	زدہم است گشتتش چون فرم بدل
گہ آن پیرستہ جعدش بیار دشک گہ عنز ہمہ شمساد پیسبنبل ہمہ سچا دہ پر شکر	گہ آن است زلفش گرہ گرد گئے چبیر لیخ چون غلکشہ کل ہمکن بگنگ مل
ہچہرہ جہت نالی، ہر خوبی حاجت آذر پر بڑا دے پیری دے اپری ہچکر پری پیکر	ہر رواز نیکوئے منی ہنرزا رجادوی دعوے سمن لوبے اشبہ میسے، بلا جسے، جنگا لوئے
نکوئے نکوارے، چسن ان در جہاں سور	دل آ رای، دل آ رای نعم انجام، غم افزاں

تمام تعمیدہ اسی صفتت میں ہے، اور اسقدر مقبول ہوا کہ تمام شرارے ما بعد نے انتہا
کے موقع میں قصائد لکھے، سماں سا وحی، امیر خسر و ادقاً اُنی نے بعض اور خوبیاں
میں اضافہ کیئیں، اور زیادہ حسن پیدا کر دیا، مثلاً قاتلی کہتا ہے۔

چمن تزینیں، دمن تکینیں زینیں زینیں زینیں بیڑ	کنوں کر میشنبید وار غوان یا سمن بارہ
بنن گاہم، وجوہ گاہم، ویدہ جاہم، وکیش ساغر	بچن لانغ، و طوف راغ، و زیر سر و اوپائے جو

لغت و نشر اور تقییم کو اگرچہ عنصری نے بہت کم بردا ہو، لیکن نہایت خوبی اور
سادگی سے بردا ہے۔

تاجہاں باشد ہمی مر شاہ را این یاد گار	ایا ہے پندو، یا کشاہید، یا مستانہ یاد بد
---------------------------------------	--

اچھے بستان دلایت، اچھے بد بد خواستہ
اچھے بند و دست دشمن، اچھے بکشاید حصار

مبالغہ، اس میں بھی، غصہ نے کچھ کمی نہیں کی، لیکن اسوقت تک، تکلف
اور بناوٹ کو اسقدر ترقی نہیں ہوئی تھی اسیلے تاخیریں کے مقابلہ میں اسکے مبانے پر
معلوم ہوتے ہیں مثلاً وہ گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے۔

کش زباد طبع سرت و ازخاک منظر	شگفت آیدا ز مرکب تو خسر دڑا
ب تقریش از باخترا تا پ خاور	ب گام پیں بر و دگر بر بانے
ذ منزل کُنْد کم، ذ کشور کہ شور	ذ جتن کنْ د کم ز دریا په دریا
ب فور و ظلت ماندا زمین و ابریمی	ب فور و ظلت ماندا زمین و ابریمی
ہمی ستان د ترو ہمی د همی نا	فر لفیمه است زمین ا بر تیرہ لا کار زم

مخدون آفری

یعنی نہیں اور بادل نور و ظلت کے مشابہیں، اور قطرہ باران، اور گھاس، گویا
موتی اور سبز خشیتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بادل نہیں کے فریب میں آگئے ہیں، لیکن کہ
نہیں سبز خشیتہ دیکھ رکے عوض بادلوں سے مولیٰ لیتی ہو۔

قطرہ باران ^{گھاس} ۱۲

ب ز د د ک بجشد ب یاقوت احر	ہانا کل خور شید زنگ خش را
----------------------------	---------------------------

عام خیال یہ ہے کہ آفتاب، جب کسی چھر پر چالیس برس تک متصل طیون ہوتا
رہتا ہے تو وہ یاقوت بن جاتا ہے، غصہ کہتا ہے، کہ آفتاب دراصل مشوق کے
چہرے کا رنگ چوتا ہے، اور یاقوت کو دیے دیتا ہے۔

گھوڑے کی
تعریف

زمان گزنشہ است کش در نیابی	چو گزنشت از پیش حشم تو دیکر
----------------------------	-----------------------------

ہے بازگر دو زمانہ مکر تر	بوجمعت برآن گونہ باشد کگوئی
--------------------------	-----------------------------

یعنی جب یہ گھوڑا اساتھ سے نکل جاتا ہے تو گویا گزر اہوازمانہ ہے جبکہ
تم پانہیں سکتے اور جب چکر لگا کر آ جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے
پلٹایا!

فرخی

علی نام اباؤکن کینیت فرخی تخلص سیدستان وطن، باب کا نام قلوع تھا، جو امیر خلف بن احمد حاکم سیدستان کے دربار میں ملازم تھا، ابچین میں ادب اور موسیقی کی تعلیم پائی، چنانچہ جنگ بجانے میں کمال پیدا کیا، معاش کی یہ صورت تھی کہ ایک زمیندار کی ملازمت کرتا تھا جسکے معاوضہ میں سالانہ دو سو کیل غلہ اور سو درہم مقرر تھے، یہ منصری آمد نی اسکی سادہ زندگی کے لیے کافی تھی، لیکن چند روز کے بعد اسے امیر خلف کی ایک ووڈی سے شادی کی جس کی وجہ سے خچ ٹڑھ گیا، آقا سے تحریری درخواست کی کہ تشویہ میں ۵۰ درم کا اضافہ کرنے، اور غلہ کی مقدار دو سو کیل کے بجائے تین سو کروڑ بھائے آقا نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ اس قدر حاضر ہے اور اس سے زیادہ کا مجبو مقدار دہنیں فرخی کو شعرو شاعری کا بچپن سے ذوق تھا اور اب انسن اس فن میں کافی ترقی کر لی تھی، شاعری کی قدر دانی کے قصے ہر جگہ مشہور تھے اسیلے اسکو خیال ہوا کہ اس ذریعے سے شکل حل ہو گی، چنانچہ لوگوں سے پوچھتا رہتا تھا کہ اس فن کا کون ٹپا قدر دان ہے، ابو المظفر جغا نی اس زمانہ میں سلطان محمود کی طرف سے بخ کا گورنر تھا، اور ہنایت فیاض طبع، اور قدر دان سخن تھا، فرخی اسکی فیاضی اور قدر دانی کا شہرہ مسٹنگ چغان میں آیا، چنانچہ ایک قصیدہ کی ابتداء اس داقعہ سے کی ہے،

بَا كَارِدَانِ حَلَّهُ بِرْ قَمِ زَيْتَانِ	بَا حُلَّهُ تَيَّنِدَهُ زَدَلُهُ بِافْتَهَ زَجَانِ
ابوالمظفر کو گھوڑ نے بہت شوق تھا، اور ٹرس اہمام سے انکی پرداخت و تربیت	

کرتا تھا، اٹھارہ ہزار گھوڑیاں اور بھیرے ہمیشہ چراگاہ میں رہتے تھے، سال میں ایک سو فوج ایں بھیرون کا جائزہ لیتا تھا اور ان کو داروغہ کرتا تھا، فرخی جب مل پہنچا تو مسلم بوا کر ابو المظفر داروغہ گاہ میں گیا ہوا لیکن خوش قسمتی سے عید اسعد جا ابو المظفر کا فتحار کل تھا، میور دھقا فرخی اسکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ شاعر ہوں، عید نے نظر اٹھا کر دیکھا تو فرخی کے چہرہ صورت، وضن قطع کسی چیز کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، مجدداً ڈیل ڈول، ڈھیلا ڈھالا کر تابکے دونوں دراف پاک، صرپر بڑا سا پکڑ سخت متھوب ہوا، تاہم حُسن اخلاق کے لحاظ سے کہا کہ میں تم کو ایسے کہ دربار میں بیچلو بگا، لیکن پہلے داروغہ گاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ نکلا تو، اسکے ساتھ داروغہ گاہ کی صورت کا نقشہ کھینچ دکھایا کہ کوئون تک بزرہ زار ہوتا ہے، جا بجا پتھے بتتے ہیں، بے تکلف احباب مل بیٹھتے ہیں لگاتے بجاتے ہیں شراب پتے جلتے ہیں، بادشاہ ایک بات میں بیار دوسرا میں کند نیک بیٹھتا ہے، شراب پیتا جاتا ہے، اور بُگون کو گھوڑے انعام دیتا جاتا ہے، فرخی نے رات بھر میں قصیدہ طیار کر کے صبح کو عید کے سامنے پڑھا۔

پرنسانِ ہفت زنگ اندر سر آر و کوہ سار بیدار چون پر طوٹی پر گ رویدے شمار جندا باد شمال و فرخا بوسے بسار باغ کوئی لمعتاں جلوہ دار دو در کنار	چون پرندنیگوں ببر و بے پوشند مرغ، ار خاک را چون ناف آہو مشک زاید بیقیاس دو شوقت نیش بوسے بھار آ درد باد باد گوئی مشک سودہ دار د اندر آستین
ار غوانِ عل بذخان دار و اندر گوشوار	فترن لوٹ سب خنا، دار د اندر مرسلہ

آب مردار ید گون، وا بر مردار ید بار
 کاندر وا ز خرمی خیره بسا ندر و زگار
 خیمه اند خیره بینی-چون حصار اند حصار
 هر کجا سبزه است شنا دان یا سے ازو دید ابریار
 خیمه ابر بانگ نوش ساقیان میگسار
 مطریان رو دوسرو دخنگان خواب خوار
 از پی داغ آتشه افر و ختم خورشید وار
 هر کی چون نار داده گشته اند زیر نار
 مرکبان داغ نا کرده قطوار اند قطوار
 روی صحرا ساده چون دریا سے ناید آثار
 اند رین گردون ستاره دان ستاره بیدار
 با گند اند رسیان دشت چون اسفند یار
 زمکنی شهر یار شهر گیسر شهر دار
 گشت نامش پسرین دشاد در دلش بگار
 نیم دیگر مطریان و باده بو شین گوار

باغ بوقلوون بابس دشاخ بوقلوون نمای
 داغنای شهر یار اکنون چنان خزم شود
 سبزه اند سبزه می می-چون پهراند کسپر
 هر کجا خیمه است اخفته عاشق با دست مت
 سبزه ابر بانگ چنگ مطریان چربست
 عاشقان بدن کنار و نیکان ناز و عتاب
 بر در پرده همراء خرد پیرو زنجت
 داغنای چون شاخه بسته با قوت رنگ
 مر جان غلام خواب نادیده هصاف اند هصاف
 رفه هامون سبزه چون گرد و نان پیدا کلان
 اند اان دریا ساری اوان ساری جا نور
 خرد فرخ سیره برباره، در یا گز ر
 گرد ای هر مرکب چون گرد ای قمری بطبق
 هر کرا اند رکن دشست بازی، دنگند
 روز یک نیمه، رکن د مرکبان تیز تگ

عصید نے فرجی کو سماحت لیا، اور ابو لطفه کے پاس جا کر اس تقریب سے پیش کی
 کر دقیقی کے بعد، آج تک اس پا به کاشا عز من بن پیدا ہوا، یہ کہہ کر سارا داقو

بیان کیا، اب المظفر نے فرخی کو دربار میں مناسب موقع پر جگہ دی اس دربار کا دور
پل رہا تھا، دو تین دور ہو چکے تو فرخی اٹھا اور درد آمیز لمحہ میں یقینیہ پڑھا
ع با کار و ان حلقہ بر قلم زیستاں، ابو المظفر خود شاعر تھا، حدست زیادہ سرور ہوا،
اور فرخی سے کہا کہ ہزار کیست پھریرے سامنے ہیں جس قدر تم سے پکڑ جاسکیں
سب تھا سے ہیں، فرخی شراب سے بدمت تھا، فوراً اٹھا دربار سے پھینک
پھر درن کی قطار میں گھس گیا، وہ بھاگ کر ادھر اُدھر پھیل گئے، فرخی، ہر طرف
تیکھے پیچے دوڑتا پھرتا تھا، تک کر چور ہو گیا، اور وہیں زمین پر پڑ کر سور ہا،
صحح کو دن چڑھتے اٹھا، ابو المظفر نے صحح کی نانسے فارغ ہو کر، فرخی کو دربار میں
طلب کیا، اور اپنے خاصہ، ایک سخیر بین شتر، پانچ غلام، اور پنچ کے کپڑے
انعام دیے، دریافت سے معلوم ہوا کہ فرخی نے جس گلہ پر ہات ڈالا تھا، اس میں
بیانیں پھریرے تھے، ابو المظفر نے وہ بھی انعام میں دیدیے، چند روزوں کے بعد
فرخی بڑے سرو سامان سے سلطانی محمود کے دربار میں پہنچا، سلطان نے
نہایت قدر دلی کی اور شہر سے خاص میں داخل کیا، ایک موقع پر اپنے خاصہ عنایت کیا
 تو فرخی نے یہ اشعار خلک گزاری میں لکھے۔

اپنے کہناں شاہ دہرا سب نباشد	تاجے بود آراستہ اذلوںے شہوار
سے یہ تمام واقع اگرچہ تھام تذکرہ درن میں منقول ہوئکن سے زیادہ تفصیل چار مقام میں ہے، اور تہجیگو یا وسی کا فضیلی ترجیح کیا ہے۔	

دشمن کے پریں اپنی رہوار مراد ہے
بے صبر شد و کر دغم خویش پر بدر
اس وقت تک باوجود تقریب اور نسب نداشت کے فرخی کو دربار میں کمر بند
باندھنے کی اجازت نہ ملی کیونکہ یہ لباس اُمراء فوج کے ساتھ مخصوص تھا، فرخی نے
ہنایت خوبی سے اس قصیدہ میں اس عمدہ کی آرزو کی ہے،

امروز کلاہ و کمرت باید ناچار بٹکیب و صبوری کرن تاشب ہے ندیار کس را بہ بزرگی زسانند بیک بار	گفتا کہ ہمیزان وہ سرہنگان مانی گفتم کہ چہ دافی کہ شب تیرہ چہ زاید من تنگدی پیشہ ٹگیرم کہ بزرگان
--	---

یعنی دشمن نے مجھ سے کہا کہ اب تو تمہارا انہا ٹھامرا کا سا ہے، اب کمر بند و کلاہ بھی ملنا چاہیئے
میں کہا تجھکو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہو گا؟ جسے مجھکو اپنے خاصہ کے قابل بھا، وہ اسکا ستھی
بھی سمجھیگا، میں دل گرفتہ نہیں ہوتا کیونکہ سلاطین کا یہ دستور نہیں کہ کسی کو ایک دم سے
بڑے رتبہ پر پہنچا دیں، بالآخر فرخی کی دولت وجاه کی یہ نوبت پہنچی کہ جب اسکی سواری
نکلتی تھی تو تیس زریں کمر غلام رکاب میں چلتے تھے۔

ایا جو سلطان محمود کا محبوب خاص تھا، فرخی کا ہنایت قدر داں تھا اور اس کو
ہنایت خاص رکھتا تھا، ربط زیادہ بڑھا تو محمود کو رشک ہوا یہاں تک کہ فرخی کا دربار
بند کر دیا، فرخی نے متعدد تفصیدے مخذرات میں لکھے، بالآخر سلطان صاف ہو گیا، اور
فرخی برستور دربار میں جانے آنے لگا،

اس زماں کے تین اور معاشرت پر تجہب ہوتا ہے کہ شعرِ محمود کی بحث میں جو قصیدہ
نہیں تھے، اس میں علائیہ ایاز کے حسن و معشوّقی کا ذکر کرتے تھے اور محمود اس سے
خوش ہوتا تھا فرخی ایک قصیدہ میں لکھتا ہے۔

دل د بازو س خسر و روز بیکار	امیر جنگجو ایسا زادہ میاں
ب کا بین کرد نی اور آخر بیدار	زنان پا رس از شوق گر دند
دل محمود را بازی مپسندار	خبر خیرہ بد و دل دا و محمود
جز اول سلطان غلام ان اشت بیا	جز اودر پیش سلطان نیزکس بود
ن چندین بُد مراد را گرم بازار	اگر چون میر کیب تن بو د آنجا

غضنفاری نے محمود کی فرایش سے ایاز کی تعریف میں دو شعر لکھ کر پیش کیے
تو محمود نے دو ہزار شعر فیان انعام میں دو ایں چنانچہ غضنفاری ایک قصیدہ میں کہا ہے

بران صنوبر عنبر غدار مشکین خال	مرا دوبیت بلفرمود شہر یا جہان
برغم حاصد تیار بد سکال نکال	دو بدرہ زربفتراد دو د ہزار درم

فرخی نے صنائع و بدائع شعری میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ترجمان الملاعہ ہے
رشید الدین و طواط نے حدائق اسکو میں اسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہر کو "لغو کتاب" ہے، بننا ہر
تجہب ہوتا ہے کہ ایران کے شعراء ابتداء ہی سے صنائع و بدائع کی طرف کیہے بخوبی مل کر
ہوئے، ایک حقیقت میں یہ تجہب کی بات نہیں، شعری کا جو نونہ فنا، کسی شعر کے پیش نظر
قیاد وغیرہ بی شاعری تھی، عرب میں خود اس زمانہ میں صنائع و بدائع کی پختہ ایجاد

ہو چکی تھی اور عبد اللہ بن مقتدر کی کتاب البدریع جو اس فن کی بہلی کتاب تھی گھر گھر پھیلی ہوئی تھی تاہم فرنخی کی سلامت روی دیکھو کہ اُنے صنانع وبدائع پر کتاب لکھی لیکن خود ان تکفارات سے آزاد ہے، فرنخی نے ۱۸۷۹ء میں وفات پائی۔

کلام پر راء فرنخی کے کلام کا عام جو ہر زبان کی صفاتی، اور سلاست و روانی ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں انسنے زبان کو اس قدر صاف کر دیا کہ ہزار برس اگز رچکے لیکن آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، اتنا آنی کا بڑا عجائبی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تصاویر میں ہر قسم کے واقعہات اس طرح ہے تکلف ادا کرنا جاتا ہے گویا رواوی میں باقی کر رہے ہیں، فرنخی سے اسکا موازنہ کرو، صفات نظر آئیں کہ بعد بات قاؤنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی، فرنخی کو اسوقت حاصل تھی، رمضان اور عید کے ذکرین قاؤنی کا ایک مشهور قصیدہ ہے۔

دیگا! پیغ خبرداری کان ترک پر	با من از نازد گربا بار، چا اور دیسر
بلب تو شین آمد شب تو شین اسپرے	حلقه بر دز د بحتم و بکھودم دز
گفت قاؤنیکا بات کے پیسی ہسراۓ	خیز کز روزہ شدا ضماع جوانی ریوزی
غاۓ بامست چان خستہ اندر و رمضان	کن مرد روزہ واز روزہ ترانیستہ خیر
گفتہ اے ترک دلارام مگر باز آمد	رمضان آن مہ شاہ کش وزراہ پرور
گفت اے ارے نھضان آمد و گوید کم بحق	رقم از باز خلا ار عم واز پیغمبر
و قت اان آمد کان واعظکان بعد نماز	چھو بوز سینہ کیکا راجہد از نیسر

اسی بھر و قافیہ میں فتنی کا قصیدہ دیکھو

خنک آن کس رمضان را بمنزرا ببر فتنی رفتہ بہ اور وے نہادہ بسفر عید فرخندہ زماں رمضان نیکو تر وقت آن آمد کر زبادہ گران گر دوسر ساقی دلبہ و شایستہ و شیرین چونکہ ورنه دانی بشنو تاغزل گویم تر دل من بُر دو مرزا ذل اونیست خبر کا بخکے من دلکے یا فستی نیز گر	رمضان رفت، و رہے دور گرفت اندر بر بس گرامی بو داین ماہ ولیکن چ کشم رمضان گر نشید از راه فراز آمد عید گاہ آن آمد کر شادی پر گردد دل بادہ روشن و آسودہ و صافی چو گلاب مطر با آن غزل لغزد دلاویز بیار اے در لیغادل من کان صنم بین بر اویلے دشت گرامی و دل دیگر یافت
---	---

اسی بھر و قافیہ میں اس کا ایک اور قصیدہ ہے، جو سراپا محاورہ
اور روزمرہ ہے۔

دوش مے وادہ هستا زاول شب تا بحر کل شام مے بج تک شراب پلاتا رہا ہے ادھی گفت بسر، تا برم ایں دل بس لیکن وہ یعنی کہتا رہا کہ یہ دور تو ختم ہونے دے دل ہج بست کہ نشست نشست آن دلبر یہ یعنی خاطرداری یعنی کہ سو یا نہیں اور کھڑا رہا	ترک بہت یوئے من، از غذاب گران دار کر سیرا پر پھرہ مشوق نیند سے سر گران ہے میں بخیم اور ادویاں نمودم کم چنپ شیخ دو دفعہ آنکھ سے اشارہ کیا کہ سور ہو شب بسر بردہ مے وادن نشست نشست ساری رات شراب پلانے میں گزاری ہے، میں طبقہ
--	--

در تو ان بخور دنوبت یاران و گر ادر را کسکے امکان ہیں ہو تو اور دن کا حصہ بھی اڑائے لیست آن کو بہ نہ کش، بار جینین خدمت دست	جیل ساز و کمی افزون نور دا ز نوبت خوش چالاک کر کے پاہتا ہو کدا پنے حصے سے زیادہ پلے لیست آن کو بند ہو دن جنین خدمت دست
--	--

مح کے تشبیب میں فتوحات کا ذکر کرتا ہے۔

مازاندیشہ اوختہ دل و خستہ جگر امک از جنگ عراق آمد با نفتح و ظفر جنگنا کر ده و نبودہ بہر جائے نہر از پس بادہ بین بوسہ ہمی باید داو دیر گاہ است کہ این رسم نہاداں کن نہا تو مر از دگران برداہ لے حور نژاد	خبر بر ما بہ خشکار لماں تا خستہ بود خسر دا ز را و در از آمد با نہت و کام قلعہ ہا کندہ و بن شانہ بہر شہر سپاہ اے پسرا! گر دل من کرد یخواہی شاد دیگر نقل بابوسہ بود، بادہ وہی نقل بدہ گر ہجی گوئی بوس از دگر سے نیز بخواہ
--	--

یہی فرخی کے خصوصیات میں ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی
حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے تو اسکا اصلی سماں گھون کے سامنے کھینچی تیا ہے ایک
تصیدہ میں مجلس عیش کی خیالی تصویر کھینچی ہو۔

پر د بستہ و در د شہزاد <small>د طن ۱۰۴۱ ایک انی کا نام ہے</small> زلف ساتی نر کو تم و نہ در از از سخن جین، تھی وا ز غماز پچور دے تم رو د سینے باز	سرو ساتی د ما و رو د نواز باجا ز زخم رود زن تلپت و نہ تیز محلے خوب خسر دانی و از باز شاہ از بو ساتی ز لالہ د سو سن
---	---

ک تو ان لفت پیش ایشان راز	دوستان ساعد دیک دل
خوش زبان و موانعی و دمساز	ماه رو سے نشاندہ اندر پیش
زلف او بر حریر چوگان باز	جعد او بر پر نم کشتی گیسر
مانده در حشم زگا و آدم باز	زن بینی چڑھا
ہیچچ زاہد مراد باز	بادہ چون گلاب روشن و تلخ

سلطان مجھو و نے ایک باغ بڑے سر و سامان سے تیار کرایا تھا، گھما سے رنگ رنگ کے تختہ زار، جا بجا جد دلین، دو طرف سرو شمشاد، ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اُس میں رنگ بزنگ کی چھلیاں کافون میں موئی کے آوزی سے پہنے تیرتی پھرتی تھیں، تصویریہ خانہ زین محمد کی محکم تصویریں، کہیں برجھاہات میں لیے ہوئے شکار کھیل رہا ہے، کہیں بزم عیش میں بیٹھا ہے اور شرکاب کا دور چل رہا ہے، فرمائی
اس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے۔

زنو باغ میخواست شاہ مظفر	ب فرخندہ فال وہ نرخندہ ختر
در و خانہ سشیر گیر ان لشکر	در و سکن ماہرویان مجلس
کجا جاسے صید است مرغان پیر	پلچا جاسے بزم است گھما سے بید
تدر و ان، آم خستہ مادہ و نمر	ہرچا روان گردیر گرد رعناد رختان
سرکن گرہ بر کنار دو پیکر	یکے کاخ شاہانہ اندر میانش
در حشمتہ ماساختہ سو سے منظر	ہر کاخ اندر و ان صعمہ میں معفًا

کے پھر از نگ مانی مصور شہر شرق را اندران کاخ پیکر سلطان محمود بیک جائے در بزم بر دست ساغر کے رو د، آب اندر و پھو شکر نہ ابرست و اواسے او پھو تند آواز بیالا دید اندر ہوا مرغ لپر کے شرف دیا مرآن لا برا بر گوش اندر وون پر گھر حلقہ زر میان تابران می خور دشا صفت ایں مل حُسر و بندہ پر ور	کے تجو دیباے چینی مقش نگاریدہ در چند جامِ مصور بکھایا در صید در دست قلن ازان کاخ فرخ چاندر گز شتی نیچخ است دا جمل کا و چون تاره الگ بکر زد برسرش مرغ موجش بیسان برباغ اندران تند روک بد و اندران ماہیان چون عروان مکانے برا در دہ پلوسے دریا یین دوں شاه محمود فائزی
--	---

ابوظفیر چغائی کے دربار میں جب انسے جانا چاہا ہے تو راہ میں بہت صنویں پیش آئیں، قصیدہ میں تمام حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں، اور دیکھو محک کی تہیید کا پلوکس خوبصورتی سے پیدا کیا ہے،

ہوا چون قیروز و ہامون مقیر سپر آراستہ چہرو ہ گو ہر بروے ستر دیا پر گ عہر ک اندر قفر او بکر شت لشکر	بہے صعب او شے تاریک و تیرہ ہوا اندر دہ مخسارہ مدود گمان یردی کہ با داندر پر گند محجہ چون ہ در پارا و مو سے کھان رو قیل
---	--

برنگ روے بھولان مزعفر چو در غرفتاب مرد آشنا دار شده ہامون بزیر آن مقصر خروشان و بلے آرامہ وزین در نہادہ بکران با خستہ سر بگرما سے حزیران گلشنہ لاغر برآمد بانگ از آب اللہ اکبر که تو مدش ہمی برخوانی از بس یکے موے از تن من نا شدہ کہ کشا دستند مر فردوس را در ہمپتی پڑا زکالا سے شستر زمیں لالہ ہمسے صحر اسراسر	زمانے رفت دسر پر زور مازکوہ بہر گیک اندر ہمی شدبارہ تازان خشک ملاں ہہ ہامون در ہمی رفت دمندہ اڑ دہا سے پیشم آمد گرفتہ دامن خاور بدن بال بہاراں بہاراں گلشنہ فربہ میج شاہ برجیون بخواند م کر من شاگرد لفعت را دادم بلفر شاہ از جیحون گلشنہ وزران جاتا بدین در گاه گفتی ہمسے بالا پڑا زدی بابے روی ولفقی سیکل زرد شست گلشنہ مہت
---	--

فرخی نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے بھی یہ صفت موجود تھی لیکن سیکڑوں گوناگون واقعات کو نہایت بے تکلفی اور بہت سیکل سے ادا کر کے انسنے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کر دی، اور آئینہ نسلوں کے لیے راستہ صاف کر دیا، اکثر قصیدوں میں فتوحات کے حالات لکھتا ہے، اور معلوم ہوتا ہو۔

لہ بے کی می ظاہر نہیں ہوتی۔ اور یہ قد مالی زبان ہے۔

کہ ایک موخر ہے کم و کاست ٹھیک ٹھیک حالات لکھتا جاتا ہے، سو منات کی فتح ہیں
جو قصیدہ لکھا ہے، اسین ایک ایک معالم کا نام اور اسکا حال بیان کیا ہے۔

بہ سو منات بر دشکرو چنین شکر	گمان کہ برد بکہ ہر گز کے زر اہ طراز
سو منات پر فوج لجا سکتا ہو در فوج بھی ایسی فون	یہ سکون حال تھا کہ کوئی شخص طراز کی راہ سے
زین آن سیہ دخاک آن چو خاکست	ہوا سے آن درزم و باد آن چو دو ذہجم
زین باکل سیا، اور خاک جیسے راہ سے	راستے میں جو ایسی خراب جیسے دوزخ کا دھون
نہ خار بلکہ سنان خلندہ و خجسر	ہمہ درخت اور میان درخت خاکش
کا تئے نین بکلہ چھپنے والی برجپیان اور خجسر	تام جھاڑیاں اور جھاڑیوں کے کام نئے
ذمغ را دل آن داز ران کشاد پر	نہ مرد را سر آن کا نہ ران نہ مائے پے
بپرند کو یہ ہمت ہوتی تھی کہ اڑ کے،	نہ آدمی کو یہ جلات ہوتی تھی کہ قدم رکھے
کہ اند رین رہ مار دو سر بود بیر	عجب تر ایسکے ملک را ہمی چینی لفتند
کاس راہ میں دو منے سانپ بے خمار میں	بے بڑہ کر عجیب بات یہ کہ لوگوں نے بادشاہ کو کہا
ہمی کشد نفس خفتہ تابر آید خور	پرشب چو خفتہ بود مرد سر بر آرد مار
اور وہو پ نکھنے تک پنکھا رمارتے ہیں	آدمی جب رات کو سو جاتا ہو تو یہ سانپ نکلتے ہیں
سبک نگر دوازان خواب تاگہ غمشر	چو خور بر آمد و گرمی بہ مرد خفتہ رسد
تو آدمی ٹھنڈہ اپنکو کر رہا تاہو اور تیامت تک انہیں نہ کرنا	جب آنماں بکل آتا ہو اور آدمی کہ بن کو گردی بچی ہو
گزشت شاہ ہ توفیق خالق اکبر	بیرن درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد

<p>بادشاہ خدا کی توفیق سے گزر گیں میاں بادیہ با حوضہ ماء چون کو شر بنگل میں حض تیار کر ادیے تھے خراب کرو، وکنڈا صل ہر پک از بن و بر بر بار کر دیے اور انکی جڑ کھود کے پھینک ری چوکوہ کوہ فرور نیخت آہن و مر مر پیاروں کے برا برا لوہا اور پتھر پرستا تھا چانکہ خیرہ شدے اندر و دو چشم فن کر جسکو دیکھ عقل کی انکھوں کو چکا چونہ لگا تھا ہزار تکلہ خردگر دعویٰ خدا اند ر ایک ہزار چھوٹے چھوٹے تجاوز اسکے اندر تھے زبہت پرستان گرد آمدہ یکے عشرہ جیمن بت پرست ٹھہٹ کے ٹھٹھ اکٹھے تھے ہب آب گنگ وہ شیر و نبز عفران و شکر انکا کپانی اور دده اور زعفران اور نکر سے دھو تو تھے </p>	<p>ایے ختم اور خراب راستہ سو جگا میں ذمیان کیا بزدز بہر پیں ماند گان و گم شد گان چیخے رہ جانے والوں کے لئے بلان رہ اندر چند میں حصار و شہر زگ سیکڑوں تکے اور غسر جو راہ میں پڑے نیخت لاروہ کرزوہ سے برج دبارہ اور پھلا قلعہ لاروہ تھا، جسکے برج اور دیوارے سے چہ مند ہیر کہ در مند ہیر خونے بود اور مند ہیر کا کیا کہنا، جیں ایک ایسا حوض تھا شراخ پناہ خونے بہ صد ہزار عمل نایت چڑا حوض میں ہزار دن کی یگر میاں کی میں یکے حصار قوی بر کر ان شہر و درو شہر کے کوارے پر ایک قلعہ تھا، قریبہ ہر روز آن سنگ را بشتمندے کس بت کو لازمی طور پر ہر روز نکار میں قصر غمہ کا طریقہ، ایک مدت سے چلا آتا ہے لئی کسی ٹپسے بنگل میں جہاں کثرت سے نیکاری جانور ہوتے تھے، چاروں طرف آدمیوں کی صفوں کو چھپلایا کر، ایک </p>
--	---

بڑا حلقة قام گریتے تھے، پھر حلقة کو تبدیل چوٹا کرتے جانے تھے یا تک کرو دو چار میل کی
دست رہ جاتی تھی، اور تمام جانور سمجھ کر اتنے ہی دور میں آ جاتے تھے پھر بہ طاف سے اپر
مل ہوتے تھے، اکثر مارے جاتے، بہت سے زندہ بھی گزفار ہوتے۔ سلطان محمود بھی اس
طریقے سے اکثر خکار گھیلا کرتا تھا، فرنخی نے ایک تصیدہ میں ایک کام سادھا یا ہو،

ایسے زنجگ آمدہ وردے ہنادہ ہے شکار	ایسے زیر تو ہے سیز نگر دیدہ زکار
هر چسہ در لیلان پرندہ، دودو دامی بود	ہمسہ راگر د بھم کر دی دیک دیوار
گرد ایشان پر بربتی مانند عقاب	زان بردن پفت نہ لاست یکل ز پچ کا
در د دیدند سوے تو بہ قطار از سیر کوہ	باز گشتر دے در دامن کوہ شان ہے قطار
بامداد ان ہمہ کھسار پر از وحشی بود	شانگا ہان ہمہ پرداختہ بود از کھسار
در زمانے، ہمہ آن دشت زخون دودو	خلال پر از وحشی بود
خواہی من کہ جا سستے بہرام اموز	علک کرنے چو گھٹانے ہنگامہ بہار
وقعہ بکاری کا نداز فرنخی پر اسقدر غالب ہے کہ قصائد کی شبیب میں جو در اصل	تامہیے و بیا موختے از شاہ بخار

غزل ہوتی ہے، یہ انداز قائم رہتا ہے، مثلاً ایک تصیدہ کی شبیب میں لکھتا ہو۔

دوش متوا بکیک ہے وقت سحر	اندر آمدہ بخیس آن د بسر
چنگ د رکب نفت د خوش بخخت	وازو بُشید فرو فشاند شکر
چچ شش جام نور د پر گل اشت	یاقت
مست گشت د زبر خفتن ساخت	روے آن درے نیکوان یکسر

دست من زیر کر دوز لف زبرہ	زلف شکین بروے در پو شید
زنج گرد او به دست دگر	زلف او را بدست گرفتم
گوی وچ گان شه بدست اندر	راست گفتی، گرفته بچاکر

دیکھو تشبیب سے مح کی تمیک دخونی سے پیدا کی ہے۔

فرخی سے پہلے مرثیہ کے اشعار بہت کم پائے جاتے ہیں، اور جو قدر ہیں جموں
در جہ کے ہیں، لیکن فرخی نے سلطان محمود کا جو مرثیہ لکھا، وہ صرف پُر دردار اور
پُرستاشیر ہے بلکہ اس فن کے تمام اصول اور آئین اس سے قائم ہو سکتے ہیں،
مرثیہ گوئی کے بڑے اصول تین ہیں۔

۱۔ مددوح کی عنعت و شان کا ذکر کیا جاتے تاکہ اس سے عبرت کا سبق حاصل ہو
اس پایا کا شخص اٹھ گیا۔

۲۔ اسکے مرنے سے ملک میں جو رنج و مالم برپا ہے، اسکا ذکر کیا جائے۔
۳۔ اسکو مخاطب کر کے ایسے خیالات ظاہر کیے جائیں جس سے یہ ثابت ہو کہ
انتہاء وارنگی اور بدبوشی کی وجہ سے مرثیہ لکھنے والے کو اس کے مرنے کی بھی خبر
نہیں، اور وہ اب تک اسکو اسی طرح مخاطب کر کے باقین کرتا ہے جس طرح زندگی زین تھا
فرخی کے مرثیہ میں یہ تمام باقین پائی جاتی ہیں، اسکے ساتھ الفاظ، بندش، اور طرز
او اسقدر موثر ہے کہ تپھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے۔

چ فقادست کراماں دگر گون شد کا	شهر غرمین نہ ہمان است کمن دی ملپا
-------------------------------	-----------------------------------

اس سال کیا پیش آیا کہ وہ خالت باکل بدل گئی
 ہمہ پُر جوش و جوش دراو پُر خیل و سوار
 جوش پوش گھوڑوں اور سواروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہیں
 چشمہ اکر دہ زخون ناہ بہ بر نگ گلنار
 اور اکنیں نکھن خون سے زین ہو گئی ہیں
 دشمن روے نہادست درین شہر و بار
 اس وجہ سے ملک میں کوئی دشمن آپنچا ہے
 دیر تر خاست گمر رنج رسید ش زخمار
 چونکہ خارکی مختلف ہو، اسلیے آج درین اُجھے گا
 پہ یہا دارند آور ده فراوان و نثار
 جو کثرت سے ہر قسم کے ہیں اور تحفے لائے ہیں
 خفتی خفتی۔ کز خواب نگردی پیدا ر
 تو ایسی نیند سویا کہ اب بھرنے جا گے گا
 پیچ کس خستہ ندیہ است ترانیں کروار
 کسی نے اس طرح تجوہ سوتے نہیں دیکھا تھا
 تابدیندے روے تو عزیزان و تبار
 کہ غریز اور قریب تیراچھہ دیکھ دیتے

غریزین اب دہ نہیں ہو جو مینے پار سال دیکھا تھا
 کو یہا بنیم پر خورشیں دسترا سرکوے
 دیکھتا ہوں کہ تمام گایوں میں خور بر پا ہو اور ہس سرکاری
 ہمتان بنیم بر روے زنان پچون زنان
 بڑے بڑے سردار بورلوں کی طرح مُخدِّمیت رہے ہیں
 ملک اسال دگر باز نیسا مادر غزا
 شاید اس سال بادشاہ جادا سے واپس نہیں آیا
 سیرے خوردہ مُلدی، کہ نجفت است اموز
 ناپا رات بہت شراب پی گیا جیسے اب تک سورا تھا
 خیر شاہ اکہ رسولان شہان آمدہ اند
 لے بادشاہ اٹھے بادشاہوں کے قاصداں ہیں
 کہ تو انہوں کہ بر انگیری دازین خراب ترا
 اس کی طاقت ہو کہ جگوا اس نیند سے بھاگے
 خفتیں بیارا سے خواجه خوسے تو نبود
 لے آقا اور یہ کہ سونا تو تیر می عادت ن تھی
 یکم کہ بارے در خانہ بایسٹ شست
 ذرا دیر تو تجوہ باریں اگر بیٹھنا چاہتے تھا

تو شہا از فزع دیم کر رفتی پر حصار ہے تو کس کے ڈر سے قلعہ میں بھاگ کر چپا ہے رفتی وبا تو بہ کیبارہ برفت آن بازار تو گیا، اور وہ بازار بھی جاتا رہا	بچھار از فزع دیم تور فتنہ شہان تھے ڈر سے تمام سلطین تلوون میں بھاگ کر چپ گو شوارا ہے تو بازار برداشتہ بود یرے دم سے شاعون کا بازار گرم محت
--	---

منانِ شاعری میں ایک چیز تمجیح یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہے افرنجی اس صنعت کا استعمال نہایت خوبی سے کرتا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہت میں گیوں کھالیا تو انکے بدن کے کپڑے خود بخود اُتر گئے اور وہ بالکل برہنہ رہ گئے افرنجی نے اس واقعہ سے خزان کی تحریف مضمون پیدا کیا،

کر از بآس چو آدم ہی شود عیان	کفر درخت شگونہ گناہ آدم کرو
------------------------------	-----------------------------

نوشیروان نے زنجیر عدل قائم کی تھی اپنی ایوان شاہی میں ایک زنجیر لٹکا دی تھی کہ جس کسی کو کچھ شکامت ہو وہ زنجیر اگر ہلا دے، زنجیر کے ہٹنے کے ساتھ وہ کسی حالت میں ہوتا، باہر نکل آتا تھا، دیکھو افرنجی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

من چو مظلومان از سلسلہ نوشیروان	اندر آو نجتہ زان سلسلہ زلفت دازر
---------------------------------	----------------------------------

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے تخت پر بیٹھ کر سیر کیا کرتے تھے افرنجی نے اس سے تشبیہ کا کام لیا،

بر کیے تازی اسپ کہ پیکر	پے بازی گوے شد خرد
-------------------------	--------------------

راست گفتی بہ باد ب جسم بود	گر بود بادر استام بہ زر	حضرت موسیٰ جب رو نیل پر پہنچ تو دریا بچ میں سے بچٹ کر سیدھی شرک
مجرہ چون بد ریاراہ موئے	کہ اندر تغیراً دیگزشت لشکر	مکل آئی جس سے تمام بھی اسرائیل پار اتر گئے، فرمی گلکشاں کی تعریف من کتا ہو۔
صلان و بدائع، عارض سخن کے داخل ہیں تاہم چونکہ اس زمانہ میں ایکارواج		
عام ہو چکا تھا، فرمی کے کلام میں بھی یہ اغ پائے جاتے ہیں لیکن چنان بدنامیں		
معلوم ہوتے، لف و نشر، اور صنعت تقسیم کو ایک قصیدہ میں جمع کیا ہے۔		
در رگ و اندر تن و اندر ول و اندر دوچشم		
خواب و صبر و روح و خون را اے ماقاد انقلاب		
لنج دار د جائے خون د در دار د جائے روح		
عشق دار د جائے صبر و آب دار د جائے خواب		
ہشت چیز اور بُردا زہشت مایہ، ہشت چیز		
سال و مہین ہشت چیزش را ہیں ہت اکتاب		
حلما و سنگ زمین و طبع او لطف ہو ا		
روے او دید ار ماہ دوست او جو د سما ب		
رسم او حسن بیار و لفظ او قدر شکر		
غلق او بازار مشک دخوے او بوے گلاب		

بہشت چیزیں را میرا بیان نمیں باہشت چیزیں
 ہر کیکے زان بہشت سوئے نفل اور درد آب
 تینیں اور ابا قصنا و تیرا اور ابا فات در
 اسپ اور ابا سپرو خشت اور ابا شہاب
 حُشم اور ابا امان و عزم اور ابا ظفر
 لفظ اور ابا فات ران و خطوط اور ابا کتاب
 صفت سوال وجواب،
 برخیت کہ ہاگل سوری، چرخیت ہاگل، چرا؟
 نہ جسم لالہ کجا رفت لالہ؟ سند پہمان
 ازان چھیز ہو ڈر و ازان یعنی چھیز دنر
 سما کہ در در ہا این و عطا کہ بخشید ہا آن

فردوسي

حسن بن اسحاق بن شرف نام، اور فردوسی تخلص تھا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ کہیں کہیں دہاپنا تخلص ابن تصرف شاہ بھی لاتا ہے، مجلس المؤمنین میں بعض سورخون کے حوالہ سے اسکے باپ کا نام منصور بن فخر الدین احمد بن مولانا فتح بیان کیا ہے وطن میں بھی اختلاف ہے، چار مقابلہ میں ہے کہ طبرستان کی نواحی میں باڑ نام ایک گاؤں ہے، فردوسی یہیں کار ہے والا تھا، دیباچہ خاہنامہ، میں گاؤں کا نام شاداب لکھا ہے، بہر حال اسقدر عرب اسلامی ہے کہ فردوسی کا وطن طوس کے اصلاح میں تھا، اور یہ وہی مردم خیز صوبیہ جس کی خاک نے امام غزالی، اور رحمق طوسی پیدا کئے۔

سند ولادت معلوم نہیں، البتہ سال وفات ۱۱۲۳ھ ہے، اور پوچنکہ عمر کم از کم برس کی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے۔

کنون عمر نزدیک ہستا دش	امیدم پیکارہ بر بادشہ	
لہ فردوسی کا حال تمامہ مذکور ہے میں تفصیل نہ کرو رہیں لیکن سب میں باہم اختلاف ہے، ان میں سب سے زیادہ قابل تسلیم چار مقابلہ ہے، جکہ مصنفوں نو ذنماور شاعر اور فردوسی سر قریب احمد ہے، تاہم میں کہی خحت غلطیاں ہیں، تمیور کے پوتے یا ای سنقر نے فضل سے شاہ نام پر جو دیباچہ لکھا رہا تھا، اُسکے فردوسی کی مفصل سوانح عمری ہے لیکن بعض دعا اقا یہے تو نوکری ہیں کہ اعتبارِ فتح جاتا ہے، دولت شاہ سمرقندی نے بھی کسی قد تفصیل سے حالات لکھنے ہیں اور وہ بھی غلطیوں سے خالی نہیں، عربی مصنفوں میں سے صرف فردوسی نے آثار ایلادو میں اسکا حال لکھا ہے، میں نے ان سب میں سے واقعات لیے ہیں، لیکن جایجاً انکی غلطیوں کی بھی تصریح کر دی ہے۔		

اصلیے سال ولادت تقریباً ۱۲۹۷ء میں بھائی چاہیئے۔

فردوسي جب پیدا ہوا تو اسکے باپ نے خواب میں دیکھا کہ نوزاںیدہ بیچنے کو ٹھنڈے پر چڑھ کر نعرہ مارا، اور ہر طرف سے لبیک کی صدای میں آئیں، صحیح کو جاکر صحیب الدین سے جو اُس زمانے کے مشہور موبیر تھے، تبیرہ لی پھر اُنھوں نے کہا یہ (لڑکا شاعر ہو گا اور اسکی شاعری کا غلبہ تمام عالم میں پھیلے گا، سن رشد کو پہنچ کر تحسیل علوم میں مشغول ہو اور تمام درسی علوم حاصل کئے، پونکہ آبائی پیشہ زمینداری تھا، اور جس گاؤں میں سکونت تھی خود اسکی ملک میں تھا، ایسے معاش کی طرف سے فارغ الیال تھا، وہ اطمینان کے ساتھ علمی مشغلوں میں بس کرتا تھا اور کتب میں کیا کرتا تھا۔

شاہنامہ کی ابتداء در دربار میں رسائی یہ واقع جقد رقطی ہے اُسی قدر اسکی تفصیل میں اختلاف بے عام روایت یہ ہے کہ فردوسی دادرسی کے لیے محمود کے دربار میں گیا۔ بیان اسکی شاعری کا جو ہر کھلا، اور شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہوا، لیکن یہ فطماً غلط ہے، فردوسی نے خود بیان کیا ہے کہ شاہنامہ کی تصنیف میں ۳۵ برس صرف ہوئے۔

سی و پنج سال از سراء پیچ	بے رنج بردم بامید گنج
بند حاصلے سی و پنج مرزا	چور باداوند گنج مرزا

اور سلطان محمود کی کل مدت سلطنت ۱۳ برس ہو۔

شاہنامہ کے دیباچہ میں فردوسی نے خود جسب تصنیف بیان کیا ہو اُس سے

بھی اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے، اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار میں پہنچے سے بہت پہلے وہ شاہنامہ شروع کر چکا تھا اور تفصیل ان واقعات کی، شاہنامہ کے بعب تصنیف میں آگئے آئیگی۔

بہر حال اسقدرتیقی ہے کہ فردوسی نے وطن ہی میں شاہنامہ کی ابتدائی اور ابودنصور نے خانہ مارکی ابتداء یو طوس کا صوبہ دار تھا، اسکی سرپستی کی، ابودنصور کے مرنے کے بعد طوس کا عالی سلان خان مقرر ہوا جو کہ شاہنامہ کا اب ہر جگہ چڑھیتا جا تھا، سلطان محمود کو بھی خبر ہوئی، سلان خان کے نام حکم پہنچا کہ فردوسی کو دربار میں بھیج دو، فردوسی نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر شخ منشوق کی پیشین گوئی پر آتی، اس لیے راضی ہو گیا اور طوس سے چلکر ہرات میں آیا لیکن اور ہدر دراند ازیان شروع ہو گیئیں، دربار کا میرنشی پر بیع الدین دربیر تھا، اسی نے غصري سے کہا کہ با دشاد کو مدت سے شاہنامہ کی تصنیف کا خیال تھا، لیکن دربار کے شفرا میں اور کسی نے اس کی ہامی نہیں بھری اب اگر فردوسی سے یہ کام بن آیا تو تمام شعراء دربار کی آبرو خاک میں مجاہے گی، غصری نے کہا با دشاد سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ فردوسی کو اُٹا پھیرد دیجئے، لیکن اس کی اور تدبیر کرنی چاہیئے، چنانچہ فردوسی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ بیان کا تصدیق یافتہ ہے سلطان کو یون ہی ایک خیال پیدا ہوا تھا جسکی بنابر آپ کی طلبی کا حکم صادر ہوا لیکن اس دن سے آج تک پھر کبھی ذکر نہیں آیا، ایسا یعنی حقیقت واقعہ سے آپ کو اطلاع دیدی گئی، فردوسی نے ہرات سے واپس جانا چاہا، لیکن ساتھی

له ریبا پر نوبون نے غصری کے ساتھ رود کی کام بھی لکھا ہی لیکن رود کی اس سے پہلے ساختہ میں مر چکا تھا

خیال پیدا ہوا کہ شاید اسین کچھ بھی ہو۔ اتفاق سے عصری اور بیان الدین بیرین شکر بخشی پہلے ہوئی عصری
فردوسی کو جو خط لکھا تھا، بیان الدین ہی کے مشورہ سے لکھا تھا، اب بیان الدین نے
فردوسی کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً ادھر کا عزم کیجئے عصری نے جو لکھا خود غرضی سے
لکھا تھا۔ فردوسی نے خط کے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں آتا ہوں۔ یہ اشعار بھی خط میں درج

اگوش از سرد شم بے مژده است	دلم کنخ گو هرزبان از دیاست	چند بد به میزان من عصری
اگیا چون کشد پیش گلبن سرسے		

غرض ہرات سے چلکر غزنی میں آیا اور ایک باغ کے قریب ٹھہرا، وضو
کر کے دور کہت نماز پڑھی، شہر میں جن لوگوں سے راہ و رسم تھی انکو اپنے آنے کی
اطلاع دی، پھر اپنے باغ میں جانکلا جسون آتفاق سے دربار کے ممتاز شعراء یعنی
عصری، فرنی، عسجدی باغ میں سیر کو آئے تھے، اور بادہ و جام کا دورچلان
تھا، فردوسی اُدھر جانکلا، حریفون نے اسکو محل صحبت سمجھ کر رونکا چاہا، ایک نے
کہا کہ اسکو پھریا جائے تو خود تنگ اگر چلا جائیگا، عصری نے کہا، یہ تہذیب اور دوستی
کے خلاف ہے، آخر را سے قرار پائی کہ رباعی کا ایک مرصع طرح کیا جائے سب اسی
طبع آزمائی کریں اگر یہ بھی مرصع لگائے، تو شرکیک صحبت کر لیا جائے ورنہ خود شرمند
ہو کر آٹھ جائیگا۔

عصری نے ابتدا کی اور کہا ع چون عارض توانہ نباشد روشن۔

فرنی نے کہا۔ اند درخت گل نبود در گلشن۔

غراہا مرک

عَمَدَى يَنْ كَهَا - مُرْتَكَانْت، هَمِي گَزِرْكَنْدِ از جُو شَن -

قَانِيونْ مِينْ شَينْ كَالْتَرَامْ تَحَا اوْرَاسْ التَّرَامْ كَسَاتَحَهُ كَوَيْ شَلَفَتَهُ، قَافِيهِ بَائِنْ مِينْ رَهَا تَحَا فَرْدَوْسِيَ نَهْ بَرْجَةَ كَهَا عَمَانِدَسَانْ گَيْوَدِرْجَكْ شَن،

سَبْ نَهْ گَيْوَدِرْجَنْ كَيْ تَلْجَجْ پُوچَنْ، فَرْدَوْسِيَ نَهْ تَصِيلْ بَيَانْ كَيْ، أُسْوَقَتْ تَوْسَبْ اِسْكُوْشِرْ كَيْ سَجَبَتْ كَرْلِيَا، لِيَكَنْ رَثَكْ اوْرَحَدْ، اِيشَيَامِيَ قَوْمَوْنَ كَأَخَاصَهُ، سَبْ نَهْ سَازَشْ كَيْ كَهْ فَرْدَوْسِيَ دَرْ بَارَكَ نَهْ پِنْچَهْ پَائِيْلَهْ

بَضْ رَوَاْتِيوْنَ مِينْ بَيْ كَهْ مَشَاعِرَهْ خُودْ سَلَطَانْ مُحَمَّدَ كَهْ دَرْ بَارِيْنَ ہَوَا تَحَا.

سَلَطَانْ مُحَمَّدَ كَهْ نَدِيْوَنْ مِينْ ماَهَكْ نَامْ اِيكْ شَخْصْ صَاحِبْ مَدَاقْ تَحَا، اُسْ بَيْنَ باْغْ مِينْ مَلَاقَاتْ ہُوْ گَيْ تَحَمِيْ، فَرْدَوْسِيَ كَيْ شِيرِيْنْ زَبَانِيْ اوْرَ قَالِبَيْتْ دِيْكَھَرْ كَرْ دِيدَهْ ہُوا سَبْ اوْرَ اَپَنِيْ گَھَرِيْنْ لاَكَرْ رَكَهَا، كَهَانَهُ كَهْ بَعْدَ فَرْدَوْسِيَ سَهْ اِسْكَا حَالْ دَرِيَاْفَتْ كَيَا، اُسْ بَيْنَ اِبْنِيْ سَارِيْ دَاستَانْ بَيَانْ كَيْ -

يَوْهَ زَمَانَهُ سَلَطَانَ نَهْ شَاهَنَامَهُ كَيْ تَصْنِيفَ كَا حَكْمَ دِيَا تَحَا اوْرَ سَاتْ شَاعِرْ بَيْنِيْ عَنْصَرِيْ، فَرْخِيْ، زَبَانِيْ، عَمَدَى يَنْ كَهَا، شَاهَنَامَهُ كَيْ تَصْنِيفَ كَا حَكْمَ دِيَا تَحَا اوْرَ سَاتْ شَاعِرْ اِسْ كَامَ كَهْ لَيْ اِنْتَخَابْ ہَوَسَ تَحَهْ -

ماَهَكْ نَهْ فَرْدَوْسِيَ سَهْ شَاهَنَامَهُ كَيْ تَصْنِيفَ، اوْرَ شَعْرَ اَنْتَخَابْ کَا ذَكْرَ کَيْسا

لَهْ يَوْرِيَا پَشْ شَاهَنَامَهُ کَيْ رَوَاْيَتْ ہَوَ دَولَتْ شَاهَهُ بَيَانْ ہَسَے کَهْ اِسْ اِتَّهَانَ کَهْ بَعْدِ عَنْصَرِيْ نَهْ فَرْدَوْسِيَ کَيْ تَصِيلْ کَيْ اَنْ

اوْرَ بَعْدِ دَرْ بَارِ شَاهِيْ مِينْ اِسْکَهْ لَيْجَا کَرْتِيْشْ کَيَا -

فردوسی نے کہا، میں بھی شعر کہتا ہوں موقع ہو تو دربار میں سیرا بھی ذکر کر دینا، ماہک نے اسی دن دربار میں جا کر فردوسی کی تقریب کرنی چاہی لیکن موقع نہ ملا اس طرح ایک ہفتہ آگر گیا، ایک دن ماہک نے دربار سے آگر بیان کیا کہ اج تم شعر اور دربار میں حاضر تھے اور شاہنما مرکی مختلف داستانیں سنائی جا رہی تھیں، عنصری نے رقم و سهرا ب کی داستان نظم کی تھی، جب یہ دو شعر پڑھے۔

در بار میں پختہ کی تقریب	بیالودی این خجہ آب گون بہ اندازم تو موسے دستہ شود،	ہر انگلہ کہ تشنہ سدی تو خجن زمانہ بخون تو آشنا شود،
--------------------------------	---	--

تو سلطان محمود نے ہنایت پسند کیا، اور حکم دیا کہ عنصری ہی اس خدمت کے لیے مقرب کیا جائے، فردوسی اُسوقت چپکا ہوا اور خود یہ داستان نظم کرنی شروع کی، رات کو جب مہول کے مواقف کھانے پر بیٹھ گئی تو فردوسی نے کہا عنصری سے پہلے شرارے رقم و سهرا ب کی داستان نظم کی ہے پناچہ خود میرے پاس ایک نظم موجود ہے جسکے آگے عنصری کو اشعار کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمک نظم حوالہ کی، سزا مامہ تھا۔

اکنون خود باید منے خو شکوار ہوا پر خروش وزمیں پر زجوش ہمہ کوہ پر لالہ د سنبل است	اکمی بوئے مشک آردا زجہ نیبارا ذکا نکمہ دل شادوار د بوش
--	---

ماہک نے سلطان محمود کی خدمت میں جا کر تجدید کے ساتھ پیش کی جس نے پوچھا کیا یہ جو اہم سے بات آئے ماہک نے فردوسی کا نام لیا، اسی وقت طلبی ہوئی، محمود نے نام فرشنا

پوچھا، فردوسی نے کہا طوس کا باخندہ ہون محدود نے اس کے حالات پوچھے، اور اسی سلسلہ میں پوچھا کہ طوس کب سے آباد ہے اور کہنے آباد کیا، فردوسی نے تفصیل سے تمام دعافت بیان کیے، محدود نے شراء سے سبھی کو بلوایا اور فردوسی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ رسم درہاب کی داستان اسی نے نظم کی ہے فضلہ دوسری نے اس کے اشمار سنائے تو سب حیرت زدہ رہ گئے، محدود نے خلعت عطا کیا، شرانے تحسین کی صدابلند کی، غفرنی نے بڑھ کر، فردوسی کے ہات چوم لیے اس زمانہ میں امر د پرستی عیسیٰ نہیں بھجا جاتا تھا، محدود نے فردوسی سے فرمائیں کی کہ ایا زکر کے سبز خطا کی تعریف میں لچک کئے، فردوسی نے برجستہ کہا۔

بس کس کہ ز تیر چشم مت تو خجست	ست است بتا ج پشم تو د تیر بہ دست
گر تیر سد ہمہ کس خاصہ ز مست	گر پشہ دار خست زرہ، غدر شعل مست

یعنی مشوّق کی آنکھیں مست اور تیر بکھت ہیں، ان تیروں نے ہزاروں کے دل چھلنی کر دیے ہیں اسلئے ان سے بچنے کے لیے رخساروں نے زرہ ہپن لی ہے د خط کو زرہ سے تنبیہ دی ہے اکونکہ مست سے بھی ڈرتے ہیں، خصوصاً جب اُس کے ہاتھوں میں تیر ہو۔

محدود نہایت خلقط ہوا اور شاہنامہ کی تصنیفت کی خدمت سپرد کی، ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ فردوسی کو ایوان شاہی کے قریب ایک مکان دیا جائے جو تمام ضروری خدمت سپرد ہوئی، ساز و سامان سے آراستہ ہو، اور آلات بنگ، اسلحہ حرب، شاہان عجم اور ہبادروں اور

شاہنامہ کی

تصنیفت کی

خدمت سپرد

ہوئی

پہلو انون کے مرتوں اور تصویر ون سے سجادا بیا جائے، ایک ایک شعر پر ایک ایک
اشرنی صلم مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ جب ہزار شتر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیان
دیدیں جایا کریں، لیکن فردوسی نے متفرق رقم سے انکار کیا، اور کہا کہ جب کتاب پوری
ہو جائیگی تو ایک ساتھ ہونگا۔

فردوسی جب وطن میں تھا تو اکثر ایک چشمہ کے کنارے بٹھا کرتا، اور آب رو ان
کی سیر سے لطفناک رہتا، اچشمہ کے اوپر بند تھا جو بر سات کے زمانہ میں ٹوٹ جاتا تھا،
اور اس وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا تھا، فردوسی کی طبیعت اس سے مکدر ہوتی تھی، اس
کیا کہ بند کو پختہ کر دے، لیکن اتنا مقدور نہ تھا، شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو نیت کی کہ
جو کچھ صلسلے گا بند کی تیاری میں صرف کر فٹگا، یہ وجہ تھی کہ اُنے شاہنامہ کا صلم
متفرق، طور پر پینا پسند نہ کیا۔

فردوسی نے متصل ہم سال تک غزنی میں قیام کیا، اور شاہنامہ کی تصنیف
میں مصروف رہا، پھر وطن گیا اور کئی برس رہ کر واپس آیا، اس اثناء میں جو حصہ طیار
ہو چکا تھا، محمود کے حضور میں پیش کیا اور تحسین و آفرین کے صلح حاصل کئے۔

شاہنامہ کی تصنیف کے بیسیوں سال جبکہ اسکی عمر ۵۶ برس کی تھی، اسکے جوان
بیٹے کا انتقال ہو گیا، فردوسی کو سخت رنج ہوا، چنانچہ اس واقعہ کا ذکر شاہنامہ میں کیا ہے۔

اگر بہرہ گیرم از بند خوش	براند شم از مرگ فرزند خوش
--------------------------	---------------------------

لہ دولت شاہ۔

شاہنامہ کی تصنیف
بیٹے کا انتقال

چسرا راه جستی ز همسرا پیر	ز بد ہاتو بودی مراد سٹگر
که السیش من تیز بشتا نتی	مگر ہمراں جوان یافتی
نہ برآزد و یافت گئی درفت	جو ان را چردند سال بر سی میختی
برآشقت و یکبار نبود پشت	ہمی بود ہمارہ بامن دُر رشت
پرسید ازین پیر و تہنا برفت	مرا شصت و پنج دوازی یفہت

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے کہ فردوسی کو اُسکی اعجاز بیانی کی دلہیں میں یعنی جب شاہناہ مہ تیار ہوا تو اسکو اشرمنیوں کے بجائے روپے دلوائے گئے۔

یہ واقعہ عموماً مسلم ہے، لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے ہیں اور سب باہم تناقض ہیں۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایا از کی طرف کبھی ترخ نہیں کیا اسیلے اُس نے دراند اڑی کی اور مجموہ کو لقین دلایا کہ فردوسی رافضی ہے، نظامی عروضی کا بیان میں کہ دربار کا طریقہ و نزیر اعظم حسن میمنندی کا مقابلہ تھا اور چونکہ فردوسی کا مری اور سرپرست دہی تھا اسیلے اُسکی ضد پر اس گردہ نے محمود کے کان بھرسا اور فردوسی کو معترضی اور رافضی تباہت کیا، دیباچہ میں ہے کہ فردوسی کو خود جن میمنندی نے تباہ کیا جسکی وجہ یہ تھی کہ غریبین اور اطراف و جانب کے امرا فردوسی کو طرح سکے شخence بھیجتے تھے، فردوسی بھی اشارکے ذریعہ سے مُنکا غفرنیہ ادا کرتا تھا جس کو یہ ناگوار معلوم ہوتا تھا، لیکن فردوسی کچھ پر انہیں کرتا تھا اور کرتا تھا۔

فردوسی کی
نامکاری اور
اسکا بب

ماں جمال ہرگز وطام بجا ہ نیز	من بندہ کزمبادی فطرت بودا م
چون فارغم زبارگم با دشاد نیز	سے دروزیر چرا لطفت شوم

حسن میندی مہما خارجی تھا اور فردوسی شیعہ، اسی سے بھی اپنے فردوسی کی مخالفت کی، اب تناقض روایتوں میں سے کسپر اعتبار کیا جائے یہ
ویباچہ لویسوں نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے اور اسپر ان کو ناز ہے، وہ یہ کہ فردوسی
نے شاہنامہ میں جایجا شرافت نسب کو بڑی آب و تاب سے کھا ہے، اور یہ سلطان محمود
کو اسوجہ سے ناگوار ہوتا تھا کہ وہ غلام زادہ تھا اسیلئے شرافت کی خوبی پر زور دینا، گویا
در پر دھ اسپر چوتھی۔

لہ سلطان محمود کی مدت حکومت میں تین شخصوں کو وزارت کا رتبہ ملا، سب سے پہلے فضل ابن احمد اس منصب
نماز ہوا ابتداء میں سامان خاندان کا نائب میرٹی تھا۔ پھر سلیمان کے دربار میں وزارت کے رتبہ پر پہنچا بلکہ کی
بعد، سلطان محمود نے اسکا عدہ بحال رکھا، علم و فن سے عاری تھا، لیکن جہات سلطنت کے انتظام میں
خدا را دیکھ کر رکھتا تھا، دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے رقبت کی بنابر مفرول کر دیا،
اسکے بعد حسن میندی وزیر مقرر ہوا، اٹھا رہ سال کے بعد وہ بھی مفرول ہوا اور بن محمد کو وزارت پر
کی سند میں افرادوسی نے فضل بن احمد کی میخ شاہنامہ میں لکھی ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ تمہارے
دربار میں اسی نے فردوسی کی تقریب کی ہو گئی اور بالآخر جس نے فضل کو فردوسی کی ناکامی پر متوجہ
کیا، وہ حسن بن محمد ہو گا۔

لہ ۵۷ بیب ایسر میں ان وزرا کے حالات کسی قد تفصیل سے مذکور ہیں۔

تذکرہ نویسون کا فصلہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کے شیعہ پن کی وجہ سے اس کی قدر دانی میں کی کی، لیکن اولاً تو محمود کے دربار میں بہت سے شیعی علماء و فضلا تھے جو نہایت قدر و عزت سے بس کرتے تھے، ابو ریحان بہروی جو علائیہ شیعیہ محمود نے خود فرمان بھیجا اسکو بلا یا تھا اور نہایت قدر دانی کرتا تھا، دربار میں ہندو عیسائی، یہودی ہرنہب و ملت کے اہل کمال تھے، فردوسی نے کیا قصور کیا تھا۔

دیباچہ میں ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ قریب قیاس ہے۔

سلطان محمود کو دلمی خاندان سے سخت عداوت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متصرف

شیعیہ تھے رہیا چہ میں راضی کا فقط تھا جسکو ہم نے بدل دیا) اس خاندان کا تاجدار فخر الدولہ تھا وہ فردوسی کا نہایت قدر دان تھا، جب فردوسی نے رسم و اسناد یار کی دستان نظم کی تو اسے صلح کے طور پر ہرا لاشرفیان بھیجن اور لکھا کہ اگر آپ بیان تشریف لا یعنی تو نہایت اعزاز دا حضرام کیا جائیگا، یہ خبر تمام غزنیین میں پھیل گئی، محمود نے صنان تو اسکو ناگوار گرزا،

اس اجھا کی توضیح یہ ہے کہ سلطان دلیم عمو ما سخت متعصب شیعیہ تھے اس لئے میں مزر الدولہ دلمی کے حکم سے بنداد کی تمام مسجدوں کی دیواں پر یہ عبارت لکھی گئی امیر معاویہ اور ناصب فدک پر لغت ہے: «لات کو لوگوں نے یہ عبارت مٹا دی مزر الدولہ نے دوبارہ لکھنے کا حکم دیا لمیکن وزیر جلبی نے رائے دی کہ صرف استقدار لکھواد یا جائے: «... ظالمین آل خد پر لغت ہے»، البتہ معاویہ کا نام ہے تصریح لکھا جائے، چنانچہ

بس حکم کی تعلیل ہوئی۔ یہ تعصیب روز بروز بڑھا گیا، میتوطی سلطنت کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

و فی هذہ السنۃ وبعد ها غلام الرفق
و فاریصہ والشام والشرق والمغرب
و غرب میں رفض اُبی پیرہ۔

فرقم باطینہ جو مسلمانوں کو چھپ چھپ کر قتل کرتا رہتا تھا، انکی بڑی جمیعت دلیلیوں ہی کے زیر حاصل تھی، چنانچہ جب شمس الدین سلطان محمود نے مجد الدولہ دلمبی کو گرفتار کیا تو باطینوں کا ایک گروہ عظیم اسکے ساتھ تھا ان اساب سے محمود کو دلیلیوں کے ساتھ نہ صرف مذہبی بلکہ پوشیکل دشمنی تھی اس سے وہ فردوسی کے ساتھ فخر الدولہ دلمبی کی خود اک ابست کو مصالح ملکی کے بخاطر سے بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

بہ حال وہ چکھہ ہوا راقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا فردوسی حام میں نہارا تھا کہ شاہنامہ کا صلح پہنچا، فردوسی حام سے نکلا تو ایاز نے رپڑ کی تھیلیاں پیش کیں، فردوسی نے بڑی بیانی سے دستِ شوق بڑھایا لیکن سونے کے پھل کے بجا سے چاندی کے پھول تھے، فردوسی کے دل سے بیانستہ آہ نکلی، تھیلیاں کھڑے کھڑے ٹھادیں اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ "میں نے یہ خون جگران سفید دالوں کے لیے نہیں کھایا تھا، ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی، محمود نے حسن میمہ سی کو بنا کر زاراضی ظاہر کی اور کہا کہ تیری دراندازی نے بھکو بد نام کر دیا،

لہ ابن الاشر واقعات سلطنت سلطنت ابن الاشر واقعات سلطنت

سیندی نے کہا کہ حضور خاک کی ایک چلی بھیج دیتے تب بھی فردوسی کو انگلیوں سے لگانا تھا
انام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہے۔ اس چھتے ہوئے نفر نے محمود کے دل میں بھی
اثر کیا، اور بہم ہو کر کہا کہ کل میں اس قسمی کو اس گستاخی کا مزہ چکھا دنگا فردوسی
کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا، صحیح کو خود مبلغ میں آیا تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤں پر سر
رکھ دیا اور بدهیہ یہ اشعار تھے۔

بے هست تر ساو گبر و یہود	چور رملک سلطان کو حرش تسود
شندہ ایمن از گردش روزنگار	گرفتند در ظل عدلش تزار
رسہت راشمار زد یکے زنان گردہ	چھ باشد که سلطان گردون خکوہ

غلام ۱۱

سلطان محمود کو رحم آیا، اور اسکی تقصیر معافی کی۔

غزین سے چلتے وقت فردوسی نے ایا ز کو ایک لفاظ سر ہو مُہر دیا اور کہا کہ
میرے جانے کے ۲ دن بعد بادشاہ کو دینا، فردوسی ہرات کو ردوان ہوا، محمود نے فرمایا
کہ ہر کوئی توجہ کے اشعار تھے۔

کہ ماند ز تو در جہاں یاد کار	کے بنگلی کردم لے شریار
کہ از بادو باران نیا بد گزند	پے افگندم از نظم کاخ بلند
عجم زندہ کردم بہین پارسی	بے ریخ بردم درین سال سی
زندہ حاصلے سی د چخ مرا	چو برباد او ند گنج مرا
بسہ بہ نہادے مراتلچ زر	اگر شاہ را شاہ بودے پدر

مرا یکم وزرتا بز انو بُدے	و گر مادر شاه باز بُدے
و گر چند وار دید شهر یار	پرستار زاده نیا پر بکار
وزیران امید بھی داشتن	سزا منزرا یان بر افزایش
بھبیب اندر وون ما رپور دل است	سرمشه خوش گم کردن است
گرش بزشانی هه با غ بخت	در ختن که تلخ است و یار شرست
به بچ انگین یزدی و شدن اباب	در از جوی خلدش پنهان گرام آب
همان میوه تلخ با رآورد	سرخ بام گدیر یار آورد
بود خاک در دیده اپاشتن	ز بد اصل حشم بھی داشتن
که تاشا گیر دازین کار پندا	از ان گفتم این بیتیا بے بلند
باند چاتا قیامت بجبا	ک شاعر چور بند بگویید چبا

کلام کی جانگیری دیکھو، محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں شادیں، ملک کے ملک
فارت کرد یہ، عالم کو زیر وزیر کر دیا، لیکن فردوسی کی زبان سے جوبول نکل گئے
آج تک قائم ہیں اور قیامت تک نہیں مت سکتے۔

فردوسی کافرین کو
نیکل آ دارو بچنا
فردو سی غزین سے نکلا تو اہس بے سرو سامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کو
سو، کچھ پاس نہ سمجھا، احباب اور قدر داؤں کی کمی نہ تھی لیکن معنو ب شایعی کو کون پیا
ویکتا تھا تاہم ایا ز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر ا
کچھ نقدی اور سامان سفر بچوادیا، فردوسی ہرات میں آیا اور سعیمل و راق کے ہاں

ہمان ہوا، چونکہ سلطان محمود نے ہر طرف فرمان بھیج دیے تھے کہ فردوسی جہاں ہات آئے گز قرار کر کے بھیج دیا جائے چنانچہ یعنی تک روپوش رہا، شاہی جاسوس ہرات میں آئے لیکن فردوسی کا پتہ نہ لگا کے، اب اُس نے ہرات سے طوس کا ترخ کیا، طوس سے قستان گیا، ناصرلک یہاں کا حاکم تھا اسکو خبر ہوئی تھیاں خاص کو تبعی کے لیے بھیجا اور نہایت اخلاص کے ساتھ پیش آیا، فردوسی نے ایک شنوی لکھنی شروع کی تھی جس میں حاسد وون کی دراندازی، لبی مظلومی، اور سلطان محمود کی بد عمدی و ناقدر دانی کا ذکر ہتا،

سلطان محمود کی نشکایت کے اخبار	ب غزنین مرگرچه خون شد جگر کزان پیچ شد رنج سی سالہ ام ہی خاستم تاغنا ناکشم، گیوم ز مادرش و هم از پرش چو دشمن نمید انداز دوست باز ولیکن ز فرموده محتشم، فرستادم ارگفتہ داشتم اگر باشد این گفتہ نا صواب گز فشم ایسا سرو نیک راءے	ب غزنین مرگرچه خون شد جگر غندی از زمین آسمان نالہ ام بگیتی از ودا ستاہنا کشم ذ ترسم غیر از خداوند عرش ہتیغ زبانش کنم پوست باز دم انم کزین پیش چون کرشم ہن ز دیکب خود پیغ گندزا شتم بو زان در آتش نشان در آب ازین دا وری تا پیگیر سراءے
-----------------------------------	---	--

رسد لطف یزدان بفریاد من سستانه نجش از وداد من -

فردوسی نے شتوی کے اشعار ناصر لکھ کر کوئی توسعے تو اس نے سمجھا یا کہ بدگوئی اہل کمال
کی شان نہیں میں لاکھ روپے ان اشعار کے معاد ضمیں دیتا ہون اشعار کہیں
ظاہر نہوں نے پائیں، فردوسی نے منظور کیا، ناصر لکھ نے سلطان محمود کی خدمت میں
عویضہ لکھا کہ فردوسی کے حق میں بڑا ظلم ہوا۔

فردوسی جب غزنی میں سے روانہ ہوا تھا تو جام سجد کی دیوار پر یہ اشعار
لکھ آیا تھا۔

چکونہ دریا کان را کر ان پیدا نیست	نجمستہ در گہ محمود غزنوی دریا است
گناہ نجت من ست این گناہ دریا است	چ غوطہ بازدم و اندر وندیدم دُر
اتفاق یہ کہ جسد ناصر لکھ کا عویضہ پہنچا۔ سلطان ناز جمعہ پڑھنے کے لیے جام مسجد میں آیا تھا۔ اتفاق سے ان اشعار پر نظر پڑی۔ نہایت تاسف ہوا۔ مسجد سے اگر ناصر لکھ کا عویضہ دیکھا اور بھی مکدر ہوا جن لوگوں نے فردوسی کے حق میں کانتے بدلے تھے ان کو بلا کر سخت تو بخ کی کہ تنے دنیا میں محکمہ بنام کر دیا، ناصر لکھ نے گو فردوسی کی بہت کچھ خاطر مدارات کی تمام سلطان محمود کے	

لہ یہ دیا جکی روایت ہو چار مقابلہ میں قستان کے بجائے طبرستان اور ناصر لکھ کے بجائے سپہی
شیرزادگانہم ہے دولت شاہ نے طبرستان کے بجائے رستم ارکھا ہے۔ طبرستان اور رستم ارکھا میں
ایک ہیں۔ لیکن سپہی اور ناصر لکھ کو شخص ہیں۔ دولت شاہ نے ان میں کوئی کوچھ مطرد یا ہو۔

در سے اپنے پاس نہ ٹھہرا سکا۔ فردوسی یہاں سے بھی نکلا اور ماڈن دران میں آیا۔ یہاں وہ شاہنامہ کی نظرخانی میں مشغول ہوا۔

ماڈن دران کی حکومت قابووس بن وشیگر کے خاندان میں چلی آئی تھی اور اس زمانے میں سچید فرمان روا تھا، اس کو فردوسی کے آنسے کی خبر ہوئی تو نہایت سرسر نظاہر کی اور فردوسی کو دربار میں بلا بیا۔ فردوسی نے مدحیہ اشعار اضافہ کر کے شاہ نامہ پیش کی سچید نے چاہا کہ فردوسی کو دربار سے نہ جانے دے، لیکن پھر سلطان محمود کا خیال آیا، ایک گران بنا صلح پیچکر کملا چیحا کہ محمود آپ سے ناراضی ہے، اعلیے میں آپ کو ٹھہرا نہیں سکتا آپ اور کیمین شریعت یجا سیئے۔

دیبا چونیوں نے لکھا ہے کہ فردوسی یہاں سے بھاڑا گیا، خلیفہ عباسی نے اسکی بڑی قدر کی۔ فردوسی نے عربی میں قصید سے لکھ کر پیش کیے اور اہل بغداد کی فرماں شے یوسف زینا لکھی۔ سلطان محمود کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی کو تهدید کا خط لکھا کہ فردوسی کو فرار یہاں بھیج دیجئے۔ ورنہ بعد ادا تھیون کہ پاؤں کے نیچے ہو گا۔ یہاں سے تین حرث الغلام میم لکھ کر آئے کہ سورہ المیراث کی گیعون کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہ تمام بے سر و پا فخر فات میں۔

ایک دفعہ سلطان محمود سہن دستان کی محض سے واپس آرہ تھا راستہ میں رشم کا قلعہ تھا، وہیں ٹھر گیا اور قاصد پیچا کا حاضر خدمت ہو کر اطاعت بجا لائے دوسرے دن قاصد جواب لایا لیکن ابھی کچھ کنٹے نہیں پایا تھا کہ محمود نے وزیر اعظم

سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہے۔

وزیر نے برجستہ کہا،

اگر جز بکام من آمد جواب	من درگز و میدان و افرا سایاب
-------------------------	------------------------------

سلطان محمود نے
تلائی واقعات کا
اولاد کیا
مودود پھر کاملاً اور پوچھا کہ کاشت کا جنے ۱۵
برس خون جگر کھایا اور کچھ نہ حاصل ہوا، محمود نے کہا جکو سخت نہ امت ہے غریبین
پہنچ کر یاد دلانا۔ غرض پائے تھنت میں پہنچ کر سامنہ ہزار اشرفیان فردوسی کے پاس
روانہ نہیں لیکن تقدیر پر کس کا زور رہے۔ ادھر شہر کے ایک دروازے سے جگانام
رو دبار تھا صاحلہ بُنچا، اُدھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ
مکمل رہا تھتا۔

یاد آئی مرے عیسے کو دو امیر ب بعد	بعد مرنے کے مری قبر پ آیا وہ میسر
-----------------------------------	-----------------------------------

طوس میں ایک واعظ صاحب تھے انہوں نے فتویٰ دیکھ کر چنکہ فردوسی
رفضی تھا اس کا جنازہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔ ہر پند
لوگوں نے منت سماجت کی لیکن بنفس واعظ نے ایک نہ مانی۔ مجبو را شہر کے
باہر ایک باغ میں کہ خود فردوسی کی بملک تھا۔ دفن کیا۔ سلطان محمود کو پرچز را تو حکم
لئے یہ واقعہ مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ میں نے جو روایت لکھی ہے نظامی سمرقدی سے مروی ہے
اور اسیلے زیادہ مقبروں کے استئنے میں امیر مغربی دملک اشوار سلطان سجرہ سے سنی تھی۔ اور امیر مغربی

سے امیر عبد الرزاق نے بیان کی تھی، دیکھو جیسا مقالہ واقعات فردوسی ۱۷

دیا کہ واغطہ شہر سے نکال دیا جائے گے

فردوسی نے اولاد ذکور نہیں چھوڑی تھی جو صرف ایک لڑکی تھی شاہی صندھ اسکی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن اسکی بلند ترقی نے گوارانہ کیا کہ باب جس چڑکی حضرت میں مر گیا اولاد اُس سے تمنع اٹھائے، سلطان محمود کو اس کی اطلاع دی گئی جنم دیا کہ اشرفیان امام ابو بکر اصحاب کے حوالے کیجا یعنی کہ اس سے فردوسی کے نام پڑا کہ کارروان سراۓ بنادیا گئے۔ ناصر خسرو نے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ شاہزادہ میں جب میں طوس میں پہنچا تو ایک بڑی کارروان سرا رکھی۔ لوگوں سے پوچھ پاؤ ملے ہو اکہ فردوسی کے صدر سے تعمیر ہوئی ہے۔ فرنگ رشیدی اور رجہار مقالہ میں لکھا ہے کہ اسکا نام چاہہ ہے۔ اور مرداو زنشاپور کے راستے میں ہے۔

عام تکرہ نویسون کا بیان ہے کہ فردوسی نے شاہزادہ میں مقام پائی لیکن فردوسی نے شاہنامہ کے خاتمہ میں تصریح کی ہے کہ شاہنامہ شاہزادہ میں انجام کو پہنچا۔

زیahirat شدہ پنجہ بہشت آدبار	کل غتم من این نام شہزادہ
اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہو کہ اسوقت اس کی عمرانی برس کی تھی۔	ایم دم بر کعبا رہ بر باد شد
کنون عمر نزدیک بہشت آدبار	شانہ نامہ کے ختم ہونے کے بعد، وہ دو چار برس سے زیادہ زندہ نہیں

رہا اسلیے اس کی وفات سلطنت سے چند برس پہلے ہوئی ہو گی۔
 فردوسی کامزار مدت تک آباد اور بوسے گاہِ عالم رہا۔ نظامی سمرقندی نے
 سلطنت میں اسکی زیارت کی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ آج اسکا مزار درج
 عام ہے قاضی نور اللہ شوستری مجلس المومنین میں لکھتے ہیں کہ ”عبداللہ خان ازبک
 کی توجہ سے فردوسی کا مقبرہ ممور اور پرور و نقش ہے۔ عام لوگ عنواناً اور شیعہ
 خوچاڑ یارت کو جاتے ہیں۔ میں نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔“
 ہرگز نمیر آن کہ دش زندہ شد عشق ثبت است بر جمیلہ عالم دوام

شایبانہ مہ

شہزادیت و کیا عجیب بات ہے، جو واقعہ جقدار زیادہ مشہور ہوتا ہے اُسی قدر
سبب تصنیف اکثر غلط اور بے سرو یا ہوتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی
 نے سلطان محمود کے دربار میں پہنچ کر اسکے حکم سے شاہ نامہ لکھنا شروع کیا
 اکثر تذکرون میں بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ غلط اور محض غلط ہے۔
 فردوسی نے خاتمه میں خود تصریح کی ہے کہ یہ کتاب سلطنت میں تمام ہوئی
 نسبت شدہ پنج ہشتاد بار کے گفتم من این نامہ شہزادیت
 اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ نہیں ہے اس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوئے
 سی و پنج سال از سرے پنج بیس رنج بردم بامید گنج

۱۵ پنج کو اتنی میں ضرب دین تو چار نٹو ہوتے ہیں ۱۲

اس بنابر تضییف کا آغاز شہ ۳۶۵ بھننا چا ہے۔ اور چونکہ سلطان محمود مشتم
میں تحنت نشین ہوا۔ اس لیے اُس کی تحنت نشینی سے مدون پہلے شاہنامہ کی ابتداء
ہو جکی تھی۔

عام خیال یہ ہے کہ شاہنامہ سلطان محمود کی فرائش سے لکھا گیا۔ لیکن
یہ بھی مخف فاط ہے۔ فردوسی نے خود سبب تصنیف لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ اسکو صرف اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا مقصود ہے۔

اہی خواہم از داد گریک خدا	کہ چنان باغم بگتی یہ جاے
کہ این نامہ شهر یاران پیش	بہ پیوندم از خوب گفتار خوش
بے رنج بردم درین سال سی	عجم زندہ کردم بیرین پارسی
ہمس مردہ از روز گار دراز	شدا ز گفت من امثان زندہ باز
چو عیسے من این مردگان را تمام	سر اسرمہ زندہ کردم نبام
پے افگندم از نظم کاخ بلند	کہ از باد و باران نیا بگزند
تیرے دفتر میں جان واقعی کے اشعار نقل کیے ہیں خاتمه پر لکھتا ہے۔	
من این نامہ فرج گرفتم بفال	اہمی رنج بردم بہ بسیار سال
ندیم سرافراز نجاشیہ	بگاؤ کیاں بز شمینہ
خون لاکمہ اشتہم سان بنیت	بان تما نسرا وارا میں گنج کیست
ہب اندار محمود با فرس و جود	کہ اور اکندا ہو کیوں ان بوجود

اُن اشعار میں صاف تصریح ہے کہ سلطان محمود کے دربار میں پہنچے سے ہیں
سال پہلے شاہنامہ شروع ہو چکا تھا۔

دیباچہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا آغاز اس نے خود اپنے شوق سے
کیا اور ان سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ فردوسی فطرۃ شاعر تھا، اسکے ساتھ
نسل کا محوسی یعنی شاہان ایران کا ہم قوم تھا، دقیقی نے شاہنامہ کی جو نیا ڈالی
تھی اور جس قدر شرک کہ لیے تھے اسکے چرچے ہر جگہ شامل گئے تھے اور اس سے
انداز ہو سکتا تھا کہ اس کتاب میں قبولیت کا کقدر مادہ ہے۔ یہ اس باب اس بات کے لیے
کافی تھے کہ فردوسی نے خود اپنے شوق سے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ ایک
عظیم اشان کام تھا اور اعانت کے بغیر انجام نہیں پاس کیا تھا۔ سب سے زیادہ اس بات کی
ضرورت تھی کہ یائیں کا مستند سرمایہ ہاتھ آئے جس اتفاق یہ کہ فردوسی سے ڈلن ہی میں ایک
شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا اور وہ فردوسی کا محلہ دوست تھا اس کو یہ حال معصوم ہوا تو اُس نے
یہ کتاب لا کر فردوسی کو دی۔ چنانچہ فردوسی دیباچہ میں لکھتا ہے۔

پنجم کیے ہر بان دوست بذ	تو گفت کہ یا من بیک پوست بود
بنیکی خرا مد گمر پاے تو	مر گفت خوب آمد این لے تو
بہ پیش تو ارم گر نقصنوی	نو غثہ من این نامہ ہلپوے
پیں جو سے زد میہان آبروے	شو این نامہ خسروان باز گوے
بر افروخت زدن حان تاریک من	چ آورد این نامہ نزدیک من

فردوسي اگرچہ جيسا کہ نظامي سمرقندی نے لکھا ہے میں زادہ او ز خجال
تھا، تاہم جب اپنے شاہناہہ لکھا شروع کیا تو علم دوست امرانے قدر دانی کا
اظہار کرنا چاہا لیکن منصور بن محمد نے جو طوس کا حاکم تھا۔ ایسی فیاضی کا اظہار
لیکہ فردوسی تمام لوگوں سے بے نیاز ہو گیا۔

بین نامہ چون دست کردم دارہ
یکے دترے بو گردن فراز
جو ان بو داز گو ہر پسلوان
خود مند و بیدار روشن روان
مرا گفت کر من چہ آید ہے
کہ جانت سخن بر گراید ہے
پھیرے کہ باشد مر دست رس
بکوشم نیازت ن آرم بکس
اسوس کہ منصور چند روز کے بعد مر گیا۔ فردوسی نے اسکا بہت پُر ز در مرثیہ لکھا
جیں قیقب۔ علی دلیم۔ بو دلف۔ او نفضل ابن احمد کا نام بھی فردوسی کے قدر دانوں کی
فروخت میں داخل ہے۔ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے کہ ”حسین قیقب طوس کا
عامل تھا،“ (غالباً منصور کے مرنے کے بعد مقرر ہوا ہو گا) اپنے فردوسی کے دہات کی
مالکزاری معاف کر دی تھی۔

فضل ابن احمد سلطان محمود کا ذریر تھا، جسکے مرنے کے بعد حسن منیدی اور
منصب پر متاثر ہوا، فضل کا تذکرہ بھی فردوسی نے شاہناہہ میں کیا ہے۔
نظامی عروضی کا بیان ہو کہ علی دلیمی شاہناہہ کا مسودہ صاف کیا کرتا تھا

اور بود لف راوی تھا ایسی شاہنامہ حفظ یاد رکھتا تھا۔ اور جلسون اور صحبوں ہیں
لوگوں کو سنتا تھا، لیکن تھا ہنام میں فردوسی نے ان دونوں کا نام اس انداز سے
لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فردوسی کے سر پرست اور مرتب تھے۔ کتاب
ور روایتی نہ تھے۔

ازان نامور نامدار ان شر علی دلیم و بود لف راست ابر
بود لف کی نسبت قاصی نوراللہ شوستری کا تیاس ہے کہ یہ وہ بود لف ہے
جو ایک غشم ریس تھا۔ جبکے نام پر اسدی طوسی نے گش اسپ نامہ لکھا ہے
اور دیبا چہ میں ایس کی مرح و تناکی ہے۔

ملک بود لف شریار زمین جاندار اڑانی پاک دین
بزرگی کہ با آسمان ہمسرت زنسل برائیم پنیر است
خوش اعتقاد و بیا چدنویون نے لکھا ہے کہ فردوسی نے جب شاہنامہ
لکھنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد مشوق طوسی کی خدمت میں جو ایک مشہور صاحبدل
تھے حاضر ہوا، اور ان سے اپنا خیال ظاہر کر کیا، انہوں نے کہا تم ایس کام کو
شروع کرو، خدا تکو کامیاب کر لیگا، فردوسی تو کامیاب نہیں ہوا، لیکن شاہ نامہ کی
کامیابی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے۔

شاہ نامہ کا مأخذ

سر جان مالک اللہ صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۹۵ میں لکھتے ہیں۔

شانہ نامہ کا
تاریخی موارد

۱۵ سرجان، گلم صالح یک سرتاکی، ایران میں انگریزی سرکار کی طرف سفر تھے انہوں ایران کی تاریخ قدیم و جدید

”قرآن ادل کے تمام مورخین لکھتے ہیں کہ چونکہ ایرانیوں نے عرب کے حلے کے رک्तے میں نہایت پا مردی دکھائی تھی۔ اسیلے پیروان اسلام استقدار بر افر و خستہ تھے کہ انہوں نے ایران کی تمام قومی یادگاروں کو برا کر دیا۔ شہزاد کو آگ لگا دی، آشکنڈ سے برا باد کر دیئے موبعدوں کو قتل کر دیا۔ ہر قسم کی کتابیں عموماً برا کر دیئن، کتب خانوں کے ماکلوں کو قتل کر دیا یہ متصب عرب قرآن کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور زبانا چاہتے تھے موبعدوں جو س کہتے تھے اور ان کو جادوگر سمجھتے تھے۔ یونان اور روم کی کتابوں سے تیاس ہو سکتا ہے کہ اس طوفان میں ایران کی کقدر کتابیں بھی جوں گی۔ قریباً چار سو برس گزر گئے۔ اور کسی نے ایرانیوں کی تاریخ لکھنے پر توجہ نہیں کی۔ سب سے چلی کوشش ایسے متعلق جو کی گئی وہ ساما نیوں نے کی۔ مورخین کو ایسیں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منصور شافعی نے اپنی ایک بخش کہتے ہیں کہ وقتی نے شاہنامہ لکھنا اسمیل کے زمانہ میں شروع کیا جو مسلمہ ساما نیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ غرض چونکہ سلطین ساما نی اپنے آپ کو بہرام جمہیں کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ اسیلے انہوں نے اپنے اسلاف کا نام زندہ ”گزنا چاہا“

اکلم صاحب ایک مد تک ایران میں رہتے ہیں۔ فارسی زبان میں انگریز پوری تصدیق راء کے معاشر ایک مدت تک ایران میں رہتے ہیں۔ فارسی زبان میں انگریز پوری مارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان سب باtron کے ساتھ انکی تحقیقات کا یہ عالم ہے کہ اتنی لمبی چوتھی ہمارت میں ایک حرث بھی صحیح زبان سے نہ نکلا۔

بصیرہ حاشیہ۔ ا۔ ایک کتاب انگریزی میں لکھی رہا تھا ایرانی نے اسکا ترجمہ کیا جو بیانی میں ”عہدہ“ میں چاہا گیا۔

اکلم صاحب کے تصب کے جواب دینے کا یہ موقع نہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے
یہ امر مقابل بحث ہے کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنا چاہا۔ تو ایران کا تاریخی ذخیرہ
کقدر موجود تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی تدوین سے لہ
شریعہ ہوئی اور وہ تحقیقت اسلامی علوم و فنون کے متصل اس سے پہلے کسی تصنیف کا
پتہ نہیں چلتا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غیر قومون کے علوم و فنون کا ترجمہ اس سے
پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ہشام بن عبد الملک جو رہنما ہمیں تخت نشین ہوا۔ اور جو
سلطین بنی اسمیہ کا گل سر سبد تھا۔ سب سے پہلے اپنے اپنے غیر قومون کی تاریخ کی طاف
ترجمہ کی ایکا میر منشی جبلہ بن سالم تھا۔ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ
لیکن جن میں سے جنگ رسم و اسفند یار اور داستان بہرام چوبیں بھی تھیں۔ شاہان
بیگم کے علی ذخیرے جو فتوحات میں بات آئے تھے ان میں ایک کتاب تاریخ
تھی یہ ایران کی نہایت مفصل اور بسیط تاریخ تھی جسیں سلطنتوں کے حالات کے ساتھ
حکومت کے قواعد اور آئین عہد بیدکے علوم و فنون تحریرات، وغیرہ کے مفصل حالت
ایکی قدمی تھے۔ ایک خاص جدت یہ تھی کہ تمام سلطینوں کی تصویریں بھی تھیں اور تصویر وہیں
جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں انکی خاص درج قطع، لباس، زیورات اور تمام خصوصیات کو بعینہ رکھا یا کہتا
ہشام نے اس کتاب کا ترجمہ کرایا۔ چنانچہ سے الله محمد بن یہ ترجمہ طیا رہوا۔ مورخ
سودی نے کتاب الله شرافت میں لکھا ہو کہ میں سنے سے الله میں مقام احتجز۔

کتاب دیکھی سلطنت فارس کے تعلق جقدر کتابین فارسی میں موجود ہیں یہ سب سے زیادہ مفصل ہے، دولت عباسیہ نے آغاز ہی سے ایران کے علوم و فنون کے ترجمہ کی طاف توجہ کی، ان میں سے تاریخی کتابین حسب ذیل ہیں۔

خدائی نامہ یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اس قدر مقبول عام تھی کہ بہرام بن مردان شاہ نے جو دولت عباسیہ کا مترجم تھا جب اس کتاب کو بہم پہنچانا چاہا تو میں مختلف نسخہ اسکو ہات آئے۔ عبداللہ بن المفع نے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور اس کا نام تاریخ ملوك الفرس رکھا۔

آئین نامہ یہ بھی نہایت مفصل کتاب ہے۔ علامہ مسعودی نے کتاب اتبینہ والا تصریح رصفہ ۷۰۴ میں لکھا ہے کہ یہ بہت ضمیم کتاب اور کئی ہزار صفحوں میں ہے۔ عبداللہ بن المفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

سیر ملوك الفرس

سیر ملوك الفرس

سیر ملوك الفرس

سیر ملوك الفرس

مترجمہ عبداللہ بن المفع

مترجمہ محمد ججم البرکی

مترجمہ زادویہ بن شاہر یہ الاصفہانی

مترجمہ محمد بن بہرام الاصفہانی

سیکھان - پہلوی زبان میں تھی مسعودی نے مردج الذہب میں لکھا ہوا کہ اہل عجم اس

۱۱۴ خدائی نامہ کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی مطبوعہ یورپ ص ۲۳۶۴۰۸ اور کتاب الفهرست ص ۱۱۸ میں ہے۔

۱۱۵ ان پاروں کتابیں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ میں ہے۔

کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبد اللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

مترجمہ ہشام بن قاسم الاصفہانی۔

اسلاح دادہ بہرام بن مردان شاہ موبین پاک

تاریخ دولت ساسانی

کارنامہ نوشیروان

ارڈشیر نے اپنی حالات اور واقعہ خود کو تحریک کیا

شهرزاد و پروردیز

کارنامہ اردشیر بن پاک

کتاب التاج

بہرام و نرسی نامہ

نوشیروان کے حالات

کارنامہ

مزدک نامہ

ان کتابوں کے علاوہ سلطنت ایران کے عہد نامے، توقعات اور فرائیں دیا
کئے گئے اور ان کا ترجمہ کیا گی۔ علاوہ صیست نامہ نوشیروان بنا مہر زر، عہد نامہ اردشیر
بیکان بنام شاپور کسری دمر زبان کا مکالمہ، نوشیروان کا خط سرداران فرج کے
نام، نوشیروان اور جو اس سپکے مراحلات تھے

جب تاریخ ایران کا اسقدر ذخیرہ فراہم ہو چکا تو مورخین اسلام نے اُنکی حدود
خود مستقبل تصنیفیں کیں چنانچہ محدث طبری، علامہ مسعودی، ابو حیفہ دینوری، یعقوبی

لئے ان دونوں کتابوں کا تاریخ جزء احمدیانی سقوف میں، ملکہ مریم الامسیحی مطبوعہ پورپ مفتی ۶۷ احمد اول۔

تھے ان پارہان کتابوں کا ذکر فرمست بن اندیع صفحہ ۱۰۴ میں ہے۔

جزء اصفهانی وغیرہ نے ایران کی بہوت اور مفصل تاریخن لکھن جو یورپ کی بدولت آج چکر کے شانع ہو چکی ہیں۔ یہ تمام کتابیں فردوسی کے زمانہ سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں، ان واقعات کے بعد، مالکم صاحب کی رائے کو پڑھو کہ ”مسلمان چار سو برس تک ایران کی تاریخ سے ناواقف تھے اور سب سے پہلی کوشش سامانیون کے دور میں ہوئی۔“ یہ تمام کتابیں عربی زبان میں تھیں، فارسی میں اسوقت تک ترجمہ کے سوا کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی گئی تھی۔ غالباً اسے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی رہا ابو علی محمد بن احمد البیخی کی تصنیف تھی جو کتاب نام اس نے شاہنامہ رکھا تھا۔ اسی بنابری کشف الغنوی میں اسکو شاہنامہ قدیم لکھا ہوا۔

ابوریحان بیرونی نے آثار الباقيہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے دیباچہ میں لکھا کہ میں نے اس کتاب کا سرمایہ کتب مندرجہ ذیل سے فراہم کیا۔ سیرالملوک عبد العزیز بن المفعن۔ سیرالملوک محمد بن جهم البرکی۔ سیرالملوک ہشام بن القاسم۔ سیرالملوک بہرام شاہ بن مردان شاہ سیرالملوک بہرام اصفہانی تھا تیف بہرام جو سی غرض جب وقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت اپنادخیرو عربی و فارسی میں تیار ہو چکا تھا۔ وقیقی نے سامانیون کی فرمادش سے یہ کام شروع کیا تھا۔ سامانیون کا کتب خانہ اُس زمانہ میں تمام عالم میں اپنا جواب نہیں لکھتا تھا۔ شیخ ابو علی سینا جب اول اس کتب خانہ میں داخل ہوا تو اُسپر حیرت گئی۔

چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے کہ میں نے آننا نادر اور عظیم اشان کتب خانہ نہایت سے پڑھ کبھی دیکھا تھا نہ اسکے بعد دیکھا، وقیقی کے لیے یہ تمام تاریخی ذخیرہ میا کیا گیا ہوگا اور چونکہ سلطان محمود غزنوی، سامانیوں ہی کا دست پر درا در انکو شاکر افکا جانشین بنا تھا اسیلے ہر طرح قرین قیاس ہے کہ وہ سب سامان محمود کو ما تھا آیا ہوگا اور فردوسی کو اس فائدہ اٹھانی کا موقع دیا ہوگا۔ یہ مخفی قیاس نہیں بلکہ مورخین کی تصریح سے اسکی تائید ہوتی ہے کشف الطنون میں ہے

تاریخ ایران بعض قدماء اهل
فارس و فد کان مخطما عند الجم مایه
من اخبار اسلام و سیار ملوک ہم و ہم
اصل الشهنا مہ وغیرہ مانقلہ این
المقفع من الفهلویۃ الی العربیۃ
غالبیہ دہی خدائی نامہ ہے جس کا ذکر اور پر ہو چکا۔
صاحب مجمع الفصویں لکھتے ہیں۔

”از جملہ نامہ سے قدیم جا سپ نہاد کتاب ادست کہ در ذکر خسر فان ایران بتو
ویگرا میں بھن است در احوال بھن دیگر دارا ب نامہ است دیگر داش افزارے
نوشیروانی کہ جامع آن بزرگ مهر حکیم پودہ، و پستان نامہ و دلشور نامہ و خرز نامہ
و حکیم البر اتفاق میں محمد بن منصور فردوسی آثار افعال ملک عجم، لازان نامہ ابد است“

اور دہ

ان تمام قرائیں اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کا مخذل زیادہ ترا ایران کی وہ تاریخیں ہیں جو عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں۔ لیکن فردوسی کا قومی غزوہ عرب کے احسان کو گوارا نہیں کرتا۔ فردوسی کا دعویٰ ہو کہ قدیم زمانگی ایک نہایت بسیط تاریخ ایران کی موجود تھی لیکن مرتب اور مدقائقی موبیون یعنی مذہبی پیشوائے پاس اسکے مختلف اجزاء تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے ٹپھے ٹپھے پر اتم موبد جمع کیے اور ان پر آگنہ اجڑا کو زبانی روایتوں کی مدد سے ترتیب دیکر ایک مکمل کتاب طیار کرائی۔

شانہ شاہ کے
ماخذ کے متعلق
خدودوسی کا
ہیجان

یک نامہ بدار گہ پاستان	فرادان بدو اندران داستان	پر انگندہ در درست ہر موبدے
یک پہلوان بود و ہغان نژاد	ان بو بہرہ برده ہر زن خردے	یک پہلوان بود و ہغان نژاد
زہر کشتو سے موبدے سالخورو	دلیر نہ رگ و خرد مند و را د	بیا و روایین نامہ را گرد کرد
بہ پر سید شان از نژاد کیان	بیا و روایین نامہ را گرد کرد	وزان نامداران فریخ گوان
گفتند پشیش بیکا یک جمان	اسخنا سے شان اون گشت جمان	چلبشند ازین شان سپیدخن

فردوسی کا بیان ہے کہ اسی کتاب کو دقیقی نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن چونکہ تمام چھوڑ گیا میں نے اسکی تکمیل کی۔

فردوسی کے بیان کے مطابق شاہنامہ کی اصلی نبیا داسی کتاب پر قائم کی گئی لیکن جتنے
جتنے داستانیں اور ذریعوں سے بھی فراہم ہوتیں۔ رسم و شعاد کا قصہ جان شروع کیا ہے
تہمید میں لکھا ہے کہ احمد بن سل کے دربار میں ایک بڑھا تھا جو سام زریان کی اولاد
سے تھا اسکے پاس سلطین ایران کی تاریخ تھی، اور رسم کی اکثر داستانیں ایکو زبانی یاد
تھیں۔ شعاع کا قصہ میں نے اس سے لیکر فرم کیا۔

لیکے پیر بُنامش آزاد سرو	گہ بآحمد سل بودے ہ مرد
گانامہ خسروان داشتے	تن اوپکیر پلوان داشتے
ہ سام زریان کشید ش نژاد	بے داشتے رزم رستم بیار
گویم سخن ا پچز زویا فستم	سخن رایک اندر دگر فستم

فردوسی کا دعویٰ ہے ہم کو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ
فردوسی نے خود تیسرا جلد میں دقيقی کے اختوار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

لیکے نامہ دیدیم پُراز داستان	سخنہ اسے آن پُنش راستان
فنا نہ کهن بود منشور بود	طبا لمع زپوند او در در بود
گز شستہ برو سالیان دو ہزار	گرایید دن کہ بر تر نیایہ شمار
گرفتم گویندہ بر آفرین	کہ پیوند را راه داد اندر میں

تیسرا شریں صاف تصریح ہے کہ کتاب مذکور دو ہزار برس کی تصنیف
تھی یہ ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے ایمان کی جوزیاں تھی وہ فردوسی کے زمانہ کی

زبان نہیں بلکہ زندگی یا اسکے قریب ہو گی جو سنگرت سے ملتی جلتی ہو اور جو پہلوی زبان سے بھی بہت تحسین ہو۔ اسیلے یہاں بت ہونا ضروری ہے کہ فردی اس زبان سے واقعہ تھا یا کوئی شخص ترجیح کرتا جاتا تھا لیکن تذکرہ ان اور خود فردی کے بیان میں اسکی کوئی شہادت موجود نہیں۔

شاہ نامہ کے اخزوں کے متعلق، دیبا چمن اور حیند رواستان مذکور ہیں، واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ہم انکو بھی نقل کرتے ہیں۔ لیکن جہاں انہیں بڑی غلطی ہے، ہم اسکی تغییر کروں گے۔

سامانیوں کو ایران کی تاریخ کے مرتب کرنے کا یقینہ خیال رہا۔ انہیں سے نوشیروان کو سخت شفعت تھا، چنانچہ تمام اطراف و دیواریں قاصلہ ہیجکر ہر جگہ سے تاریخی ذخیرے جمع کیے، یزدگرد نے اسپیے زمانہ میں ان سب کو داشورہ ہفغان کے عوالہ کیا کہ یہ مرشد سے یک خسرہ پر دیکرنا مانتا تھا کہ مکمل اور مرتب تاریخ تیار کردے داشورہ مذکورہ میں کے رو سایہن تھا اور نہایت صاحبِ حوصلہ اور فاضل شخص تھا اس نے ان تمام ذخیروں کو عمدگی سے ترتیب دیکر ایک بسوٹا اور جام تاریخ تیار کی۔

عربوں کے علمہ میں یہ کتاب حضرت عمر کی خدمت میں پیش کی گئی، آپ نے اسکا ترجمہ منا اور فرمایا کہ یہ معرفات کا مجوب ہے، دیکھنے کے قابل نہیں، غرض یہ کتاب ہوت میں تعمیم ہو کر صلیٰ بخشی، بادشاہی صلیٰ لے اسکا ترجمہ کرایا اور ہاں سوہنہ درستی

پہنچی، یعقوب لیث نے اپنے زمانہ حکومت میں اسکو ہندوستان سے منگو اکرا بلو منصور
عبدالرزاق بن عبد اللہ فرزخ کو حکم دیا کہ اسکا ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ تاج بن خزانی
ہروی، یزدان دادشاپور سیستانی، ماہوی بن نور شید نیشاپوری، سلیمان طوسی
ان سبے ملکر شاہزادہ میں اسکا ترجمہ کیا ایسی کتاب سامنیوں کو مات آئی اور اسکے
حکم سے وقیقی نے اسکو نظم کرنا شروع کیا۔

ایس روایت کا یہ حصہ کہ کتاب جشن گئی وہاں ترجمہ ہو کر پھر ہندوستان پہنچی
ہندوستان سے ایران میں آئی، صریح غلط اور بھیورہ ہے، باقی واقعات صحیح
ہون تو عجب نہیں، یعنی ایران کی کوئی قدیم تاریخ جو نیز درگرد کے عمد میں تیار ہوئی تھی
یعقوب لیث کے زمانہ میں ہپلوی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی ہو۔

دیباچہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نو شیروان کے خاندان کا ایک شخص
سلطان محمد کے زمانہ میں تھا، اسکا نام خور فیر و ز تھا اور فارس میں سکونت
رکھتا تھا، زمانہ کے انقلاب سے آوارہ وطن ہو کر، غرضین پہنچا، یہاں اکر چر چا سنکر
سلطان محمد تاریخ عجم کا شیفہ و دلدادہ ہے۔ اس کے وطن میں یہ کتاب موجود تھی
چنانچہ وہاں سے منگو اکر سلطان کی خدمت میں پیش کی، اور مور داعام ہوا۔

تیسرا رہا یت یہ ہے کہ جب تمام ملک میں سلطان محمد کے شوق کے
چرچے پھیلے تو بادشاہ کرمان نے ایک شخص کو جکانام اذر بر زین تھا اور
شاپور زد الکاف کے خاندان سے تھا، اور اس وجہ سے تاریخ ایران کا

بڑا سرمایہ اسکے پاس تھا اُسکو سلطان محمود کی خدمت میں بھجا۔
 شاہناہما کی وقت تاریخ کے لحاظ سے اگرچہ ایمن شک نہیں کہ شاعر
 رنگ آئینہ یون نے شاہناہما کو عام نظر و ان میں تاریخی درجہ سے گردایا ہے تاہم
 ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہیں مل سکتی۔
 مکمل صاحب بھی تاریخ ایران میں اعتراف کرتے ہیں۔

”کتاب فردوسی اگرچہ افسانہ و خیالات شاعری بسیار دارد لیکن تقریباً جمع
 اخبار کے در تاریخ قدیم ایران و توران در ملک آسیا (ایشیا) یافت می خود در ران
 مندرج است“

مکمل صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہناہما کے واقعات کا یونانی قور
 کے بیان سے مقابلہ کیا ہے۔ اور اکثر جگہ دونوں میں تطبیق دی ہے، علامہ
 شبیلی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، ایران کی قدیم تاریخ پر ایک بسوٹ کتاب
 لکھی ہے۔ اسے بھی جا بجا شاہناہما کا حوالہ دیا ہے تاریخی حیثیت کے شاہناہما کے متعلق
 مفصل بحث کرنا چاہرا موضع نہیں، البتہ اس قدر جتنا ضروری ہے کہ شاہناہما
 کی بے اعتباری کی ٹہری وجہ جو آج کل خیال کیجاتی ہے۔ وہ اسکے دوران کار
 افسانے ہیں، مثلًا دیو سفید، ارضا گاہ، جامِ گھسر و دغیرہ وغیرہ لیکن اولاد تو چند واقعات
 کی بناء پر تمام کتاب کو غلط نہیں کہ سکتے۔ مہیر و ڈوٹس کو تمام یورپ تاریخ کا آدم
 مانتا ہے، لیکن اسکی تاریخ میں ہزاروں واقعات فرضی اور وہی ہیں اور غود

پورپ کو اسکا اعتراض ہے دوسرے ایرانیون کی قدیم تاریخ میں واقعات اسی طرح
ذکور تھے، ایسے فردوسی کا صرف یہی فرض تھا کہ ان واقعات کو عینہ نقل کر دے،
علامہ عبدالجلیل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ تمام افاضے کو بالکل بے سرو پا اور خلا
عقل ہیں لیکن چونکہ ایران کی تاریخ میں بتوتر بیان ہوتے چلے آتے ہیں اس لیے
ہمارا صرف اسقدر فرض ہے کہ جوں کا توں انکو نقل کر دیا جائے۔ علامہ موصوف کے
یہ الفاظ ہیں، از ذکر قصہ زال و سیر غ

وَإِنَّا بِرِءٌ مِّنْ عَهْدِهِ هَذَا الْحَكَايَةِ وَلَا شَهِرَتْهَا بِكُلِّ مَكَانٍ وَفِي زَمَانٍ وَعَلَى
كُلِّ لِسانٍ وَجَرِيَّهُ لِجَرِيَّ مَا يُسْتَطَابُ وَيُلْهِي بِهِ الْمَلُوكُ عَنْ دَارِ الْأَرْقَامِ الْكَبِيرَاتِ وَقَدْ كَانَ
الْجَمَاعَاتُ كَثِيرَةً فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ الْأَوَّلِ كَلِيعَةً عَرَفَ الْوَاحِدُونَ أَهْلَهُ الْفَسَنَةِ وَكَطَاعَةِ
الْجِنِّ وَالشَّيْطَانِينَ لِلْوُكُوكِ... وَغَيْرُهَا مَا يَطْوِلُ ذِكْرُهُ (جلد اول صفحہ ۷۰، مطبوعہ پورپ)
اسی طرح سہت خوان رسم کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ سب خوبیات ہیں۔
ابو ریحان بیرونی آثار الباقیہ میں لکھتا ہے۔

وَلِهِمْ فِي الْمَوَاطِئِ الْمُقْسَرِ الْأَوَّلِ وَ
اسْمَارُ الْمَلُوكِ وَأَفْاعِيَاهُمُ الْمَشْهُورَةُ
عَنْهُمْ مَا يُسْتَغْرِفُونَ إِسْمَاعِيلُ الْفَانِي بِهِ
تَحْمِيلُ الْأَذَانِ وَلَا تَنْقِيدُ الْمَعْقُولَ -
ایرانیون نے پیغمبر کی جوابیں لکھی، جو این شیطانوں
اور رُسکے کارناموں کے متعلق ہیں یعنی میں یہیں کہتے ہیں کہ نہیں کہتے ہو
دل اپنایا ہوا کان کو برداشت نہیں کر سکتے عقل کو
قول نہیں کرتی۔

۷۵ صفحہ مطبوعہ پورپ۔

بعض یورپیں مورخین کے نزدیک شاہنامہ کی بے اعتباری کی وجہ یہ ہے کہ اسکے
واقعات یونانیوں کی تاریخ سے اکثر جگہ مخالف ہیں لیکن اس عقده کو علامہ تبلیغی نے
بہت پلے حل کر دیا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس ایران کی تاریخ کے تعلق
دو مأخذ ہیں۔ ایرانی اور یونانی۔ ہم جانتے ہیں کہ دونوں میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ مسلم
مسئلہ ہے کہ گھر کا حال گھر والا خوب جانتا ہے اس لیے ہم نے یونانیوں کے مقابلہ میں
ایرانیوں کا زیادہ اعتبار کیا،

محققین یورپ کی رائے | یورپ نے نہایت جدوجہد سے اسلام کے
قبل کی ایرانی تصنیفات کثرت سے ڈھونڈ کر نکالیں، اور ان میں سے اکثر کو
چھاپ کر شائع کیا، چنانچہ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں ایک خاص
عنوان قائم کیا ہے «پلوی لٹریچر» اسکے ذیل میں ان تمام کتابوں کی فہرست
اور انکے حالات لکھے ہیں، انہیں بعض کتابیں اسلام سے پان پان سے، چھوچھہ کو
برس پلے کی تصنیف ہیں، ان میں سے جو کتابیں شاہنامہ کی تاریخ ہیں ان کا
بیان حرف بہ حرف فردوسی سے مطابق ہے، انھیں میں ایک کتاب کا زائد
ارجح تر ہے جو پلوی زبان میں ہے اور تسلیہ عینی زمانہ اسلام سے کسی قدر
پلے کی تصنیف ہے یہ کتاب اصل پلوی زبان میں مع جمنی ترجمہ کے شائع کی
گئی ہے، اس کی نسبت براؤن صاحب لکھتے ہیں۔

«جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

فردوسی نے ٹپی ایجاداری بر قی ہے۔ اور ہماری نظر میں اسکی وقت یہ دیکھ کر اور ٹپ رہی تھی ہے کہ جن کتابوں سے انسے شاہ نامہ لکھا ہے اُنے ترمیب وار مطابقت پائی جاتی ہے، جو من کے مشهور فاضل پر و فیسر نولڈ کی نے شاہ نامہ کے مأخذ اور اس کی تاریخی حیثیت پر ایک مستقل کتاب جو من زبان میں لکھی ہے، اسکے اقتباسات کا ترجمہ سٹر براؤن نے انگریزی میں کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کی جلد اول میں شامل کیا ہے ہم اسکے بعض ضروری مقامات کا ترجمہ نقل کر دیں تاریخ و قدامت اور ستایں شاہ نامہ کی خصوصیات کا آنذاذ کر آچکا ہے کہ اُس سے شاہ بت ہوتا ہے کہ جب اوستا تصنیف ہوئی تو اُس زمانہ میں ان قومی فسانوں کی ٹبی ٹپی باتیں لوگوں کو معلوم تھیں۔ اُنکی قدامت کا صرف یہی ایک ثبوت نہیں ہے کیونکہ نولڈ کی نے دکھلا دیا ہے کہ یونانی مصنفوں کی کتابوں میں بھی جو انہوں نے شاہان ایران کے بارے میں لکھی ہیں، انہا درود کا تذکرہ موجود ہے، خاص کر ٹپی۔ ایس کی کتاب میں جو پانو برس قبل حضرت مسیح، آرٹا نیز رک نیز فی میں کا طبیب دربار تھا اور اُس نے اپنی کتاب ایرانی تصانیف کی مدد سے لکھی ہے یہ دعویٰات بار بار بیان ہوئے ہیں بلکہ کبھی ایک خاندان سے مسوب ہوئے ہیں کبھی دوسرے سے، مثلاً سائرس ایکی ٹپی نہیں کے پہلے بادشاہ کو جو حقیقت میڈ یادالوں سے لڑنے میں پیش آئے وہ ارد شیر ساسانی اور اس کی پار تھیوں کی جگہ

Artaxerxes the Memnon of Cyrus
and Achæa Menianus the ruler of Parthians

کے حالات سے بہت کچھ ملٹے جلتے ہیں، اسی طرح عقاب، سیمرغ اور ہما شاہ پسند پر نزدیکی اے کی می نیز زال اور اردشیر کا حافظ ہونا، اسی طور پر نو دیر کیانی اور پیر و ز ساسانی کو توانی و شمنون سے قارین کے خاندان کے دو شخصوں کا بچانا اور اسی قبل سے دار اور پیر و نزکی ملتی سرگزشتیں ہیں جو قابل غور ہیں۔

یات کار زریران زریا دریں برا دریں ٹھاں پیں اور شاہزادی اور اُش کا قعنیہ تک اے تھی میں سے پہنچا ہے۔ یہ قصہ اُس نے سکندر کی اس تاریخ سے لکھا ہے جو اس کے دیوان چائیں نے تصنیف کی تھی۔ یہی داستان سب میں پرانی پسلوی کتاب یات کار زریران میں بیان ہوئی ہے جو پانچ سو برس قبل حضرت عیسیٰ کے لکھی گئی تھی، یہ چھوٹی مگر ضروری کتاب سب میں قدیم فارسی کتاب ہے جس میں بھادری کے قصہ درج ہیں، گواہین ایک ہی قصہ ہے مگر اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اُن کل کہانیوں پر عبور ہے، اسی کتاب کو شاہنامہ اکش اسپ یا پسلوی شاہنامہ کہتے ہیں؟

نولد کی کتاب ہے کہ ”اگر تھوسر اسردھو کا خواہ تو ہم کہ سکتے ہیں کہ اس قصہ میں وہ روح موجود ہے جس کا وجود کئی اور قوموں کے بھادری کے تصوریں موجود ہے خلاصہ حال سب کو معلوم ہے، اسکے خاص خاص حصوں کو کو شست کر کے زینت دی گئی ہے، اور اس ڈھانچے میں تھوڑی سی کمی ہیشی اور ترتیب سے، کم و بیش ایک مسلسل اور پوری داستان طیار ہو سکتی ہے اس

قصہ کے ضروری اجزاء عربی کے اس مختصر ترجمہ میں موجود ہیں جو طبری نے کیا ہے اور جو شاہنامہ کے بیان سے بالکل مطابق ہے بعض جگہ تولفیہ لفظ وہی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُسی عام قدری روایت سے لیا گیا ہے جو شاہنامہ کا مأخذ ہے۔

اس نئی ترتیب سے جس کی طرف نولڈ کی نے اشارہ کیا ہے وہ اضافہ اور اصلاح مراد ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کا پیوند ہو کر ایک دلکش داستان بن جائیں اور کمی سے یغرض ہے کہ وہ باتیں اور الفاظ جو مسلمانوں کو ناگوار ہیں نہ آنے پائیں حیسا فردوسی اور اوردن نے کیا ہے۔

شاہنامہ کے ساسانی حصہ کے متعلق چار سے پاس ایک پلوی کتاب کارنامک ارتحشرہ یا پکان اصل پلوی اور جمن میں موجود ہے۔ جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابله کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے ٹری اپنے ایک برتی ہے اور ہماری نظر میں اُسکی وقت یہ دیکھ کر اور فڑھ جاتی ہے کہ جن کتابوں سے نہ شاہنامہ لکھا ہے اُنے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہو کارنامک غالباً تسمیہ میں تصنیف ہوئی اور اگلے تھی اس کا جو نہ رہ عین تھا شاہنامہ ایران کی تاریخون کا سasan پاپک اور اردشیر کے حالات میں حوالہ دینا ایسا بت کا زائد ثبوت ہے کہ شاہنامہ کے مختلف قصہ اس زمانہ کی پلوی کتابوں میں پائے جاتے تھے۔

فردوسی کے شاہنامہ پر جو دیباچہ تیور کے پوتے بائی سقرا کے حکم سے ^{۱۳۲۵}
 میں لکھ لکھایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہقان دانشور کا پورا صبح نخواہ
 ساری داستان کا کیومرث سے یک خسر و پر دیزینی ^{۷۲۴} تک کا یزد گردتائی آخری
 ساسانی فرمان روا کے عمد میں تیار بوجا تھا اپر نولد کی لکھتا ہے کہ یہ "کتاب خواہ
 کیسی ہی کیون نہ مگر عرب مورخون کے ترجموں کا، فردوسی سے خسر و پر دیزین کی ذفات
 تک مطابق ہونا اور بعد کو مختلف، اس بارے خاص میں اُسکی صداقت کا ثبوت ہو
 اور اُسکی انتہا درجہ کی ہمدردانہ کو شش اور حق پسندی سے پایا جاتا ہے کہ وہ
 بادشاہ کی سرپرستی اور زنگرائی میں تعصیت ہوئی تھی ॥

اس پہلوی خداونی نامہ کا جگہ حمزہ اور مصنف فرست وغیرہ اور دیگر عرب
 مورخوں نے ذکر کیا ہے، ابن القفع نے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں بی
 میں ترجمہ کیا اور اس ذریعہ سے تمام عربی دانوں کو اسکا حال معلوم ہو گیا، مگر نہایت
 افسوس ہے کہ یہ ترجمہ خالی ہو گیا، اسی طرح دہ فارسی نثر کا ترجمہ جو ^{۷۹۶} میں
 ابوالنصر رالمغری کے حکم سے ہوا تھا اور ہرات، سیستان، شاہپور اور طوس کے
 چار پارسیوں نے، ابوالمنصور ابن عبد الرزاق حاکم طوس کے لیے کیا تھا، جیسا کہ
 البرونی اور نولد کی نے لکھا ہے۔ اسی کی بنای پر دقیقی نے ایک شاہنامہ نوح
 ابن منصور سامانی بادشاہ کے لیے جو ^{۶۹۹} تک رہا، فارسی تظم میں لکھت
 شروع کیا تھا مگر سلطنت گستاخ پا اور زردشت کی آمد کے متعلق چند ہی ہزار

شر لکھنے پا یا تھا کہ اسے ایک ترکی غلام نے مار ڈالا۔ یہ فردوسی ہی کا حصہ تھا کہ چند سال بعد اسے اس قومی فنانے کو جو دلیلی نے شروع کیا تھا ساٹھ ہمارا شماریں جس میں دلیل کے اشارے بھی شامل ہیں تکمیل کو پہنچایا۔ اتنا کہنا یہاں اور ضروری ہو کہ شاہنامہ قوم کا پورا پورا افسانہ ہے۔

داستان اردو شیر اس داستان کی جتنی کہا نیاں۔ شاہنامہ اور کارنامک پہلوی میں پائی جاتی ہیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔

(۱) ساسان جو بین دراز دست کی پانچوں من پشت میں تھا، پاپک شاہ فارس کے ہاں مولیشی چڑھنے پر نکرے ہے، پاپک خواب دیکھا ہے کہ ساسان نسل شاہی سے ہے، اُس سے بلطفت و خوشی پیش آتا ہے، اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرتا ہے اور اردو شیر کے بھن سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) پاپک اردو شیر کو مبنی کرتا ہے، اسکے جوان ہونے پر اسکی دلاوری عقلمندی اور شاہانہ خوبیوں کا تذکرہ اردو ان رآخہ می با دشائہ آنکھانی ہمک پہنچتا ہو وہ اردو شیر کو طلب کرتا ہے، خاطر و مدارات سے پیش آتا ہے، ایک روز اردو ان کو بھیٹی کے ساتھ شکار کو جاتا ہے، اور وہ اردو شیر کے مارے ہوئے شکار کو اپنا بتلاتا ہے اسپر بے قد رہو کر میر آخور عطبل شاہی مقرر ہوتا ہے۔

(۳) اردو ان کی ایک معتمد ہو شیار اور نازینیں پرستا اردو شیر پر ترس کھاتی ہے اور ردو تیز رفتار گھوڑے ہمیا کر کے اسکے ساتھ فارس کو بھاگ

جاتی ہے، اردو ان تمام کرتا ہے مگر یہ سنکر کہ شوکت خروی ایک خوبصورت مینڈھی
کی خصل میں ارڈشیر تک پہنچ گئی ہے واپس آتا ہے۔

(۳) ارڈشیر آشکانیوں وغیرہ سے رہتا ہے، اردو ان اور اسکے بیٹے کو شکست
دیتا ہے اور خود کردون سے زک اٹھاتا ہے۔

(۴) داستان ہفمان بوخت (مخفتواد) اور کرم کرمانی مع جنگ تھرک (درک)

(۵) اردو ان اپنی بیٹی (زوجہ ارڈشیر) کو موت کا حکم نہاتا ہے ایک موہب
جگانام ابر سام ہے اسکی جان بچاتا ہے۔ ایکے پیٹ سے شاہو پیدا ہوتا ہے
اور باپ اس بچے کو لیجا تا ہے۔

(۶) ارڈشیر ہندوستان کے حاکم یہاں کیست سے یہ سنکر کہ ایوان کی بادشاہی
اکے ذا اسکے دخمن تھرک کے گھرانے میں جائیگی، تھرک کا استعمال کرتا ہے
اس کی ایک لاکی قتل عام سے بچکر کسانوں میں پر درش پاتی ہے، شاہو اسے
دیکھ کر اسپر عاشق ہوتا ہے، اپنی مخادی اور رانے بیٹھے ہر فرد کی پیلاش کو اپنے
باپ ارڈشیر سے چھپاتا ہے۔ اور ہر مرد کو سات بس کی عمر میں چوگان کے
یہاں کی بادری دیکھ کر ارڈشیر پچان لیتا ہے،

ہر تنفس جنے کارنا مک اور شاہنماہ کا یہ حصہ ساتھ ساتھ ڈپھاہی اسیں تک
اقرار کر لیا کہ شاہ نامہ پورا چھپ کارنا مک کا ہے اسیلے کہ جزئیات میں بھی اختلاف
نہیں ہے ہمارے اس خیال کو کفر دوسی نے جن قدیم کتابوں سے شاہنماہ

لکھا ہے، ان سے الگ نہیں گیا، پلوی کے قصہ زیریں اور شاہنامہ کے مقابلہ سے اور بھی تقویت ہو جاتی ہے، یہ امرالتفاقی ہے کہ ان حسون کا ہم اصل کتابوں سے مقابلہ کر سکے مگر ہم ذوق سے کہ سکتے ہیں کہ اور مقامات پر بھی جان ہمکو جا چنخ پرتال کے ذریعے حاصل نہیں ہیں وہاں بھی فردوسی نے ادنی بات بھی قدیم باخند خلاف نہیں لکھی ہو گی، یہاں ہم داستان ارشیبر کی دونوں روایتوں میں سے صرف دو ایک باتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں زیادہ گنجائش نہیں ہی، اول ہم اُسکی پیدائش کا ذکر کرتے ہیں۔

کارنامک

سکندر رومی کی وفات پر ایران میں ۲۲ مختلف گروہوں کے لوگ حکمران تھوڑے اردوان ان سب میں سر برآورده تھا اور اصفہان، فارس اور قرب وجوار کے حصہ پر قابلیت تھا، پاپک محافظ سرحد اور اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا اور اصطخر میں رہتا تھا، اسکے کوئی بیانہ تھا جس سے اسکا نام چلتا، ساسان پاپک کا گوالا تھا اور ہمیشہ اپنے گلوں میں رہتا تھا، مگر وہ دارا بن دارا کی اولاد میں تھا اور سکندر کے برسے زمانہ میں وہ بھاگ کر گذریوں میں جاملا تھا پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی، ایک رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج نکلا ہے اور اس نے تمام عالم کو منور کر دیا، دوسری رات دیکھا کہ ساسان ایک سپید ہاتھی پر چسبیر

سلہ، شاہنامہ میں اصطخر لکھا ہوا ہے۔

قیمتی جھول پڑھی ہوئی ہے۔ سوار جا رہا ہے اور تمام "کشور" کے لوگ اسکے ارڈر کو
 بین اسکی اطاعت کرتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں، تیسری رات اُس نے دیکھا
 کہ آتش فروگش پر اور متحرر، ساسان کے گھر میں روشن ہے اور ساری دنیا میں
 آجلا پھیلا ہوا ہے، ان خواجوں سے گھبرا کر اُس نے تغیری دینے والوں اور دانشندوں کو
 بلا یا اور اُن سے تینون خواب بیان کیے میسر و نے کہا کہ یا تو وہ شخص جسکو اپنے
 خواب میں دیکھا ہے یا اُسکی اولاد میں سے کوئی شخص تمام دنیا کا بادشاہ ہو گا، کیونکہ سوچ
 اور قیمتی جھول والا ہا تھی ازور طاقت اور حق کی علامت ہیں، آتش فروہب سے مارا
 دہ لوگ ہیں جو نہ ہب سے خوب واقف ہیں اور اپنے ہمسروں میں متاز ہیں، آتش
 کشپ سے خیجو اور جرگون کے سردار اور آتش پر جیں مہر سے دنیا کے کافٹکار مراد
 ہیں، اپس بادشاہت اُس سے یا اُسکی اولاد کو میلگی، پاپک نے یہ تقریر منکر سب کو خست
 کیا اور ساسان کو بنا کر اُس سے پوچھا، "تم کس خاندان اور نسل سے ہو، تمھارے
 پرزر گون اور پرکھوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟" ساسان نے کہا کہ اگر جان
 بخشی ہو تو عرض کرو، پاپک نے اجازت دی، ساسان نے اپناراز افتخار کر دیا اور
 سارا حال تبلد رہا، پاپک یہ منکر خوش ہوا اور کہا کہ میں تھاری حالت ہتر کر دو نگاہ،
 اور اسکے حکم دیتے ہی پورا بابس شاہی آیا اور ساسان کو عطا ہوا جب ساسان
 کہا کہ پسونا، اُس نے پن لیا، وہ پاپک کے حکم سے چند روز بعد غذا میں کھاتا رہا جسے
 اُس کے جمعہن طاقت آگئی، پاپک نے پھر اپنی بڑی سے اُس کی شادی کر دی، اور

قہست کی یاد ری سے وہ حاصل ہوگئی اور اُس سے تختن شہ پیدا ہوا،
 فرو بہ۔ فرہ باغ یا فرن باغ کی جگہ فردوسی نے خرید لکھا ہے۔ کارنالکس کی
 عبارت جہان ماسان کی آمد کا ذکر ہے، بڑی روکھی پھیلی ہی۔ فردوسی نے اپنے زد
 قلم سے اُسیں جان ڈال دی ہے۔ اور یہ مجلہ اُن مقامات کے ہے جو فردوسی نے
 نہایت دلکش پیرا یہ میں لکھے ہیں।

اشعار فردوسی متعلق تصریح باکٹ ساسان

بھرہ زودہ راروز برسختہ شد	چو دار ایہ رزم اندر وون گشتہ شد
خرد مندو چلی دس ساسان بنام	پسہ بد مر او را سیکے سثاد کام
بیا مم بلادر نیا مخیت ادی	از ان شکر روم بگر بخت او سی
ز ساسان یکے کو د کے مان خرد	بہ ہندوستان در بزاری بصرد
ہے نام ساسانش کر دے پدر	برین ہم نشان تا چارم پسہ
بدشت آدم و سر شبان را بیٹی	چو کتر پرسوے با بکار رسید
کر ایدر گز ارد بہ بد روز گار	بد و گفت فردورست آید بہ کار
ہمی داشت بار بخ روز و شبان	بہ پنر رفت بد بخت را سر شبان
چنان دیور و شن رو داش بخواب	شبے خفته بہ بکار رسید روز بیاب
گرفتہ یکے تیغ بندی بہ دست	کہ ساسان ہبیل زیان برشت
بھی بود با غرش اندر یشہ جفت	بہ و گر شبد اندر چو با بکار بخفت

سه آتش فروزان بہ بردے بدست
 فروزان چو برام دنا هیشد و نهر
 برآت شه عود سوزان بُدے
 روان و دلش پُر ز تیار شد
 بیان ناشش اندر تو انا بُند
 بزرگان فخر زانه در اسکه زن
 همسه خواب یکسر پریشان بگفت
 تمام دید و گوش پا سخ سرا کے
 پتا ولی این کرد باید نگاهه
 ب شاهی بر آرد سرمه از آفتاب
 پسر باشد شش کز جان بر خورد
 بر اندازه شان یک بیک ۴۰ داد
 بر با یک آمد ب روز دست
 پر از برفت اشیم دل پر ز بیم
 پر شد پرستند و رهنمای
 بر خویش نزد یکسان خان
 شبان ز رو بر سرمه او پاسخ مادر

چنان دید و خواب کا لش پرست
 چو آذر گشنه پ و خسته ادویه
 بعد پیش ساحان فروزان بُدے
 سر با یک از خواب بیدار شد
 که نیکه در خواب دانا بُند
 بیوان با یک شدند نجسون
 چو با یک سخ بر کشاد از نفست
 پر اندیشه شد زان سخن رهنمای
 سرخجام گفت لے سرافراز شاه
 کسے را که دیجی توز نیسان بخواه
 گردایه دن که این خواب از و بگذرد
 چو با یک شنید این سخن گشت شاد
 افسر نود تا سر شبان از رسه
 بیان دمان پیش او با یکیم
 پیر راحت با یک از بیگان جانه
 ز سasan پر سید فرشا نقش
 پر سید ش از گوهر را از نشاد

شبان را بجان گردہی زینہار
 چودستم ہے پیان بگیری یہ دست
 زینہ دان نیسکی دہش کردیا
 کہ من پور ساسا نام اے پلوان
 ازان حیتم روشن کر او دید خواب
 کیے اس پر آلت خردے
 ازان سر شبانی سرش بر نوخت
 پسندیدہ وافیر خلیش را

از ان پس بد و گفت کاے شریار
 بگویم زگو ہر ہمسہ ہرچ ہست
 چو شنید باپک زبان بر کشاد
 باپک چین گفت ازان پس جوان
 پو بشنید باپک فرو ریخت آب
 بیسا ورد پس جامہ پلوے
 کیے کاخ پڑما یہ اور الباخت
 پو داد پس ذخیر خلیش را

کار نامک پلوی اور ستاہ نامہ کے بیان میں بہت خفیف فرق ہوا
 جو عموماً آریخی و اقامت میں ہوتا ہے۔

مطہریہ اون نے اور بھی چند داستانیں کار نامک اور ستاہ نامہ
 کی مطابقت دکھانے کے لیے درج کی ہیں، لیکن ہم نے طول کے لحاظ سے قلم انداز کیا
 فردوسی کی وقعت شاعری کی حیثیت سے

عام اتفاق ہے کہ ایران میں اس درجہ کا کئی شاعر آج تک نہیں پیدا ہوا
 انوری اُن شعرا میں ہو جگلو گون نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے، اچناچھے
 مشیور ہے۔

در شعر سے تن پیغمبرانند ہر چند کہ لا بنی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را	فردوسی دانوری و سعدی
لیکن خدا نوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہی، اور ہم اُسکے بندی ہیں۔	
آفرین بروان فسر دو سی	آن ہمایوں نژاد فرخندہ
آن خداوند بود و ما بندہ	آن ستاد بود و ما بندہ

نظمی کئے ہیں،

سخن گومی پیشمنہ دامی طوس کہ آراست زلف سخن چون عوسم
علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ عربی زبان باوجود
اس و سوت و کثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہیں کر سکتی، اور درحقیقت یہ کہ
عجم کا قرآن ہے"

یورپ کے فضلا بھی جوزبان فارسی سے واقف ہیں عموماً فردوسی کی کمال
شاعری کے معرفت ہیں سرگور اوسی نے تذکرۃ الشعرا میں فردوسی کو ہومر سے شبیہ
ہوئی، اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتوان بھی ظاہر کی ہے کہ وہ اگرچہ در اصل ہومر کا ہمسر
نہیں، ہو سکتا، لیکن ایشیا میں اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہو تو وہی ہو۔

لیکن تجھب اور سخت تجھب ہو کہ مسٹر براؤن جو آجکل فارسی دانان یورپ میں
سب سے متاز ہیں۔ فردوسی کے کمال شاعری کے منکر ہیں۔ وہ اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پریا
میں لکھتے ہیں کہ فردوسی کے بعد جو شعراء پیدا ہوئے وہ شاعرانہ خیالات اور شوکت الفاظ دنوں ہمیشہ سے
فردوسی سے بالاتر ہیں۔ شاہنامہ سعدی مغلقہ کی تینی باری نہیں کر سکتا، صاحب مجتب صوف کو اپنے حریرت ہو کر شاہنامہ

تمام اسلامی دنیا میں اس قدر کیون شہر و عالم ہو گیا پھر خدا انکی وجہیہ بتائی ہو کہ شاہنامہ میں مسلمانوں نے کے اسلاف کی فخریہ داستانیں ہیں۔ اس سیئے حب قوم نے اس کا سکھ جادیا ॥

ہم ان سبب باتوں کے جواب میں صرف یہ کہتے ہیں۔

حریعت کا دشمن شرکان خون رنیش نہ زدہ	پرست آور رُجُّ جانی و نشر امانتاً کن
-------------------------------------	--------------------------------------

اب ہم شاہنامہ کے اوصافات کو کسی قد تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اسلام کا خاص ہے کہ جہاں جہاں گی الٰہ کی زبان سرے سے بدل دیا اسقدر اسکو مغلوب کر لیا گردہ مستقل اور آزاد ربان نہیں ہے اسلام سے پہلے مخصوصاً ہین قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی، پہلی حدیث سماں تک کچھ عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول کے ایشیاء کو چک اور قسطنطینیہ میں حرک گئے تو ملکی زبان ترکی ہو گئی، کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتون ہے لیکن خواص فارسی بولتے ہیں جو اسلامی حکمرانوں کی زبان تھی، ایران اور ہندوستان سخت جان تھے جہاں ملک کی اصلی زبان قائم رہی لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ ان کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اردو لکھنا جا ہیں تو لازم مالا لیزم کی محنت اٹھانی پڑتی ہے۔

ایران میں ابتداء ہی سے عربی نہایت شدت سے خلوط ہو گئی تھی، عباس مروج نے امون الرشید کی مرحیں جو قصیدہ لکھا اُسکے چار شعر اُج موجود ہیں، جن میں صفت سے زیادہ عربی الفاظ ہیں، رود کی اور ابو شکور بخشی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ کی

بھرا پڑا ہے، سلطان محمد کے زمانہ میں ایک فاضل نے شاہ نامہ کے جواب میں
شناختی ایک کتاب نشر میں لکھی تھی، اور ہماری نظر سے گزرسی ہے، اُسکا بھی یہی
مال ہے۔ اسی زمانے میں شیخ بوعلی سینا نے حکمت علامیہ فارسی زبان میں لکھی اور
صد کیا کہ خالص فارسی میں لکھی جاسے۔ لیکن عمدہ برآئیوں کا۔ فردوسی کی قدرت
زبان دیکھو کہ سالہ بھر اسکر لکھ کر ڈال دیے، اور عربی الفاظ اسقدر کم ہیں کہ گویا نہیں
ہیں، اگرچہ اس حصہ صیحت کا موحد و قیقی ہے، لیکن کل بھر اسکر شعر اور صرف چند
جمولی واقعات ہیں، بخلاف اس کے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سیکڑوں
وناگوں مطالب ادا کئے، اور زبان کے خالص ہونے میں فرق نہ آنے پایا، عربی کے
الفاظ غالباً، خال، آئے ہیں اکثر وہ ہیں جو خاص مصطلح الفاظ ہیں، شلاؤ دین بینہ،
بسرہ، تلب، سلاح، عنان وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس طرح اس زبان میں شائع تھوڑے
مطروح آج کل اردو میں نج، کلکٹر بلکث، سٹیشن وغیرہ ہیں کہ اسکے بجائے
زر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرے تو ناموزون معلوم ہونگے۔

حیرت وہ ان ہوتی ہے جہاں فلسفیا نہ اصطلاحیں آتی ہیں اور وہ اس بے
معنی سے سادی فارسی میں اُن کو ادا کرتا جاتا ہے کہ گویا روزمرہ کی باتیں ہیں یا بولی
ہیں از بھی حکمت علامیہ میں یہ کوشش کی لیکن اسکا نونہ دیکھو، ابطال غیر تناہی کے
ستدلال میں لکھتا ہو۔

”پیشی و پیسی با لطبع است چنانکہ اندر شمار است یا بعرض چنانکہ اندر اندازه“

است کہ از ہر کدام سوکہ خواہی آغاز کنی و ہرچہ اندو سے پیشی دبی است بالطبع باقی
مقدار می ست کہ اور ابڑہ پاہر جا کم پوندہ ہمہ بیک جائے حاصل و موجود بودو
تمناہی است۔“

غور کرو اس کوشش کے ساتھ کس قدر عربی الفاظا اب بھی باقی رہ گئے اور جن عربی الفاظ
کا فارسی میں ترجمہ کیا وہ اس قدر ناموس اور بیگانہ ہیں کہ عبارت مختصر ہو کر رہ گئی۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں میں جب تقدم و تاخیر ہوتا ہے تو واقعیت
سے ہوتا ہے بلا واسطہ الجل طرح ایک عدد و دو پر مقدم ہے یا با واسطہ حبڑھ صافت
ہیں آگاہ بیچھا ہوتا ہے کہ گوایک حصہ کو مقدم اور دوسرے حصہ کو مؤخر کہتے ہیں،
لیکن جان سے چاہیں مسافت کو شروع کر سکتے ہیں اب قاعدہ یہ ہے کہ جب
کسی چیزوں میں بالطبع تقدم و تاخیر ہوگا، ضرور ہے کہ اس میں مقدار ہو اور مقدار کے
تمام اجزاء مرتباً ہوں، یہ بھی ضرور ہے کہ ایسی چیز تباہی ہو،

غور کر دو علی سینیا کی عبارت سے کیا کوئی شخص یہ مطلب سمجھ سکتا ہو؟
فردوسی نے آغاز کتاب میں خلائقات کی پیدائش کی ابتداء، عناصر کا وجود، اور
اُن کی ترتیب اور انقلابات لکھے ہیں۔

سہرما یہ گوہ ران از خشت	از آغاز باید کہ دانی درست
بدان تا قوانانی آمد پد یہ	کریز دان زنا چیز چیز آفرید
برآ اور ده بے رنج دبڑو زگار	وز و ماچ گوہ ر آمد چپا

زگر میش بس خشکی آمد پدید	نختین که آتش ز جنبش دید
ز سردی ہمان باز ترسی فزود	وزان پس ز آرام سردی نمود
ز بحر سخنی سراسے آمدند	چاین چار گوہر بجائے آمدند
بزریر اندر آمد سران شان بخت	گیارست، با چند گونه درخت
ن پوید چوپویند گان ہر سوے	بسالندار و جنریں نیروے
که درمان ازوی ست وزوی است	نمگن بر مین گنس بد تیز گرد،
ن این رنج و تیمار بگراییش	نگشت زمانه لفڑایش،
ن چون ماتسا ہی پنیر دهی	ن از گردش آرام گیر دهی،

یونانیون کے نزدیک آفرینش کی ابتداء اور اس کی تاریخ یہ ہے کہ خدا نے ماڈہ پیدا کیا، ماڈہ سے عناصر پیدا ہوئے، حرکت سے آگ پیدا ہوئی، آگ کی گرمی نے بھوست پیدا کی جس سے خاک کا درجہ درہوا، پھر سکون کی وجہ سے رطوبت پیدا ہوئی رطوبت نے پانی پیدا کیا۔ اس طرح چار عنصر پیدا ہوئے، پھر نباتات کا درجہ دھوا، جنین صرف نمکی قوت ہے، متحرک بالا را دہ نہیں، آسان کی نسبت یونانیون کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہیں، اور امتداد زمانہ سر ان میں تینتر اور زوال نہیں ہو سکتا، فروعی سے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ میں ادا کیا ہے کہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان میں فلسفیانہ اصطلاحیں ہیں، لیکن درحقیقت سب فلسفہ کے خاص الفاظ میں

انکے مقابل کے عربی الفاظ دیکھو۔

وجود	توانائی	جنبیش	عصر	مادہ	سریاں
حرکت					گہر
متحک بالارادہ	پونیڈہ			سکون	آرام
تفہیم		فسودن		دوران	گشت
				فنا	تبابی

اس طرح اور بہت سے الفاظ ہیں، ہم نے صرف نوٹہ دکھایا ہے۔

۳۔ ایشیائی تاریخ کے متعلق عام شکایت ہے کہ ان میں بجز جنگ و خروزی خصوصیت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ حالات باشكل نہیں ہوتے جن سے اس زمانے کے ملکی حکومات اور قوم کی تہذیب و معاشرت کا حال کھل سکے۔ یہ شکایت بہت کچھ صحیح ہوئی لیکن شاہنامہ اس سے سنتھے ہے، تاہنہا مگر چہ بظاہر صرف رزمیہ نظام معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عام واقعات کے بیان میں اس تفصیل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے، بادشاہ کیونکہ دربار کرتا تھا، امراء کس ترتیب سے کھڑے ہوتے تھے، عرض موردنظر کرنے کے کیا آداب تھے، افعام و اکرام کا طریقہ کیا تھا، بادشاہ اور امراء کا درباری لباس کیا ہوتا تھا، فرائیں اور توفیقات کیونکر اور کس حصہ پر لکھے جاتے تھے۔ نامہ و پیام کا کیا اماماز تھا

مجرموں کو کیوں نکر سزا میں دسی جاتی تھیں۔ بادشاہی احکام پر کیوں نکر نکلہ جسی کیجا تی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

شادیوں کے کیا مراسم تھے، جنہیں کیا دیا جاتا تھا، عروسی کی کیا کیا رسیں تھیں وہ لہا اور دلہن کا کیا لیاس ہوتا تھا، پیشہ مرت، علام، اور لوٹدیوں کی و ضع اور انداز کیا تھا۔

خط کتابت کا کیا طریقہ تھا، کس چیز سے ابتداء کرتے تھے، خاتمہ کی کیا عمارت ہوتی تھی، خطوط اس چیز پر لکھے جاتے تھے، ان کو کیوں نکر بند کرتے تھے، کس چیز کی فُرگ لگاتے تھے،

بالگزاری کے ادا کرنے کا کیا دستور تھا، زینوں کی کیا تقسیم تھی، بالگزار کی مختلف شریعن کیا تھیں، مکس کیا کیا تھے، کون کون لوگ ٹیکس سے معاف ہوتے تھے یہ تمام بائیں شاہنامہ سے ہ تفصیل معلوم ہوتی ہیں، انونہ کے طور پر ہم چند مثالیں نقل کرتے ہیں،

(۱) پیرن کی مہم میں کنیسر و نے رسم کو زابل سے بلا یا ہے اور اُسکے لیے باعث میں دربار کیا ہے، دربار میں تخت رتین بچھا یا گیا ہے، اسپریک صنومنی کی درخت نصب ہے، جسکا سایہ بادشاہ پر پڑتا ہے، درخت چاندی کا ہو، یا قوت شاہ نہیں ہیں، موئیوں کے خوشے دانے ہیں، رتین ترخ اور سیب پھلے ہوئے ہیں، اجنبیوں کے اور اُسکے اند رمشک کا بُرادہ ہے ہوا جب چلتی ہے آؤ مشک

بھرتی ہے، اسی کے قریب قریب وہ فرش تھا جو حضرت عمر کے زمانہ میں ایساں کی
نفع میں آیا تھا) ان تمام باتوں کو فردوسی نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نشستگی ساخت بس شاہوار	در باغ بکشادہ سالار بار
نہادند زیر گل افسان درخت	بلفر موڈتا تاج نزین و تخت
کجا سایہ گستر در تاج و گاہ	در ختنے زندہ از بر گاہ شناہ
بر و گون گون خوشہ ہائے گھر	تتش سیم و شاخش زیاقت زر
فروہ شستہ از شاخ چون گوشوار	عقیق دز بر جدہ ہمہ برگ و بار
میسان تر نج و بھی پڑتی ہی	ہمہ بار نزین تر نج و بھی
ہمہ پیکر ش سفتہ بر سان نے	پروانہ دون مشک سودہ بستے
بر او بادا زان مشک بفشاڈے	کرا شاہ بر گاہ بنشاند سے
پیکر بیش ریندہ مشک ان درخت	پیام نشت او بہ نر نینہ تخت
ہمہ بر سزا ان افسرا ز گوہرا	ہمہ می گسار ان بہ پیش اندر را
ہمہ طوق بر سخینہ و گوشوار	ہمہ طوق بر سخینہ و گوشوار

(۲) افراسیاب نے جب اپنی بیٹی فرنگیس کی شادی سیاوش سے کی ہے۔ اور
فرنگیس سیاوش کے گھر آئی ہے، تو اسکی جھانی اور عروسی کے ساز و سامان کو اس طرح
بیان کیا ہے۔

اگر زیند زربفت چینی ہزار	ہم کنج اچس سر بہ اندر ون الہ
--------------------------	------------------------------

پُر از نافہ ز مشک و پُر بند خام دُ دیاره، مکی طوق دو و گوشوار ز زن بفت پوشید نهیا س دست سے نعلیں ز تین ز بر جد بگار ز خویشان نزدیک صد نیک خواه لُونقی ب ایوان درون خانے نیت ہمی رفت گلشن بخوا هران	ز بر جد طبقا و فی سر زده جام دُ افسر پ از گو ہر گوشوار ز گشتر و نہایا شتر و ارشقت کیے تخت ز تین و کرسی چمار پرستنده سی صد ب ز تین کلاه پرستار با جام ز تین دویست ہمی صد طبق مشک صد ز عفران
--	--

اسفند یا رکا تابوت رسم نے رواز کیا تھا تابوت کے مراسم دیکھو۔

بگستر و فرشتے ز دیباے چین پر اگند بر قیر مشک و عیسیٰ ز پیر و نہ ب رس ز نہاد افسرش ز بالا فرو ہشتہ دیباے چین چپ و راست اشتراپیں ن در سیاہ بر دیده فش دو قم اسپ سیاہ ز زین اندر آ و نخستہ گر ز کین ہمان ترکش و مغفر بخجوے	کیے نفر تابوت کرد آہنین در اندر دویک رو سے آہن ب قیر وزان بیس ک پوشید روشن بیش چهل اشترا آور در ستم گرین کیے اشتراے زیر تابوت شاه پشوتن ہمی رفت پیش سیاہ بر و بر نہاده گلو نساز زین ہمان نامور خود رختان اوسے
--	--

ایس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کسی امیر کا جنازہ نکلتا تھا تو اسے

کے تابوت میں رکھ کر لیجاتے تھے، تابوت کے ایک رخ کو سیاہ زنگ سے زنگ دیتے تھے، پھر اسپر مشک و عنبر جھٹکتے تھے، میت کو کپڑے پہناتے تھے اور سر پر تاج رکھتے تھے، تابوت کو اونٹ پر محمل میں رکھتے تھے، اور اسکے دائیں بائیں اور بہت سے اونٹ ساتھ ساتھ چلتے تھے، پیچھے فوج ہوتی تھی، میت کی سواری کا گھوڑا ساتھ ہوتا تھا اسکی یال اور دم کاٹ دیتے تھے، زین اولن کر رکھتے تھے، میت کے سلسلہ جنگ زین پر لکھتے چلتے تھے،

۳۔ ایشیائی شر کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے میں حس و عشق کا آئین انعامی موقع آ جاتا ہے تو اس قدر پہلیتے ہیں، کہ تہذیب و تناہت کی حد سے کو سوں آگے نکلیاتے ہیں، نظامی اور جامی جیسے مقدس یوگ اس حام میں اگر نئی ہو جاتے ہیں، لیکن فردوسی باوجود اسکے کہ اسکو تقدس کا دعویٰ نہیں ایسے موقعوں پر آنکھ پچھی کئے ہوئے آتا ہے اور صرف واقعہ نگاری کے زرض کے نحاذ سے ایک سرسری غلط انداز لگاہ ڈالتا ہوا گزر جاتا ہے، بیرلن اور نیزہ کی بحث عیش کو جان لکھا ہے، لکھتا ہے۔

زبیگانہ خرگہ پرداختند	اشتندگ رودومی ساختند
ایا بیلد و چنگ و رامش مرے	پرستندگان ایستادہ بیپاسے
زدینار و دیباچہ پشت پنگ	بے دیباز میں کروہ طاؤس زنگ
سرابرده آراستہ سربسر	چارشک و عنبر جھیاقوت وزر

بہ آور دہ با پیرن گیو زور گرفتہ بر او خواب مسیستم	ئے سانخور دہ بہ جام بلوہ سر دوز سہ شب شاد بودہ بھم
زوال اور رودا بہ کے عاشقانہ اختلاط میں زیادہ پھیلا ہے، پھر بھی یہ رنگ ہے۔	
بر فستند ہر دوں کبڑا رستا بیان مجلس شاہ ہوار آمدند	اگرفت آن زمان دستی شان بیٹا سو سے خانہ زرنگار آمدند
بیان رقصے والاؤ آن موہی فر سر حیدر لفظ شکن در شکن	شگفت اندران ما و مہنالی زد دو رخارہ چون لالہ اندر چین
پہ نزد دیدہ در دے ہی بنگر یہ بنگر شیر کو گور ران شکر یہ	زد پیش رودا بہ می نار مید ہمی بود بوس و کنار و نبید

۷۰۔ عام خیال ہے کہ فردوسی بزم اچھی نہیں لکھتا ہے شب یوسف زلیخا میں اسکی یاد گھنی حصہ تھا
شاعری کا رتبہ بہت گھٹ گیا ہے، لیکن یہ ایسکے سچ و غم اور دل شکستگی کا زمانہ تھا جب
ایسکے تمام جذبات افسرده ہو چکے تھے، یوسف زلیخا لکھنے سے اسکا معصید صرف ذہبی
جماعت کو خوش کرنا تھا، جوتی بات پر فردوسی سے ناراض تھے کہ اس سے بیویوں کا
مح فشامیں کیوں اسقدر اوقات صرف کی، لیکن شاہنامہ میں جہاں جہاں بزم کا
محق آیا ہے، شاعری کا چمن زدرا نظر آتا ہے۔

زوال رودا بہ عاشق ہوا ہے، ایسکے شوق میں گھرستے نکلا ہے، ایسکو خبر جوں
سلہ بینی دیکھو شیر نے گردخکو پائی تکارہ نہیں کیا،

وہ نب بام آکر کھڑی ہوتی ہے، زال کوٹھے کے برابر اگر اور جانے کی تدیرین سوچتا ہے
رودا ہے اپنی چوپی گھول کر لئا دیتی ہے کہ اسکے سماں سے چڑھا اور زال زلف کو بوسہ
دیتا ہے اور کمنڈ دا لکر کوٹھے پر اٹرتا ہے، دو نون مل چلکر بیٹھتے ہیں، لطف و محبت کی
باتیں ہوتی ہیں، اشراط کا دور چلتا ہے ای سما دیکھو اس طرح دکھایا ہے،

چنان چون بود مردم جخت جمعی	سپیدستے کاخ بہنا دروے زال ^{۱۱}
چو سرو سی بہ سر ش ما و تمام	برآمد سیچشم گل رخ بام
پیدی آمد آن و خستہ نامار	چو از دور دستان سام سوار زال ^{۱۲}
ک شاد آمدی ای جوان مرشدان	دو بیچادہ بکشاد و آواز داد یاقوت ^{۱۳}
ز سر شعر کلنا ر بکشاد زود	پر یار دی لفت و سپید شنود زال ^{۱۴}
کس از مشک زان سان نہ چید کفہ	کمندی کشاد او ز سرو ملبہ
بران عنبر من تار بر تار بود	خسم اندر خم و مار بر مار بود
کہ باز یو و شد تا پن کیسرو	فر و بشت گیسو ازان کنگره
لکھ آیا ^{۱۵}	پس از بارہ رو دا ہے آواز داد قلو ^{۱۶}
کہ اسے پلوان بچپن گرد زاد	گیمراہن ہر گیسو از کیک سویم
ز بسیر تو بایہ ہے گیسویم	بدان پرور اندیدم این تار را
کہ تاد شگیری کمند یار را	نگہ کر دان اندر ان را رو دو سے
تخفیت باند اندر ان را رو دو سے	بس ایپیٹ ملکین کمند ش ہ برس
کہ تباہی آواز بسیش عوسم	

چینیں روز خور شید روشن مبار	چینیں داد پا سخ کہ این نیست داد
بیگنہ بالا، نزد مسیح دم	کمند از رہی بستد وداد خم
برآمد زبن تابرد کیسرہ	پ طقس در آمد میر کنگره
بیامد پر یہ دے و بر دش نماز	چو، بر بام آن بارہ نبشت باز

رائے گے کے اشعار اور پرگز رچکے)

تم کھو گئے کہ رو دا بہنے زال کو کہیں جوان مرد، کہیں ہپلو ان بچپے کہہ کے خطاب
کیا ہے، اور خود فردوسی رو دا بہن کی تعریف یہن بالا اور قروغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے،
حالانکہ نرم کی لطافت اور نزاکت ان الفاظ کی تحمل نہیں ہو سکتی، لیکن یہ فردوسی کی نکتہ
نجی اور بلاغت شعرا ری کی دلیل ہے، اسکو معلوم ہے کہ وہ کابل دنیا بلان کے
محبوب کا ذکر کر رہا ہے، لکھنؤ کا نہیں، دہان کے لوگ آج بھی اپنے پایار سے اور چیزیکی
نسبت یہی الفاظ بولتے ہیں، کابل کا معشوق لکھنؤ کی طرح دھان پان نہیں ہوتا، بلکہ باہم
تھامت، پڑا نہ امام، اور تزو مند ہوتا ہے، اسیلے بالا اور فرکان لفظ دہان کے معشوق کی صلی
تصویر ہے،

شیرن جب افراسیاب کی سرحد میں پہنچا ہے، تو گرگین نے اس سے بیان
کیا کہ بیان سے پاس ایک مرغزار ہے، جہاں سال میں ایک ذمہ افراسیاب کی طیزی
سیلیوں کے ساتھ سیر کرتی ہے اور ہفتون رہتی ہے، اریکھو فردوسی نے اس موقع پر
مرغزار کی بھاراد سپریہ دیوں کے جھرمٹ کی تصویر کس طرح لکھنی ہے۔

یکے جایگاہ از دردہ پلوان	همہ بیشہ و باغ و آبیور و ان
گلابست گوئی مگر آب جوی	نہ تن پر نیان و نہرو مشک بوی
ضم خند گل لکھت بلبل خمن	خم آرد و ده از بار شاخ سمن
خر و شیدن بلبل از شاخ سرد	خرامان بگرد گلگان بر، تد رو
بهر سو بہ شادی نشسته گروہ	پر چهرہ بینی همه دشت و کوه
همہ سر و قد و همه مشک بوی	همه دخت تر کارن پوشیده نوی
همہ لب پُرانے ہے بھری گلاب	همه رنج پر از گل همہ خیم خواب

آخر شعر پر غور کرو، «همہ خیم خواب» کے مبالغہ اور میساٹھی پر مقاومین کے ہزاروں تکالفات

وہ مخصوص آفرینیاں مثار ہیں۔

ایک اور موقع پر ایک پریچہرہ کی تصور کیجئی چاہے۔

بہ بالا ہے کردای سمر و بلند	دوبار بر مکان و دو گیسو گنہ
بلور دو شہزاد عین فرش از بہشت	دو بگب گلش سوسنی مشت
فرود ہشتہ زد طقتہ گوشوار	بناؤ ش تا بندہ خور شیدوار
وہاں س مکالی ج دُر و گُر بصیری ۲	لبان از طبرز و زبان از شکر

آن سادہ اور فطری مبالغوں کو دیکھو: «بان از طبرز و زبان از شکر»

یکنئے نہ چھنا کہ وہ مخصوص آفرینی اور خیال نہدی کے تکالفات سے عمدہ پڑا۔

لے ۵۰۰ سے نہابت ہوتا ہے کہ پروردگر رسم ایسا نہیں میں بھی قدر یعنی سے ہے۔

نہیں ہو سکتا، اس انداز میں بھی وہ کسی سے کم نہیں۔

کہ حشم خودش، ہم بُنباں بُود	بُدنباں حشیش کے خال بُود
-----------------------------	--------------------------

سہر اب نے جب ایران کی سرحد میں پنچک قلعہ پسید کا حاصرہ کیا ہو تو قلعہ سے ایک عورت مزادانہ لباس پہنکر نکلی ہے اور سہر اب سے جنگ آزمائی ہو، دیر تک روز بدل کے بعد سہر اب نے اسکو گرفتار کیا جنم چہرے سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ عورت اپنے سفر نیچتہ ہو گیا لیکن عورت فریب دیکھنے کی ایسی اب سپکری چھوڑ کر عشق کا دم بھرنے لگا، اسکو فردوسی اسکے نامہ وزاری کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

کہ شد ماہ تا بندہ و در زیر منع کہ از بند جست و مر اکرد بنت کفود چھوٹ کر نکل گیا در مجھکو قید میں ڈال گی چیخیم غریب نہ خست و صراحتیست حوت مجھکو ملوار نہیں امری ایکن میں تقل ہو گیا کہ ناگہ مرا بست را و مخن ، کہ دلدار خود رانہ دانم کہ گیست نی خواست رازش بداند کے مُبِرْدُمْ ناید ہمی اشک باز اگر چند عاشق بود ذروش از درون	ہی گفت ازان پس دریناد رین غیریب آہو سے آدم درکند عجی ہزن میری کمند میں آیا ، زاہی حشم بند سے کہ آن پُرسون اس شعبد کو دیکھو کہ اس جادو گرنے نم انم چکر دان فسون گرہ من پزاری صراخ خود ببابید گریست ہمی گفت و می سخت از غم بے رس ل عشق پہمان نماز کر راز غم جان بر آر دخروش از درون
--	--

ان شعروں میں عشقیہ شاعری کی تمام ادایمیں موجود ہیں، استعارات اور تشبیہات کا بھی لہکا سازنگ ہے، شاعرانہ تکمیلیں بھی ہیں جو کہ از بند جست و مرا کرد بند جس پر تخم خست و مرا رنجیت خون، یہ بہب پچھے ہے لیکن فروضی اس بات کو نہیں بھولا کر وہ سہر کی داستان لکھ رہا ہے، محمد شاہ و احمد علی شاہ کی نہیں، اس لیے فوڑا سہرا بٹیں کی زبان سے نصیحت کرتا ہے، اور دیکھوا ایک حوصلہ مند فاتح کی نصیحت کا کیا انداز ہے۔

اذاں کا رہو مان نبودش خبرا کہ سہرا ب راست خون در جلو	اذاں کا رہو مان نبودش خبرا کے از فراست بدل نقش بست
کہ اور اپریشا نیے دادوست ززلعف بتے در کنڈ آمدہ است	ہے دام کے پاسے بند آمدہ است
ہوس میرود راہ و پار گل است ینی بوس میرود ^{۲۷}	تمان میکندر در دو خنین مل است
کہ لے شیر دل گردگر دن فزار خواہ کے کوبو دپلوان	کیے فرستہ جست و گفتہ پر راز
کہ از هر ما ہے بیا یہ گریست شا و بدریا سے خون آمدیم	فریب پری پیکران جوان
ولے ہست و بیش رنجے تمام چور تم کہ بد شیر دار و فوس	ن رسیم جانگیری و سر دری است
	ر توران پر کارے ہر ڈل آمدیم
	اگر چند این کا باشدہ بہ کام
	پیا یہ شہنشاہ کا وس و طوس
	هر چند ^{۲۸}

بھر بہت سے ایسا نی پلوانوں کے نام آنکر کھتا ہے،

تو نی مرد میدان این سروزان	چہ کارت یعنی پری پیکران
----------------------------	-------------------------

چرا درست، بازی پر کار و دگر	تو کار مے کے داری نہ بُردی بسر
زشان بدرست آرتاج و سرمه	بُنیر وی مردی جان را بگیر
بھرجا سے خوبی برندت خواز	چوکشور بدست تو آید فراز
دلش بستہ سبند پیکار شد	از ان گفتہ سهرا ب بیدار شد
بگفت لے سرتاماران چین	بگفت لے سرتاماران چین
کشون با تو لوگشت پیان من	شدایں گفت تو داروی جان
در آرم بغیران افرس اب	جان را سر اسرچ خشک چب
برآمدہ افرانی تخت بلند	بگفت امن و دل را ز دل بر کنند

دیکھو ایک شجاع دام عشق میں اتفاقاً پھنس بھی جاتا ہے تو کس طرح جلد چھوٹ
نکھلا تا ہے فردوی نے موقع پا کر عشقیہ شاعری کا کمال بھی دکھلا دیا، احمد پھر تانت
اڑ دنائیگی کا سر رشتہ کیمیں ہات سے نہ چھوٹا، متاخریں بلکہ نظامی و سعدی کو بھی اتنا
سمارہات آ جاتا تو خدا جانے کہاں سے کہاں نکھلاتے۔

۵۔ شاعری کا اصل کمال واقعہ نگاری اور جذبات انسانی کا اظہار ہے، ان
پیچوئیں خود میں دنوں با توں میں وہ تمام شعرا کا پیش رو اور امام ہے، وہ جس واقعہ کو لکھتا ہے
اس کے تمام جذبات اور گرہیش کے ہر قسم کے حالات اور واقعات ڈھونڈ رہا ہو تو کوئی
پیدا کرتا ہے بھرپور کو اس خوبی کے ساتھ ہو ہو ادا کرتا ہے کہ واقعہ کی تصویر یا کھونک
سائنس پھر جاتی ہے، اور شرعا یا تو واقعہ کے متعلق چھوٹی شھوٹی با توں پر نظر رکھتے

ضروری نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں لیکن طبیعت افطرت شناس نہیں ہوتی۔ اسیلے باریک
باتوں پر نظر نہیں پڑتی یا پڑتی ہے لیکن زبان پر قدرت نہیں کہ جون کا تون ادا
کر دیں، اسیلے یا بات کو بدل کر سمجھتے ہیں، یا استعارات و شبیات کے دامن میں
پناہ لیتے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ فردوسی استعارہ کے پاس ہو کر نہیں نکلتا، تشبیہن دہی پاٹیں س
کی لیتا ہے، مجاز کو بت کم ہات لگاتا ہے، اسلکی وجہ نہیں کہ وہ ان باتوں میں قادر ہے
 بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں واقعہ کے چہرہ پر نقاب ڈال دیتی ہیں، اور اسکا اصل
خط و خال نظر نہیں آتا، غور کرو۔ یہ لکھنا مقصود ہے کہ خاقان چین ہاتھی پر ہے، رسم نے
کندھیں کی اور اسکو گرفتار کر کے ہاتھی سے ٹپک دیا، فردوسی اسکو اس طرح ادا کرتا ہوا۔

چواندست رسم رہا شد کندہ	سر شهر پار اندرا آہہ بہ بنندہ	
نوجیل اندرا آہہ در دوز دبر نہیں	بہ بنندہ باز دے خاقان چین	
		نظامی کو اسی قسم کا موقع پیش آتا ہے وہ سمجھتے ہیں۔
کندہ عدد و بنندہ راشم رہا	بنندہ اخت چون چنبر رونہ گار	

بے شہر عد و بنند کے لفظ سے جملہ ترکیب چست ہو گئی "چنبر رونہ گار" کی تشبیہت
بھی نہ رکھا پیدا کی، یہ سب کچھ جو ایکن ساختے واسطے پر ہے اثر جو اک اصل واقعہ کے بجائے
اہلی توجہ افلاط و تشبیہ کی حرف متوجہ ہو گئی اور کندہ میں گرفتار ہونے کی اصلی حالت
ساختے نہ اہلی ہمکہ ہے کہ فردوسی واقعہ استاد، جند بات کے بیان اور نہیں معملا
اوہ تشبیہات دخیرو سے بہت کم کام لیتا ہے، اور جب اسکو طبائعی اور انسا پر داری کا

زور دکھانا ہوتا ہے تو دوسرا سے موقع تلاش کرتا ہے، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہو۔
واقعہ نگاری کے وقیع نکون پر اسکی نظر جس طرح پڑتی ہے، اسکی ایک دو شالیں:

اہم لفظ ہیں،

پلوان جب جوش شجاعت میں لہر نہ ہوتا ہے تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ رضاۓ بھڑائی
کچھ نہیں، تمنا بیٹھا ہے، لیکن آپ ہی آپ بھپڑا پڑتا ہے، اور جوش میں آپ پے سی باہر تو
جاتا ہے۔ سہرا ب جب ایرانی فوج کے ایک ایک سردار پر نظر وال کر جیر سے انکام و
نشان پر چلتا ہے تو ابھی نظر ستم پر بھی پڑتی ہے، اور جیر سے کہتا ہے، ایکوں شخصی
جسکی یہ حالت ہے کہ۔

بخود ہر زمان بخ خود شد ہے	تو گوئی کہ دریا بخود شد ہے	اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا دریا جوں باشنا
آپ ہی آپ بھر رہا ہے		

ایک حیم اور تناور پلوان کبھی تخت پر بیٹھا ہوتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے
تخت پر چھایا جاتا ہے، اس حالت کو فردوسی نے اُس موقع پر جب رسم سہرا ب کے
دیکھنے کو گیا ہے اور سہرا ب تخت پر بیٹھا ہوا اپنے پلوانوں سے باتیں کر رہا ہے۔
اس طرح ادا کیا ہے، اع تو گفتی یہ تخت سہرا ب بود۔

سہرا ب نے کیکا دس کے خیمه کے پاس جا کر بیجھی سے خیمه کی میخین اکھاڑ کر
پھینکدی ہیں فردوسی اس واقعہ کو اس طرح ادا کرتا ہے،

از ان لپیں سجنید از جانے خویش	بہ نزد دیک پر دہ سرار فتا پیش
-------------------------------	-------------------------------

بز دست د بکند ہفتاد سی سخ	خم آور دلپشت و سنان سنج
زہر سو برآمد و م کڑہ نامے	سرای پردہ یک بہرہ آمد زپاے

عام شعر اگر اس واقعہ کو لکھتے تو صرف اپنے قناعت کرتے کہ سهرا ب نے بخین
الحاڑ کر چینکیدیں، لیکن یہ خصوصیات کہ "وہ جھکا، مجھک کرزودہ سے نیزہ مارا، نشتر میخیل کھا کر
بچینک دین، وہ خمہ کا ایک حصہ گر پڑا، نظر انداز کر جاتے، حالانکہ واقعہ کی تصور کھینچ کر
یہ ان تمام باتوں کا ادا کرنے انصوری ہے۔

اسی تفصیلی واقعہ نگاری کی بدولت ہمکو بہت سے ایسے حاوروں تک رسائی
ہوتی ہے جو یون کبھی عام طریقہ بیان نہیں آسکتے تھے،
مثلًا سهرا ب نے جب رسم کو گزر مارا ہے تو رسم تملقا جاتا ہے مگر ضبط سی کام
یتباہے اور سهرا ب پر ظاہر نہیں ہونے دیتا، اس واقعہ کو اُردو کا حاوروہ دان صر
اًس نقطے سے ادا کر لیا کہ "پی گیا، فردوسی نے بھی صرف حاوروہ سے کام لیا، چنانچہ
کہتا ہے ع پیچید و دراز دلیری پنچور د، رسم ایک معروکہ نہیں صرف کمندہ باتیں لیکر
گیا ہے، حریف سے سوال جواب ہونے تو اُس نے طنز سے کہا کہ "اِس دھاگے کے بل کے
بست نہ اتراؤ" اُفرودسی اس طنز پر حاوروہ کو بعینہ اسی طرح ادا کرتا ہے،

ب دلگت ہو مان کہ چندیں مذم	ب نیرو سے این رغۂ ثبت خم
----------------------------	--------------------------

واقعہ نگاری کی مثالوں سے تمام شاہناہ بھرا پڑا ہے، اہم نمونے کے طور پر یک
محصر لیکن مسلسل داستان بیان نقل کرتے ہیں،

یہ وہ موقع ہے کہ سہرا ب ایک ایرانی پلوان کو نیکر کیا دس کے لشکر گاہ کو دیکھنے
چلا ہے فوجیں اپنے اپنے افسروں کے ساتھ الگ الگ ساز و سامان سے آ راستہ ہیں ہنزا
ایک ریک پر زنگاہ ڈالتا جاتا ہے اور ہر ایک کا نام و نشان پوچھتا ہے، ایرانی پلوان
جواب دیتا ہے،

زگردن کشان وز شاه ورمہ ب واندردن خیمه ہے پلگ	بد و گفت کز تو ب پر سم ہم سر اپر دہ د پہ ر تگ رنگ
کیک تخت پیر فرہ برسان نیل سرش ماہ زرین ^{پر زرد} غلامش نیفر	پیش اندر وون ^{فڑا ب} بستہ صدر زندہ پیل کیک زرد خور شیده پیکر در فرش
زگردن ایران و رانام حیت کہ بر در گمش پیل و شیران بود	پ تلب سپاہ اندر وون جائے کیت بد و گفت کان شاو ایران بود
سواران بسیار دیل و نیہ رودہ گردش اندر ستارہ سپاہ	وزان پس بد و گفت کز نیمنہ سر اپر دہ بر کشیدہ سیاہ
پس پشت پیلان و شیران پیش پ زندش سواران زرینہ کفش	گبر و اندر ش خیمه نازدازہ میش زدہ پیش اویل پیکر در فرش
بگوتا کجا با خدا رام اوے در فرشش کجا پیل پیکر بود	چباشد زایرانیان نام اوے چین گفت کان طوس نوزد

لئے خور شید پیکر بینی آفتاب کی صورت کا۔

کے لشکر قے کشن بپیش پاے دُرانشان گھر در میان رفشد ہمہ نیزہ دار ان جوشن دران سپدار گودرز کشوادگان دوچل پور دار دچوپیل دچو شیر	پر سید کان سرخ پر ده سرائے کے شیر پیکر و نش نفشد پس پیش اندر سپاہی گران چینیں گفت کان فر آزادگان سپیکش بودگاہ کینہ دلیر
--	---

اب رسم کی باری آتی ہے

بزرگان ایمان بپیش پاے زدہ پیش او اختر کاویان اب افر و باسفت دیال گوان نشستہ بیک سرازو بر ترسٹ رسم کا قداس سے بیٹھ کی حالت ہیں ہیں خلاہو	در گفت کان سبز پر ده سرائے یک تحنت پر مایہ اندر میان بر او بر نشستہ کے ہلوان ازان کس کہ بر پاے پیش برست جو شخص سانے کھلا ہے
---	---

بھیرنے رسم کا نام پل کرتا یا سہراب اب اور افسروں کا حال پوچھتا ہے۔

وزان بیس پر سید کرن چتران	الشیدہ سرایہ دہ کران
---------------------------	----------------------

سواران بسیار و پیلان بیاے میان مرا پر ده سخنے زده زایران بگونام آن مرد جیست زگو درزیان بهتر و هتر است
بگفت کان پورگو درز گیو زدی بیاے رومن پیشیش سوار پیاده سپردار نیزه و ران زدی با فرد هشتہ زیا طلیل
بگفت زان سوکه تا بنده خشد زدی بیاے رومن پیشیش سوار زدی بیاے رومن پیشیش سوار زدی با فرد هشتہ زیا طلیل
بگفت زان سوکه تا بنده خشد زدی بیاے رومن پیشیش سوار پیاده سپردار نیزه و ران زدی با فرد هشتہ زیا طلیل
بگفت زان سوکه تا بنده خشد زدی با فرد هشتہ زیا طلیل زدی با فرد هشتہ زیا طلیل زدی با فرد هشتہ زیا طلیل

داقمه نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اسکو مرغ نگاری یعنی آج کل کے
محابوہ میں سین دکھانا کہتے ہیں،

جنوبات روز میہ میں درود غم کے انہمار کا کم موقع پیش آتا ہے اور آئے بھی تو بلاتے
یہ ہے کہ اسکو زیادہ پہلیا یا نہ جائے، تاہم کہیں کہیں اسکا موقع پیش آگیا ہو تو فردی نے

اسیں بھی کمال دکھایا ہے، سہرا ب کے مرنے کی خبر سنکراؤں کی مان کی جو حالت ہوئی ہے
او حصیر اُس نے مالہ وزاری کی ہے، اُسکو اس طرح او اکڑتا ہے،

بہ زاری بران کو دک تار سد	خر و شید و جو شید و جامہ درید
لوجوان	بہ آدر د بانگ و غزوی و خروش
زمان تازمان زو ہی رفت ہوش	فرود پر دنا خن دو دیدہ سکند
دمبدم	<small>اکھنچن بکال فرالیں</small>
بہ آور دو بالا در آتش فکند	مرا ان زلف چون تاب دادہ سکند
بہ انگشت چھپید فاز بُن کبند	بہ سر پر فکند آتش و بہ فروخت
ہمہ موسی مشکین یہ آتش بیخوت	ہمی گفت کاے جان مادر بکون
کجا یہ؟ سر شتہ بنگاک و بخون	دو چشم بہ رہ بود گفتم مگر
ز سہرا ب و رستم بیا یم خبر	چہ داشتم لے پور کا یہ خبر
کہ رستم بخیر دریدت جگر	دل غیش نیا مدازان روے تو
ازان پر زو بالا کو باز صے تو	پپر دہ بود متنش راہ ناز
بہ رخشندہ رو رو شبان دراز	کنون آن بخون اندر وون غرمه
کفن بر تن پاک او خرق گشت	کنون من کرا گیرم اندر کنار
کہ خواہ بُن مر مر انگمسار	پہ جب تی لے گر داش کر پیاہ
بہ جا سے پید رگورت آمد براہ	چسرا نامد م با تو اندر سفر
گرگشتی بہ گر دان گیستی سمر	مرا رستم از دو رشت ناخن
تراب امن لے پور بخواخت	<small>مشپھو</small>

بینداخته تئن آن سرفراز ہمی گفت وہی خستہ ہوئی کندھوئے زخون اوہی کرد لعل آب را سر اسپ او اپ بُر د گرفت گھنے بو سہ زو پر سرش گہ بروئے بیا درد آن جامسٹ شاہ ہوار بیا درد خفغان و درع و مکان بسر بر ہمی زو گران گُز را بیا درد نین ولکام و پسرا	نکر دے جگر گاہت لمے پور باز ہمیز د کفت دست بر خوب رئے بپیش آور یہ اسپ سہراب را باندھ جانے دراو در گفت زخون زیر تمش ہمی راند جوئے حکر قش چو فرزند اندر کنار ہمان نیزہ و تئن و گر ز گران ہے یاد کر د آن برو بُر ز را لکام و پسرا ہئے ز د بسر
--	--

سہراب کی مان نے جو کچھ کہا ہے کس قدر سچ اور کقدر پر تاثیر ہے، سہراب کے
لکھوڑے کو گودین لینا، اسکے بات پاؤں چد منا، سہراب کے کپڑوں کو کچھ کی طرح
آن خوش بین لینا، تیاروں کو سریں مارنا، کقدر صلی حالت کی سچی تصویر ہے،
پیرن، ایرانی پلوان تھا، افراسیاب کی لڑکی منیرہ اسپر عاشق ہو گئی، اور چوری
سے لیجا کر گھر میں رکھا، جب افراسیاب کو خبر ہوئی تو اُس نے پیرن کو ایک کنوئیں بین
تیکید کر دیا، اور منیرہ کو گھر سے نکال دیا، منیرہ پیرن کی تیارداری اور خبرگیری کرتی تھی
اور ستم پیرن کے چھڑائے کو سوداگر نہ کر گیا، اور تو ران پنچھر تھار کے سامان پھیلائے
منیرہ کو خبر ہوئی، دوڑی ہوئی آئی اور ستم سے پیرن کے حالات بیان کئے،

رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہ جائے، میزہ کو جھک دیا کہ میں شیرن و شیرن کو
چکنہیں جانتا مینزہ دل غلستہ ہو کر کہتی ہے۔

ترخواری بیار یہ خون در کنار	پرستم گم کر دو گی پست زار
ز تو سرد گفتہ نہ اندر خور د	بدو گفت کاے هتر پڑھ د
اس طرح اکھانی س جواب دینا آپکے خالان نہیں	رستم سے کما کما سے سردار
کہ من خود مسلے دارم از در دلش	سخن گرنہ گوئی مراغم ز پیش
میرا دل تو خود صیب سے زخم ہو طاہر	اگر بات نہیں کتے تو نہ کو دیکن بچکو احمد ڈیکن یونہج
کہ در دلش را کس نہ گیر د خبر	چین باشد آئین ایران مگر
کہ لوگ غریبون سے بات نہیں کرتے	کیا ایران کا یہی دستور ہے
نہ ترسی قواند داد دی دادران	ز دی بانگ من چو جنگ آوران
سکو بادشاہ نکلے بادشاہ (خدام) کا چو ڈریں	مچکو پلداون کی طرح ڈانٹ بتا تہو
برہمنہ ندیدیہ تم آفتاب	مینزہ نم دخت افرا سیاب
ازین در بدان در در خسارہ زرو	کنون دیدہ بیخون مل پر زدہ
قادم ز تاج و فقار مز تخت	براء یکے شیرن شور نجت

اعضا اور نور بلاغت کے نکتہ شناس جانتے ہیں، کسی واقعہ کے بیان کرنے میں جب
حد سے زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے، تو بھی چوڑی تمہید اور تفصیل وہ کام نہیں تی
جو ایک پُر زور مختصر جملہ کام دیتا ہے، قرآن مجید میں اوحی الی بعدہ ما اوحی اعثیم من

ایم ماغنیمین جو بات ہے وہ سیکڑوں جملوں سے ادا نہیں ہو سکتی، روم کے فاتح کا مشورہ جلد تم نے مٹا ہو گا، میں آیا، میں نے دیکھا، میں نے فتح کیا، شاہنامہ میں اسکی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، سہرا ب کی پروردہ داستان اب شعر سے شروع کیا ہے۔

کون جگ سہرا ب درستم شنو	دگر باشندہ ستی این ہم خنا
-------------------------	---------------------------

صرف وہ این ہم نے جو بات پیدا کی وہ ہزاروں تمہید سے نہیں پیدا ہو سکتی تھی، رستم فراسیاب کو خط لکھتا ہے، اور تهدید کے وسیع مضبوں کو ایک مصرع میں ادا کرتا ہے۔

من دگر زو میدان و افرا سیاب	دگر نہ بکام من آمد جواب
-----------------------------	-------------------------

نظمی نے اپنے فخریہ میں زمین و آسمان کے قلبے ملائے ہیں لیکن فردوسی کے دو مصرع سب پر بھاری ہیں۔

بے ریخ برودم درین سال سی	اعجم زندہ کردم، درین پارسی
--------------------------	----------------------------

رستم کی مار دھاٹہ ہنگا مہ آرائی اور قتال و جدال کا سماں صرف چار مصروع ہیں دکھایا ہے،

بروز نبرد آن میل ارجمند	بشمیہ و خجیرہ گُز و کمند
-------------------------	--------------------------

درید و بُرید و شکست و بہشت

صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوئے ہیں، اسی میں کھانا بھی سامنواگیا ہی

لوگ کھانپی کر، آنچہ کھڑے ہوئے، اسکواں طرح او اکرتا ہے۔

پے مشورہ مجلس آراستند	نشستند و گفتند و برخاستند
-----------------------	---------------------------

۸۔ صنان بدان، شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہیں، ایسے فردوسی کے کلام میں ایکو ڈھونڈھنا نہیں چاہیے، لیکن جو محاسن شاعری خمناگی صفت میں آجاتے ہیں اسکے کلام میں پائے جاتے ہیں، اور اعلیٰ درجہ پر پائے جاتے ہیں، مثلاً لفظ و نشر مرتب۔

بہ روز بز نبرد آن میں ارجمند	پتشمیشہ و خجیر بگر ز و کمند
یلان را سرد سینہ و پاؤ دست	دلہید و پرید و شکست و پسبت

لفظ و نشر ح طلاق و مقابلہ۔

فر دشند بہ ماہی و بر شد بہ ماہ	بُن نیزہ و قیستہ بارگاہ
میانہ زبیں گرد میدان کہ بر شد بہ دشت	زینشش شد و آسان گمشتب

رزمیہ شاعری۔ رزمیہ شاعری جو کو انگریزی میں ایک پوچھ کتے ہیں، شاعری کے انواع میں سے بہترین انواع ہے، یورپ کے نزدیک دنیا کا سبک ٹراشا شاعر ہو مرہے اسکا کارنامہ فخری ہی رزمیہ شاعری ہی، ہما بھارت جو کوہنڈ و آسانی کتاب سمجھتے ہیں، وہ بھی ایک رزمیہ نظم ہے، اور اگر ان دونوں کے پہلو میں کسی کو جگہ دیکھا سکتی ہے تو وہ شاہنامہ ہو،

رزمیہ شاعری کے کمال کے چند شرائط ہیں، راقعہ ایسا ہتم باشان ہو جیسے نے

دنیا کی تاریخ میں کوئی انقلاب پیدا کر دیا ہو، لڑائی کے ہنگامہ کا بیان اس زور شور در پر رعب طریق سے کیا جائے کہ دل دھل جائیں، مرکز جگہ کے تمام ساز و سامان اور آلات واسطہ جگہ تفصیل سے بیان کئے ہائیں، سالار فوج اور مشہور بہادر کی لڑائی کے بیان میں لڑائی کے تمام راؤں پیچ ایک ایک کر کے دھاے جائیں، شاہنہامہ میں یہ تمام باتیں اعلیٰ درج پر پائی جاتی ہیں۔

زین پُخر و ش و ہوا پُخر و ش	ز لشکر بر آمد سرا سر خرد ش
زین شد ز لعل ستوران ستوه	ہل جل جہان لز لز ران شد رو شت دکو
گستہ نشد شب بر آمد ز کوہ	در فش از در فش گردہ از گروہ
از ان سایہ کا دیا نی در فش	در خشیدن تینہ مائے نبفش
ستارہ ہمے بر قشاذ سپر	تو گفتی کہ اند رشب تیر چپر
تو گفتی ہمے بر نتا بد سپاہ	ز میں گشت خلبان چو ابر سیاہ
زہر سو ہی بر شدہ چاک جاک	بلند آسمان چون زین شند خاک
زین باسواران بپیر در ہمے	دل کو گفتی مدر د ہمے
ہمے آسمان اند آمد ز جائے	ز بس نصرہ نا ل کرت نا مے
تو گفتی کہ خورشید شد لا جور د	پنان تیرہ شد روی گیتی ز گرد
زین خبب خلبان چود ریا نیل	بز دھرہ بکو گھٹ زندہ پیسل
چو برق در خشندہ پولا د تین	ز گرد سواران ہوا بست منع

ز جوش سواران داوازکوں	تو گفتی زین معج خواہد زون
وزان موج بر اوج خواهندون	زبس گردیدان که برشد پشت
زین شش شد و آسان گشت	زبس نیزه گرزو گوپال و تبغ
توفستی ہو اثر الہ باروز منع	ترکشته بھد دشت آور دگاہ
تن و دست و سربود و ترک کلاہ	بچو شمید دشت و تبوفید کوہ
ز جوش سواران ہر دگروہ	تو گفتی کروی زین آہن سرت
ز نیزه ہوانیز در جو فن است	

شاہنامہ میں لڑائی کے سامان اور اسلحہ جنگ کی اس قد تفصیل پائی جاتی ہے کہ ہم تفصیل بتاسکتے ہیں، کہ آج سے دہنرا رہس پلے آلات جنگ کیا کیا تھے پہلوان اور بہادر کیا کیا ہتھیار لگاتے تھے، لباس جنگ کیا کیا تھے، مثلاً لڑائی کے وقت جو بابے اسعمال ہوتے تھے، انکے یہ نام ہیں، تبیرہ - گاؤدم - خرمہ - کوس - طبل - نقارہ - کرناے - سغین -

اسلحہ جنگ یہ تھے، زرد - جوشن - خود مخفف - چار آئینہ - خفتان -

ترک - بیر بیان - برگستوان - آلات اور سامان جنگ یہ تھے، گوپال - گرزو - تبغ - سپر - در فرخ بخجر - ژوبین - ناولک - خشت - تبیر - خدا جنگ - کند - سنان - نیزہ - ژروپن - پرتاب - تبر زین - دبوس - قارورہ - شراع - عزراڈہ -

رایت۔ علم۔ در فش۔ اختر۔ سراپہ دھ۔

اتاں فوج اقلب۔ میمنہ۔ میسرہ۔ طلایہ۔ ساقہ دہار۔

اُس زمانے میں مجموعی فوج کے لڑانے کا فن نہ تھا ایسے یہ پتہ نہیں لگتا کہ سپہ سالار اس طریقے سے فوج کو لڑاتے تھے، رسم اگرچہ سپہ سالار تھا اور شاہنامہ ستر آپگو یا اُسی کی داستان ہے تاہم کہیں یہ پتہ نہیں لگتا، کہ اُس نے فوج کو کیون کر رکھا یا، طریقہ جنگ یہ تھا کہ ایک ایک پہلوان میدان میں آتا تھا، اور معزک آراہ تو تھا، ان معزک آراہیوں کو فردی ہی اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ سماں بندھ دیتا ہو۔

ٹالی کے جتنے طریقے تھے، یعنی کشتی لڑانا، تلوار چلانا، تیر ماننا، کندہ پھینکنا، پرچھی چلانا وغیرہ وغیرہ شاہنامہ میں سب ہی تفصیل پائے جاتے ہیں، اور جو جزوں کو جبان لکھا ہے اس طرح لکھا ہے کہ اسکا نقشہ انکھوں میں پھر جاتا ہے۔

تمدن زوالی شد در دند	زفرت اک بکشاو بیچان کمند	کندہ اندزی
چوانہنگ رزم یلان داشتے	کندے و گرنے گران داشتے	نام پہلوان
بیامد بغیری چدن پیل مست	کندے پ بازو و گر زی سبست	
بد و گفت کاموس چدین ہم	ہنر و دے این رشتہ اشعت خم	
بر گنجخت کاموس جنگی نبرد	ہم آور دادید باز در و برد	
بینداخت تینچ پرند آور شش	ہمی خواست اذتن گستمن شش	
سبر تینچ بر گردن رخش خورد	بیرون پر گستوان نبرد	

<p>گوپلیتن، حلقه کردان کند بر آنچه از جای خشمان تعاقب شده رخش با پروبال گران شد رکیب و سبک شد عنان</p>	<p>نمایم تن خشسانان گزند بنید اخت و افگند شاندر میان بران اندر آورده کرد شدن دال به رای ولیری بغیر دران</p>
<p>به نیروی تن گسلاند زمین گوپلیتن رخش را کر درام نگاون اندر آور دوزد پر زین بر خم کند اندر آور دچنگ</p>	<p>همی خواست آن خام خم کند شد از هوش کاموس خست خام عنان را به چمید و او را زین دو دست از پیش بتش چونگ</p>
<p>گزین کرد یک چوبه تیر خنگ نماوه بر و چار بر عقاب پرچم گوزن اندر آمد سکت خر و شل زخم پیخ چاچی بخوست</p>	<p>تیر ازی تھتن به بنده کرد دچنگ خدنگی بر آدر دیکان چواب پایید چاچی کمان را بدست ستون کرد چپ را خم کرد است</p>
<p>زچم گوزنان بر آمد خوش گزد کرد از حمره پشت او سپر زان زمان دست او داد بوس فلک گفت احسن، ملک گفت زه</p>	<p>چو سوارش آمد به پناه گوش چپکان بو سیده اگشت او چوزد تیر بر سینه اشکبوس تفه گفت گیر و قدر گفت او</p>
<p>چوبه خواه او چاره چو شد به چنگ</p>	<p>بزد بزد بر آشفته سه رات شد چون چنگ</p>

بیا مدد پر کرد اور گر کشم ب سر نیزہ لاسوی او کر دز و د پس پشت خود گردش آنکہ شان ز رہ برقش یک بیک بر و می کچو گان ز باد اند ر آید بر و می دوا سپت نگا و ر بہ آور و دہ پہ بدست گر س تھم نا مار دو گڑ سرا فراز و دو سپتین ن جنپید یک مرد بر پشت زین ہمہ گبر و گستوان چاک چاک گردن بر آور گر ز گران فر و کر د گر ز گران را ہن زین	غناں بر گر ایسہ د برد دشت اہب چو آشنتہ شد شیر، تندی نمود بدست اند رون نیزہ جانشنا بز و بر کمر سبند گرد آفرید ز زین بر گر قش پ کر دار گوی گر قند ازان پس دوال کر یکے بُد بُدست میل اسپندیار نیر کشیدند زی خوشتن ہمی نزور کر داین بیان آن من کف اندر دہان شان شدہ خون خاک چو ستم و سادید بفشر دران چوتھنگ اندر آور د با اوزین
--	--

شاہنامہ کا اثر شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے خلاف ہست سے اس اب

جمع تھے، سیکھ مقدم یکہ وہ سرتا پا غیر قومون کا کار نامہ تھا اور مسلمانوں کا جان
جہان ذکر آگیا تھا ہنایت حالات سے آنکھوں یاد کیا تھا۔

عرب راجیاے رسید سہت کار لقو بر تو اے چرخ گر دان تفو	ز شیر شتر خور دن و سو سوار کہ تختہ کیاں را کنند آ ر ز و
--	--

قادیہ کے مركب میں مسلمانوں نے بے نظیر شجاعت کے جو ہر دھلائے تھے
فردوسی نے اسکو بھی ڈھم کر کے دکھایا تھا، اس بات پر نہ ہبی گروہ میں عامناراضی
پھیلی، چنانچہ اسی زمانہ میں عمرناہمہ ریک کتاب لکھی گئی، جسکے دیباچہ میں سبب
تالیف یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیوں کے جھوٹ پچ قصے لکھ لیا
میں مشور کر دیے، ایسے یہ کتاب حضرت عمر فاروق کے حالات میں لکھی گئی، کہ
لوگوں کی توجہ اور ہر سے ہٹ جائے۔

چونکہ فردوسی نے سلطان محمود کی "جو لکھر شاہنامہ میں اسکو منضم کر دیا تھا" میں
لوگ شاہنامہ کو ہات لگاتے ڈرتے تھے، فردوسی چونکہ مع Cobb شاہی تھا ایسے بھی اسکی
تصنیف مقبول عام نہ سکتی ہو گی۔

یہ سب تھا ایکن فتح یہ ہوا کہ خراسان سے یکر بند اُنک درودیوار سی شاہنامہ کی
صد آنسے گئی، تقریب، تحریر، تصنیف تالیف، خلوت و جلوت، کوچ و بازار، اسکی آذاز
بازگشت سے گوئی اُٹھی، لوگ جب کام سے فارغ ہو کر بیٹھتے تو کوئی خوش لشیخ
حفظ شاہنامہ کے اشعار پڑھتا، اور شجاعت، اجانبازی، دلیری، حب وطن کا اثر
تمام مجلس پر چھا جاتا۔

سیکڑوں برس تک، سلاطین و امراء کی باہمی خط و کتابت میں شاہنامہ کی
اشعار جا بجا درج ہوتے تھے، اور دلیری اور بہادری کے موقعوں پر بے ساختہ

لہ یہ کتاب میری نظر سے گزرا ہو۔

سکے اشعار زبان سے نکل جاتے تھے، میدان جنگ میں رجنگ کے سچائے
شاہ نامہ کے اشعار پڑھتے جاتے تھے، سچوں کے اخیر فرمان رو اطغیل رسلان
میدان جنگ میں لڑکر جان دی تو شاہ نامہ کے یہ اشعار زبان پر تھے۔

من آن گُزِیک زخم برداشتمن	پر راہان جائے گزِ آشتم
چنان ہے برمودہم از پشتیان	کچان آسایشد، پر ایشان تین

شاہ نامہ ہی کے اثر نے، سیکھوں پرستک، ایران کی شاعری کو غزل سے
پاک رکھا، امتداد روز مانہ سے جب اسکا اثر گھٹا، اور عشق و عاشقی کے خیالات قوم
بن چیلئے گئے، تو دفعہ تما تاریخون کے طوفان نے مسلمانوں کی خاک تک اڑا دی
شاہ نامہ کی زبان | شاہ نامہ کی زبان، آج کی زبان سے اسقدر مختلف ہو کہ گویا دو
زبانین الگ الگ ہیں، اور یہ شاہ نامہ کی تخصیص نہیں، اُس زمانہ کے شعرا کی عام
زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی شاعرنے اسقدر الفاظ استعمال نہیں کئے ایسے
قردوں کی زبان پس بہت اور شعرا کے زیادہ پیکا نہ اور غیر انوس معلوم ہوتی ہی
شاہ نامہ کی زبان کی خصوصیات حسب ذہل ہیں۔

افمیر دن کی ترکیب، مثلًا۔

ع زشاردی رخان شان چوگل بردمید،

اب یون کیسین گے رخ بای ایشان،

۴۔ غیر جاند ارچمیر دن کی جمع الفونون سے مثلًا۔

- اگر عمر باشد مرا سالیان، یعنی سالما،
 ۳۔ اسم اور فعل کے آخرین الفاظ زائد مثلًا
 ع سیاک برآمد برہنہ تنا، یعنی تن،
 ع پسی روزگرستی ہے پچایا
 ۴۔ فارسی الفاظ پر تشدید مثلًا خوشی۔ زرہ۔ پرہ۔ ہم۔ ہڑہ۔ زرہ بفت.
 کرٹھی۔
- ۵۔ بعض زاید حرف، مثلًا چنان کے بجائے چونان۔ اشیا کے بجائے
 اشیوں اور چینیں کے بجائے چونہیں۔ فرشتہ کے بجائے فریشہ۔
 ۶۔ در کے بجائے اندر وون مثلًا۔
 ہجگ اندر وون گزہ کا ورنگ،
 ۷۔ تحرک بجائے ساکن، اور ساکن بجائے تحرک، غلا
 ع۔ بگویم ز مادرش وہماز پدرش ع نیا مدتا از شیر و زدیو باک۔
 ع پشادی ہمہ جان پر افشا نہ نہ۔
- ۸۔ بے کے پہلے الفاظ زائد،
 ع ابے اونبا شیم در جگ شاد۔
- ۹۔ دیا بجائے یا
- | | | |
|---------------------|-------------------------|---|
| ویا بارہ رسم جنگوے، | پ آخر نہ بے خداوند روے، |) |
|---------------------|-------------------------|---|

- ۱۰- کجا ہے معنی کہ
ع درشش کجا پیل پیکر بود،
۱۱- از بر ملعنی بر۔
- ع نشدت از بر کو ہے تند پیل یعنی بر کو ۵،
۱۲- ایچ بمنی پیچ۔
- ع زیکان نبود ایچ پیدا سرش،
۱۳- تماںے خطاب کا استعمال شا
- ع - ہزار انت کو دک دہم نوش لب، یعنی ہزار ان ترا،
چو آئی خیان کرت مراد وہوا است، یعنی کہ ترا
۱۴- اور اب منی اور ا
- چور ستم و رادی خیرہ چاند،
۱۵- ازو کے سچائے ازو ۵،
- بدر مادر آمد بہ پر سیدا زوی
۱۶- ازیرا بچائے ازین رو۔
- ع ازیرا سرت ز آسان بر ترا است۔ یعنی ازین رو،
۱۷- آزمایش کے سچائے آزمون

شکم بر زمین بر نہادی ہیون

نہادی بر و دست را آزمون

۱۸۔ میم متکلم کا حذف۔



اگر من نہ رفتے ہے ماں نہ رفتے یعنی اگر من نہ رفتے

ان تصرفات کے علاوہ سیکڑوں الفاظ میں جو بالکل مستروک ہو گئے یا ان کی صورتیں بدل گئیں، یا اُنکے بجائے اور اور الفاظ استعمال میں ہیں، مختصر اچھے الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

معنی	لفظ	معنی	لفظ
رینہ رینہ	مال مال	خاص	ویرہ ویرہ
تیر	تخش	شمار	مر
کلاہ آہنی	ترک	حالة	ایدون
صدای کمان	ترنگ	اینجا	ایر
پہاگندہ	تلاش	عظمیل	آخر
نزدیک آمدن	تنگ آمدن	زینت آرائش	آذین
ظرفیت کا لذشم باہند	جوہل	برق	اگر شپ
سفیدہ صح	چاک	آستین	آستی
صدمازون شمشیر	چاک چاک	بسان	پرسان
آواز گرُز	چنگنگیدن	اراوه	آنغاز
قبالہ اور دستاویز	چک	ظلم و ستم	افسوس

سیوم	سدیگه	چندیاندک	آند
شهر و شهرستان	شارسان	لات	امدرنور
صح	شیگیر	آفرین	افوش
خراسیدن	شنخودن	مغور	بادر
پاره کردن	شکردن	اسب	بارگی و باره
پیش کوای	غم	خرج	پاژ
خخت و نامرد	غرچ	حصہ	بنخش
خروش	غو	بلندی	بر ته
پلوان	گو	بکافی	بسنده
فروختن از آن	فروختن از آن	تصد و کار سازی	پیچ
فضیلت و بزرگی	فزوونی	شراب	گماز
گله اسب	فسیله	تریاک	پاز هر
دم دیال اسب	فش	استقبال کردن	پنیره
آلریست آر آلات هنگ	قاروه	آرسته	پر رام
نیزه کوچک	خشت	زبان پلوی	پلوانی
گز	ولوس	درجه کوه او مرتبه	در
پیراهن زنان	درع	عگفتیش بر لازاین شخص در بدر	

معنی	لفظ	معنی	لفظ
نام نخست است	سپردر سپر	دارای ایسا ته	درخت
نخیمه	ستاده	سپر چین	درقه
مهری	ستاره	دستخوان	دستار
و نخمه	ستودان	زنان تفاص	دست بند
راست و بلند	ستینخ	جامه سرو پا	دست حاچ
فرومایه	سرسری	وزیر عظم	دست رہت
شاخ کاؤ	سردن	عصا	دستوار
دوش	سفت	ذقر ساختن	ذفتر شکستن
ذنباله تازیانه	شیب	ساقه لشکر	دمار
چ	ماروح	لحاف	دواج
اصطراب	صلاب	چشم درخ و پیدا گشتن	دیدار
بید مُرخ	طبرون	صف	رده
نوعی از مرغ شکاری	طغول	لچمه	رزمه
کمره	قرطه	صف زده	رسنة
زراہ	کاتوزی	آمد و رفت کردن	رفت آوری
دیگچه	کالوشہ	زنگ	رنخ

ناب جوین	کشکین	در بان	روز بان
آب دهن	کفع	فاحشه	روپه
کمان	گلک	فلام و امرد	ریدک
بزرگ قوم	کنارنگ	مکار	سمین
پلوان	کند آور	عیچ و تاب	زیر
کوهسار	کوهسر	غارت	زخم
تحی گاه و کمر	گردگاه	کنات مغان که وقت	زفرم
مریون	گردگان	پستش گویند	زمی
گریز	گرنغ	زین	زنبار خود ردن
بسیار	گشن	عهد نخستن	زوار
مهارت شتر	ماهار	خادم زندان خانه	ثرکیدن
طعنه و ظرافت	مزتع	آهسته زیر لب گفتن	سان
ماچه علم	منجوق	عرض لشکر	همت
نفره	دیله	شگین و گران	نا باک
دیگ شنگی	هر کاره	بے باک	خ
هر زمان	هزمان	صفت لشکر	نووز
مانند	ها نند	هه نوز	

جان	هوش	پهلوان	نیو
چاروندان پیشین	یشک	نگسان	دان
جانور درندہ،		بادو فهم	دیر

اسدی طوسی

اقليم سخن در زم کا یہ دوسراتا جدار ہے، صاحب الشکر نے اسکو سلطان محمد کی سعید سیارہ میں شمار کیا ہے۔

اسدی کا نام علی بن احمد اور رکنیت ابو نصر ہے، مسلم اثر سب خانہ بھرم سے ملتا ہے تھیصل علوم کے بعد عراق کا سفر کیا اور مدینہ مطیعہ کے دربار میں رسانی حاصل کی، عراق سے آذربایجان آیا، یہاں کا نئیں بود لفعت کر کری تھا، اسکا ذریز نہایت قدروں علم و فن تھا، اُس نے اسدی سے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر عجم کو زندہ کیا تھم اُسی کے ہموطن اور ہم فن جو تم بھی پچھے یاد کار چھوڑ جاؤ، اسدی نے گرتا سب لکھ لکھ کر، ہم فنی کا حق ادا کیا، چنانچہ ان تمام واقعات کو خود دیباچہ میں لکھا ہے۔

گران مایو دستور شاهزادین	یکے پو و سردار دنیا و دین
پاد استداد سخنا سے نظر	ہمن گفت فردوسی پاک معز
دنان نامہ نام نکونواست است	پر شہنامہ گنی بیار است است
چو اور سخن چاکب اندیشہ	تو ہم شہری اور اہم پیشہ

ازان ہر ہاں نامہ پاسان
بنظم آرخرم کیے داستان
دولت شاہ نے لکھا ہے، اور اور تند کرہ تو یوں نے بھی اس کی تقلید کی ہے
کفر دوسی جب غزیم سے بھاگ کر مختلف شہر و دن سے گزرتا ہوا، وطن میں آیا اور
زندگی کے دن قریب آگئے، تو اسدی کو بلا کر کہا کہ شاہنما مہ کا کچھ حصہ ناتمام رہ گیا اور
میرے بعد کوں، اسکو پورا کر سکے گا، اسدی نے کہا جان اُستاد کچھ اندیشہ کی بات نہیں
میں اس خدمت کو انجام دوں گا، چنانچہ ایک رات دن میں چار ہزار شعر لکھ کر فردوسی کو
تسلی۔ فردوسی نہایت خوش ہوا اور وہ اشعار شاہنما میں اخل کر لیے یہ وہ اشعار ہیں جہاں عربی
خط اور ایرانی کی خلکست کا ذکر ہے،

لیکن ہاتھے نزدیک ایہ روایت، محض فرضی اور علاط ہے، نہ شاہنما مہ ناتمام
راہ تھا نہ اسدی فردوسی کا اسٹاد تھا، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمائش کر سکتا تھا
نہ ایک رات دن میں اسدی سے چار ہزار شعر لکھ جا سکتے تھے، ان سب پرستزادہ
کے اسدی کے اندان سے، ان اشعار کو مطلقًا مابینت نہیں۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہے کہ تھا نہیں جدت کا راستہ نکالا،
اکثر قصائد میں تمازنات لکھے ہیں اور یہ اسکا خاص ایجاد ہے، اور دو چیزوں کو لیکر
اسے نہ گرتا سپ نام میں فردوسی کا نام جس طرح لیا ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہو کہ
فردوسی اسکا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

پڑھنامہ فردوسی غزگو سے چواز پیش گوئید کان بُرُد گو سے

بایہم مناظرہ کرتا ہے ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلائل پیش کرتا ہے، اور بلآخر بادشاہ کی مح کی طرف گزینہ کرتا ہے، چنانچہ رات دن نہیں آسان، گبر و مسلم تو س درج، شب دروز کا مناظرہ جمع الفصحائیں نقل کیا ہے، اسے سبک پہلا شخص ہے جسے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی، چنانچہ اسے خاص ہات کا لکھا ہوا نسخہ دیانت کے کتب خانہ میں موجود ہے، سلگیں نے اس کتاب کو چھاپ کر شائع بھی کیا ہے۔

کلام پر رائے اسدی اگرچہ فردوسی دغیرہ کا ہ بصیرتیں افسوسیں بندی کے لحاظ سے، نظامی سے دوش بدش اور ایک خیل کی تعریف میں لکھا ہوا

کہ رفق دران کا لاندیشہ بود	چنان تنگ و در بھم کیے بیشہ بود
کہ اُس میں صرف خیال جل سکتا تھا،	اس طرح کا گھننا خیل بھتا
چ خطہ دہیران یک اندر دگر	درختاں سردار کشمیدہ بسر
جب طرح خوشنویون کی سطرين ہوتی ہیں	ایکے درخت اس طرح پاس پاس تھے
بھم در شدہ تنگ چون تار پوڈ	ہمہ شاخات اتابہ چڑھ کبود
اس طرح پیشی ہوئی تھیں جبل کٹجے ہیں باتا ہے	تمام شاخیں آسان تک
فرزو ہستہ گرد و گرہ درخت	تو گفتی سپاہی ہست در جبل سخت
ہر درخت ببلوان ہے	یہ علوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج روانی میں متعربی

لہ مسٹر براؤن کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی۔

سپر بگما و سنان نوک خار	کمان شاخ ماشان، ہم گز زبار
پے سپرا اور کاسنے بر چھیان تھیں	شانیخن، کمان تھیں، گز رچل تھے
نیگی رمش پوستہ رفتے رمور	تباہیدہ اندر دو سے از جیخ ہور
اسندھ عنا تھا کچھ بیٹی اسین جیتی تو سکھ تھا جانی	آفتاب کبھی اس میں چکانیں تھا

ایں قسم کی شبیہات، اور اس قسم کا مبانی، متوسطین بلکہ متأخرین کا انداز ہے
 باں بن ہے واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظروں کھانے میں احمدی کو فردوسی کی
 کم نای بیمن کہہ سکتے، گر خا سنے جان اثر دہا کو اڑاہے۔ اس موقع پر اثر دہا کی تصویر
 دیکھو کس طرح پھنسی ہے، اگلے زمانہ میں اثر دہا کی تصویر چو لوگون کے ذہن میں تھی یہ
 تھی کہ بیس نیس گز کا لمبا ہوتا ہے، آسے دو پڑے بڑے دانت تھی کی طرح بکھلے
 ہوتے ہیں، سانس لیتا ہے تو منجھ سے شعلہ نکلتے ہیں، سر پر کاشنے کی طرح بال
 ہوتے ہیں، جنم پر تھی کے کان کے برادر چھے ہوتے ہیں جو کوئی بیٹھ لیتا ہو
 اور کبھی پھیلا دیتا ہے، آنکھیں سارہ کی طرح دور سے چکتی ہیں،

بنا کا ہ آن اثر در آمد پہ یہ	شند اندر دردہ ہر سو سے بُنگر میہ
زیجید نش خبشنہ زدین	بران پشتہ ادا سینہ سایا گھنی
دوشکش جوشانگ گوزبان دراز	چوتاریک غاریے دہن کر دہ باز
دانت	دہان نقش دُور داشن سیم
دہان کمرہ آہن مشملہ دم	ز لف داش اول خارہ موسم
بیچی "س باگیستی کوم	پنجر
ز زہری مس	۲۲

د ر خشان چو در شب ساره ز دور	ب د در نفس هر د شبیش ز نور
همه سرش چون خار و مو بادست	گرده در گرده خم تا و دم تا پاشت
از ان ہ پیزه ^{۱۲۱} از گوش فیل	پیزه پیزه تن از زنگ نیل
گئے چو جو شن کشیدی دران	گئے چون سپر پر فگندیش باز
بفرنگ رفتے چکا کاں سنگ	چوب کوہ سوئے، بن زنگ نگ

غرض شاہنامہ اور سکندر نامہ کی بچ کی لڑی گر شاپ نامہ ہے، نظامی نے
غالباً اگر شاپ نامہ کو ساختے رکھ لکھ سکندر نامہ لکھا ہیں۔

منوچہری

و امغان وطن اپا لنج کنیت آحمد نام شخصت کلے لقب اور منوچہری شخص تھا
دولت شاہ نے اسکو لجھی کھا ہے اچونکہ نہایت دولتمند تھا اسیلئے شخصت کلے کے قبے
پکارا جاتا تھا، امیر منوچہری بن شمس المعالی امیر قابوس بن وکیم جو مشورہ میں اور
جر جان کافرا نوا تھا اور شمسہ ہمین تخت نشین ہتا تھا، یہ اس کے دربار میں ملازم
تھا، اس مناسبت سے منوچہری شخص کیا تھا، شمسہ ہمین منوچہری نے انتقال
کیا تو یہ غزین میں آیا اور عنصری کی بیخ میں قصیدہ لکھا ادا کیے دیوان میں موجود
، بیخ کے چند شری ہیں،

عضرش بے عیوب لبغیش و دیش بدقن	اوستاد اوستاد ان زمانه غصری
طبع او چون شعرو او هم بالماتحت اهم حسن	شعر او چون طبع او ہم بیت تکلف ہم بیٹ
رد به و عجاج و دیکش اجن و سیف فوزین	کو جیری و کو فرزدق کو ولیسد و کولبید
تاعزیزی روضہ مینند طبعی نسترن	گوفراز آنید و شعر او ستادم بشنوند
ہرچو و فردوس مار او عده کر دہ فتوں	شعر او فردوس راماند کہ اندر شعر او
لقط او انہار خمر و زنش انہار لبین	کو شراست الفاظ عذب او مختی سلیمل

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ اسے عضری کی شاگردی بھی اختیار کی تیکن یہ بھی

خوشنامہ کا ایک پہلو تھا، جس طرح قلمہ میں لوگ بہادر شاہ سے گلستان پڑھنے جایا کرتے تھے، اب حال غصري نے اسکو دربار شاہی میں پہنچایا اور سلطان محمد ابن محمود کے حضور میں تر خانی کا منصب ملا یعنی جب چاہتا در بار میں چلا جاتا تک روک ٹوک نہ تھی۔ مجید پندرہ روز کی سلطنت کے بعد یعنی سال ۷۲ھ میں گرفتار ہو کر قید ہوا اور اُسکے بجائی سلطان مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا منوجہری کے اکثر قصائد مسعود اہی کے میں یہن مسعود بھی اسکا نہایت قدر دان (ھت) یہا تک کہ در بار کے شرعاً سپر شک کرتے تھے ایک تصدید نہ منوجہری نے غفر کے لمحہ میں اسکا ذکر کیا ہے، تھی کاشی نے غلام صہلا لفکار میں لکھا ہے کہ منوجہری غصري، و عجبدی کا ہجھ عصر تھا، اور در بار میں غصري کے سوا اور تمام شرعا یا کہ فردوسی اور قرآن تک اس سے نیچے بیٹھتے تھے، لیکن منوجہری کے دیوان میں سلطان محمود کی شان میں کوئی تصدید نہیں اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود کے مرنے کے بعد غزین میں آیا ہے! اور اسی سے فردوسی کا ہم بزم نہیں ہو سکتا تھا۔

منوجہری فطرہ شاعر تھا، نہایت کم ستمی میں لوگ مختلف مشکل طریقین دیتے تھے اور وہ برجستہ ان طریقون میں تصدید کے اور غزل کہتا تھا۔
دیوان جو آج موجود ہے، اس میں تین ہزار شعر ہیں علی علی خان بتا

نے بڑی تلاش سے بھم پہچایا اور شائع کیا، فرانس میں اسکا دیوان نہایت احتمام اور تکلف سے چھپا ہے، فرنگ بھی ہی اور تمام مشکل اشعار کو حل کیا ہے یعنی میری نظر سے گزرا ہے اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، منوجہری نے ست سو ہدیں انتقال۔

کلام کی خصوصیات | منوجہری کے کلام میں اکثر ایسے خصوصیات ہیں جن سے ایسے معاصروں کا کلام بالکل خالی ہے، بلکہ ما بعد کے شعرا میں بھی ان کے نمونے غال خال پائے جاتے ہیں۔

(۱) سب بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شعرا سے عرب کی زیادہ تر تھیڈ کرتا ہے اس نے متعدد تھیڈ سے عربی تصانیم کے بھر اور قافیہ میں لکھے ہیں، ابو اشیف کا ایک تھیڈ ہے۔

سالقات واللیل ملنی اجران غواب یفح علی غصن بان

منوجہری ایسے جواب میں لکھتا ہے۔

چنانچہ بدھرو بدھو جانی	چو آشقتہ بازار بازار گانی
------------------------	---------------------------

مزہ وہاں آتا ہے جمان چند شعرا سے عرب کے نام لیکر کتنا ہو کہ فلاں شاعر نے خلیفہ اور امیر کی صبح میں زور کے تھیڈ سے لکھے اور اسیے ٹھیٹھے صلے حاصل کیئے، میں بھی اسی طرح تیر سے دربار میں آیا ہوں۔

شنیدم کہ عاشی بہ شریں خد	سوے سودہ بن علی الیمانی
--------------------------	-------------------------

بہ شیرین معانی دشیرین زبانی	بر و خواند شرے با لفاظ تازی
ہر اشتربان کئے از کلائی کوہ بُنیٰ توی ۱۷	کیے کار و ان اشتراکش دادش
باید منوجہ پری دا معانی	سوے تلخ عمر اپیان ہم بزمیان

کیجھو تخلص کس لطف سے کھپایا ہے۔

آخر میں تصریح کی ہو کہ یہ قصیدہ میں نے ابوالشیص کے جواب میں لکھا ہے ساتھ ہی قصیدہ کا مطلع بھی تفصیل کیا ہے۔

ابوالشیص اعرابی باتانی	بدان دزن یعنی شحر کنون کم کفته است
غراوب یعنی علی غصن بان	ساقاک واللیل ملقی اجنان

ابن المعتز کا ایک قصیدہ، سادات علوی کے معارضہ میں ہو۔

وَخَنْ بَنْوَ الْعَمَادِ لَلَّا يَهَا

اس قصیدہ پر منوجہ پری نے قصیدہ کھا ہے، اور لطف یہ کیا ہے کہ عربی ضمیر کو جوہ تھی اس سے فارسی میں جمع کا کام لیا ہے۔

فَنَدَ وَمُرْدَقَنْدِيلَ مُحَرَّبَا	چُوزَرْلَفَ شَبَ باز شد تا بہا
بُو شَمِيدَ بَرَ كَوَهَ سَجَابَ هَا	سَپِيدَه دَمَ از یَمَ سَرَبَ سَختَ
فَلَنْدَه بَرَ لَفَتَ اندر بَوَنَ تَابَ هَا	بِنْجَوَرَگَانَ سَاقَ آواز دَرَ وَ
بَجَسِيمَه بَهْجَوَ طَبَلاَبَ هَا	بِيَانِگَ نَخْسِينَ ازِينَ خَوَبَشَ
گَرَفتَ ارتِقَاعَ سَطَرَلَابَ هَا	بَحَمَ يَامَ آمد از نورَتَه

فارسی کے اور شعر کے بخلاف منوجہی کو شرارے عرب کے اکثر دیوان
حفظ یاد تھے، اور اس پر فخر کرتا تھا۔ ایک قصیدہ میں حاسد کو خطاب کر کے لکھتا ہے

من بے دیوان ختر از بیان و ازم زرب
عرب ۱۲

او تو سبیہ حلقة کا یہ قصیدہ یعنی میں پڑھ سکتے
لیسنی عکو عرب کے بیرون دیوان از بین

لاہبی بعحنٹ فاصحینا

عربی پر ایسکو یہ قدرت حاصل تھی کہ اپنے کلام میں عربی قصائد کی طرف
اشارے کرتا ہے اور انکے وہ مکملے جنکے نام سے وہ قصیدے شہور ہیں
بے تکلف تصمین کرتا جاتا ہے ایک قصیدے میں لکھتا ہے۔

امر، نقیس ولید و اخطل و عشقی میں
بللل ہا نوحہ کر ذمہ سے و بر رسم تی

شاعری عباس کر دو حمزہ کر دو طلحہ کرد
جعفر و سعد و سعید و سیدام القری

آنکہ گفت اخذتنا آنکہ گفت لاہبی
آنکہ گفت السیف اصدق انگفت الی المھوی

ارس شعر میں چار قصیدوں کے مطلعون کی طرف اشارہ ہے، یعنی

(رسبیہ معلقہ کا قصیدہ ہے) رسمیت اذ نتنا بنینا الا سماء

لاہبی بعحنٹ فاصحینا
(ابو تمام کا شہور قصیدہ ہے) جو تعمیر کیا ہے

السیف اصدق ابناء من اللتب
عوریہ کی فتح کی تقریب پر کھاگیا تھا

ابنی المھوی
(سبنی کا قصیدہ ہے)

ا سکے کلام میں آنتر عربی تلمیحات ہیں یہاں تک کہ مخف فارسی دان ایسکے

کلام سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتے، ایک قصیدہ کا مطلع ہے۔

نوروز بزرگا شست بصلح و مشکل	متالہما سے غرہ و تصویر ہائے
-----------------------------	-----------------------------

عرب میں لیلی و شیرین کے بجائے جن مشوقون کا نام آتا ہے، لیلے، سلے، رباب، غرة، میہ، بشیہ، دغیرہ ہیں، غرة، کشیر کی مشوق تھی، جو بوا میہ کے زمانہ کا تھا تو شاعر تھا، میہ، ذوالرمدہ کی مشوق تھی، اسی میہ کو منوچہری نے قافیہ کی ضرورت سے کہدا ہے۔

ایک اور قصیدہ میں لکھتا ہے،

بادنبین صناعت مانی کندہ ہو	مرغ حزین روایت معبد کندہ
----------------------------	--------------------------

معبد بوا میہ کے زمانہ کا مشہور معنی تھا، روایت کردن کے متن گانے کے ہیں، مرغ حزین سے ببل مراد ہے، یعنی ببل معبد کے راگ گاتی ہے۔

کشادہ مرغکان برشاخ چون دوجن برا	زین محرب اور دست از بین پنپدی
با شرح ابن جنی و با خوشبوے	بانظم ابن رومی و با شر اصمے
تو بولنلی آن درگان انبہ دُبی	آن جایگاہ دخجن سکران بود

(۲) اسکے کلام کی بڑی خصوصیت بھی روایت اور مشتملی ہے، یہ جو ہر اگر چہ سکا عام خاصہ ہے لیکن اسکے ساتھ اور مختلف باتیں جمع ہو گئی ہیں جن سے اونز ماڈ شیری اور دلا دنیہ پیدا ہو جاتی ہے، وہ اکثر شگفتہ رہنفین پیدا کرتا ہے،

کہیں کہیں مدد و رح کے نام کو ردیقت کرتا ہے اور وہاں گریز کے موقع پر مدد و رح کے نام سے خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، بعض جگہ کئی کئی شترنیش ^{لعلہ} صفات کی صفت میں لکھتا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ رشیم پر موئی ڈبلکتے جائے آتے ہیں۔

ماہ رمضان رفت مرا فتن ان:

برآمدن عید و بروان فتن رزو

بگزبیکفت دستم آن جام چوکثر

من ہی خورم تابود بردو کغم جام

چون ہی بدهی نوش ہجی لی ہیش

دل اے دوست تو دانی کہہا تو کند

لیگان مشک فروشی نکندر بیچ کے

پھ دعاکردی جاناں کہ چین حب شدی

از لطیفی کہ توئی اے بت واخیرتی

ایں جہان کرد بارے تو خداوند جہاں

سنما باز تو دلم بیچ خلیبانہ شود

بچرہ بت کر دم و دانا شدم نکار تون

نہ کشم ناز تراوہ نہ دبم دل پر تو ہم

۱۰ تین صفات کی مثال گھوڑے کی تعریف میں آئیں۔

وام خواهی نبود کو تقادار نشود پر درم نرم کنم گرچه مدارانه شود از درخسر و شاهنشهر زیانه شون زشتی از رده نکوز شست بود گردانی ایکن وعده هر آن چنیز کمی نتوانی بر نیایی ضمایا کار بین آسانی نه دهی داد من را از من بستانی نیتی لے بت کیباره پدرین نادانی مکن لے روست که کیفر بی دانی	گوئی آزد ولب من بوسه تاضا چنی بندار اویل تو فرم کنم او آخر کار و گراین عاشق نمید شود از در تو ضمایگر و سرم چند ہے گر دانی یا یکن آنکه شب رونمی و عاده دهی بل من بُردی را خوشنام دو کرنی مهربانی نکنی بر من و هم طلبی بیون غانی نکنی فدا دان سازی خوش از تو ما را نکنارون پیام دن سلام
--	---

کمن اے دوست کبید اولشانی نگذشت عدل باز آمدہ با بی المحسن عمرانی	فور فور روزگار و نشاط است و اینی خیل بیار خیمه بسحرا بر ون زند بر گل ہمی نشینی و بر گل، "یعنی ری، درست ناخیریده و مشک ہست یعنی شاخ بفتشم بزرانو نہاده سر
لہ دن یعنی خم شراب دنی، دنیدن سے مشق ہو جسکے معنی اکٹکے چلنے کے میں	

تا بھرشن دیدہ ہر لکھنے ناظر شود
بوستان آراستہ چون کلہنہ تاجر شود
دوستار و دستان خواجہ بوطنہ شہزاد

بادنوروزی ہی دلبوستان ساختو
بادنچون ذرگر دوہرسوئی سیاں بست
زوربار این جامہ صندگ پشتہ تاگر

منوچھری ناظر قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچتا ہے، صحراء، سبیرہ، بادل اسیا،
ہوا، غیرہ وغیرہ کے اوصان الکثر تصادم کی تھیں میں لکھنے میں اور اس خوبی سے لکھنے کے اگر
اس قسم کے اشعار الگ جمع کر دیسے جائیں تو یہ پر شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائیگا،
ایک تھیڈہ میں سفر کا حال لکھنے لکھنے آب وہوا کے طوفان کا حال لکھا ہے اس موقع
پر وہا کے جھونکے بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج، پانی کے سیالا کا نقشہ دیکھوں طرح کھینچا ہو۔

ہبوبش خارہ در و مارہ انفن
فرو بار دہنے ا جمار صدمن
کہ گیستی کرد، چون خنداکن
بنخار آب خیسخ زد ماہ ٹھبین
کیکے منخ از سینخ کوہ فاران
بادل ۲۷
کہ عمدآ در زنی آتش ہ خر من
کہ کردے گیتی تاریک روشن
کہ موے مردان کرنے چوہون
گبوش اندر و میدے کیے میدن

برآمد بادے از اتصاصے بابل
تو گفتی کز شنی کوہ سیلی
رزو سے بادیہ بر خاست گر دے
چنان کز رزو سے دریا بامدادان
بدآمد زانع زنگ، و مار پیکر
چنان چون صدہ بھاران خمین تر
بجستے هر زمان از تینخ بر تی
خر و شی بر کشیدے تنہ تندر
تو گفتی ناے روی ہز زمانے

بلز زیدے نے زین از زلزلہ سخت	کو کوہ اندر قادسے زو بگردان
تو گفتی ہر زمانے ٹنڈہ پیلے	بلز اندر ریخ پشکان تن
فرو بارید پارانے زگر دون	چان چون برگ گل بارو لکشن
و یا اندر تو زمی مہ ببارد	جنڈی او میتشر بر مام و بزن
ز محرا رسیلہا بر خاست ہرسو	و سار آنھک بیچان در زین کن
چ پہنگا م عزا یم زمی میسیزم	تبک خیزند تعبانان رین
نماز شماگا مان گشت صافی	سبک ایک ایک از بہان

بہار کی تعریف شعراءے ایران کا ایک عام موضوع ہے جس پر بتدا ہے آج تک سب طبع آزمائیں کرتے آئے ہیں، لیکن قدما اور متاخرین میں سے کسی ذمنوجہی کی طرح پیچر کی تصور نہیں کھلپی، اسے سیکڑوں جگہ بہار کا نقشہ دکھایا ہے، اور ہر جگہ گویا فطرت کی تصور یہ کھینچ کر کھل دی ہے، وہ اور شعر ای طرح صرف گل میبل پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ ایک ایک پتھے، پھول، بچل، شاخ، درخت، اور ان سب سے ٹھہر کر جانور و ان اور پرندوں کی صورت اور حالت دکھاتا ہے، پرندوں کی حالت۔

بکھانی بے آزار کر کوہ بلند اند	بے قوتھے کیا زندیم کے نہ نہ م
جز خارجیان جائیگہ خود نہ پنڈد	بر پلو ازین نیمه بیان نیمہ بند اند

لہ خارجیان خارج ار سہ دندند مخیر اند۔

هر ساعتی سینه منقار بزنداند
چون جنیع برو سینه و چون بسته منقار

گوئی که سحر گاه همی خواب گزنداند	شیخ پر زگل فانتکان بگز آزاد
از غالیه بله آنکه همی غالیه دارند	وقت هیچ آنگه برگردان نمیگارند

صد بار بر وزری در پنهان باشند
چون نیم دبیری که غلط کرده باشند

دآب جد حامه دگرباشند	هر ساعتی بط سخن چند گبود
گوئی که مگر چیزی د رآب بجاید	در آب کند گردن در آب بجاید

چون سینه بجلباند و یک نخت بپوید
از هر سر پیش بجای خود در شهوار

آمد نوروز و هسم از باد او	آمد نوروز و هسم از باد او
مژده مستان و بهاران بزادر	باز جهان خرم ذوب ایستاد

رابر سیمه بوسے سمن بوسے راد
اگستی گردید چو دار القرار

زلفک خشاد به پیر استند	زدے گل سرخ بیار استند
------------------------	-----------------------

له جنیع مرویلانی که سعید و سلمه باشد شه بسته بیوت. سلنه استاد که مفریان اس طرح بار بار این پرذکوئی ہیں رکھتی
چین اجس طرح کرذکو امور حساب دان بار بار حساب بھول جاتا ہے اور ہر کاغذ کو اٹھاتا ہے. لکھ اشعار. شمار.

	فاختگان مہبہ نہ شاستند	اک بکان بر کوہ تپک خاستند
	بلیکان زیرستاخواستند زیر دیم نامے زنان بر سر شاخ چنار	
	آئو کان گوش یا فرا خشنند زانغان گلزار ہر پرداختند	طوطیکان بر گلکان تاختند گورخان مینہا ساختند
	بے دلکان در پے دل تاختند عاشق با ترکان چچل و قندار	
	منغ نہ بیسی کہ چہ خواند ہئے دوست نہ بیسی بچہ ماند ہئے	منغ نہ بیسی کہ چہ خواند ہئے دشت نہ بیسی بچہ ماند ہئے
	بانغ بستان را بستاند ہئے بر سمن و سترن ولالم زار	
	کردہ گلو چڑ با در قری سنجاب پوش بلیکان با نشاط قمر بکان با خوش	
	سودن کافور بودی گلبن گوہ فروش از مردار دی ایشت دھرم بیت برین	
	زاغ سیہ پر و بال غالیہ آمیختہ چک ز شاخ درخت خوشین آمیختہ قائم مریضت	

		اپر بھاری زدوار اسپ سیاہ لوٹ رنخ نہ وزخم اسپ سیاہ لوٹ رنخ نہ
		در دہن لام بادر رنخ نہ سر و پنجیتہ رنخ نہ مشک سیاہ پنجیتہ در دین
سر و سماطی کشید بر دل ب جو مبار	چون دور ده چتر سبز دد و صعن کار	چون سپر خیر ران ب سر شاخ چمار
مرغ نہاد آشیان ب سر شاخ چمار		
گشت نگارین تدر و پہمان در کشت لار		پھو عروسی غریق در بن در سای چین
گونی بط سفید جامدہ بہامون رہ است	لکب دری ساق پائے قمع خون دست	لکب دری ساق پائے قمع خون دست
بر گل تر عندریب گنج فرد و ن زد است	نشکر چین در بمار در کمہ بہامون زد است	
لام سوے جو نیار خرگہ بیرون نزد است		
		خرگہ اوسنگوں خیسہ اواتشین

باول جب بہستے ہیں تو کبھی قطرہ اقتانی ہوتی ہے، کبھی تھنی تھنی پھوہار پڑتی ہے،
کبھی جھٹری لگ جاتی ہے، سبزہ پر مختلف قسم کے پھولوں پر املاک کی سطح پر باوند و نکے
پڑنے سے طرح کی صورتیں پیدا ہو کر ہر ایک کا اگ اگ سانظر آتا ہے، متوجہ بری اذ
ایک موقع پر شبیہات کے سیرے میں اسکی تصویر لکھنچی ہے۔
آن قطرہ بالاں میں ازا بر چکیدہ گشتہ سر بر گ ازان قطرہ اپنالا

آونیتے چون ریشہ دستار چہ سبز
 یا پھوز بردگون کیک دسترسون
 والان قطرہ باران کفر و بار و شیگر
 گوئی پھل بینی کافور ڈا جی
 والان قطرہ باران کفر و مایا ز شاخ
 گوئی که مشاطہ ز بر قرق عروسان
 والان قطرہ باران کچکدات برا لام
 پنداری تھال خرد ک بد مید سست
 والان قطرہ باران که بر اقد پر خود
 والان داڑھ ہانگر اندر شکر آب
 چون مرکن پر کارست ان قطرہ باران
 ہرگھ کہ مازان داڑھ انگیر دباران
 گوئی علمی از مقلاطون پسید سست
 والان داڑھ آب بسان خطر پکار
 گرد شکن آب دگر صورت و آثار
 دیدار نیک حلقو بسے سین قما

حلینہ نگاری یعنی کسی خاص چیز کا سراپا لکھنا اور اُسکے تمام اوصاف کا بیان
 کرنام تو چھری اسکا گویا موجود ہے، اقصاً مذین شعر بادشاہ کی محکم کے ساتھ تلوار

گلوڑے وغیرہ کی تعریف بھی کرتے ہیں، بعد اتوس جبلی اور عربی شیرازی اس میدان میں
رسبے آگے ہیں، لیکن ان کے ان بعض خیالی ابین میں نخلاف اسکے مشوچہری نے تصویر
کھینچکر رکھ دی ہے اسکے ساتھ اکثر صفت تباہی العفافات کا لفاظ کیا ہے، اور وہاں تکی
قدرت زبان کا اندازہ ہوتا ہے کہ بے مکلف وزدن اور تناسب افاظ کا انبار
اکٹا چلا جاتا ہے۔

نعل او پروین نشان و ستم او خالاشکن	حند اسپے مخلل مرکبہ تازہ می نشاد
شخ پور دولاہ جوی و سیل بر کمکن	لامرین دکش خرام و خوش عنان تیرگام
چون کمان جلن ماچ و چون سنان جلن جبن	پشت او می و دست و می گوشل و می و گوش
چون کسی کو گاه بازی یہ شیعید بر سن	گاہش اندر شیعید تازم کاہ تازم بر فراز

خوش عنان دکش خرام و پاک زاد نیکنی	دین خواب دن و خیز و تیر سیر و دو رین
تیر گوش پین پشت دزم جرم و خود و می	سخت پلکه دخشم داف راست رست گریسم
کوہ کوب و سیل بر تو شخ نور دولاہ جوی	اب سیر و بادگرد دور دن بانگ و برق چ
پیل گام و گرگ سینہ نگ تازو گلکی	گور ساق و شیرزہ هر و نوز تار و غیر عتیگ
یسم دنلان چاہ بینی نا و کام ولوح روی	تیر خشم آهن چکر فولاد ل نجنت سب
گردن گوش دم و سکم و دیان ساق دی	نیزه و گز و کمشند و ناخ و تیر و کمان
شیر نگس پیل قدم گور و و آہو پروان	بیرمہ بادگز ریون دو دکوہ قراد
تیر فربی و نزار و قمری و پن و دراز	گوخر و پللو و میان دکفت و جبهہ و ساق

وہ بیرون شخ شکن، او شیر دل، او بیر عنان خوش: و او نخت سم دیاں تاں جنگل غاز
 شوچہری نے اگرچہ کوئی شخوٹ نہیں لکھی جس سے واقعہ نگاری کی ترقی کا قدم
 آگے بڑھتا۔ میکن اکثر قصائد کی تکمید ہیں وہ واقعہ نگاری کا پیرایہ ڈھونڈھ لیتا ہے اور
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلسل داستان لکھ رہا ہے، ان موقعوں پر اس کی وقت
 بیان کا انهان ازہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض ماجھی کے لیے قصیدہ نہیں
 لکھتا، بلکہ زبان کی ترقی دینے کو پیش نظر رکھتا ہے، ایک قصیدہ میں عرب کے
 انداز پر قالدہ کی روائی، محبوب کی رخصت، اور سفر کے حالات لکھتے ہیں۔

که بیشتر ہنگ بیرون شد ز فرمان	الا یا حنگی خیس ر فرد هل،
شتر بانان ہے بندند محمل	بیتہ زن بز د طبل خستین:
مه و خور شید را بیشم مقابل	ماز شام نز دیک است هشب
فر و شد ا مقاب ا نکوه با بل	و لیکن ما دار د قصد با ل
که این کفہ شود زان کفہ ابل	چنان دو کفہ نز دین ترازو و
بیارید از مرره با لان دا بل	نگار من چو حال من چنان دید
چان مرغ که باشد نیم بل	بیا ما د اقان خیزان بز من
فر د او نخت ا ز من چن حائل	دو ساعد را حائل کر دیر من
نہاد م صابری را خنگ بر دل	چو پا گشت از من کیم ہشو قی مشو ق
بر جائے خیمه و جا سے برو حل	خنگ کر دم ہگ رکار دان گا ۵

ن دراکب دیدم آنجاؤنہ راحل
پیادہ ۲۵
چودیوے دستاویا اندر سال
چومرغے کش کشا یا ز جایل
غز و هشتم ہویش تابہ کاہل
بچویدم بپاے او مر ا حل
ہمہ کردم بپیک منزل دفتریل
لوگوئی دار دش بھاری هل
برآمد شیریان از کوهه موصل
چوکشی کور سد نزدیک ساحل
بان عنده یلبے از عنادل

شده وادی چا طراف سنابل
الایاد ستگیر مرد فاضل
بچم کبت آہین بن با دام غاصل
مناز اس اکوب در اگیل
فروع آور دن اعشقی ہیاہل

ن وحشی دیدم آنجاؤنہ نانے
نخیب خوش را دیدم ہیکسو
کشادم ہر دوز اونبد ش ازندہ
بڑا ورد مز بائیش از بنا کوش
چو مساجی کہ پیسا یزدین را
اہمی رفتم سفتستان در بیابان
اہمی گلداخت برف اندر بیابان
چو پاے از شب دیزندہ گلرخت
در سیدم من فر کار مان ٹنگ
بروس دستان گوناگون ہمیزند
زنوک نیزہ ہائے نیزہ داران
نخیب خوش را گفتم سکتر
بچم کت عزیزین بادا چراگاہ
بیابان در فور دو کوہ گندزار،
فرود آور بد رگاہ وزیرم،

قامت خن ہین سے منوجہی کے ملقطات مشور ہین اوہ درحقیقت ایں طرز کا موجود
لے سلطین چہ مصر شہ ہوتے ہیں جن ہین سے پانچ مصر عون کے قدر نیجے تحد پڑتے ہیں۔

اور خود بھی اسکو اپنے نہ ہے، چنانچہ کتاب ہے۔

ڈُتاج مُستحبِ منوجہ ہری،
ٹاؤں منجع عنصریِ خواند

ان سلطات میں اکثر جگہ واقعہ تکاری کے نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہیں ایک
سمط میں انگور دن کے پھلنے اور ان سے شراب کھینچنے کو ایک حکایت کے پیرا یہ میں
ادا کیا ہے، یعنی انگور ایک عورت ہے اُنے لڑکیاں جنی ہیں، انگور والا خوش ہو کر یہ
میری لڑکیاں ہیں، اکثر آگر کہتا ہے، اور خوش ہوتا ہے، اتفاق سے اُسے بابر
جانا پڑا اگر دیکھا تو بچون کے شرخ سفید، چہرے سیاہ ہو گئے ہیں، اور اُنکے پیٹ
خل آئے ہیں، اُسکا سخت لنج ہوا کہ یہ لڑکیاں بد کار نکلیں، لڑکیوں نے غدرِ خواہی کی
لیکن اُس نے نہ مانا اور اُنکے گلے کاٹ ڈالے، اسی طرح شراب کھینچنے کی اخیر حالت
تک حکایت کے پیرا یہ میں بیان کی ہے۔

شاخ انگور کیں ذخیر کان اد بے	کنه از در دن بالید و نه بر زند فے
چم راز اد بیک فند نہ پیش نہ پے	نور اقا بلہ بود نہ فریاد ر سے

امن پذین آسان فرزند بیست کے	کر ن در دے بگفت ش متو از نہ پے
-----------------------------	--------------------------------

چون گلگرد بیان ذخیر کان دوچک	سیر پو دندیکا یک چھنپیز و چھکبیر
اکر دشان ماوراء البتر تھہ از سبز حریر	آخورش داد مران بچگان را پیچ و زبر

نہ شغب کر ندا آن بچگان نہ پیچ فیسر	
------------------------------------	--

بچشمہ گر سندیدی کنمدار دشنبے

نہ جمیند و نہ جستند ازان پتھروپا	بچکانش نہادند تن خویش برآب
رو یا کسرہ کردند بزرگا خصاب	گدکر فند سرین، حکم کر فند قاب

دادشان رزبان بیوسته شراب پوچکاب
نشانه جانب شان فائسب روز و ن شبے

چون دل چون بگروچون تن چون جان ان	گفت پندار مکین دختر کان آن من غ
رز فرود سین سست ایشان بخوان من ان	تابایا شندورین رز دو، همان من ان

تادرین باع دورین خان دورین لان من ان
دارم اندر سرستان بسرا کشیده شطی

دید چون زنگی هر یک ل در دسته سیا	در چوکشا بدان دختر کان کر زنگاه
بچشمیچ چون خون او بچپن زر دچ کا	جای جای بچتا بان چون زیهو واه

سر گنو نساز شدم و رو تیره زگاه
هر یکی با شکم حامله و بانا ز بے

گفت لا حوال و لا حق آلا بالله	زربان را به دواروی در اتفاقه گز
امین بلاس بچگان در حق من آمنه	همه آبشن گشتند بیک بشب کر دم

نیست یکتن بیسان هنگان اید ریه
این چین زانیس باشد بچپن هر عذر

ماتن خویش بست بُنی آدم نه دیکم اتو نیم که از خلق جهان دو راهیم	دختران رنگو نید که مابله گینم اهمه سر لبر آبستن خور شید و سیم
نهادنیم که از ما دستاره تپهیم ز آفتاب دمه مان سودندار دهربے	
خویشن درنگند بر تن ماوسرا ماهتاب آید و برچپد در پکیر ما	روزه روزی خور شید تبابد بیما جهن شب آید بر و خور شید از محضرا
دین دو تن دور نه گردند زیام و دریما نکند، بچ کس این بے ادبان را او بے	
<p>منوجہری کی خصوصیات میں ایک بڑی چیز تشبیہ کی صفت ہے، جہان کی منظریاً حالت کا بیان کرتا ہے، اسیکڑوں نئی تشبیہیں پیدا کرتا جاتا ہے، اور یہ اس کا خاص نہایت اس بحث کے ساتھ کوئی تشبیہ جدت سے غالی نہیں ہوتی، اس زمانہ تک خیالی اور فرضی تشبیہیں پیدا نہیں ہوئی تھیں ایلئے عموماً تمام شعر محسوسات اور مادیات سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن دہی چند مفرغ تشبیہیں تھیں جو بار بار ادا ہو کر تینڈل ہو گئی تھیں منوجہری کی اکثر تشبیہیں مرکب ہیں اور اسکے ساتھ خاص جدت ہے، مثالیں ملاحظہ ہوں۔</p>	
<p>آفتاب کا صبح کے وقت جلد رجح طلوع ہونا۔</p>	<p>بکری دار چس راغ نیم مردہ کہ ہر ساعت فروزان گرد و شرفن یعنی آفتاب کی روشنی اس طرح آہستہ آہستہ طہتی جاتی ہو کہ جس طرح ایک چراغ جو بُجھو</p>

پلا تھا، اسیں کوئی شخص بتدریج تیل ڈالتا جاتا ہے۔

زمین کا بھونچال سے لرزنا۔

		تُوفَّتِی ہر زمانے زندہ پیلے	
--	--	------------------------------	--

یعنی زمین بھونچال سے اس طرح جبش میں ہے جو طحیٰ ہاتھ پھر دن کی اذیت دینے سے جھر جھریاں لیتا ہے۔

		ن ز رخ یک دست اور سجن	
--	--	-----------------------	--

یعنی پہلی رات کا چاند اس طرح نظر آتا ہے کہ کوئی ایسی نے طلاقی کوئے کے دونوں سر سے کھول دیے ہیں۔

		پکاہناء پین ز بر جد کند ہے	
--	--	----------------------------	--

بید کے پتے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ کوئی ایسی نے دانتہ زمرد کے پکایا جوڑ سے بنائے ہیں،

		ب و پ ک پکے نامہ نہ اندر من خوش	
--	--	---------------------------------	--

پندگو یا نامہ بر بے جسے خط کو اپنی پکڑی میں کھوں یا ہے، کبھی اسکو کھوتا ہو کبھی تکر کے لپیٹ لیتا ہے۔

بھوپل کثرا پنی کلخی کو پھیلا دیتا ہے اور پھر سمیٹ لیتا ہے۔

مناظر قدرت کے اسوار جو اوپر گزرے ہیں ان میں بھی اکثر شبیہات ہیں، ان کو

بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

لال

کے پتے

اور اسکی کلفتی

پانچویں و حصہ صدی

پانچویں صدی کے آغاز میں اگرچہ شاعری کی ترقی کی رفتار گھٹ گئی جکی وجہ یہ تھی
کہ اس صدی کے دس طیین غزنوی حکومت کا زوال شروع ہو چلا تھا اور نئی طاقیتیں
بھی شباب تک نہیں پہنچی تھیں لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوئے جبکہ غزنوی سلطنت کا
ورسلجو قیمی کی طرف منتقل ہو گیا، اونتھے بھرمن میں طوفان آگیا، سلجوقیہ کا پلا فزان روا رکن الدین
نخل بک تھا جو محض ۵۲۹ھ میں بقایا تھا اور منڈشیں ہوا، اس سلسلے نے اگرچہ صرف ۱۶۳
رس کی عمر پائی، لیکن اتنی ہی تھوڑی مدت میں جو باتیں انسے حاصل کیں تا سیخ اسلام کو
اس سے گوناگون اور وسیع تعلقات ہیں، اول تو اس سلطنت نے جو وحدت پیدا کی
بتدا سے اسلام سے آج تک کبھی کسی عمدہ میں نہیں ہوئی تھی، اسی کے ساتھ عدل
نصاف اور امن و امان کا یہ حال تھا کہ خراسان سے شام تک ایک رہرو تن تہنا سو
چھالتا جاتا تھا اور کوئی خبر نہیں ہوتھا، ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایران، عراق، روم
جن جو بڑی بڑی پُرزوں سلطنتیں تھیں، مگر انہیں، سبکی سب اسی سلسلہ کی شاضیں تھیں،
کوئی سے پہلے جو سلطین شاہان روم کہلاتے تھے، اسی خاندان کی ایک شاخ تھے
سلطین خوارزم شاہیں جنکی شوکت و شان محتاج بیان نہیں، انکا مورث اول، حسینی

تو شنگین، اسی خاندان کا غلام در علام تھا، اتا بکون کے متعدد خاندان جن میں سے نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین کا اقا، قریل رسلان نظیر فاریابی کا مددوچ، اور اتا بکت بکرن سعد زنگی شیخ سعدی کا مرتبی اور سرپرست تھا، سب اسی خاندان کے غلام، یا خدمگزار ہیں؛ بلو قیکی انج شباب کا زمانہ ملک شاہ اور بھر کا زمانہ ہے، اور یہی دور فارسی شاعری کا مروج شباب ہے، بلو قیکی شعر کی نہرست نہایت وسیع ہو جنیں سے چند نام ہیں امیر مغربی، ارزقی، لامحی، فخر الدین اسعد، شہابی خراسانی عبد الواسع، چبلی، انوری، حسن غزنوی، رضی الدین نیشاپوری، اویس پصارک، علی باخرزی فتوحی مروزی اور قدی، کافی ہمدانی، نظامی عروضی، نظامی گنجوی، عمس الدین حملسان سوزنی، ابوالمعالی، رمحی الفصخار کے دیباچہ میں اور بہت سے نام لکھے ہیں) اس دور کی چند خصوصیات کااظا کے قابل ہیں،

اس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی ایکن یہ ترقی صرف ضمون اور فون کی خلیت سے تھی، شاعری کی زبان اب تک مکانی نہ تھی، شاعری کی بنبیاد اسلامی حکومت میں قائم ہوئی، اور غزنوی کے عہد میں اوج ترقی تک پہنچی، ان خاندانوں کے پائی تخت، بخارا اور غزنیں تھے، جہاں کی مادری زبان، ترکی یا افغانی تھی اشعار جقد تھیں من حيث الا غلب سب کے سب اُنھیں مقالات کے رہنے والے تھے، جاہر ان کے لئے لک شدہ ۵۰۰ ہیں تخت نشین ہوا۔ ۱۰۰۵ء میں وفات پائی، اسکے بعد بھر نے اپنے بھائیوں کی طرف سے نیا قبیلہ برس سکا اور بھر تعلیم حکومت کی اور ۱۰۰۷ء میں انتقال کیا۔

اصلی مرکر یعنی شیراز اصفهان و مشاپور سے دور تھے، فرنخی، سیستانی تھا، عنصری لنج کا
رسنہنے والا تھا، منوچہری دامغان سے تعلق رکھتا تھا، عجیبی اور دقیقی مروکے رہنے
والے تھے۔

بلجو قیمہ نے بیشاپور کو پاسے تخت قرار دیا، اس تعلق سے اُن لوگوں میں شاعری
پھیلی جو ایران کی زبان کے اصلی مالک تھے، اسی کا اثر ہے کہ اب عمد کے شعر اکی زبان
زیادہ لطیف، شیرین، اور بجاورات اور معمولیات سے بہریز ہے۔

اس عمد میں فارسی زبان کی ترقی کی ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ اب تک تمام اسلامی
سلطنتوں کی علمی اور دفتری زبان عربی تھی، سلطان محمود، اپنے ملک اور قومی خصوصیت
کا دلدادہ تھا امام دفتر کی زبان اب کے عمد میں بھی عربی ہی رہی، فریض اور توقعات تک
ابی زبان میں لکھے جاتے تھے، لیکن اپ ارسلان بلجو قی جب تخت نشین ہوا تو اُس نے
حکم دیا کہ دفتر کی زبان فارسی کر دی جائے، چنانچہ دولت شاہ بلجو قی نے طبقہ اول کے
شرکا حبان ذکر شروع کیا ہے تفصیل سے اس داقعہ کو لکھا ہے، یہ ظاہر ہے کہ فارسی
زبان جسکے ع忿رین ترقی کا مادہ موجود تھا، سلطنت کی زبان بن کر سقدر ترقی کر گئی ہو گئی
سلطان سخنگر کی قدر داتی اور حاتماً فیاضی نے پھر وہی محمودی دربار قائم کر دیا
میر غفری کو ملک الشورا کا خطاب ملا اور ٹبرے ٹبرے شورا پاسے تخت کے شاعر قوار
پاسے دولت شاہ لکھتا ہو۔

اما ز شعرا می بزرگ کہ در دو سلطان سخن لوبہ اند، و مرح سلطان گفتہ اند،

و حمله و تربیت یافته، او دیپ صابر است در شید و طواط و عبد الواحش جلی
و فرید کاتب، و انوری خاورانی، و ملک عماری، و سورتی، و سید حسن غزنوی
و هستی دیرہ که محوب سلطان نظریہ روزگار بود لے
سنجکی شاعرانہ مذاق اور قدر دانی کی داستانیں اکثر تذکرہ دن میں نہ کوئی ہیں، اُنے
انمازہ ہو سکتا ہے کہ شاعری کی قدر و قیمت اُسکے دربار میں کیا تھی،
ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ، عیند کا چاند دیکھنے نکلا، سبے پہلے ہلال پر
اُسی کی نظر پڑی، خوشی سے اچھل پا، سب کو اٹکلی کے اشارہ سے بتایا۔ ساتھی ہمی حکم
دیا کہ کوئی شاعر فی البدیہ ہلال کی تعریف ہین شحرنا سے، مفری ای سوقت تک دربار میں
امیدواری کرتا تھا، موقع پا کر اُسے بر جستہ کہا۔

ایا چوکمان شهر یاری، گوئی	اسے ماہ چاہ بروان یاری، گوئی
در گوش پیر گوشواری، گوئی	نطہ زده از زرعیاری، گوئی

یعنی اے چاند تو ابردی محتوق ہے، یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل یا آسانی کا
کان کا آؤزیزہ،

سنجرنے اسپ خاصہ اور پانچھارہ در ہم عطا کئے، مفری نے پھر بر جستہ کہا۔

از خاک مر ایز براہ ماه کشید	چون آتش خاطر مرا شاہ بدیند ہے
چون بادی کے مرکب خاص نہ شید	چون آب یکے ترا نہ از من نہ شیند

اے دولت شاہ ذکر عمق سنجاری۔

سخنے ہزار دینار کے عطیہ کے ساتھ حکم دیا کہ شاہی لقب اسکے خطاب میں شامل کیا جائے،

چونکہ سخن کا لقب ممتاز الدین تھا اسیلے مغزی لقب ملا جو آج تخلص ہو کر مشہور ہے۔
ایک دفعہ سلطان سخنگانہ کیلئے رہا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے شوخی کی اور
سخنگھوڑے سے گر گیا، مغزی نے برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

شاہزادے کن، نلک بخورا	کو چشم رسانی سرخ نیکورا	گرگوی خطا کر دی چو گانش زن
ورا سپ خطا کر دب من سختی ولا		

یعنی اے بادشاہ اے سماں کو ذرا تینی کر دیجئے، اُنسنے آپ کو نظر لگا دی، اگر گنید کی
خطا ہے تو چو گان، سے اسکو مار دیے، اور گھوڑے کا قصور ہے تو میرے حوالہ فرمائیے
اخیر کا مصرع دو ہپور کھلہ ہے، سخنے گھوڑا مغزی کو عنایت کیا، مغزی نے دوبارہ
رباعی پڑھی کی۔

رفتم براسپ تاہم جوش بکشم	گفتاکہ نخست بنشوانیں عذر نوشم	نے کا ذریم کہ جہاں بگیرم
نے چرخ چاریں کہ خور کشیم		

یعنی میں نے گھوڑے کو سزا دینی چاہی، اُنسنے کہا کہ پہلے میرا غدر تو سن لیجئے، میں
کچھ گاؤزیں تو نہیں کہ عالم کا بار اٹھاول، نہ پڑھا آسمان ہوں کہ آفتاب کو لیے پھروں،
مطلوب یہ کہ سلطان سخن کا بار اٹھانا گاؤزیں اور آفتاب کا کام ہے۔

ملہ جمع الفصوا، اور خزانہ عامرہ وغیرہ۔

مُستی ایک مشہور شاعر تھی جبکی حاضر جوابیان افسنے لفاظ نظر میں فقرے میں شور
عالم ہیں سمجھ کر شاعرانہ صحبتوں میں وہ بھی شرکیں ہو کرتی تھیں ایک دفعہ مجلس صیش
قائم تھی مُستی بھی موجود تھی کسی کام سے باہر نکلی تو کیمپا برٹ پڑھی ہے اور اس
آئی سمجھنے پوچھا ہوا کیا رنگ بے نہستی نے فی البدیہ ربانی پڑھی۔

شاہانگت اسپ سعادتیں کر	وزر جامہ خسر و ان تراکیں کر
تماد حرکت، سمند زردیں نعلت	بر گل نہ هند پائے نہ میں سین کر

یعنی آسمان نے اس غرض سے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں خاک پر پہنے
نہ پائیں زمین پر چاند می بچا دی، سمجھنے ایت مخطوط ہوا اور اُسی دن سے مُستی سمجھ کر
حقروں میں داخل ہو گئی۔

غزنوی خاندان نے بھی اس عمدہ میں سنبھالا ایسا یہ براہم شاہ جو سلطان جنود
کی چوتھی پشتی میں تھا، اور شیرہ میں تخت نشیں ہوا تھا، نہایت شان و شوکت،
بادشاہ اور نہایت عالم و دست اور مرتب فن تھا، سچ فرشتہ میں ایکتا تذکرہ این
اغلوں سے خرید کیا گیا ہے۔

اوپاری دشائے بود، ذمی شوکت، و صاحب خشم، بالغا و فضلابیار ناشتے
و صحبت ایشان درست راشتے، و ہر کسی راجبدر غلشن رعایت کر دے
لہذا افضلاء آن روزگاہ را سکونتیں کتب ساخته اند و تصنیفات
پرداختہ اند۔

کلیلہ د منہ ج کا ترجمہ پہلوی زبان سے عبداللہ ابن المقفع نے عربی میں کیا تھا،
رام شاہ کے حکم سے فارسی زبان میں ترجمہ کی گئی، اور یہ پہلا دن تھا کہ ایران اور
ندوستان میں اسکا عام رواج ہوا، بہرام شاہ ہی کو یہ فخر نصیب ہوا کہ حکیم سنائی نے
تعلیمات دنیوی سے آزاد ہو چکے تھے، اپنی کتاب حدائقہ را کے نام پر لکھی اور بہرام
باہ نے ۷۲۰ھ میں وفات پائی)

ان سلطین کے علاوہ، اور بڑے بڑے دربار تھے جہاں شاعری کی تربیت
بیاتی تھی ان میں سبک زیادہ علم دوست طنان شاہ سلو قی تھا، چہار مقالہ میں لکھا ہو۔
آل سلو قی ہمہ شعر دوست بودند، اما ہمچکیں شعر دوست تراز طغان شاہ
الپ ارسلان نبود، محاورت و معاشرت اوہمہ باشنا بود و ندیاں اور ہمہ شعرا
بودند چون امیر عبداللہ قریشی والبکر از رہقی، والب منصور یوسف،
و شجاعی قری و احمد بیہی و حقیقی و سیمی اپنی امارت سب خدمت بودند
و آئندہ در فرمادیا رہا فرمد،

اسی طرح شرداران شاہ کے دربار کا ملک اشعار خاقانی اور خوارزم شاہ کا
مشید الدین دطوطا تھا۔

بہرام شاہ کے عہد کا یہ کان نامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ تصوف اور
خلاقی شاعری کا سنگ بنیاد اسی عہد میں رکھا گیا اور صدی کے ختم ہونے سے
پہلے چلے یہ عمارت گویا نجام کو پہنچ گئی بچنا بچنا سکی تفصیل حکیم سنائی، اور حدی

اور خواجہ فرید الدین عطار کے حالات میں آئیگی ۔

فلسفیانہ شاعری بھی اسی درکی یادگار ہے، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار میں ادا کیے لیکن دممحض فلسفہ ہی فلسفہ تھا، شاعری نہ تھی، برعکس اسکے اس عہد میں عمر خیام نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز سے ادا کیا کہ ظاہر ہیں ادمی کو اس میں صرف شاعری نظر آتی ہے، حالانکہ وہ فلسفیانہ نازک مسائل ہیں جو دلکش اور دلفر میں پیرایہ میں ادا کر دینے گئے ہیں۔

اس عہد تک، شاعری میں عشق و عاشقی کی روح نہ تھی، انہوںی از زم پر بعد و تھی قصائد کا قصود مایہ تھا، تشبیب میں مشوق کا جو ذکر کرتے تھے، وہ صرف عرب کے قصائد کا اتباع تھا، ساقی اور حسین پچون کا ذکر کرتے تھے تو اس سے مختص تفریح مقصود ہوتی تھی، جس طرح امر کے ہاں، تانگی نظر کے لیے بیش خدمت اور غلام حسین اور خوش رکھے جاتے تھے، اس عہد میں نظامی نے عشقیہ شاعری کی جدا گاہ صنف قائم کر دی، عرب و عجم میں، عاشقی میں جن امور تھے یعنی مجنون و فرماد، انکے حالات میں شنویان لکھیں صرف عاشقا نہ جا بات اور خیالات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بزم اور عاشقا نہ خیال است اظہار کے لیے سقل اسٹرچ پر پیدا کر دیا جسرا گے چلکر متاخر ہیں نے ٹرپی ٹرپی عمارتیں قائم کیں، غزل گوئی کی ایجاد کو سعدی سے خوب ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس صنکرد کے

اُذر نظامی (ای میں)

تحصا ملکی صنف کو چندان ترقی نہیں ہوئی، مصنایں میں تو کسی قسم کی جدت پیدا

بن ہوئی، ماحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیان کمال کے درج پر
جمع گینہ عبد الواح جملی، اور رشید الدین و طواط نے الفاظ پر اس قدر قالب پیدا کر لیا
جس نوع جس تکیب، جس نداز کے الفاظ چاہتے ہیں، انکا انتبار لگادیتے ہیں، تصدیق
کے قصیدے ہیں جن میں تمام الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں جیکو اصطلاح
ن صفت طباق کتے ہیں، بعض قصیدے دوں میں التزام کر لیا ہے کہ الف کا حرف
رسبے عام حرف ہے مائن پے، باوجود اسکے یہ قضاۓ ایسے برجستہ اور روائیں
جب تک بتانہ دیا جائے کہ اس میں رس صفت کا التزام کیا گیا ہے، اس طرف
یاں بھی منتقل نہیں ہو سکتا، اکثر قصیدے دوں میں یہ التزام ہے کہ ہر مرصع میں پانچ
چیخ پچھوچھ الفاظ ہیں، اور پہلے مرصع میں جقدار الفاظ آئے ہیں، دوسرے مرصع
کے تمام الفاظ، بھی ایکیں الفاظ کے مجوز، بلکہ ہم قافیہ ہیں، باوجود اسکے کسی قسم کا
معنی نہیں معلوم ہوتا۔

عبد الواح جملی نے مجمع کو ٹافیون تک پہنچایا جس سے وہ صورت پیدا
دگنی جسکو عوام بھر طویل کتے ہیں، مثلاً۔
یاصاحبی ایش الجزاں سرو قد سیمہ بر عشت او گشم سمر تشنہ ب دختہ هجرا بر کندہ
ان افگنده سر، بالا م خشک و خپم تر، کردہ زخم زیر وزیر، دنیا و دین، وجان و تن،
ایک مرصع ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب بارش اچھی ہوتی ہے، الوجا اور گیوں کے ساتھ مختلف

قلم کی زہریلی گھانس اور خاردار درخت اور بٹے بھی پیدا ہو جاتے ہیں، چنانچہ شاعری کے
چمن میں، بھوکا خازنا اسی عہد کی یادگار ہے، جسکے چین آڑا نوری اور سونتی ہیں
اہم اس دور کے چند مشہور شعر کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

حکیم سنائی

محمد دنام، ابو الجلنیت، سنائی شخص، غزین وطن تھا، ابتداء میں شاعری کا
پیشہ کرتے تھے، چنانچہ ہب رام شاہ کی بمحی میں بہت سے قصائد لکھے جو دیوان میں موجود
ہیں، لیکن پھر خدا نے توفیق دی اور توہہ کی، توہہ کا سبب ایک دچکپ قصہ، ہب رام
شاہ ہندوستان کی حکومت پر جا رہا تھا، حکیم سنائی نے جاہا کہ اس تقریب سے قصیدہ مدد
لکھ کر پیش کریں، قصیدہ تیار کر کے، دربار کے قصہ سے چلے، راہ میں ایک حام ہوتا
یہاں ایک پاگل رہا کرتا تھا، اسکا معمول تھا کہ شراب خانوں سے شراب کی تجھٹ
مانگ لایا کرتا اور پیکر مدت پڑا رہتا، اسی لیے اسکو لا نے خوار کرتے تھے، حکیم سنائی
حام کے برابر سے نکلے، تغمضا نے کی آواز منی، طہر گئے، دیکھا تو لامی خوار ساتی سے
کھہ رہا ہے کہ ابرا ہیم شاہ کے اندر ہیں کے صدقہ میں ایک پایا دینا، ساتی نے کہا کیا
نحو بکتے ہو، ابرا ہیم شاہ نہایت عامل بادشاہ ہے، پاگل نے کہا، ابھی غزین کے انتظام
کے عہدہ برلنیں ہوا، دوسرا سے ملک کا ارادہ کرتا ہے اس سے ٹڑھ کر کیا حماقت تھی
یہ کہہ کر پایا اٹھایا اور پی گیا، پھر ساتی سے کہا کہ سنائی کے اندر ہیں کے

سد قہیں ایک پیالہ اور لانا، ساقی نے کہا، سنانی نہایت خوش فکر اور خوش طبع شاعر عرو
شکی بڑائی کیون کرتے ہو؟ پاگل نے کہا اس سے بڑھ کر کیا حادثت ہو گئی کہ دوچار جھوٹ
پیچ باتیں جو بڑھ کر کسی بیوقوف نہیں کے پاس جاتا ہے، ادب سے دست بستہ کھڑا ہوتا
ہے، اور اُسکو صاحب ہے قیامت میں اگر سوال ہوا کہ دربار میں کیا لایا ہے، تو کیا

جو اب دیکھا گیا

حکیم سنانی پر یہ اس ہوا کہ اُسی وقت سب چھوڑ چھاڑ گو شہنشین ہو کر ملٹھی گئے اور
یہ تباہ حاصل کیا کہ یا تو ہرام شاہ کے دربار میں بھی کرتے تھے، یا ہرام شاہ نے اپنی بہن کو
اُنکے عقد نکاح میں دینا چاہا اور انہوں نے انکار کیا، چنانچہ ہرام شاہ کو جواب میں لکھا

من نہ مرد زن و زرد جا ہسم	بندگا گرفشم و گر خوا ہسم	
گر تو ما جسم دہی ز راحا نم	پسر دو کہ تاج نہ ستانم	

یہ پیغمبا میں لکھا ہے کہ سر دپا برہنسہ حج کو گئے، اور ان سے واپس اگر غریبین میں
گو شہنشی انتیار کی نگئے پاؤں غریبین کے گلی کوچن میں پھرا کرتے تھے، ابکے غریب نہ کو
رم جنم آتا، ان کو اس حالت میں دیکھتے تو بے اختیار رو دتیے، یہ انکو سمجھاتے کہ میری حالت
پر رفاقت نہیں، بلکہ خوشی کرنی چاہیے، ایک دن لوگوں نے جوئی لا کر پیش کی، ان کی خاطر
سے پن لی، لیکن آتنا تعلق بھی ان کی حالت میں خلل انداز ہوا، چنانچہ دوسرا دن
جوئی اُتار کر پہنکدی اور کہا کہ جو بات مجھ میں کل تھی آج نہیں، امیر خسرو نے اسی

لطف نفقات الانس میں ہرام شاہ کے بجائے سلطان محمد دکانم لکھا ہے، یہی بنابر تابع فرشتہ میں س داعمہ سو انکار کیا ہے،

و اقمعہ کی طرف ایک قصیدہ میں اشارہ کیا ہے۔

نیست مدبر آن ترک از خود بدار و گفت انگل	ہر خنگان از پاشتا نیش و میں ملت لا در است
---	---

ایک رئیس نے انگلی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، ان کو خبر ہوئی اسی وقت
رئیس کو خط لکھا کہ

ان املوک اذ ادخلوا قریۃ افسد و هم گو خنگ دل این گوشہ گزنه
را به تقدستا نیش خود خراب نکند حبیم حیرا این سندہ نہ سزا خشم
خداوندی است ۱۷

اس زمانہ میں شیخ ابو یوسف ہمدانی مشہور مstanع میں سے تھے حکیم سنائی نے اُن سے
بیعت کی، شیخ ابو یوسف ابو علی فارمادی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پریپن اُس شرط
سے حکیم سنائی، امام غزالی کے برادر نزادہ ہیں۔

حکیم سنائی نے جب حدیقہ تصنیف کی، تو چونکہ اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو عام
عقائد کے خلاف ہیں، اسیلے علمانے سخت مخالفت کی، یہاں تک کہ ہب رام شاہ تک خلافیت
پہنچی، ہب رام شاہ نے، دارالخلافۃ بنگداد سے استفتا طلب کیا، وہاں کے علمانے لکھا کہ یہ
سائل قابل اعتراض نہیں، حکیم سنائی نے اپنی برادرت کے تعلق، ایک خط بھی ہب رام
شاہ کے نام لکھا، عبد القادر بدایوی نے اس خط کو پورا نقل کیا ہے، اس خط سے معلوم
ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے کہ حکیم سنائی نے حدیقہ میں بنی امیہ کی نہادت

سلو یہ تمام تفصیل دولت شاہ میں ہے ۱۷ نفائی ۱۲

بُراں ای کلکھی تھی اور اہل بیت کی مرح میں سبانہ کیا تھا، حکیم سنائی نے ان دونوں باتوں کو تسلیم کیا اور لکھا کہ آل مردان کی بُراں خود احادیث میں آئی ہے، لیکن حکیم صاحب، محدث نہ تھے ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ کوآل مردان کی بُراں میں شک نہیں، لیکن حدیثین جو اُنکی شان میں مذکور ہیں، سب وضیع اور جعلی ہیں۔

حکیم سنائی کی وفات میں نخت اختلاف ہے تاریخ فرشتہ میں تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہیرام شاہ کے زمانہ میں وفات پائی، ابھی تاریخ میں بعض فضلا کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ میں انتقال ہوا، اور اسی سنت میں حدیقہ بھی تمام ہوئی تھی، دولت شاہ نے ۶۰۶ھ میں لکھا ہے، ریاض العارفین میں ۵۲۶ھ ہے۔

نفات میں لکھا ہو کہ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا۔

بازگشتم زانچہ گفتم زان کمزیت	در سخن معنو در معنی سخن
حکیم سنائی کی تصنیفات میں ایک کلیات بنے جس میں تیس ہزار شعر ہیں، سات تصنیفات شنیوان ہیں۔ حدیقة مسیر العباد، کارت نامہ ملخ، طریق الحقيقة، عشق نامہ، عقل نامہ، ہبہ و زہر، ہیرام۔ حدیقہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے، باقی شنیوان ناپید ہیں، البتہ سیر العباد کی بہت سے اشعار مجمع الفصحاء میں نقل کیے ہیں، حدیقہ کی بھرا اور دھی انداز ہے۔	کلیات میں تصاویر، قطعے، غزلیں، رباعیان سب کچھ ہے، اور افسوس یہ ہے کہ ان پھولوں میں ہجوس کے کاٹنے بھی ہیں۔

حکیم سنائی کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

ا۔ تشبیب اور قصائد میں انخون نے گواپنے اور تمام معاصرین کی طرح کوئی جدت نہیں پیدا کی، لیکن پنگلی، برجتگی، اور صفائی میں انکا کلام، تمام معاصرین سے متاز ہے اور قدما میں بھی، فرخی کے سو، اس خصوصیت میں کمی اُنکا ہمسر نہیں، فرخی کے قصیدہ کا جو اب لکھا ہے، اُسکے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

با کیے پیر ہنے بالکھ طرفہ بر سر	دوش سرست نگارین من آن طرفہ پسر
کر دہ از غایت ولنگی صد گونہ بطر	از سر کو چہ فرود آمد متواری دار
ژالہ ژالہ عرق از عارض او کر ده اثر	زم زر مک ہمی آن نرگس پُر خواب کشاد
انیت شوریدہ نگارانیت شکر بوسہ لہسر	بو سہ بر دل بمن واد ہمی از پے غدر
پچھے علگ شکر و خرمیں گلِ تنگ بہ بر	شا دمان گشتم ازین کار و گرفتہ کنار
باد و چشم رو رخش تا به سحر چفت سر	او شدہ خواب دمن از بو سہ زدن و دوش
تاقہ بر داشتم از بو سہ هر چیزے بر	خود کہ داندہ کہ دران نیم شب از متی ام

یہی مضمون ہے جس کو قاتمی نے زیادہ لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

حالتِ مست کہ در بستہ رہ شیارا فتد	مست در بستہ من خفند و زمان داند
خیالات اور طرز ادایم کہیں کہیں جدت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً کمری، دشمن	شجر بہ کی طرح میں جو قصیدہ کہا ہے اُسی میں ایک قطعہ بند ہو۔
ز جنت چہ کشی در طلب گو ہر فرد بر	در زنیدت در زنگ کلاہ و گرفتہ خوش
لین را بہ کلہ بزدن و آن را بہ کم بر	لین اشک میں در زنگ لخ من بہر خوش

یعنی اسے معموق اپنے کرنند، اور کلاہ کی زینت میں اسقدر زحمت کیوں اٹھاتا ہو
میر آنسو، اور میرے چہرہ کا رنگ، لیکر کلاہ اور کمر پر لگائے کہ زر و گہر کا کام دنیگے آنسو
گوہر اور چہرہ کا رنگ زردی کی وجہ سے زر کے مشابہ ہے۔

۲- حکم سنائی پہلے شخص ہیں جنے تصوف، کو شاعری سے روشناس کیا اُس سے
پہلے حضرت ابو سید ابو الحسن علیہ کی چند رباعیان تصوف یہن پائی جاتی ہیں لیکن اُن میں
صرف جوش عشق کو پر زور طریقہ سے ادا کیا ہے، تصوف کے مسائل، اسرار، اور
معارف نہیں، بخلاف اسکے حکم سنائی کی تصنیفات تصوف کی مستقل تصنیفیں ہیں خود
حکیم صاحب کو بھی اسکا دعویٰ ہے چنانچہ حدیقہ میں کہتے ہیں۔

کس نے گفت این چین سخن بجا زین نظر ہر چہ در جان سخن است چون زرق آن گذشتی ذرا خبار	در کسی گفت، گو پیار و نجوان گر کیے در ہزار، آن من است میست کس را زین نظر گفتار	از حکیم غزنوی بشنو تسام ما ز پیں سنائی دوچشم او
ترک چو شے کر ده من نیم خام عطار درج بود سنائی دوچشم او	از حکیم غزنوی بشنو تسام ما ز پیں سنائی دوچشم او	ترک چو شے کر ده من نیم خام عطار درج بود سنائی دوچشم او

ہیں دعویٰ کو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں مولانا روم فرماتے ہیں،
حدیقہ میں تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا ہے، اور یہاں
دو بی سے ادا کیا ہے، اس کتاب کے چوتھے حصہ میں جہاں صوفیانہ شاعری پریلویو
ہو گا، حدیقہ کے انتخابات درج کئے جائیں گے۔

۳۔ قدما کی شاعری اگر پنچھل شاعری تھی، لیکن طرزِ ادا شاعر انتہا، جس بات کو ہنا اپنے تھے، صاف بنت تکلف، سیدھے سادھے طور پر کہدیتے تھے، معمولی بات کو انوکھے پڑائے میں ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے نظریاً اس تسلیم پیدا کرنا، تو سطین اور ماحریں کا جو ہر بھے، لیکن اسکے موجہ حکیم سنائی ہیں، اب اجال کی تفصیل آگئے آتی ہے۔

۴۔ اخلاقی شاعری کی بنیاد پھی حکیم سنائی نے قائم کی، اور گواگے چلکر، اس صفت کو بہت وحشت ہوئی، لیکن اصول اور رائیں حکیم سنائی نے قائم کر دیے تھے، اخلاقی شاعری کی سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ جو بات کہی جائے اسکے لیے پیراہ بیان اس ادھونڈھا جائے کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے کسی نے اسکی اصلی حقیقت نہیں ظاہر کی تھی، اور یہ کہ وہ جس کام کو معمولی بات سمجھتا تھا، وہ نہایت نفرت انگیز اور بدترین افعال ہے، اسکے لیے شاعر کو ضرور ہے کہ وہ سامنے کی باتوں سے ایسے نتائج پیدا کرے جو بظاہر بالکل اچھوتے معلوم ہوں، اور جس کی طرف خیال نہ گیا جو شللایہ بات عام ہے کہ طبیب جس چیزوں کو منع کر دیتا ہے لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں لیکن شرعیت کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، اب دیکھو حکیم سنائی اس واقعہ سے نصیحت کا کیا پہلو، پیدا کرتے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ طبیب اکثر پارسی، عیسائی، یہودی ہوتے ہیں، یہ بھی دیکھا کہ جن چیزوں کو طبیب منع کر دیتا ہے اکثر حال ہوتی ہیں، شلل احوال میانی وغیرہ، اور شرعیت جن چیزوں کو منع کرتی ہے، وہ مُصر اور ناجائز ہوتی ہیں، ان باتوں سے انہوں نے اس طرح کام لیا۔

تر اتر ساہنے گوید کہ در صفا مخور حلوا ولیک از بہر تن بانی، علال زگفتہ، ترسا	زہر دین تو نگذاری حرام از حرمت دان
--	------------------------------------

یعنی خدا نے حکم دیا کہ شراب نہ پیو، اور عیسائی طبیب، کہما ہے کہ حلوانہ کھاؤ، حلاں
حلال چیز تھی، اسکو تو تم نے ایک عیسائی کے کھنے سے چھوڑ دیا، اور شراب جو کو تم خود
بھی ناجائز سمجھتے ہو، اخذ کے کھنے سے بھی نہیں چھوڑتے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم خدا
کے حکم کو ایک عیسائی کی بات کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

اس قدر ہر شخص جانتا ہے کہ انسان مرکر ا تمام جھگٹوں سے چھوٹ جاتا ہو، اس سے
حکم سنائی نے نصیحت کا یہ پیرا ہے پیدا کیا ہو۔

باہمہ خلق جہان، گر چہا لان	بیشتر گرہ و کم تر یہ رہ اند
آن چنان زی کہ چو میری بیجا	نچنان زی کہ چو میری برہند

یعنی لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ کہ جب مرد تو تم جھگٹوں سے چھوٹ جاؤ نیک
جب تم مرد تو لوگ جھگٹے سے چھوٹیں، یعنی تمہارے افال سے ہر شخص تنگ
آرہا تھا ایلے جب تم مرد گے تو لوگوں کو نجات ہوگی،

شراب کی بُرا نی کا یہ پہلو ہر شخص جانتا ہے کہ نہیں انسان بہدوہ بتتا ہے گلابی
دیتا ہے، لڑتا ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان نشہ کی حالت میں
فیاض اور کرم گستربن جاتا ہے اور یہ تعریف کا پہلو ہے، اب دیکھو شاعر اس
تعریفی پہلو سے کیونکر شراب کی بُرا نی کا یقین دلاتا ہے؟

نکند عاقل مسی، نخورد دنایے	زند مردم هشیار سوی مسی پے
گر کنی بخشش گویند کرمے کر دنادو	در نہ کنی عربہ گویند کراما کرد نہ تر

یعنی شراب ایسی چیز ہے کہ انسان اگر سخاوت بھی کرتا ہے تو لوگ اُس کی طرف نسب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شراب کافیض ہے،

از پے رزو قبول عامہ خود را خر مکن	نزان کہ بنو دکار عامہ، خر خرسی، یا فر فری
کا وس ادا زند پا و در خدائی عالمیان	نوح را باور زندانہ پے پیغمبری

اُس قدر سب جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے گو سالکی پرشش کی تھی اور آج بھی ہندوؤں کے نزدیک، گائے نہایت مقدس چیز ہے ایسی بھی معلوم ہو کہ حضرت نوح کو ان کی امت نے پیغمبر سیلم نہیں کیا، ان دونوں باتوں سے شاعر نیجہ نکلا کہ عوام کا رزو قبول کس قدر ناقابل اعتبار ہے، مانسے پر آئے تو گائے کے بچپڑے کو خدا بنا دیا، اور انکار کی طرف بھلکے تو حضرت نوح کو پیغمبر بھی سیلم نہیں کرتے۔

اختلاط اور صحبت میں خوبیان بھی ہیں اور بُرا میان بھی، اس لیے ار بحال دونوں طرف گئے ہیں، لیکن اس نکتہ کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا کہ خوبی کا جو بلوہ ہے وہ بھی رحمت سے خالی نہیں،

کے کش خود رہنمون است، ہر گز	گئی رہ و رسم الفت نور زد
که صحبت اتفاقی است یا اتفاقی	دل مرد دنایا زین ہر دل زد

اگر خود نفاقی است جان را بکاہد و گر اتفاقی است هجران نیزد
 یعنی اگر صحبت امنا فقوں کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ سوہان روح ہے اور
 اگر خاص احباب کے ساتھ ہے تو بھی ایسے بُرُّی ہے کہ اس حالت میں جعلیٰ کا
 صدمہ جانگز اہو گا،

بیا بان برد و تابستان و آب سردو اشقا	بِرْ حَصْ اَرْ شَرْبَتْ بَهْ خُورْ دَمْ مَكْيَرْ اَزْ مَنْ كَهْ بَهْ كَرْ دَمْ
کان که ز تو زاد، بلند آن شود	چُونْ تو شَدْ هَيْ پَيْرْ لَبَنْدْ هَيْ جَوْ
سایه هر چیز دو چندان شود	رَوْزْ نَهْبَسْنِيْ كَهْ بَهْ پَلْيَانْ رسَدْ
سخت باشد حَقْم نَا بَنْيَا در د	زَشْتَهْ باشْدَرْ وَسَهْ نَازِيْبَانْ زَنْ
یارِ رضای دوست باید، یارِ رضای خوشتن	بَاهْدَهْ قَبْلَهْ دَرْهَهْ تَوْحِيدْ نَتوَانْ رَفْتْ لَاستْ
باچین گلر خ نخ پد بچ کس با پیر ہن	سوی آن حضرت نَپَوْمِيدْ بَعْجَهْ دَلْ بَاهْزَدْ
کر گسان گرد او ہزار ہزار	امِنْ جَهْ جَهْ جَهْ بَرْ مَثَالْ مَدَارِیْسَتْ
آن مران را ہے زند مفار	امِنْ مَرَانْ رَاهْبَهْ كَشْدَهْ، خَلَبْ
وزہ سر باز ماند این مردار	آخْسَرْ الْأَمْرْ بَرْ بَهْ نَهْهَسْ

۵- جوش اور سرستی جو حقیقی شاعری ہے ایشیار کے شعر میں بہت کم پائی جاتی ہے فارسی شعر میں مولانا روم سپیشہ چھایا ہوا ہے، حواجہ حافظ بھی کبھی کبھی سبب

سله گناہ کی مذہب ۳۵ بوڑھے جوان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ۳۶ بد لیاقت آدمی کو غرور اور نیزدہ بننا ہو ۳۷ کیوئی ۳۸ مقام و صال میں ہر کب آرزو سلہ دنیا اور طالبان دنیا،

ہو جاتے ہیں، لیکن حکیم سنائی ان سب کے پیش رہیں، اشعارِ تذیل کو پڑھو، اور انکے الفاظ، ترکیب، انداز بیان، مضمون، ایک ایک چیز کو دیکھو کس طرح، جو شہر برزی ہیں۔

یا برد، پھون زنان رنگے و بوی پیش گیر	یاچ مردان اندر آئے و گوئی در میلان
چون دو عالم زیر پایت نظر شد، پائی بکوب	چون دوکوں اندر دوست جمع شد اتسی برو
سر برآزاد گلشن توحید تادر کوئی دین	کشتگان زندہ بیسی خجنم در اخجن
دی ز دلگی زمانے طوف کردم در چجن	یک جهان جان دیدم آنجستہ از زمان تن
بے طرب خشدل ہیور، او بے طلب جنبا صبا	بے دهان خدال درخت و بیز بان گنج

طلب، اے عاشقان خوش رقتا	طلب، اے شاہان شیرین کار
تاکے از خانہ، ہان ر صحرا	ماکے از کعبہ، ہین در خمار
در قدح جرعہ، د ماہشیار	در جان شاہ سے د ما فارغ!!

بکھ شنیدی صفت روم و چین	خیز دیالمک سنائی ہیں
تاہمدل بینی بے حرص و بخل	تاہمہ جان بینی بے کبر و کین
پائی نادچرخ بریافت دم	وست د، و ملک بزر ہمگین
رسنہ ز ترکیب زمان و مکان	حسنہ ز ترتیب شہور دین
زوح امین دادہ پہرش ہانکہ	دادہ ب مریم ز رہ استین

۶۔ شاعری کے اجزاء میں ایک بڑا ضروری جزو تمثیل اور تشبیہ ہے، شاعر کو یہی کوئی اخلاقی دعویٰ کرتا ہے تو ذیل میں اُسکو تمثیل پیش کرنی پڑتی ہے، کبھی کسی چیز

اچھائی یا بڑائی ثابت کرنا، یا کسی چیز کی تصویر اور زہدیت کھینچنا چاہتا ہے تو تشبیہ اور تسلیل
کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اسی بنابر اکثر بڑے بڑے شاعر شلاً سعدی، صائب،
کلیم وغیرہ تسلیل میں کمال رکھتے تھے، شاعری کی اب صفت کے موجہ بھی حکیم سنائی
ہی ہیں اذیل کی مشاولوں سے معلوم ہو گا کہ انکی تسلیلیں کستہ نہاد اور موثر ہوتی ہیں،

حوالہ مقدمہ
بے درود
انتفار شرود
اور معصومہ بعد
ایم ہو گا اسقدر
نیادی ہو گئی

در د باید صبر سوز و مرد باید گام زن	هر خنے از زنگ و رفتار سے بیدین ہ کرد
شاہی راحملہ گرد یا شہید سے را لفن	ہفتہ ہ باید کہتا یک پنیہ دانہ زاب و گل
صوفی راختر تم گرد یا حاتم سے رار سن	ماہ سا باید کہتا یک مخت پشم از پشتیش
عمل گرد در بندھان یا عقیق اندر میں	سالہ ما باید کہتا یک اصلی ز آفتاب
تاکہ در جوف صدوف باران شود در عدن	ساعت بسیار می باید کشیدن انتظار
عالیے گو یا شود یا فاضلے صاحب سخن	قرہبنا باید کہتا یک کوڈ کے از لطف طبع
تاقرین حق شود صاحق قرانے در قرن	صدق و اخلاص و درستی باید و عمر در لاز
چو دزدے با جان غ آید گزیدہ تر بر کالا	تو علم آموختی از حرص اینک ترس کاندش ب
در دن سو شاه عریان فی بر دن ہوا کو شکن دیا	چون جان را فرین کن بہ علم و دین کش آئی

اب ہم حکیم سنائی کے بعض قطعات و قصائد کے اشعار کیجا لکھتے ہیں
جس سے انکی عام شاعری کا اندازہ ہو سکے گا۔

مکن در جنم و جان منزل کر این دن ون وان نکلا

لہ ملز ریاد دیر خط رکنا ہونکا سبب ہو سکتا ہو ہے، صفائی ظاہری کے ساتھ صفائی بالبن بھی شروع ہو گا

<p>بہر جہا از دوست اماني چې زشتان نقش چې جیسا گرفت چینیان احرام وکی خسته در لیخا بوئے خط وحدت بُرد عقل از خط اخیا ہے گویم بہر ساعت په در ضراچہ در سرّا چنان کزوی بہر شک آید روان بولی سینا مگر روان حرص من چون مل که در سیری شوئم بہر جہا از اینیا گفتند امثا و صدقنا</p>	<p>بہر جی از راه باز افغانی چک فرقان حرقت چڑاں چو علت هست اخدت کوچ بے علام کن زشتید مرا با رے بحمد اللہ راه حکمت و همت خواه اهم لاجرم نعمت نه در دنیا ز در جنت که یار ب مرستانی راستانی ده تو دیخت مگر روان عمر من چون گل که در طفیل شوم کشته بہر جی از ادبیا گفتند از قنی و فقنه</p>
<p>پاسبان در شناس این آب تلخ اندر بخار ہست ناقد بس بصیر و نقد بابس کم عیار عنکبوتے کے تو اند کر دیسر غے شکار کے بو دا هل شمارا کن کس که بر چینید شمار باش تاگل یابی آن هارا که امر زند جزو</p>	<p>پرده دار عشق دان، رسم ملامت برقیقر ایے بسان غبنا که اندر حشر خواهد بُد ازان که عقل جزوی کے تو اند گشت بر گیهان محیط کے شود ملک دو عالم تا تو باشی ملک آن باش تاگل یابی اینهار اکه امر زند جزو</p>
<p>فرزند گان د ختر گان تیم ما آن مار گان و آن پر گان قدیم ما ادانه از هر د بلا، روز بھی یا کند پرشکم خویش زنان</p>	<p>گوئی که بعد ما چه کنند و کجہ روند حمدیا دناوری کوچ کر دند و جو جان آدمی را دو بلا کر در بے یا کند پرشکم خویش زنان</p>

عمر و خیام بن ابراہیم نیشاپوری

عمر زادم، خیام لقب نیشاپوری وطن، غائب آبائی پیشہ خیمه دوزی تھا، جسکی وجہ سے خیام کا لقب ملا، عمر نے جب تحصیل شروع کی تو دو شخص اس کے ہم سبق تھے، ان میں رابطہ محبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہم میں سے جب کوئی شخص بڑے منصب پر پہنچے کا تو اپنے ساتھیوں کو بھی اپنا ہمسر بنایے گا، اس وقت دنیا کو کیا معلوم تھا کہ یہ مکتب کے لونڈے جا سوتے ایک خیالی نصوبہ بازدھتے ہیں، آگے چلکر دنیا کی تاریخ بدل دینیگے، ان میں سے ایک کا نام حسن بن علی اور دوسرے کا حسن تھا حسن بن علی نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ اپ ارسلان سلوقی کا وزیر ہو گیا اور ۷۶۵ھ میں جب اپ ارسلان نے وفات پائی اور ملک شاہ سلوقی مسد آسا ہوا تو وہ کل سیاہ و سفید کا مالک تھا، یہی حسن ہے جو آج نظام الملک (بانی نظام میہندی) کے نام سے مشہور ہے، عمر و خیام کو جب معلوم ہوا کہ میرا ہم سبق تاج و تخت کا مالک ہے تو اصفہان میں نظام الملک کے پاس آیا، نظام الملک نے بڑے احترام سے خبر مقدم کیا، نظام الملک کو اپنا عہد یاد تھا، خود پوچھا کر آپ کیا

چاہتے ہیں، خیام جو کچھ چاہتا، اسکو مل سکتا تھا لیکن ملک تناعوت کے شہنشاہ نے صرف معمولی وجہ معاش کی درخواست کی، نظام الملک نے خیام کے دھن نیشاپور میں کم و بیش بارہ سور و پے سالانہ کی جا گیر مقرر کر دی۔ خیام نے اگرچہ صرف معمولی جا گیر پر تناعوت کی، لیکن سلاطین و امراء اس سے برادری کا برداشت کرتے تھے، شمس الملک خاقان بخاری اسکو تخت پر اپنے بہادر بٹھاتا تھا، ملک شاہ بلوقی جو دنیا سے اسلام کا شہنشاہ عظیم تھا اس سے نہ یہاں تعلقات رکھتا تھا، دولت شاہ بلوقی نے لکھا ہے کہ سلطان سنبھالی اسکو اپنے برادر تخت پر بٹھاتا تھا لیکن شہرزوری کی تاریخ الحکماء معلوم ہوتا ہے کہ سنبھر کے ساتھ اسکے تعلقات اچھے نہ تھے شہرزوری نے اس کی وجہ پر بیان کی ہے کہ جس زمانہ میں سنبھر شاہزادہ تھا، اسکو چچاک نکلی خیام معاجم کے لیے قاب ہوا اور یہ نے خیام سے پوچھا کہ بیمار کی کیا حالت ہے خیام نے کہا آثاراً پچھے نہیں، یہ خبر کسی نے سنبھر کو پہنچائی اس کو نہایت سنجھا اور یہ رنج ہمیشہ قائم رہا۔

۷۶۴ھ میں ملک شاہ نے ایک عظیم الشان رصد خانہ قائم کر لے کا ارادہ کیا، دور دور سے بڑے بڑے ہمیٹ دان اور منجم بلاؤ اسے انہیں ابوالمنظرا مقرر اسی، میکون بن بجیب و اسٹلی اور ہمار انامور خیام بھی ہوتا۔

۷۶۵ھ دولت شاہ بیکن جا گیر کی آمدی کی تعین اور کن بوانی سے ماخوذ ہوئے تاریخ الحکماء شہرزوری

ابن الاشیر نے جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس رصد خانہ پر میٹا
دولت صرف ہوئی، اس رصد سے جو زیج تیار ہوئی وہ خاص خیام کی طیار کرد
تھی، چنانچہ کشف الظنون زیج ملک شاہی کے ذکر میں صاف تصریح ہو۔
خیام زیادہ تر فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا اور اسی قسم کے خیالات رکھتا
تھا یہ خیالات جبز یاد کھلپ تو عوام میں سخت بہبی پیدا ہوئی یہاں تک کہ لوگوں نے اسکو
بیسیں قرار دیکر قتل کر دینا چاہا، مجبور اُسنے حج کا ارادہ کیا کہ حرم میں کوئی
کسی کو ستانہیں سکتا، حج سے فارغ ہو کر بغداد میں آیا، یہاں لوگوں نے نام
منا تو ہر طرف سے ٹوٹ پڑے کہ علوم فلسفیہ سیکھیں، لیکن اسے انکار کیا، اور
بندار سے چکروطن میں آیا۔

وفات | اس کی وفات کا بچپ قصہ ہے، ایک دن بوعلی سینا کی
کتاب اشفار مطالعہ کر رہا تھا، جب وحدت دکترت کی بحث آئی تو اٹھا کھڑا ہوا، عادت تھی کہ
ہر وقت خلال پاس رکھتا تھا، اسکو ورق میں رکھ کر اُٹھا، نماز پڑھی، وصیت کی، شام
تک پچھے کھایا نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا اور کہا اے خدا جہانتک میرے امکان
میں تھا میں نے تجھکو پھانما، اس لیے بمحکم بخش دے۔ یہی کہتے کہتے جان نسل
گئی جمع الفصحاء میں ہے کہ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

دفن کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے، نظامی عرضی اس زمانہ کا مشہور

شاعر ہے جس کی رتاب چار مقالہ چھپکر شائع ہو چکی ہے، اسکا بیان ہے کہ ^{ستھن} میں یہن
 نلٹ گیا معلوم ہوا کہ خیام آجکل یہیں امیر ابو سعید کے مکان پر مقیم ہے، یہن خدمت یہن
 حاضر ہوا، باتون باتون یہن خیام نے کہا کہ میری قبر ایسے مقام میں بنے گی کہ ہر سال
 دو دفعہ درخت اسپر پھول بر سائیں گے مجھکو تجھب ہوا، ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا
 بڑا شخص نوگو نہیں ہو سکتا، ^{ستھن} میں یہن جب نیشاپور ہنپا تو حکم موصوف کا چند بیس
 پہلے انتقال ہو چکا تھا، چونکہ مجھپر شاگردی کا حق تھا، ایک آدمی کو ساتھ لیا کہ تبرک
 پتہ بتائے، وہ قبرستان جہر و مین لو ایک، دیکھا تو باغ کی دیوار کے نیچے تبر
 ہے سرھانے امر و اور زردآل کے درخت ہیں، شگرد جہر کرا سقدر ڈھیر گئے
 یہن کی تبر ڈھک گئی ہے، مجھکو حکم موصوف کا قول یاد اگی اور بے اختیار آنسو نکل پڑے ہے
 فضل و کمال اخیام کو اچ زمانہ شاعری کی حیثیت سے جانتا ہو لیکن وہ فلسفہ میں تو علی سینا کا
 ہمسرا اور نسبی علوم اور فن ادب و تاریخ میں امام فن تھا، جمال الدین قسطلی نے
 تاریخ الحکماء میں اسکا نام ان افاقب سے شروع کیا ہے امام خسرو اس ان و علامۃ الن مان
 شهر زد و ری تاریخ الحکماء میں لکھتے ہیں کان تدو ابی علی فی اجزاء علوم الحکمة و کان
 عالماء باللغة و الفقد و المقارنین حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اصفهان میں ایک
 کتاب نظر سے گزری، سات دفعہ اسکا مطالعہ کیا، نیشاپور میں واپس آیا تو ساری آناتا
 زبانی لکھوادی، اصل سے مقابلہ کیا گیا تو خفیت فرق نکلا ہے

۱۵ چار مقالہ ذکر نہیں مہر ۲۰۰۷ء شہر زد و ری

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق کے ہان علی صحبت تھی، ابو الحسن غزالی جو اس زمانہ میں فن قرأت کے امام تھے وہ بھی موجود تھے، اتفاق سے خیام بھی آنکھا، عبدالرزاق نے خیام کو آنکھ دیکھ کر کہا علی الحجۃ سقطت ہمیں واقعہ کار را گیا، مسئلہ زیر بحث کو خیام کے آگے پیش کیا اسے ساتوں قرائیں، شاذ روایتیں، اور اُنکے دلائل اور وجود۔ بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی، غزالی بے اختیار بول اُٹھئے کہ حکما کیا ذکر خود قرائیں سے کسی کی یہ معلومات نہیں ہو سکتی ہے۔

قاضی عبدالرشید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خیام سے میں مرد کے حمام میں ملا اور مسورة مغوزتین کے معنی دریافت کیئے، یہ بھی پوچھا کہ ان سورتوں میں بعض الفاظ بابریاں کیں ہیں، خیام نے برجستہ جواب دینا شروع کیا، مفسرین کے اقوال، اُنکے دلائل اور شواہد اس تفصیل اور وسعت سے بیان کیے کہ اگر ساری تقریر قلندر کر لی جاتی تو اپھی خاصی کتاب بن جاتی ہے۔

فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے مذہبی علماء سے مخالفت رکھتے تھے، اس زمانہ میں مذہبی گروہ کے پیشوور امام غزالی تھے، جھونون نے تہافت الفلاسفہ کیمکہ کرنے کا باطل کیا تھا، وہ منادہ کر لیئے خیام کے پاس گئے اور پوچھا کہ آسمان کے تمام جز ایسا ہم تھا اور مخداحیقہ ہیں پھر بعض اجزائیں کیا خصوصیت تھی کہ بین قرائیں پا سے باخیں اور مسائل فلسفیہ کے بیان کرنے میں نہایت بخل کرتا تھا، اسے پہلے تو یہ کہکشاں کرنا پڑا،

سلک کو پی کتاب عالیٰ الفاظ میں نغمیل لکھ چکا ہوں، پھر جواب دیا تو اس طرح کہ پہلے
ابتدائی مرتب بیان کئے، چنانچہ اس سلسلے سے ابتدائی کہ حکمت کس مقور سے ہے۔
پھر اب کو اس قدر پھیلا یا کہ یہ مسئلہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ظہر کی اذان کی آواز آئی
ام غزالی یہ کہ مکار مُمُّہ گئے جا تھے و زہق الباطل ان الباطل کا نہ ہو قادر
نحو مکافن اگرچہ محل چیز رہنے لیکن یونانی حکماء میں اسکے قابل تھے، وہی خیالات
مسلمانوں میں بھی منتقل ہوئے۔ خیام اس فن میں کمال رکھتا تھا، اور اسیلے مجھ کہا تھا
شہزادیں بادشاہ وقت نے خواجہ بزرگ صدر الدین محمد بن لطفر کے پاس آمدی
بھیجا کہ میں شکار کو جانا چاہتا ہوں، خیام سے کہد کہ اعمال نحوم کے ذریعہ سے ایسی
تاریخ مقرر کرے کہ برلن وبارش سے محفوظ ہو، خیام نے دودن کے غور و فکر کے بعد ایک
دن میں کیا، بادشاہ اُسی دن سوار ہوا، کوس دو کوس گیا ہو گا کہ ٹرے سے زور کا بادل
اُٹھا اور چاروں نظر پر بچھ گئی، لوگوں نے خیام کی نہیں اُڑالی، بادشاہ نے چاہا کہ
وہیں سے پلٹ جائے، خیام نے کہا بھی بادل پہنچ جاتے ہیں، اور پانچ دن تک
ز میں نہ بھی نہ گی،اتفاق یہ کہ خیام کی پیشین گوئی پوری اُتری۔

تصنیفات | تصنیفات بہت کم ہیں، نیچے جو تیار کی تھی اُسکا ہمارے اسلامی مکونہیں
تو پہنچنیں لیکن یورپ نے چھاپ کر شائع کی ہے، باقی چند مختصر رسانے ذیل میں
درج ہیں جنکا ذکر شہزادی دری ہے کیا ہے۔

سلہ نہر ز دری سے ۱۷ ماہی الحملاء

بیانات میں ایک محصر رسالہ،
 بود کی حقیقت پر ایک رسالہ،
 لُن اور مسْلَمَة تکلیف پر ایک رسالہ، یہ رسالہ آج کل مصْرِین چھا یا گیا ہو۔
 عربی میں بہت سے شعر کئے ہیں، چند ذیل میں درج ہیں (از شہزادوری)
 بل الافق الاعلى اذا جاش خاطری
 عفافاً و افطا ری بتقدیم خاطری
 لطف الهدی من فیض المتقاطر
 نصبن على وادی الهمی کا القناطر
 یحصلها بالکد کفی و ساعدی
 فکن یا زمانی موعدی او ساعدی
 و فوق مناطق الفرق قدیم مساعدی
 یعبد الی نحیس جیع المساعد
 تو عجیباً من ذا القریب المبار
 فیان حالاً کل ساع و قاعد
 یرعی دادی اذا ذو خلة خاتاً
 و کمر تبدل ت بالاخوان اخوات
 بالله مائتا لفی ما غشت انسان

لبری الدنیا بل السبعة العلی
 صویم على الخثاء جهراً و خفیة
 کم عصبة ضلت عن الحق فاہتدت
 ن صراط المستقیم بصائر
 ذات لفظی بمسور بلغة
 منت تصاریف الحوادث كلها
 بہبی الخذات الشعربین منا ذلی
 بیس قضی الرحمن فی حکمه بان
 تی باعدت دنیا کا ن مصیبة
 ذا کان محسول بیانہ منی هر
 خیست دهر ا طویلاً فی التماس اخ
 کم الفت و کم اخیت غیر اخ
 قلت للنفس لما غر مطلبها

رباعیات عجیب بات ہے خیام فلسفہ میں، نجوم میں، فقہ میں، ادب میں تاہم یہ مکالم رکھتا تھا، لیکن اتنے ساروں کے ساتھ اُسکا اُتفی شہرت بالکل تاریک ہے، جس پرہنے اُمّتیہ توہس تکس اسکے نام کو زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیات میں اور یہی اُمّکی شہرت کے بال پر دانیہ میں، ان رباعیوں کے ساتھ مسلمانوں نے جقد اتنا کیا اُس سے براہ درجہ پڑھ کر پورپ نے کیا،

ہماری کتاب کا اصل موضوع شاعری ہے اسیلے سب سے پہلے ان رباعیوں کی تقدیم ہے،
اہم کوشش شاعری کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیے، اگر ان رباعیوں میں کوئی فلسفہ میں ہے کوئی
اخلاقی تعلیم نہیں ہے، کوئی حقیقت نہیں ہے تو نہوا بحث صرف یہ ہے کہ شاعری اور
شاعری کے ساتھ زبان کی خوبی اور صفاتی ہے یا نہیں، یعنی خیام اگر حکیم ہو تو ہم اُنکو
شاعر ہو سکتا تھا یا نہیں؟

شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلادیزی ہے، شاعر
ایک معمولی بات کو لیتا ہے اور ایسے دلکشا اور زد رت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سبب جو
کرنے لگتے ہیں، اسلوب بیان کی دلادیزی کے مختلف اساباب ہوتے ہیں، کبھی صرف
زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عامہ حریفہ ادا کے بدل دیتی ہے
یہ بات پیدا ہوتی ہے، کبھی شاعر نہ طرزاً استدلال سے، کبھی شوہنجی و تلافت سے، کبھی
استعارہ و تشبیہ کی نظر سے، اور بیچ یہ ہے کہ اسکی تمام ادا نہیں مشتمل اور شخصی نہیں
ہو سکتیں، شنے والے کو اتنا محض ہوتا ہے کہ کسی پیروں نے دل میں جنگی لے لی، کس زمانے

کیون لی، یہ کچھ نہیں معلوم۔

نوبی ہیں کر شمہ و نازِ خرام نیت	بیمار شیوه ہاست بتان اک نام نیت
---------------------------------	---------------------------------

خیام کی رباعیاں اگرچہ سیکڑوں ہزاروں ہیں، لیکن سب کا قدر مشترک صرف چند مضامین ہیں، دنیا کی بے شماری خوشی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلہ حیرات وہ استفقالا ا ان میں سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہے، لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر تباہ کر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز رہے۔

دنیا کی بے شماری اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت پامال مضمون ہے لیکن خیام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب ڈھونڈ لاتا ہے کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہے، تو یہ داستفقار بھی ایک فرسودہ مضمون ہے لیکن جس طرح خیام اسکو ادا کرتا ہو سننے والے کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں، بعض جگہ رقت انگیز طریقہ کو چھوڑ کر استدلال کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور وہ بظاہر ایسا قوی ہوتا ہے کہ گویا اسکا جواب نہیں ہو سکتا، امثالہ ذیل کو دیکھو،

رباعی

جدت اسلوب

بر سینہ غم پدیر من رحمت کن	بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پاس خرابات رومن بخت اسے	بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

مغفرت کی دعا مالگتا ہے لیکن اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں لئی بات اور پاؤں کے لیے گو وہ ارسی کے بات پاؤں ہیں) اس طریقے سے دعا کا اثر بڑھاتا ہے، کیونکہ اپنے

یہ دعا مانگنا پھر بھی ایک قسم کی ذاتی غرض ہے، اسکے ساتھ نکتہ یہ ہے کہ اعضا کی بذات آسانی سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہا کیا صور ہے، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کر سکتے،

ہات اور پاؤں کے مقابلہ میں چنعت طباق ہے اور اس سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے،

درملک تو از طاعت پاچ فزو دو	وز معصیت کہ ہست لقصانے بودو
گزار در گیر زان کہ معلوم مشد	گیزندہ دیری گزار ندہ نزو د

خدا سے خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا اگر میں نے اطاعت کی تو کیسا تیری سلطنت کو کچھ ترقی ہو گئی؟ اور اگر گناہ کیا تو کیا کچھ تیر لقصان ہو گیا، اے خدا! مجھکو چھوڑ دئے اور گرفت ذکر مجھکو معلوم ہو گیا ہے کہ تو دیر کے بعد کپڑتا ہے اور جلد چھوڑ دیتا ہے۔

من بندہ عاصیم رضائے تو کجا است	تاریک دلم نور صفائی تو کجا است
ما ر تو بہشت اگر ہ طاعت بخشی	آن بیع بود لطف و عطا ہی تو کجا است

کس شاعرانہ انداز سے مغفرت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ اے خدا اگر تو بہشت طاعت کے معاوضہ میں دیکا تو یہ تو خرید و فروخت تھہری (جو سو دار گذا کا کام ہے نہ تھا ہون اور نہ تھا ہون) کا، وہ لطف وہ عطا جسکے قیمت سن کرتے تھے وہ کہاں ہے یہی مصنفوں ہے جسکو شیخ سعدی نے گلستان میں ادا کیا ہے اور وہ گلستان کے خاص خاں میں شمار کیا جاتا ہے؟ بدربیزہ گری آمدہ ام نہ بہ تجارت۔

	صد سالہ شدم بنازور نعمت تو تاجرم من است بشیں یار محنت تو	آنم کے پدیدگشتم از قدرت تو صد سال ب امتحان گنہ خواہم کرد
دیکھوں ادا سے مغفرت چاہتا ہے، کہتا ہے کہ میں سیکڑوں برس دانشگاہ کو دنگا جھکلوں امتحان کرنا ہے کہ میرا جرم زیادہ ہے یا تیری رحمت، یعنی دیکھوں ان دونوں میں کون غالب آتا ہے،		
	اہم لقبہ حرام ہم نفس آسودہ، فریاد کے عصر رفت بر بیودہ	فریاد کے فرمودہ ناکرده سیہ رو دیم کرد
فراض کو فرمودہ ناکرده، اور گناہوں کو کر دہائے نافرمودہ سے تعبیر کیا ہے، مشہور ہے کہ ایک دفعہ حتیاہم کی صراحی ایسکے بات سے جھوٹ کر گرٹپی اور ٹوٹ گئی اسپر اسنے رباعی لکھی،		
	بر من در عیش را بهستی ربا خاک بر سختی مے اعل مرا	ابریق می مراثکستی ربا بر خاک بر سختی مے اعل مرا
کہتے ہیں کہ اس گستاخی پر خدا نے اسکو سزا دی اور اُس کی گردن کج ہو گئی، اسپر اس نے برجستہ کہا،		
	وان کس کر گنہ نہ کر دچن بیت بگو پس فرق میاں من تو چیت بگو	ناکرده گناہ در جان کیست گو من بد کنم و توبہ مكافات دهی
یعنی میں نے بُرانی کی، اب تو اُس کی منزابھی دیسی ہی جُبھی دیتا ہے، تو مجھ میں		

اور ترجمہ من کیا فرق رہ گیا،

طلب مغفرت کا مضمون اکثر شعر نے باندھا ہے، اظہای کہتے ہیں،

گناہ من از نامد سے در شمار	ترنام کے بودے آمر زگار
اُردو کا ایک شاعر کہتا ہو۔	

اعرض نسلے مرے جرم و گناہ بیجدا کا	الکی تجوکو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں، کہیں نہ عدد دیکھ رجھے محتاج	یہاں کے بندے ہیں جلکو کریم کہتے ہیں

لیکن خیام کا طرز ادا اور استدلال سب سے اچھوتا ہے، وہ شاعر از استدلال سے
سزا پانے کی حالت ہیں بھرم اور آقا کی مساوات ثابت کرتا ہے، اور پھر اسکو جملہ جزو
کے ذیعہ سے نہیں بلکہ استفہام کے طریقہ سے ادا کرتا ہے، جو نہایت مؤثر اور
لا جواب کردینے والا ہوتا ہے۔

خوی فطرافت	خیام با وجود حکم ہونے کے نہایت شوخ اور نظریف الطبع تھا، اس لیو
اکثر مضایں کو نظرافت اور شوخی کے پیرایہ ہیں ادا کرتا ہے مثلاً۔	

آنے اد کنسم کے لائق بند نیم	لے چرخ زگردش تو خرسند نیم
من نیز چان اهل و خرد من دیم	گر میل تو بابے خرو و نا اہل است

ایشیا کا عام خیال ہے کہ آسمان از باب خود کو آرام اور چین نہیں دیتا، خیام
آسمان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ یہیں تیری چالوں سے بہت تنگ آگیا ہوں، الگ
تو احمدقوں اور نا اہلوں ہی سے بجت رکھتا ہو تو یہیں بھی کچھ بہت اہل و رعاقل نہیں ہوں۔

بالتدر کہ تراز بہر نماز آمدہ ام آن گم شدہ است ازان باز آمہ م	در مسجد اگر بہر نیسا ز آمدہ ام کیکر و نایخا سجادہ و نزدیک
نے نیز رجب کر آن مخصوص خدمت ماہ رمضان خور عکان خاصہ است	گویند کہ نور کہ شعبان نہ روایت شعبان و رجب مخصوص خدا میں رسول

ایران میں اکثر ہمینوں کے خاص خاص نقب ہیں، مثلًا شعبان کو رسول کا ہمینہ اور رجب کے خدا کا ہمینہ کہتے ہیں، خیام کہتا ہے کہ لوگ ان ہمینوں میں شراب پینے سے منع کرتے ہیں کہ یہ خدا و رسول کے ہمینے ہیں اور داقعی ان کی یہ بحث بجا ہے، اس بنا پر یہ مفہوم میں شراب پتیا ہوں، کہ یہ خاص ہم لوگوں کا ہمینہ ہو۔

زان سان کہ مبینہ بدان سان خیزند تابوکہ بخت شان چنان انگیزند	گویند کہ ان کسان کہ با پر میزرا ند ما بامی و مخصوص از ایتم مقیم
--	--

مشهور ہے کہ انسان جس حالت میں مرتا ہے اُسی حالت میں قیامت ہیں اُبھی گیا خیام کہتا ہے اسی لیے تو میں رات دن شراب اور مخصوص کے ساتھ بسر کرتا ہوں کہ قیامت میں بھی اسی حالت میں اٹھوں،

من بعد بگرد بادہ نتوان گردید کاند روز مصان سنت بخشم تاعید	گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید در آخر شعبان بخور عجم چندان سے
--	--

ایران میں جتنے شراب خوار ہیں رمضان میں شراب خواری چھوڑ دیتے ہیں خیام کہتا ہے کہ میں شعبان کے اخیر میں اتنی پیکر سوونگا کہ عید کے بعد نہ اترے، قاؤن نے

اسی مضمون کو نیچرل بنادیا ہے،

ستانہ تو ان خود ب شب کید و ساغر	نے خود دن این ماہ دو امیت دیکن
تا شام دگر بر بنوان خاست ز بتر	یا خود بدان گونہ بباید کہ ز مستی،

لیکن ایک اور شاعرنے میسے لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے، ایک غزل میں جس کی رو لیف «نی دا فسم» ہے کہتا ہے

قرب کیک ماہ بیخانہ آفاست کرم	آفما قار رمضان بو دمنی دا ستم
ہر گر کہ طلوع صبح ازق باشد	با یک کہ بفت جام مروق باشد
گویندہ افواہ کے تلخ بود	شاید کہ بہر حال کے حق باشد

عربی کافقرہ ہے الحق مُریعنی حق بات تلخ ہوتی ہے، خیام کہتا ہے کہ شراب کا مژا تلخ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حق ہے، مژا غالب نے اسی سے ایک اور مضمون پیدا کیا ہے۔

نگفت کہ تلخی بسازو پنڈپریہ
برو کہ بادہ ما تلخ ترازین پنداشت
یعنی تمہیں ہدایت کرتے ہو نہ کہ انسان کو تلخی گوارا کرنی چاہیے اور نصیحت سننی چاہیے
تو ہماری شراب تھماری نصیحت کے زیادت تلخ ہے، ہمکو دوسروی تلخی کی کیا ضرورت ہو،

دست چمنے کے جام و ساغر گیرد	حصن است کہ آن دفتر و منہنگو ہو
تو زاہ خشکی و منم فاسق تر	آتش نشنیدہ کہ در تگ کسرو
من در رمضان رفڑا اگر منجور دم	تاطن نبری کہ بے خبر منجور دم

پند اشتبہ بودم کہ سحر نیور دم	از محنت روزہ روز من چون خش شد
گفتم کہ مرادِ تکیم حاصل شد	طبعیم به نماز و روزه چون مائل شد
دان روزنه پنیم جر عده باطل شد	افوس کر این دفعہ ببادے بخشست

اس میں ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی اشارہ ہے، کہ جو لوگ ظاہری نماز روزہ ادا کرتے ہیں، ان کی عبادت کی ہستی بس ابھی قدر ہے،

آن جائے ناب و حور عین خواهد بود	گویند کہ فردوس برین خواهد بود
چون عاقبت کارچین خواهد بود	گرمی و محتقہ گزیدیم چہ باک

جو لوگ اس بات کے قابل ہیں کہ بہشت میں بھی جمایی آرام و عیش ہو گا اور شراب اور حورین میٹنگی، ظریفانہ پیرا یہ میں انکا رذ کرتا ہے کہ اگر وہ ان بھی یہی سب ہو گا تو اگر ہم نے دنیا ہی میں ان چیزوں کو پہنچی اختیار کر لیا تو کیا بُر اکیا،

من میگم شراب انگوڑ خوش است	زاهد گوید بہشت با حور خوش است
آوازِ دہل شنیدن از دوز خوش است	این نقد بگیر و دست ازان نسیب بدر
وقلی است خلاف دل رونماست	ما را گویند دوزخی باشد ماست
فردا یعنی بہشت را چون کف دست	گرم عشق و دست دزخی خواهد بود

یعنی الگریہ صحیح ہے کہ عاشق اور مست بہشت میں نہ جانے پائیں گے تو دیکھ لینا بہشت چیل میدان کی طرح خالی پڑی ہوگی، یعنی عشق اور مسی لازمہ انسانی ہے اس سے کون شخص خالی ہو سکتا ہے،

جو سے مئے دشمن دشیر و شکر باشد	گو نیند بہشت و حور د کوثر باشد
نقد سے زہرا زیبی پتھر باشد	کیک جام بدہ زیادہ ام اے ساقی
با سبز خطاں بادہ ناب او لے اتر	از هر چخور د مرد تسراب او لے اتر
در جائے خراب ہم خراب او لے اتر	علم ہم سر ببر باطنی ست خراب
دانگاہ فردشندہ عالم ہے رو جو	ما یکم حسریدار مئی کہستہ مو نو
مے پیش من آر و هر کجا خواہی رو	گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہی ام رفت
آن بادہ خو شگوار بر دستم نہ	آن بادہ خو شگوار بر دستم نہ
دیوانہ شتم بیار بر دستم نہ	آن سے کوچز بخیر پچیپ بر خود
ایز د انگل مر از چہ سر شت	ذلاقی مسجد م نہ د خور د کنشت
چون کافر در لشیم و چون تجہیزت	نہ دین د دنیا و نہ امید بہشت

دین د دنیا د دنون سے محروم ہونے کی اس سے اچھی کوئی تعلیم نہیں مل سکتی، کافر نیکرو
بد صورت تجہیز بیرون دنون دین) د دنیا کسی سے بھرہ یا ب نہیں،

دنیا کی بے شباتی اور عبرت انگنیزی | ذیلک بے شباتی اور عبرت زاہد مبارک

پایہ شعر کا سبک بڑھو غرع، ہے اسعدی، حافظ، ابن یین، ناصر خسرو، سحابی بخشی، کی
تمام کائنات یہی ہے، اس مضمون کی ابتدا، درحقیقت حیا م نے کی اور اس سبق
و سکون پنچا دیا کہ سعدی اور حافظ جیسے بلند پایہ شاعر گویا اسی کی سکھانی ہوئی چالیں چلتے
ہیں، نصیحت سے قطع نظر حیا م کی زور شاعری کا بھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہو اس ذ

سو سو دفعہ اس مضمون کو باندھا ہے، لیکن وقت تجھیں سے ہر دفعہ ایک نیا پیرایہ پیدا کر دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور خبر سے جodel پر چر کے لگا رہا ہے۔

خاکے کہ بزیر پئے بہ حیوانیست	زلف صمنی دعارض جانائے است	نہ خشت کہ برگنگر ایوانے است	انگشت وزیر سے دسر سلطانی است
------------------------------	---------------------------	-----------------------------	------------------------------

شیخ سعدی نے اس مضمون کے لیے فرضی حکایتیں لکھی ہیں، خلا کتنے ہیں،

شندیدم کہ یک بار در وجہ	خن گفت با عابدے کله	کمن فر فرماند ہی داشتم	بسر بر کلا و محی داشتم
-------------------------	---------------------	------------------------	------------------------

ایک اور شعر میں نہایت در دانگنیز طریقہ سے اسکو دیکھا ہے،

زدم تیشه یک روز بر تل خاک	بگوش آدم نالہ در دن اک	کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر	کہ خشم و بنا گوش و روی است و سر
---------------------------	------------------------	----------------------------	---------------------------------

یعنی میں نے ایک دن مٹی کے ایک تود سے بے پھادڑا مارا، میرے کان میں یہ در دن اک آواز آئی کہ میان ذرا آہستہ، یہاں انکھیں ہیں، کان ہیں، جھرو ہے، سر ہے (انکو چوٹ نہ لگ جائے) لیکن سعدی کی یہ تمام قصہ آرائیاں، خیام ہی کے مرقع کا عکس ہیں، بالآخر

دی کوزہ گرسے بندیم اندر بازار	بر تازہ گلے لکڑی زد بسیار	دان گل بربان حال باونگی گفت	من چو تو بورہ ام مرا نیکو دار
-------------------------------	---------------------------	-----------------------------	-------------------------------

سعدی کے شعر میں اگرچہ «آہستہ تر» اور اعضاء کے مفرد ناموں نے ایک خاص اثر پیدا کیا ہے لیکن طلبِ رحم کی علت خیام کے مان زیادہ قوی ہے، یعنی یہ کہ میں بھی تھا کی

ہی طرح تھا رسیلے مجھے یہ سلوک نہ کر دا اس سے بھی زیادہ موثر طریقہ میں اسی مضمون کو دا کیا گیا۔

گردندہ فلکات سے کائے بودہ است	پیش از من تو لیل و نہایے بودہ است
لین مرد مک حشم نگارے بودہ است	زہار قدم نجاں آہستہ نبہ

اسی مضمون کے اور پیراے دیکھو،

اين کنہ رباط را کہ عالم نام است	اين گله ابلق صبح و شام است
نبے است کروانہ صد جنت است	نصرے است کہ تکیہ گاہ صد بزم است
خوش باش کغصہ بکیر ان خواهد بود	بچخ قران اختران خواهد بود
خشے کر مقابل تو خاہندز دن	ایوان و سراۓ دیگران خواهد بود
لے کوزہ گر آب نوش اگر شیاری	ماچند کنی بر گل آدم خواری
انگشت فریدون و کفت کیسر و	بچخ نہادہ چہ می پنداری

یعنی اے کھاڑ کچھ جانتا ہے تو نے جاں پر کیا چڑھا رکھا ہے فریدون کی انگلی اور
کنھمرو کی اسٹلی

جاءے است کہ عقل آفین میزندش	سد بو سہ زہر بر زین میزندش
دین کوزہ گرید ہنپین جام طیف	می ساز و باز بر زین میزندش
بہ سنگ زدم دوش سبوی کاٹھی	سرخوش بودم کہ کردم این دیاغی
با من نہ بان حال می گفت سبو	من چون تو بیتم تو نیز چلن من شہی

لئے یعنی شہر کا شی کا بننا ہو اکھڑا

دائر طلب رونے نگارے سے بودہ است	اين کرذہ چومن مانش ناري بودہ است
دستے است کہ درگر دن یا سے بودہ است	اين درست کہ بگردن اوئی سینی
خیریات جس طرح عربی زبان میں ابونواس شراب کا جاندار ہے، فارسی میں خیام دور جام کا استم نزدہ ہے، وہ جس شفقت، جس شوق، جس نجودی، جس بے اختیاری جوش سے شراب کا نام لیتا ہے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت شراب پتایا تھا، اور یہ ظاہری شراب پتایا تھا افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا، صوفی نہ تھا ورنہ حافظ کی طرح یہی شراب شراب معرفت بنا جاتی۔	

خیام کا آدھا کلام شراب ہی کے ذکر میں ہے، اکثر مضامین اور خیالات جو اُسنے شراب کے متعلق ظاہر کیے ہیں، خواجه حافظ نے اُن ہی کو لیکر زیادہ شوق کر دیا ہے، تاہم کہیں کہیں جو بدستی اور نجودی اسکے کلام میں پائی جاتی ہے، خواجه حافظ اب بھی، اس حد تک نہیں پہنچتا،

بے جام کشمیدہ بارت نتوانم	من بے ناب زیست نتوانم
ایک جام دگر بگیر، دمن نتوانم	من بندہ آن دم کہ ساقی گوید
و انگاہ فرد شنڈہ عالم بدوجو	ما یم خسر دیار نے کہنہ اونو
سے پیش من آر و هر کجا خواہی رد	اگھی کرپیں از مرگ کجا خراہم رفت

اس سمرتی اور سے اعتنائی کو دیکھو، ایک شخص نہ ہی خیالات میں ڈوبا ہوا قیامت کے حالات کا تجسس ہے، خیام کے پاس آتا ہے اور نہایت ترد و اتفھص کے لاجمیں پہنچتا،

کہ مرنے کے بعد کہاں جاتا ہوگا؟ وہ کس بے تکلفی سے جواب دیتا ہے کہ میان شراب لا کر
میرے سامنے رکھ دو اور بھاں جی چاہے جاؤ (عکسی غرض)

ماہین ہمہ زیادہ تحقیق و تلاش سے معادم ہوتا ہے کہ خیام اگر شراب پیتا بھی بتا
تو زندان نہیں بلکہ حکیماں پتایا تھا، اگر چہر عالم یہی منسوب اور حرام ہے، خیام کہتا ہے کہ
شراب پینے میں ان باتوں کا لحاظ شرط ہے اسکو پنی جائیے ہے کتنی پنی جا ہیئے وکن
لوگونکی صحبت میں پنی جا ہیے؟ ان شرطوں کا لحاظ رکھا جائے تو ثابت ہو گا کہ عقلمند کے
سوادر کوئی شراب پی نہیں سکتا، اس لیے کہ عقلمند ہی ان شرائط کا لحاظ رکھ سکتا ہے۔

آنگاہ چہ مقدار دو گریا کہ خورد؟	ے گرچہ حرام است ولے تاکہ خور د؟
پس مے نخورد مردم رانا کہ خورد	ہرگاہ کہ این چار شرط آید جمع

پھر صاف بتاتا ہے کہ کس طرح پنی جا ہیے،

کم کم خورا، و کگہ خورا، و تھنائے خور

در مست شوم، طرب من نہمان است	چون ہشیارم، طرب من نہمان است
من بندہ آنگہ زندگانی آن است	حالے است میان سی دہشیاری

لینی شراب کی نہ ہو حالت پسندید ہے، جب اذان مست ہو جائے، نہ یہ کہ مطلق
اثر نہ پڑسے سستی اور ہشیاری کے نیچے میں ایک حالت ہے اور میں اسی کا غلام ہوں

مہوش مباش، وجہل راخانہ مشو	چون بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو
آزار کے محورے و دیوانہ مشو	خواہی کرے عمل حلالت باشد

در نیز ملام نیورم بنامی است وزرین صنہ، اخونکہ و شمن کامی است	گربادہ فی خورمثان خامی است سے شاہد حکم درند باید که خورد
---	---

اگرچہ اس میں شبہ ہیں کہ شراب بینی گر اعتدال ہی کے ساتھ گیوں نہو، حال میں حرام ہے اور شخص جواز کا غتوں می دیتا ہے سخت اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اگر تمہارے سامنے دشمن آئیں ایک نیک طبیعت، بے ریا، سجا، دیانت دار ہے لیکن شراب پتیا ہے، دوسرا شراب نہیں پتیا نماز در ذرہ بھی ادا کرتا ہے، لیکن رات دن، نکفیر بیگوں اور غلیبت میں مصروف رہتا ہے اوقتن کے مال پر شرعی حیلوں کو تصرف کرتا ہے، احکام شرعیہ کو اپنی خواہش کے موافق ڈھالتا رہتا ہے، تو قم ان دونوں میں سے کس کو پسند کر دے گے؟ غور کرو، جو لوگ شراب نہیں پتے وہ شراب سے زیادہ گناہ کس میلکی سے کرتے ہیں، خیاص ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

آنحضرتؐ کی کسے می نہ خری	صد کارکنی کہ مے غلام است او را
--------------------------	--------------------------------

خاجہ حافظ نے اسی نکتہ کو نہایت بلیغ پیرا یہ میں ادا کیا ہے،

فقیہ مدرسہ دی مست بو دو فتوے داد	اگر مے حرام اولے بے زمال اوقاف است
----------------------------------	------------------------------------

فلسفہ کیا چیز ہے؟ «حالی اشیا کا دراگ»، چار سے گرد و پیش جو کچھ نظر آتا ہے اُن پر جب بہمنٹڑا لتے ہیں، تو خود بخوبی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا چیز ہیں؟ کیونکہ وجود میں آئیں، کس چیز سے عاصل ہوئیں؟ مفرد ہیں یا مرکب، اسکے ذاتیات کیا ہیں؟ خواص کیا ہیں؟ لوازم کیا ہیں؟ پھر ہم خود چیزوں کو ساتھ ساتھ یا اگے

پچھے وجود میں آتا دیکھتے ہیں اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں کوئی باہم خاص تعلق
 ہے؟ یا اتفاقیہ انکا ساتھ ہو گیا ہے؟ تعلق ہے تو کس قسم کا ہے؟ کیا ذعیت ہے؟ کیون
 ہے؟ غرض یا اور اس قسم کے جتنے سوالات ہیں فلسفہ کا ماہر نہیں ہیں، اور ان کا جواب
 دنیا فلسفہ کا فرض ہے، لیکن ان سب سوالوں سے مقدم یہ سوال ہے کہ کیا ہم اشارہ کی
 حقیقت کو جان سکتے ہیں؟ عموماً تمام حکما اسکا جواب اثبات کی صورت میں دیتے ہیں
 لیکن ہر زمانہ میں ایسے حکما بھی ہوتے آئے ہیں، اور اب بھی ہیں، جن کی رائے ہو
 کہ کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی، ہر مرٹ اسپسسر نے تمام اشارہ کی دو قسمیں
 کی ہیں، وہ چیزیں جو فوق الارداں ہیں، اور انسان کے دائرہ علم میں نہیں آ سکتیں؛
 وہ چیزیں جو تحت ارداں ہیں، پہلی قسم پر اسے ایک خاص رسالہ لکھا ہے اور بتاریا ہو
 کہ انکے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، شابن ہو رہیں کا
 فلسفی امر سے انجکار کرتا ہے، یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی، ختم
 کا بھی یہی نہ ہے، غور کر د، اور غوب غور کرو، جن چیزوں کی نسبت ہمکو لیتیں ہے کہ یہ
 جانتے ہیں، انکو بھی ہم کیا جانتے ہیں، سبکند زیادہ محسوس، بیبی، اور نمایاں مادہ یا
 جسم ہے لیکن غور سے دیکھو ماڈہ کو ہم کس حد تک جانتے ہیں، ہم ماڈہ کے چند خاص
 جانتے ہیں ہم جانتے ہیں، کہ ماڈہ تخلیل ہوتے ہوتے ہوئے، ایسے چھوٹے چھوٹے اجزاء تک
 نہیں ہوتا ہے، جو پر تخلیل نہیں ہو سکتے اور ان کو اجزا سے دیکھا لیسی، کہتے ہیں،
 ان اجزاء میں حرکت، وزن، کشش اتصالی، کشش تقلیل اور چند خواص پائے جاتے

ہن، لیکن یہ اجزاء کے خواص اور اعراض ہیں، انکی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ وجد میں آئے
کہاں سے آئے؟ یہ چیزیں بالکل غیر معلوم ہیں، اس سے بھی زیادہ صفات مثال میں
بھروسہ ہنے ایک سبب ہاتھ میں لیا ہم سمجھتے ہیں کہ تم اسکو جانتے ہیں، اور بدایہ بھائیتے
ہیں، لیکن غور کر دہم کیا جانتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص تحدار کھلتا ہے
ابین خوبصورت ہے، رنگ ہو، مزہ ہے، لیکن ساخت، خوبصورت، رنگ، مزہ یہ سب تواریخ
ہن جذکو قدیم فلسفہ کی زبان میں عرض کئے ہیں، ان میں سے کوئی چیز جو ہر قائم بالذات
نہیں، حالانکہ سب قائم بالذات چیز ہے، اسیلے ہم سبب کی اصلی حقیقت کچھ بھی نہیں معلوم
ہوئی۔

علت و معلول کا سلسلہ جو ہم کسی چیز میں قائم کرتے ہیں جقدر تحقیقات بڑھتی
جاتی ہے پسلسلہ ناقابل اقتدار ثابت ہوتا جاتا ہے، اور پھر اصلی علت کا پتہ نہیں
لکھتا، اوپر سے جو چیز گرتی ہے زین پر آتی ہے، یعنی حکما کی تحقیقات کے مطابق اسکی
 وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں کا مرکز زمین ہے اور ہر چیز مرکز کی طرف کھلتی ہے، لیکن یہ تو
نے ایک غلطی ثابت کی اور بتایا کہ تمام اجسام میں جذب کی خاصیت ہے، اور جو نکہ
زمین ٹھرا جسم ہے اسیلے وہ اپنے سے چھوٹے تمام اجسام کو اپنی طرف جذب کرتا ہے،
لیکن اس سے اصل سلسلہ کیا اصل ہوا، اس قدر بے شبه معلوم ہوا کہ اوپر سے گرنے کی
علت تجاوز اجسام ہے، لیکن تجاوز اجسام کی کیا علت ہے، یعنی اجسام میں
جذب کی خاصیت کیوں ہے؟ یہ مسئلہ اب بھی اسی طرح لاپیخت ہے، غرض اسی طرح

وہ میانی باتیں معلوم ہوئی ہیں ایک اور پر علکار پھر وہی لاعلی پیش آتی ہے، ایک راز کھلتا ہے تو دوسرا راز پیدا ہوتا ہے، ایک گرہ ٹھکنی ہے، تو دوسری گرہ ہیں ٹپ جاتی ہیں

فلسفی شرحقیقت نتوانست کشود	گشت راز دگر آن راز کافشامی کرد
----------------------------	--------------------------------

اسی بنا پر دقیق النظر حکمار کا یہی نہ ہے کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں، سفراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا، «معلوم شد کہ، ایسچ معلوم نشد»، خیام کا بھی یہی نہ ہے ہی، خیام نے اس راستے کو نہایت صراحةً اور نہایت کثرت سے بیان کیا ہے،

کس خلک اسرار فلک رائکشاد	کس یک قدم از نہاد بیردنی نہاد
--------------------------	-------------------------------

چون بگرم از بند می تماستاد	عجز است بدست ہر کار باوزار
----------------------------	----------------------------

آنها کہ محیط نصل و آداب شتمند	در کشف دقيقه شمع اصحاب شتمند
-------------------------------	------------------------------

رہ زین شب تاریک ش بر ذر بربو	گفتند فساد در زخواب شتمند
------------------------------	---------------------------

آنها کہ جہاں زیر قدم فرسوند	واند طلبش ہر دو جہاں پیووند
-----------------------------	-----------------------------

آگاہ نمی شوم کر ایشان ہر گز	زین حال چنان کہ سہست کہ بوند
-----------------------------	------------------------------

جسمے تنکرند در غہب و دین	جسمے تحریر در شکت و یقین
--------------------------	--------------------------

ماگاہ مناد سے براید ز کمین	کاے بخیران براہ نہ آنست فہیں
----------------------------	------------------------------

افسوس کہ سرمایہ رعن بیرون شد	در دست اجل بسے گیر بخون شد
------------------------------	----------------------------

کس ناما زان جہاں کرتا پر سکما زد	کا حوال مسافران عالم چون شد
----------------------------------	-----------------------------

ہر حین کہ زنگے بوئی زیبا ستر	چون لال لخ و چو صرو بالا ستر
------------------------------	------------------------------

نقاش من از برج آراست مراد	علوم نہ شد کہ در طرب خانہ خاک
وزیر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد	کس را پس پر دہ تضالاہ نہ شد
علوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد	ہر کس ز قیاس خویش چیزے گفتہ
درسات ام اسرار آئی دامت	دل ستر حیات را کماہی دانست
فرد اکہ ز خود روسی چخواہی دامت	امروز کہ با خود می نہ دانستی بچ

تکو خیال ہو گا کہ اگر لا علمی، ہی خیاہم کا فلسفہ ہے، تو جتنے جاہل ہیں سب فلسفی
ہیں، لیکن یہ خیال صحیح ہیں، سقراط سے لوگوں نے کہا کہ جب تم بھی کچھ نہیں جانتے،
اور تم بھی نہیں جانتے تو ہم میں کیا فرق ہے، اُس نے کہا صرف یہ کہ میں یہ جانتا
ہوں کہ میں نہیں جانتا اور تم بھی نہیں جانتے کہ تم نہیں جانتے۔

علم عموماً دو قسم کا ہوتا ہے، عالمانہ اور جاہلانہ، زمین، آفتاب، ماہتاب، ان سب
چیزوں کو ایک گنوار بھی جانتا ہے، لیکن جاہلانہ جانتا ہے، ایک کسان بھی جانتا ہو
کہ ایک زین میں ایک وقت دو انواع پیدا نہیں ہو سکتے، اسی کو علم نباتات کا ایک
عالم بھی جانتا ہے لیکن دونوں کے جاننے میں کس قدر فرق ہے، لا علمی کا بھی یہی حال
ہے، ایک فلسفی بھی جانتا ہے کہ وہ خدا کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ایک جاہل بھی
اسکا اقرار کرتا ہے، لیکن دونوں میں کس قدر فرق ہے،

خیاہم کو اس لا علمی پر ناز ہے، اور کہتا ہے کہ ہر شخص اس لا علمی کے رتبہ تک
نہیں پہنچ سکتا۔

تو بے خبری بے خبری کا رفاقت
ہر بے خبر، راز سد بے خبری
اسی کو ایک اور شاعرنے شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے،
تباہی سے رسیدہ دانش من کہ بد انم سبھے کہنا دانم،
یعنی میرا علم اب اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہوں، لکھنے نہیں جانتا،
ایک اور موقع پر خیام کس ادعا سے کہتا ہے،

زندے دیدم شستہ بر بگز تین	زکفر نہ اسلام نہ دنیارہ دین
سچت نہ حقیقت نہ شروعت نہ اقصیں	اندر دو جان کر ابو ذہراً این

لا علی کافل فلسفت صحیح ہو یا نہ تو لیکن دیکھو اسکا اثر کیا ہے،
هر قسم کی تحقیقات، انکشافت، جدید اطلاعات، کامیابی، یہی لا علی کافل نہ ہے اور
اگر جو لوگوں ہو جاتے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں، یا جس چیز کو جانتے ہیں، اُسکی تکمیل
پہنچ گئے ہیں تو علی چیز کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟ آئینہ ہمکو کیوں تلاش ہو گی
ہم کیوں جدوجہد میں صرفت ہو گے؟ (علی) کافل فلسفہ ہمارا شمع را ہے، وہ ہمکو قسم
پر آگے بڑھاتا ہے، ہم جس قدر جانتے جاتے ہیں اُسکو نہ جانتا کہتے ہیں اور آگے
بڑھتے ہیں، خیام گویہ فلسفہ سکھاتا ہے کہ ہمکو کچھ معلوم نہیں لیکن معلوم کرنے کی
خواہش کی ترغیب دلاتا ہے।

گراز پے شہوت ہوا خواہی فت	از من خبرت کہ بے نواخواہی فت
بی دان کوچھ میکنی ہو کجا خواہی فت	بنگر چکسی ہو واز کجا آمدہ؟

تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟ خیام ان سوالوں کی تدقیقات کرنے کی تلقین کرتا ہے، اُنے بڑھ کر فلسفہ کے اور کیا مسائل ہو سکتے ہیں، ایک اور نکتہ نہایت غور کے قابل ہے، اسلامی بنیاد فرقہ کو دیکھو، اُنکے باہمی مسائل مختلفہ کیا ہیں؟ خدا فاعل بالایجاد ہے یا بالارادہ؟ خدا کے صفات عین ذات ہیں یا خارج؟ قدیم ہیں یا حادث؟ خدا کا کلام نفسی ہے یا لفظی؟ یہ مسائل اسقدر فوق الادراک ہیں، جب خدا کی حقیقت ہی معلوم نہیں تو یہ کیا معلوم کرائیں؟ اوصاف کیا ہیں، یا این ہمہ ہر فرقہ کو قطعی تلقین ہے کہ اسکو جوچھ معلوم ہے قطعی ہے اور اسقدر قطعی ہے کہ جو شخص کے خلاف کرتا ہے وہ گمراہ ہے، جاہل ہے، کور باطن ہے، مرتد ہے، کافر ہے، ملعون ہے، معترض، قادر یا اشغرا، اخالیہ، شیوه سنی، سب ایک دوسرا کو کافرا و رگراہ کہتے ہیں، یہاں تک کہ جنگ و جدل پر نوبت پہنچی ہے اور بعد اس کے لگائی کوچھ، مسلمانوں کے خون سے نگین نظر آتے ہیں۔

اگر ان بزرگوں کا خیال ہم کے فلسفہ پر عمل ہوتا یعنی یہ کہ یہ مسائل فوق الادراک ہیں، ہم جس قدر جانتے ہیں، نہ جاننے کے برابر ہے، نہ ہمیں حیثیت سے ہمارا اسی قدر فرض ہر کہ اچالی ایمان لا یعنی یہ کہ خدا ہے، جاتا ہے، دیکھتا ہے، اُستادا کا بتاتا ہے، باقی یہ تدقیقات کہ ان اوصاف کی حقیقت کیا ہے، اس کی ہم کو شناخت نہ تکلیف نہیں دی، تو آج بارہ سو برس سے مسلمانوں کے فرقہ میں جو زائیں

جنگ و جدل، معرکہ آرائیاں، اور خون رنی بیان ہوتی رہیں کیون ہوتیں،
ہاتھ شیراز نے کیا خوب کہا ہے،

بیا کاین دا اور بیا را بپشیں اور لاندا نیم
کیے از کفر میں لاف دیگر طامات می ملند

جبر | یعنی انسان کا مجبور ہونا، جبرا یک نہایت دقیق مسئلہ سے اور گوناظہر غلط معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے کوئی منفی نہیں، قدر یہ کہ تامتر زدہ استدلال اذ پر ہے یعنی یہ کہ انسان کا ارادہ اُسکے اختیار میں ہے، اسیلے انسان مختار ہے لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ بھی اُسکی اختیاری چیز نہیں، ارادہ کے جب تمام اسباب جمع ہو جائیں گے ارادہ خواہ منحواہ پیدا ہو گا، اسکا روکنا یا نہ پیدا ہونے دینا انسان کے اختیار میں نہیں،

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ جبرا کے نام سے بھاگتے ہیں، اور جبرا یہ کو کافر تباہی ہیں خود جبرا ہیں، لیکن مومن سے اقرار نہیں کرتے، اشاعرہ جبرا کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ «انسان کو اپنے افعال پر قدرت ہے»، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قدرت مطلقاً کچھا امر نہیں رکھتی، تو پھر ایسی قدرت سے کیا فائدہ؟ اسی بناء پر علم الشیعہ میں لکھا ہے کہ «اشاعرہ کا کسب، اور جبرا کا جبرا دو نون ڈرام بھائی ہیں»، بہر حال ہم اس بحث کا نیصلہ نہیں کرتے جبرا صحیح ہو یا غلط حتیاً ہم جبرا کا قائل اور معتقد تھا۔

کے گرد راست اپنے من خواستہ ام
پس جملہ خطا راست اپنے من خواستہ ام

ایز دچ تہ خواست اپنے من خواستہ ام
گرمہت صواب اپنے از خواستہ است

صد بواجھی ز مابر انگیخته	نقشت است که پر وجود مار نیخته
اکن بوتہ چین مرا فرد ر نیخته	من زران به ازین نمی تو انکم بودن
وین ششم قصب تو رشته من چه کنم	از آب و گلیم سر شته من کچم
تو بر سر من نوشته من چکنم	هر زنیک و بدی که از من آید بوجود
دارندۀ این چنچ پر آگنده توئی	سازنده کار مردۀ وزنده توئی
اکس را چه گنه چد آفرینیده توئی	من گرچه بدِ م صاحب این بندی

انهین خیالات کو خواجه حافظ نے عجیب یعنی ایون میں ادا کیا ہے،
 برداست زاہد و دعوت نکنم سو بیشت کہ خداد را ذل از بہرہ شتم نہ سر شت
 فلسفہ زندگی خیام کا فلسفہ زندگی، بظاہر اپنیکو رس کی او اذ بازگشتہ ہے،
 یعنی یہ کنگز شتہ اور آیندہ سے کچھ بحث نہیں با جو کچھ ہے حال ہے، اس میں کھاؤ پیو،
 خوش رہو، وگرچیح مصر عجم چنان نام چینیں نیز ہم خواہ ماند،

پر سے قدمت دهد مرا بدل کیشت	در وقت بھار اگر بتبے خوار بیشت
سگ بزم، ار دگر بزم نام بیشت	اگرچہ بہر کرس این سخن باشد بیشت
ایین جملہ مرنقد و ترانی سی بیشت	کیم غمیشہ شراب بلبیار ول بیشت
اک رفت بد و زخم و که آمدہ ز بیشت	تو سے بہشت د دو نیخ اندر گرفند
فر دا کنیا مده است فریاد مکن	روز سے کنگز شتہ است ازویا مکن
حالے خوش باش و عمر پر باد مکن	برنا مده و گز شتہ بنیاد مکن

از درس علوم جملہ بگرینی ہے زان پیش کہ روزگار خونت ریزد	داندر سرزلف دلبراویزی ہے تو خلن پیالہ در قدح ریزی ہے
زان پیش کہ بر سرتا شیخون آرند تو زرن لے غافل نادان کہ ترا	فرمائی کہ تابادہ گھلوں آرند در بوته نہند و باز بیردن آرند
این عقل کہ در راه سعادت پویید دریاب تو این کیدمہ فرصت کہت	روزے صد بار خود ترامی گوید آن ترہ کہ بد روی و آخر روید
دریاب کہ از روح جلد خواهی فرت ئے نوش ندانی از کجا آمدہ	در پرداہ اسرار فنا خواہی فرت خوش باش ندانی کہ کجا خواہی فرت
ما یم حسریا رسے کہنہ تو نو کفتی کہ پس از مرگ کچا خواہی فرت	دواخاہ فرد شندة عالم پر و جو سے پیش من آردو هر کجا خواہی تو

یہ فلسفہ کہ انسان نیکی بھی کا پچھاں نہ رکھے، جو جو میں آئے کرے مڑے
اڑاۓ بظاہر ہیات خطرناک ہے، لیکن خیام سے ایسے خطرناک فلسفہ کی
توقع نہیں ہو سکتی، اُنے بہت سی رباعیون میں معاد، اور جزا اور سرما کا اقرار کیا ہو
اور نکو کاری اور مجھ ایمون سے بچنے کی ہدایت کی ہے،

ایشیانی سلطنتوں میں، جاہ و مال کے حاصل کرنے میں جن ذلیل اکینہ، ناجائز
او سن پاک ذریعوں سے کام لینا پڑتا ہے، اسکا اندازہ ہمارے ملک میں نہیں
ہو سکتا، کم سے کم، سکے لیے کسی ہندوستان ریاست کا سفر اختیار کرنا چاہیے خیاص

کے سامنے زندگی کا جو نمونہ موجود تھا وہ یعنی تھا کہ ارباب دنیا رات دن جو ٹرتوڑ سازش
حیلہ انگیزی، نفاق، خوشامد ہتگ دودا اور ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے تھے
پھر ان سب صفتیوں سے جو چیز حاصل کرتے تھے وہ کس قدر ناقابلِ اعتبار اور سبیع اللہ
ہوتی تھی، آج ایک شخص ذریعہ اعظم ہے، کل دربار مارا پھرتا ہے کل تک ایک شخص تاج
و تخت کا مالک تھا، آج مجید کے دروازہ پر گداگری کر رہا ہے، برآمکہ نے ابھی تمام عالم کو
چھالیا ہے، ابھی خاندان کا خاندان بر بار مونک نام نشان تک ملکیا، اب افضل کل تک
نیمِ حکم خاص تھا اج در بار میں اُسکا سرکٹ کر کر رہا ہے،

ان حالات کو دیکھ کر بے شے ایک فلسفی تکمیل کا اور کئے گا کہ دنیا ناقابلِ اعتبار
باہر منصب کوئی چیز نہیں، خود زندگی کی قدر بیچ ہے، فرمیوں کی خاک سے کھمار کے
برتن بنتے ہیں، اچھی شیدہ کا کابد، خشت سازی کے کام میں آتا ہے، ایسے ہتگ دودا
اور ترد و فکر پیکار ہے، تھوڑی سی زندگی ہی، اسکو قناعت، خاموشی، سکون، اور لینیا
کے ساتھ گزار دو اکھا اپنی خوش بہو، اور خوشی خوشی دنیا سے چلے جاؤ،
خیاہ مارس بات سے واقع ہے کہ اس قسم کے قائل شخص کو عام لوگ ذلت کی
نکاح سے دیکھتے ہیں، لیکن وہ اپنے تجویز کرتا ہے،

ایں جمع اکابر کہ منا صب دارند	از غصہ و غم ز جان خود بیڑا زند
د انکس کہ اسیر حرجیں ایشان سی	د انکس کہ اسیر حرجیں ایشان سی

نہایت خوبی سے وہ قناعت اور آزار ادی کی تبلیغ کرتا ہو،

ایک ذراہ نم کم شود نہ خواہ دا فرزوں	چون رزق تو انچھے عدل قسمت ہے
و ازادہ ز مہرچ پہت می باشد	ام سوہ ز هرچ نیست می باشد
پسند کہ کس راز تو آزار رسد	خواہی کہ ترا تو بیت اسرار رسد
کیں ہر دو وقت خوشی ناچار رسد	ان مرگ میندیش و غم رزق خور

خیام جس زندگی کو قابلِ رشک سمجھتا ہے وہ یہ ہے،

دندو ہر ہر انکہ نیم نانے دارو	وز بہرست آستانے دارو
گوشاد بزمی کہ خوش جانے دارو	نے خادم کس بود نہ خدم کے

ابن سینا نے اس زندگی کی تصویر اس خوبی سے کھلینچی ہے،

رو تا سے نان، اگر از گندم است یا زرد	دو تا سے جامہ اگر کھنہ است یا خود فو
کس نگوید از نیجا بخیز و آن جارو	چار گوشہ دیوار خود انجا طریح
نفر ملکت کی قبادو کے خسر و	خوار بار فردون تربیز وابن سینا

اخلاقی تعلیم خیام کا فلسفہ اخلاقی نہایت مختصر ہے، لیکن جبقدر ہے اس

مختصر سی دنیا کے لیے کافی ہے

غیبت مکن، اول کسان امازار	در عہدہ آن جہاں تم، ابادہ بیار
بنخواہ کسان ایچ ب مقصد نرسد	ایک بد نکند تا بخودش سند رسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بین	تو نیک نہ بینی و به من بد نرسد
گر شادی ازان خلوشتن میدانی	کاسودہ دے راہ غمی بنشانی

پنڈار مصیبت کے عجیب نادانی	درستہ عقل خویش نہیں ہمہ عمر
بشنو سخنے ز عالم رو جانی	لے آنکہ خلاصہ چارار کا نی
باتست، ہر اچھی نہیں نہیں آنی	دیوی ددستی و نلک انسانی

یعنی تم خلیطانِ درزدہ، فرشتہ، انسان، سب کچھ ہو سکتے ہو، اب جو چاہو، ہو جاؤ، تم کہو گے کہ یہ ایسی کیا اچھوئی تعلیم ہے، سب اہل نہ ہب، اسی کی تعلیم دیتے ہیں، ہا ان بیچ ہے لیکن اہل نہ ہب نہیں اپنی فیاضی کا دارہ مخدود کر دیا ہے، انکے نزدیک نیکی، احسان، بھلائی، ہمدردی، غنواری، ان تمام اوصاف کا محل صرف اپنے ہم نہ ہب ہیں، لیکن خیام کے نزدیک آفتاب کی روشنی دشت، وجہن، دونون پر کسان پڑتی ہے،

خیام کی اخلاقی تعلیم میں، ریا کا ری سب سے بڑا جرم ہے، اور اس نے جس خوبی سے اسکی پرده دری کی ہے، آج تک کسی نے نہیں کی، سعدی اور حافظ ریا کا رزاہد و ان اور پیشواؤں کی وجہاں اڑانے میں نہایت نامور ہیں، اور نہایت عجیب عجیب نادر۔ پیرا یون میں ان لوگوں کے پرے کھولتے ہیں، لیکن خیام نے ایک رباعی میں اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے۔

نگر زکر بگستی و چون پیوئی	زانہ بہ زن فاحشہ لگتا مستی
تو نیز چانکہ می نایم هستم	زان گفت چانکہ می نایم هستم

یعنی ایک زانہ ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بد مست ہے، تو خیال نہیں کر سکتی

کہ تو نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا ہے، اُس نے جا ب دیا کہ میں تو جیسا اپنے آپ کے ظاہر میں رکھ لاتی ہوں ویسی ہی ہوں بھی، کیا آپ بھی اپنے آپ کو جیسا رکھ لاتے ہیں
یہی حقیقت میں بھی ہیں۔“

ظاہر و باطن کے یکسان نہونے کی بُراں کا پیرا، اس سے زیادہ اچھوتا نہ اور
مُؤثر و عبرت خیز نہیں ہو سکتا تھا، خیام نے اس بات پر بھی خوب غور کیا تھا، لیکن کن
اسباب سے انسان کو خواہ خواہ ہی ریا میں گرفتار ہونا پڑتا ہے، اسیلے وہ ان موقعوں
بچپن کی تعلیم دیتا ہے،

در راه چنان رو کہ سلامت نہ کند	بغلی چنان زی کہ قیامت نہ کند
در مسجد اگر رو ہی چنان رو کہ ترا	در بیش نہ خوانند و ایامت نہ کند

یعنی رستہ اس طرح چلو کہ کوئی تم کو سلام نہ کرے، لوگوں کے ساتھ اس طرح بس کرو کر
لوگ تھاری تغییر کے لیے قیام نہ کریں، مسجد میں جاؤ تو اس طرح کر لوگ تم سے نام
بننے کی خواہش ظاہر نہ کریں، مطلب یہ کہ ایسی سادگی بے تکلفی خاموشی سے زندگی
بس کرو کر لوگ تم کو مقدس نہ خیال کریں، یہ ظاہر ہے کہ انسان جب لوگوں کی نظر میں
مقدس ہو جاتا ہے تو اسکو سیکھو وہ باتیں ایسی کرنی پڑتی ہیں، جن سے اسکا مقدس
قام کر سکے حالانکہ وہ باتیں پر تکلف کرتا ہے، اگر اس منصب پر وہ نہ پہنچتا تو اس عوامی
اور خفیہ مرتب کی اس کو کیا ضرورت تھی،

خیام کا فلسفہ اخلاق نہ تما اور علماء کے فلسفہ اخلاق سے نہایت بلند ہوا یہ مقدس

اگر وہ کسی کام کو صرف اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اس پر غناب یا ثواب ہو گا، ان لوگوں کو اگر اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ اس فعل پر عذاب نہیں ہو گا، یا خدا اسکو منجشہ بخوا، تو پھر ان کو کچھ پر واثہ ہو گی، خیالِ کام کے کرنے کے وقت صرف یہ دیکھتا ہے کہ خود یہ کام کیسا ہے؟ اگر وہ کام بڑا ہے تو اس سے اب تک کچھ تسلی نہیں ہوتی کہ خدا اس کو منجشہ بخوا، اس کے نزدیک یہی مطلب اعذاب ہے کہ خدا دیکھ رہا تھا، اور اس نے جرم کا انتکاب کیا

با نفس بھیشہ در نبردم چپنم	وز کردہ خوشیشن پر در دم چپنم
گیرم کر ز من در گز رانی پر کرم	زین شرم کر دیدی کہ چپ کر دم چپنم

لینی لے خدا میں نے مان لیا کہ تو میرا گناہ معاف کر دیگا، اور عذاب نہ دیگا، لیکن کیا کم عذاب ہے کہ تیری نظر کے سامنے میں نے ایسا فعل کیا، فقہا کی نسبت خیالِ کم کی را سے [خیال کے فاسد، اخلاقی قطیم اور آزادی خیال، کام نو نہ تم نے دیکھا، ایسا شخص فقہا کی نسبت جو راست رکھ سکتا ہے، تم خود بمحض سکتے تو وہ کہتا ہے اور کس قدر ر پیچ کرتا ہی]

باین دو سہ نادان کر چان دانند	از جمل کہ داتا سے جان ایشانند
خوش باش کراز خری ایشان بیتل	ہر کو نہ خرست کا فرش می دانند

غور کرو، امام غزالی، امام رازی، الحنفی، عربی، شیخ الاسلام، ان میں کوہر شخص فقہا کی تکفیر کا زخم خور دہ ہے کیون؟ صرف اس لیے کہ یہ لوگ فقہا کے سو عامیان اور لغوی عقائد، اور خیالات نہیں رکھتے تھے، اسی نکتہ کو خیالِ اس تلحظہ جملہ میں ادا کرتا ہے

کر جو شخص ان تکفیر کرنے والوں کی طرح سے گدھائیں ہے اسکو یہ لوگ کافر کہتے ہیں،
 خیام نے گوشاوری کے پردہ میں دل کے پھپٹے توڑے لیکن افسوس ہو
 کہ تھا کی خستگیری کی وجہ سے وہ بھی اسرار اور حقائق کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کر سکا
 چنانچہ خود کہتا ہے،

لگتن تو ان کے آن دبای سر است	اسرار جہان چنانکہ درد فترست
تو ان لگتن ہر انچہ در خاطر ما است	چون نہیں در زین مردم دنیا اہلے

افسوس ابا ظاہر پرستون کی گیرودا نے خدا جانے کتنے عجیب و غریب اسرار اور حقائق
 دومن اسی میں دفن کر دیتے، آج آزادتی کا زمانہ ہے، لیکن اب وہ حقائق، اور اسرار کہان
 بازاری اور عامیانہ باتیں زبان پر آئیں تو اس سے کیا حاصل ॥

انچہ در کارست نتوانی تو گفت	انچہ می گوئی تو خود در کار نہیں
-----------------------------	---------------------------------

خیام اور یورپ عجیب اس ہے کہ خیام کی قدر دانی، ایشیا سے زیادہ یورپ
 اور کرنی چاہیے تھی، خیام کے خیالات یورپ سے ابقدر ملتے جلتے ہیں کہ اگر
 موجود ہوتا تو شاید یورپ (نجاتا)،

عمر خیام کی نسبت، ۱۶۹۷ء تک جو چکچک یورپ میں آغا گیا وہ وسایا وغیرہ نہایت حدود
 افغان سے تھا مگر پروفیسر شکو سکی (ZHUKOOSKI) کے قابل یادگار مضمون ذ
 خیالات میں تغیر عظیم، پاکر دیا اور اب پروفیسر راس ہیرن ایمن (HERON ALLEN)
 دغیرہ نے انگریزی میں عمدہ رسمیجے اور تذکرے شائع کیئے، انسے پہلے انگلستان

فنسٹر جیرالڈ

(FITZGERALD) کے مشہور ترجمہ کے علاوہ میکار تھی (MECUTHY)

نے بڑے آنام کے ساتھ چھا پا تھا گریگارز (CORNER) کا ترجمہ

عالما ن اور مطلب خیز تھا۔ ون فلیٹ (WHIIPFIELD) نے ۱۸۸۳ء میں دو کتابیں ایک

میں صرف ترجمہ رباعیات اور دوسری میں رباعیان اور اُنکے مقابل میں ترجمہ شایع کیں

نیکلُس فرانسیسی نے فنسٹر جیرالڈ سے ایک سال بعد فریخ میں ایک ترجمہ شائع (NICHOLAS)

کیا تھا، باطن استیڈ (BODENSTEDT) نے جمن میں ایک ترجمہ چھا پا ہے،

اور چند رباعیون کا ترجمہ ہائیٹل کی زبان میں بھی ہو گیا ہے۔

پروفیسر لکھتے ہیں کہ اگر وہ تمام کتابیں اور سالے جمع کئے جائیں جنہیں عمر خیام کا ہوتا

یا حال شائع ہوا ہے تو درحقیقت ہماری زندگی میں یہ کام پورا نہیں ہو سکتا،

اکسفورڈ میں ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اسکو ہیرن ایں نے عکس میں چھا پا ہے۔

ایک عمدہ نسخہ پیرس میں ہے مگر اکسفورڈ والے سے پُرانا نہیں

انوری

محمد نام احمد الدین لقب، انوری تخلص ابورد کے علاقہ میں پیدا ہوا۔ یہ دولت شاہ کا بیان ہے لیکن جو مختہ کے مقابل واقع ہے، انوری یہیں پیدا ہوا، یہ دولت شاہ کا بیان ہے لیکن عرفی کہتا ہے ع انوری گر بودا ز مہمنه منم از شیراز، اس علامہ کو خاوران بھی کہتے ہیں، اس مناسبت سے انوری نے پہلے اپنا تخلص خاوری رکھا تھا، پھر اپنے اُستاد غارہ کی فرمائش سے بدل کر انوری کر دیا۔

انوری نے علوم و فنون کی تحصیل طوس کے مدرسہ منصوریہ میں کی، اور تمام درسی علوم و فنون حاصل کیے، ریاضی میں خوبی سمجھ ساتھ مکمال پیدا کیا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ انوری ایک دن مدرسہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا کہ مسامنے سے ایک شخص پڑے جاہ و تمبل سے گزرا، انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پاسے تخت کا شاعر ہے، انوری نے اُسی وقت تعلیم و علم کو خیر باد کہا اور رات بھر میں تصدیق کیا کہ طیار کیا جکہ مطلع یہ ہے۔

گردل بخرد دست کان باشد	دل دوست خداگان باشد
------------------------	---------------------

صحیح کو دربار میں جا کر قصیدہ پڑھا، سخرنہایت سخن شناس تھا یہ سنت مخطوط ہوا، اور کہا انوری چاہتے ہو یا صلح، انوری نے آداب بجا لائکر عرض کی،

جزستان توام در جهان پناہیست	سر مر انجمن این در حوالہ گاہتے نیست	
سخنر نے منصب اور فظیفہ مقرر کر دیا، سخنرا دکان سے روانہ ہوا تو انوری بھی ساتھا ہیں چند قصیدے لکھ کر پیش کیئے جن میں سے ایک یہ ہے،		
باز میں چھوٹی و جال ست جہاں	وین حال کر گو شست زم زاد زمان را	
ہمار سے تذکرہ نویسون کی بیخبری دکھوایہ واقعہ سب لکھتے آتے ہیں، لیکن یہی سے د سکا کہ جس قصیدے کو انوری کی شاعری کا دیباچہ کرتے ہیں، اُسکو بھی اٹھا کر دیکھ بھی باہوت، انوری خود اس قصیدہ میں کتابتے،		
خسرو ابیندہ را چوڑاہ سال است	کر ہمی آرزوے آن باشد	
کر زندیان مجلس ارنہ شو د	از مقیمان آستان باشد	
اہ میں صاف تصریح ہو کہ یہ قصیدہ ابتداء نہیں بلکہ دس برس کی امیدواری کے بعد لکھا گیا ہو، انوری جس طرح سخنر کے دربار میں پہنچا ہے، اُسکی کیفیت یہ ہے کہ وری مدت سے شعرو شاعری میں مشغول تھا، لیکن دربار تک رسائی حاصل ہیں ہوئی تھی، جسکی وجہ یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا میر معزی تھا اور وہ کسی کو دربار میں سیاب نہیں ہونے دیتا تھا، اسکا حافظہ نہایت تو سی تھا، یعنی صرف ایک بار کے شفته ن قصیدہ یاد کر لیتا تھا، جب کوئی شاعر دربار میں آتا اور قصیدہ سنا تا آز معزی د شاہ سے کتابت کرے، میری تصنیف ہو، اچنا پچھہ قصیدہ کا قصیدہ خود پڑھ کر سناتا اعز خفیت ہو کر، چلا آتا، انوری کو یہ حالت معاوم ہوئی تو پچھے پڑانے کپڑے پہن،		

پاگلوں کی صورت بن کر معزی کے پاس ہجایا اور کہا کہ میں شاعر ہوں، بادشاہ کی
میخ میں قصیدہ لکھ کر لایا ہوں، آپ پیش کر دیجئے، معزی نے کہا کیا لکھا ہے پڑھ کر
سنا، انوری نے پڑھا۔

زہے میر وزیر ہے شاہ وزیر ہے شاہ	زہے میر وزیر ہے میر وزیر ہے میر
معزی نے کہا یوں کہتے تو مطلع ہو جاتا،	

زہے میر وزیر ہے شاہ وزیر ہے شاہ	زہے ماه وزیر ہے ماہ وزیر ہے ماہ
انوری نے بھلی بھلی باتیں کیں، معزی نے یہ سمجھ کر کہ دربار کا سخرہ بنائیں گے، انوری کے کمال آنا، انوری دوسرے روز پنچالوں معزی خود ساتھ یکر دربار میں گیا اور کہا کہ جو قصیدہ تم نے میخ میں لکھا ہے، سنا، انوری نے شاعر انداز میں پڑھا،	

اگر دل دست بھروسہ کان باشد	دل دست خدا یگان باشد
در جان بادشاہ شان باشد	شان بجز کہ کترین خدش

دو شر پڑھ کر رُک گیا، اور معزی کی طرف خطاب کر کے کہا کہ یہ قصیدہ آپ کا ہے
تو باقی اشعار سنائیئے، معزی چُپ رہا، انوری نے پورا قصیدہ سنایا، سنجھر نہایت
محظوظ ہوا اور نہیں خاص میں داخل کیا، ارفتہ رفتہ یہ مرتبہ حاصل کیا کہ سنجھر نے ہے
آن جاہ و جلال، دو دفعہ انوری کے مکان پر جا کر اُس کی عزت افزائی کی تھی
انوری کو علم نجوم میں کمال تھا، سنجھر کے عہد حکومت میں اتفاق ہو سبب

یہ پوری تفصیل تاریخ حبیب اسیرین، ۳۷ خزانہ عامرہ،

سیارہ برج میزان میں جمع ہوئے، انوری نے اس بنا پر پیشین گوئی کی کہ فلاں دن اس زور کا طوفان آیا کہ تمام مکانات بر باد ہو گائیں گے، لوگوں نے ڈر کر رہے خانے اور سرداب تیار کرائے اور تاریخ مقررہ پر، ان میں چھپکر بیٹھے، اتفاق سے اُس دن اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ چنانچہ گل ہوتا سمجھنے انوری کو ملا کر عتاب کیا، انوری نے کہ قوانات کے احکام فرما لانا ہر نہیں ہوتے فرمی کہ اب نے اسپر قطعہ لکھا،

انجفت انوری کے از جبت بادہایت	ویران شود عمارت و کمیز پرسی
در سال حکم اونہ ذریدہ است پیچ باد	یام سل ارباح تو دانی د انوری

انوری نے اب دربار میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور ترک ملازمت کر کے بیشاپور چلا، یا اب اس کی شہرت دور دو بھیل گئی تھی، ہر طرف سے امراء و رؤسائے کے پیغام آتے تھے کہ ہمارے دربار میں قدم رنج کیجئے ۱۵۲۳ھ میں سلطان احمد پیر وزیر شاہ نے اسکو خط بھیکر بیایا اور ساتھ یک خوارزم کی طرف روانہ ہوا، انوری یہ سننکر کر دیا ہے جیون راہ میں پڑتا ہے اس قدر ڈر اکمن بخ پھیکر سلطان احمد سے مفررت چاہی، اور وہیں رہ گیا، لیکن بخ میں اس قدر تکلیف پہنچی کہ تنگ اگر ایک تھیڈہ لکھا، اور سلطان احمد کی خدمت میں بھیجا، مطلب کی بات اس طرح ادا کی،

این حال کہ در بخ مکنون د گمراہی	از خوف پر بیٹانی د گمراہی
زین پیش اگر وهم و گمان بُردے	آن مختلط کو تہ نظر شاہی

۱۵ اس تھیڈہ کی شرح میں ابو الحسن فراہمی نے اس تھیڈہ کا شان نزول بھی لکھا ہے،

بر عبرہ جیون نہ بہ آموزشش چن بطن پر طبیعت شد می رہا

سلطان احمد نے اوسی کو دربار میں طلب کیا اور متمد خاص بھیجا کہ انوری کو ساتھ لیکر آئے انوری روانہ ہوا، لیکن دریا سے جیون کے کنارے پہنچ کر رہے سنے اور سان جاتے رہتے، رہبر جو ساتھ تھا، ڈھارس دلانے کے لیے، نگ باندھ کر دریا میں امڑا، تیرتا ہوا دوستک گیا اور چاروں طرف چکر لکھا کر دھولا یا کہ گھبرا نے کی بات نہیں انوری بہزار خرابی کشی میں بیٹھا گھاٹ پر شاہی اہتمام تھا، اور اسپ خاصہ سواری کے لیے آیا تھا، انوری نے آداب شاہی کے لحاظ سے گھوڑے پر سوار ہونے میں تامل کیا، لیکن پیش خدمت کے اصرار سے سوار ہوا، اور دربار میں آیا، قصیدہ راہ میں لکھا تھا، دربار میں پہنچ کر طپھا، دیکھو تمام واقعات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے،

مردی کر دو ہم دار پس انچندیں گا
روز بہمن جشن سی دوم بہمن ماہ
گفت بر خیز که از شهر بدرشد ہمراہ
چکشی نقش تخلیل بلغ السیل نہ ربا
بے تھاشی چور فیقی کہ بود از اشباح
پشتا بے کہ وواعم نہ رہی کردون راہ
خملے بست و مر اکر دچوتا ہے برگاہ

جتنی زنجت مساعد کہ سو سے حضرت شنا
اندر آمد ز در ججرہ من جسدے
سال بر پانصد و سی و سه ز تاریخ بجم
چ رو سے راہ تر و قضی لا ام رفیق
چون بر انگلیخت مرارفت و چلغ اونخت
تکہ من جامب پوشیدم و بیرون رقم
او بیرون بر د بدم فرشن اور بیو تکو

هنچنان جمله را هم بسلام است می برد
 تا به حد سے که مراد ادھمے مینے دکفنش
 چون به جیون بر سید کیم زن ہوش نزت
 رفت و بر لبست از ار سے و به جیون حیت
 باز باز آمد و گفت که بدید می سهل است
 کشتی آور در دشمنیم در وہر دو بھم
 او چو غیرے ہے کی گوشہ کاشتی شست
 آخر الامر چو کشتی بسلامت گذشت
 عرصه دیدم چون جان و جوانے بخوبی
 گفتم لے بخت بخت است سوا در ترمد
 باش تا شهر یعنی، و در وبار ملک در بار ^{۱۷}
 تادرین بودم اگر نسے زور شهر نجاست
 آمد القصہ و آورد جینیت پیشم
 بوسه دادم مُم، وزانو سے ور کابش آهرا
 به سعادت ہے سر آخ خود باز حسرام
 این ہمی گفتم و اودست ہمیکونت کئے
 لے سراند رزن، موخدا نہ کر لینا، یعنی مین دو طری کی طرح کبھی موخدا بہر کافانا تھا اور کبھی اندر کریتا تھا

اقسامِ نغم میں سے انوری کی طبیعت بجو سے خاص مناسبت رکھتی تھی، بجو میں
وہ نہایت دلچسپ اور لطیف مظاہر میں پیدا کرتا تھا، بجو شراری کی زبان سے نکلتا عالم
میں پھیل جاتا، اسکے ساتھ طبیعت میں تنک ظرفی اور کم حصگی تھی از را کسی سے
مرنج ہوا اور اُسکی بجھ کا طوار باندہ دیا، اس عادت کی وجہ سے اُسنے سارے زیماں کو
وشنمن بنالیا تھا، چنانچہ سلطان علاء الدین ملک اجمال سے لوگوں نے شکایت کی
کہ انوری نے حضور کی بھوکھی ہے، سلطان نے ملک طوطی کو جرم و شاہجان کا رسیں
تھا، خط لکھا کہ انوری کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دو، ملک طوطی نے فخر الدین فرزی
کو جو اسکے دربار کا شاعر اور نشی تحا حکم دیا کہ انوری کو لکھوکر میں آپ کے ملنے کا شق
ہوں، فخر الدین مروزی انوری کا بڑا درست تھا، اُسنے انوری کو اصل حال سے
مطلع کرنا چاہا، لیکن ملک طوطی کے ڈر سے صاف صاف نہیں لکھ سکتا تھا، اس لیو
خط کے سر نامہ پر یہ شعر لکھا،

هی الدنیا لقول بملاء فیها حذا رحذا من بطيشه وفتکی

انوری سمجھا کہ کچھ بھیجید ہے، تحقیق سے اصل واقعہ معلوم ہوا، ملک طوطی کے
دربار میں سفارش میں پنچا میں، سلطان علاء الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے
ملک طوطی کو لکھا کہ انوری کو میرے دربار میں بھیج دہزار بکریاں صلہ میں دوں گا،
ملک طوطی نے انوری کو بنا کر کہا کہ تمہارے معاوضہ میں مجھکو ہزار بکریاں ملتی ہیں
انوری نے کہا علاء الدین مجکو ہزار بکریوں کے بد لے خریدتا ہے، اور آپ مفت

بھی نہیں لیتے، ملک طوطی کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اپنے مقررین میں داخل کیا۔ اُنوری کے مخالف شعر انے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود بھروسے کو کہا کر اُسکے نام سے مشہور کرتے تھے اور انوری کو اسکا خمیازہ اٹھانا پڑتا تھا، چنانچہ جب وہ منج دن آیا، تو فتوحی شاعر نے حکیم سوزنی کی فرمائش سے لمح کی بھجوکھی اور انوری کے نام سے مشہور کر دی، اُسکے چند اشعار یہ ہیں،

پار شہر است خراسان را بہر چار طرف
کر و سط شان بہ سافت کم صد دھنیت
ز چنان بہت کہ آبتنی دام دو دنیت
بیہز بیخ بر دنے نیت کہ صد خر دنیت
معدن ز روگہربے سرب و بُندیت
اگر بہشت است ہین سوت و گز خونیت

پار شہر است خراسان را بہر چار طرف
غیر چہ معمور خداش ہم مردم دارد
زمخ راعیب اگر چند باد باش کنند
صحر جام را چارہ بودا نبدونیک
جنڈا شہر نشاپور کہ در ملک خدلے

اہل شہر اس پر اس قدر بہم ہوئے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اور ہنی
اڑھا کر گلی کو چون میں تشریکی، اس سے بھی زیادہ نوبت بخیتی، لیکن قاضی حمید الدین
بھکی تصنیف سے مقامات حمیدی ہے، اور بھکی شان میں انوری نے لکھا ہو،

بمح و فنا گر کنم راے نظرے	ز دشوار گو حیم ن آسان فرستم	
ولیکن ہب مح جناب حمیدی	اگر و سے با خندہ رہاسان فرستم	

لہ لب الباب عوفی یزدی و مجمع الفصوات ذکرہ فخر الدین مرزا زی، ۳۵۵ مجمع الفصوات ذکرہ فتوحی مرزا زی
سریاض اصحابین تذکرہ انوری، دولت شاہ نے لکھا ہے کہ خود انوری نے بھجوکھی بھکی لیکن یہ غلط ہے،

انجمن نے انوری کی حمایت کی اور اس کی جان بچنی، انوری نے ان واقعات کا اس تصدیق میں ذکر کیا ہے،

لے سلطانان ننان ازد و رحیخ چبری

چونکہ انوری کے بھائی میں ابوطالب نعیم صنی الدین عجم، عفتی تاج الدین جس مغرب نظام الدین احمد مدرس نے بھی کوشش کی تھی، اسیے تصدیق میں سب کا ذکر کیا ہے اور بخ کی وجہ سے نہایت تبری کی ہے کہ بخ قبة الاسلام ہے میں اس کی بخ کیونکر کہہ سکتا ہوں،

بالآخر انوری نے تمام نویات سے توبہ کی، اور گوشہ گزین ہو کر بیٹھا، سلطان علیہ السلام غوری جانسوز نے دربار میں طلب کیا، لیکن اسے انکار کیا اور یہ قطعہ جواب میں لکھا

جا سے آرام و خور د و خاب من است	کلبه کاندر د بہ روز و بہ شب
چمچ در عین رشک و تاب من است	جا کیے دارم اند رو که از و ،
ہمسر د کلبه خراب من است	ہر پسہ در مجلس ملوک بود ،
اگر دخوان من و کتاب من است	ر حل اجنسر اد و نان خشک در و
زخم سه و نفہ رباب من است	قلم کوتہ و صریر خوش
از بزار اطلس اتحاب من است	خرقہ صوفیا ذہ اطلس
حاش للسامین غذاب من است	ہر چسہ بیرون بود ازین کم دیش
نہ بیاز و سے خاک و آسمان است	خدمت باد شہ کہ باقی باد ،

آن که او مر جو و ماب من است
چ کنم این خطا صواب من است
جامه و جائے من جواب من است

ین قدر راه رجت بسته است
ین طریق از نماش است خط
یست این بندہ را زبان جواب

سچ اور بھوکے ساتھ غزل کنی بھی چھوڑ دی، کسی نے پوچھا تو جواب دیا،

گفتم از من و بھادست بیفتاند م ام
حالت رفتہ دگر باز نیاید زعد م
اک مراثوت و حرص و غبیب بود بھم

دی مرا عاشقی، گفت غزل می گوئی
غفت چون گفتش آن جانبِ مگرای بود
غزل و من و بجا هر سه ازان می گفتم

خیر شعر کا مضمون اگرچہ عربی سے باخوبی ہے، لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوری
شاعری کی حقیقت سے واقع تھا، یعنی یہ کہ شاعری، اخذ بابت انسانی کے اظہار کا
نام ہے، شہوت، حرص، غصہ، سب جذبات ہیں، اور یہی جذبات غزل و مرح
و رہج کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں،

الوری نے حسب روایت دولت شاہ عالم ۵۷۵ھ میں بقا م بنخ وفات پائی

در سلطان احمد خضردیہ کے پہلو میں دفن ہوا،

انوری بخلاف اکثر شعراء کے اکثر علوم متداول میں کمال رکھتا تھا، چنانچہ خود کہتے

طن مبرک نظم القاظ و معانی قاصم
خواہ جزوی باشد آن راخواہ کلی قادر
لماستی باید گویم با نصیب و افرم

چ درستم در من و غزل میکنار کی
له برہ عسلم کر اقراریں من داند کسے
طن و موسیقی وہیات خنا ماند کے

گر تو قصد لیش کنی بر تحریح و سلسلش مامرا
کشف دانم کرد اگر حاسد نباشد ناظرم
در همی باور نه دانی رنج شومن حاضرم
چون سنای هستم آخر گر نیز بخون صابر م
صدر او را ایاد گار ناصر الدین طاهر

وزر آگاهی اپنے قصد لیش کند عقل صریح
وز طبیعی رمز چند از چند بے تشویر بہت
نیستم هم جاہل از اعمال حکام نجوم
این همسر گذار با ضغر مجبرد آدم
قد من صاحب قوام الدین حسن اندلناکم

ان کمالات کی وجہ سے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے، سلطان سخراں جاہ
جلال کا بادشاہ ایسکے گھر آتا تھا، فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال وزرا کے ہان سے
سالانہ پانچ سو اشرفیان مقرر تھیں، با این ہمچنہ چونکہ طبیعت کا دنی تھا اور زبان قابوں
نہ تھی اسیلے ذلتین اٹھانا تھا، ایک وزیر کی مرح میں قطعہ لکھا اوس اخیر میں یہ شعر لکھئے

حال سیرون و درون نہ جانا دا نی
وز درون پیر ہن بو حسن عمرانی

تو کہ از دور ہمی بینی پوشیدہ مرا
طاق بو طالب نہم است کہ دارم برو

یعنی میرے بدن پر بدت کے پھٹے پڑانے کپڑے ہیں، چادر ابو طالب کی دی ہوئی
ہے اور پیرا ہم ابو حسن عمرانی کاغذیت کیا ہوا ہے، وزیر نے ناراض ہو کر، فتوحی
مروزی کو حکم دیا کہ جواب لکھے، چنانچہ اُس نے ایک قصیدہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہیں

داشت در بخ ملک شاہ تجو از رانی
قرض آن پیر سر خشی نزچمی بتانی
بتوہر سالمہ رسدم رے پانصد کافی

از پس آنکہ بیک مردو الفٹکی
حدنیں آنکہ ہزار دگرت داد وزیر
از پس آنکہ زانعام جلال اوز رار

دشنائے کر فستادہ ان نادانی	لے بہ دنانی معرفت چرا میگوئی
وز درون پیر ہن بو احسن عمرانی	طاق بولالب نعم است کرد ارم ربوب
طاق و پیر ہنسے دوخت ہمی تو نانی	چ سخیل کہ پندریں زر و سیم و نعمت
بو احسن آنکہ ز احسانش سخن میرانی	پانزده سال فزوں باشد تاکشہ شدہ
پس مخوان پیر منش کو زرہ خفتانی	پیر ہن کہنہ اور گرت بجائیست ہنوز
سندا نند ہمی ابرام و گرستا نی	باتی عمر غلب آن پیر ہن و طاق ترا

یعنی ابو احسن عمرانی کو مرے ہوئے آج پندرہ برس ہو گئے، اتنی مدت تک اس کا دیا ہوا پیر ہن موجود ہے تو پیر ہن کا ہے کو زرہ ہے، اور اس کے ہوتے اب کسی پیر ہن کی کیا حاجت ہے،

لطیفہ، ایک دفعہ انوری راہ میں چلا جاتا تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ اشعار پر پورا کر انوری نے خیال کیا تو اسی کے اشعار تھے پوچھا کہ آپ کا تخلص کیا ہے؟ اُس نے کہا انوری، انوری نے کہا، شعر کے چوپلے بھی سنے تھے، شاعر چرانے والا آج دیکھا کلام پر رائے انوری جس پایہ کا شاعر تھا، اس سے زیادہ بہت خوش قسمت تھا

ایران میں تین شاعر پیغمبر بن سیم کئے گئے، ان میں ایک انوری بھی ہو، چنانچہ شہور ہے،

در شعر سه تن پیغمبر اند	ہر چند کہ لا بنی بعدی
-------------------------	-----------------------

ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی،

ہاتھی نے شنوی کی رعایت سے اسکو اس طرح بدل دیا ہے،

قولے است کہ جگلی رافندہ	در شعر سه تن پمیر انندہ
ہر چند کہ لابنی بعدی	فردوسی و انوری و سعدی

اباقان خان کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ انوری اور ظہیر فاریابی دو ٹین

کو ترجیح ہے، سب نے مجید ہمکر کوتالث تراہ دیا اور ایک منظوم استفتا لکھا،

اسے آن زمین وقار کہ برآسان فضل	مجھے زناقدانِ سخن گفتہ ظہیر
ما نجسیہ فصلے و خورشید انوری	مجھے دگر بردین سخنِ لکار می کنند
ترنجح می نہند بر اشعار انوری	رججان کیک طرف تو بیشان نگاہت
فی الجملہ در محل نزاع اند و داوری	
زیر نگین طبع تو ملک سخوری	

مجید ہمکرنے جواب لکھا،

جمعی زاہل خطہ کاشان کے بردہ اند	کر دند بحث در سخن نیشاں نظم
ساخود کے سفتہ بہ دُر در سخوری	در انوری مناظہ شان فت در ظہیر
تم امر کراست پا یہ بہتر ز شاعری	انصاف چون نیافت گروہ از دگر گروہ
مر بندہ را گزید نظر شان پہ داوری	در کان طبع آن چو گبشم کران کر ان
در قصر بحریں چون خودم شاوری	

۱۷ مجید ہمکر اس در بہ کاشاعر تھا کہ بخون نے ایک شیخ سعدی کا ہم پڑھانا ہوا،

تنظم دگر پر آمدہ چون مهر خادری بر ترز انوری نہ زندلاف شاعری	شیر کیے برآمدہ چون دُر شاہ بوار شغف طیہر اگرچہ برآمدہ خبس شر
خاصد کہ در شناگر می و موح گستربی کے پہلو ذر خاصیت قند عسکری	برادج مشتری نز سد تیر نظم او طہم مرطب اگرچہ لذیذ است خوش فن
گر تو مقتشد سخنِ محمد مہسکری در خاؤ مین و دال ز جو چپیری	انیست اعتماد رہی خوش قبول کُن زداد این نیجہ نیم شب از آخر جب

اما می ہروہی نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ گفتہ ہیں،

ای ساکرے ساکرے فکرت درین عالی معد و نیتی سعیت چو نگری	تمیز رانہ بہر تنا سب درین رو طور کیم بن جنگ است و ان سحران شمع این
چچ احتیاج نیت بدین شرح گستربی ایں ما آن تارہ و آن حور و ایق سی	

انوری نہیں سے بلکہ اپنے تمام معاصرین سے بڑھ کر موت و ہکوانکار نہیں، لیکن اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو میں اسکو جگد دیجائے، قطع شہور اور مجدمہ کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ انوری قصیدہ گوئی میں بنیجہ بحق جس طرح فردوسی اور سعدی تنوی اور غزل میں تھے، لیکن یہ اور بھی حریت الگنیز ہے ملہ یہ دیکھا اما می یہی بنکو مجدمہ کرنے شیخ سعدی پر تنحی دی تھی، اور شیخ سعدی نے نہ ارض ہو گر کہا تھا

۳۲

ہمکہ کہ میر خود کر دست نماز پر خلک نیت کہ ہرگز بہ اما می نرسد،

سلہ مجلس المومنین تذکرہ انوری، ہمکہ کے تقطیع کے خدشہ رہنے چھوڑ دیئے ہیں،

قصیدہ کا جواندہ رحل آتا تھا، اسپر انوری نے کچھ اضافہ نہیں کیا، اور جس قدر کیا اُس ہیں اُسکے اور ہم صدر شریک ہیں، انوری کے قصائد کے خصوصیات یہ بتائے جاتے ہیں کہ اُس نے جدید مضمایں پیدا کیئے، مبالغہ کو ترقی دی، نی تشبیہیں پیدا کیں، لیکن پیدا کیں جعلی، ارزقی، اونٹھیران بالون میں انوری سے کسی طرح کم نہیں، انوری نے ایک قصیدہ میں ہلال کی تشبیہ سے مح کی طرف گزیز کیا ہے، اور وہ انوری کے مخالن اشعار میں محسوب ہے،

آنکہ دستور شاہ راست غلام	زوش سلطان ججخ آینہ فام
چنان بہ دست غروب دا زرام	از کمنار بندگاہ اُفق
گوشوارِ فلک زگوشتہ بام	دیدم اند رسواد طڑہ شب
قرۃ العین وغزال نظام	گفتم ان نعل خنگ دستور است

لیکن یہ تشبیہ اور گزیز منطقی رازی سے ماخوذ ہے، اور کہتا ہے،

کہ ناید و منش بگرفت نقصان	میگر دون گر بیمار گشتہ
برآمد بر فلک چون نوک چگان	بسان گوی سین بود اکنون
فکندا این نعل رترین در پیايان	تو گفتی خنگ صاحب تاختن کرد

اس میں جو لطافت اور ندرت ہے انوری کے ہاں نہیں، طفیل ریاضی نے بھی اس تشبیہ کو لیا ہو لیکن چند اور تشبیہیں اضافہ کر کے اسکو زیادہ دلاوزیز کر دیا ہو،

شکل ہلال چون سرچ گان آسمان	پیدا اشد از کراہ میسداں آسمان
----------------------------	-------------------------------

گفتم کہ اسے نیچے اعطاف کر دگا ر
کر زکار گا وغیب ہے گردد آشکار
لئی زساعد کہ پر بود است این سوار
دای که چیست با تو گویم با خصار
ہر ماہ بہ سر شند از بیرافتی

نام خرد یہ مجرہ خلوت شستا فتم
را این چ نقش بواجعہ و نسلن نادرست
دوں ز جامہ کہ ہ بردید ہ است این طرز
ست انچہ بر شمردی انان جلد پچ نیست
لیل هند شاد جہان است کاسماں

ان کی ناقد رسی میں انوری کا مشور شعر ہے،

پ کان خویش درون بے بہابود گوہزم

شنر خویش درون بے خطر بود مردم

لن یہ بالکل میر غفری کے شعر کا سر قہے،

گوہر بکان خویش ندارو بے بہا

غرض انوری کی سپنیبری کے ثبوت میں کوئی معجزہ موجود نہیں، البتہ اپنے

عاصرین یعنی ادب صابر، ارتقی، لامی، رشید الدین و طواط، عبد الواسع جبل، غفری

غیرہ سے بعض باتوں میں ممتاز ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

سب سے بڑا صفت یہ ہے کہ اور شرعاً کی طرح اسکا کلام مج پر محدود نہیں، وہ ہر

ح کے واقعات اور معاملات ادا کرتا ہے، جس سے زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے

ج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے، تو اسکو افاظ میں، بندش میں ترکیب

ن، انوری کے سوا اور شرعاً کے کلام سے بہت کم مدد میگی،

ایک قصیدہ میں شاعری کی بُرائی اور اسکا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے

اس میں وہ تمام خیالات خلا ہر کیے ہیں جو آج کل شاعری کے پیکا نتابت کرنے میں پیش کیے جاتے ہیں اس نے ثابت کیا ہو کہ شاعر کا رتبہ حلال خور سے بھی کم ہے اسیلے کہ حلال خور دنیا کے لیے ضروری ہے لیکن شاعری کی کی ضرورت ہے ہی ایک دن سی چیز کے بنائے میں باسط اور بلا و باسطہ سیکڑوں آدمی کی شرکت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن شاعر کو نہ کام انجام دیکھتا ہے مدحیہ شعر کہہ کر صلحہ کا طالب ہونا کس قدر لنو ہے مددوح نے کب کہا تھا کہ تمہاری میح کرو البتہ وہ شاعر قدر کی قابل ہو جو کسی کی میح وغیرہ نہیں کرتا ان تمام خیالات کو انوری نے نہایت صفائی اور جستگی سواد کی

تاز ماشیتے گد، اس را مردم نشمی
حاش اللہ تاذداني این سخن را سرسی
ناقلہ باید تو نہ اپنی کہ خود بیردن پری
آن کیے جو لاگی داند گر کنہ بڑی گری
در نظام عالم از رو سے خرد گر نگیری
نان زکن اسی خوری بوزان بود کن شاہ
تا تو ناد انسستہ و بے آگئی نا نے خوری
آن زمان خوردن بود دانی چپا شد پری
ہم تقاضا ریش کا وی ہم بجا
انیکہ میخواہی از رو، یا آنکہ زو مستکبری

لے برادر بشنوی رمزی ز شعر و شاعری
زان کہ از کتنا سن اکس در ماں کچ چانہ سیت
زاں کہ حاجت فتد تا فضلہ را کم کشد
کار خالد کے بھفرے می شود ہر گز تمام
با ذکر شاعر نہ باشد، پیچ نقصان نا و فتد
آدمی را چون مؤمن شرط کا رشکت ہت
آن شنیدستی کہ سه صد کس بیابید میشی و در
در از سلے آن اگراز تو نباشد یا رسیے
قابل چون نداری بر کے حقیقت دان بہت
از چہ واجب شد گبوب آخر بین آزاد مرد

ساترا لازم شود چندان نهایت گسترشی
هم تو حاکم باش تا هم زان که بفروشی خری
لے سلهانان فقان از دست شمش پیوری
تماش گو خداه حیوان باش فخواهی مشتری
کانوری یا فتوحی در سخن یا سخیری
دان نه از خبیث سخن بل از کمال قادری
پس مردی اگر کویدت من دیگر تم تو دیگری
تاغفاے بعلی خواند نه ثرا ثرا بختی

او ترا کے گفت بکارین گلتیره هارا جمع کن
غم خود خود میکنی صاف از وتا وان مخواه
دشمنِ جانِ من آمد شعر خنپش پر درم
شعر رانی چیست بدو لازر دمی چیغیل تجل
این که پرسد هر زمان این کو خان گاکو لیش
راستی یا بفراس آمدنگار شاعران
زنگنه همچون دیگران می خشنا هرگز گفت
مرد را باید که حکمت نیزدا من گیرد ش

جس زمانه میں غزوہ (رتاتاریوں) نے سلطان سخن کو گرفتار کر لیا اور کسی
برس تک قیدیین رکھا، تمام ملک میں بامنی پھیل گئی، اہل خراسان نے احمد سلیمان
استعانت کرنا چاہا انوری سے درخواست کی کہ ان عترت اگنیز و اتفاقات کو نظم
میں ادا کر دے، انوری نے فرمائیں کی تمیل کی،

نامه اہل خراسان بہ بہ خاقان بر
نامه مطلع او، سنج تن و آفت جان
نامه در شکنش، خون شہیدان هضم
بر خداوند جهان خاقان پوشیده مگر
لے منو چر لقا، خسر و افريدن فر

بر سخن قند اگر گندز ری لے باد سحر
نامه مطلع او، سنج تن و آفت جان
نامه بر رتش، آه شہیدان پسیدا
تاكون حال خراسان ور عایا بوده است
لے کیو مرث بقا، باد شه کسرے عدل

چون شنیدی نہ سر تم در ایشان نگر کاے دلی دولت و دین راز تو خادی فظیل نیست یک تن ذخیر اسان که نشد زیر دزیر بر کر بیان جهان گشته، لیجان، همتر	قصه اهل خراسان بثنو از سر لطف این دل افگار جگر سو خگان می گویند خبرت هست کزین زیر وز بر شوم غزان بر بزرگان زمان خدده، خردان سالار
بکر چڑ و مد شیکم مام نیابی خسته که مسلمان نه کند صد یک آن با کافر ملک رازین ستم آزاد کن اے پاک سیر از پس آنکه نخور دندے از ناز شکر	شاد الایه در مرگ نه بیسی مرمدم بر مسلمانان زان شکل کنند استخفاف خلق رازین غم فریادرس اے شاه نزاد رحم کن رحم بر آن قوم که جو بیند جوین
از پس آنکه از اطلس شان بونے بستر کسی دوست کو دعوت میں بلا یا ہے اور نظم میں رقم کھا ہو،	رحم کن رحم بر آنسا که نیا بند نمد

اگر چنیست مجلس در خور تو تو آئی نزد ما ہے یا ما بڑ تو ۹	ندار و مجلس اپے تو نور سے چ فرمائی چ گوئی مصلحت عپیت
--	---

بعد ازان عشق نبازم نہ بہو دن عیش قوت ناستدن ہست فلکلند الحمد	من دایں عهد که با تجہز عتنای جہاں قوت دادن اگر نیست، مرا باکے نیست
---	---

یعنی اگر دوسروں کو دینے کا مقدور نہیں تو یہ قدرت تو ہے کہ دوسروں سے کچھ نہ لوں، علم کی بقدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہے،

لے خواجہ مکن ہاتا بوانی طلب علم	تاد طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو سخنگی پیشہ کن و مطری آموز	تاد اخود ان کھترہ و مترپتا نی
فرعون و عذاب باد پریش مقص	موسے کلیم اللہ و چوپی و شبانی

یعنی فرعون کا فر ہو کر داڑھی میں بوتی پر دتا تھا، اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہو کر کیریاں
چھاتے تھے،

عوام کی بے یقینی، کو ایک فرضی قصہ میں ادا کرتا ہو،

رو بھے جی ووید دیغم جان،	رو بھے دیگر ش بدی چنان
اگفت خیر است، باز گوئی خیر	اگفت خرگیری کند سلطان
اگفت تو خرد، چہ می ترسی	اگفت آرے ولیک آدمیان
می نداند رو، فرق می نہ کنسد	خرور و باو شان بود کیسان

شیخ سعدی نے، این ہم بچہ شتر است، کا لطیفہ غالباً یہیں سے لیا ہوا
بات چیت، خط کتا بہت میں ایشیائی تکلفات سے انوری بھی تنگ آگی تھا
چانپ کرتا ہے اور کس بے تکلفی سے کرتا ہے،

مکلف میان و د آزاد مرد	بودنا پسندیده و سخت کام
بیا تا تکلف بیک سونہ سیم	ن از تو رکورع و ن از ما قیام
پسنت کنم اقد ازین سپیں	سلام علیکم، علیکم سلام

انوری کا اصلی ما یہ فخر ہو ہے اور کچھ شہبہ نہیں کہ اگر بھوگوئی شریعت ہوتی تو
اگر

انورتی اسکا پیغمبر ہوتا، جو میں انسے نہایت اچھوتے، نادر، باریک، اور لطیف مٹا
پیدا کئے ہیں، ان بھروسے میں قوت تجھیل چو شاعری کی سب سے ضروری شرط ہے صاف
انتظر آئی بست، لیکن افسوس اور رخت افسوس ہے کہ اس صفت میں اسکا جو کلام زیادہ
نادر ہے، اُسی قدر زیادہ فخش ہے، سیکڑوں اشعار ہیں لیکن دو ایک کے سو
ایک بھی درج کرنے کے قابل ہیں، کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو آشکدہ آذربوجہد ہے ہم
پتے دست و تلم کو اس سے آسودہ نہیں کر سکتے، ایک آدھہ جو فخش سے خالی ہی
ہے، وہ حاضر ہو،

پلے ایک شخص کی منگھی پھر صد کا تقاضا کیا، اسکے بعد بھوکی دہنی دی، دیکھو
اس لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے،

سنبت رسم بود شاعران طامع را	کے مجھ و دگر قطعہ، تقاضا نی
اگر بد اد سوم شکر، در نہ داد جا	ازین سنبت دو گتم، دگر جو فرامی

یعنی شاعر دن کا قاعدہ ہے کہ تین نظمیں لکھتے ہیں، اول مرح پھر قطعہ تقاضا نی
جیسیں صد کا تقاضا ہو تو اس سے، اس بندوق فیصلہ دیا تو شکریہ ورنہ ہجوان تین نظموں
سے، میں دو تو کہہ چکا، فرمائیے اب کیا ارشاد ہوتا ہو،
گھوڑے کی بجو لکھتا ہو،

بر عادت از دن ای اصره ای بر ون شدم	ایک دو آشنا، تم از اینا سے روزگار
اپسے چنان کردانی زیر از میان زیر	وز کا ہلی کہ بود نہ سکسک نہ را ہوا ر

من گاہ از دپایا دہ و گاہتے برا و سوار
نہ از زمین خستم بر انگلخی سعبار
اگبند لک ازان ک عنانش فرد گزار
چشمے سوے مینم و گوشے سوے سوار

زخت دخیز ماند ہمسہ را و عید گاہ
از غبار خاستہ بیردن شد سے بزور
طفشہ ازین ک رکابش در انکن
ن دالہ و محل تحریر فر دشنہ

سودا نے گھوڑے کی بھوئیں جو قصیدہ لکھا ہے اسی کا تسبیح ہے، چنانچہ

بھروسہ قافیہ بھی یہی ہے،

نکتہ، اوری کے دیوان میں چند بھوئیں، انوری کی پیغمبری اور بیٹے کی بھی باتیں
بیانیں، عام لوگون کا خیال ہے کہ اوری کو بھوکا ایسا پچکا کا پڑ گیا تھا کہ بیوی اور
بیٹے کو بھی نجھوڑ سکا، لیکن غالباً اور شوانے یہ بھوئیں لکھ کر اُسکے دیوان میں داخل
رہیں، اور چونکہ پبلک اُسکی دشمن تھی اسیلے وہ اسی طرح قائم رہ گئیں، اس خیال کی
بیانیں سے ہوتی ہے کہ فتوحی مردوزی نے اوری کے نام سے لمح کی جو بھو
کر مشهور کر دی وہ آج تک اوری کے دیوان میں داخل ہو، حالانکہ ابو الحسن باہی
ناسح قصالہ اوری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ بھو، فتوحی مردوزی کی اصنیف
انوری علوم عربی میں کمال رکھتا تھا، اسیلے اسکے کلام میں یہ خصوصیت خوبیز
بیدا ہو گئی ہے کہ عربی تلمیحات، عربی جملے، عربی الفاظ، اس خوبی سے شامل
ہوتا ہے کہ گویا انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے، ملاحظہ ہو،

اول شان امراء القیم، آخر شان زیار

ماعری، دافی کدامی قوم کر دندان کر بود

رین کمن خادم ہی پر دازم الکون بالحریت سامری گو تابیا مگوشمال کامسان
شانی کے قصیدے کا جو جواب لکھا ہے اس میں اکثر قافیتے اسی قسم کے
آئے ہیں، مثلاً۔

زیا چوچ تمنارخنه درستِ دلو شیخنا	بر و جان پدر تن در شیست ده کدیرا قند
ولیک از جاحد و اهم بر نیزد پیچ بفینا	بلے ازادجا هدد ایکسر بپست قست این شتر
در خرا سان تازه بنہادم اقامت اسساں	چون مراد خویش را بملک سے کردم تیاس
عقل سی روز و طبع ما ہے بودجا اسما بر اس	چون غلیشت را مقابل کروه شد با اینی
کا قتاب از آفتاب بہت کرد اتفاق باس	انظر و ناقتبس من نز کم کے گفت چرخ
بادے اند رلختے کور انباشد بحیل میں	ناکر باشند این مثل کا لیاس احادی الحجین
تا بصحح خشن میگو میا حاد ام سدا من	بلے سپیده دم شب خذلان بخواہت پا ملک

تبیٰ کے اس مطلع کی طرف اشارہ ہے احادیث مرسد اس فی أحد۔

دوستان باکیک جگر پُغون کر ائنیقت بد مضم	دوستان باکیک جگر پُغون کر ائنیقت بد مضم
---	---

اخصاص خلقته بی دی	آدم از بیت وجود تو یافت
بر سیل سوال مطلب ایتے	دوش با اسماں ہے گفت تم
بہت گفت قد ضممت علی	کاے علی اخچ این حشم کپیت
کر من الماء کل شئی ختے	میر آب ست و حق ہے گوید
خصم تو و قاعدہ ملک اے	آن شدہ از بد و جہاں مستقیم

چون دو بنابرود بہ افرا شستہ	زمان دو کیے محدث و دیگر قدیم
زلزلہ الساعۃ شئ عظیم	ززلہ قہر تو شان کرد پست

جو لوگ انوری کی پیغمبری کے قائل ہیں وہ اسکے ثبوت میں اُسکی مضمون آفرینیوں کو استدلال کرتے ہیں،

متینی نے مضمون یادھاتھا کہ مددوح گو انسانوں میں داخل ہے لیکن انسانوں کی
فائق ہو جس طرح نافذ کہ ہر کے خون سے بنائے، لیکن خون سے اسکو کچھ نسبت
نہیں ہے،

فَإِنْ تَفْقَى الْأَنَامُ إِنْتَ مِنْهُمْ فَإِنَّ الْمُسْتَبْعُضُ مِنْ دُمَاغِ الْغَنَى إِلَى

اس سے ترقی کر کے شراب و انگور کی مشال دی،

فَإِنَّ فِي الْخَمْرِ مَعْنَىٰ لَيْسَ فِي الْعَنْبَرِ

یعنی گو شراب انگور سے بنتی ہے لیکن یہ انگور سے برٹھ کر ہے، مددوح کا بھی یہی حال ہو
انوری نے ان سب تشبیہوں کو گرد کر دیا،

وَرَجَبَانِي وَازْجَانِ بَيْشِسِي ہچھو منسی کہ در بیان باشد

یعنی اے مددوح تو دنیا میں ہے لیکن دنیا سے زیادہ ہے جس طرح عبارت میں یعنی
ہوتے ہیں کہ عبارت ذرا سی ہوتی ہے اور مضمون نہایت وسیع ہتا ہو،

ز حرص خدمت اوسرنگوں ہے آئندہ بوقت زادن از ارحام ما دران طفلان

بچے عموماً ان کے پیش سے سر کے بھل پیدا ہوتے ہیں، انوری اسکا سبب یہ قرائیا

ہے کہ انسان خطرۂ مددوح کی خدمت کے خواہشمند ہیں، اسیلے دنیا میں آتے ہیں تو سر کے
بھل آتے ہیں، مبالغہ جو عوام کے نزدیک شاعری کی ایک اعلیٰ صفت ہے، انوری،
اس میدان میں سب سے آگئے ہے،

مددوح کی بحث تین	ع اسے میش نہ آفیش دکم نہ آفید گار
نہ رگو ارمی کاندر کمال قدرت خویش	ع چیست کان بر قور و ایست گمراہ ذل
گر صبا ز کفت دست تو ور رو قت بہار	نہ ایز دست و چایز دا نہ رگ بے ہتا است
انوری اول یور پ	اور م اخان و مد از شاخ بر و نست چخار
اوہ بسکے کلام کے ساتھ نہایت اتنا کیا، روس کے پر و فیسر والن طن ثر و کو سکی نہ سستہ	اوہ بسکے عنوانات حسب ذیل ہیں،

دیباچہ از صفحہ اتابہ

مقدمة ۲۳۸ تاہ

باب اول از صفحہ اتابہ، اس میں انوری کی سوانح عمری ہیں

باب دوم از ۲۳۱ تاہ، مشتمل بر خصوصیات انوری

باب سوم از ۹۹ تاہ، مشتمل بر شرح کلام انوری

باب چارم از ۹۰ تا ۱۰۲
افری کی زبان اور تاریخ تصانیف

باب عجیب از ۱۰۳ تا ۱۳۵
ترجمہ قصائد افروزی،

باب ششم از ۱۳۵ تا ۱۴۳
ترجمہ غزلیات افروزی،

پروفیسر راؤن نے اس کتاب کا حال تفصیل سے لکھا ہے: ناظرین ایکو ملاحظہ فرمائیں
اور بغور کریں کہ اہل یورپ بہرمان کے متعلق کیا کیا نکتہ سنجیان اور دیدہ ریزی یا ان کرتے
ہیں کہ ہم انہیں تقليد بھی نہیں کر سکتے،

نظمی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص، باب کا نام موتیہ تھا
وطن، عام طور پر گنجہ مشہور ہے، لیکن دراصل قم کے رہنے والے تھے اچانچ خود سکندر
نام میں فرماتے ہیں،

پورڈر گرچہ در بحر گنجہ گم دلے از تستان شهر قم
قم کے اصلاح میں تفرش ایک صلح ہے اصل وطن یہاں تھا، لیکن چونکہ قصدا
لماں ہے اسیلے انتساب میں تفرش کے بجائے قم کا نام لیتے ہیں، نظامی کے والدہ زنگنه
وطن چھوڑ کر گنجہ میں آئے، نظامی ہیں پیدا ہوئے اسال ولادت کسی نے بیان نہیں کیا
لیکن چونکہ برداشت صحیح سن وفات ۶۹۵ھ ہے اور اُنکی عمر معملاً ۷۳ برس کی بیان کیجاتی ہے
اسیلے سال ولادت ۷۳۴ھ سمجھنا چاہیے،

نظمی کا خاندان، علمی خاندان تھا، اُنکے بھائی قوامی مطر زمی مشہور شاعر ہیں، ان کا
ایک قصیدہ ہے جس میں تمام صنائع شاعری جمع کر دیے ہیں،

نظمی نے ابتداء میں درسی علوم کی تحصیل کی، اُنکے کلام سے بھی صاف ہے کہ
لہ پا این رازی اور لطفنا علی اکذیکی تحقیق ہو ایکن سکندر نام کے جس شعر سے این رازی نے استدلال
کیا ہوا موجودہ نسخوں میں نہ کو زہیں تفرش کی مرتبہ تفصیل اور نظامی کی جا سے ولادت لطفنا علی آذر سے انزوہ ہے

کہ علمی مسائل انسکے پیش نظر ہیں، خود بھی دعویٰ کرتے ہیں،

بایکا کیک نقا سے علوم	ہرچہ بہت از و قیقا سے نجوم
جن ترا یافتم در ق شستم	خواندم و ستر ہر دن حق جستم

سلسلہ طریقت میں داخی فرج زنجانی سے بیعت تھی،

نظای اگر چہ در ویشا نہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن شاعری بھی ازل سے ساتھ
لائے تھے، گھر میں پلے سے شاعری کا چہ چا تھا، ایسیئے درسی علوم سے فارغ ہو کر،
تصنیف کا قلم ہات میں لیا تو حرف موزون نکلے اہشت روز بروز بڑھتی گئی، اور کلام کا شہر
دُور دُور پہنچا، یہاں تک کہ اس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے ان کی قدر دانی کی
ازمہ سلطنت سمجھا، اور فرماش کر کے، اُن سے اپنے اپنے نام پر کتابیں لکھوائیں، اس باب
ایک مقنی تھے کہ سب سے پلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا، لیکن، یہ سعادت، اور اُنکی
قسمت میں لکھی تھی، سب سے پلے جسکو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام شاہ تھا، نظای نے
مخزن اسرار شہزادہ ہیں اسی کے نام پر لکھی، اور صلحہ میں اسے پانچ سارا شرفیان ایک
قطار شتر اور انواع و اقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے،

سلطان اپنے اسلام بلوقی نے ملکوچک غازی کو جو قائم با مراللہ کا منقول نظر تھا از رنجان اور لکھ
و غیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اسکے خاندان میں سو بہرام شاہ نے بہت جاہ و جلال حاصل کیا،
یہاں تک کہ سلطان طیق ارسلان بلوقی بادشاہ روم نے اسکو اپنی لڑکی پیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض
اور بلند محنت تھا، یہی بہرام نظای کا مدد و مدد ہو چکے نام پر انہوں نے مخزن اسرار لکھی، (انہفت اقلیم میں ازی)

مُنْزَن کی تصفیت کے وقت، نظامی کا بین تقریباً ۲۵ برس کا تھا،

نظامی کا وطن گنجہ، بلوچیون کی حدود حکومت میں ماقع تھا، اور اُس زمانہ میں اس

سلطنت میں سلطان طغیل بن ارسلان فرمانزد تھا، وہ نہایت دلیر شجاع اور عدل پرور
بادشاہ تھا، علم و فضل میں بھی کمال رکھتا تھا، شعرو شاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ ریاستی سکی

مشہور ہے،

دی روز چنان صاحب افزوی	و امروز چنان فراق عالم سوزی	
جیف است کہ در دفتر عمر ایام	آن رارونسے نوید این ارفندی	

طغیل نے سلطنت کا تمام کاروبار اپنے ایڈ کرنے کے ہاتھ میں دیا تھا،
جو ابتداء میں غلام تھا اور ترقی کرتے کرتے امیر الامر اس کے منصب پر پہنچ گیا تھا، محمد بن ملکز
کا بھائی قزل رسلان جس کی منح میں ظییر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے،

ذگر سی فلک نہدا اندر شہزاد پے	تابوسہ بر کاب قزل رسلان ہے	
-------------------------------	----------------------------	--

کاروبار سلطنت میں برابر کا شریک تھا،

اس زمانہ میں نظامی نے شیرین خسر و کہنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز
تھا کہ اسکے چہرے دُور دُور پھیل گئے اطغیل کو خبر ہوئی، اُسی وقت فرمان بھیجا کہ ایسی
کتاب لکھنے کی یاد گا رہ جائے، چنانچہ دیباچہ میں لکھتے ہیں،

چو سلطانِ جہاں شاہ جوان بخت	کہ بخوردار باد از تاج واخت	
-----------------------------	----------------------------	--

بجای ارسلان بر تخت نشست	بسلطانی بِ تاج و تخت پیوست
بنای این عمارت مے نہادم	من امین گنجینہ را درمی کشادم
پھول بندہ القا کر دغشور	اشارت رنگے از درگاہ معمور
کر عقل از منش گردن فرازد	کر زیان تحفہ عالی بسازد

جس زمانہ میں نظامی یہ شنوی لکھ رہے تھے، انکے ایک دوست جونہ سبیل میں
مایت تھب رکھتے تھے، انکے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے اچھے میں کہا کہ کافروں
کے جھوٹ پیچ قصے لکھنے سے کیا فائدہ،

فسون بُت پستان بِ لگن از مشت	فسون بُت پستان بِ لگن از مشت
چرا سم مغاں راتمازہ دار می	ور توحید زن کا وازہ دار می

بلین نظامی نے جب شنوی کے چند اشعار پڑھ کر سنا ہے، تو انہوں نے میساختہ کہا،

چین سحر سے تو دانی ساکر دن	سبت با کعبہ، انبیا ز کردن
----------------------------	---------------------------

شیرین خسر و جب انجام کو پہنچی تو محمد بن یلید کرنجود رحقیقت تاج و تخت کا مالک
خدا، وفات کر چکا تھا اور اسکا بھائی قزل ارسلان اسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اسکو
شیرین خسر و کے تمام ہونے کی خبر پہنچی تو نظامی کی طلبی کافرمان بھیجا، قاصد فرمان لیکر
یا، نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسے
کیکر کھولا، چنانچہ شیرین خسر و کے خاتمه میں خود فرماتے ہیں،

مثال شاہ را بر سر نہ سا دم	سے جا بوسیدم و سر پر کشادم
----------------------------	----------------------------

اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو سے، اور دشمن دہیا یا ان طے کرتے ہوئے
 قریباً ایک ہیئت میں پائے تھت میں پہنچے۔ قاصدہ نے جاکر دربار میں اطلاع کی، قزل
 ارسلان نے شمس الدین محمد کو حکم دیا کہ خود جاکر ان کو ساتھ لے، دربار میں پہنچنے کو کیا
 کہ مجلس عیش آراستہ ہے، سلای چھپر ہے میں، گانا ہور ہا ہے، بادہ و جام کا درصل ہا ہی
 قزل ارسلان نے فرما انکے ادب سے گانا بجا نہ بند کر دیا اور تخت سے اٹھ کر تعظیم بجا لایا
 پھر شفیعی کا اشارہ کیا، ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں بچ بچ میں نب رکہ نصیقین بھی کرتے
 جاتے تھے، محبیہ نظم کو کر لیکر تھے، اسکو سنا نا چاہا قاعدہ یہ تھا کہ شعر، اپنا کلام خود
 نہیں پڑھتے تھے، بلکہ کسی نوش ابھی سے پڑھواتے تھے جو ہمہ اُنکے ساتھ رہتا تھا
 اور اسکو راوی کہتے تھے، چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا، یہ بھی دستور تھا
 کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہو جاتا تھا اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا
 تھا، نظامی نے بھی اس قاعدہ کو بجا لانا چاہا لیکن قزل ارسلان نے قسم دلا کر منع کیا

جو بہر پا ایتادم گفت نبیشیں	بہ سو گندم انشانمایں نمزالتا ہیں
-----------------------------	----------------------------------

راوی نے مح کے بعد نشیرین خسر و کا قصہ شروع کیا، بادشاہ، نظامی کے کندھوں
 پر ہات رکھے ہوئے نہایت شوق میں سُن رہا تھا اور بار بار بیساختمہ تھیں کرتا جاتا تھا
 نظامی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ نے جیش کے لیے میرزا مزم زندہ کر دیا، اسکا صلم دینا
 میرا فرض ہے پھر بیچا کہ بھائی صاحب (اتا بک پھلان بن محمد بن ایلکن) نے آپ کی
 جاگیر میں جو دکانوں دیے تھے وہ آپ کو ملے یا نہیں، انہوں نے کہا،

پنیرفت اپنے فرمودی ز پیشہ مرا نے جلد عالم راز یاں کر د	بلے شاہ سید از خاص خویشم چورخت عمر او کشتی رواں کرد
قزل رسلان نے ایک گانون جکانام حمدونیان تھا، اپنی طرف سے جاگیر میں دیا۔	

معلوم نہیں، جان کر یا غلطی سے، گانون جو جاگیر میں دیا گیا وہ غیر آباد اور منجر تھا، چنانچہ نظامی نے شیرین خسرد میں، اسکی نشایت اس تقریب کی ہو کر حاصلہ، وہ نے مجبول طعنہ دیا میں نے جواب میں کہا کہ غیر آباد ہے تو گیا، با شاہ کا عدل اسکو آباد کر دیگا،

نظامی کی شہرت اب استدر عالمگیر موجی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آنہ تو ہوئی کہنے سے اپنے نام پر تصنیفات لکھ دیں کہ ایں ذریعہ سے ان کا نام بھی یاد گارہ جائے، اسیں علم و فضل کی تدریانی کے کاظم سے سب سے متاز منوجہ خاتمان کبیر جلال الدنیا والدین خاتمان اخستان تھا، جو سلاطین شرودانیہ کے سلسلہ کا درہ الاتاج تھا، یہ خاندان خاص ایرانی نسل سنبھی بہرام چوبیں کی یاد گار تھا، منوجہ نہایت علم دوست اور علم پرور تھا، خاتمان الی الجہاد بخوبی لا ستاد خاتمانی) زوال القوار شرودانی، خاہنفور وغیرہ شاعر، اسی کے خوان کرم کے زلم خوار تھے، ابوالحلاگ بخوبی، اسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاتمان کو افضل الشعرا کا خطاب اسی نے عنایت کیا، منوجہ نہایت اپنے ہات سے نظامی کو دس پندرہ سطون کا خط لکھ کر بھیجا کر لیا، مجنون کی داستان نظم کیجئے، چنانچہ دیباچہ میں خود کہتے ہیں

۱۵ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیرین خسرد کے خاتمہ بن کر کے ہیں

آ درو شال حضرت شاہ
دہ پانزده سطر نفر پیش
جادو سخن جہان نظامی
گوئی سخنے پڑ دتہ کمنون

در حال رسید، قاصد از رام
نبه شته بخط خوب خواشم
کاے محروم حلقہ غلامی
خواهم کہ بیاد عشق مجذب

خط پنجا تو نظامی کو ترود ہوا، اتفاق سے انکے صاحبزادے محمد جبلی علساوقت
ہ برس کی تھی، اسوقت میچ دستھے، انہوں نے بھی تحریک کی، نظامی نے کہا جان
پدر، قصہ کی شہرت میں کلام نہیں لیکن جہان کی سرگزشت بہے دہان دیپی کا کوئی
سامان نہیں، باع وہاں پیشہ و سبزہ زار رقص و سرود، شاہی درود ربار خیل و خشم جاہ
وجلال، کسی چیز کا پتہ نہیں، خشک ریگ زار، اور کوہستان میں، میں کیا صنعت گری
و کھاؤ نگاہ،

نے رودو نمی نہ کامگاری
تا چند سخن رو دراند وہ

نے باغ وہ بزم شهر یاری
برخشی ریگ دستخت کوہ

میں بھیہ ہے کہ آج تک کسی نے اس قصہ کو بات نہیں لکایا، صاحبزادہ
کہا یہ ٹرے افسوس کی بات ہے کہ ایسا موثر اور عجیب و غریب واقعہ، نظامی کی رائی
سے محروم رہ جائے، غرض نظامی نے بادشاہی ارشاد کی تعلیل شروع کی اور
کچھ کم چار دینے میں انجام کو پنجاہی سال اتمام رجب سنتھہ ہو،

خاریدم، و پیشہ آب می داد

من گفتتم و دل جواب می داد

گفتہم ہے چار ماہ کتر
در چار دہ شب تمام بودے
ہشتاد و چهار بُو و پان صد

این چار ہزار بیت و اکثر
گرشنل دگر حرام بودے
تاریخ عیان کہ داشت با خود

نظمی نے اس شہزادی کے صلح میں بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ اس کے صاحبزادے
ویسہ سلطنت کے ندیوں اور مصاجون میں داخل کئے جائیں،

۱۳ اریضان ۵۹۲ھ میں سلطان غیاث الدین کربلہ ارسلان علاء الدین آق نصری

کی فرماںش سے ہفت پیکر لکھی، جس میں ابرام گور کا قصہ ہے،

قریل ارسلان کے مرنسے کے بعد، اسکا بھتیجا یعنی محمد بن الجید کز کافر زند ارجمند

ابو بکر نصرۃ الدین ۷۸ھ میں مند آ رہا، نظمی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا:

اسوقت تک انہوں نے جو کتابیں لکھی تھیں، سلاطین وقت کی فرماںش سے لکھی تھیں،

لیکن سکندر نامہ اپنی خواہش سے لکھا، اور ابو بکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا

ہے کتاب ۵۹۹ھ میں انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندر نامہ بھری کے خاتمه میں لکھتے ہیں

پہنچنے والی ذیکر اختیاری

نوجوان گز شستہ ز پانصد شمار

ہ پایان شد میں داستان دری

ز بھرت چنان بر دہم یادگار

اکتاب لکھ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ اسواری کا گھوڑا بیش قیمت

کپڑے خلوت وغیرہ عطا ہوا۔

۱۴ اسکا حال نہ معلوم ہو سکا، میں سکندر نامہ بھری کے خاتمه میں یہ تصریح ہو (لبقہ عاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھو)

اساتذہ سے میں نے مٹا ہے کہ سلاطین وقت نظامی کی اسقد رغبت کرتے تھے
کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی، اُنکے بیٹے سے بیاہ دی تھی، میں نے کسی کتاب میں یہ
داقعہ نہیں دیکھا، لیکن مکن رنامہ بھری کے خاتمہ سے استقدار ہے تصریح ثابت ہوتا ہے کہ
نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمد کو، انصارۃ الدین کی خدمت میں بھیجا تھا، چنانچہ
کہتے ہیں،

فروزنده از روی شان رائے من	دو گوہر بر آمد وہ یا سے من
کیے نور علیے بر و تافته	کیے عصمت مریے یافتہ
کہ یا قوت را دُسج دار ذنگاہ	فرستادہ ام ہر دو را نزد شاہ
ہا ا پر دہ دار شش برادر بود	مزد سے کہ دو را او ز مادر بود
چین پر دگی را چنان پر ده دار	باید چوآید ہر شہر یا را
جگنیز بابان فرستادہ ام	چو من نزل غاص تو جان دادہ ام

آخر شعر سے صاف یہ رازِ حکل جاتا ہے،

ایس کتاب کی تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہاں اور
حکماء کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے، اپنے نام کی بھی سرخی قائم
کی ہے، اُسکے ذیل میں لکھتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گردشہ) لیکن تجویز کر نقدر قمر صرف ہزار رکھی ہے، اگر یہ ہزار دنیا رکھی فرض کر لیے جائیں ہیں
ایسی رقم ہے جو نظمی کے شیل ہو، نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہو،

نظامی چو این داستان خدمتگام	بِعْزَمِ شَدَنْ تَيْزِ بِرْ دَاشْتِ گَامْ	
فرزون بودشش سرزنشست می سال	كَمْ بِرْ عَزْمِ رَهْ بِرْ دَهْلِ زَرْ دَهْلِ	

اس کتاب پر ان کی شاعری اور عمر دونوں کا خاتمه ہوا، سال وفات میں سخت اختلاف ہے، دولت شاہی میں ۵۹۶ھ لکھا ہے، لیکن یہ خود نظامی کی تصویع کے خلاف ہے تقی کاشی نے ۵۹۷ھ لکھا ہے، جامی ۵۹۲ھ بیان کرتے ہیں، لیکن اسقدر قطعی ہے کہ ۵۹۹ھ کے بعد انکی وفات ہوئی ہے اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہیں ہبھڑ چونکہ انہوں نے تمام عمر کو شہنشہزلت سے قدم نہیں نکالا، نہ لوگوں سے زیادہ ملتے جلتے تھے، اسلئے ان کی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہیں، عام تکروہ نویں انکے اس وصف کے نہایت ماحیں کہ وہ بادشاہوں کی خوشامد اور دربار کی سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین انکے ساتھ ارادت و اتفاق دار کے ساتھ پیش آتے تھے ان پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن ان کی کتابوں میں سلاطین کی جو مدحیں ہیں ان میں وہی حد سے زیادہ مبالغہ، خوشامد، اور سماق ہے جو عام مذاہن کا انداز ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہو کہ ان کو ایک سوا، اکسی دربار سے تعلق نہیں اور وہ اسکو فرماز و اسی عالم سمجھتے ہیں بنی شہزادوں نے مدحیہ قصائد نہیں لکھے لیکن شنویوں میں اس زور کی مدحیں لکھیں بلکہ آگے قصائد کی کوئی هستی نہیں، ملاحظہ ہو،

ولایتستان شاہ گلی پناہ	فَرِیدُونْ كَمْ بَلْكَهْ خَاقَانْ كَلَاهْ	
------------------------	---	--

زدہ سکھ اعْبُصْدَهُ بُرْدَش	تارہ کہ برچرخ سایہ سرش
سر آسمان بزرگین افگن	چو تیراز کمان کمین افگن
پیروں اے فرمان برش چوموم	فرنگ فلسطین درہبان روم

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہوں کے سامنے اپنے آپ کو جس خیانت سے پیش کرتے ہیں، وہی ہوتی ہے جو گدا پیشہ شاعروں کا انداز ہے یعنی حضور کا نہ ک خوار ہون، غلام ہون، بندہ درگاہ ہون، حضور کی ذرا سی توجہ سے میرے ہائے کام بجا کیں گے، حضور ہی میری مشکلون کو حل کر سکتے ہیں۔

کلام [پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا جو اج مفقود ہے، دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس میں غزلیں، موفعات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے، اندر کروں میں چند تصاویر، تعلقات، اور غزل کے جتنے جستہ اشارے پائے جاتے ہیں، تعجب یہ ہو کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیاں انہی کی بدولت وجود میں آئیں، لیکن غزلیں بھی اور بے مرو ہیں ملاحظہ ہو]

نہ درویش کے سلطانے بیا سود	خواہانے کزو جانے بیا سود
کہ از بہاش ذمہ اے بیا سود	نکوئی بزنکو روے بہاناد
دلے کزوے پریشانے بیا سود	پر سمر خود پریشانی مبینا
چکر پر دوں پُر خونم اے دوست	مرا گوئی کرچوئی چونم لے دوست
گمن زران میان بیرونم اے دوست	شینید عاشقان رامے نوازی

<p>ستاتو نصیحت کنی چشم سیاه خوش را گزگری در آئندہ رو سے چدمان خوش را</p> <p>تجھے خط دخالے ز جشن کدام داری خدتی قلی کر در بر بہم سیم خام داری تمیان این دو کشور پر کجا مقام داری تو بغایت سفیدی نکلے تمام داری</p>	<p>پیش توکر ده ام عیان حال تباہ خوش را سر زشم مکن کہ تو شفیقتہ تر ز من خوی ختنی جمالی لے مہ ز جشن چہ نام داری جشنی خم بر در تن ہم سوخت است خنم بعشی است رنگ مویت ختنی است نگت بعشی سفید نبود، ختنی نمک ندارد</p>
<p>خنی بورٹھے غمزون میں، کبھی کبھی بڑے شوخ جلے بھی زبان سے نکل جاتے ہیں،</p>	<p>پوسہ می خواہم ازان لب توجی فرمائی میں لب کا ایک بوس چاہتا ہوں کیسے کیا رہے؟،</p>
<p>قصیدے بہت ہیں، لیکن ان میں بھی کوئی خاص بات نہیں، سنائی کا انداز ہے، اخلاق اور تصور کو ترکیب دیکھ کر کہتے ہیں، لیکن سنائی سے بہت پچھے ہیں، اس لیے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف، اشست اور پر اطف کہا ہو، جو کل</p>	<p>آج تک جواب نہ ہو سکا،</p>
<p>می ز دم نالہ و فریاد کس از من نشود یا کہ من پیچ کشم، می پیچ کشم، در نکشود رندے از غرف بدون کرد سرور خ نبود بے محل آمدت بدر ما بہر پر رود</p>	<p>دوش رفع بخرا بابت دمرا راه نبود یا نہ بدنیچ کس از بادہ فروشان بہیار پا سے از شب بگذشت بشترک، یاکتر فت خیر است اور میں وقت کر اینکو اسی</p>

<p>کاند سین وقت کے بہر کسے در نکشود ک تو دیر آئی و اندر صفت پیش استی زرود شاہد مشع و شراب و شکر فنای و سرود مومن و برہن و لگبر و نصار او یود خاک پاے ہمہ شو تاکہ بیانی مقصود</p>	<p>لگتش در بکشا، گفت بر و هرزه گوی این نہ مسجد کہ بہر سخطه در ش بکشا یمنه این خرا بات منان سست در و زمانند ہرچ در جملہ آف افاق در نیجا حاضر اگر تو خواہی کہ دم از صحبت ایشان بُنی</p>
--	---

عصمت بخاری اور عرفی نے قوافی بدل کر اسکا جواب لکھا ہے لیکن جواب
نحو سکا عصمت کا قطعہ یہ ہے،

<p>بطلب گاری تر سا بچہ باده فروش کافر سے عشوہ گریے زلف چونار بش اے منو خم ابروی ترا حلقة گوش سنگ بر شیشه تقوی زن و پیانہ بوش راہ نہایم اگر بخشم داری گوش تار سیدم بمقانے کہ نہ دین ماند و نہ ہوش از خم باہ عشق آمدہ روجوش خروش بے می وجام و صراحی ہمہ در نوشانو ش خواستم تا سخنی پر سمازو گفت نخوش دین نہ مسجد کھپین بے ارب کی نجروش</p>	<p>سرخوش از کوی خرا بات گذر کر دم دش پیش آمدہ سر کوچ پرسی رخسارے گتم این کوی چپ کوی است ترا خانہ بجا ہت گفت تسبیح بہ خاک افکن وزنار یہ بند بعد ازان پیش من آتا تبو گویم سخنے دین بر انگلند و دمہوش و دیدم دیش دیدم از دور گر وہی ہمہ دیوانہ دست بے می و مطری ساقی ہمہ در عیش و سرود چون سر شستہ ناموس برفت ان دش این نہ کجا ہست کر بے پا و سرائی چ طوف</p>
--	--

اين خرابات معان است درور نداشد

تصيده میں ان کی یہ خصوصیت باخatz کے قابل ہے کہ اگرچہ ان کو مختلف ادبار و دن سے تعلق تھا، اور جس قدر شفیعیان لکھیں سب کسی نکسی فرمائی وہ کے نام پر لکھیں تاہم تصيده کو انہوں نے ماحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صفت سے اور بھی منفید کام یہی جاسکتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اُنکے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، تصيده سے آج تک خوشامد کی طرز میں ادا کیے جاتے ہیں،

نظمی کی شاعری

نظمی نے شاعری کو جس طرح ترقی دی اور جو باتیں اس میں پیدا کیں ہیں کو یہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں، لیکن پہلے ان سب کو اچالا لکھ دینا چاہتے تاکہ کیجاں طور سے سب باتیں پیش نظر ہو جائیں، ان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،

- (۱) جامیت، یعنی شاعری کی ہر صفت کو انہوں نے ترقی دی،

(۲) نور کلام،

(۳) بلاغت،

(۴) جدت استعمالات اور تشیہات،

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخيیل،

(۶) ادب لیات یعنی بہت سی باتیں اول انہی نے ایجاد کیں،

اب ہم ایک کو تفصیل سے لکھتے ہیں،

جاہیت ایران میں جس قدر شواگر سے ہیں وہ خاص خاص انواع شاعری میں کمال

رکھتے تھے، مثلاً فردوسی رزم کا مرد میدان ہے، عشقیہ شاعری میں اُسکو کمال نہیں سعید ہی اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہیں، لیکن رزم میں پھیکے ہیں چنانچہ سکند زندگی طرز پر شاطرا صفائی کی جو حکایت پوتستان میں لکھی ہے، اگرچہ اس میں اپنا پورا ذر و صرف کر دیا ہے لیکن وہ بوڑھاپن نہیں جاتا، ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے وہ سب سے میں دفعہ پست ہو جاتے ہیں، خیام صرت فلسفہ لکھ سکتا ہے، حافظ صرف غزل لکھ سکتے ہیں، نخلاف اب کے نظامی نے رزم، بزم، فلسفہ، عشق، اخلاق، سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے لا جا اب لکھا ہے، البتہ مرح اُن سے نہیں بن پڑتی، لیکن مرح کوئی شاعری نہیں شاعر بھاٹ نہ ہو تو اُس کی شاعری میں کیا نقش ہو،

نظامی کی انواع شاعری پر الگ الگ بحث آگے آتی ہے،

اویات، نظامی بہت سی باتوں کے موجد ہیں،

مثلاً سب سے پہلے انہی نے پانچ مختلف بھروسوں میں ثنویان لکھیں، جیکی تقلید قوت سے آج تک تمام ٹبرے بڑبے شعر کرتے آئے ہیں، چنانچہ انکے خمسہ پر تمام اکابر شعراء ختم لکھا ہے،

خزرن اسرار اور چھفت پیکر کی بجروں کو اول انہی نے ثنوی میں داخل کیا،

سب سے پہلے انہی سنے ایک ثنوی رخترن (اسرار) میں پانچ نیتیں لکھیں، اور

ہر ایک کا جُد ازگا ہے،

سب سے پہلے انہی نے فلسفیات مباحثت کو نظم کیا،

سب سے پہلے انہی نے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا،

سب سے پہلے انہی نے تصیدِ کوچ مسے پاک کیا،

زور کلام | نظامی سے پہلے شعر کا کلام، صفائی، سادگی، شستگی، تک محدود رہا تھا،

اور انہی چیزوں کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا نظامی بڑے

شفس ہیں جس نے ترکیبیں میں چپی اور کلام میں زور بلندی اور شان و شوکت پیدا کی

عرفی اور ابوالفضل کی نظم دشرا کار و مشہور ہے مگر دونوں پر نظامی ہی کا اثر ہے

یہاں تک کہ طفرانے کم دیا کہ ابوالفضل نے سکندر نامہ ہی کو لیکر شرکر دیا ہے،

فردوسی کے زمانہ تک روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ

شویون کی زبان دہی رہی، البتہ قصائد میں جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا انعام بھی

مقصود ہوتا تھا، عربی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے شامل ہو جاتی تھیں، یہاں تک کہ علوم

عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی دہی مخلوط اعرابی فارسی ہو گئی

اب عربی الفاظ کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بد مرہ اور بے اثر کر دینا تھا، ایسے نظامی نے

اس باب میں فردوسی کی تقلید نہیں کی، بلکہ اسی زبان کو لیا ہو ملک اور قوم کی عام زبان

تھی، لیکن انکی نکتہ سنجی یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ ائمکے ہاں آتے ہیں، وہ

ہوتے ہیں کہ اسکا ہم معنی کو لی لفظ اس انداز اور شان و شوکت کا تمام زبان میں نہیں

میکتا۔ یہی بات ہے کہ اسکے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظوں میں ادا کرننا چاہتا ہو،
تو وہ شان قائم نہیں رہتی، مثلاً انہکا یہ شعر کند کی تعریف میں ہو،

کند، اثر دہائے مسلسل شکنج	دھن باز کردہ ہتامراج گنج
---------------------------	--------------------------

سعدی اسی مضمون کو لیکر یون تصریف کرتے ہیں،

بصیدہ شہر بران پر خا شش ساز	کند، اثر دہائے دھن کردہ باز
-----------------------------	-----------------------------

دو نون کے مضمون اور معنی میں جو فرق ہو، اُس سے یہاں جھٹ نہیں، لیکن الفاظ کل خست
اور ترکیب پر غور کرو اسقدر فرق ہے مسلسل، شکنج، تامراج، گنج، یہ الفاظ، اور اُن کی پیوند و در
ترکیب، سعدی کے ہان کہاں ہو،

فردوسی، سعدی اور نظامی کے ہان جو مضامین مشترک ہیں، انہکا باہم موافازہ کرو،
بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوه و شان اور ترکیبوں کی حمتی اور نظم و نسق میں نظامی کا کلام
علانیہ ممتاز نظر آیا گا، نمونے کے لیے ہم صرف دو ایک شاہیں درج کرتے ہیں،
فردوسی خدا کی ذات اور عالم غیر غرضی کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو

اس طرح ادا کرتا ہے،

کہ اد بر ترانہ نام داز جائیگا ہ	نیا بدبہ نیز اندیشہ راہ
---------------------------------	-------------------------

خون جر پڑ نہیں گو ہر ان گندہ راہ	نیا بدبہ د راہ جان و خرد
----------------------------------	--------------------------

بہستیش اندیشہ راہ نہیست	از نہیں پر دہ بر تر سخن گاہ نہیست
-------------------------	-----------------------------------

نظامی اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

بہ انمازہ فکرت آدمی است	اسا سے کہ در آسمان وزمی است
سر از حد اندازہ نار و بروون	شود فکرت اندازہ را رہنمون
کہ آن پایہ راحدہ پایان رسد	ہر پایہ دست چندان رسد
نمہند در اندریشم دیگر جهات	چ پایان پذیر دحد کائنات
کہ ہستی نہ، بلکہ بیرون ازین	نیند پشید اندریشم افزون ازین

اسی مضمون کے قریب قریب یہ اشعار ہیں،

کہ بہ نان نیار و خرد ر شمار	چنان برکشیدی و بستی نگار
کہ اندریشم رامیست زوبر ترمی	چنان بستی این طاق نیلوفری
ہمان گردش انجم و آسمان	چنان آفریدی زمین و زمان
سرخود بروون ناور و زین کمند	کہ چندان کہ اندریشم گرد بلند

شاپرکم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ، اب ناموس ہیں، نظامی انکے
جیساے متداول الفاظ لاتے ہیں، اسکے سوا، نظامی کو یہ موقع حاصل ہو کہ جہان فارسی
الفاظ سے شان و شکوه نہ پیدا ہو سکے، وہاں عربی الفاظ سے کام لیں، فردوسی، اپنے
التراجم کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکت، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، نظامی جہان خود فردوسی کی بولی
پوچھ لئے ہیں، وہاں بھی یہ فرق قائم رہتا ہو، عناصر کی ابتداؤ و اُنکی ترکیب کو دونوں نے لکھا،

اور خالص سادہ فارسی میں لکھا، فردوسی

سرمایہ گوہران از خشت

از آغاز بايد کہ دانی درست

میان باد، و آب از بر تیره خاک	کیکے آتشے بر شدہ تابناک
زگریش بس خلکی آمد پیدی	خشتین کر آتش ز خبیش دید
ز سردی همان باز ترسی فزود	فنان پس نازم سردی نمود
ز بحر چنگی سراے آمدند	چو این چارگو هر بجاے آمدند
ز هرگونه گردن بر افرخته	اگر رایک اندر د گر ساخته

یعنی عناصر گوهر کی ابتدایون ہوئی کہ پلے اگ بلندی پر پیدا ہوئی، اس کے سچھے ہوا پھر پانی، پھر خاک، اگ حركت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے پوست پیدا ہوئی پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یعنی صراحتاً ہم کہیں

پاکر عالم بنا، نظامی

کر آتش ہ نیروی گرش دید	ز گشت سپر آتش آمد پیدی
ک ما نند او گرم دار دنہاد	ن نیروے آتش ہواے کشاد
ک گرفندگی دور بود از بر شش	ہ بادے گراینده شد گو هر ش
پیدی آمد آبے چان نغزو پاک	چکیدا نہ ہوا ترے در مغاک
گرفتند بر مرکز خوش جائے	چو ہر چارگو هر ہ امر خداے
وزور ستینا بر انگختند	مزاج ہمس در ہم آمیختند

ان اشعار میں امر، مرکز، مزاج، کے سوا، باقی تمام الفاظ فارسی ہیں، لیکن فردوسی کے الفاظ اور ترکیب الفاظ میں وہ بلندی اور شان نہیں، جو نظامی کے ہاں ہو گشت سپر نیرو،

نہاد، گر ایندہ، گردندگی، مناک، نفر، ان الفاظ اور ان کی حسن ترکیب نہ جو بات پیدا کی نہاد
صحیح اسکا اندازہ کر سکتا ہے،

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہے،

نخستین	طلسمے کے پر داختند
بافسردگی	زود آمد بجنار
سزا و ارجام	افلاک بود
بهرم زر	می گزشت
کہ بالاترین طاق	این گلشن است
کہ تا اونہ خبندندگو است	دگر بخش ازو باد خلبندہ خواست
کہ هستش زراوق گری ناگزیر	سوم بخش ازو، آب را وق پذیر

ان اشعار میں اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجائے فارسی میں ادا کیا ہے، مثلاً

عربی	فارسی	فارسی
قوت حرکة	نیروی خلبش	نیروی خلبش
نوع	بخش	بخش
متکر بالطبع	خندہ خو	خندہ خو

نظمی کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہے، مثلاً
نظمی اقتلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگریزی کو اس طرح ادا کرتے ہیں،

کیکے طشت خون شد، کیکے طشت خاک	فلک بر بلندی از مین بر مغاک
از خون سیاوش بے سر نو شست	تو شسته برین هر دو آلو ده طشت

سعدی اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

بگوش آدم ناله در دنگاک که چشم و بناگوش در دی آست و سر جان گومان چون جوانی غاند	ز دم قیشه کیک روز بر تل خاک که ز نهار اگر مردی آہستہ تر جانی شد و زندگانی نماند
--	---

عہد ثواب کی حسرت کو دونوں نے لکھا ہی، نظامی کتے ہیں،

زمانه دہ جاے ببل ہزارغ دل باغبان زان شود در دمند که رخسارہ سرخ گل گشت زرد کدیور شدا ز بارغ بر خاستہ گران گشت پایم ز بر خاستن گلم سرخی انداخت زردی گرفت بایلین گه آمد سرم رانیاز	چو با خزانی درافتہ ہ بارغ بود بر گ ریزان چ شاخ بلند بنال اے کهن ببل سا نورد دو تاشد سی سرو آراستہ فرد ماند دستم ز من خواستن تئم گونڈ لا جور دی گرفت ہیون رو ندہ ز رسہ ماند باز
---	--

سعدی لکھتے ہیں،

چمیدن درخت جوان رامزد کہ بر عارضم صح پیری دمید	چو با دصبا بر گلستان و زد ذ ز بید مرابا جوانان چمید
---	--

کہ ماڑ تغم بشمیم دست	شمار است نوبت برین خوان شست
فرو رفت چون زرد شد آفتاب	اگل سرخ رویم، نگزرناب
کہ گھدستہ بند دچوپڑ مردہ گشت	گلستان مار اطہوت گزشت
قوت تخلیل شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات میں ان کی جدت اور اختراع کی	
عجیب و غریب صنایع ان نظراتی ہیں، قصہ کے خاکے ٹھیکنے میں، ترتیب و اعماق میں تمیید	
میں، واقعہ نگاری میں، بندش مضامیں میں، تشبیہات میں، استعارات میں، مبالغوں میں	
هر جگہ نیا نداز نظر آتا ہے، اوڑتا ہے کہ ان کی قوت تخلیل (انجیشن) کس قدر قوی	
اور زبردست ہے	

بادشاہ کی مح لکھتے ہیں، اور یہ تمیید اُٹھاتے ہیں،

خر امان شو، اسے ابر ملکین پرند	علم برش اسے آفت اب بلند
بیخند اسے لب برق چون صحگاہ	بانال اسے دل رعد چون کوس شاہ
گیکر اسے صد ف در کن آن آب را	بایار اسے ہوا قطرہ ناب را
بتماج سر شاہ کن جا سے خوش	براۓ مراز تفر دریائے خوش

قدمِ خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہیں، اس سے بادل پیدا ہوتا ہیں، بادل برستا ہے تو سیپ کے موخہ میں جو قطرے پڑتے ہیں، موئی بجا تے ہیں، ان خیالا کی بناء پر نظامی کہتے ہیں،

او آفتاب، علم اُٹھا، او سیپ پوش بادل، آہستہ آہستہ چل،

اور عدد انقارہ شاہی کی طرح کڑک، او بھلی صح کی طرح مہنس،
اوہ دوا، قطرے برسا، او سیپ قطرہ کو لیکر موئی بنا، او موئی اور یاکی تہ سے نکل،
اوہ نیکلکر بادشاہ کے تاج پر جگمے،

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار رہے، لیکن شاعر کمقوت تختیل کے ذریعہ سے
یہی بات اب صورت میں نظر آتی ہے کہ عالم کا تمام کاروبار صرف بادشاہ کی اورج و شان،
بڑھائے کے لیے ہے، اس کی قوت خیالیہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہے، مدد و حکم کے بل پر
اسکو تمام عالم اپنا غلام نظر آتا ہے، اور وہ تکمیل انداز سے، آنکاب، بادل، برق، اور
ہڈا کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے کام انجام دیکر موئی تیار کر، تاکہ بادشاہ کے تاج پر مانے
جائیں، اسکے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی درد بست کو دیکھو کہ طلسم کا
عالم نظر آتا ہے، پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کس طرح صرف ایک ایک صرع
میں کھپا دیا ہو،

مثال ۲۔ سکندر نامہ میں متعدد جگہ آنکاب کے غروب اور طلوع کو، بیان واقعہ کی
حیثیت سے لکھا ہے، لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ فائم کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں،

بیا قوت خور شید نا زرد پرورد	چویا قوت خور شید نا زرد پرورد
کہ امین بُر دَان گوہ نزاب را	ہر دز دی گرفتندہ بتا ب را

یعنی جب آنکاب کا یا قوت، چوری گیا تو زمانہ لے یا قوت کے ڈھونڈنے کے لیے ٹور
دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جا کر کپڑا کر اسے یہ جو ہر جوایا ہے، چونکہ آنکاب کے غروب کے

بد، چاند نکلتا ہے، اسیلے اسکو جو قرار دیا،

پُر از دود شد گند تیز گشت	کچون آتش روز روشن گزشت
شگفتہ بود نور در سایه	شب از ماہ بر سبب پیرا یہ

یعنی جب دن کی آگ بھگتی تو دھوان اُٹھا (یعنی رات) اور گند (آسمان) میں بھگریا، رات
چاند کا زیور پہنا، لوگوں کو اپر حیرت ہوتی کہ سایہ میں نور نظر آتا ہے،

دگر روز کین ساقی صحیح خیمنز	زمی کرد بر خاک، یا قوت ریز
چو خور شید بر زد سراز گنج نیل	(یعنی دوپت) فروشست گردون، قبار انیل
چود بر برع کوہ رفت آفتاب	سر روز روشن، فروشد، بخواب
شب تیرہ چون اثر دہامی سیاہ	زماہی برآور د سرسوے ماہ
سیکر د بر شبر دان راه را	فرو بر د چون اثر دہامی را
سپاہ سحر چون علم بر کشید	جان، حرث شب راقلم کرشید
چو سلطان شب، چتر پر سر گرفت	سود جان راه غنبر گرفت
تاره چان گنجے از زرقشان بد	کہ مهد زمین گاؤ، بر گنج راند
کچون شاہ چین صحیح را بار داد	عروض عدن، دُر، په دنیار داد
چوش بدر سرآور د کلے پرند	سرمه در آمد بمشکین کمند

استعارات اور تشبیهات | نظامی کی خصوصیات شاعری میں نہایت نمایاں خصوصیت

استعارات اور تشبیهات کی جدت ہے، استعارہ اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنن

طبع کے کلام آئے تو وہ کوئی طبی چیز نہیں، لیکن بعض استعارے یا تشبیهات ایسے ہوتے ہیں جنکا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے۔ جو بات صفحوں میں ادا ہو سکتی ہے، ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے، صورت داتوں کی تصویر یا سطح سامنے آ جاتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہیں آ سکتی تھی، اس قسم کے استعارات اور تشبیہیں اور شعر کے ہانہ بہت کم پائی جاتی ہیں، لیکن نظامی کا کلام ان سے بھرا ہے؛ مثلاً دار ارج زخم کھا کر گرا ہو، اس موقع پر اس مقام کو یون ادا کرتے ہیں،

نسب نامہ دولت یقبا د ورق بر ورق ہر سے بُرد باد

دار اسلسلہ کیان کا اخیر فرز و اتحا، او را اسکے مرنے سے گویا، اس غلیم اشان خاندان کی تاریخِ مست گئی، اس مضمون کو تشبیہ ہے کس قدر مؤثر اور بلند کر دیا، دار اکو خاندان کیا نی کا نسب نامہ کہا، یعنی جس طرح نسب نامہ میں تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہیں دار کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہے، اور اسکے دیکھنے سے کیقبا د کی خسرہ، کیکاوس، سب کی جمیعی عظمت و شوکت آنکھوں میں بھر جاتی ہے، پھر اس کے مرنے کو یون بیان کیا کہ نسب نامہ کیان کا ایک ایک ورق اڑ گیا، اسی مضمون کو ایک اور تشبیہ کے ذریعہ سواد اکیا ہوا

بھار فرید ون و گلزار جم	ز باذ خزان گشت تاراج غم
-------------------------	-------------------------

سکن رنے جب دار اکی سستی لاش کو اپنے زان پر رکھ لیا ہے، اس موقع پر کہتے ہیں

نہ رستہ را پر سیران نہاد	شب تیرہ بر روز رخان نہاد
--------------------------	--------------------------

سکن رنے جب دار اکو گستاخانہ جواب لکھا ہے، تو دار اکھتا ہی،

ازان ابر عاصی چنان ریزم آب
که نار و دگر دست برآفتاب
اس سرشن بادل کو اس طرح پخوارد ون گا
که پھر آفتاب پر راهت نہ بڑھا کے
سکندر نے جب ایک جبشی سردار پر حملہ کیا ہے تو حملہ کی تیزی اور زور کو اس طرح ادا
کرتے ہیں:

چکونہ چہد بر نہیں آفتا ب	بہ بکار دری چون ہ در آمید عقاب
پتندی در آمد ہ آن اہر من	ازان تیز تر خسر و پیلتان

آفتاب سوچ کو بھی کہتے ہیں اور دھوپ کو بھی، اس موقع پر مبالغت کے انداز کو دیکھو، تباہی سے ابتدا نہیں کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہیں، کہ تم کو خیال ہے کہ عقاب، چکور پر کیوں نگرتا ہو، دھوپ کس طرح نہیں پر ذائقہ چھا جاتی ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن میں اجھی طرح یہ سماں قائم ہو جائے، پھر کہتے ہیں دو اس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ سکندر نے اس دلو پر حملہ کیا، حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کر کے سکندر کو آفتاب اور حریف کو نہیں سے قشیدہ دینا، یون بھی موزون تھا، قشیدہ مرکب نے اس لطف کو اور دو بالا کر دیا،

سکندر نے جب ایک روئی پہلوان پر کندھیکی ہے، اس موقع پر کہتے ہیں،
کندھوں سبندرا شہر یار بینداخت چون چنبر روز گار
کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اس طرح کندھیکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہیں سکتا تھا،
اس مضمون کو چنبر روز گار کی قشیدہ نے کس قدر پر زور کر دیا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خسرو پر ویز کو خط لکھا ہے تو خط میں عرب کی رسم کے مطابق اپنا نام خسرو کے نام سے پلے لکھا تھا، خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران میں بادشاہ کا نام عرب کا تمام تحریر ہے وہ میں پیش کیا پر لکھا جاتا تھا، رسول اللہ کا نام سر نامہ پر دیکھ کر خسرو سخت جھلاؤ اٹھا، اور خط کو پڑسے پڑسے کر کے پھینک دیا، اس موقع کو نظامی ذیشین خسرو میں جہاں لکھا ہے، خسرو کی جھلاؤ ہدث اور بہتی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں۔

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید	تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید
-------------------------------	----------------------------

دیوانہ کہتا ہے جب کسی کو کاٹ لکھا تاہے، تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھ کر ٹپے زور سے چھکتا، اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ کا خط آب شیرین ہے، خسرو نے چونکہ رسول اللہ کے خط سے بے ادبی کی ہے، اسیلئے شاعر اسکو سگ نہیں سمجھتا ہو، فوری اور شدت کی جھلاؤ ہدث، سگ گزیدہ کی اس مخصوص حالت سے ٹھکر نہیں ہو سکتی، ان سب باتوں کو پیش نظر کرو، تو نظر آئے کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہو سکتا تھا اور کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا تھا،

قدما اور متاخرین کی خصوصیات جدا جدا ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ گوچا، کی میانت اپنگلی، بجزالت، کے مقابلہ میں متاخرین کا کلام سب معلوم ہوتا ہے تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتیں اس قابل ہیں کہ ان پر رشک کیا جائے، انہیں ایک تشبیہات کی لحاظت اور استعمالات کی زناکت ہے، قدما اس پاس کی چیزوں کے

سادہ سادہ تشبیہین پیدا کرتے تھے، استعارے بھی سادے اور رسائل الماخذ ہوتے تھے،
 لیکن متاخرین کے زمانہ میں تمدن بہت ترقی کر گیا تھا، اسیلئے انسانی احساسات
 نازک اور لطیف ہو گئے تھے، اس بنا پر اب قدم اکی تشبیہین بے فرد ہو گئی تھیں، اس کو
 ادیات کے ذریعہ سے یون یون ہو گئی تھی، اس کو جس کسی قوم کا تمدن، ابتدائی حالت میں ہوتا ہے تو وہ
 نہایت تیز اور کرخت خوبصورت پسند کرتی ہے، اور کم درج کی خوبصورت اسکا دماغ اچھی طرح
 محسوس نہیں کر سکتا، یہی سبب ہے کہ عرب مشک اور عنبر، اور ہندو ٹلسی اور نازبو، کی
 خوبصورت پسند کرتے تھے، لیکن آج چونکہ ہر چیز میں رطافت پیدا ہو گئی ہے، مشک اور
 ٹلسی کی خوبصورت بعض وقت دماغ پر اگندا ہو جاتا ہے، اب کہاں اب اور کیوڑہ کا عطر
 در کار ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریزی عطر، عجوب ہے، جو اسقدر لطیف ہوتا ہے
 کہ عام آدمیوں کو اسکی خوبصورت بھی نہیں ہوتی، استعارہ اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہوا،
 استعارہ اور تشبیہ کی یہ رطافت، متاخرین کا خاص ہے، مثلًاً قدماً رعشوق کے چہرہ کو
 آفتاب سے، اور اُس کی ہنسی کو خندہ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق
 میں ایک شاعر کہتا ہوا، صبح زخور شید رخت خندہ،

یعنی عشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہو گئی، یعنی صبح خود عشوق کی ہنسی کا نام ہو،
 استعارہ اور تشبیہ کی اس رطافت اور نازکت کے موجہ نظامی ہیں، انہوں نے
 اس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہین پیدا کیں کہ متاخرین میں سو
 بھی کسی ایک شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

بنفسہ می درود لالہ می کشت	بے باغ شعلہ در، دھقان انگشت
---------------------------	-----------------------------

کہنا یہ تھا کہ انگلی پھی میں آگ جلانی تو دھوان کم ہو جاتا تھا اور آگ پھر کسی جاتی تھی، اس کو اس طرح
ادا کیا کہ انگلی پھی کا دھقان، شعلوں کے باغ میں بنفسہ کھاتا جاتا تھا اور لالہ بوتا جاتا تھا،

در آمد نقشبند مانوی دست	زمین رانقشہ ہے بوسہ می بست
-------------------------	----------------------------

کہنا یہ تھا کہ مصور حسب در بار میں آیا، تو آداب در بار کے موافق زمین بوس کرتا آتا تھا
اسکو اس طرح پر ادا کیا کہ صدور بوسون سے نقش و نگار کرتا آتا تھا،

بِنُوشِينَ لَبْ، آنِ جامِ را نوشِ کرْدَ	زُلْبِ جامِ را حلقة در گوشِ کردَ
---	----------------------------------

پیال پینی کے وقت لب کی جویٹت پیدا ہوتی ہے اسکو حلقة سے تشبیہ دی ہی، اور اس
بنای پیال کو لب کا حلقة بگوش قرار دیا ہے،

ہُوا بَر سبزه ها گو گرسَه	أَنْ مَرْدَ رَا بهِ مِرْ وَارِيْدَ بَسَّة
---------------------------	---

شنبم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرد سے تشبیہ دی ہو، اس بنای پیال کہتا ہے کہ ہو اسے
سبزہ پر جو موتی بھیر دیے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمرد میں موتی ٹانک دیے ہیں،

زَكِيْسُو گو کرمے کر دو گہ تاج ۷	بَانِ تاجِ وَكْرَشَہ لَكْشَتَه مَلْجَ
----------------------------------	---------------------------------------

معنوٰت جزر لفون کا کبھی جڑا باز ہتی تھی اور کبھی کمر پر چوڑ دیتی تھی، اسکو تاج دکرے
تب شبیہ دی ہو،

قلم کی تعریف، ع شک در حیب (عل در دامان)،

عاشق و محبوق کا ہکنا رہونا،

شمار وزے دگر ختند مہوش	نفشه در سرو نسرین در آغوش	نو شاپ کا جواب دینا،
بپاخ نودن زن ہو شمسد	زیاقوت سربستہ بکشاد بسند	اپنے پا خون کو نہ کھلائے ہے اور اپنے سارے
درم رینکن سکتہ نوبسار	ازان سیگون سکتہ نوبسار	آغاز بہار میں جو شگونے کھلتے ہیں ان کو، بہار کا سکتہ قرار دیا ہے،
زباریدن ابر کافور بار،	سمن رستہ از دستہ اے چمار	زباریدن ابر کافور بار،
سنبھل غافل از نظارہ شاہ	کہ سنبھل بستہ پر زگش را	یعنی چار کے پتوں پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چار کے ہاتون پر جنبلی کے پھول لکھتے ہیں،
کشا ده طاق ابر دتا سردوش	کشیده طوق غصب تابنا گوش	یہ اُسوقت کا بیان ہے کہ شیرین نہار ہی تھی، اور زلفون کوچھرہ پر چھوڑ دیا تھا،
خواب زگس، خمار دیدیہ او	ناز نسرین، درم خریدیہ او	شوکا مطلب یہ ہے کہ شیرین کو خسر و کے نظارے کی خبر ہتھی، کیونکہ سنبھل نے زگس کا راستہ روک رکھا تھا،
لکب بر ماہ مرداریدی می بست	نفشه در خوار و سرخ گل مست	کشا ده طاق ابر دتا سردوش
سمن ساقی ذگس جام پردست	نیفشه تاب زلف افگنده بروش	نماز نسرین، درم خریدیہ او
کشا ده با نسرین رابنا گوش	کشا ده با نسرین رابنا گوش	چوب بر فرق، آبے انداخت از کتا

گو نگونہ گئے شگفت درد	بزہ بیدار آب خست درد
-----------------------	----------------------

بعض اوقات تشبیہ سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے اس قسم کی تشبیہات آج تک کسی نے نظامی سے ٹھہر کر بلکہ ان کے برابر بھی نہیں پیدا کیں (مثلاً)

کند اثر دہا سے مسلسل شکنج	دہن باز کردہ بہ تاج گنج
غبار سے شد ارجای برخاستہ	زینین کو بساطے پڑ آر استہ
چونیلو فر، افگن زورق در آب	در ان دجلہ خون، بلند آفتاب
کور فار و سے اثر دہا سے بود	زمشیر گشتہ جا سے بنود

زخم کو فار، اور تلوار کو اثر دہا سے تشبیہ دی ہے

لے مدنی بر ق دکنی نقاب	سائیشین چند بو آفتاب
تاج تو و سخت تو دار د جان	تحشت زین آمد تو تاج آسان
زین خون کگرد آمد اندر مناک	چو گو کرد سرخ آتیشیں گشت خاک
نهنگ خدنگ، از کین کمان	نیا سود پر یک زین، یکن مان

شاعری کی لطافت اور رنگینی کا ایک بڑا راز یہ ہے کہ بے جان چیزوں کو صاحب اور اک قرار دیکران کی نسبت ارادی کام منوب کیے جائیں مثلاً عرفی انتام ہے،

نہ گفت دین لشتو دم، ہر چو گفتن داشت	کو در بیان گماش کر در بزبان تقدم
بس، چونوبت خویش از تگاہ باز گرفت	نقاد سامور در معوج کو ثروت نیم

یعنی اُس نے کچھ نہیں کہا لیکن میں نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرنے میں، اُس کی نگاہوں نے زبان سے پیشہ تھی کی جب ہونٹوں نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامنہ کو شرکی موجوں میں ڈوب گیا، یا مثلًا۔

راضیم از نگہ شوق کر گوید ہمہ باز	از زبان، اپنے دم عرض تمنا ماند
----------------------------------	--------------------------------

متاخرین نے اس طرز کو نہایت وسعت دی، اور اس سے نہایت لطیف اور زیبین نئے نئے اسلوب پیدا کیے، لیکن اس طرز کے موجود نظامی ہیں، شیرین خسر و ہیں لکھتے ہیں،

مان با شاء ہی گفت آن بناؤ گوش	کہ مولاسے توام، ۱۔ حلقة در گوش
ب سر تجھ پیس د گیسو مجلس آ راست	جو رخ گردید گردن عذر ہا خواست
ل گویم غم نزہ راتا وقت شیگیر	مندش رابرقص آرد بیک تیر
ل گویم زلف راتا یک فن آرد	شکیش را رسن در گردن آرد

نظامی کے یہ مضمایں، متاخرین کے شمع راہ بنے، جس کی روشنی میں انکو گوناہوں سالیب کا سلسلہ ہاتا گیا، نظامی نے جب (پہلے شرمن) بناؤ گوش کی سبب یہ بڑھا کر اسی نے چھپے سے بادشاہ سے کہا، تو بے تکلف ایک شاعر، اسکو یون بدل کر کہ لکھتا ہے،

ع زلف او خم شده در گوش سخن سے گوید،
شور کے سیکڑوں انواع ہیں، لیکن بڑی قسمیں یہ ہیں، ازرمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی

جذب انسانی کا اظہار، اور مناظر کی تصوریں ان میں سے ہر نوع کو نظمی نے لیا ہے اور
معراج ترقی تک پہنچا دیا ہے،

سکندر نامہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ سکندر کے حالات تین چیزوں رکھتے ہیں
سلطنت، بہوت، فلسفہ و حکمت، میں تین قسم کے حالات لکھوں گا، اور تفصیل سے لکھوں گا

ولایتستان بلکہ آفاق گیر	گروہیش خواند صاحب سر بر
چ حکمت تو شتمہ نشور او	گروہیز ز دیوان دستور او
پنیر اشند شش پیغمبری	گروہیز ز پاکی و دین پروری
درختے بر و مند خواہم نشاند	من از هرسه داده اکہ دانتافشاند

چنانچہ سکندر نامہ بر سی میں، کشورستانی، اور سکندر نامہ بھری میں، پیغمبری کے
وقایات اور فلسفیات تجویز ہیں،

فارسی میں فلسفیانہ مسائل ناصرخسرو کے سوا، اسی نے اذہیں کئے، لیکن ناصر
خسرو نے تمام اصطلاحیں وہی عربی کی قائم رکھی ہیں، اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی
میں فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، پوعلی سینا کی کتاب حکمت علامیہ سے
اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ نظمی نے فلسفیانہ مسائل اس
حد تک لکھدیے ہیں کہ زبان کی کلم مائی کی خلاصت نہیں ہو سکتی، اور اگر متاخرین بھی
اسکے نقش قدم پر چلتے تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زبان بن گئی ہوتی،

سکندر نامہ بھری میں انھوں نے ایک خاص داستان سکندر را و حکما ریکھا

کی فلسفیات بحثوں کے متعلق لکھی ہی، اس میں ارسطو، ظاطون، والیس، بلنیاس، سقراط، غرفوریوس، (پارفیریوس) برنس، کے اقوال اور رائین لکھی ہیں، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کیے تھے، سکندر کی زبان سے اُنکے جوابات لکھے ہیں ان تمام بحثوں میں فلسفہ کی اصطلاحیں فارسی میں ادا کی ہیں، عربی الفاظ جا بجا آتے ہیں لیکن اس حد تک کہ زبان ناماؤس، اور دسایر و ثرندہ نہجاء، ایک ہندو حکیم نے سکندر سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہو؟ اس میکھان سے تاثیر پیدا ہوتی ہو، عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جائے تو اُسکی ترقی کا سبب ہوتا ہے بخلاف اسکے بد نظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اُسی کو نظر لگتی ہی، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو انہے سے شاعین نکلکر اُس چیز پر پڑتی ہیں، شعلع ہوا سے گزر کر اُس چیز تک پہنچتی ہی، اب ہوا میں اگر سیمت ہے تو یہ شاعین بھی اُس سے آلوہ ہو کر زہری ہو جاتی ہیں، اور اُس چیز کو جا کر نقصان پہنچاتی ہیں، اس سے قطع نظر کر کے کہ سوال وجواب، دونوں طحلاء ہیں، یہ دیکھو کہ نظامی ان یادوں کو لئن الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

گھر کرد بانوک الماس جفت	و گر بار ہند و در آمد ہے گفت
ز حشم بد، آگاہ ہیے دہ مرزا	کہ بر حشم بد، خناہیے دہ مرزا
کرنیکوی خود را کند حشم زد	چ نیر داست، در خبیش حشم بد
چودیدہ پسند، فراش رسید	ہمسر چیز را کاز ماش رسید

سر و گردنش زیر بسند آورد
درستی نمیدیم در پنج حرث
برآماج گه تیر او شد درست

چین آرد از روی سمنی قیاس
گزر بر بندو اسے کند ناگزیر
کند با هواری دم ساختن
ہوانیز یا بد برگان رخشنر راه
در کان آن چیز ناید گزند
بیند از دان چیز را در منفاک
بدار دیپ ہمراہ سی پیش میں پر

جز اور که هرچه پسند آورد
بهر حرفتے چون که دیدم شرف
ائین یک کاندار شد از نخست
گو تاچہ نیر دست این درست کے او
چباذر گفتار طالع شناس
که بر هرچسے گرد و نظر جانگیر
بر آن چیز کار و نظر تاخن
بینچون در آرد بر آن رخت است گاه
بی او گری ہوا سے بود سود مند
مزاج ہوا گلوبود زہر ناک
ہوا سے بذست آن که در چشم زد

موج و دات کی ابتداء اور انکی ترتیب، افلاک، عناصر سلسلہ، علل، ان تمام بخوبی
کے متعلق یعنی حکماء ای رائی نقل کی ہیں، اور ان تمام مباحثت میں بہت کم عربی کے
لفاظ کو دخل دیا ہے،

اطلاقی شاعری [اطلاقی شاعری] کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے، غیر اسرار کے
سو اجو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مشنیوں میں بھی جا بجا اخلاقی ہدایتیں موقع
ہیں قلکھی ہیں، چنانچہ کسی صاحب ذوق نے اخلاق اس قسم کے اشعار کو اُنکے پنج گنج

سے چن کر کیجا جمع کر دیا ہے اور اخلاق کے ۳۵ عنوان قرار دیکر ایک ایک عنوان کے پیچے تمام غنویوں کے وہ اشارے نقل کر دیے ہیں، جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے یعنی ذہن مجموع کا ایک نہایت خوش خط نسخہ، عالمگیر کتب خانے کا جید رآ باد میں دیکھا تھا۔

بات انسانی | شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو نظامی نے جس تنبہ پر پہنچا یا، قدما فردوسی کے سوا، اس کی نظریہ نہیں مل سکتی، اور انصاف یہ ہے کہ فردوسی بھی اس صویبیت میں اُنکی بہتری نہیں کر سکتا، فردوسی نے جہاں جذبات کا اظہار کیا ہے تو اولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے، بخلاف اسکے نظامی نہایت نازک، لطیف اور حق پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں، اشنا دار ارجمندی ہو کر گرا ہے تو سکندر کے پاس گیا ہے اور دارانے اُس سے حسرک ناک باتیں کی ہیں، فردوسی نے اس حق پر وہی معمولی افسوس اور عبرت کے کلمات ادا کر دیے ہیں، جو ہر شخص کے خیال آ سکتے ہیں، لیکن نظامی کی نظر ان نازک اور واقعیت کمتوں تک پہنچی ہے، جہاں شخص کا مرسلی نہیں پاسکتا، دارکوئی معمولی آدمی نہ تھا، بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا تھا، اور شاہنشاہ، خلکت کھانے اور خود اپنے توکروں کے ہات سے زخمی ہو کر مرنے کا اسکو صدمہ رہتے ہے، ماسوجہ سے افسوس، حسرت، اور بیکی کے خیالات اسکے مل میں جو مکرستے ہیں، ان ساتھ ہی شاہنشاہ اور اڈا غور اور تمکنت کا نشہ بھی سرین ہے، ایسے اسکے درد اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لحیہ میں ادا ہوتے ہیں، اُنکی باتیں نورہ جگ ہیں، اُنکی پر حسرت نکالیں بھی برق غصب ہیں، نظامی ان میام

خصوصیات کو دھاتے ہیں۔

زموکب روان پیچ کس راندیہ کلاؤ کیا ن شدہ سرنگون زرو بین در افتاد اسفند یار ز بادخزان گشته تارج غم ورق برورق ہر سوے بردبار در آمد ببالین آن پیل زور ز دفع کیا نی گره کرد باز شب تیرہ بر روز رخشنان نہاد بہ سونہ جگر آه از دل کشید کمگزار تا سر نهم من بخواب چڑاغ مرار و شناخت نامذ که شد در جگر ہپلوم نا پیہ یہ زمین آب و چرخ آتشم مے بردا تو مشکن کر مارا جہاں خود شکست تو خواہ افسرا ز منستان خواہ سر یکی لحظ گمزار تا گبز رم	چودرمکب قلب دار ارسید تن مزربان دید در خاک و خون ہ بازو سے بھن بر آسودہ مار بھار فریدون و گلزار حجم سب نامہ دولت کی قباد سلکن در فرد آمد انششت بور ب بالین گر خستہ آمد من راز خرستہ رابر سر ران نہاد چند ادا بر ویش نگہ کر دو دید چینیں داد دار انجسر و جاب رہا کن ک در من رہا نی من نامد سپریم پلان گونہ پہلو درید رہا کن کر خواب نوشتم مے بردا سیر سروران رارہا کن ز دست چو من زین ولایت کشاد م کمر اگر تاج خواہی بہ بود از سرم
--	--

چنان شاهزاد رچین بندگی بہ آمرزش ایزدی یادکن نقابے مبن درکش از لاجورد که گردون گردان برآرد نفیر نگهدار پلوز پلوے من ہے آیدا ز پلوم بوسے تن ہتاج کیان دستیازی کنی نہ پہان چوروز آنکار است این معینان مراتانه جنبند زمین	مبین سردار سر افگندگی درین بندم از زحمت آزاد کن چو گشت آفتاب مراردمی زرد مگر دان سرخسته را ز سریز تو اے پلوان کامدی سعے من که با آن کم پلو دریدم چو منع چودست که با مادرانه می کنی ؟ نگهدارست که دار است این زمین را ننم تاج تارک نشین
---	--

اس داقعہ کو بعینہ فردوسی نے بھی لکھا ہے، لیکن زو را اور اثر نہیں، چنانچہ اس
وقع کے اشعار ہم درج کرتے ہیں،

بیانی تو پاداش گفتار نخویش سر تاج و تخت دلیران تراست بپرداخت تخت از گون گزنجت حرامش ہمہ رنج و سردش گزند فرود نم ازین ناما را بجنمن دنرو دار تازنده باشی سپاس	بر آنگ که از پاک دادا ر خویش کیے آن که گفتی کا یاران تراست من مرگ نزدیک ترز کنک تخت برین است فر جام چرخ بلند بمردی بگر تا گنوئی که من ؟ بدر فنیک، ہر دوزنی دان شناس
---	--

برین راستان عبرت هر کم	نمودار گفتار من، من بسم
مرا بود و از من نسبت کس بخ	کچندان بزرگ و شاهی و گنج
گران مایه اسپان و تخت و کلاه	همان نیز چندان سلیح و سپاه
چ پیوستگان داغ رخستگان	همان نیز فرزند و پیوستگان
چنین بود تخت بد خویش من	زمین و زمان بند و بدمپیش من
همه کاخ و ایوان چو ویران شد	چواز من همان بخت بیگانه شد
گهر قمار در دست مردم کشان	زنیکی جدا ام ام زین نشان
سیه شد جان، دید گانم سفید	ز فرزند و خویشان شده نامید
ایمدم بپروردگار است ولیں	زنویشان کننے میست فریادرس
نگیتی بهام ہلاک اند رم	برین گونه خسته بناگ اند رم
اگر شهر یاری اگر پسلوان	برین است آئین چیخ روان
شکار است و مرگش ہمی بشکرد	بزرگی بعض رجام ہم گزرد
بران شاهزاده بناگ اند روں	سکندر رز دیده ببار میعن
سرشک روان بر رُخ زرداوی	پردارا بدید از دل در داوی
نآتش مرا بھرہ جزو نیست	بد و گفت مگری کزو سو نیست

مناظر قدرت کو جا بجا لکھا ہے اور جان لکھا ہو، نیچر کی تصویر کھینچ دی ہے
مناظر قدرت میں باعث و بمار ایک عام موضوع ہے جپر تمام شرانے طبع آزمائیا تھی

ن، اور داد بخون دی ہے، لیکن نظامی یہاں بھی سبے عالیہ اور سبے ممتاز ہیں، تمام
مرا فرنے صرف بہار کا سماو کھانے پر اکتفا کیا ہے، لیکن نظامی نے اسکے ساتھ یہ بھی
ھایا ہے کہ بہار میں ایک زیگین مزاج پر کس طرح نشہ ساچھا جاتا ہو، وہ باغ میں جاتا کہ
ولون سے کھلتا ہے، اگدستے بن اکر درختوں پر اپھالتا ہی، نہ کہ کن رے طبیعتی
ر شگر نے تو طرتوڑ کر نہ میں بھاتا ہے، حوض کے پاس جنپلی کے پھولوں کا بچوں ناپھاتا ہے
ل میں مشوق ہے، اُس کی زلفوں کے ملٹے اپنی گردی میں ڈالتا ہے، اور دنیا سے
باد ہو جاتا ہے، مرغ ان چین سے فرماش کرتا ہے کہ ہاں بھرا سی انداز سے اُٹھنا چاہیے
از بھی چھپتہ جاتا ہے، اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہو،

بیا باغبان خشدی سازکن	گل آمد در باغ را باز کن
نظامی: باغ آمداز شہر بند	بیارامی بستان ہ چلنی پر نہ
ز جنہ نہ فشر بر انگیر تاب	سرزگر س مت بر کش ز خواب
زیما سے سبزہ فروشوی گرد	نک روشن پشتمن شود لا جورد
درختان شاگفتند در طافت باغ	برافر خستہ ہر گئے چون چلس غ
ب مرغ زبان بستہ آواز ده	ک پرواز پاریں سر را ساز ده
سر ایندہ کرن نالہ چنگ را	بر آور ب رقص این دل تنگ را
سر زلف مشوق راطوق ساز	بر انگن ز گردن خود این طوق باز

۵ یہ کہتہ بھی بخدا سخنا چاہیے کہ نظامی نہ ان باتوں کو بجا سے بخیر کے انشا کے پریز میں ادا کیا ہو اور یہ زیادہ بخی

برافشان بہ بالا سے سر پلند	ریاحین سیراب را دستہ بند
درم بریز کن بر لب جو بار	از ان سیگون سکتہ نو بھار
زسوسن در انگلن بساط حریر	ب پیرا من بر که اب گیر

اعقیله ایران کی شاعری کا اصل مایہ نماز عشقیہ شاعری ہی، اور اس میں شبہ نہیں کہ عشق و عاشقی کے معاملات اور رہا ذوق نیاز جس زنگینی اور دلفریزی سے ایرانی شاعری نے ادا کیے، دنیا کی اور کوئی زبان اس انداز سے ادا نہیں کر سکتی، اس قسم کی شاعری کے یہ نزل مخصوص کردہ گئی ہی، اور اسکے موجود شیخ سعدی خیال کیے جاتے ہیں، نام کے یہ نزل کی بنیاد ان سے بھی بہت پہلے پڑھکی تھی، لیکن انصاف یہ ہر کروہ قدما رکے بوڑھے غمزے ہیں،

بے شبہ نزل کے موجود سعدی ہیں، لیکن نزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد نظامی کا خاص کارنامہ ہو، عشقیہ ثنویان، نظامی سے پہلے بھی لکھی گئیں جنہیں سے فردوسی کی یوسف زنیجا آج بھی موجود ہے، لیکن ثنویان وہی قدما رکی غزلیں ہیں نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی اور اسکو ترقی دی اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) عشق و عاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لیے ایک خاص زبان درکار ہے، جسکے الفاظ نازک، لطیف، اور شیرین ہوں، خاص قسم کے استعارات اور تشبیہیں ہوں، ادا میں دلاویزہ می اور دلفریزی ہو، یہ زبان خاص نظامی نے

پیدا کی ہے، قدما کی عشقیہ شنویوں کا نظامی کی کسی متوی سے مقابلہ کر د تو یہ فرق صفا
لکھ رہا تا ہے،

غزل کے ہمات مضامین یہ ہیں معموق کے حسن کی تعریف، ادا اور ناز و غزہ کے
کھشمے، الگ الگ اعضا کا بیان، اور انکی تشبیہات، عاشق و معموق کے معاملات یعنی
ناز و نیاز، اصرار و انکاہ سوال و جواب، عجز و غزوہ، وغیرہ ان تمام مضامین کو نظامی ذ
ہر سمع، تنوع، رنگینی، اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ انکا ہر ہر شعر سیکڑوں غزلوں کا
سرمایہ ہے، چند مثالیں ذیل میں درج ہیں،
شیرین کاغذ کرنا،

فلک را ب در حشم آمد از دور	چو قصد حشمہ کردان چشمہ تو ر
بشد در آب و آتش در جهان زد	پرند آسمان گون بر میان زد
چو غلط دقا قتے بر روی سنجاب	تن صافش کمی غلطید در آب
فلک بر ماہ امر و ارید می بست	چو بر فرق، آب می انداخت آزست
بنفسه بر سر گل، داغ می کرد	زہر سو شاخ گیسو شانہ می کرد
نمایمی بلکہ ماہ اور ده در دست	در آب انداختہ از گیسو ان شست

شیرین آساستہ ہو کر حسرہ کے سامنے آتی ہی،

نقاب آفتاب از سایہ بر بست	پس آنگہ ماہ را پیرا یہ بر بست
بر و هر شاخ گیسو چون کندے	فرو پوشید گنارے پرندے

بہ سمجھنے میں ایمان انگلندہ بریسٹر روان شدچون تدریسے درہواں	سر آغوشے برآمودہ بگو ہر دو پشمہ
--	------------------------------------

ایک موقع پر جب خسر و نشیرین سے زیادہ احتلاط کرنا جا ہا ہے تو وہ برہم
ہو کر اٹھتی ہے، اس حالت میں اسکا تن کرکھڑا ہونا، پیشان کاغذ سے سفنا، چھوڑ کا
کھلنا، بدن ڈکھنے میں حسن کا اوس چکنا، بالون کو بھی سیٹنا اور کبھی پھوٹ دینا، ان تمام
اداؤں کو کس خوبی سے ادا کیا ہو،

جبین را گرد کر دو فرق را راست پیشانی سمت گئی اور قد من گیا زندگانی کی کشاد و زلف می بست چہرہ کھوئے اور بال سیٹنے لگی، ہر پوشیدن ہے کر د آنکھا مل چھپائی تھی، اُسی قدر اور کھلتا تھا، گرہ می بست و برہم مشک می سوت گھونگر بنا تھی اور چاند پر مشک ملی تھی، کہ پالیش بر سر شمشیر می شد کیونکہ جدی کی وجہ سے گویا اسکے قدم تواریخ ہاں تاج دکھڑکشہ مختیج	بگفت لِن و چو سرو ارجای بِرْخُوت یکمہ کر سر دل کل طرح اٹھ کھڑی ہوئی ہاں آئیں کہ خوبان را بود دست اُس خاص انداز سنجیں بیشو قون کل میتے جال خویش را در خز و حنا ا پنے حسن کو حریر اور کنواب میں جمع کرد گھے بر فرق تند آشافتہ می بود کبھی زفروں پر جھلاتی تھی، اس میں ہر زیور را راست کر دان دیہ می شد زیور کے سنبھالنے میں دیر ہوئی جاتی تھی زگیوگہ کمرے کر دگہ تاج
--	--

زندگی کو بھی کریں تھی اور کبھی سر پر جو ربانہ تھی	جکر نہاد رتاج بجا تھی قس و داس کرنے والا تاج کا خود خود مبتدا تھا
---	---

ایک موقع پر شیر میں جب روزگار کاٹھی تو اس ادا سے اٹھی جس میں لگا وٹ بھی پائی جائی تھی، اسکی تصوری، اس طرح پیغام ہے،

پہنچنے والے اندازہ میکر د چو سر پر چید، گیسو مجلس آ راست نمود اندر نہ رہیست، شاہ لاپت غلط گفتہ نمودش تختہ عاج حسابے دیگر آن بودش دلان کئے دگرو جہاں کمہ گرو جہے شہزاد است چڑخش نازیست نانے خوب رویان بہ پچھے خیرگی کر دلن کہ گمراہ ز	بہ دیگر چشم غدر سے تازہ میکر د چو سرخ گردید، گردان غدر باخواست ہگو گرد سفید آتش ہی کشت کہ شہ رانیز باید اختت باتا ج کہ پشم نیز محربے است چون یوے اذان روشن ترم و مجھے دگرہ است ز دیده لاندہ را، ز دیده جویان بہ دیگر چشم دل دادن کہ گمراہ ز
---	--

منہ پھیکر بھاگنے کی توجیہیں کس قدر شاعرانہ ہیں یعنی اُسکو یہ دکھانا تھا کہ جس طرح
میراچہرہ، محراجی اور روشن ہے، اسی طرح پیغمبھی محراجی اور بلومی ہے،
غزالیہ شاعری کا ایک بڑا میدان مشتوق کا ناز و غور ہے نظامی نہ داستانی
داستان اس مضمون پر لکھی ہے، جکا ہر شعر غزل کا کام دیکھتا ہو،

خسر و زب شیر میں کوشاہی اقتدار کا زور د کہ مالا چاہا ہو تو وہ کہتی ہو،

ہنوزت در سراز شاہی غور است	دریناکیں غور راز عشق دو راست
----------------------------	------------------------------

لیکن افسوس ہشق کو غور سکیا نہست
دل آسان است بادل درد باید
دل آسان ہو لیکن دل میں روشنی ہے
ہنوزم چشم چون ترکان ستند
ابھی تک میری آنکھیں ٹرک ہیں
ہنوزم آب در جوی جانی است
ابھی تک میرے چشم میں آب شاپے
بہ بوہہ دل نوازی نیزدا نم
لیکن یوسہ سر میں دلداری بھی کر سکتی ہوں
کہ دگر دن چین خونم بسے است
ایسے اربہت سے خون میری گردش ہیں

ابھی تک تیئے سرمن سلطنت کا غور ہے
درمین گرمی کہ آہ سرد باید
اس گریجوٹی میں کہ آہ سرد کی ضرورت
ہنوزم ہند وال آتش پرستند
ابھی تک ہندو، مجھکو پوچھتے ہیں
ہنوزم اب پُر آب زندگانی است
ابھی تک مجھے ہونٹوں میں آجیات ہو
بغمزہ گرچہ ترکی دستا نم
اگرچہ غمزہ کے حاظ سے میں ترک ہوں
برتا بر تو نکشا نم بخون دست
ہشت جا ایسا نوکر میں تیری دپاچی دلوں

خسر نے جب شاپور کے ہات شرین کو ٹاہیجا ہے تو وہ کہتی ہو،

بناید کر دش سرخیہ بامہ
سندش را برقع آرد بیک تیر
شکیش رارسن در گردی آرد
میں زلف کو بھید و نگی کہ چالاکی سے خسر کے صبر کو گز قار کر کے لائے،
در وغی لفتم واخواست پشت

اگر خسر و نگی خسر و بود شاہ
گویم غمزہ راتا وقت ششگیر
فرستم زلف راتا یک فن آرد
مزا جی کر دم واخواست پشت

میں تو دل لگی کی تھی، تو وہ آفاضا بچھے پسے جوٹ کہد یا تھا وہ مع بچھے گئے	خسر و ایک مرتبہ چند میون کے ساتھ متی کی حالت میں شیرین کے مکان پر گیا، شیرین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کر کوٹھے سے اُترنا مناسب نہ سمجھا، خواصوں کو بھیجا کہ شہزادی میں فرش کر کے دیں، خسر و کو بھائیں، خسر و کو طھے پر جانا چاہتا ہے، شیرین نظر زیمن کرتی اُس موقع کا سامان اور سوال وجواب کا انداز دیکھو،
ر قیبے را بہ نزد خویشن خواند ایک خواص کو اپنے پاس بلایا اور کہا در وان شوگون نہ شاہنشہ، غلامی اندر بار کر کوکہ کیشا ہن شاہ نے نہیں بلکہ کہ ہمانے ہے خدمت مے گرایہ کہ ایک جہاں خدمت کے لیے آیا ہو بہرین زاری پیام شاہ می گفت	کہ مارا نازنین بر در چرا ماند کہ مجھکو نازنین نے باہر کیون بھایا فرستاد است نزد دیکت پیاسی ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے چہ فرمادی و در آیدیا نیا یہ کیا ارشاد ہو، اند ر آئے یا نہ آئے خکلب می شنید و آہ می گفت
بادشاہ کا عاجز ان پیغام شیرین سنتی تھی، اور افسوس کرتی تھی، کنیسرے کا روان را گفت آن ماہ ایک ہوشیار کنیسرے شیرین نے کہا کہ خلان شش طاق دیبا را بردن بر خمل کے کھان لے جا کر	نخدمت خیزو بیرون شوسوی شا بادشاہ کے پاس جا بنن با طاق این الیوان برابر شہزادی میں بچھاوے،

پس آنگہ شاہ را گو کا سے خداوند
بادشاہ سے کہا
شہنشہ را چین دادست بیانم
مہند و غلام نے خود کو یہ پیغام دیا ہے

بنہ بر پنیگاہ و شقہ بر بہن د
اور پردے باندھ کر،
نم ترک این سراہند وی این یام
اس گھر کی ترک رینی مشوق اتنیں بکھر

اسکے بعد، خسر و اشیروں سے دو بد و گفتگو ہوئی ہے خسر و کتا ہے کہ تم نے

در واڑہ کیوں بند کر دیا، شیرین جواب دتی ہے،

کہ سرست آدمن پشم خطا بود
ز تھت را سے مردم کے بو دو در
ہن قلائی خوری چون نقل مستان
چو گل بوسی کنی و اندازی از دست
کہ شیرتی دہانت را کند ریش
چ دیسی جز خداوندی و شاہی
قلم شاپوری ز دیشہ فرہاد

حدیث آن کہ در بستم روایود
چو من خلوت نشین باشم تو مخوب
تو می خواہی مگر کز را و دستان
بست آری مراجون غافلان بست
رہا کن نام شیرین از لب خویش
تود عشق من از مالی و جا ہے
تو ساغر می زدی بادوستان شاد

اسکے مقابلہ میں زندانہ شو خیان دیکھو، شیرین جب کسی طرح راضی نہیں ہوتی تو خسر و
کتا ہے کہتا ہے،

گرفتہ چند خواہی بد، بیارام
یہ بہمی کب تک، اذ ما نرم ہوا

پرستاخی در آمد کے دلارام
خسر و گستاخانہ کہا کا کے مشوق

چو می خوردی و می دادی بین یار

نے شراب پی اور مجھکو بھی بیانی لیکن، یہ خلاف انعامات ہے کہ میں مت ہو جاؤں اور تم پوش میں بیان

شمار بوسہ خواہ بود کا رم

تم بوسہ دیتی جاؤ میں گنا جاؤ نکا

میرا کام صرف بوسہ کا گفت ہو گا۔

یعنی یہ کام تھا را ہی سہے لیکن میں اسکو تھا ری خاطر سے اخبار م دیوں گا۔

سکندر نے جب کنیز کچنی سے اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ غور کے اجھیں
پنے اوصاف بیان کرتی ہی، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہیں، لیکن اس موقع پر
خطاطی نے جدت آفرینی سے سکندر کا ایک ایک وصف بیان کر کے، اس کے
قابلیں اسکی ترجیح کی وجہیں، کنیز کی زبان سے ادا کی ہیں،

ملک گزر جہشید بالاترست

شہار کیقا دبلند افسرست

شہار چون سلیمان شود دیو بند

شہار ناکہ عالم گرفت ای خلگفت

اگرچہ کند جہا نگیر شاہ

کند سے من از رفعت بر سازمش

گرا اور سکندر سے بو دما گیسر

گرا جنا وک انداز دا ان دور دست

مرا غفرہ ناوک انداز ہست

من انجا سکندر کیا رود	سکندر سہ حیوان، خطامی رود
سرزلف من راہ نہایش	اگر راہ ظلمات می بایش
لب من کر یا قوت رختان درو است	لب من کر یا قوت رختان درو است

زندہ شناہ نامہ کو سوبرس سے اوپر پوچھ کے تھے، اس عرصہ میں زبان میں، طراز القاب ہو گیا تھا، سیکڑوں الفاظ بالکل متروک ہو گئے تھے، اکثر انفاظ، حروف زائد کر کر خوبصورت قالب میں ڈھل پکے تھے، عربی کے نئے نئے ناموس الفاظ، داخل ہوتے جاتے تھے؛ زبان کے القاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روشن بھی یہ لئی تھی، استعارات اور تشبیہات میں رطافت و نزاکت آگئی تھی بطبیعتِ مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھیں، ان بالتوں سے شاہنامہ کی عالمگیر آزاد و ہیبی پڑنے لگی تھی، قصے زبانوں پر رہ گئے تھے، لیکن اشعار بھولتے جلتے تھے اس بنابر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تھی، جو سکندر نامہ کے قالب میں نمودار ہوا،

سکندر نامہ کے ہیرو کے انتخاب میں غلطی ہوئی، لیکن مجبوری تھی، قومی تاریخ فردوسی کے حصے میں آچکی تھی، رسول اللہ کے عزوات اور خلفاء کے معروکوں میں شاعری کی گنجائش کم تھی کیونکہ اس سے بال بر بھی ہستے تو منہبی عدالت میں مجرم فراریتے اور شاعری کیلئے کچھ نہ پڑھتے، نہ گھنٹھا نافر تھا خود تو تھیں

غلط کر دن سہ بو دنا گزہ یہ	چونظم گزارش بود راہ گیر
ہمہ کا رمن خود غلط کا ریست	مرا کا ربان غزگفتاریست

وگر بے نتائج نہیں، گزاری سخن
نداز دنوی، نامہ ہانے کہن

اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ کسی مشہور کشورستان کی داستان اختیار کی جائے اس
حیثیت سے سکندر کا کوئی بھسرہ نہ تھا، ایشا، اور یورپ دونوں اسکو مانتے تھے، البتہ یافوش
ہے کہ نظامی نے مدھب ملادیا، یعنی ذہ القرنین کو سکندر بنادیا جو صریح قرآن مجید کے
خلاف ہے۔

سکندر نامہ میں اگرچہ شاعری کے معاسن بہت زیادہ ہیں، باہم ہم شاہنامہ
کے برابر مقبول نہ ہو سکا، اسکے خاص اسباب ہیں،

۱- سکندر نامہ میں اکثر جگہ تقدیم ہو، جو بات کہنا چاہتے ہیں، اس طرح صاف
صاف نہیں کہہ سکتے کہ زبان سے نہ لکھنے کے ساتھ دل میں اُتر جائے، یہی وجہ ہے
کہ کثرت سے شریعین اور حاشیے لکھنے گئے، اس پر بھی بہت سے مقامات لا خیل رہ گئے،
اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنا پڑتا۔

۲- کتاب کا ہیر و ایک غیر شخص یعنی سکندر ر تھا، اسیلے ایرانیون کو اسکے واقعات
کے ایسی دیکھی اور مجتبی نہیں ہو سکتی تھی، جو خود اپنی قوم سے ہو سکتی تھی، شاہنامہ
کے مقبول ہونے کا بڑا گھری یہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی،

۳- تمام کتاب میں صرف ایک شخص کی داستان ہی پڑھنے والا آگتا اکتا جاتا ہے
بنخلاف اسکے شاہنامہ میں سیکڑوں اشخاص کے واقعات اور گوناگون حالات ہیں،
ایک غذا سے جی گھبراے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہیں،

۷۰۔ تمام کتاب میں کوئی در دلگیر اور عبرت خیز راقعہ نہیں ہو، بخلات اسکے شاہناہ میں رسم و سر اب، نیزہ و بیرون، جمیشید و ضحاک، کی داستانیں نہایت پُداشر اور حسرت آمیز رہیں،

با وجود ان باتوں کے سکندر نامہ نے جو قبولیت حاصل کی تھب (انگریز ہو)، شاہناہ میں کے سودوڑھ سوہی برس بعد سکندر نامہ لکھا گیا اور شہرت عام پا گیا، سکندر نامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گز رچکا، اس مدت میں اس طرز پر بیسیوں کتابیں لکھی لیکن لیکن نہایت بھی کوئی نہیں جانتا، سکندر نامہ جامی، آمینہ سکندر ری، ہمای ہمایوں، اکبر نامہ ملکان نامہ ایک نام کس نے صنایہ،

زرمیہ نظم کا یہ اصول ہے کہ پہلے حری باجون کے بجئے ادار و گیر ہنگامہ خورد غل اور عام پلخ کا نقشہ لکھنی جائے، پھر فوجوں کی حملہ اور سی روز روشن بادوش و خروش کا ذکر کیا جائے، پھر الات جنگ یعنی تیر و کان، تیغ و سنان، نیزہ و خجھ کی کارستنیاں کھانی جائیں پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ میں آنا، رجز پڑھنا امبارز طلب ہونا، حریف سے لڑنا، داؤں پیچ کرنا، امنا یا مارنا، ان باتوں کا ذکر کیا جائے، اور اس طرح کیا جائے کہ میلان جنگ کی تصویر یا آنکھوں کے سامنے پھر جائے، سکندر نامہ میں یہ سب باتیں ہیں اور کمال کے درجہ پر ہیں،
حری باجون کا ذکر،

۷۱۔ یہ سب مشویان سکندر نامہ کی طرز پر اور اسکے جواب میں لکھی گئی ہیں،

فلک بر دهان دهل داد بوس	در آمد به غتیں آواز کوس
زمین لرزه اقتادور کوه و راغ	ز غسیدن کوس خالی دماغ
که از نهار سے ترکان برآور جوش	چنان آمدازنای ترکی خروش
دماغ از دم گاودم گشت سیر	برآورده خسیر ناؤس همراه آواز شیر
برون رفت زین طاق آراسته	طاقتی که از مقرعه خواسته
کفن گشت در زیر جوش حربه	ترناف کی اواد نازیان
هزرا هزار در آمد به مردان مرد	ز بیسم چاقچن که آمد ز تیر،
شد از موح آتش، زمین لالگون	روارو برآمد زرهاه نبرد
سرافیل صور قیامت دید	چپش درآمد دودریا نه حمل
برآور دسر، های و هوی از جهان	زمین گفتی از یک دگر بر در پید
گلگوکیه شد حلقا می کند	یک گفت ہوی دو گرفت ہان
زمین آسمان وار برخاسته	جلگتاب شد فرهہ ہائے بلند
زمین شش شدو آسمان گشت	سپاه از دو جانب صفت آرتسته
نم خون بہ ماہے و برماء گرد	رسم ستوزان دران پس شدت
زمین آسمان، آسمان شدن زمین	فرورفت و بر رفت روز نبرد
که از نعل اسپان برآمد شرار	زبس گرد بر تارک و ترک وزین
چو گو گرد سخ آتشین گشت خاک	چنان گرم گشت آتش کا زرار
	زبس خون که گرد آمد آمد رعنایک

گرده در گلکوی خیر بران شنکت
 غباری خدا را ز جایه بر خاسته
 تن کوه لرزید بر خویشتن
 معا باشد، هر بر خاسته
 نجات از جهان خیمه بیرون زده
 که در غارا داشت دهایه نبود
 نیاسود بر یک زمین یک زمان
 دهن بازگرد و به تاراج گنج
 نفس ران راه بروان تا ختن
 زگو پاله ما کوه گشته مفاک
 گز سپر بر سپر بسته چون لاله زار
 بگردان کشی کرده گردان فراز
 شتا بان شده تیر چون هار گنج
 یکی شیر پ طاش روئین کلاه
 بنام آوری خویشتن را سرورد
 به پ طاشی من خود پشت گرم

زغیریان ثرنده پیلان مست
 زمین کوب ساط بُ آراسته
 زپولاد پیکان پیکر شکن
 پر با پسکین بر آراسته
 ستون علم جامد در خون زده
 زشم شیر برشته جایه نبود
 نهان خذنگ از کین کمان
 لمند اثر دهایه مسلسل شکنخ
 زبس بر دهن نارچ اند اختن
 زنیزه نیستان شده روی خاک
 سان در سان رسته چون ک خار
 نهان شمشیر بوشن گداز
 یا بر و در آمد کمان را شکنخ
 زرسی در آمد بناور دگاه
 مبارز طلب کرد و جلان نبود
 اکر پ طاشیان را درین خام حزم

آلات جنگ

جز

له پ طاش ایک مقام کا نام ہے،

پلگان درم بر سر کوه مار
 در شتم پهچکال و سختم بزور
 شام ز پلود ر آید به ناف
 همه خون خام است نوشیدم
 شه گردان خان شاه گردان گرای
 زده بر میان گوهر آگین کمر
 هنری کیه آسمان گوان زره
 یانی کیه تغیر ز هراب جوش
 پکبک در می چون در آید عقاب
 ازان تیز ت خسرد پیل تن
 بزرد بانگ بر دمی کرای زاغ پیر
 خستین نبرش که تدمیر کرد
 چو دلخیم را ناد از تیر باک
 کیه خشت پولاد الماس رنگ
 ز سختی که تن را بهم در خشد
 دگر خشته انداخت زان تیز تر
 چودانست کان دلیا هن مرشد

نهگان خورم بر لب جو بار
 به حمله درم پلوزه گور
 دروغ غمی گویم اینک مصان
 همه جه م خام است پوشیدم
 ز پکار موکب تهی کرد جای
 در آور دپولاد مهند می بس
 چوم غول زنگی گره در گره
 حائل فرو هشته از طرف دوش
 چگونه جهد بر زمین آفتاب
 به تندی درآمد به آن اهرمن
 عقاب جوان، آمد آرام گیر
 بر آن تیره دل بارش تیر کرد
 زندگ شد از تیر خود خشمگان
 بر آور دوزد بر دلاوران هنگ
 بر آن خاره شد خشت پولاد خرد
 بر آن کشتنی هم نشد کار گر
 نیندیشه از حر ره تیر خشت

املا: بانگ
آداسته بور چوکرنا

بد

نہنگ جہاں سوز را بر کر شید
پلور

زدش بر کفت گاہ، و بودش ز جائے
چنان کان ستمگرد آمد ز جائے

لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی، فردوسی کی طرح، خاص اڑانی کی دانوں پیچ اور

فزان جنگ کی تصویر اچھی طرح نہیں ٹھیک سکتے،

نظامی اور فردوسی کا موازنہ | اگرچہ انصاف یہ ہے کہ نظامی فردوسی کے ہمپایہ نہیں ہیں

تحوڑا سا شیروں پانی لیکر، بار بار چانا جائے، مقطور کیا جائے، اور پھر کسی خوشنگ خشنا

گلاس میں رکھا جائے تو اسکی شیر بخی، خوشنگواری، صفائی اور خشنمانی میں کیا شک ہے

لیکن ایک صاف شیر میں قدر تی چشمہ، جو پہاڑ کے دامن سے نکل کر بتا چلا جاتا ہو، اُس سو

کیا نسبت، تا ہم دونوں کا انداز کلام، دکھانے کے لیے ہم چند مشترک عنداون کے اشعا

نقلم کرتے ہیں اور انکا فرق دکھاتے ہیں،

سکندر کا فاصلہ بنکر نوشابہ کے دربار میں جانا، سکندر نامہ کی مشہور داستان

ہے، یہی قصہ شاہ نامہ میں بھی ہے فرق یہ ہے کہ شاہ نامہ میں نوشابہ کے بجاءے

قید افہم کا نام ہے جو اندر کا با دشاد تھا، باقی حالات مشترک ہیں، یعنی با دشاد نے

سکندر کو بچان لیا ہے اور اس سے اسکا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے

با دشاد اُس کی تصویر منگا کر سانس رکھ دیتا ہے کہ اپنے چہرہ سے ملا لو، سکندر سخت

مضطربوتا ہے، با دشاد اُسکو تسلی دیتا ہے کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے،

فروسی

چو قید افه را دید بر تخت عاج
 زیاقوت و پیر و زده بر سر ش تاج
 زز ر بفت پوشیده چینی قبای
 فزادان پرستنده پشیش بپی
 خ شاه تا بان به کردار هور
 نشت نگش راستون ها بلور
 پرستنده با طوق و با گوشوار
 به پاند ران گلشن زرنگار
 سکندر بدان در شلگفتی بماند
 فزادان همان نام زیدان نخواند
 نشت نگه دید اقیصر که نیز
 نیامد و رار و م و ایران به چیز
 بر هشتراند زمین داد بوس
 چنان چون بود مردم چاپلوس
 در اید قید افه بنشناختش،
 به پرسید بسیار و بنراحتش

نظمی

بر آراست نو شا به درگاه را
 بزر در گرفت آهی راه را
 پر کیم گران را بعد گو نه زیب
 صفت اند صفت آراست آن افریب
 بر آمود گو هر چه مشکین کم کند
 فرو هشت بر گو هم اگین پر ند
 بر او رنگ شاهنشی نزشد
 گرفته معبر ترم بخے بدست
 بفرمود کائین بجاسه آورند
 فرستاده را در سراست آورند
 فرستاده از در آمد لیر
 سوی تخت شد چون شتابنده تیر
 کربند شمشیر بکشاد باز
 بر سکم رسولان نه بر دش نماز
 نهانی دران قصر زینده دید
 بخشی سراست فرمیده دید

زبس گوہرین گوش گردان کشان
 شد و چشم بندید و گوہر فشان
 زتابند دیا تو توز خشند فعل
 خرامندہ را آتشین گشت فعل
 مگر کان و در یا بهم تاختند
 همه گوہر اینجا براند تاختند
 زن زیرک از سیرت شان او
 دران داوری شد ہر لسان او
 که این کار دان مرد آهسته است
 چرا شتر طخدمت نیار و جبار
 ز سرتا قدم دید در شهر یار
 ز رخچته را بر محک ز دعیار
 چونیں کوونگ کر د بشنا غتش
 پتخت خود آرام گه ساختش
 سکندر بر سر فرستاد گان

ہے خور دن اندر گران با شاه
 فزون کرد، سوی سکندر زنگاه
 بگنجو گفت آن در خشان حریر
 نبرشته بر و صورت دلپذیر
 پیش من آور چنان ہم که ہست
 بر تندی برو بسح پشاوی دست
 بیا ورد گنجو رو بہنا دپیش
 چو دیدش نگہ کر دز اندازه بیش
 بچر سکندر نکو بنگری
 ازان صورت اور اجدالی نمید
 بمالست قیدانہ کا و قیصر است
 بران لشکر نامور دھتر است
 بد و گفت کا مے مرگستردہ کام
 بیاتا چہ دادت سکندر پیام
 چین داد پاسخ کہ شاه جہان

نظمی

نگه داشت آین آزاد کان
 پس آنگاه زارش گرفت از پیام
 که شاه جهان داوز نیکنام
 چنین گفت کاسے داوز ناجوی
 نشام آوران جهان برده گوی
 چه اقتاد کرنا عنان تافته
 سوئے ماقویک روز نشانه
 زبونه چه دیدی که تو شدی
 چه بید او کرد هم که دشمن شدی
 چون ره درین ملکات ساختم
 بر و سایه دولت اند خستم
 لمرچون نبستی بد رگا و من
 چهار روی پیچیدی سے از راه من
 به پاسخ نودن زن ہو شمند
 زیاقت سربسته بکشا و بیند
 که صد آفرین بر تو شاه دلیر

فردوسی

سخن گفت با من میان همان
 که قید افزپاک دل بالگوی
 که جز رسنی در زمانه جوی
 مگر سرن پیچی ز فرمان من
 نکند ارسید ارسیدان من
 و گر پیچ تاب اند رآ ری بدل
 بیارم کیکه لشکری دل گسل
 بر آرم دمار از همه لشکرست
 پ آتش بوزم چه کشورت
 بد و گفت کاسے زاده فیلقوس
 همت رزم زرم ست و هم خم بوس
 دلیر آمدی پیش من باز خواه
 نداختم ترا این که نبود راه
 سکن رزگفتار او گشت زرد
 روان پر ز در دروغان لا جورد
 بد و گفت کاسے هتر پر خرد

که پیغام خود خود گزاری چو شیر
 چنان آیم در دل اے پلوان
 که با مین سرو سایه خسروان
 میانجی نه شاه آزاده،
 فرستنده نه فرستاده،
 پیام توجون تبغ گردان زند
 کراز هرمه کین تبغ بر من زند
 ز تبغ سکندر چه رانی سخن،
 سکندر توئی چاره خویش کن
 مراخاندی و خود بام آمدی
 نظر پخته ترکن که خام آمدی
 جهاندار گفت اے سزاوار تخت
 پژوهش مکن جز بفرمان بخت

نظمی

منه تهست سایه برآفتا ب
 ک او را قدم رسخه باست کرد
 زنوشین اسب خویش بکشاد بند

چنین گفته از تو نه اندر خورد
 منم نیطقوں کرد خدا سے جان
 جز این بچه فیلقو سم مخوان
 بد گفت قید رافه کرد او ری
 بست را پرداز کا سکندری
 بیا در دو بنهاد پیش حریر
 نوشته برو صورتے دلپذیر
 کر گر پیچ جبنش بمرے درنگار
 بودے جزا سکندر شهر یار

سکندر محیط است و من جوی آب
 پدر گاه او پیش آزان است مرد
 دگر باز نوشایه ہو شمسند

نظمی

بُنار استی کیر کبی مباش	کزین بیش بر دافر پی مباش
نْهفت همکن شیر در چرم گرگ.	پیامت بزرگ است نامت بزرگ
که باما به تندی بر آر دنفس	فرستاده رایست این دترس
ن در پیش من پشت را خمکند	ن جباری خویش لامکند
که نایز رو باه پیغام شیر	جوابش چنین داد شاه دلیر
سکندر نیم زو پیام آورم	اگر من چه پیشم تو نام آورم
ن از رو به از نزد شیر آدم	اگر در سیا نجی دلیر آدم
که پوشید خور شید را ز پرگل	برآ شفت نوشابه زان شیزیل
حریرے برو پیکر خسر دان	بلغمود کار دکنیزے دو چان
بدوداد کین نقش بر دست گیر	یکے گوشته از شقد آن حریره،
درین کارگاه از پی چیست این	ہبین تاشان رخ کیست این
با بر وی خود آسمان را مپوش	اگر پیکر قست چندین کوش
حریر نو شته ز هم باز کرد	سکندر لفمان او ساز کرد
ولایت بدست بد انداش شد	بعینه در و صورت خویش نیه
بدار اے خود بر دخود را پناه	تبریزید و شد رنگ رویش چوکا

(۱) سبک پطے اپنے نظر والو که جان ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ، ایک ہی

بات کو دو فون نے لکھا ہو وہاں بھی بندش الفاظ کے عاظ سے کس قدر فرق ہے، آنٹاں کی
ترکیبیں کی جیسی، قافیوں کی بلندی، فقردان کے درد بست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہے
کہ گویا شیر گوئی خ رہا ہے، اسکے مقابلہ میں فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتا ہے جس طرح
کوئی پر اکتمبھا پیرانہ لمحہ میں ٹھہر ٹھہر کر باقی رکرتا ہے، ان اشعار کا مقابلہ کرو،

نظمی فردوسی

پر بکھر کان را بعد گوئی زیب صفت اند صفت آراستائیں نفیب سکندربہ رسم فرستاد گان آنکہ داشت آئین آزاد گان ہمانے دران قصر زینبہ دید بہشتی سر اسے فرمیندہ دید ز مسر تاقد ہم دید در شهر پار ز رخچت را بر مکن ز دعیار یکے گوشہ از شفہ آن حریر بد و داد کین نقش بر دست گیر چین گفت کاے ماو ز ناجوی ز نام اور ان جہاں بر دہ گوئے	ز زراحت پو شید جنی قباۓ فراوان پر سندہ پیش بیاۓ بر مشرانہ زمین دا دبوس چنان چوں بودہ دم چاپلوس سعکنہ در بدان در شلگفتے باند فراوان ہمان نام بزادان بخواں پر من خور دان اند رگران یا شاہ ذوں کر دسو سے سکنہ نگاہ ہ بکجور گفت آن درختان حریر بمشتعل بر وحور تے دلپذیر کہ تید افہما پاک دل را بگوئے کہ جز راستی در زمانہ بھوئے
---	--

<p>فروضی</p> <p>کہ صد آفرین بر تو شا و دلیر کہ پیغام خود خود گزاری چشیر میابنی نہ شاه آزادہ فرستندہ نہ فرستادہ تبریز و شدرنگ روش چکہ ہے دارے خود بردا خود را پناہ سکن رحیط است و من جو کی ب منہ تھمت سایہ بر آفتاب</p>	<p>فروضی</p> <p>دلیر آمدی پیش من باز خواہ نمائم ترا ایں نکہ بنود را بد گفت تید افکر کرد اور ی لبت را پرداز کا سکندی سکند رزگ قفار او گشت زرد روان پر زور دو رخان لا جوڑ منم نطقون کہ خدا سے جان جزایں بچپہ فیلقو سم مخوان</p>
--	---

۲) انی اشعار میں بلا غلت کافر ق دیکھو،

نظمی

<p>فروان پر سندہ پیش بپے</p> <p>صفت اندر صفت آراس حان لفڑی</p>	<p>فروضی کے بیان سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں اور لوٹیلوں کا جوم تھا، اور سب کھڑے تھے، لیکن نظمی کے بیان سے انکا باقاعدہ صفت بصفت ایجادہ ہوتا بھی ثابت ہوتا ہے، «آر است» کے لفظ نے اس خصوصیت کو اور روشن اور جوشنا کر دیا ہے،</p>
--	---

نظمی

<p>فروضی</p> <p>سکندر رہ رسم فرستادگان</p>
--

نگہداشت آئین آزادگان	چنان جوں بود مردم چاپلوس
----------------------	--------------------------

فردوسی نے سکندر کی شان کا کچھ کاٹنے میں رکھا، زمین چومنا خواہا ملیو کھائیو
ہے فردوسی کا اپر بھی تناعوت نہیں بلکہ کھول کر کہتا ہے کہ سکندر نے اس طرح
زمین چوپی جس طرح خوشای چو ما کرتے ہیں، نظامی نے اگرچہ «رسم فرستادگان» کے
نقطے سے ظاہر کر دیا ہے کہ سکندر نے قاصد ون کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا،
تاہم دوسرے مصوع میں درفع دخل بھی کر دیا کہ اس حالت میں بھی اپنی آن تان نہیں
چھوڑ سکی،

نظامی

فردوسی

تمانے دران تصریف نہیں دید	تمانے دران در شکفتے بماند
---------------------------	---------------------------

فردوسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر ربا کل نہیں دھما، در بار کے
ٹھاٹ کو دیکھ کر مہوت ہو گیا تھا اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا، نظامی نے مکان او
ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہے لیکن اسی قدر کہ کنکھیوں سی
دیکھتا جاتا تھا،

نظامی

فردوسی

زسر تاقدم دید در شهر یار	زروں کر دسوے سکندر نگاہ
--------------------------	-------------------------

«زروں نگاہ کردن» سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ قید افہم سکندر کو بُری سی

دیر تک دیکھتا رہا ممکن ہے کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اُس کی نظر جویں رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کے لیے کافی نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دواؤ بیوں نوکر چہرے ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن اور اعضا یعنی فرق ہوتا ہی، بخلاف اسکے نظامی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پاؤں تک دیکھا، یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ڈیل ڈول زنگ روپ، ابج دبج کو بھی دیکھا، جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ سکندر رہی،

نظمی

فردوسی

چین گفت کاے دا و نا مجھی	کہ قید افہم پاک دل را بگوے
زنا عم آور ان جان بر دہ گوی	کہ جزر استی در زمانہ مجھے

قادصہ کا با دشہ کے دربار میں با دشہ کا نام نیتا، اور پھر فوراً اتنیہ اور رصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہے، اسلئے نظامی نے نام نہیں لیا بلکہ دا و نا مجھ کے لفظ سے خطاب کیا اور اسکے ساتھ بدحیہ الفاظ اضافہ کیئے،

نظمی

فردوسی

کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر	دلیر آمدی پیش من باز خواه
کہ پیغام خود خ دگزاری چو شیر	نم اخ تم ترا این کہ فبود را

فردوسی نے اس بات کو کہ قید افہم نے سکندر کو پہچان لیا نہایت بے مزہ طریقہ سے بیان کر دیا ہے، اسکے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہیں کئے تکویر طریقہ سکھایا، اور بھی

بہ تہذیبی ہے، بخلاف اسکے نظامی لاسی بات کو اس طرح ادا کرتے ہیں، جس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نوشایہ کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں کریں نے آپ کو پچان لیا بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے، اور بے اختیار تعریف کرتی ہے،

نظامی فردوسی

سکندر زگفتار او گشت زرد	تبر سید و شد رنگ رویش چوکاہ	روان پُر زور دور خان لا جورد	پدارا سے خود بردن خود را پناہ
-------------------------	-----------------------------	------------------------------	-------------------------------

اس قد معلوم دنوں کے ہان مشترک ہے کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسکو پچان لیا، تو وہ ڈر اور مترد ہوا لیکن فردوسی نے اسکے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا جو سکندر کی شان سے بالکل بیید ہے، روان پُر زور دور خان لا جورد، نظامی کے بیان سے بھی اس قد معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا اور دل میں خدا دعا مانگی کہ اس خطروں سیخ جائے، لیکن اتنا بھی بدھا نہیں ہوا کہ دل میں ٹیکھے لگی، فردوسی نے پہلے صریح میں سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا، لیکن اپر بھی تسلی نہیں ہوئی اصل دسرے صریح میں پھر کہنا پڑا "رخان لا جورد"

(۳) اب عام طرح پر نظر ٹالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (بلیں) کیوں کر قائم کرتا ہے، اور یہ مبالغت کا پلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہے،

فردوسی نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہم اسیں متعدد ناموزونیاں ہیں،

- (۱) سکندر قاصد کے لباس میں خوشابیوں کی طرح دربار میں آدا ب بجالاتا ہے،
- (۲) دربار کو دیکھ کر مہوت ہو جاتا ہے، گو ایکچھی شامانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا،
- (۳) حالانکہ سکندر کی رفتار لفقار، طور و طریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی تھی جس سے اس احتمال کی طرف ذہن جائے کہ یہ خود سکندر ہوتا ہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہے اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غورست دیکھتا ہو، اسیلے نظامی نے اسکا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصد ون کی طرح سجدہ نہیں کیا تھا اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد اس دلیری اور وجہات سے ادا نہیں کر سکتا تھا، اس حالت میں شبہ پیدا ہونا ضرور تھا، درشبہ کو اسیلے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصوری اس کی نظر سے گزر چکی تھی،
- (۴) قیدافہ نے سکندر کے سامنے ہی تصوری منکرا کر دیکھی، حالانکہ جب مخفی طور سے سکندر کو پہچانتا مقصود تھا تو سکندر کے سامنے تصوری منکرو کر دیکھنا نہ چاہیے تھا،
- (۵) سکندر جب قاصد کی جیشیت سے پیغام ادا کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آداب شاہی سے ناواقف ہو، اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہو، اسکے علاوہ پہلے ہی خخت کلامی خروع کر دینی، نہایت پتہندي بھی ہو،

برآرم دمار از ہمہ لشکرت	پ آتش بوزم ہمہ کشورت
-------------------------	----------------------

- (۶) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہے تو اسکو سکندر کا نام ٹبی تقطیم و تکرم سے لینا چاہیے تھا، لیکن وہ سکندر کو پہنچنے والے فیلقوس کے نظاہ سے یاد کرتا ہو،

ع جزاں بچے فیلقو سلم مخوان،

اسکے مقابلہ میں نظامی نے جس طرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہے وہ یہ ہے،
نوشاہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہے تو اُسے بڑی ساز دہانی
سے دربار آ راستہ کیا، خود بھی بن ٹھن کرہات میں ایک ترجیح یہ ہوئے تھت شاہی پیشی
سامنے پری چہرہ کی نزدیں صفت پاندھ کر کھڑی ہوئیں، پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر درمیان
آیا تو آداب شاہی کے موافق کمر بند سے تلوار کھول کر رکھدی، لیکن سجدہ نہیں کیا
اس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ گکر رہا تھا، اُسکو نہایت مبالغہ آمیز پیرا میں
ادا کیا ہے،

خراندہ را آتشین گشت فعل	زتابندہ یا قوت دخشدہ لعل
گمکان و دریا بھم تاختند	گمکان و دریا بھم تاختند

قاصد کے شاہا نظر کلام سے نوشہ کو شبہ ہوا کہ یہ خود سکندر ہے، خوب غور سے
دیکھا تو یقین ہو گیا، قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا کہ شہنشاہ لے کھا ہو کہ ہماری
طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعدنا کی کی، آج تک تم دربار میں نہ آئے، ہم ان طلاق
میں بھی آئے لیکن تم نے ادھر سخن نہ کیا،

نوشاہ نے کہا کہ آپ کی جڑات پر صد ہزار آفرین ہو کر آپ اپنا پیغام ادا کئے
ہیں آپ کی باتیں تلوار کا کاث کرتی ہیں، یہ تلوار اور کس کی مجال ہو کر مجھ پر چلا کے

لے، اس بیان میں خود دسی اور نظامی کے اشعار مکر آگئے، لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن شہن کرنے کے لیے ایسا کہ بخود تھا

سکندر انکھا کرتا ہے کہ میں سکندر نہیں، پھر اسکی نہایت عمدہ توجیہیں بیان کرتا ہو کہ جبا
سکندر، بجا میں، سکندر کے دربار میں آدمیوں کی لائکی ہو کہ خود قادر بنتکر آتا، اس موقع پر
فتشابہ دسکندر کے سوال وجواب کو نہایت بلیغ انداز میں طول دیا ہے، آخر نوش اچھلا کر
سکندر کی تصویر منگو اکڑا سکوند کھلاتی ہے، اور سکندر لا جواب ہو کر رہ جاتا ہے، اسکے
ساتھ خطا کے خیال سے اُسکے چہرہ کی رنگت زد پڑ جاتی ہی،
اس تمام سلسلہ میں کہیں سے کوئی کسر نہیں، تمام واقعات، صلیت اور نیچر کے
مطابق ہیں، اسکے ساتھ فضاحت و بلا غلت، اشبیہات اور استعارات کی ندرت اور
لطافت، الفاظ کی شان و غلو، ان تمام باتوں نے اس داستان کو حسامی بنادیا ہی،
نظمی اور فردوسی یعنی فرق اور بہت سے موقعوں پر نظر آتا ہے، لیکن طول کے
محاذ سے ہم قلم انداز کرتے ہیں، سکندر رو دار کی گفتگو اور پگز رچکی ہی، اسکو اس موقع
ایک بار اور دیکھ لینا چاہیے، ان سب باتوں پر بھی فردوسی فردوسی ہو اور نظامی نظامی

چند ضروری باتین

ا۔ شرح جم کے ۲۷ حصوں میں سے یہ پہلا حصہ جو شائع ہوا ہے اسیں صرف قدیم شعر کے حالات اور انگلی شاعری سے بحث ہے، دوسرا اور تیسرا حصہ مطبع میں جا چکا ہے پہلے حصہ کی تایف میں اگرچہ تدقیق اور محنت میں کچھ کمی نہیں کی گئی لیکن مجاہد صانت کہنا چاہیے کہی حصہ اور تمام حصوں کی نسبت کم دلچسپی جسکی وجہ یہ ہے کہ اس نام کی تصنیف کی دلچسپی یا شعر کے حالات سے ہو سکتی تھی یا ان اشعار سے جو جا بجا شال میں پیش کیے جاتے ہیں قیکم شرار کے حالات کم ملتے ہیں، اور یہ حصہ قدما، ہی تک محدود ہو، واقعی، عنصری نقطائی بہت بڑے رتبہ کے شاعر ہیں لیکن انکے حالات اور واقعات اسقدر کم ہیں کہ مجبو راجحوں پھوٹی باتوں کو لیکر پھیلانا پڑتا ہے، قدما میں سے دور اول کی زبان، آج بالکل انہیں ہے، واقعی، ذود مسی، منوجہری، عنصری، کے متواتر و شعر بھی آج کل کی زبان میں نہیں ملتے، اسکے علاوہ انکی شاعری میں عشق کی چاشنی کو یاد ہی نہیں، اسیلے انکے کلام میں آج کل کے لوگوں کو مزاحیہں اسکتی،

غرض یہ حصہ چند ان تفریج اور تفہمن کے کام کا نہیں، اسکو ایک علمی خشک مضمونی جیتی سی پڑھنا چاہیے، باقی حصے البتہ دلچسپ، بامزہ اور رنگیں ہیں،
۲۔ چونکہ کتابوں کی تفصیل اور تلاش کا سلسہ اب تک تمام ہوا و بعض بعض نادر کتابیں

حصہ کی تصنیف کے بعد بات آئین اسیلے وہ معلومات جوان کتابن سے ہات آئے
بچھتے حصے کے کام آئین گے، مثلاً تمام مذکروں میں مذکور ہے کہ ایران میں سب
پہلے بہرام گور نے شعر کہا اور وہ یہ تھا،

نمم آن پل دمان فنم آن شیر یلم	نام بہرام مراد پدرم بوجبلہ
-------------------------------	----------------------------

میں میں نے اس روایت کو اسیلے نظر انداز کیا تھا کہ اذل تو یہ اس زمان کی زبان
ن ہو سکتی دوسرے یہ کہ بہرام کے کام میں ابو جبلہ عربی لفظ کیون آتا، لیکن اللباب
د فی کی پہلی جلد، کتاب کی تصنیف کے بعد چھپکر یورپ سے آئی تو اسکے دیکھنے سے
لوگ ہوا کہ بہرام گور عرب میں پلا تھا، اور عربی زبان میں شعر کہتا تھا چنانچہ عوفی نے اس کا
لبی ریوان خود دیکھا تھا اللباب میں یہ شعر کسی قدرتیغیر کے ساتھ نہ مذکور ہے جس سر
ل کی ساخت اور زبان دونوں پر اثر پڑتا ہے،

۳۔ دنیا میں نامکنات کی ابتدک جو فہرست تیار ہو چکی ہو، اسی میں ایک نمبر کتاب کا
ٹھیکانہ، بھی اضافہ کرنا چاہیے ای مصیبت، مدت سے جگو پیش آتی ہو لیکن علاج کی
می صورت نہیں نکلتی، کاپیوں اور پروف کی تصحیح چند ان کام نہیں دیتی، چھپنے میں
 PROF کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں، کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لکھنا بھی بیکار سا ہے
 غلط نامہ سے کتاب کو مطابق کر کے تصحیح کرنا، اتنی بڑی زحمت کون اٹھائے اسی پر
 نے کبھی اسکا قصد نہیں کیا، لیکن شعر الحجم فارسی لشکر پر کا آئینہ ہے، اسکی غلط بیان کا
 رخود زبان پر پڑ سکتا ہو، اسیلے چاروں ناچار میں خود زہجت اٹھاتا ہوں اور راحباب کو

بکھر، زحمت دیتا ہوں، خفیف فلطیاں تو استقد رہیں کہ سب کا احصار کروں تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے، اس لیے موٹی موٹی فلطیاں لکھدی ہیں، ایک عام غلطی یہ ہے کہ بین طور میں جہاں کہیں، میں نے کسی نقطے کے نیچے اسکے معنی لکھدیے ہیں کا تب صاحب ہانسو ہٹا کر کسی دوسرے نقطے کے نیچے وہ معنی لکھدیتے ہیں، اور اس سے مصنف کی سخت جمالت ثابت ہوتی ہے،

ایک جگہ اہل مطبع نے نہیں بلکہ میں نے خود سخت فلطی کی ہر جس سے فردوسی کی شاعری پر حرف آتا ہے اس لیے نہایت نداشت کے ساتھ فردوسی سے اسکی معانی چاہتا ہوں، کتاب کے ۱۶۰ صفحہ سطر ہیں یہ عبارت ہے،
 "صلح مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوئے ہیں، اس میں کھانا بھی سامنے آگی
 ہے، لوگ کھاپی کر اٹھ کھڑے ہوئے، اسکو اس طرح ادا کرتا ہو،

پے مشورہ مجلس آر استند	نشستند خور زند، و بر خاستند
------------------------	-----------------------------

یکن فردوسی کا شعر ہیں نے غلط نقل کیا، اور اس لیے معنی بھی غلط لکھے، شعر کا دوسراء مرصع اصل میں یون آیا ہو،
 ع نشستند و گفتند، و بر خاستند،
 نکتہ داں بلا غلت جانتا ہو کہ اس ایک لفظ (گفتند) کے تغیر سے شعر پر باد ہو جاتا ہو،



الشجرة

حصہ دوم

خواہ فرمداللہ عطاء سے حافظاً در ابن شیخ

ادب تاریخ اسلام

دانشنیز

سذرہ

تاریخ عجم

۱۳۲۵

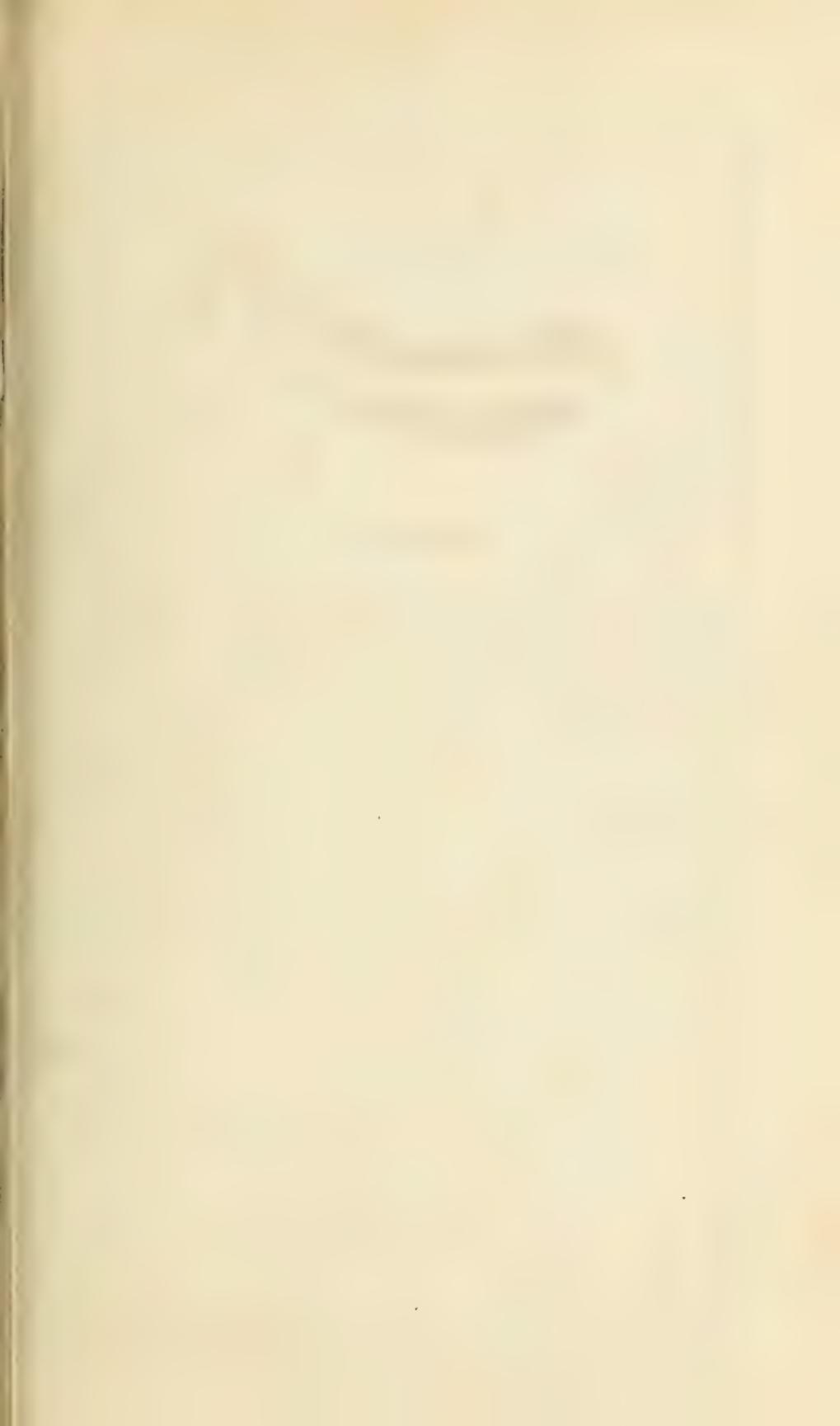
۱۹۰۶ء

مکتبہ

شبلی نعمانی

با اهتمام مودوی سعویلی صاحبہ دی

در حقیقت معارف عالم کو کوہ طبع شد



فہرست مصنفوں

صفحہ	مصنفوں	صفحہ	مصنفوں
۵۰	وفات	۱	شاعری کاروبار اور اُس کی خصوصیات
"	عام حالت اور اخلاق و عادات		اور خصوصیات کے اباب
۵۲	تعانیت	۴	خواجہ فرید الدین عطہ
۵۰	شاعری	۱۱	خواجہ صاحب کی تصنیفات
۴۳	ازادی	۱۲	کلام پر راستے،
۴۷	اظہار جذبات	۱۲	کمال سنتیل
۴۸	اخلاقی شاعری	۱۹	کمال کی شاعری کی عظمت
۴۹	قوت شنیل	۲۰	کمال کی خصوصیات
۸۸	طرزاں	۲۹	شیخ سعدی
۹۵	غزل کوئی اور اُس کی خصوصیات	۳۰	بچپن کے حالات
۱۰۶	امیر خسرو دہلوی	۳۲	طالب الملکی
۱۰۸	ولادت و قیمت	۳۴	سیرو بیاحت
۱۱۰	دربار کے تعلقات	۳۶	شیراز ہن و اپ آنا
۱۲۳	وفات، اولاد و اعزہ	۳۷	دربار کے تعلقات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۲	نام و نسب اور سکھن	۱۲۶	فقر و تصور
۲۱۳	سن رشاد اور شاعری کی شہرت	۱۳۲	بماہیت کمالات
۲۲۵	وفاقت اور اولاد	۱۳۵	فن موسیقی کا کمال
۲۲۸	دنیاوی تعلقات	۱۳۶	تصانیفت
۲۳۳	کلام پر رائے	۱۴۲	شاعری
۲۳۵	غزل	۱۴۴	شاعری میں تلذذ
۲۳۶	اساتذہ کا تشقیق	۱۴۷	خود اپنی شاعری کی نسبت انہار رائے
۲۴۳	خواجہ صاحب کی خصوصیات	۱۵۰	خصوصیات شاعری
۲۴۵	جوش بیان	۱۵۳	امیر خسرو کی مشنیاں
۲۵۲	برنج الاسلوبی	۱۶۳	قصائد
۲۶۲	واردات عشق	۱۶۹	غزل
۲۶۹	فلسفہ	۱۶۹	واقعہ بندی
۲۶۳	فلسفہ اخلاق	۱۶۸	روزمرہ
۲۶۶	واعظین کی پرده دری	۱۸۲	مسلسل غزلیں
۲۸۲	روزمرہ و محاورہ	۱۸۶	جدت
۲۸۴	خوشی زانی	۱۸۷	عنوان آفرینی
۲۹۰	بندش کی حیثی	۱۹۱	صنائع و بدائع
۲۹۳	غرافت	۱۹۷	سلمان ساوجی
۲۹۸	ابن سین	۲۰۲	کلام پر رائے
			خواجہ حافظ

شیخ بزم

حصہ دوم

ساتویں صدی ہجری تا نویں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شاعری بلکہ تمام اسلامی علوم و فنون کا جو شریعت شباب تھا کہ دفعۃ تاتار کی طرف سے اس زور کا طوفان اٹھا کہ دنیا کا شیرازہ بکھر گیا۔ یعنی شاہزادہ مین چنگیز خان نے تاتاروں کا لکڑا خدا کے شام تک بچرا غ کر دیا، کم و بیش چالیس لاکھ آدمی کا خون پ گیا، سیکڑوں نہروں نہ نہر خاک سے برابر ہو گئے، مدرس اور خانقاہوں کی اینٹ سڑاں نہ نجع کئی، علی خزانوں کا یک یاری ق اڑ گیا، لیکن اسلام کچھ ایسا سخت جان تھا کہ ان ہنگاموں پر بھی زندہ بکھریا، بلکہ جو ہی طوفان تھا نہ اثر دع ہوا، وہی ہوئی چنگاریاں پھر چکپیں، اور چک کر اس طرح شتعل ہوئیں کہ ایک دفعہ پھر عالم تمام مطلع انوار ہو گیا،

چنگیز خان ایک غاذگر کی شان سے اٹھا تھا اور اپنی نوری و درسرمی انتظامات کے سے اُس نے کچھ قاعدے بھی بنایا تھا جو تو وہ چنگیز خانی کے نام سے مشہور ہیں لیکن جب سلطنت کو استقلال ہوا تو شاہانہ نظم و نسق کی ضرورت پڑی، تاتاری لوٹ مارکے سوا اور کچھ جانتے نہ تھے

اس سے مسلمانوں سے اعانت لینے کے سوا چارہ نہ تھا، چنگیز خان کے بعد اسکا بیٹا اور کتابی قاک او را سکے بعد چنگیز خان کا پوتا ہلا کو بن تولی بن چنگیز خان تخت شین ہوا، ہلا کو نے عقوط طوسی کی و زادت کا منصب دیا، وقتہ رفتہ مسلمانوں نے دربار پر تقبضہ کر لیا یہاں تک کہ اس کا بیٹا مکو دار وار، خواجہ شمس الدین محمد ویر ملطفت کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا اور اپنا نام احمد رکھا تھا کہ اپنے بھائی اور غول خان رہا کو خان کا دوسرا پوتا کی افسری میں حملخان کو گرفتار کئے تھے میں قتل کر دیا، لیکن جب رغون کا بیٹا غازان خان ۱۲۹۴ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا، اور اس کے ساتھ سلطنت ہزار ترک مسلمان ہو گئے، غازان ۱۳۰۰ھ میں مر گیا، اسکے بعد اسکا بھائی خدا بیندہ اور اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان ابوسعید باشا ہوا، یہ تمام سلطانوں نہایت عادل انصاف پسند، مدبر اور دیندار تھے، اور با خصوص سلطان ابوسعید کے عدل و انصاف و نظم و نتیجے کے قواعد و رازیں، مساجد اور مدارس پر کندہ ہو کر ہڈتوں قائم رہے، یہاں تک کہ اونچی کرمائی نے جوش و صوفی گردی میں اپنی شنوی حجم جنمیں ابوسعید کی اس طرح میں سرائی کی ہے،

دو بھان را صلاح عیید ز دند سکہ بر نام ابوسعید ز دند

در حمیت گفتہ ببل و قمرے مرح این گلبین اولو الامرے

سلطان ابوسعید نے ۱۲۹۴ھ میں دفاتر پائی، تمام ہلکے اسکے منہ کا ماقم کیا یہاں تک سجد کی پیار دن پر ما تمی کپڑے پہنے گئے اور ہر شہر کی گلی کو چون میں کسی کسی نہ تک خاک اڑائی رہی، چونکہ سلطان کے کوئی اولاد نہ تھی اس یہے ہر طرف سردار دن

و دسری کی، آذربائیجان امیر حربان دشیخ حسن جلایر نے دبایہ عراقی اور فارس پر
ظفر نے قبضہ کیا، غرض ۲۳۷ھ سے رشیدہ تک قوم قوتین پر شیان رہیں اور یہ بھوٹے
پھوٹے فرمازروں اپنی رشتے بھڑتے رہے، یہی زمانہ مہدیت ایغیر میں ہزار لفظ الملوکی کے نام
سے مشہور ہے۔

بالآخر تمیور اٹھا اور تمام دعویداروں کو مٹا کر شہنشاہی قائم کی اسکے خاندان میں
حکومت کا جو سلسلہ قائم ہوا، اسکا خاتمه سلاطین صفویہ کے آغاز سے جا کر متاہی جہان
ہماری کتاب کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے،

فدوکورہ بالاد اتفاقات میں ہمارے کام کی جو باتیں ہیں، حسب ذیل ہیں،
اتاتار کے قتل عام میں جو بے شمار جانیں صنائع ہوئیں، اسے مسلمانوں کے شجاعات
جذبات کو فنا کر دیا، اسکا شاعری پر یہ اثر ہوا کہ رزمیہ نظیمین ہدیثہ کے لیے معتمد گھوئیں
شاعری کے فرائض پوے کرنے کے لیے متعدد رزمیہ شنویاں لکھی گئیں مثلًا
ہای ہمایون خواجوی کرمائی، آئینہ اسکندری امیر خسرہ، اسکنڈ نامہ جامی، تیز نامہ
ماتفی، شاہنامہ قاسم گونابادی، اکبر نامہ فیضی، لیکن صاف نظر آتا ہو کرنے والے ممنون
پڑھاتے ہیں دل میں کچھ نہیں، قوم مقدر افسر دہ ہو گئی تھی کہ ان کتابوں کے دو شعر بھی
زبانوں پر نہ رہ سکے،

۲ حاصل مقاعدہ ہو کر مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہو، ایکراں عمدہ میں تصرف کا زیادہ
لہ، تمام حالات اول سے آخر تک مجلس المونین، اور دولت شاہی سے پیٹے گئے ہیں،

زد رہوا، عطیا رہ مولانا روم، اوحدی، عراقی، سعدی، مغربی انہی باب
کے نتائج ہیں،

س۔ جنگی خداستگی فنا ہونے نے طبیعتوں میں انفعائی اثر زیادہ پیدا کیا جو تصرف
کے سوا، ایک درجنگ میں ظاہر ہوا یعنی غزل گوئی، مسلم ہو کر غزل جس چیز کا نام
اسکی ابتدائی سعدی اور اُنسکے محاصرہ میں سے ہوئی، بہ اسی کا اثر ہے،

تاتا اور تیمور کی عام سفا کی نے قومی تو میں غارت کر دین پڑے ٹریک گلاب ہوں
اور او زنگ نشینوں کا تاج وخت خاک میں ملا دیا، خراسان سے لکیر شام تک میں آسمان میں
منہما ہو گیا ام ال زینیا بنداد کی اینٹ سر اینٹ نج گئی، تمام ٹرسے ٹرسے پاے تختوں میں
خاک اڑنے لگی، کم از کم پچاس سالہ لاکھ آدمی ایکدم سے فنا ہو گئی، ان موسمے دنیا کی
بے ثباتی اور انقلابات کا ایسا نقشہ کھیچ دیا تھا جو مت تک آنکھوں کے سامنے پھتر رہا،
بنابر دنیا کی بے ثباتی کے مضامیں زیادہ ترا شعرا میں آنے لگر شیخ سعدی این میں
خواجہ حافظ کے ہان ان مضامیں کی بہتات اسی بنابر ہے، ان لوگوں نے یہ جان خود
آنکھوں سے دیکھا تھا وہی زبان پر آیا اور پھر ایک روشن قائم ہو گئی اور سب اسی اذان
میں کہنے لگے،

ہم ترک و مغل بادشاہ اگرچہ اکثر نہایت مدبرا و عادل تھوڑا اسلئے اُنکے عمد
میں عام آمن اماں رہا لیکن طبیعتوں میں شاعری کا مذاق نہ تھا، اسلئے دریا میں شوارک
بندان قدر نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے جو مشہور شعراء ہیں، مثلاً سعدی، خواجہ، حافظ

مولانا روم، اودھی، ابن سین، کسی دربار سے خاص تعلق نہ رکھتے تھے اور مسلطنت سے ان کو
کوئی خطاب حاصل تھا

۵۔ اسکا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری میں فی الجملہ آزادی کی بعثت آئی ہے حدی اور ابن سین
کے تصاویر اور قطعات میں جو خوشاماد اور سبودہ مداحی کی جا بجا عیب گیری پائی جاتی ہے
وہ اسی کا اثر ہے،

۶۔ تمیور یہ خاندان جو ایران میں قائم ہوا، اسکا خاتمہ سلطان حسین مزار پر ہوا، وہ
عادل و رہبر پرور ہونے کے ساتھ شعرو شاعری کا نہایت فرقہ اور قدر ان تھا، ایسے
اس کے بعد میں شاعری اس کثرت کو ہبھی کہ تجھے تجھے شاعرِ بنگی وال داغستانی ریاض الشعرا
میں لکھتے ہیں،

در رعایت فضلا و شعراء میں فرمودہ است و در ترتیب شعراء ان قدر
مبالغہ کر دہ است کہ فن شاعری کو فضیلت علوم لا زمود نہ است از علم جدشد
و ہر بے ایہ محض طبیعت موزو دن ارادہ شاعری کرو رفتہ رفتہ فن شاعری کو
الطف فنون بودا ز درجه اعتبار اقتادہ پر صنکھہ انجامید،

سلطان حسین کا انجام، صفویہ کے آغاز سے لہا ہر اس یہ صفویہ کے زمان میں
دفعہ جو ایران کے چچپتیس شرعاً بیل پڑے، یہ دہی سلطان حسین کے ارضیں کے شفاتی
وال داغستانی کو تو یہ رنج ہو کہ اس تعمیر کی وجہ سے ہر عامی شعر کرنے لگا اور علمی کمالات کی
قید را ٹھکنی، لیکن ہمارے نزدیک اسی بات نے شاعری کو شاعری کے ربہ پر پوچھا یا،

بے شہمہ پہلے شعر کے لیے علوم عربیہ اور عقولہ منقولہ رواقہ ہو ناضور ہوتا تا مگر ان
کمالات کے بوجھ میں اصلی جذبات دب کر رہ جاتے تھے، وقار و ممتازت اور عوام کے مقصد
علیہ ہونے کی وجہ سے اکثر جذبات اس آزادی سے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے جس طرح
دل میں آتے تھے، یہی وجہ ہو کہ متسلطین اور متاخرین کی عشقیہ شاعری اسقدر اصلی جذبات
سے بہریز ہے کہ قدماء کے ہان اسکا پتہ بھی نہیں لگ سکتا،

اس دور میں شاعری میں اصناف ذیل کو ترقی ہوئی،

قصروفت، عطار، مولنار دم، اوحدی، عراقی، مغربی،

غزل، مولنار دم، شیخ سعدی، امیر خسرو حسن، خواجه حافظ،

اخلاق و موعظت، شیخ سعدی، ابن بیین،

قصیدہ گوئی، کمال نعمیل، سلمان ساؤ جی،

قصیدہ گوئی میں، جو ترقی ہوئی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) زبان زیادہ صاف ہو گئی، قدماء کے دور میں ظہیر فاریابی نے زبان کو جس حد تک
صاف کر دیا تھا وہ اس دور کی اخیر سرحد تک کمال سمعیل نے اور بھی زیادہ صاف کیا،
(۲) مضمون آفرینی میں بہت ترقی ہوئی، کمال نے ابتدائی اور سلمان نے اس حد
تک پہنچا دیا کہ متاخرین کی سرحد سے ڈانڈاں لگیا،

(۳) خاقانی، دانوری وغیرہ جو علمی صطلات اس کے لام کو زیر بار کرتے تھے، یہ بات
جاتی رہی، اس عصر کے قصاری ایکٹ عالمی کو بھی دیدیے چاہئے تو صطلات اس غیرہ کی بنی پر

اسکو کہیں اٹھا دُنگا،

اب ہم اس دور کے مشہور شعراء کا حال لکھتے ہیں،

اس موقع پر اس قدر لکھدی نا ضرور ہے کہ اس دور کے ایک بڑے رکن شاعری یعنی مولوی ناصر و حم کا تذکرہ ہم کو قلم انداز کرنا پڑا جو جس کی وجہ یہ ہو کہ ہم ان کے حالات والوں کی شاعری پا یک مستقل کتاب، سو عارف مولوی ناصر و حم کے نام سر لکھ چکے ہیں، اور وہ گھر گھر بھیل چلی ہے،

در کر رب تنِ صنمون نگزین لطف نیت
کمر دہرنگ اکسی بند خلے بستہ

خواجہ فرید الدین عطار

ولادت شعبان ۶۷۳ھ، وفات ۶۹۴ھ

اصلی نام محمد تھا، فرید الدین نقشبندی نیشاپور کے اضلاع میں لگن ایک گاؤں ہے
دہان کے رہنے والے تھے، ائمہ دال الدار برابر ابیم بن اسحاق، عطاری کا پیشہ کرتے تھے
اور کاروبار نوب پھیلا ہوا تھا، باپ کے منے کے بعد انہوں نے کارخانہ کو اور زیادہ
رونق دی ریاض العارفین میں لکھا ہو کر نیشاپور کے تمام کارخانے خواجہ صاحب کے اہم میں
تھے ارباب تذکرہ متفقانہ لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب بیان دکان میں مشین ہوئے تھے، کسی
طرف سے ایک فقیر آنکھا اور اُن کی دکان کے ساز و سامان اور آرائش کو دیر تک غور سے
ویکھا کیا، خواجہ صاحب نے نارہن ہو کر کہا کیون بیفا مدد اوقات ضائع کرتے ہوئے اپنا رہتا تو
اس نے کہا تم اپنی فلک کرو، میرا جانا کیا مشکل ہے، میں یہ چلا، یہ کنکر دہیں لیت گیا، خواجہ صاحب
نے اٹھکر دیکھا تو تمام پورچھا تھا، سخت تباہر ہوئے، کھڑے کھڑے دکان لٹوادی اور
سارا کاروبار چھوڑ کر فقیر ہو گئے،

لیکن افسوس ہو کر بھائی تذکرہ نویسیوں نے خود خواجہ صاحب کی تصنیفات
نہیں پڑھیں اُن کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہو کہ تصوفنا اور فرقہ کے کوچھ میں آنے کے بعد
بھی وہ اپنے قدیم پیشہ میں مشغول رہے اور اسی حالت میں اسرار اور عرفان کے حقائق پر

لتا بین لکھتے رہے، مصیبۃ نامہ اور آنی نامہ جوان کی قابل قدر تصنیفیں ہیں اسی زمان
کی تصنیف ہیں، چنانچہ خود لکھتے ہیں،

مصطفیٰ بن نامہ کا ندوہ جہاں است
آنی نامہ کا سر اعلیٰ است
چگوئیم، زود رسم زین آن باز
بے دار و خانہ ہر دو کردم آغاز
خواجہ صاحب کی تصریحات سے یہ بھی معالم ہوتا ہے کہ وہ صرف عطا نہیں، بلکہ
طبیب بھی تھے، اور بڑے زور شور کا مطبع تھا، روزانہ پان سوادی ان کے مطبع
میں آتے تھے، خسرہ نامہ میں لکھتے ہیں،

بے دار و خانہ پا نصد شخص بودند
ک در ہر روز نبضم می نمودند
میان آن ہمہ گفت و شنیدم
یا کس اور موقع پر لکھتے ہیں،

میں گفت اے معینی عالم افسر دو
سال است این زمان تا بی پیتی
بے زہ خشک در کنجے نشستی

حقیقت ہے ہر کہ خواجہ صاحب بھپن سے، در داشنا تھے، اونچے والد قطب الدین
عیدر کے مرید تھے جو مشہور مجدد بگزر ہے ہیں اور ۱۹۶۷ھ تک زندہ تھے، جب کہ
خواجہ صاحب کی عمر ۸۴ بر س کی تھی، خواجہ صاحب نے بھپن ہی میں انسے فیض حاصل
یا آتا، لیکن چونکہ اسلام رہبانیت کو گوارانیں کرتا اور اسی وجہ سے حضرت صوفیہ کو انکے

لہ دلت شاہ،

میا پر ات اور ریاضتیں مشاغل دنیوی سے مانع نہیں آتیں، اسیے خواجہ صاحب نے باوجونقر
اور تصوف کے عطا رخانہ اور مطلب کا تعلق قائم رکھا، اور متعدد کتابیں اسی حالت میں
تصویف کیں، یہ ممکن ہے کہ اخیر میں جب جذبہ محبت زیادہ بڑھا تو خود سجدہ اور پیروں دل چاٹ
ہو گیا، اسی حالت میں فقیر کا واقعہ گزرا، اور اس نے آگ پر رعن کا کام دیا خواجہ صاحب
کی تحریر دن سے پہلی ثابت ہو گیا کہ اس عالم میں انہوں نے مدت تک سیاحی بھی کی
لسان الغیب میں لکھتے ہیں،

چار فسلیم جہاں گردیدہ ام

سر برآ دردہ ہے محبو بے عشق

کوفہ وے تاخرا سان گشتہ ام

ملک ہندستان و ترکستان میں

عاقبت کردم پہ نیشاپور طے

در نشا پورم ہے کنج خلوتے

خواجہ صاحب نے اگرچہ بہت سے بزرگوں سے فیض اٹھایا تھا، لیکن جیسا کہ دولت شاہ

نے لکھا بخوبی نظرِ محمد الدین بغدادی سے حاصل کیا تھا،

محمد الدین بغدادی، قطب الدین خوازم شاہ کے طبیب خاص تھے جیسی ماذین

چنگیز خان دنیا کے موقع کو زیر وزیر کر رہا تھا، خواجہ صاحب نیشاپور میں تھے، نیشاپور کی

لہ ریاض العارفین،

غاراً تگری میں ایک مغل نے خواجہ صاحب کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہا، بل برسی ایک مغل بولا کہ
ہزار روپے پر میرے اس بیچڈا لے، خواجہ صاحب نے مغل سے کہا کہ اتنی قیمت پر کبھی نہ بینا
میرے دام بہت زیادہ ہیں، ایک اور مغل آنکلا۔ اُس نے کہا اس غلام کو میرے ہات
ایک تو بڑہ گھانس کے معادن میں فروخت کر دو۔ خواجہ صاحب نے گرفتار کرنے والے سر
کہا ضرور بیچڈا لومیری قیمت اس سے کمیں کم ہو، خواجہ صاحب کی اس خلاف بیانی کو
وہ تمسخر بھا اور ان کو قتل کر ڈالا، وہ اس نکتہ کو کیا سمجھ سکتا تھا، کہ داعی انسان سر بڑ کر
کوئی چیزگر ان نہیں، اور نہ اس سر بڑھکر کوئی چیز رزان ہو، اقد خلقنا الہ انسان فی

ا حسن تقویم ثم رد ناہا ا سفل سافلین ۵

مغل نے خواجہ صاحب کو قتل کر دیا، لیکن خواجہ صاحب کا خون خالی نہیں جاسکتا تھا
مغل کو انکی عظمت کا حال معلوم ہوا تو توہر کر کے انکے مزار کا مجاور ہو گیا اور مرتے دم
لیکے جدا نہ ہوا،

خواجہ صاحب کی تصنیفات کی تفصیل ہی، اسرار نامہ، آنی نامہ، مصیبت نامہ،
تصنیفات جو ہر اذات، دصیت نامہ، منطق الطیر، بلبل نامہ، حیدر نامہ،
گل دہر ہر، سیاہ نامہ، شتر نامہ، خخار نامہ، ان کے علاوہ غربون دربا عینون کا دیوان
ہے، کل اشخاص ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، فقراء کا ایک تذکرہ لکھا ہے جیتنہ کرتہ الاولیاء کے
نام سے مشہور ہی، اور حال میں مسٹر براؤن نے اسکو شائع کیا ہے، عبدالهاب قزوینی نے

لہ ریاض العارفین،

جو مشربِ اون کے شاگرد ہیں ایک محققانہ دیا پہ لکھا ہو،
 کلام پر راست صرفیانہ شاعری کے چار ارکان ہیں، سنائی، اوحدی، مولمن اور مزموم،
 اور خواجہ فرید الدین عطاء، خود مولانا ردم با درج دہم ربیگی کے فرماتے ہیں، ع
 ما ذپیں سنائی و عطاء آمدیم:

بفت شهر عشرت راعطاء رگشت
 ماہان اندر خم کیاں کو چدایم
 خواجہ صاحب نے تصوف کے جو خیالات ادا کیے ہیں وہ حکیم سنائی سے زیادہ قویں نہیں
 لیکن زبان اس قدر صاف ہے کہ اس دصف کا گویا انپر خاتمه ہو گیا، قہرمن کے خیالات
 اس بے تکلفی رواني اور سادگی سے ادا کرتے ہیں کہ نہ تن بھی اس سے زیادہ صاف ادا
 نہیں ہو سکتے،

اسکے ساتھ قوتِ تنیل بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، بہت نئے مضامین پیدا کیے ہیں،
 اور جو پہلے بندہ چکے تھے ان کو ایسے نئے پہلو سے ادا کرتے ہیں کہ بالکل نیا مضمون معلوم
 ہوتا ہے، مثلاً یہ مضمون کہ معلوم شد کہ ہبیچ معلوم نہ شد،

سرفاط، فارابی، بوعلی سینا، الگا لگ طریقہ سرا دا کر چکے ہیں، تاہم خواجہ صاحب
 نے اس کی بالکل صورت بدل دی، فرماتے ہیں،

کاک مل گفتہ است می با ید بے عقل و حکمت تاشود گویا کے
 باز با یعقول بے حد و قیاس تاشود خاموش یک حکمت شناس
 یعنی ایک کامل کا قول ہو کہ بولنے اور تقریر کرنے کے لیے بہت عقل و حکمت در کار ہو،

لیکن چپ رہنے کے لیے اس سی بھی کہیں زیادہ عقل درکار ہی، مطلب یہ ہو کہ جب انسان
انہماً کے درجہ کمال تک پہنچتا ہے، تب جا کر سمجھتا ہو کہ میں نے کچھ نہیں سمجھا اور اس بنا پر چپ
ہو جاتا ہو، اسی غیال کو ایک رباعی میں ادا کیا ہے،

می پنداری کے جان تو ان دین	اسرار ہمہ جان تو ان دین دین
ہرگاہ کہ بنیش تو گرد بکمال	کورتی خود آن زمان تو ان دین
و حدت وجود کا مضمون، حدست زیادہ پامال ہو جکا تھا، تاہم خواجہ صاحب کے پیراں	
	نئے ہیں،

سوئی اوز ہرہ اشارت نیست	پُر شدزاد دست ہر دکونی لیک
فنا نے اسی مضمون کو اڑایا ہو،	
شکل حکایتی است کہ ہر ذرہ عین وست	
خواجہ صاحب کے او مختلف طرز ادا دیکھو،	

از بر لے غریب خود خود گشت	جلوہ درست د در قدم رفتار
تاب در زلف، و دسمہ برابر خار	سرمه در حشم، و غازہ بربخار
زنگ در آب آب در یا قوت	بوی در مشک، و مشک در تاتار
قمر باذن دستم باذن اللہ	ہر دو یک نغمہ آمد از لب یار
تو از در یا جدائی دین عجب میں	ز تو یک لحن نہ این در یا جدائیست
در عشق چون تو ام تو من باش	یک پیر ہن ست گود توں باش

نواجہ صاحب کا جو فلسفہ ہے ذیل کے اشارے سے معلوم ہو گا،
عبدات اور وحی کی حقیقت،

پس بود بامشاہدہ انطہار	روزہ حفظ دل ستاز خطرات
بہ کجا؟ جانب پایت کار	حج چہ باشد ز خود سفر کردن
سرز نداز نستارج اسرار	وحی چہ بود ہر انجو در دل تو

انسان اصل حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا،

قربی سال بود تاکہ ہمی کند جان	کہ بجان راء برم راه نہ برم پتنم
گرچہ پیاری سن ایزی فکر کرد ام	بیش زین پنیے نی دنہم کوئی نہ پنیم
صل تو گنی هستا ہم پنان ز خود	بر کہ گوید یا فتم دیو اذ ایست
بیکانہ شدم ز ہر دو عالم	و اگر نہ کہ آشنایی من کیست
پندين درستہ بی کلایست چہرہ د	کس نام کشادن نشید است چہرہ
پیراہن یوسف ستایک یکنیت ات	یوسف ز میا زنا پیدا است چہرہ د
نقش تو در خیال خیال و قبور بصر	نام توبہ زبان وزبان از توبہ نخبر
د حقیقت گر قدم خواہی زدن	محکر دی تاکہ دم خواہی زدن
ہر آن مسٹے کہ بثنا سد سراز پا	از دعوی مسٹی ناپنداست
گر در عشق از عشقت نجربیت	ترا این عشق عشق سود مند است
عشق بتان ف خوشین بفردش	کہ نکو ترا ازین تھمارست نیست

رین دریا که من هتم نم من هتم نه دریا هم
 نداند تیچ کس لین بیز مگر آن کوچین باشد
 ادر راه یک یکم چو معجزیست سوچ
 زیک یک پایه برتر می گزرن چند امکه تو ای
 رفتم در بشت نیه نتوانی رسیدن تو
 نی خود را ازین وزن که نقد است برها نی
 اخیر شعرین ان لوگونکه خیال کور دیکا هر جو یکتنه هن که بشت کوئی پیز نمین گش
 دهار سمجھنا چاہیے، خواجہ صاحب فرماتے هن که ما که بشت، دهار سمجھین یه تو کرنا چاہیے
 له اس نقد و وزن (تفکرات دنیوی) سے نجات هات آئے،
 وزنون بند صد پیزی خلا بند و چون گدی که تو در بند هر چیز که هستی بند آنی
 عالم حقیقت کفر و اسلام دونون سے بالا رہے،
 لپی یا به که کفرست، دریا جمله دینداری
 ولیکن گوهر دریا و ملے کفر و دین باشد
 انسان ہی میں سب کچھ ہے،
 اپنے می جو بند بیرون دو عالم ساکان
 خوش لایا بند چون یعنی پرده از هم بردند
 ہمین دیده بنسگھی ظاہر
 صورت خوش را بصورت یار
 ہر کہ این جاندیده محروم ست
 در قیامت زلذت دیرا
 انا لیسا بگو اگر مردے
 وردت وجود،
 جهان از تو پر د تو در جهان نه
 نهانی تو از پسید ای تست
 خوشی تو از گویا ای تست

دو عالم ثُمَّ وجَهَ الْمُتَدَبِّسِنَم	تَرَا بِأَذْرَهُ ذَرَهُ رَاهَ بَيْسِنَم
هُمَّهُ عَالَمُ تَوْيَيْ وَقَدْرَتُ تَوْ	دَوْلَيْ رَانِيْسَتْ رَهَ دَرْ حَضْرَتْ قَرْ
كَمْ كَوْنَيْ نَحْوَنَتَهَ اسْتَ دَرْ دَاتْ	كَمْ كَوْنَيْ نَحْوَنَتَهَ اسْتَ دَرْ دَاتْ
خَارَاجَزْ خَارَاجَزْ كَنْيَسَتْ كَنْيَسَتْ	خَارَاجَزْ خَارَاجَزْ كَنْيَسَتْ كَنْيَسَتْ
دِينِ مَعْنَى كَنْمَ لَكْنَمْ شَكْنَيْسَتْ	دِينِ مَعْنَى كَنْمَ لَكْنَمْ شَكْنَيْسَتْ

کمال اسماعیل حشلاق المعاوی اصفهانی

وفات شاعر بھری

اسماعیل نام، اور کمال تخلص تھا، ان کے والد جمال الدین عبد الرزاق مشہور شاعر تھے
ان کا پورا دیوان آج موجود ہے، آتشکده میں انکے بہت کوشا شعر نقل کیے ہیں، انکے دو بیٹے
تھے، عبد الکریم، اور اسماعیل، عبد الکریم فقیر تھے، اسماعیل نے بھی مذہبی علوم حاصل کیے تھے
ایک شاعری کا مذاق خاندانی تھا، اس سے اسی طرف توجہ کی اور اسی میں کمال پیدا کیا
خاندان صاعدیہ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، جلال الدین خوارزم شاہ کی درج میں
بھی قصیدہ کہا ہے جو دیوان میں موجود ہے، ایک دربار ون میں چند ان قدیمیں ہوئی،
ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا کہ آپ خاندان صاعدیہ کی مرح کرتے ہیں اور سلاطین سے
اعراض کرتے ہیں، ابو نے کہ صاعدیہ سخن فہم ہیں اُن سے دادخن لیتی ہے اور میں اسکو صدی سے
بڑھا کر سمجھتا ہوئے تاہم چار ناچار، سلاطین کی مرح بھی کرتے تھے، بہارستان سخن میں
اللهابے کہ جب سلطان سجر سلوقی، اگر جتنا کو فتح کر کے اصفہان میں آیا تو کمال نے

ملہ یہ کوئی شاہی خاندان نہ تھا بلکہ اصفہان کے مقنۃ میں تھا،

لہ بہارستان سخن از شاہ نواز خان مصنف باقر اعلام

اس کی میں تصدیق لکھا جسکا ایک شعر ہے:

حاجب ظلم تو برداشتی زچرہ عدل نقاب کفر تو بکشادی از رخ ایمان

بالآخر افسرده ہو کر ترک تعلقات کیا اور حضرت شہاب الدین سہروردی کے ابیر
بیعت کی، دیوان میں ایک قصیدہ بھی ان کی میں موجود ہے، ایک فکر کی بات پر
اہل وطن سے ناراض ہوئے، اور نظم میں بد دعا کی۔

اے خداوند ہفت سیارہ بادشاہ ہے فرست خون خوارہ

منادر و گورہ را چودشت کند جس خون آور و ز جو بال رہ

عد و مردان بیفدا یہ ہر سیکے را کند پر صد پارہ

۵۳۳ شہری میں جب ادکنے والے قا ان، اصفہان میں پہنچا تو قتل عام کا حکم یا ہے،
زادی میں یہ گوشہ نشین بوجکے تھے، اور شہر کے باہر ایک زادی میں رہتے تھے، چونکہ لوگ
ان کا ادب کرتے تھے، اور ان سے کوئی تعریض نہیں کرتا تھا اس لیے اکثر لوگ نقدی وغیرہ
ان کے گھر میں لا کر امانت کے طور پر کمدیتے تھے، گھر میں ایک کنوں تھا وہاں ان کو غسل
خواز نہ بنا گیا تھا، شہر کی غار تکری میں ایک ترک لاس طرف تکل آیا، اور ایک پرندہ کو غسل سے
ماڑنا چاہا، اتفاق سے زہر گیر اڑکر کنوں میں جا پڑی، ترک کنوں میں اترنا، زرد جو اسہر کا
انبار دیکھ کر انکھیں کھل گئیں، بھجا کر اور بھی خزانے کٹے پہنچے، کمال تعلیل کو پکڑ کر تپتا ہوا
آنہوں نے لاعلی ظاہر کی، اُس نے غصہ میں آ کر ان کا خاتمہ کر دیا، مرتبہ وقت یہ

۱۷ اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

باعی کی اور اپنے خون سے دیوار پر لکھی،
اں خون شد و شرط جانگدازی این است
با این ہمہ بیچ دم نے باید زد شاید کہ ترا بندہ نوازی این است
ریاض اشعر این ایک اور رباعی لکھی ہے جو کمال نے اس حالت میں لکھی تھی،
وہ یہ ہے،

این کشته نگر، کمال اسمعیل است قربان شدش نہ از دہ تمیل است
قربان تو شد کمال اندر رہ عشق قربان شدن از کمال استمیل است
یہ ہیتنا میں لکھا ہے کہ مُرک کی انگوٹھی گر گئی تھی، اسکے نامن کے سبے دہ کنون میں اُتراتھا، یہ ہیضا میں اس واقعہ کا سن ۶۲۴ لکھا ہے،
شاءی اکمال کی شاعری، قدما اور متاخرین کی مشترک سرحد ہے، یعنی اسکا ایک سل
قدما اور دوسرا متاخرین سے ملا ہوا ہے؛ قدما کی متانت، پنچتگی، استواری اور متاخرین
کی مضمون بندی، خیال آفرینی، نزاکت، مضمون، دو نون کی جامع ہو گئے ہیں، یہی وجہ
ہے کہ متوسطین اور متاخرین دونوں اُنکے معترض ہیں، خواجہ حافظ
فرماتے ہیں،

اگر با درست نہی شو از بندہ این حدث
گر بر کشم دل ن تو و بدارم از تو هر آن مهر بر کم انگنم دل کجا بر مم

ملہ یہ تمام حالات آشنا کہ، اور دو لست شاہ سے مانو ڈھن،

عرفی کتا ہے،

مراز فیضت ہمہ بھی کمال غمہ است دگر نہ شعر چیغم دار دا زنفلط خوانی
 حزین کے زمانہ میں بحث پیدا ہوئی کہ کمال اور جمال میں سے کلکو ترجیح ہے، وگون نے
 حزین سے استفتائیکا، اس نے یہ جواب لکھا،
 اماں بہ زیبائی افکار کمال است در شعر جمال ارجمند جمالے بکمال است
 یعنی پرشکوہ ہے نست کہ طغراہی بلاست لفظش بہ صفا آئندہ شاہ پر معنی است
 صد بار، ز مرتا سرد یو انش گر بشتم میں است کہ سرتا بقدم غنچہ والا است
 در یوزہ گر رشحہ او سیند حریفان احت رگ ابر قلش بجسر نوا است
 کمال اور محقق طوی ہم عصر ہیں، کمال کی پسند پائی کی اس کو بڑھکر کیا دیں ہی گی
 کہ محقق طوی نے غلطت کے الجہ میں کمال کا ذکر اپنی کتاب معیار لا اشعار میں کیا ہے،
 کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،

ا۔ بہت سے نئے نئے مصنایں پیدا کیے جنہے متاخرین کی مصنفوں ۲ فرینیوں کی
 بنیاد قائم ہوتی ہے، مثلاً،
 چون صحیح باز کر دو، ان را بوصفت باد چرخش درست مغربی اندر وہاں نہاد
 جب صحیح نے باد شاہ کی تعریف میں نہ کو لا تو آسمان نے اسکے صد میں اسکے نہ کوں اشرافی ڈال دی
 حابار کا ب خواجه عنان بر عنان نہاد افگنڈ چار فصل ہمال، آسمان دوبار
 از بلکہ بار جود بر وہی سکران نہاد بیردن ٹکنڈ چرم ترازو زبانی زکام

۲- نہایت مشکل شکل طرحیں کرتے ہیں اور ان میں سنتے نئے مضمون پیدا

کرتے ہیں، مثلاً

درگیر دعزم اون رسد بر ق گرم رو
از مین ہست تو بر آرم چو مور پر
ترسم کو چون لزشد این شعر تھکس
ایک برا سیر حاصل قصیدہ لکھا ہے جس کی ردیف برف ہے
هر گز کے ندید بہنسان نشان بفت
مانند پسہ دانہ کو در پتہ تعبیر است
۳- زبان کی صفائی اور سلامت کی حدود تھیں فاریابی پر ختم ہو چکی تھیں کمال نے

اس سرحد کو اور آگے بڑھایا، مثلاً

سپیدہ دم کرنیم بہار مے آید
شراب در سر و چہرہ ز شرم زنگ کیز
خرش پوشان و خستہ بشتہ شہر کل زان
نگاہ کر دم و دیدم کریا می آید
چینی میا نہ شرم دعقال می آید
کمی بچیدم ا دیگر بہار می آید

اس کا چہرہ، بہشت کا درخت تھا کہ جو پھول میں پھتا تھا، اُس کی جگہ دسرائل آتا تھا
زبلکہ داشت دل خستہ بستہ در فریک
گرفتہ ہمہ رہ در حدیث واو گلگہ
میں سے کہا توں میں لگا اور وہ بھی کبھی کبھی بقدر صد و سع جواب دیتا جاتا تھا

ہر آن فریب کہ از عشوہ بست در کام
مرا ز سادہ دلی، استوارے آید
مرا غدر کہ تشریف می دھڑا و خود
بر لے خدمت صدر کبارے آید
ایک قصیدہ میں مدح کی بیت و معل کرنے کی شکایت ہے، رد نیف یعنی ہر اور کس
روانی سے ہر جگہ ادا ہوتی ہے،

صدرا روا مدار کر انعام خود مر،
ہر روز بامداد کنم رُ و به درگست
چندین ہنر تیر معانی و شست طبع
پنجاہ سال خدمت این خان کرد ام
گر سخت یعنی من، بدین ہنر
از طالعست اینکم ن آن قاب پرخ
زانم نمیدهی کہ ترا در خزانہ نیست
بر نیج امید من ازو عد بائے تو
آنے است بس شگردن رانم نہ یعنی
آگے او عنوانوں کے نیچے جو اشعار آئیں گے، ان میں صفائی زبان کی خصوصیت
پر بھی لحاظ رکھنا چاہئے،

ہم شاعری پرسیج ٹرا احسان کمال کا یہ کہ شاعری کی ایک صنف یعنی ہجو او فرا فنت
جو انوری اور سوزنی دغیرہ کی وجہ سے لچون کی زبان بن گئی تھی، کمال نے اسکو نہایت
لذیغی دل و پر فڑہ کر دیا، اگرچہ بہتر تو یہ تھا کہ یہ بیو وہ صنف سرے سکھا ڈال دیجاتی تھیں جو شعر کا

ایک بڑا آل تھا جس سے اُن کے معاشر کو تعلق تھا، اس لیے وہ اس سر بالکل ست بزار
نہیں پوچھتے تھے، امراء، اور سلاطین، جب صلح کے دینے میں لیت دلعل کرتے تھے تو
کمال بجو اور ظرافت سے کام ملتا تھا لیکن اس طرح کہ خود اس شخص کو مزہ آئے جس کی
بچکھی گئی ہے، ایک دفعہ گھوڑے کے زین ولگا مم، اور دانہ گھاس کے لیے مدد حسے
درخواست کی، دیکھو کس طریفانہ پیراے میں اس مطلب کو ادا کیا ہے۔

دوش خربندہ کرد پیشم یاد	کا سپاک خواجہ، زندگی بتوداد
تنگ دل ^{سائنس} گشتم از ره خبرش	کہ جوان بود وزیر ک داستاد
گرچہ غلکین شدم ز داقعہ اش	گشتم الحق ازان کے دنشاد
کہ شنیدم کہ ادب و قصہ وفات	پ وصیت لب و دہان بخشاد
از بزو کاد وا زجل دافنار	ہرچہ بُد، در وجہ خیر نہاد
گاس نین نگام	یعنی خیرات کیا
در بستان و قصاید چنین توفیق	بسمہ جانور خشد ا بد ہاد
وا جنم گشت تعزیت نامہ	تو اے سرور کریم نہاد
بر تو فرض استحق گزاری اد	زانکہ در خدمت بے استاد
ستحق تر ز اسپ من نبود	گر وصیت بھی کنی انفاد
جادی کرنا	چچ تا خسید بر نتا بد خیر
لیکن اس خیال سے خوشی بھی ہوئی کہ اسنے مرتب دقت وصیت کی اور جو کچھ اس کے	یعنی کل سائیں نے مجھ سے یہ خبر بیان کی کہ حضور کا گھیرا، مر گیا، محکوم سخت رنج ہوا

پاس ساز و سامان تھا، سب خیرات کر دیا، ایسی توفیق خدا سب کوئے، بہر حال آپ پر
امسکا بڑا حق ہے، اور آپ کو اس کی وصیت پوری کرنی چاہیے، لیکن اس وصیت کا
ستحق، میرے گھوڑے سے بڑھکر کوئی نہیں،
ایک بخیل کی بھوکی ہے،

بھلے ہر اگفت دوستے کہ مرا	با فلان خواجہ از پے دو سہ کار
سخنے چند بہت دا ز پے آن،	خلوتے مے بایم ناچار
خلوتے ان چنان کر اندر وے	یعنی خلوق را شب اشدار
گفتہم این فرستار تو انی یافت	وقت نان خور دش نگہ مے دار
یعنی مجھ سے کلیں یک دوستے کہا کہ فلان رئیس سے مجبو کچھ فتحی کام ہے، اس لیے	خلال رکھو
میں ایسی تھنائی کا موقع چاہتا ہوں، کہ اس وقت اُنکے پاس کوئی نہ، میں نے کہا	
ایسا موقع صرف اُن کے کھانے کے وقت ملکتا ہے،	
ایک لاد بخیل کی بھومن گھتے ہیں،	

زمر دنی بادر کتم اگر گویدا	کہ من بخانہ خود مے خرم طعام حلال
نہ آنکہ ماں حلاست مرض فانی را	کلام ماں کر او دار دو کلام حلال
شی زمکی آنگاہ ماں خوش خور	کہ ضطرار مراد را شود ترالم حلال
یعنی فلان شخص اگر کے کہیں اکل حلال کھانا ہوں تو میں یقین کر دوں گا لیکن اس نبایہ	
کہ حقیقت اسکا ادل پاک دھلام ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ کھانا اتنی دیر کے بعد کھاتا ہے،	

جبکہ مردار بھی حلال ہو جاتا ہے رکم سے کم تین دن کے بعد
ایک اونچیل کی بھو،

بدہان نان خواجہ چون بردم خواجہ گفتا کہ آہ من مردم
گفتتش خواہ میر و خواہ نیسر کہ من این لقہ را فرد بردم
کسی نے کمال کو جبکہ کھا، اسکے جواب یہن کہتے ہیں،

شخصے بدماہ خلقے گفت ما زباد نے خراشیم
ما نیکی او بخلق گفتیم باخیں
محقق طوسی کا مشہور قطعہ،

نظم بے نظام ار کافرم خواند چراغ کذب را بود فرد غے^ب
مسلمان خوانش زیر اکہ نبود سزاوار دروغے جز دروغے

اک قطعہ سے ما خوذ ہے

ایک رئیس سے صلدہ کا تقاضنا کیا ہے، اور کس قدر لطیف پیرا یا ختیر کیا ہے
سستھرہ سکم بُود، شاعران طامع را
کیے میچ، دوم قطعہ تقاضنا کی
اگر بداد، سوم شکار، درنداد، ہجا
یعنی شمار پہلے بیچ کتے ہیں، پھر صلدہ کی یاد دہانی کے لیے ایک نظم لکھتے ہیں
اب لگر مدد وح نے صلدہ عنایت کیا تو خکر پکھتے ہیں، درندہ بھو، میں ان تینوں نظموں سے

لہ یا شعرا نوری کی طرف بھی نسبتیں،

دو لکھ چکا ہوں، تیسری کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے،
غزل کی نسبت مسلم ہو کر بے پلا خاکِ کمال ہی نے قائم کیا ہے، جسکو شیخ
سعدی نے اقدر ترقی دی کہ موجب ن گئے، خان آرزو مجمع الفتاویں میں فقائی کے
تذکرہ میں لکھتے ہیں،

قدما را در غزل طرزے بود بسیار سادہ، چون نوبت بکمال الدین امدادی
رسید، اور نگے دیگر داد، بعد از وفات شیخ سعدی و خواجونہ کب دیگر سخنستند
کمال نے غزل میں سادگی اور صفائی کے ساتھ زیگینی اور جدت مضمون بھی پیدا
کی جسکا اندازہ ان مثالوں سے ہو گا،

دوش بگز ششم و دشnam ہمیزاده را	خدش کردم پنداشت کم نشینید
کل ہیں دھر گزرا تو وہ جگو گالیاں نے رہا تھا، میں اسکو سلام کیا اور وہ تجھا کم نیز کایاں نہیں سنیں	گرچہ علش بہرنا خوشی آنہا میگفت
زمستان است اندا نمی ندارد چشم کس ہرگز	من زان خو شتر از دو ہیچ سخن نشینید
حست آدمی اچھی طرح حیراندازی نہیں کر سکتا، بلکن اسکی آنکھیں ستی میں اور زیادہ تھیک نشانہ لگاتی ہیں	اسکے ہوٹھا اگرچہ بی طرح گالیاں دی رہی تھیں لیکن میں آس سزیا دھعنی ہ کوئی بات آجکن نہیں شئی
چوانداز دل بن تیرے، کنم در سینہ پہاںش	بلان تا از پے ہر تیر تیرے دیگر اندازد
از چشم نمی خواب تو امر و زردش ن است	آن نالم ہا کہ در غم تو دش کر دہ ایم
بود ہمیشہ جان من رسم تو بے گنہ کشی،	ہیچ نمی کشی مرا، من چہ گناہ کر دہ ام!

زبان کی سادگی دیکھو،

روے زان خوب تر تو اند بود؟
اپنخان نازک چنان شیر من،
ل خود طلب چو کرد هم بر زگس تو، گفت
بوبے گفتم اور ابکر شمک گفت با من
په دہی صدراع مستان چکنی حدیث چیز
کلایف

پس آنگا تم قلم پرس کشیدی
بقصد جان چون من ناتوانی
پر اگنده ہمہ غمہ اے عالم
اگرچہ آستین بر بن فنا زندی
ذخواہ رفت از یادم که با من ق شے تا صحمد ساغر کشیدی
رباعی کو جقدر کمال نے ترقی دی، قدما اور متوضیں میں اُسکی نظر نہیں ربعی
مل سکتی،

گل خواست که چون خوش نکو باشد و نیست
باشد کر کیے چوریے او باشد و نیست
شاید

گلاف زعم کیار خوشخست نه
باما به دفا و عهد نیکوست، نه
زین نادره ترکه از برل تو مران
شهر سپمه شمن اند تو دوست نه

در دیده روزگار نم بایست
ما با غم او صبر هم بایست
یا عمر به اند ازه غم بایست
یا مای غم چو عمر کم بایست

یار آمدو دوش کردش نمانے
هر چش گفتم نه کرد، نافرمانے
سے خود و بخت دوست درا بتم
دانگاه به او نچه کرد و با شم دلن

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

مصلح الدین لقب و سعدی تخلص تھا۔ ائمہ والداتا بک سعد بن زنگی با شاهزادی
کے ملازم تھے اس تعلق سے شیخ نے سعدی تخلص اختیار کیا،
سال ولادت ھلوم نہیں اور فات کی نسبت سب تحقیق ہیں کہ ۶۹۷ھ میں ہوئی عمر کی
وفات نامہ تذکرہ کروان میں ۱۰۳ برس کی تھی لیکن اس حساب سال ولادت ۶۹۵ھ ہو گا
شیخ نے تصویح کی ہے کہ وہ ابو الفرح ابن جوزی کے شاگرد ہیں اور غالباً وہ زمانہ ہو گا
جب شیخ بعد ادمی تحصیل علم کے یہے آئے ہیں ابن جوزی نے ۶۹۵ھ میں فات پائی،
شیخ کی ولادت اگر ۶۹۷ھ میں اپنی جائے تو ابن جوزی کی وفات تک انکی عمر کل ۶۹ برس
کی ہو گی اور یہی طرح صحیح نہیں بعض تذکرہ کروان میں شیخ کی عمر ۱۰۳ برس تھی اگر یہ خابح از
قیاس عد تسلیم کری جائے تو اور واقعات کی کڑیاں بجا ہیں لیکن ایک سخت تقت پھرستی
ہوتی ہو وہ یہ کہ شیخ نے گلستان میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں سلطان محمود خوارزم شاہ نے
ملہ مولوی الطاف میں صاحب حائل نے عبات سعدی میں سعدی کے حالات اور شاعری پر جو کچھ
لکھ دیا اسکے بعد کچھ لکھنا بے فائدہ ہے لیکن بعض تسلیم اینتم دوستون نے حدیث زیادہ ہصر کیا اور آخر
مجبوڑ اکھنہا پڑا، اللہ تذکرہ دولت شاہی،

خطا سے صلح کی میں کاشفین آیا،

سلطان محمود شفیعہ میں مرے ہے اس یہے اُن مانیں مُنگی عمر اب س کی ہو گئی لیکن
داقعات اور قرائیں سے معلوم ہوتا ہو کہ شیخ کی شاعری اور کمالات نے کم از کم بیم بہ برس
کی عمر تین شہرت پائی ہے، اسیے یا تو شیخ نے غلطی سے علاء الدین تکش خوارزم شاہ کے بجائے
محمود خوارزم شاہ کا نام لکھ دیا ہے، اُن کی شاعری کی شہرت اُن کے شباب ہی میں
ہو چکی ہو گی،

شیخ کے بچپن کے حالات اگرچہ کسی تذکرہ نہیں رے، قلمبند نہیں کئے
لیکن خود شیخ کے بیانات سے بہت سی وچسپ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔
شیخ کے والد نے شیخ کو جب پڑھنے کیلئے بھا یا تو لکھنے کی تختی، کاغذ، اور ایک
طلائی انگوٹھی خرید کر دی، یہ اسوقت اسقدر کسن تھے کہ کسی نے مٹھائی دیکرانے انگوٹھی
اڑا لی، چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ز عمد پر یاد دارم ہے، کہ بار ان رحمت بر و ہردے

ک در طفیل موح و دفتر خرید ز بہرم کیے خاتم ز خرید

بدر کر دنا گہ کیے مشتری بشیر و نی از دتم انجشتہ ری

شیخ کے والد شیخ کو مزید محبت اور تربیت کے خیال سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے
ایک دفعہ عید گاہ میں ان کو ساتھ لے کر چلے، ہاتھ میں دامن پکڑا دیا تھا کہ ساتھ کر الگ
نہ چاہیں راستہ میں نکے کھیل رہتے تھے یہ دامن چھوڑ کر اُن میں جملے اور باب کا ساتھ

چھوٹ گیا، کشکش اور بحوم میں باپ کی صورت نظر آئی تو گھبرا کر رونے لگے؛اتفاق سے باپ نے دیکھ لیا، کان پکڑ کر کہا جس اتجھ سے کہا نہ تھا کہ دہن نہ چھوڑنا، اس نام کے واقعات ہر بچہ کو پیش آتے ہیں، لیکن اس سے یہ پاکیزہ نتیجہ کالانداز
تو ہم طفل را ہی بھی لے فقیر برد دامن پیر دانا بگیر
شخ کا کام ہے،

ان کے باپ ان کی تربیت اس طرح کرتے تھے جس طرح ایک عارف سالک میں یدکو
تر کی نفس کی منزلین ملے کر آتا ہے، وہ بات بات پر انکو ٹوکتے تھے اور ان کی غلطیوں پر
تنبیہ کرتے تھے، ان کے اثر سے شخ کو بچپن ہی ہیں زہد و عبادت کا چسکا پڑ گیا تھا،
ایک دفعہ حسب معمول باپ کی صحبت میں رات بھر جا گئے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے
رہے، گھر کے اور آدمی غافل سور ہے تھے، ان کو خیال آیا۔ باپ کے کہا کہ آپ دیکھتے
ہیں کہ یہ لوگ کیسے بخیر سو رہے ہیں کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اٹھکر دور کعت
نماز پڑھے، باپ کہا جان پدر! اگر تم بھی سور ہستے تو اس سے بہتر تھا کہ لوگوں کی
غیبت کر رہے ہو،

بچپن میں جب انکو وضو کرنا نہیں آتا تھا، محلہ کے ایک مولوی صاحب سے روزہ
اور نماز سیکھنی شروع کی، مولوی صاحب نے وضو کر کے سب کے دبئن سکھا کر یہی بتایا کہ روزہ
میں دو پڑھنے کے بعد مساوا کرنا منع ہے، پھر کہا کہ ان فرائض کو مجید سر برھکر کوئی شخص
نہیں جانتا ہو گا، گاؤں کا رئیں انکل ٹبرھا پھوس ہو گیا ہے، رئیس نے مسنات کھلا بھیجا کر

نہ سواک در روزه گفتی خطا است بنی آدم مردہ خوردن روایت
یعنی تم نے خود بتایا کہ روزہ میں سواک کرنا منع ہے لیکن کیا مردہ کا گوشت
کھانا (غیرت کرنا) جائز ہے،

شیخ کے باپ نے انکے بچپن ہی تین دنات پائی اور جب نازنہ سے پل رہے
تھے وہ سامان جاتے رہے، خود کتے ہیں۔

من آنکہ سرتا جور داشتم کہ سر در کسار پر رد اشتم
اگر بر وجودم نشئے گم پریشان شدی خاطر چند کس
کنون دشمنان گر بر ندم ایسر نباشد کس از دوستا نم نصیر
مرا باشد از در و طفلاں خبر کہ در طفلي از سحر بر فتحم پر
لیکن انکی والدہ ان کی جوانی تک نہ رہیں اور ان کی بھی انکو اخلاصی سبق
ملتے رہتے تھے، گلستان میں لکھا ہو،

وقت از جبل جوانی بانگ بر ما در زدم، دل آزر ده بکجے نشت
و گریان ہمیگفت گل خور دی رافراموش کرہی کہ در شی میکنی (باب ششم)
طاب ملی شیر از میں اگرچہ تحصیل علم کا ہر قسم کا سامان جھیا تھا، سیکڑوں علیا و فضلاوں
تدریس میں مشغول تھے، اسکے علاوہ اتابک مظفر الدین تکلہ بن نگی متومن ۵۹۱ مسٹہ کا مدرسہ
موجود تھا، لیکن اس زمانہ میں تحصیل کمال کے لیے عالیکارہ دور دراز کا سفر اور مشہود رکابیں
میں حاضر ہونا لازمی امر خیال کیا جاتا تھا اسی مانہ میں سب سے بڑا مدرسہ جسکو یونیورسٹی

سلکتے ہیں نظامیہ بنداد تھا، شیخ نے نظامیہ میں تحصیل علم شروع کی اور جیسا کہ عام طبقہ مدرسہ سے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا، یہ پتہ نہیں چلتا کہ نظامیہ میں انہوں نے کس تحصیل علم کی، ان قرآن سے کہ شیخ نے ابن جوزی کی شاگردی کی، ابن جوزی را دین رہتے تھے، شیخ نظامیہ میں حدیث پڑھتے تھے، لوگوں نے نتیجہ کا لایا ہے کہ شیخ نظامیہ میں ابن جوزی ہی کے آگے زانوے شاگردی تھی کیا، لیکن مدرسین نظامیہ فہرست میں ہم ابن جوزی کا نام نہیں پاتے، بے شہہ ابن جوزی بنداد میں حدیث درس دیتے تھے، لیکن اپنے مکان پر دیتے ہوں گے، نظامیہ سڑک کا تعلق شما ہے میں ہوتا۔

یعنی بات ہر کہ ابن جوزی کا اشرشیخ کی تعلیم پر نہیں پڑا، ابن جوزی ان محدثین ن شمار کیے جاتے ہیں جو حدیث اور روایت میں نہایت سخت احتیاط سے کام لیتے اور مشتبہ اور ضعیف روایتوں کو بالکل ترک کر دیتے تھے، لیکن شیخ التفاق سے لدن کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو عموماً ضعیف بلکہ مصنوعی ہوتی ہے، مثلًا

سزدگر بدروش بن ازم پڑا کہ سید پورا نو شیروان

یا مشلاً لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب الی

یا مشلاً حضرت ابو بیریہ کی حدیث نزدی نعتاً الی

یا مشلاً طبیب فارس کی حدیث وغیرہ وغیرہ،

شیخ کی تحریکیں علی بود، اسے ہے جب تاہماں فارس کے سلسلہ میں سے سعد زنگی تخت حکومت پر نکلی تھا، وہ نہایت عادلی اور صاحب جبروت حکمران تھا، لیکن معلوم نہیں کیا اس باب تھے کہ شیخ کو شیراز میں من و آراش سے رہنا نہیں نصیب ہوا۔ ملک تھا، چنانچہ خود کہتے ہیں،

سعد یا اُبْدُ طَنْ گَرْجِیْشِهِ اَسْتَصْحِیْحُ
نتوان مرد بہتی کہ من آن جلاادم غرض شیخ نے تحصیل علم سے فارغ ہوا، سیرویا احت شرع کی اور ایکت ت درا

تک غفر کرتے رہے جس کی تدبیح عالم تذکرہ نہیں، برس لکھتے ہیں،

سیدویا احت کی غرض تخلاف ہوتی ہے اور جو غرض پیش نظر ہوتی ہے، تباہ اسی سفیدیات حیثیت کا تمام چیزوں کو دیکھتا ہے بلکہ نام چیزوں اُسی حیثیت کو خداوس کی نظر میں جلوہ گر ہوتی ہیں، شیخ میں کثرت سے مختلف حیثیتیں جمع ہئیں، وہ شاعر تھے، صوفی تھے، فقیہ تھے، داعظ تھے، حسن پرست تھے، رند تھے، مشوخ طبع تھے، اس لیے انہوں نے

تماشاگاہ عالم کو ہر ہر پہلو سے دیکھا،

وہ بھی نہ ہے، پیاس کے عالم میں روح وزیارت کے لئے بڑے سفر کرتے ہیں، نہایت دشوارگزار اور سپلی محراجاں میں پیادہ پاسکیڑوں کوں چڑھاتے ہیں، رات راست بھر کی تصل پیارہ روی سے تھک کر چور ہو جاتے ہیں اور عین راستہ میں پچھر ملی زین پر پر کر سو جاتے ہیں کبھی نفر کئی کے لیے بیت المقدس میں کا نہ ہے پر مشکل لکھر سقای کرتے ہیں، لوگوں کو پانی پلاتے پھرتے ہیں کبھی کسی صاحب دل در دیش کا تذکرہ

اں کی زیارت کئی رہ جو پختے ہیں کبھی انبیاء کے مزارات پر احتکاف کرتے
ہجہ کا دن ہے نماز کو جانا پایا ہتھے ہیں لیکن پاؤں میں جوئی نہیں دل میں شکایت
ہوتی ہے، دفعہ ایک شخص پر نظر پرتی ہے، جسکے سرے سر پاؤں ہی نہیں صبر جاتا، اور
بچھ جاتے ہیں، کہ صبر و رضا کی تعلیم ہے،

ایک دفعہ لوگوں کی صحبت ستر گاہ اکرم یعنی ﷺ کے سحرائیں بادیں نور دی
کر رکع کی، اتفاق سر عیسائیوں نے کپڑا لیا اور طرابس (ٹرپولی) میں خندق کھودنے کے
اپر لگایا، بہت پریشان ہوئے لیکن مجبور تھے، اتفاق سے ایک قدیم دوست کا
حربگزر ہوا، پوچھا خیر ہے؟ فرمایا،

کہ گورنمنٹ از مردان بکوہ وہ دشت
کے از خدا نے نبودم پر دیگرے پر داخت
اس کن کہ چھ عالیت بود درین ماعت کہ باطولیہ نام دھرم ببا یہ ساخت
یعنی جو شخص آدمیوں سے بھاگتا پھر اس تھا جب جانور و نہیں بھیں جائے تو اس کی
حالت ہو گئی دوست کو حرم آیا، فرمایا دیکران کو حبھرا یا، اور اپنے ساتھ علبیں لائے
غناہیت سے سو اختر فی حیر پانی بیٹھی کے ساتھ شادی کر دی، لیکن صاحبزادی نہ است
شخ اور زبان دراز تھیں شخ سے جہشہ ان بن رہتی تھی، ایک دن کمز لگیں تم اپنی
تھی بھول گئے، تم وہی تو ہو کہ میرے بانپے دس دینار دیکر تسلکو حبھرا یا، شخ نے کہا
تھا دینار دیکر حبھرا یا، لیکن سو دینار کے غرض پچھر گئوں قمار کر دیا،

شخ نے تصوف و سلوک کی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی المتنوی نسٹہ

سے حاصل کی، اسی سیاحت کی بدولت سفر دیا ہیں انکا ساتھ ہوا اور انکی فیض صحبت
شیخ نے تذکرہ نفس کے مراتب مل کیے، چنانچہ خود فرماتے ہیں،

مرا پیرہ انکے فخر شہاب دو اندر رز فرمود بر روے آب
کیے آنکہ بر فویش خود ہیں مباش درجت گہر آنکہ بر غیر بدین مباش

ایک دفعہ بعلک کی جامع مسجد ہیں وعظ کہہ ہے تھے اور رخن اقرب الیہ من
جبل الودید کا نکتہ بیان فرمائے تھے، کسی پر کچھ اثر ہیں ہوتا تھا تاہم یہ اپنے عالم
میں مست تھے اور یہ شعر بان پر تھا،

دوسٹ نزدیک تراز من پہن است دین عجب تر کہ من ازوہ دورم
چلنے با کہ تو ان گفت کہ او در کنار من و من جو رم
اتفاق سے کوئی صاحب دل نہ کلے، اُنھوں نے بیسانہ نعمہ مارا، اُنکی اثر سخیلیں
کی خلیس گرما گئی، شیخ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "دوران باعذر نزدیک نزدیکان بے بھر
دورا" ایک دفعہ پڑتے پڑتے پہنے قاضی کے دربار میں گئے اور اونچی صفت میں
جا کر نہیں، قاضی صاحب نے تیز بگاہوں سے دیکھا، اور میر در بائی نے جو لوگونکو حسب مدارج
ہٹانے پر مأمور تھا ان کے پاس آ کر کھا،

ندانی کہ بر تر مقام تو نیست فرد ترشیں، یا پرد، یا بایت
نیست دہان کی اٹھکی صفت پائیں میں کرنیشی، تھوڑی دیر کے بعد حسب نہول کسی فتنی
لمب پر بحث جھڑی اور ہر طرف سے شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں، یہیں کوئی شخص

کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہتا تھا کہ سب اسکے سامنے سر جھکنا دین، شیخ کو انہمار کنال کا
موقع ملا، صفت پائیں سے للاکار کر کہا،

کہ برہان قوی باید و معنوی نہ رگہاے گردن پر جدت قوی
لوگوں نے انکی طرف توجہ کی، انہوں نے اس خوبی سے اس مسئلہ کو سلیحا کر ادا کیا کہ
سب مان گئے، یہاں تک کہ خود قاضی صاحب صدر محلب سے اٹھے اور اپنی گڑائی
آتار کر ان کے سر پر رکھ دی،

مُنْ زَمَانَةِ مِنْ آتَنَا انصافَ بِهِيْ تَحْاجَجَ كَادَنْ هُوتَا توْ كَوَيْ آنکي طرف آنکو اٹھا اُز بھی
نہ دیکھتا،

اسکندر ریس کے مشہور قحط میں جس میں لوگ بھوک کے ہوا کے آدمی کو زندہ جوں کر
کھا جاتے تھے، ایک دولتندہ مختلط نے اپنا خوان کرم اس قدر دسیچ کر رکھا تھا کہ کسی
شخص کے لیے روک نہ تھی شیخ اس زمانہ میں اسکندر ریسی میں تھے، ان کے دوستوں
نے ان سے کہا کہ مختلط کی دعوت میں چلنا چاہیے، ان کی خود داری نے گواہ نہ کیا۔
اور کہا،

نَفُورُ دُشِيرَ، نِيمُ خُورُ دَهْ سَكَ وزر سخنی بیسر دا ندر خار
شیخ کی آزادہ روی اور تجوہ کے لحاظ سے بظاہر قیاس ہوتا ہے کہ انہوں نے اہل
و عیال کا چھکڑا نہیں خریدا ہو گا، لیکن تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ انہوں نے اس تجوہ کا ہوئی
بھی سیر کی، ایک حصہ فتحہ توہی محبوبی کا تعلق اختیار کرنا پڑا تھا جس کا ذکر اور گذر چکا، دوسرا فتحہ

صنعا در مین کا صدر مقام، مین نکاح کا اتفاق ہوا، اہ راس سزا دناد ہوئی، لیکن پھر
ہی مین جاتی رہی۔ باوجود آزادی کے شیخ کو اسکا بہت صدمہ پوچھنا پچھو خود بوتا
ہے مین فرماتے ہیں،

بہ صنعا درم طفلي اندر گذشت چہ گویم کزانم چہ بر سر گز شست
پیا نتک حواس باختہ ہوئے کہ قبر کا ایک تنہہ اکھاڑ کرخت جگر کو دیکھنا چاہا لیکن پونک
منظروں کیچکر کا نپٹھ، اور غشی سی طاری ہو گئی، ہوش مین اسے تو فرزندِ لبند نے زبان
حال سے کما،

شب گور خواہی منور چور دوز از بیجا چهار غامصل بر فروز
جس زمانہ میں سلطان خوارزم شاہ نے خطاول والوں سر صلح کر لی اسی شیخ کا شغرنی
لئے جامع مسجد میں ایکتے رس تھا جس میں حسبت سور و ریاثت کی ابتدائی کتاب میں پڑھائی
جاتی ہیں، سیر کرتے کرتے مدرسہ میں آئے، ایک خوش جمال رذکا وزیری کی کتاب
(فالاً مفصل ہو گی) پڑھ رہا تھا اور یہ فقرہ زبان پر تھا ضربِ ذیداً عمل شیخ نے کہا خوارزم
خطا میں صلح ہو گئی اور زیدا در عکر کا جھگڑا اب تک ختم نہیں ہو چکا، لڑکا نہیں پڑا اور ان کا نام
نشان پوچھا، انہوں نے کہا شیزار شیخ کا شہر و عالم گیر ہو چکا تھا، شیزار کا نام سنکرائی نے
کہا سعدی کے شعر بھی کچھ آپ کو اداہیں؟ انہوں نے عربی کے دشمن اسی وقت موزوں
گمراہ کے ٹرھے، لڑکا سمجھنے سکا، بولا کر بیاۓ ملک میں تو ایک فارسی شعر مشہور ہیں آپ
فارسی شعر پڑھتے تو میں سمجھو بھی سکتا شیخ نے برجستہ کہا،

ای دل عشق بدم تو صید
 ما ہتو مشغول د تو با عمر و زیر
 دوسرے دل کسی نے لڑ کے سر کندیا کہ یعنی سعدی ہیں وہ دوڑا ہوا شخچ کے پاس گیا
 اور نہایت خلاص و عقیدت لٹا ہر کی، اور کہا کہ آپنے نام کیون نہیں ظاہر فرمایا کہ میں
 خد متنگذا رہی کی سعادت حاصل کر سکتا، شخچ نے جواب بیانع با وجودت زمآن ایسا نیا مکمل نجم
 تیر کے سامنے میں یہ کہہ رہا کہ میں ہوں) لڑکے ذرع کی کہ چند روز آپکا قیام ہوتا تو سب
 آپ سے مستفید ہوتے، شخچ نے کہا نہیں میں نہیں ٹھہر سکتا پھر اپنے شعار پڑھے،
 بزرگے دیدم اندر کو ہمارے تفاعت کر دہ از دنیا بہ غائبے
 برو گفتیم پتھر اندر نیا نی؟ کہ باسے بندے از دل بر کشانی
 بگفت آنجا پری رویان نفر زند چو گل بیارشد بیلان بل غزند
 وقت کی تہذیب بکھو اسخچ جیسا مقدار و صوفی نش ایکا مرد کو گلے لگاتا ہی، پیار کرتا ہے
 مفھوم تلتا ہے اور بپھر دیدہ دلیری سے کتنا ہے،
 این گفتیم و بوسہ چند بر سر و روی مکید یگر وا دیم و دو داع کردیم،
 بوسر دادن بر دی یار چہ سود ہم دران بخطہ کردش پر و د
 اسی عالم سیاحت میں شخچ ہندوستان میں جی آئے، عام تند کرہ نہیں لکھتے ہیں کہ شخچ
 امیر خسرو سے ملے تھے، لیکن مستند تاریخوں میں اسی قدر یہ کہ امیر خسرو کے مدوح خان
 شہزادے نے دو فوج شخچ کو شیراز سے طلب کیا، لیکن شخچ نے ٹڑھاپے اور ضعف کا عذر کیا
 لعل خان شہزادے نہیں تھے میں نہادت پائی اور شخچ سعدی کے بلا نہ کا واقعہ اسی مندر کو دچار برس قبل کا واقعہ ہے

اور گاستان دوستان اپنے بات سے لھکر تخفہ میں بھی۔

خان شہید نے امیر خسرو کا کلام بھی بھیجا تھا، شیخ نے اس کی بہت تحسین کی اور
لکھا کہ یہ جو ہر قابل قدر دانی کے قابل ہے،

ہندوستان کے سفر کا ایک واقعہ شیخ نے بوستان میں لکھا ہے لیکن بیان فو
میں اس قدر غلطیاں ہیں کہ سرے سے اصل واقعہ مشتبہ ہو جاتا ہے، انکا بیان ہر کہ وہ سو مت
میں آئے، یہاں ایک عظیم اشان بٹ خانہ تھا، پوچاریوں سے راہ و رسم پیدا کی ایک دن
ایک بڑہن سر کھانا کے مخلوق سخت تجویز ہے، کہ ایک پھر کو لوگ کیوں پوچھتے ہیں وہ نہایت برہم
ہوا اور تمام بہت خانہ میں یہ چرچا پھیل گیا، سبان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ
بپا ہو گیا، انہوں نے کہا بت کے ظاہری حسن و خوبی کا میں ہمی معرفت ہوں لیکن جانتا
چاہتا ہوں کہ معنوی کمال کیا ہے؟ بڑہن نے کھاہاں یہ پوچھنے کی بات ہے، میں نے
بھی بہت سفر کیے اور نہار دن بہت دیکھ لیکن جو محجزہ اس میں ہے کسی میں نہیں، یہ
ہے وہ صحیح کو دعا کے لیے خود بہت اٹھاتا ہے، چنانچہ دوسرے دن شیخ نے یہ شعبہ خود
پر خیال کھلوں سے دیکھا، شیخ کو نہایت حیرت ہوتی اور اس فکر میں ہوئے کہ اصل راز
کیا ہے؟ تدقیقیہ بت کے بات چوے اور بہت خشونع خشنوع نہ لاحر کیا اور بہت خانہ میں
اں عقیدت کے ساتھ رہنگے جیسے پوچاری مندر میں رہا تھے، میں بربخون کو جب
اں کی طرف کی طرفیاں ہو گیا تو ایک بہت خانہ کا پھاٹک بند کو کے چاروں طرف
نظر دوڑا، دیکھا تو بہت کی پشت کی طرف ایک ستر فی پا، سہی پروردہ کی ادھ

ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جسکے ہاتھ میں ایک رسی ہے، رسی میں بت کے ہات بندھے ہے، میں انداز سے شخص رسی کو کھینچتا ہے تو ہات اٹھ جاتے ہیں انکو دیکھ کر وہ شخص گا، انہوں نے تعاقب کر کے اسکو کوئی میں میں ڈھکیل دیا اور خود بھاگ نکلے، ان دا قعات کے بیان میں عام غلطیاں تو یہ ہیں کہ بت کو ہاتھی دانت کا بتایا ہے، مانکہ ہاتھی دانت کو ہندو پاک نہیں سمجھتے اسیلے اسکا بنت نہیں بناسکتے، برہمنوں کو اپنے کو وہ پاٹنہند پڑھتے تھے،

فتادند گبران پاٹنہ خوان چو سگ با من از براں استخان

مانکہ پاٹنہند ہندوؤں کی کتاب نہیں بلکہ پارسیوں کا صحیفہ ہے،

برہمنوں کو کہیں گے برادر کہیں مطران کہتے ہیں،

پس پر دہ مطران آذر پرست،

مانکہ مطران عیسائیوں کے پادری کہتے ہیں پھر مطران کو آذر پرست کہنا اور بھی لغویت ان بجزئیات کے سوا اصلی واقعہ بھی نہایت دراز قیاس ہو رشح کتنی ہی بہتری کرتے نہ یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسا عظیم الشان بخانہ میں تمام برہمن اور سچاری ایکیے انکے تھیں بت خانہ چھوڑ کر باہر نکل جاتے اور انکو یہ موقع ملتا کہ چاروں طرف کے دروازے کر کے جو چاہتے کرتے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تازہ ولایت تھے خدا جانے کس چیز کو کیا سمجھے اور کس واقعہ کو کیا نکرے، اکثر انگریز یا حون کا یہی حال ہے در چاروں ہندوستان میں کہ سفر نامہ لکھتے

ہیں جنکو ٹھکر ہندوستانیوں کو غور کرنا پڑتا ہے کہ کیس ملک کی داستان ہر شخچنے اس
حکایت کے خاتمیں لکھا ہو کہ سو منات سے یہن ہندوستان میں آیا، غالباً اس زمانے میں
ہندوستان خاص دہلی اور نواحِ دہلی کو کہتے ہوئے، لیکن شیخ نے کچھ زیادہ تصریح نہیں
کی اور نہ کہیں سے پتہ گلتا ہے کہ کہاں تک پہنچے تھے،

شیخ نے جب بیاحت شروع کی تو فارس میں اتنا بagan سلفری کی حکومت تھی ،
اس سلسلہ بھی اور سلوکی طرح سلوچیوں کا دست پر درد تھا، اس سلسلہ کا پانچواں حکمران
سعد زنگی شیخ سعدی کا ہم صر تھا، لیکن اسکے اخیر زمانہ تک سعدی وطن میں نہیں آئے
صادف نہیں کھلتا کہ اسکے اسباب کیا تھے، لیکن شیخ کی بعض تلمیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ
شیخ کو اس زمانہ میں امن و امان کی طرف سے اطمینان نہ تھا، سعد زنگی نے اللہ ہی میں
دفات پائی، اسکے بعد اس کا بیٹا اتابک بابر بن سعد زنگی تخت نشین ہوا، وہ نہایت
شان و شوکت کا باادشاہ تھا، فارس کی حکومت جو دوسو برس سو تاریخ گاہ بن ہی تھی
اسکے زمانہ میں عروج رعنابن گئی، ہر طرف نظم و نسق قائم ہو گیا، جا بجا مدرسے اور
درسگاہیں کھل گئیں، علماء و فضلا و شعراء درد وور سے کھنچ آئے، شیخ ہمیشہ وطن کے شوق
میں بیتاب رہتے تھے، اور وطن پہنچنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، چنانچہ ایک قصیدہ
میں لکھتے ہیں،

چڑھن پیو دعے باشد آنکہ میخ باز رسیدہ بر سراللہ اکبر شیراز

لله اللہ اکبر شیراز کے یہک چشمکش کا نام ہو،

دالائی نظمات است بالشیرین قلیم
که نجتگاہ میمان بدرست و حضرت راز
اب جو امن دامن کی طرف سے میمان ہوا تو شام سے عراق عجم ہو کر تیراز میں آئے
پھانچہ ایک قطعہ میں غریب اول طنی اور مراجعت کی وجہ تبصرت علیکی ہے،
ایک قطعہ میں اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے،

ندانی کہ من درا قایم غربت	چرا دروز گارے بکر دم درنگی
بردون رفتم از تنگ تر کان کدیدم	جهان در ہم افتاد چون نئے زنگی
ہمہ آدمی زادہ بودندیسک	چو گرگان بخونوارگی تیر تنگی
چو باز آدم کشور آسودہ دیدم	پنگان رہا کردہ خرے پلنگی
پنان بود در عمدہ اول کدیدم	جان پرزا شوب تشویش ونگی
چین شد در ایام سلطان عادل	تا بک ابو بکر بن سعد زنگی

شیراڑ پوچکر شاہی تعلقات سے بالکل آزاد رہنا تو مکن نہ تھا، ابو بکر بن محمد زنگی
کے دربار یون میں داخل ہوئے، مدحیہ قصائد لکھے، گلستان اور بوستان اسی کے
نام سے معذون کی، غالباً صلحی رہا (طلب) ملے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آزاد
هزاجی کی وجہ سے دربار کے قابل نہ تھے، اور ابو بکر بن محمد نے اس وجہ سے انکی
چندان قدر دانی نہیں کی، پھانچہ ایک قصیدہ میں ہلکی سی شکایت بھی کی ہے،
بہ دولت ہمہ فتاوگان بند شدند
چو آقتاب کہ برآسان بر و شبنم
کو خیش از ہمہ نیشن س خوش نہ ہم کم
گرگمینہ آحاد بندگان بحمدی

انکھاں نوجوا باتا آن خان (سپرہا کو خان) کی طرف سے خاندان آتابک کے انفرض
کے بعد شہزاد کا گورنر مقرر ہوا تھا، اس کی بیچ میں ایک قصیدہ لکھا ہے جسکے دو غیر
یہ ہے،

سعید یا چند انکہ میدا نی گو
حق نباید گفت ان الامش کار
ہر کرا خوف و طمع دربار نیست از خطابا کش نباشد وزتار
ان اشعار کی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایشیا می دربار وون میں کیونکر فروع پا سکتے تھے
غرض ابو بکر بن سعید نے تو انکے رتبہ کے موافق ان کا احترام نہ کیا، لیکن جو امر انہوں نے صاحب
علم و فضل تھے وہ شیخ کی پرستش کرتے تھے،
اس زمانہ میں علم و فضل کے اصلی پیشہ و پناہ خواجہ شمس الدین صاحب بیوان در
خلاء الدین تھے،

خواجہ شمس الدین بہا کو خان کا وزیر اعظم تھا، اور بہا کو خان کی زمانہ میں باوجود اختلاف
ذمہ بہ ورثات ایوان کی سفارتی کے اسلام کا جو نام و نشان رہیا وہ صرف خواجہ شمس الدین
کا صدر قلم تھا، تما تاریخ میں جو اسلام پھیلا وہ بھی خواجہ شمس الدین ہی کی بد و لست تھا
سب سے پہلے اس سلسلہ میں نکو دار (بہا کو خان کا بیٹا) اسلام لایا اور سلطان احمد کے
لقو سے ملقب ہوا، نکو دار نے خواجہ شمس الدین ہی کی ہدایت اور ترغیب کی وجہ سے
اسلام قبول کیا تھا،

خواجہ شمس الدین کا دوسرا بھائی علام الدین بہا کو خان کی طرف سے بنداد کا حاکم تھا

اور زنا بیت صاحب فضل و کمال تھا، تاتاریوں کی سب سے مفصل و مستند تاریخ جماں شا اسی کی تصنیف ہے،

یہ دونوں بھائی شیخ سعدی کے مریداً و معتقد خاص تھوڑے شیخ ایک فوج جب صحیح دو اپنے اکابر برزیں آئے جوہلہ کو خان کا پایہ تخت تھا تو خواجہ شمس الدین سے ملنے گئے، اتفاق یہ اور ہر سے ابا قاؤن خان (پسر جوہلہ کو خان) کی سواری آرہی تھی، خواجہ شمس الدین و علاء الدین بھی ساتھ تھے، شیخ نے اس خیال سے کہ تعارف کا یہ موقع نہیں چاہا کہ نظر بچا کر نکل جائیں اتفاق تھے کہ دونوں بھائیوں نے ان کو دیکھ لیا، گھوڑوں سے اتر پر اور جا کر شیخ کے ہات پاؤں پر چوڑے، ابا قاؤن خان دیکھ رہا تھا، اس کو سخت حیرت ہوئی کہ برسوں سے میرے دربار میں ہیں اور نہ کس خوار ہیں تاہم جو تعظیم اخون نہ اس پڑھے کی کی میری بھی کبھی نہیں کی، جب دونوں بھائی شیخ سے رخصت ہو کر جلوس میں شامل ہوئے تو ابا قاؤن نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ جس کی تم نے اسقدر تعظیم و تکریم کی اخون کے ہے ہمارا بابا تھا، ابا قاؤن نے کہا تھا را بابا پ تو مر چکا ہے، بوئے کہ پدر طریقت ہے، حضور نے سعدی کا نام سننا ہو گا جنکی نظم و نشر آج تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے وہ یہی بزرگ ہیں ابا قاؤن ملنے کا مشتاق ہوا، دوسرے دن دونوں بھائی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کا پیغام کہا، شیخ نے انکار کیا لیکن ان لوگوں نے اسقدر اصرار کیا کہ شیخ کو چاہنا چا رجنا پڑا، ابا قاؤن سو درستک صحبت رہی، چلتے چلتے اس تو کہا کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرماتے جائیے، شیخ نے لامہ نے کے بعد صرف اعمال ساتھ جائیں گے، اب تم کو انتیار ہے کہ

پچھے اعمال ساتھ یجاویا بُرے، ابا قاؤن نے کہا اس مضمون کو نظم کر دیجیے، شیخ نے
بر جمعہ کہا،

شہ کے حفظ عیت نگاہ می دارد حلال باد خوش کے مزدوج بانی است

وگزہ راعی خلق سنت زہرا ش باد کہ ہر چیخور دا جز بیت سلامی است

ابا قاؤن کے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں راعی ہوں یا نہیں یعنی ہو شیخ نے کہا

اگر راعی ہو تو پھلا شور ح حال ہو وہ دوسرا، ابا قاؤن بار بار پوچھتا تھا کہ میں اعی ہوں یا

نہیں؟ لیکن شیخ ہر بار وہی شرطیہ جواب دیتے رہے، چلتے ہو شیخ نے یہ اشارہ پڑھے

باد شہ سائیہ خدا باشد سایہ باذات آشنا باشد

نشود نضل عامہ قابل خیر گرذ شمشیر بادشا باشد

ملکت اوصلاح پسندید گرہمہ راء او خطہ باشد

ہر صلاح کے در جان آید اثرِ عدل بادشا باشد

ابا قاؤن پر ان اشارہ کا نہایت اثر ہوا،

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے چند سوالات لکھ کر شیخ کے پاس بھیجے اسکے ساتھ

ایک عامہ اور پانچ سو اشرفیاں بھی بھیجن، لیکن قاصد نے دیڑھ سو اشرفیاں خود از ملین

شیخ نے سوالات کے جواب کے ساتھ اشرفیوں کی رسیدگی لکھی اور عجیب لطیف طریقے

نوکر کی نیانت ظاہر کی،

مالت افر و مالن با خصمت پامال چونکہ تشریف فرستادی و مال

ہر بہ دیناریت سالے عمر باد تابہانی سیصد و پنجاہ سال
 یعنی آپ کو خدا ہرا شرفی کے پہلے ایک برس عمر دے تاکہ آپ ۳۵۰ برس زندہ
 رہیں خواجہ سال الدین نے نوکری باز پریس کی، خواجہ علاء الدین رہا درخواجہ سال الدین
 نے جلال الدین ختنی کو جو شیراز میں ایک معزز عمدہ پر معمور تھے خط لکھا کہ دس ہزار
 اشتر فیلان شیخ کی خدمت میں پونچا دینا، سورا تفاق یہ کہ جبکہ کرشیراز میں پونچا تو اس سے
 چھوڑن پہلے جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا، نوکرنے جلال الدین کی نام کا خط شیخ کو
 لیجا کر دیا، شیخ نے علاء الدین کو جواب میں یہ قطعہ لکھا،

پیام صاحب دولت علاء دولت دین کہ دین و دہربا ایام او ہے نازد
 رسید پائی دولت فزو د سعدی را بے نامند کہ سر بر فلک بر افزاد
 مثالی داد کہ صدر رختن جلال الدین فرمان^۱ قبول خدمت اور اعتماد سازد
 ولیک بر سر او خل مگ تاخته بود چنانکہ بر سر ابنائے دہرمی تازد
 جلال زندہ نخواہ شدن درین دنیا کہ بندگان خدا و بندگار بنوازد
 طبع ندارم از درسر ل عقبی نیز کہ از مظالم مردم پا پھردازد
 یعنی اسکا تو چند ان رنج نہیں کہ جلال الدین اب زندہ نہیں ہو سکتا کہ میری حق رسی
 گر سکے، رونا یہ ہو کہ قیامت میں بھی اسکو اور دن کی دادرسی سے اتنی فرصت کھان
 ہو گی کہ ہم غریبوں کی طرف متوجہ ہو،
 خواجہ سال الدین نے قطعہ پر ہکھر حکم دیا کہ فرما پچاس ہزار اشتر فیلان شیخ بخیر تھیں

بھیج دی جائیں شیخ قبول نہیں کرتے تھے لیکن چونکہ خواجہ موصوف نے قسمیں لاٹی تھیں
شیخ نے اس رقمت سے ایک کاروان سرا تمبر کرادی

خواجہ سال الدین کو ارغون خان (بلاؤ کو خان کا پوتا) نے شاہزادہ میں قتل کرادیا،
انکے بعد بھی شیراز کے تمام حکام اور امراء شیخ کی اسی طرح عزت اور غصہ کرتے ہے ملک
عادل شمس الدین تازی کے زمانہ میں عمال نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ سرکاری باغون کے
پھل نہایت گران قیمت پر زبردستی دو کانڈاروں کی باتیں بھیتھیتے تھے اور بیچاروں کو خواہ مخواہ
مول لینا پڑتا تھا، شیخ کے بھائی بقالی کا پیشہ کرتے تھے، ان کی دو کانٹا بکے محل کے
سامنے تھی، اپنے بھی چند بارے آفت آئی آخر مجبور ہو کر بھائی کے پاس آئے شیخ نے
یہ قطعہ لکھ کر ملک عادل کے پاس بھیجا،

زاہوال برادرم پتھریت
دانم کہ ترا خبر نہ باشد

خرمای پڑھے دہندش
بخت بد ازین تبرنہ باشد

اطفال پر انزو مرد درویش
خرما بخورند وزر نہ باشد

آنگ تو محصل فرستے
شخھے کہ از و تبرنہ باشد

چنان بزندش لے خداوند
کر خانہ رہش بدر نہ باشد

لطفے بازین دگر نہ باشد
اے صاحب من بغورا ورس

ملک شمس الدین نے قطعہ پڑھنے کے ساتھ متادی کرادی کہ جن لوگوں کو ریاستاں ملائیں

لے یہ تمام حالات احمد بن ہبیتوں نے کلیات شیخ کے دیباچہ میں لکھے ہیں،

لیا گیا ہے، سب ربار میں حاضر ہوں، چنانچہ سب کی دادرسی کی پھر شخ کی خدمت میں ایسا اور نہایت معدودت کی، ساتھ ہی ہزار اشرافیوں کی تھیں کی کہ آپ کے بھائی کے نقصان کا تاداں ہے،

شیخ نے آنحضرتؐ میں شہر سے باہر ایک زاویہ بنوایا تھا، راتِ نیل ہتر تھے اور عبادت کرتے تھے، سلاطین اور امرا، اسی آستانہ پر حاضر ہوتے اور مرتب خلاص بجالاتے، کھانے کا یہ انتظام تھا کہ امراء خود کھانے لیجاتے یا بھجوادیتے شیخ جقدر کھاسکتے کھائیتے باقی ایک نیل میں رکھ کر دیوار سے طکایتے کہ عربین خان غواچہ ڈن چست دشیخ جب شیراز میں واپس آئے تو ابو بکر بن سعد کی حکومت کا زمانہ تھا اسکے بعد اس کا پوتا محمد بن سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ وہ نہایت صیغرن تھا حکومت کے سب کام اُس کی مالی انجام دیتی تھی، دو برس ہمینے کے بعد وہ مر گیا اسکے بعد محمد شاہ بن سلفر بن تابک سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ سفاک اور خونزیر تھا اسیلے آٹھ ہمینے کے بعد ادا کان دولت نے اسکو گزر قرار کر کے ہلاکو خان کے پاس ہمجد یا پھر اسکے بھائی نے برے نام حکومت کی ۱۴۷۶ء میں قتل کر دیا گیا اب اس خاندان میں کوئی مرد باقی نہیں رہا تھا، لش خانوں دختر تابک سعد مند حکومت پر بیٹھی انسے ہلاکو خان کے بیٹے منکو تیمور سے شادی کر لی ۱۴۸۰ء میں وہ بھی مر گئی اور اب شیراز و فارس برادہ راست تا تاریون کی زیر حکومت آگیا،

لے دیا چکلیات،

یار غون خان بن ابا قا آن خان بن بلا کو خان کا زمانہ ہر منیخ نے اسکے عمد جو
میں ساختہ ہیں وفات پائی، تاریخ وفات "خاص" کے لفظ سنتھلتی ہے، کسی نے اسکو
مزود کر دیا ہے، عز خاصان بود زان تاریخ شد خاص،
**شیخ کافر ا مقام دلکشیت کچھ فاصلہ پر پہاڑ کی میلی میں ہے، اور اب
سعدیہ کے نام سے مشہور ہو، ہفتہ میں ایک دن مغرب ہے، لوگ یارت کر جاتے ہیں،
دن بھر دیں رہتے ہیں چائیں پیتے ہیں اٹھتے اٹھاتے ہیں اور شام کو چلے آتے ہیں،
عام حالات اور اخلاق** شیخ نے گوپنی سوانح نہیں لکھی لیکن گلستان اور بوستان میں
دعادات جستہ جستہ ضمنی موقعوں پر اسقدر حالات لکھ دیئے ہیں کہ ان کو

اخلاق اور عادات کی پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے،
شیخ کاشما صوفیہ کبار میں ہر اور بے شہروہ پاکیزہ باطن اور صاحب جال تھے
لیکن ان کی مخصوص حالت یہ ہر کو وہ اس رنبہ پر جا ہدہ اور ریاست کے بعد پوچھتے
ان کی صلحی سرشنست یہ تھی، کچپن سے شاب بلکہ ادھیزین کے زمانہ تک نہیں وہ اوصاف
نظر آتے ہیں جو مولیوں کا خاصہ ہیں یعنی خود بینی، حرفلگیری، مشاجرت و مخاصمت،
باپ کی صحبت کے اثر سے بچپن میں عبادت کا ذوق شوق پیدا ہو گیا ہو، شب بیداری
اور درود ناظر اعلیٰ میں معروف ہیں لیکن ساتھ ہی اور ورن پر حرفلگیری بھی کرتے جاتے
ہیں کہ دیکھئے کسی کو نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی،
نظامیہ میں حدیث پڑھتی ہیں، کسی نے انکے خلاف کچھ کمدیا ہوا اپر آپے سے باہر

وجاتے ہیں اور کہتے ہیں

چون داد معنی وہم در حدیث برآید بہم اندر دن خبیث
 ایک درویش سے دومندی اور درویشی کے متعلق بحث کرتے کرتے دست
 لہ بیان ہو جاتے ہیں اور دھول دھپے تک نوبت پوچھا دیتے ہیں
 دشنا مغم دا متعلق گفتگم گریا نام درید زندگانی شکستم،
 حج کا سفر ہے، ذوق و شوق ہیں احرام باندھے پا پیادہ جا رہیں اس حالت
 میں بھی زبان سے ناسرا کلمات نکل رہے ہیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں
 درسرور دی پندریگ قادیم داد فتن و جمال دادیم،
 حسن پسندی، امر دپرستی تک پوچھ گئی ہی، اور ایسے کھل کھیلتے ہیں کہ سکا ذکر
 تک نہیں کیا جاسکتا،

بلے شہزادہ باتیں اُنکے عارض کمال کے داغ ہیں لیکن ایک فارما وصلح کیلئے
 ان تمام مراحل سے گزرنا ضرور تھا،

مولانا ردم سے کسی نے ایک بزرگ کی نسبت کہا کہ ”شاہ باز بودا ما پاک باز بود“
 مولانا نے کہا ”کاوش کر دی و گذاشت“

شیخ نے چون کہ بیماریان اٹھا کر صحت پائی تھی، اسیلے وہ امراض (اخلاقی) کی حقیقت
 مانہیت، علامات اور طرائق علاج سے جقدر واقف ہو سکے دوسرا نہیں ہو سکتا تھا،
 اخلاقی بیماریوں میں اکثر دن کو دھوکا ہوتا ہے اور مرض کو مرض نہیں سمجھتے، شہلا ایک فقیہ

نظری بُرنی کی وجہ سے اپنے مخالفت کو بُرا کہتا ہوا اور اسکو ضرر پہنچاتا ہو، لیکن اسکا نفس اسکو
یہ دہو کا دیتا ہے کہ چونکہ شخص فلان مسئلہ کا قائل ہے جو عقیل اور کافر ہے اسیلے اسکو بُرا کہنا
اور اسکی شکیفہ کرنا غیرت نہ ہے کا اقتضا ہے، یا مثلاً ایک صاحب امر در پرستی کرتے
ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ جماز حقيقة کا زینہ ہے، شیخ ال علمیوں میں نہیں پُرسکتا، پناہ چاہیے
امر در پرستی کی نسبت، نظر باز صوفیوں کی اس طرح پرده دری کرتا ہے،

گرد ہے نشینند با خوش سپر کہ ما پا کبا زیم دا مل نظر
زمیں پُرس فرسودہ روزگار کہ بر سفرہ حسرت خور در روزہ دار
چڑھل یک دزہ ہو شست نبرد کہ در صحن دیدن چہ بالغ چھنورہ
شیخ کے مزارج میں ظرافت حستے زیادہ تھی، ایک دفعہ ایک مکان کرایہ پر لینا
چاہتے تھے، ایک یہودی پُدوں میں رہتا تھا اس لے کہا ضرور خریدیے میں اس
مکان کی حالت سے خوب واقف ہوں، اس میں کوئی عیب نہیں، شیخ نے کہا بجز
اس کے کہ آپ اسکے ہمارے ہیں،

خواجہ ہمام ایک شہروشاعر تھے اور محقق طوسی کے شاگرد تھے، شیخ سے اور
ان سے تبریز میں ایک ہمام میں ملاقات ہوئی، شیخ نے دانستہ ہمام کی چھپر جھاڑ شروع
کی، ہمام ان سے واقف نہ تھے نام اور نشان پوچھا، شیخ نے کہا شیراز میں رہتا ہوں
ہمام نے کہا عجیب بات ہے ہمارے شہر میں شیرازی گتوں سے زیادہ ہیں، شیخ نے کہا
ہاں، لیکن شیراز میں تو تبریزی کے تھے جبی کم در رتبہ، ہیں،

اتفاق یہ کہ ایک خوشنود جوان ہام کو پنچھا بھل رہا تھا، شیخ اس سے لطف نظر اٹھانا
پا رہتا تھا، لیکن ہام اپنی میں حائل تھے، ہام نے سلسلہ سخن میں کہا کہ شیراز میں
ہام کے شعر کا بھی چھر چاہے؟ شیخ نے کہا ہاں یہ شعر اکثر زبانوں پر ہے،
در میان من دلدار حجاب سوت ہام وقت آئے است کہ این پر دہبی کیست فگن مر
ہام کو گمان ہوا کہ یہ سعدی ہیں قسم دلا کر پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے، شیخ نے مجبوراً بتایا
ہام نے اٹھکر شیخ کے پاؤں پر سر کھدیا، مگر ہے گئے اور بڑی گر جوشی سے ہماں یان کیلئے
محمد الدین ہمکر شیخ کے معاصر اور اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے جس سے شیخ کو
تعلق تھا، اونچ تو کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا لیکن اس زمانہ میں فارس کے ملک الشعراً
کا منصب جو شیخ کا حق تھا، قسم نے ان کو عنایت کیا تھا،

سعد بن ابو بکر سعد رنگی ان کی تعظیم اور تکریم شیخ سے زیادہ کرتا تھا، اسی زمانہ میں
اممی ایک شاعر تھا، زماد کی بے بصری نے ان کو بھی شیخ کا حریف بنادیا تھا، فوبت
ہیاں تک پہنچی کہ خواجہ مسیح الدین محمد اور ملک معین الدین پروانہ اور نور الدین اور افتخار الدین
یعنی قطعہ لکھکر محمد الدین ہمکر کے پاس بیجا،

سوائے میں کند پروانہ روم	ذ شیع فارس، محمد ملتہ دین
دہی و افتخار و نو مظلوم	ز شاگردان توہستند حاضر
کدامی بہ پسندی و امامی،	تو از اشعار سعدی و امامی،

لہ دوست مشاہ ذکر سعدی،

مجد الدین نے جواب میں لکھا،

ماگرچہ بُنْطَق طوْلِي خوش نفیسم
 بر شکر گفتہ های سعدی گیم
 در شیوه شاعری پا جماع اعم
 هر گز من و سعدی پا مامی ذکیم
 شیخ کو بھی اس بے انتیازی کا رنگ ہوا، چنانچہ یہ رباعی لکھی،
 هر س کہ پا بار گاہ سامی نرسد
 از بخت سیاہ و بد کلامی زرسد
 ہمکر کہ ہ عمر خود نکردہ است نماز
 شک نیت کہ هر گز پا مامی نشد
 شیخ کے سیر و سفر کے ذکر میں جو داقعات ہم اوپر لکھ آئئے ہیں انکو اس موقع پر دوبارہ
 پڑھنا چاہیے جن سے شیخ کے اخلاق و عادات کی تصویر پوری نظر میں آجائیں
 شیخ کی تصانیف | کلیات شیخ کا قدم عالم ترین فلمی نسخہ کتب خانہ دیوان ہند - عنوان India
 میں موجود ہیں جس کا نمبر ۱۱۱ ہوتا ہے اس تناخ اول رجب شمسہ ھمیشی شیخ کی وفات
 کے بعد قریب ۳۰ سال ہی، کتاب کا نام ابو بکر بن علی بن محمد ہے جس نے شیخ کے
 اصلی نسخہ سے نقل لی ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے 『منقول من خط الشیخ احادیث سعدی』
 اس نسخہ سے شیخ کا نام شرف الدین بن مصلح الدین پایا جاتا ہو اور ہمیں جس بے میل
 کتاب میں ہیں (۱)، عربی قصیدہ قافیہ میم (۲)، دوسرا رسالہ (۳)، بوستان جس کا نام ہیاں
 سعدی نامہ لکھا ہوا ہے (۴)، گلستان (۵)، طیبات (۶)، بدائع (۷)، خواتیم (۸)

لئے ذکرہ دولت شاہ مذکورہ امامی مردوی،

تمہی تمام مصنفوں شیخ عبدالقداد صاحب میم اے پروفیسر کون کا لج بیانا نے ترجمہ کر کے ہم کو غایت کیا ہے ۹

(۱۹) مطالبات (۲۰) رباعیات (۲۱) مفردات،
(۲۲) قصائد عربی (۲۳) ترجیعات (۲۴) مقطوعات (۲۵) مجلس نسل، نسلیات،
(۲۶) قصائد فارسیه (۲۷) مراتی (۲۸) ملعمات (۲۹) مشائت زبانوں میں عربی، فارسی، اور ترکی)

صاحبہ مضائق

اہل پورے شیخ کے کلام کے جو حصے شائع اور ترجیح یکیں اسکا مختصر حال یہ ہے

(ناخود از نفرست کتب قلمی فارسی موجوده دیوان هنرمندانه را دکتر اتحم *The Ethical* پیغام

رسالہ دوم، پانچ مجلسوں میں سر تیسرا اور جوہری مجلسین ایم گوٹیلان
In guardmen

صاحبہ نے معمہ ترجیبہ در شرح کے شائع کین بمقام برسلاستہ ۱۸۹۶ء

پوتان، نہایت نفیں اطیش معترض فارسی کے، اسی گراف صاحب k.ii. *ograff*

شمارہ ۱۸۵ کے اہتمام سے چھپا ہر بقام دنیا Kienna

متن مع نوٹس امر تبریز اے راجرز A.Rodgers بمقام اندن سسٹری

ترجم، در زبان جرمن کے، ایچ گراف، چینا K.H.graff.

١٢٥٠ Jena

۱۸۵۷ Vienna. شلچکا و سرطان دینا. Schlechka wesschedj دینا.

١٨٨٢ میں لیکنگ صاحب ترجمہ لیزیک و رکرت دیکھ دیا گیا۔

فرنخ، باربری و میناره *Barbierde onyxnard* کایارس ششماهه

صاحب ترجمہ، انگریزی، اتحجج۔ ولبرفورس کلارک H. Wilberforce Clark.

کا ترجمہ، بمقام لندن شمسہ اع

صاحب " جی۔ ایس۔ ڈیویسی G. S. Davie " کا ترجمہ، بمقام لندن شمسہ اع

منتخبات مترجمہ رائنس Robinson لندن شمسہ اع

ایک ترکی میں بمقام قسطنطینیہ شہر میں خالق ہوا ہے،

کلستان، اڈلشنس، گلیادون Gladwin صاحب کی تحریک انگریزی کا کمیت شمسہ اع

" ای۔ پی۔ ایشورک E.B. Eastwick " صاحب کی تحریک فرنگ

بمقام ہرٹ فرڈ Hartford شمسہ اع

" جانس Johnson کی تحریک، ہرٹ فرڈ شمسہ اع

" جے۔ تی۔ پلاتس J.T. Platts لندن شمسہ اع

ترجمہ، در فرنچ۔ اے۔ ڈیورائر A. Du Ryer کا ترجمہ شمسہ اع

ڈالیگر Dalegre کا " شمسہ اع

گاندان Gundan کا " شمسہ اع

سیکلٹ Zemelet کا " شمسہ اع پارس

لاطینی جنیش Gentius کا " شمسہ اع اڈلشنس ہوم شمسہ اع

اجم، در جمن، ادم او باری اس (Adam olearius) کا بقایام

شلیسوگ Schleswig ۱۸۵۲ء

بی-دارن B. Dorn ۱۸۵۳ء صاحب کا، ہامبرگ

۱۸۲۲ء

دولف Wolff کا، سٹنگارت Stuttgart ۱۸۲۱ء

کے، اتچ، گران K. H. Graff کا، لینز ۱۸۲۶ء

در انگریزی، گلیادون صاحب Gladwin کا، لکلہ ۱۸۲۶ء

لندن ۱۸۳۳ء

دیمولن Dumoulin کا لانڈاء

جیس راس Janne Rosso کا، لندن ۱۸۲۲ء

نی ایڈشن ۱۸۴۹ء

ای، بی، ایٹوک Eastwick ۱۸۵۲ء

نئے ایڈشن، لندن ۱۸۵۴ء

جی، ٹی، پلاس J. T. Platts کا، لندن ۱۸۵۴ء

وروسکی، اس، نسرنیز Nusariang ۱۸۵۴ء

درپوش، آنونسکی Chernawskie کا، وارسا ۱۸۶۹ء

در ترکی، قسطنطینیہ میں شائع ہوا اور مع شرح سودی کے

ترجمہ شمسہ اور سلسلہ میں،

عربی میں بقایم بولا ق شمسہ ہندوستانی میں میر شیر علی افسوس کا کلکتہ ۱۸۵۲
جوزیر گرانی جان گلرست صاحب John Gilchrist کے شائع کیا گیا
طیبات کی چودہ غرب میں گراف ہمپھری H. H. ٹھاٹجے ترجمہ کے جمن میں شائع کیا گیا
شائع، دس " " " "

خواتیم سات " " " "
قصاص فارسی کی تصاویر " " " "
مراٹی، چند مراٹی " " " "
رباعیاتا چند رباعیات " " " "
منفردات، کو لاؤش سکھا کرے صاحب نے ایڈٹ اور شائع کیا ہوا

صاحبیہ، کو باخر Bacher کے شرحے شائع کیا ہے، اسٹربرگ
Straasburg ۱۸۶۹

شیخ کی شاعری شریعت شعر کے تین پیغمبر ہیں ان میں ایک شیخ بھی ہیں

در شعر سه تن پیغمبر اند ہر چند کہ لا بنی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی دانوری و سعدی
ہر پیغمبر جدا گا نہ شریعت کا پیغمبر ہے، شیخ کی پیغمبری کا صحیفہ غزل ہر خواجہ حافظ
نے غزل کو سمجھہ بنادیا تاہم کہتے ہیں،

ع اتنا دغزل سعدی است پیش ہمہ کس آتا،
حضرت امیر خسرو غرہ اکمال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ غزل میں سعدی کا پیرو
ہوں، شنوی نہ پھر میں لکھتے ہیں،

تاب بجائے کہ حد پار سیاں اندر میں عحمد و توں گشت عیان
زان یکے سعدی نہ نایش ہمام ہر دورا در غزل آئین تمام
لیکن در اصناف سخن میں شیخ کی شاعری اس درجہ پر تسلیم نہیں کی گئی امیر خسرو
شیخ کی غزل گوئی کی تعریف کر کے لکھتے ہیں،

لیک لگرسوی د گریازی دست شعر شان بہت بدان گونہ کہ بہت
خود شیخ کے زمان میں بھی اکثر لوگوں کا یہی خیال تھا، اور اسکا چرچا شیخ تک بھی
پہنچا، چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ شیخ اخلاق اور وعظات کے مضامین اچھے کہ سکتے ہیں لیکن
رمزم کے مردمیدان نہیں،

کہ فکر شیخ بیخ است و راٹش بلند درین شیوه زہر و طلامات و پند
ند رخشت و گوپاں و گرزگران کہ این کار ختم احت بعو د گیران
شیخ کو یہ رای ناگوار گزری، ایک رزمیداستان لکھکر بوتان میں شامل کی،
جس میں بہت کچھ ذریعہ دکھایا، نظامی کے خاص خصوصیات میں اور اشعار کا
جواب بھی لکھا اور ان سے ٹرھا و نیا چاہا مختلط اقتضامی کا شعر تھا،
کمن اڑ دہائے مسلسل شیخ دہن باز کر دہ بہ تاراج گنج

مشخ اس تشبیہ کو زیادہ صفات اور صورت ناگرتے ہیں،

بصید شہر بران پر خاش ساز مکند اڑ دہائے دہن کردہ باز
 لیکن انصاف یہ ہر کہ مشخ سے یہ کمان زہ نہیں ہو سکی دو چار قدم تن کرا دا کلک
 چلتے ہیں لیکن بھر طبعی بڑھلپے کے ضعفہ سے دفعہ جھک جاتے ہیں، رزم کا آغاز کس
 زد رو شور سے کیا ہو
 ع بر انگتھم گرد یہجا چودود،
 لیکن دوسرے ہی قدم میں لٹا کھڑا کر گرتے ہیں،
 ع چود دلت نہ باشد تھو رچہ سود،
 با اینہمہ چونکہ مشخ کا یہ بھی ایک کا زناہم ہے، ہم اس رزمیہ کی چند اشعار نقل
 کرتے ہیں،

ہاندم ک دیدیم گرد سپاہ	زره جامہ کردیم و مغفر کلاہ
چوباران پلاک فروخیتم	چوباران پلاک فروخیتم
دو شکر بھم برز دندان زمیں	تو گفتی زدن دا آسان بر زمیں
زبرگو شہ برحاست طوفان مرگ	زبرگو شہ برحاست طوفان مرگ
بصید شہر بران پر خاش ساز	مکند اڑ دہائے دہن کردہ باز
زمیں آسان شد زگر دکبود	چوانجم در و بر ق دشمنی دخود
غرض نہ انکایر دعوی مسلم ہے کہ وہ دزرم میں فرد و کسی اور نظمی کے دوش پوش	

چل سکتے ہیں، اذ امیر خسر وغیرہ کی یہ رائے صحیح ہر کو وہ غزل کے سوا اور کچھ نہیں لکھ سکتے
قصائد اور مثنوی یہیں اُن کی بلند پانگی سے کون انکار کر سکتا ہے،

ایران میں شاعری کو تین سو برس گذر چکے تھے لیکن شاعری اب تک اصلی جادہ پر
نہیں آئی تھی، شاعری کی اصلی حقیقت یہ ہر کہ شاعر کے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہنڑا اور
وہ اس جذبہ کو اُسی جوش و خروش سے ادا کرتے جس جوش سے وہ پیدا ہوا تھا، فردوسی
الظایی، فرمی، انوری کی کمال شاعری یہیں کسکو کلام ہے لیکن ان میں سے اپنے
دل کے جذبات کئے لکھے؟ فردوسی قدرتی شاعر ہے، ایسے وہ غیر دن کے جذبات
بھی اسی طرح ادا کرتا ہے کہ گویا خود اسکے دل سے اُٹھے ہیں، عرب کی تحریر اور طعن کے
وقت وہ خود یزدگرد بنجاتا ہے، سہرا ب کی ماں کا نوحہ اس درود سے لکھا ہر کہ گویا اسکو
سہرا ب کی ماں کی زبان ہات آگئی ہے لیکن فرض کرو یہ واقعات خود فردوسی پر پیش
ہتے تو کیا ان شعلوں کی شر رفتالی اور نہ بڑھاتی، مدحیہ قصائد تو بالکل ہی تصنیع اور آورو
تھی غزل بھی اسوقت تک گویا قصیدہ ہی کی ایک دوسری صوت تھی، محبت عشق
کے جذبات اس میں ادا نہیں کیے جاتے تھے، بلکہ جس طرح مدحیہ قصائد میں مدوح کی
شجاعت و قدرت، جود و عینی، تلوار اور گھوڑے کی محکتے تھے، غزل میں عشق و
کے حسن اور اعضائے اوصاف بیان کرتے تھے،

شیخ پبلان شخص ہے جس نے شاعری کا صحیح استعمال کیا، تفصیل اس کی
حسب ذیل ہے،

رسیج بڑی چیز جو شیخ کی خوبی میں شاعری میں ہے آزادی ہے، عرب کی شاعری
کی اصلی وجہی تھی، جو مجھ میں آگر گم ہو گئی تھی، عرب کے شعر اسلامیں اور امراء کے متعلق
ہر قسم کے خیالات نہایت آزادی سے ادا کرتے تھے متبہنی سیف الدولہ کی میں لکھ کر
لے جاتا ہے اور ساتھ ہی نہایت گستاخی اور بیباکی سے اسکو صلوٰتین مُسناتا جاتا ہے،
فردوسی نے بھی محمد کی جان خراش ہجوں لکھی، لیکن رود در و نہیں بلکہ چوری سے اور
پھر تمام عمر بھاگتا پھر، شیخ کو کئی دربار دن سے تعلق رہا، ابو بکر سعد زنگی اسکا خاص مددوچ
اور آقا تھا انکیاں نوجوانان آتابک کے خانہ کے بعد ہلاکو خان کے جانشین کی طرف سے
شیراز کا گورنر تھا اس سے بھی شیخ کو تعلق رکھنا پڑتا تھا ان سب کے مقابلہ میں اُس نے
اپنی آزادی قائم کی، ابو بکر بن سعد نے ہلاکو خان کے اطاعت قبول کر لی تھی یا اسکے
کر جب ہلاکو خان نے بغداد پر چڑھائی کی تو ابو بکر نے اپنے بیٹے سعد کو فوج دیکھ رعانت کے
لیے بھیجا اور جب بغداد تاریج ہوا تو ابو بکر نے مبارکباد کی یہ سفارت بھیجی، با اینہمہ
شیخ نے بغداد کی تباہی اور خلیفہ مستعصم بالله کے قتل کا مرثیہ لکھا اور اس قدر پر اثر
لکھا کہ لوگوں کے دل ہل گئے، یہ مرثیہ در حقیقت ابو بکر بن سعد زنگی کی ہجوں تھی کہ اس نے اسلام
کی تباہی اور بر بادی میں ہلاکو خان کا ساتھ دیا، شیخ نے اس مرثیہ میں ابو بکر کا بغی کر لیا اور
ہجوم شیخ کے طور پر درج کے پیرا یہ میں چوت کی،

آنکاہ اخلاص پسندیدہ ست و اوصافش گرین خسر و صاحبقران غوث زمان بو بکر سعد مصلحت بود اختیار ای روش نین اد	زیر دستان رکن گفتون نشاید جز چنین
--	-----------------------------------

نی ابوبکرنے جوہا کو مدد دی تو اس میں کچھ مصلحت ہوگی۔

انکیاں نو کی بح میں شیخ کے متعدد تصصیدے ہیں، لیکن ہر تصصیدہ یہ نہایت بیری سے اُسکو نصیحت کی ہے اور صاف کہدیا کہ جبکو دبار کی طبع نہیں وہ دنیا میں کیستہ نہیں ڈر سکتا۔

حق نہایہ گفتہن ال آشکار	سعدیا چند انکہ مید انی بگو
از خطہ باکش نہاشد وز تار	ہر کہ راخوف و طبع در باز نیست
انکیاں نو ضر و عالی تبار	خسر و عادل امیز نا مور
کہ پیش بح گویند از تقفا و م	ایک اور تصصیدہ میں لکھتے ہیں،

پسدار عراق و ترک و دیلم	حرامش بادملک باد مشا، ہی
الاگر ہوشیاری بشنو از عم	جهان سالار عادل انکیاں نو
سخن ملکے است سعدی را مسلم	چینن پنداز پر نشینیده باشی
بوستان میں لکھتے ہیں	نہ ہر کس حق تو انگفتگ تار

چوتیفت بہت است فتح مکن	دلیر آمدی سعدیا در سخن
نہ رشوت ستانی و نہ رشوہ وہ	بگو اپنے دانی کہ حق گفستہ
طبع بندو دفتر ز حکمت بشوے	طبع بندو دفتر ز حکمت بشوے
اس زمانہ میں شاعری کا بڑا حصہ ملک و ملکی اور شعر اسی کے ذریعہ سے ببر کرتے تھے	

شاعری کی بڑی اصلاح یقینی کر شاعری کے چھوٹے یہ دار غمانا دیا جائے شیخ نے یہ
فرض نہایت نفس کشی کے ساتھ ادا کیا، وہ تنگ حال اور مغلس تھا، لوگ اسکو تر غیب
دیکھتے کہ مدحیہ قصائد لکھو تو اچھی طرح بسر ہو گی، وہ جواب دیتا تھا کہ آزاد گردان کسی
کے آگے جھک نہیں سکتی،

سختی مبرکہ وجہ کفاافت معین است	گویند سعد یا بچہ بطال ماندہ
صاحب ہنر کے مال من ار و تفابن است	یچوند اگر مدح کرنی کامران شوی
چون کام در دستان نہیں کلام دشمن است	بی ز رسیر تنشود کام در دستان
یکم غ را کر قاف فناعث لشیمن است	تمکے مثل پر گرس مودار خور دہند
حاجت بر م کر فعل گدا ماین خرمن است	از من نیا میلین کر دیتھان کد خدا

عرب میں میح کے یعنی تھے کہ شاعر جس شخص کا ممنون ہوتا تھا یا جو شخص قوم میں
قابل مح کرتا تھا، شاعر اس کا انہما کرتا تھا، لیکن صدیہ اور انعام ہر اسکو کچھ وہ طے ہوتا تھا
زہیر بن ابی سلمے جب ہرم بن شان کے دربار میں گیا اور ہرم کو سلام کیا تو ہرم نے
حکم دیا کہ زہیر جب دربار میں آئے اور سلام کرے تو اسکو صدیہ دیا جائے اسکے بعد سے زہیر
کا معمول ہو گیا کہ جب دربار میں جاتا تو کہتا کہ تمام مجھ کو سلام کرتا ہوں لیکن ہرم کو نہیں،
عرب میں سب سے پہلا جس شاعر نے قصیدہ پر صدیہ لیا وہ نالبغہ ذبیانی تھا، عرب شیخ نے اسکو نہایت
حقارت کی نگاہ سے دیکھا،

شیخ نے مدحیہ قصائد کو عرب کے قدیم انداز پر لانا چاہا اس نے سلاطین و امراء کی

ج میں بہت سے قصیدے لکھے ہیں لیکن اُنکے صحیح اوصاف بیان کرتا ہے اور مبالغہ آمیز
یالات جو مدحیہ قصائد کے عضوین داخل ہو گئے تھے ان کو تقویتاً تاہم، مثلاً قصیدہ کے
امیر مدنو ح کو یون دعا دیتے تھے کہ لاکھوں کروڑوں برس زندہ رہے، یہاں تک کہ
رز اغاب نے قصہ ہی فیصل کر دیا، اع تاخدا باشد بہادر شاہ باد
شیخ نہار برس کی دعا دینے پر بھی راضی نہیں۔

ہزار سال نگویم بقاء عمر تو باد کہ این مبالغہ دائمِ عقل نشان رہی
میں سعادت توفیق بر مزیت باد کہ حق گزاری و ناجحت کسے نیاز اری
کا ہد اپنچ نوشۂ است عمر و نفر اید پس انجیھ فائدہ گفتون کہ تا جھشربپاۓ
مدوح کو عموماً ابر گھر فشان اور دریا می بیکران کہا کرتے تھے، شیخ کہتا ہے،
اکولت چوز بان آوران زنگ آمیز کہ اب رمشک فشانی و بھرگو ہزر اے
ایک اور قصیدہ میں لکھتے ہیں،
ان میں غلط نہ پسند مزم زدای رشون خوش کہ دست و طبع تو گویم یہ بھرو کان ماند
یہ انوری کے اس شعر پر تعریض ہے،
گر دل بھرو دست کان باشد دل دست خدا مگان باشد
عبدالدین رومی کی بحی میں کہتے ہیں،

ملکوست پتکلف فلان دلت و دین پسر مجذوب معاملے جہان داش و داد
نو اچہ سال الدین محمد اور علاء الدین کا تمام دنیا سے اسلام پر احسان تھا تا تاریخ کے

آشوب ناک زمانہ میں اسلام کی جو کچھ حالت قائم رکھی وہ انہی بجا ہیونکی بدولت تھی اس لیے
شیخ ان دونوں بجا ہیونکی سچ نہایت اخلاص سے کرتا ہے، لیکن بالکل اسی طرح جس طرح
آج کسی گورنر یا حاکم صوبہ کو سچا سپا سامنہ پیش کیا جاتا ہے، مثلًا خواجہ علاء الدین کی سچ
تین کہتا ہے،

خدا ی خواست کہ ہلام در حمایت او	ز شیر حادثہ در بارہ امان ماند
و گرنہ فتنہ چنان کردہ بود دنال تشر	ک زین دیار نہ مرغ و نہ آشیان ماند
تو آن جو اذ زمانی کڑا خدمت حامم زن	درت په شرب شیوه ن کار دان ماند

(۲) شیخ کی شاعری عموماً جنگ بات سے بزری ہے، وہ شاعری کی کسی صفت کو رسم
او ر تعلیید کی جیشیت سے نہیں بر تنا، وہ جانتا ہے کہ شاعری کا اصلی عنصر جنگ بات ہیں اسلیکر وہ
اسی وقت شعر کرتا ہے، جب اسکے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے، غزل اوقت تک محض
معشوق کی ماحی تھی شیخ نے اس میں عشق کے اصلی جذبات ادا کیے، جن لوگوں کا اس نے
عترتیہ لکھا وہ لوگ تھے جنکے مرنسے کر اسکو سخت صدمہ پوچھا تھا، اخلاقی مضامیں بھی وہ اسی
وقت ادا کرتا ہے جب کسی موثر واقعہ کے پیش آجائے سے خود اسکو دل پر سخت اثر پڑتا ہے مثلًا

تمہرے بلزد چویا دا آور م	مناجات شور بیدہ در حرم
یکم رو زبر بندہ دل ایسو خست	کمی گفت و فرماندہش می فرخوت
مراستہ در دل آمد بر من	ک پاک است و خرم بہشت برین
دران جائے پا کان اُمیدوار	گل آلو دہ معصیت راچھے کار

امراز میں سے اسکو سبکے زیادہ محمد بن ابی بکر بن سعد زنگی سے محبت تھی، وہ نہایت ہنر و رشوت و شان کا شہزادہ تھا، وہ سفر میں تھا کہ باپ کی مرض ایک موت کی خبر سنی ضطراً بدر سرگی کی حالت میں شیراز کو روانہ ہوا، لیکن راہ میں قضا کر گیا، چونکہ وہ ولیعهد تھا پہ لوگ منتظر تھے کہ وہ آکر تخت و تاج کا مالک ہو گا، اس بنا پر اسکے مرنے کا عام ماتم دار شیخ کو بھی سخت صدمہ ہوا، اسی حالت میں مرثیہ لکھا جس کے ہر شعر سے خون جگر کی وآلی ہے،

بزرگان چشم و دل درانتظارند	عذیزان وقت و ساعت می شمارند
غلامان دُرزوگو ہرمی فشاںند	کینزان دست و ساعت من گارند
ملک خان و سیاق بدر و ترخان	بڑہواران تمازی بر سوارند
کرشاہنشاہ عادل سعد بو بکر	بڑیوال شہنشاہی در آرند
حرم شادی کنان برباقی ایوان	کمردارید بر تا جش سبارند
امید تاج و تخت خسرد می بود	بیان ازین غافل کہ تابوت ش در آرند
چه خد پاکیزہ رویان حرم را	کہ بر سر کاہ و بر زید و غیارند
نمی داخم حدیث نامر چون است	ہمی داعم کر عنوانش بر خون است
(۳) اوقت تک هر شیئ کا عام اندازی تھا کہ شخص کا مرضیہ لکھتے تھے قومی یا ملکی مرضیہ کی مطلق روایت تھا، شیخ ہلا شخص ہے جو سنتی قوم اور ملک کا مرضیہ لکھا عبا رسیون کی مسلطنت گواب پر لئے نام بگئی تھی پھر بھی پانچ سو برائی کی اسلامی یادگار تھی اور بغدا دن تمام	اسلام

اسلامی دنیا کا مرکز تھا، اسیلے اسکا مٹنا قوم کا مٹنا تھا، شیخ نے اس بناء پر خلیفہ اور بیاندار اور سلطنت کا مرثیہ لکھا اور جس دل سے لکھا اس کا اندازہ ان اشعار سے خود کر سکتے ہوں۔

برزو والِ ملک مستنصر مسید المؤمنین

آسمان را حق بو دگر خون ببارد بر زمین
لے محمد اگر قیامت سر بردن آری زخاک
ناز نیمان حرم راموج خون بسید رفع
دیدہ بردارے کدیدی خوکت بیت الحرام
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ
باش تا فردا پیمنی روز دا بدو رستمیز
ال احالم اور سرسری خصوصیات کے بعد یعنی ان اذاع شاعری سے مفصل بجھت کرئیں
بین جنکو شیخ نے ترقی دی یا اسکارگ بدل دیا،

اخلاقی شاعری (۲) اخلاقی شاعری شیخ سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، حکیم سنائی خیام، اوحدی، عطار، نے اس زمین کو آسمان تک پہنچا دیا تھا، تاہم شیخ نے اس آسمان کو اور بلند کر دیا، اخلاقی شاعری پر دو حیثیتوں سے نظر ڈالی جا سکتی ہے،
وہ کس قسم کے اخلاق کی تعلیم کی، اور ان میں کس حد تک فلسفیت اور نکتہ سنجی پائی جاتی ہے،

له دیغھو مستنصر کے مرلنے کا رنج نہیں کرتا بلکہ کسکے زوال کا رنج کرتا ہوا اور انھیں باقون کا ذکر کرتا ہو جن سے عام قوم کو تعلق ہے،

(۲) فلسفہ اخلاق کو کس طرح شاعر اد پیرا یہ میں ادا کیا، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حنلاقی سائل اگر محض سادہ طریقہ پر نظم میں ادا کر دیے جائیں تو وہ فلسفہ ہو گا شاعری نہوگی، شیخ نے اخلاقی عنوان جو اختیار کیے وہ حسب ذیل ہیں،
عدل و تدبیر، احسان عام، عشق و محبت، تو اضع، رضا بالقضایا، قناعت اور بیت
شکر، تو بہ، مناجات،

عدل: تدبیر اسل میں پائیں کس اور سیاست سے تعاقب رکھتے ہیں لیکن چونکہ ان کو اخلاق سے
نہایت قومی تعاقب ہو، شیخ نے اسکو بھی اخلاق میں شامل کر لیا، ایشیائی ملکوں میں سلطنت کی
بیانیاد با دشاد پر قائم ہوتی ہے اور وہ حاکم علی الاطلاق سمجھا جاتا ہے، اگر وہ عدالت انصاف
کے لئے تو اُس کی عنایت ہوا درد کرے تو اسکو کوئی بُک نہیں سکتا،

اگر شہزادہ اگر یہ شب است این بباید گفت اینک مادہ پرین
لیکن شیخ نے مختلف حکایتوں کے پیرا یہ میں بتایا کہ ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ
با دشاد پر نکتہ چینی کا حق ہے، شیخ نے آزادانہ اعتراض کو جس پیرا یہ میں دا کیا، آزادی بیا کی
در جانبازی کی اس سے ٹبر حکلہ تعلیم نہیں ہو سکتی،

ایک ظالم بادشاہ کی حکایت لکھی ہو کر کہ لوگوں کے جانور زبردستی کیڑا کر ان سے کام لیتا تھا
آتفاق سے ایک لشکار کے عیچے فوج کا ساتھ چھوٹ گیا اور ایک گاڑا نے میں بابر کرنی پڑی
یہ شخص کو دیکھا کر اپنے گھٹے کو اس طرح مار رہا ہو کر اسکے ہات پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں
بادشاہ نے روکا، ان کیہماں میں اسیلے اسکو بیکار کیے دیتا ہوں کہ ہاتھ ملک کا بادشاہ

بیگنار میں نہ پکڑتے، یہ کمکر بادشاہ کو خوب سبرا بھلا کھا۔ صحیح کو اہل فوج ڈھونڈتے ڈھونڈتے
گاؤں میں پہنچنے اور بادشاہ تخت گاہ میں واپس آیا، یہاں پہنچا کر انہیں شخص کو کپڑا بایا اور
رات کی گستاخی کی سزا دینی چاہی، اُسنے کہا،

د تہامن لغتم اے شہر یار کے گرشته بختی و بدروز گار

چ رخشم بر من گرفتی د بس منت پیش لغتم ہمہ خلق پس

یعنی مجھی پر کیوں غصہ ہو، تجھکو تو سب گرا کتے ہیں، فرق یہ ہے، کہ لوگ یقین پر گرا کتے ہیں،
میں سانے کہا،

چو بسید او گردی تو قع مداو کہ نامت پنیکی رو د در دیار

ت را چارہ از ظلم پر گشتمن است نہ بچارہ بے گنہ کشتمن است

یعنی تجویہ مناسب ہو کہ ظلم سے باز ائمہ یہ نہیں کہ ایک بیگناہ کو قتل کرتے،

زنامر بالی کہ در د در تست ہمہ عالم آوازہ جو رت

عجب کر منت بر دل مددشت گوش گر تو ای ہمہ خلق کشت

بدان کے ستودہ شود بادشاہ کو خلق شستہ تایند در بار گاہ

چ سود آفرین بر سر انجمن پس پر ده نفرین کنان ہر دوزن

ہمی گفت دشمنی برالاں سر پس کر ده جان پیش تیرت در

ایک اور حکایت لکھی ہو کہ ایک در دیش کی حق گوئی سے بادشاہ نارانش ہلو اور اسکو قیدی

کر دیا، اُسکے دوستون نے سمجھا یا کہ بادشاہ کے سامنے یہ آزادی خلاف مصلحت تھی، در دیش

نے جا ب دیا،

رسانیدن امر حق طاعت است نزد ان در ترکم که یک ساعت است
کسی نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی، بولا کہ یہ آں کی حاقت ہے ایک ساعت نہیں تمام عمر
اُسکو قید خانہ میں رہنا ہو گا، درویش نے کہا،

کہ دنیا ہمی سلعت بیش نیست غم و خرمی پیش درویش نیست
بادشاہ نے حکم دیا کہ آں کی زبان گتی سے کھینچ لیجائے، درویش نے کہا مجھ کو اس کی بھی
پرواہ نہیں، مجھوں سے کہنا سنا ہے وہ بولے بغیر میری بات سمجھ سکتا ہے،
من از بیز بالی ندارم غمے کہ داغم کہ ناگفتہ داند ہے
اس قسم کی متعدد حکایتیں نہایت پرا فطر طریقے سے لکھی ہیں جن سے اسنے اپنے نام
ابناے زمانہ کے خلاف لوگونکو آزادی اور بیباکانہ حق گوئی کی تعلیم دی ہے اور جب یہ
ثابت ہوتا ہو کہ شیخ کا یہ قول نتھا بلکہ عمل بھی تھا تو اس کی تعلیم کا دل پر نہایت قوی اثر
ہوتا ہے، شیخ نے یہ بھی بتایا کہ ملک کی آمدی میں بادشاہ کا صرف احقد حق ہو کہ لقد ضرورت
اس سرتست اٹھاء، اس سے زیادہ اسکو کوئی حق نہیں، ایک سادہ وضع بادشاہ کی حکایت
لکھی ہو کہ کسی نے اس کو کہ حصہ باری چینی کی قیازیب تن فرماتے تو زیادہ موزون
تھا، بادشاہ نے کہا،

نہ از بیز آن می ستانم خراج کہ زینت کتم بر خود تخت دنال
مرا بہرہ زندگو نہ آزد ہوا است ولیکن نہ تنہا خربہ صراحت است

خداون پر از بہر شکر بود
نہ از بسرا آئین وزیر بود
چودشمن خیر دستا لی برد
ملک باج و دُلہ یک چرامی خورد
یہ خود شیخ کے خیالات ہیں لیکن بلاغت کے اصول کے لحاظ سے بادشاہ کی زبان سے
ادا کیا ہے کہ بادشاہوں پر اسکا اثر زیادہ ہو گا،

احسان عام احسان کا مضمون ایشیا کا مرغوب عام مضمون ہے اور شیخ نے اس مضمون کو
اُسی عام طریقہ پر لکھا ہے جو ایشیائی طبائع کا عام انداز ہے، حاتم طائی کی فیاضیوں کی جھوٹی
حکایتیں ٹبری آب و قاب سے لکھی ہیں اور یہ نجھے،

بیباہ ملک فناعت کہ در در رکشی ز قصہ ہا کہ بہت فروش طے پتند
یہ بھی پڑائیت کی ہے کہ مستحق اور غیر مستحق کی تمیز کی کوئی عذر و رضا نہیں
گریہ بر سر بند احسان مزن کہ این کرو شید است آن زرق دفن
اخیر میں بُراؤں کو کہیے تفریق کی ہے کہ ظالمون کے ساتھ احسان کرنا چاہیے، تاہم اس باب
میں بھی شیخ نے بعض نکتے اپنی زمانہ کے عام سطح سے بالا لٹکھے ہیں، مثلاً دیندار دن کے
نزر یک محسن اخلاق حس قدر میں شلائے عفو حلم، مردت، جود و کرم سب مسلمانوں کے ساتھ
محض عرض ہیں غیر مذہب والوں کے ساتھ عموماً اشد علی الکفار کا برداز کرنا چاہیئے، لیکن
شیخ کے احسان عام کا بادل، ویرانہ و چیز دنوں پر کیسان برستا ہے،

اُستے ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک گاہر مون سمجھ کر
لے وہ مخصوص جبکو عربی میں عشر کہتے ہیں، یعنی آمد فی کا دعوان حفظہ،

ان کیا، جب اسکا گبر ہونا ظاہر ہوا تو دستِ خوان پرستے اٹھا دیا اپر وحی آئی کہ
 نش شادہ صد سالِ ذہنی جان ترانفرت آمد از دیک زمان
 نی میئے تو اسکو سو برس تک کھلا یا پلایا، تم دم بھر بھی اسکے ساتھ لبرنڈ کر کے،
 شق شخ کے زمانہ میں مسلمانوں کی قوتون میں یک نختہ ال آچکا تھا، اسی عشق و محبتِ عشق
 لے سوا اور کیا کام باقی رہا تھا، شخ نے عامِ مذاق کے لحاظ سے اس راگ کا چھپڑنا بھی
 مروری بھجا اور اپنے دنست میں اسین بھی ہصلاح کی، یعنی عشقِ جمازی کو بردا کہا اور عشق
 حقیقت کے محسن بیان کیے ہیں لیکن سچ یہ ہر کہ اگر ایک خلاقی کتاب سری سے اس فتنہ انگیز
 صنمون سے پاک رہتی توبت اچھا ہوتا
 ع اہل ز کامِ را مدد این گل کہ بولنندہ،
 تفناعت تو واضح اور رضا وغیرہ کو جا دو اثر طریقہ سے بیان کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہر کان اتفاق
 مصنا میں کے بار بار اعادہ کرنے سے قوم میں افسردگی، بیکاری، پست ہتھی، پیدا
 ہوتی ہے اسیلے یہ مصنا میں ہمارے اخلاقی دفتر سے چند روکے یہے نکال دینے کے
 قابل ہیں،

تفناعت بظاہر پست ہتھی کا دوسرا نام ہے، اور اس میں شکنہ میں کرنفناع کے
 جو غلط معنی عموماً اعلماً اور زہادنے والوں میں بھاگ دیے ہیں ان اُن قوم کے بايعن بنانے میں
 بہت مددی ہے، لیکن انھوں نے یہ ہر کہ شخ نے تفناعت کے جو معنی قرار دیے وہ انسان کی
 توده را میں اور عزت نفس کا حصہ ضروری مرحلہ ہے، ایشیائی حکومتوں میں ہر قسم کی بہنوں

انلاق مثلاً خوشاد، ذات نفس، نفاق، دیا، زماذ سازی صرف سوجه کر پیدا ہوتے ہیں
کہ ان باتوں کے بغیر کوئی شخص دولت و رعzaت نہیں حاصل کر سکتا، اسیلے دولت و رعzaت
کی پرواز کرنا ان عیوب سے بچنے کا سبب پھلا مرحلہ ہے، شخ اسی بناء پر قناعت کی تعلیم
دیتا ہے،

<p>قناعت کن لے نفس بر اندر کے کہ سلطان و درویش میں کیے چوکیسو نہادی طمع، خسر وی درخانہ این و آن قبلہ کن سر پر طمع بر نیا یہ ز دو شش نباید کپس عبد و چاکر نوشت اگر ہو شمندی، عزیز ش بدار لکن بہرقالی، زین بوس کس چوبینی کہ از سعی باز و خورم</p>	<p>چرا پیش سلطان بہ خواشی وی و گر خود پرستی شکم طبلہ کن قناعت سفر فراز دای مرد ہوش کے را کہ درج طمع در نوشت کند مرور نفس آمارہ خوار گر آزادہ بزرگین خپ و بس یعنی اگر تم قناعت اختیار کر دے گے تو تمکو بادشاہ اور فقیر کیسان نظر آئے گے، تم بادشاہ کے آگے کیون سر جھکاتے ہو، طمع چھوڑ و تم خود بادشاہ ہو، جو شخص طمع چھوڑ دیگا وہ اپنے آپ کو غلام اور خانہ زاد نہیں لکھ سکتا، نفس آمارہ انسان کو ذلیل کرتا ہے، اگر تمکو عقل ہو تو تم نفس کی عزت کرو، تم کو زین پر پر کر سورہ بنا چاہیے، لیکن قالین کریے کسی کے آگے زمیں نہیں چونی چاہیے، اس سے بڑھ کر کیا شریفانہ تعلیم ہو سکتی ہے،</p>
---	--

اس سے ظاہر ہے کہ اگر عزت نفس کے قائم رہنے کی ساتھ دولت، وثر و ستم،
نام و نمود، جاہ و اعزاز حاصل ہو سکتا ہو تو شیخ اس سے باز رہنے کی تعلیم
نہیں دیتا،

ایک حکایت میں شیخ نے اس نکتہ کو صاف اور واضح کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ اب
بھروسہ کو توکل پر ترجیح ہے، حکایت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک لوٹری کو دیکھا جسکے احتیاط پاؤں
کئے ہوئے تھے اسکو تعجب ہوا کہ یہ کھاتی پیتی کہاں سے ہے؟؟ الفاق سے ایک شیر آنکھا
اس کے سینہ میں نہ کار تھا، جیب وہ کھا کر جلا گیا تو لوٹری نے اس کا بچا ہوا جھوٹا کھالیا، یہ دیکھ کر
اس شخص کو خیال ہوا کہ بات پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں، میں بھی اسی طرح پاشکستہ بنکر
بیٹھ دیوں، خدا کہاں سے روزی بچید گیا، لیکن کئی دن گزر گئے یہ یون ہی فاتتے کیا
کیے، آخر ہلکت غیب پکارا،

برو شیر غرندہ باش اے وغل مپنڈار خود را چور و باہشل

یعنی شیر ہو کر لوٹری کیوں بنتے ہو،

پہ چنگا رہ بادیگران نوش کن نہ بہ فضلہ دیگران نوش کن

چومردان بترن رنج و حشمت سان خشن شاخور و دست درن کسان

گیئرے جوان دست دریش پیر ن خود را بیفگن کہ دتمگم بیسیر

تو بیسیت، تربیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور بھیت سنتے ایسے لکھے ہیں جو اس زمانی کی تربیت
قطع سے بالا تر ہیں، مثلاً قدیم تربیت میں رُکون کو زجر و توبخ بلکہ جماں نی سزادی نی ایک

ضد ری چیز تھی، اور آج تک وہ خیال قائم ہے بخود شیخ نے ایک معلم کی زبان کو کہا ہے

ع جو راستا دہ ز میر پر،

لیکن شیخ کی خود تعلیم یہ ہے،

نوا موز را ذکر دشیں و زہ تقریب

صنعت و حرفت کی تعلیم، امر اسکے بچوں کے لیے بھی لازمی قرار دی ہے حالانکہ آج
یورپ کی مثالیں دیکھ کر بھی ہم اون چیزوں کو بات نہیں لگاتے،

بیاموز پر دردہ را دست صفت رنج دگر دست داری چوقارون گنج

بپایان رسک دیئہ سیم وزر گرد دستی کیسہ پیشہ و ر

چہ دانی کہ گردیدن روزگار بغربت گرداندش در دیار

چوب پیشہ باشدش پتسر کجادست حاجت بر دیش کس

عام خیال یہ ہو کہ بچوں کو کم درجہ کی فوراً کا در موٹا جھوٹا کپڑا پہنانا چاہیتا کہ آرام طلب اور
عیش پسند نہ جائیں، لیکن شیخ فرماتے ہیں،

پسر انکو دار و راحت رسان کچپش نامند بر دست کسان

یعنی پچے کو سر د سامان سے رکھنا چاہیتا کہ ایسے بند نظری پیدا ہو اور لوگوں کی طرف
اس کی نگاہیں حسرت سے نہ اٹھیں،

اس زمانہ میں امر در پرستی کا عام مرض پھیلا ہوا تھا، عوالمیہ و رہل نظر سکونت حقیقت
کی نیز لا دین قرار دیتے تھے، اور رباب ذوق کے لیے تفریح خاطر کا اسکے سوا کوئی سامان

ن تھا شیخ چونکہ اس سانپ کو کھلا بچا تھا، اس کی مضر توں سے خوبی اقت تھا، اسیلے
انے نہایت سختی سے اس کی برا بیان بیان کیں،

سرزاد مغز دست از درم کن تی چو خاطر بفرزند مردم ننی
لکن بد به فرزند مردم نگاہ کے فرزند خوشیت برآید تباہ
صوفیہ کا پردہ کھلتے ہیں،

گرد ہے لشیند با خوش پسر کہا پاک بازیم دا ہل نظر
زمن پرس فرسودہ روزگار کہ بر سفرہ حسرت خور دروزہ دا
ازان برگ خرماخور د گو سفند کے قفل است بُرنگ خرماد بند
صوفیوں کے اس دعویٰ کو کہ جمال سر ہکو صفت ایزدی کا مطالعہ مقصوہ ہو ہر طرح دیکھتے ہیں

چرا طفل یک روزہ ہوش نہ برد کہ در صنع دیدن چہ بانخ چہ خرد
حقیق بہان مبیند اندر ابل کہ در خوبرویان چین د چکل
جنی الگ صفت ایزدی کا مطالعہ مقصوہ ہر تو وہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ میں نظر آتی ہے، خوش جمال
ور پر جمال کی کیا خصیص ہے، ایک بار یک بین کو اونٹ کے ناموزون ڈیل ڈول میں
غی وہی صفت کاریان او زکتہ آفرینیان نظر آتی ہے، جو چین اور چکل کے معشو قوئیں ہیں
شیخ حسن پرستی سے منع نہیں کرتا لیکن بتاتا ہو کہ اسکا صحیح مصنف کیا ہوا

زن خوب دخو شخچے آراستہ چہ ماند پر نادان نوخاستہ
درودم چو غنچہ دے ازو فا کہ از خنده افتاد چو گل بر قفا

خوابست کند سشا پد خا نکن برو خانہ آباد گردان بزن
 افسوس ہو کے عورتوں کا رتبہ شیخ کے زمانہ میں مردلوں کی بست کم سچا جاتا تھا، اسیلے جو لوگ اپنی
 بیوی سے زیادہ محبت رکھتے تھے زن پرست کہلاتے تھے اور لوگ ان کو طمع دیتے تھے

شیخ نے اگرچہ ان لوگوں کی طرف سے یہ مذمت کی ہے،

کسے را کہ بینی گرفتار زن مکن سعدیا طمعہ بر وی مژن

تو ہم جو بینی و بارش کشی اگر یک سبے در کرا رش کشی

زنان شیوخ و فرمانده و سرکشاند ولیکن ہر یہم کہ در بر خوش اندر

یلکن افسوس ہو کہ اس قدسی پیکر کی غرض دغا بیت لوگوں نے صرف نفس پر پن کم بھی یہ نہ کی
 کہ یعنی لطیف چہرہ کا نات کا آب و زنگا ہے،

شیخ نے عورتوں کے متعلق ایک اور بداشت کی ہو جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اس
 زمانہ کا معیار اخلاق کی قدر پست ہو گیا تھا،

زن نوکن لے دوست اور ہر بہا کہ تقویم پا رینہ نا پید بکار

یلکن اگر عورت بھی اس فلسفہ پر عمل کرے تو کیا جاوہ بیوگا؟

شیخ ہمہ ان مذہبی آدمی تھا، اسیلے اُسے تعلیم و اخلاق کی بنیاد بھی مذہب پر رکھی ہے
 مذہبی غلو میں حقیقت شناسی بست کم قائم رہتی ہے، فرض کرد ایک شہر میں پڑردن سجدین
 ہیں اور نازیوں کی ضرورت سے زیادہ ہیں، باوجود اسکے ایک شخص پھر نئی مسجد بنائے
 تو فرمبی دیجی اسکا حکم کو عبشا اور بینا نہ نہیں کہا سکتا، حالانکہ قرآن ولی امین یہ کام

علام نیز رد کر دیا جاتا تھا حضرت اعمر نے حکم بھیجا تھا کہ کسی شہر میں ریجسٹر کو فوجوں کے
ایک سکر زیادہ مسجد بننے پائے، ولیم نے جامع مسجد کی تعمیر میں شاہزادہ حوصلہ مندی
کی تو قوم نے علام نیز کہدا کہ بیت المال کا روپیہ اس طرح ضائع نہیں کیا جاسکتا،
فرض کر دیا کہ شہر میں بہت سی مسجدیں موجود ہیں، لیکن انگریزی تعلیم (جو تحسیل معاش
کا ذریعہ ہے) اسکا سامان بالکل نہ ہے، اب ایک شخص ایک مسجد اور دوسرا شخص انگریزی مدرس
بنائے تو تم کس کام کو ترقیح دو گے؟

شیخ کی نکتہ بخی پر حیرت ہوتی ہے جب نظر آتا ہے کہ وہ مذہبی جوش و غلو کے ساتھ
حقیقت شناسی سے کبھی الگ نہیں ہوتا، ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بادشاہ نے روزہ کھا
باورچی کی بیوی نے کہا سلطان کو اس روزہ سے کیا ثواب ہو گا کہ ہم سب بھوکے مرنگے؟
کہ سلطان ازین روزہ گئی چنوتا ہے کہ اس روزہ کو اس روزہ کی خود اپنی زبان سے کہتا ہے،
شیخ اس مسئلہ کو زیادہ روشن کرنے کے لیے خود اپنی زبان سے کہتا ہے،

خورندہ کہ خیرش برآید زوست	باز صاحم الدہر دنیا پرست
و گرہ پڑھا جت کہ زحمت بری	روزہ دار روزہ داشت
خیالات نادان خلوت نشین	بھم پر کندھا قبیت کفر و دین

ا) خیر شر میں کہتا ہے کہ سادہ دل خلوت نشین مذہب کو خراب کر دیتا ہے،
ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک روش نے حج کا سفر کیا اور سہر بر قدم پردہ دو کوئین نما

پڑھتا جاتا تھا، اس ریاضت شاہق پر اسکو دل میں غرور پیدا ہوا، ہائف غیرے آواز دی کر
ایک دل کو خوش کرنا نیزار رکعت سے بہتر ہو،

بہ احسانے آسودہ کر دل دلے باز الف رکعت بہ منزے

ریا کار عالمون کی قلعی سبے کھولی ہو لیکن صوفیہ کا گروہ کشیر جو ہمہ تن یا کار ہم زکمی نسبت
لیکور یا کاری کا گمان بھی شین ہوتا اور ہو بھی تو عالم کے ڈرسن ظاہر نہیں کر سکتا، لیکن اس
راز سے خوب واقف تھا، اسیلے اسے نہایت دلیری سے اس ٹلسکم کو تورا۔ غزوئین نہایت

لطیف پیر ایون میں اس مضمون کو ادا کیا ہوا

بروں نمیر و داز خالقہ کیے ہشیار کر پیش شخence گپویدک صوفیان متند

محتب در تقاضے رندان است غافل از صوفیان شاہد باز

بوستان میں ایک شخص کی زبان سے ان لوگوں کی پوری تصویر لکھی چکی ہے،

کر زہنارازین مردمان نخوش پلنگان درندہ صون پوش

کر چون گر بزرانو بھم بر زندند و گر صیدے افتاد چو سکت رجند

کر در خانہ مکرت روان یافت صید سوے مسجد آور وہ دکان شپد

بہ سالوس پہنان زراند و خته سپید و سیہ پارہ بر دوختہ

زہے جو فروشان گندم ناہ جہان گرد و سالوس فخر میں گرائے

مبین در عبادت کم پیزند و سست کر در قصص حالت جوانند و حببت

عصابی کلیم اندر بسیار خوار پڑھا ہر چین زر در درے دن زار

زندگی نہ بینی درایشا ان اثر
 بجز خواب پیشین دناں سر
 بے ہبڑی بات یہ ہو کہ شیخ نے اخلاق کی بنیاد پر تعصی پر قائم کی، اُس نے مختلف
 ریقون سے بے تعصی کی تعلیم دی ہو اور جو جایا ہے کہ تعصی کے ساتھ اخلاق کا طفیل
 رنمازک حاسہ قائم نہیں رہ سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک گرسے جو جرتا ہو کیا
 اس کی نسبت وحی کے ذریعہ سے انکو خدا نے تنبیہ کی کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں، اس حکایت
 شیخ کو یہ جتنا ناقاہ کہ معاشرت اور حسن اخلاق میں کافروں مسلم کی تمیز نہیں، شیخ عموماً بر
 ہب دملت کے بڑے لوگوں کا نام جب لیتا ہے تو ادب سے لیتا ہے، دار آتش پرست
 ماتا ہم شیخ کہتا ہے،

شنیدم کہ دارا می فرخ تبار زلشکر جدا ماند روز شکار
 شیر وان کے زمانہ میں پیدا ہونے پر رسول اللہ کا نازک رکن اثابت کرتا ہے،
 سزد گرد ورش بن ابازم چان کستیدہ دوران نہ شیر وان
 وہ سنی اور پکانی تھا (علی رحمہم انف قاضی نور اللہ) لیکن فردوسی کا نام (جو طبعاً شیعہ تھا) اطرح لیتا ہے،
 پر خوش گفت فردوسی پاک زاد کر رحمت بر آن تربت پاک باد
 یا آج کوئی روشن خیال سے روشنیاں سنی عالم، کسی شیعہ کی تربت کو پاک اور اُس کی
 بہت رحمت کی دعا کر سکتا ہے،

شیخ نے اگرچہ فلسفہ اخلاق، کو شاعرانہ انداز میں لکھا لیکن مسائل اخلاق کے متعلق بہت پاریک
 ایسے نازک، دقیق، اور طفیل دلائل اور وجہ بیان کیے کہ اخلاق کی فلسفیاً نہ

تصنیفات میں بھی نہیں مل سکتے، کبر، حسد، غیبت وغیرہ خبائث انسانی کی بُرا نیوں کے وجود، تمام کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن شیخ ان سبے الگ قیق باتیں پیدا کرتا ہوا بُدگوئی کی بُرا نی کی نسبت کرتا ہے،

بُداندرحق مردم نیک و بد مگوئے جوان مرد صاحب خود

کہ بد مرد خصم خود میکنی دگر نیک مرد است بد می کنی

یعنی بُدگوئی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جس کی بُدگوئی کر دے گے وہ صورت سے خالی نہیں، اگر وہ اچھا آدمی ہو، تو اچھے آدمی کو بُرا کہنا مناسب نہیں اور بُرا ہے تو بُرے آدمی کو اپنا شمن بنالینا اچھا نہیں، یہ ظاہر ہے کہ بُرا آدمی کسی کی شمنی کرتا ہو تو جائز نا جائز کی پرواہ نہیں کرتا اسیلے بُرے آدمی کو اپنا شمن بنانا اپنے آپ کو بلا میں پھنسانا ہو، یہ تَسیم درست دلال جبقدر فلسفیانہ ہو اسی قدر واقعی اور علی ہے،

یا مثلًا خاموشی کی خوبیان تما مر اخلاقی کتابوں میں مختلف طریقوں سے بیان کی

ہیں لیکن شیخ سبے الگ فلسفیانہ طریقہ سے اسکو ثابت کرتا ہے،

تراخامشی اے خداوند ہوش وقار است ونا اہل را پر دہ پوش

اگر عالم ہمیت خود مس بر دگر جاہلی پر دہ خود مر

یعنی خاموشی، عالم و جاہل دونوں کے لیے مفید ہو، عالم کا تو وقار ٹبرھتا ہے اور جاہل کا پردہ ڈھکا رہتا ہے،

یا مثلًا ادوسنکے اعتراض اور نکتہ چینی کا بُرانہ ماننا اور اسکو گواہا کرنا اسکو شیخ اس طرح

دلنشیں کرتا ہے،

گر آنی کہ دشمنت گو یہ مر نخ در آن نیتی گو، برو با دسخ
یعنی دو حال سے خالی نہیں، یا جو اعتراض دشمن کرتا ہے واقعی ہے تو واقعی اور سچی بات کا
بڑا ماننا کیا ہے اور رجھوٹ اور غلط کہتا ہے تو رجھوٹ بات کا کیا رخ، اسکو بکنے دو،
یامثلاً بد مزاج اور بد اخلاق زمیناً دی نسبت لکھتا ہے،

ذخور دا ز عبادت بر آن بخود کہ با حق نکو بود و با حلق بد
یعنی اس شخص نے عبادت کا پہل نہیں چکا جو خدا کے ساتھ بخلافی سے پیش آیا اور
مخالفات کے ساتھ براہی سے، یہاں یہ دقیق نکتہ بتایا ہے کہ کچھ خلق عابد جو عبادت کرتے ہیں،
اُنکی عبادت، ہصلی نیکی اور دل کے اقتدار سے نہیں ہوتی، بلکہ سزا اور حساب کے ڈر کر
ہوتی ہے، اسکا ثبوت یہ ہے کہ جس سرکان کو اس قسم کا اندازہ نہیں، (بندگان خدا سے)

اُس سے وہ کچھ اخلاقی اور بد مزاجی اور دل آزاری کا برداشت کرتے ہیں
شیخ نہایت سرسری اور عمولی واقعات سے جورات دل لوگوں کو پیش آتے رہتے
ہیں نہایت دقیق نکتہ پیدا کرتا ہے، مثلاً چھوٹے پکون کو لوگ میلے ٹھیک میں ساتھ لے جاتے ہیں
تو اسکے ہاتھ میں دام دی دیتے ہیں کہ ہجوم ہیں کہیں بک ن جائے، شیخ کو چپن میں نیچے اقمع
پیش آیا تھا،

شیخ نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا،
نهیے یاد دارم ز عہد صغیر کے عیدے برو ان آدم بادر

بیانی پیشخولی خرد م شدم
 در آشوب خلق از پدر گم شدم
 برآوردم از بیقراری خردش
 پدر ناگهانم بالسید گوش
 کل غم که دستت ز دامن مدار
 گفت که آخرت چندبار
 تو هم طفل راهی بسمی اے نیقر
 بر دامن نیک مردان لکیر
 یعنی شخص راه سلوک کی ابتدا می منزد و می هر و بچه بے اسلیه اسکو مرشد کار دامن
 نمین چھوڑنا چاہیے

تم نے دیکھا ہو کا کہ ملی اپنے فضله کو خاک میں چھپا دی تی ہر تم کو کچھ خیال بھی نہ آیا ہو گا
 لیکن شیخ اس بندل واقعہ سے کس قدر پراثر اخلاقی نتیجہ استنباط کرتا ہے۔
 پسید گندگر بہ برجای پاک چوڑش نما یہ پوشید پر خاک
 تو آزادی ازنا پسندیدہ ہا نہ ترسی کہ بر دمی فتد دیدہ ہا
 یعنی بائی کو اتنا خیال ہر کہ وہ اپنے فضله کو جو بناما عالم ہوتا ہے، چھپا دی تی ہر تم نہاروں
 برائیاں کرتے ہو اور لوگ دیکھتے ہیں اور تم کو شرم نہیں آتی،

ایک شخص کچھ میں لمحہ ایسا مسجد میں جانے لگا۔ مژون نے ڈانتا کر بخاست کے ساتھ
 ایسی پاک جگہ میں جاتا ہر شیخ پر اسکا اثر جو ہوا وہ یہ تھا،
 گل آسودہ راہ مسجد گرفت زنجت نگون طارع اندر شکافت
 یکے زجر کر دش که تبت یاداٹ
 مردانگی آسودہ در بجای پاک
 کر پاک است و خرم ہبشت برین

دران جامی پا کان امیدوار گل آلو ده معصیت راچہ کار
 بچپن میں شخ کے والے شخ کو انگوٹھی خرید کر دی کسی عیار نے مٹھائی کالا بچ دیا، انکو
 انگوٹھی کی کیا قدر تھی، مٹھائی لیکر انگوٹھی دیدی، یہ واقعے عموماً پیش آتے ہیں شخ
 اس سے کقدر عظیم اثاث نتیجہ پیدا کرتا ہے،

بدر کر دن اگہے کی مشتری	بشیرت نی از دستم انگریز
چون شناسد انگریز طفیل خود	بشیرت نی ازو می تو انند برد
تو یہم قیمت عمر فرشناختی	کہ در عیش شیرین بر انداختی

لطف د احسان کا اندر ایک مہموںی واقعہ سے اس طرح ثابت کر سکتے ہیں،

بڑہ برسیکے پیش آمد جوان	بہ تنگ در پیش گو سنند دوانی
بد گفتہم این رسیمان است و بند	کہی آیدا نہ رہ پیش گو سنند
سبک طوق و زنجیر از و باز کرد	چپ در است پوئیدن آغاز کرد
چباز آمد از عیش و خادی بجا می	هر دید و گفت لے خداوند را می
نہ این رسیمان می بر د بانش	کہ احسان کمند ریست در گروش

ایک درویش کو کتنے پاؤں ہیں کاٹ لیا، زخم کی تکلیف سے رات بھروسہ کر رہا کیا
 اُسکے ایک کسن لڑکی تھی، اُس نے کہا ابا! پھر اپنے کیوں نہیں کچ کر کاہا کہ برابر سر بر ہو جائے
 درویش نے کہا جان من! امیر دانت کتے کے قابل نتھے شخ اس کی نتیجہ نکال رہا ہے
 کہ قم کو اگر کوئی نااہل برا کئے اور قم بھی اسکو جبرا کھو تو اسکی بھی مثال ہو گی کہ اُد می کتے

کو کاٹنا چاہئے،

محال است اگر تبغ بر سر فورم
کہ دندان بپاے سگاندربم
تو ان کرد بانا کسان بد رگی
ولیکن نیا یہ ز مردم سگی
مشجع کی انتہا تو تخلیل کا اندازہ، ان فرضی حکایتوں سے ہو سکتا ہی مخفی بکی
تو تخلیل کا نتیجہ ہوتی ہیں اور جنکو وہ واقعیت اور حسن استدلال کا مجموعہ بنادیتا ہر مشلاً
یک قطرہ باران زا برسے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا یا بدید
گراو ہست، حقا کہ من نیستم
کہ جامی کہ دریاست من کیستم
چو خود را بچشم حقارت بدید
صدف درکنارش بجان پر درید
پھر شش بجائے رسانید کار
کہ شدن امور لو لو شاہوار
یعنی بادل سے ایک قطرہ پیکا، دریا کا پاٹ دیکھل کر شرمایا کہ اسکے آگے میری کیا حقیقت ہے
چونکہ نہ اپنے آپ کو حقیر سمجھا، سینے پے اسکو اپنی گود میں لیا، چند روز کے بعد دیکھا تو
وہی قطرہ گوہر شاہوار بتھا،
یا مشلاً مگلے خوبیوے در حام رو نے
قادارست محبوبے بدستم
کہ از بوی دل آویز تو مستم
ولیکن بد تے باگل نشتم
بگفتا ن ایل ناچیز بودم
جال تنشیں در من اثر کر د
یا مشلاً ز دم تیشرے یک روز بترل خاک

کہ چشم و بنا گوش دردیست دسر
یعنی مین نے ایک دن ایک خاک کے ٹیکہ پر چھا دڑا مارا، اُس سے آواز آئی کہ میان
اگر تم میں آدمیست اور غیرت ہے تو ذرا آہستہ، کیونکہ یہ سب آنکھیں اور کان اور چہرے
اور سر ہیں،

یعنی آج جو خاک ہر یہ پلے انسان کی اعضا تھے جو برسیدہ مہوک خاک ہو گئی
یا مشتعلگرددیدہ باشی کرد ربانغ و راغ صحراء
بتا بد ب شب کرنے کے چون چرانغ
چہ بودت کہ بیرون نیائی بوز
کی گفتہ اے مرغک شب فروذ
پہین کا تشن کر کم خاک زاد
جو اب از سر و شناہی چہ داد
کہ من روز و شب جز ب صحرا نیم
یا مشتعل

شبے یا دوام کہ چشم نہ خفت
شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت
کہ من عاشقہم گر بیوز م رواست
تر اگر یہ و سوز بارے چراست
گفت اے ہوا او ار مسکین من
برفت از برم یا رشیرین من
تو گبر نیزی از پیش یک شعلہ خام
من استادہ ام تا بیوز م تمام
مرا بین کہ از پاے تا سبوخت

شخ کی کمال شاعری کا اصلی معیار، اسکا پیرا ہے اداست، اس سرزیا وہ کوئی شخص
پیرا ہے اداست کا اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس مضمون کے موثر کرنے کا سب سے بڑھکر کوئی ساطریقہ ہے

جن جن مصنایں کو اُنسے لیا ہو، ان کو جس پیرا یہ میں ادا کیا ہو، متقد میں اور متاخرین میں اسکی
نظیر مطلق نہیں مل سکتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ اخلاق میں سیکڑوں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں،
صرف ایک مخزنِ اسلامی نظامی کے طرز پر ۶۵ شنویاں لکھی گئیں، اور سب کی سب
اخلاق و تصور میں ہیں، لیکن بوستان اور گلستان کے ۲ گے کسی کا چراغِ نجل سکا
چند ماہوں سے تم اسکا اندازہ کر سکتے ہو،

مثلاً دولت و حکومت کی تنقیص، ایک پامال مصنوب ہر جو سیکڑوں فوج لوگ مختلف
پیرا یون میں ادا کر چکے ہیں، لیکن شیخ کا صرف ایک شعر سب پر بھاری ہو،

گدارِ اکندر یک درم سیم سیر فریدون پہ ملکِ عجم نیم سیر
شیخ نے اسکے ساتھ فلسفیانہ طرایقہ سے ثابت کر دیا ہے کہ دولتندی درحقیقت
محاجی ہے،

ک سلطان زور دش مسکین ترست	خبردہ په درویش سلطان پرست
گدا با شاه است نامش گراست	نگہبانی ملک دولت بلاست
بزو قی ک سلطان ریلان بخت	بنجپند خوش روستائی وجفت
اسی مصنوب کو ایک مرصع میں ادا کیا جو،	بیوی پہ قان
ع آنا نک غنی تراند محجاج تراند،	

یہ ظاہر ہو کہ انسان جس قدر دولتند اور امیر ہوتا جاتا ہو، اُس کی ضرورتیں اور
حاجتیں بڑھتی جاتی ہیں، اسلیے زیادہ دولتندی درحقیقت زیادہ محاجی ہو،

یا مثلاً تلقین کرنا تھا کہ دولمند ون کو، غریبون پر رحم کرنا چاہیے، اسکو شیخ نے
حکایت کے پیرا یہ میں ادا کیا،

بردن آمد صدم باغلام	ملک صلح از باشتا بان شام
ہر سعی عرب نمیر بر بستہ روی	گمشته در اطراف بازار و کوی
پریشان دل و خاطر آشفته یافت	دودردش در مسجد خفتہ یافت
کہ ہم روز مختبر بود داد رے	یکه زان دومی گفت با دیگرے
کہ بالمو عیش اند و با کام و ناز	گراین باشتا ہان گردن فراز
من از گور سر بر نگیرم ز خشت	در آیند باع جزان در بہشت
کہ بند غم امر و ذر پایی ما است	بہشت برین ملک ما وای ما است
در آید، پکشش بدزم و مانع	اگر صلح آن جا به دیوار با غ

حکایت کا ماحصل یہ کہ ملک صلح (شام کا باشتا، اور سلطان صلاح الدین کے
ماندان سے تھا) ایک دن، شہر کے گشت کو نکلا، دو فقیر ایک مسجد میں لیٹر تھے، اور جاٹ
دریجوک کی تکلیف سے بتایا تھے، ایک دسرے سے کہہ رہا تھا کہ آخر قیامت میں بھی
یہی حاکم ہو گا، اگر یہ باشتا ہوگا جو دنیا میں مزے اڑاتے پھرتے ہیں، ہم غریبون کے ساتھ
جس میں داخل ہونے گے تو یہ قبر سر زادگاہ بہشت ہمارا حصہ ہو کہ ہم آج صیبتین
ہرستے ہیں، صلح اگر وہاں بہشت کی دیوار کے پاس بھی آیا تو اس کا سر توڑ دن گا،
دولمند ون کو غریبون پر رحم دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہر کہ تکلیف کی حالت

میں غریبون کو امیر دن کی ناز و نعمت پر جو رشک، جلن اور غصہ پیدا میتا ہو، اسکو دکھایا جائے۔
شخ نے اس کی نمایت صحیح تصویر لکھنی، انہر کا شعر با وجود اسکے کہ تہذیب کی حد سے
بڑھا ہوا ہے واقعیت اور صلیت کی اصلی تصویر ہے، لیکن شخ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ
باوشاہ کی فیاضناہ طرز عمل کو بھی دکھایا۔

روان ہر دوکس رافتاد و خواند	بہبیت نشت و بہرست نشاند
برائشان ببارید باران جود	فروشست شان گرد ذل ز وجود
شہنشہ ز شادی چوگل بر شنگفت	سخندرید و در روی درلوش گفت
من آن کس نیم کز غزو حشم،	زیچار گان روی در یم کشم
من امر وز کر دم، در صلح باز	تو فرد امکن، در بر دیم فراز

یعنی باوشاہ نے اُن فقیر و نی اور حاجت روائی کر کے کہا کہ آج میں آپ دو گونے
ساتھ عاجزی اور دوستی کا برداشت کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ قیامت میں ہر بانی مجھے کا
ور مجبوبہ شست میں آنے سے نہ روکیے گا،

سنے والے پر فقیر و نی کے غم اور غصہ سے جوانہ پیدا تھا وہ باوشاہ کے شریفانہ
ظرف عمل اور حکیمانہ جواب سکس قدر اور زیادہ قوی ہو گیا، مگن نہیں کہ ایک در دندول
اسکو ٹپڑھے اور اسکے آنسو نکل نہ آئیں،

یا مثلًا غیبت کی براہی کو لوگوں نے مختلف پریلوں میں ادا کیا تھا شخ نے سب زیادہ
چھوٹے لیکن نہایت موثر طریقہ سے اس حکایت کے پریا یہ میں اس مضمون کو ادا کیا،

طریقیت شناسانِ ثابت قدم
 بخاوتِ نشستند چندے بھم
 کیک زان میان غیبت آغاز کرد
 کے گفتہ اے یار سوریدہ زنگ
 بگفت از پس چار دیوار خویش
 چینیں گفت در ویش صادق نفس
 کہ کافر ز پیکارش این نشد
 مسلمان ز جور ز بالش نہ سرت
 بینی چند آدمی ایک صحبت میں شرکیک تھے، ایک شخص نے کسی کی غیبت شروع کی، ایک
 یاں نفس نے کہا کہ کیون یا را کبھی تم نے کافر دن سے لڑائی بھی کی ہے، انسے کہا میں نے تو
 بھی، گھر سے قدم بھی باہر نہیں نکالا، نیک نفس نے کہا بجان اللہ! کافر تو آپ کے حملے
 حفظار ہا، لیکن مسلمان، آپ کی تفعیل زبان سے ذبح رکا، ایک اور طریقہ سے کسی مضمون
 لواہ دا کیا ہے،

زبان کر دشنه پر غیبت دراز
 بد گفت دانستہ سرفراز
 کریا دکسان، پیش من بد مکن
 مرابدگمان در حق خود مکن
 زیادہ گوئی کی جبرائی نہایت پام مضمون ہر شخ اس مضمون کو کس قدر عجیب
 اسلوب سے ادا کرتا ہے،

کمال است در نفس انسان سخن
 تو خود را بگفتار ناقص مکن
 مبنی قوت ناطقه ہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہے، ایسا نہ کرو کہ یہی وصف (زیادہ گوئی کیوں جسے)

تمحک نقصان کا سب قرار پائے،

جوی مشک بہتر کر یک تو دھل	کم آواز ہر گز نہ بینی خجل
چودا نایک گوی پروردہ گوی	خدر کن زنا دان وہ مردہ گوی
اگر ہوشمندی یک اندراز در است	صد انداختی تیر او ہر صخطا است

یعنی سکڑاون تیر تم نے نشان پر لگائے اور سب خالی گھوگھ عقلمند ہوتا یک تیر لگا ولیکن
ٹھیک نشان پر لگاؤ،

منابات، تصریع، استغفار اور توبہ فی نفسہ ایک موثر مضمون ہے لیکن شخچنے اسکو

ایک حکایت کے پریا یہ میں کس قدر اور زیادہ موثر کر دیا ہے،

بہ مقصودہ عابد بر دوید	شنیدم کہ متی زتاب نہیں
کے یار بہ فردوس اعلیٰ برم	بنالیید بر آستان کرم
سگت بجذبے فارغ از عقل دین	مودان گریبان گرفتش کہ میں
نمی زیدت ناز باروی زشت	چپشائستہ کردی کہ خوابی بہشت
کہ متہم بدراز من لے خواجہ دست	بگفت این سخن پیر و بگریست مسٹ
کہ باشد گنہ گارے امیدوار	عجبی اری از لطف پر در دگار
در توبہ باز است و حق دلگیر	ترامی بخویم کہ عذر م پذیر
کہ خواہم گئے پیش عفو ش عظیم	ہمی شرم دار م زلف کریم

یعنی ایک مسٹ نشہ کے زور میں مسجد میں گھس گیا اور رکھ کارا کے خدمجبو بہشت میں لیجا نا

مودن نے اسکا گریبان پکڑ کر کہا کہ اوس گل نجسِ امجدین تیر کیا کام، تو نے کون اچھا عمل کیا ہو کہ بہشت کا دعویٰ ہی ہست روپڑا اور بولا کر کیا آپ کو خدا کے لطفِ عیم سے یہ تعجب معلوم ہوتا ہو کہ ایک گنگار اس کی مغفرت کا امیدوار ہو، میں نے آپ سے تو مغفرت کی خواہش نہیں کی تو یہ کا دروازہ کھلا ہوا ہو، اور خداد تنگیر ہر مخلوق تو شرم آتی ہو کہ میں خدا کے عفو کے مقابلہ میں اپنے گناہ کو زیادہ سمجھوں،

غور کر دشخُن نے اس مضمون کے مؤثر کرنے کیلئے بالاغت کے کن نکتوں کو ملحوظ رکھا ہے، سب سے پہلے یہ کہ مناجات میں براہ راست خدا کو مخاطب نہیں کیا، کیونکہ انسان کسی شخص کو جب مخاطب کر کے اس کی صبح یا اسکی نسبت، جس نظر میں ظاہر کرتا ہو تو اس میں ظاہرداری اور خوشاملی کے شائے کا احتمال ہوتا ہو، یہی نکتہ ہو کہ سورہ الحمد میں خدا کی حمد صیغہ غائب ادا کی ہو، مودن کی ڈانٹ بتائیے، مناجات اگنے والے کی نسبت دل میں رحم کا اثر پیدا ہوتا ہو، کیونکہ اس سے اسکی نہایت مظلومی اور مودن کی بے رحمی ظاہر ہوتی ہو اب اسکا یہ جواب کہ میں آپ سے ترحم کا خواستگار نہیں، مخلوق جس سے امید ہو، وہ اور ہی کریم نفس ذات ہے مناجات کے قبول کے لیکس قدر مؤثر ہو، یہ قاعدہ ہو کہ کوئی شخص اگر کسی کو پیٹھ پیچھے اس کی صبر بانی اور رحم پر اپنا بھروسہ ظاہر کرے تو اس شخص کو خواہ منواہ اس کی شرم اور اسکا پاس ہو گا، ان باتوں کی مجموعی ترتیب نے مناجات اور طلبِ مغفرت کے مضمون کو نہایت مؤثر کر دیا ہے،

ہم نے اطناکے ڈرسے صرف چند مثالوں پر قناعت کی، عموماً جن مصنایں کو

شخ نے ادا کیا ہے، اُن کا مقابلہ، اور شعر اور مُصنفین سے کرو تو صاف نظر آئے گا کہ شخ کو
اس خصوصیت میں کیا ترجیح حاصل ہے،

منظار قدرت اس قسم کے مضامین میں بار کا مضمون سب سے زیادہ پاماں ہے اور اب تک
پاماں ہوتا آتا ہے لیکن شخ کے قصیدہ کا اب تک جواب نہ سکا،

خوش بود دامن صحرا و تماشے بھار	باما دان کر تفاوت نکند سار نہار
سر و در باغ بر قتل آمدہ و بید و چار	آدمی زادہ اگر در طرب آید پھر عجب
باما دان چو سرنا فدا ہوئی تمار	باش، تا غچہ سیر ب دہن با زکند
بوی نسرین و قرنفل بزد و راقطار	بادلکیسوی عروسان چپن شانہ کند
راست چون عارضن گلبوبی عرق کو دیا	ثیالہ بر لالہ فرد آمدہ، ہنگام سحر
ہم چنان است کہ تجھے دیبا، دینار	ارغوان رخینتہ بر در گھر خضرائے چمن
باش تاخینہ نہ دولت نیسان دیار بہار کے بھینہ میں	این ہنوز ادولی شار بھان فروزی است
باش تا حاملہ کردن بہار الوان	شاہزاد خستہ و شیرہ باغ اندر ہنوز
زیر سر بر گچ رانے بہندا زگل نار	تمانہ تاریک شود، سایہ انبوہ درخت
ہم بڑاں گونہ کہ گلگوئے کند بٹے نگار	سیدب اہر طرفے دادہ طبیعت منگے
ایکہ با در رنگنی فال بخیلا خضر نار	گونظر باز کنی خلقت ناریخ بہین
ہم چود رنیر درختاں بہتی انہار	آبی پائی ترجیح و بہادام رو ان

غزل یہ عموماً مسلم ہو کہ شیخ غزل کے ابوالآباء رہیں، قدما ر تو سرے سکر غزل کئے نہ تھے
قصائد کے ابتداء میں عرب کے طرز پر جو شبیہ کہتے تھے، یہی اُنہیں ماڈلی غزل بھئی تمازین
قدما مثلاً انوری، ظہیر وغیرہ نے قصیدہ سرالگ کر کے غزلیں لکھیں لیکن انہیں کسی قسم کا
اثر، اور کسی قسم کی خیال بندی اور زیست آفرینی نہ تھی، البتہ چونکہ زمانہ کی متدا د کر قدتی طور پر
زبان خود روز بروز سادہ اور صاف ہوتی جاتی تھی اسیلے غزل کی صفائی اور سادگی بھی
روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، کمال سمعیل کے غزل کا نمونہ اور پگنڈ جپکا، اُنہیں مانکے اور شعراء
کی سادگی کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہو گا،

غزل راز محمد بن نصیر

گل کہ شایان بادہ بود، رسید	آمدن وعدہ دادہ بود، رسید
جنگ لا لگن دشت دشکر گل	گرچہ پتھر فتادہ بود، رسید
سر و آزادا بہر سون راست	منتظر ایستادہ بود، رسید
لالہ رفت، ارج چ پایا دہ بود، رسید	گل اگرچہ پایا دہ بود، رسید

ویکھ راز صفحی،

چہ در دست لیں کہ عشق نہ نام کر زہ	دزو آشوب، خاص ف عام کر دند
ہر انجپا اندر زمانہ در دودل بود	لیکے کر دند عشق، نام کر دند
خواباتے استاند عشق کان جا	زخون دل می اندر جام کر دند
بیکٹ ساغر دلان بت خانہ مارا	چینیں سمرست و بے آزم کر دند

دیگر

فتنہ بار دلم انبار مکن، گونڈ کنم بارہا کردہ اینکار، مکن، گونڈ کنم
 شیخ کو سادگی اور صفائی کے متعلق کچھ کوشش نہیں کرنی پڑی، جوزبان انکو زمانہ میں
 موجود تھی پسے ہی بخچھ چکی تھی، شیخ نے جو باتیں غزل میں پیدا کیں، حسبیں ہیں،
 وہ شیخ کے زمانہ سے پہلے جو شعر اگزرس وہ عشق کے زخم خورده تھے، ان میں سے
 بعضوں نے تو سرے سے عشق کو بات بھی نہیں لگایا تھا، بعضوں نے حسنخن کے لیے
 اُس سحر کام لیا، لیکن وہ نہ رے الفاظ بھی الفاظ تھے، اندر کچھ نہ تھا شیخ کے زمانہ میں قوم
 کے شجاعانہ جذبات فنا ہو چکے تھے، ایسے زندگی کا جو کچھ سما رہ گیا تھا یہی عشق و عاشقی تھی،
 حُسن اتفاق سے شیخ میں یہ جذبہ فطری تھا اور چونکہ وہ تمام عمر ہر قسم کے دنیوی تعلقات
 آزاد رہا اسی سے اس جذبہ کی گرمی اور تیزی اسی طرح مشتعل رہی، اسی آگ کے شعلے میں جو اسکی
 زبان سے نکلتے ہیں، اُس نے مخصوصوں کے جو روستم اور بے مری اور یوفالی کے عجان گلزار
 صدمے اٹھائے ہیں، اسی سے اسکا سینہ، در دا ورسوزو گداز کا آتشکدہ ہی، اشعار ذیل سے
 اسکا اندازہ کرو،

خبر با بر سایندہ ب مرغانِ چمن	کہ ہم آواز شمار در قفسے اقادہ است
گردنے داری بہ دل رائے سپار	ضائع آن کستور ک سلطانیش نیست
ماہر عقل پر سید مزم عشق	گفت هزول است و فرماش نیست
گفتم کہ عشق را ب صبوری دو اکنم	ہر روز عشق بیش رو صبر کرتا است

پنجم رفتہ مارا کر می بر و پیغام؟ بیا کہ اسپر انداختیم اگر خنگ است
 ہمہ از دست غیرنا لے کنند سعدی از دست خویشتن فریاد
 در بختہ نہان نتوان شتن آتش
 مایچ دلخیم و حکایت بدر افتاب
 گفتم سیر پنجم مگر از دل برو
 آن چنان جل گرفت که شکل بود
 دلے از سنگ بباید ہے سراہ دواع
 کہ تحمل کن آن لمحہ کہ محفل بود
 ندانست زکیا آن پر بست آری
 کتیراہ مر از آسمان بگردانی
 حدیث عشق چہ داند کس کے کو در یہ عمر
 پسر نہ کو فتہ باشد در سرائے را
 سعدیا! این ہمہ فریاد تو بے چیز نیست
 آتش ہست کہ دودا ز سرآن مے آید
 سعدیا! اذبٹے امشب ہل سیخ نہ کوفت
 یا مگر صح نباشد شب تہسا ائی را
 دو دوست قدر شنا سند رو ز صحبت را
 کہ مدتے ببریدند و باز پیو ستد
 ایک لفڑی مر دنر پے خونخوارہ خوش
 می شجھ سے پلے عشق کے دار دات اور معاملات نہیں بیان کرتے تھے شیخ پلا
 شخص ہے، جسے اس کی ابتدائی خسر و شرف جہاں قزوینی نے اسکو ترقی دی اور وحشی
 یزدی پر اس طرز کا خاتمہ ہو گیا،
 بوسہ از لب جان سخیش بدہ یا بستان
 کایں متاعی است کہ نہ شند و بہانیز کنند
 امشب مگر پ وقت نہی خواند این خروں
 عشاقد بس نکر دہ ہنوز از کنار دلوں شبیصل
 یا از در سرائے اتا بک غریب کوس
 تاشنی از مسجد آدمیہ بانگ صح

لب از لب چو پشم خروس ابلی بود	برداشتن گفتن بیهوده خروس
مرا را حست از زندگی دوش بود	که آن ماہ رویم در آغوش بود
ند استم از غایت لطفت و حسن	که سیم و سکن یا برد دوش بود
پر دیدار و گفتار جان پر درش	سراپا می من دیده و گوش بود
مُؤذن غلط گفت با نگاه ناز از ان ۱۲	مگر چو من مست و مد هوش بود
سرست بته لطیف و ساده	در دست اگر فرسته جام باده
در مجلس بزم باده نوشان	بسته کمر و قباکشاده
لعلش چ عیقق گو هر آگین	زلفش چو کمند، تاب داده
بنشسته زین به حضرت فے	گر دوش به خدمت ایستاده
دل و جانم بتو مشغول و نظر در پی است	تازد انند حریفان که تو منظور منی
۳۔ شیخ کی غزدون کے صن قبول کی ٹری و جری ہر کہ وہ جو خیالات دا کرتا ہر عموماً	
وہ ہوتے ہیں جو عموماً عاشاق اور ہوس پیشہ لوگون کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اس نیا پر	
جب اس مذاق کے لوگوں اشعار کو سنتے ہیں تو انکو نظر آتا ہر کہ کوئی شخص اُن ہی کے	
خیالات کی سفارت کر رہا ہے، اور ایک دلنشیں اور رُوثر طالیقہ سے کر رہا ہر کہ وہ خوب نہیں	
کر سکتے تھے، مثلًاً عشق پر ملامت کرنے کے وقت عاشق کے دل میں عموماً یہ خیال بیٹا	
ہوتا ہر کہ یہ کوئی نئی پدعت نہیں سمجھی اس مرض میں بیتلہ ہیں اور اچھی صنعت کی طرف دکا	
نہ کچنا ہو سمجھی تو نہیں ہو سکتا شیخ اسی خیال کو نہایت ہرستگی اور صفائی سرا دا کرتا ہر کہ	

عشق بازی نہ من آخر بجهان آوردم
 گر کند میل ہے خوبان دل من خردہ مگیر
 رفتی و هربان دیا رہدم
 نظر بر نیکوان رسکے است محمود
 تو گرد دعوی کنی پر ہنر گاری
 و گرگوئی کے میل خاطرم نیت
 حدیث عشق، اگر گوئی گناہ است

یا گناہی است کہ اول من سکین کردم
 کین گناہیست کہ دشہر شما نیز کنند
 ہم کس دوست می دارند و من ہم
 نہ این بدعت من آوردم بعالم
 مصدق دامت واللہ اعلم
 من این دعوی نیدارم مسلم
 گناہ اول ز حوا بود و آدم

با ای اول تب گفتمن کر چین خوب چرانی

اس شعر کی بیانیت پر بحاظ کر د، کہنایے تھا کہ لوگ محکوم عاشقی سے منع کرنے ہیں لیکن یہیں دعجتے
 کہ معشوق کا حسن ہی ایسا دل فریب ہو کر دل قابو نہیں رہ سکتا،

اس بات کو کہ معشوق کا حسن نظر فریب ہے، یون ادا کیا کہ یہ معشوق سو پوچھنا چاہیے
 کہ وہ اس قدر جیں کیوں ہے؟ اس طرز ادایں پھر یہ جدت کہ خود معشوق کو مخاطب بنایا اور
 یہ کہا کہ یہ تو تجوہ سے پوچھنا چاہیے کہ تو اس قدر جیں کیوں ہے؟ معشوق کے حسن کی تعریف
 خود اسکے تجھ پر، اسکا پہلو اس سے بڑھ کر کیا الطیف اور دل اوپر ہو سکتا ہے۔

۲۷ شیخ پہلا شخص ہر جتنے غزل میں، زا ہرون اور واعظون کا پر دھان فاش کیا ہے اور یہا کاری
 کی حقیقت اور باریک کار ساز یون کی قلمی کھولی ہر جیام نے رباعیون میں اس ضمون کو دا کیا
 تھا، لیکن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں شیخ کی طرح جپی اور جپتی ہوئی چوٹیں

ن تھیں جن سے ریا کاروں کے دل بر ماجائیں،

محتب در قفے رندان است غافل رضو فیان شاہد باز

یعنی محتب ندوں کا تعاقب کرتا پھر تاہم، لیکن شاہد باز صوفیوں کی اس کو خبر نہ کر یہ حجہ پر چھپ کر کیا کرتے ہیں،

بروں نبی رو داز خانقہ کیہ شیار کہ پیش شمنہ، بگوید کہ صوفیاں مستند
گر کنند میں بخوبان دل من خودہ مگیر لیکن گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
اس مضمون کو خواجہ حافظ نے اسقدر پھیلایا کہ خاص ان کا ہو گیا، لیکن ہل بنیاد شیخ
نے قائم کی،

لے محتب باز جوان چ پرسی من تو بنے کنم کہ پسیرم
اس شعر میں، اور ورنکے بجائے خود اپنے آپ کو لزم قرار دیا ہے اور یہ بلاعث کا خاص پہلو
یعنی کس بے دامن تریست آتا دیگران بازی پوشنده مادر آن قتاب انگنہ ایم
۵۔ مح، مذم، رزم، مرثیہ، غرض جقدر انوارع مضا میں ہین اگر جان پر نہ رون
بلکہ لاکھوں اشعار میں سکتے ہیں لیکن اساس مضا میں چند ہی ہوتے ہیں اُن ہی کو سوسو طرح
الٹ پیٹ کر بیان کرتے ہیں، اسیلے اصلی شاعری کا احقدار وہی ہو جسے یہ بنیادیں قائم کی
ہوئیں شیخ کے بعد اگرچہ غزل کو بہت ترقی ہوئی اور خواجہ حافظ نے اس عمارت کو
اس قدر بلند کر دیا کہ طائر خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا لیکن غورتے دیکھو تو اکثر
مضما میں اور طرز خیال کی داغ بیل شیخ نے ڈالی تھی مثلاً،

سعدی

حافظ

بنال ببل، اگر بامنت سریاری است
که ماد و عاشق زاریم و کار باز ای است

اے ببل آگزنانی من با تو هم آوازم
نو عشق گله داری من عشق گل اندازی

من از بیگانگان هرگز ننایم
که با من هرچه کرد آن آشنا کرد

فریاد دوستان ہم ز دست دهن است
فریاد سعدی از دل ناهم بان دوست

من رچه عاشقم درند، دمی کش و قلاش
ہزار شکر که یاران شهر بے گنه اند
خواجہ حافظ نے نهایت لطیف طریقه سے اس مضمون کو ادا کیا ہر لیکن اصل خیال کی نبایا

گرگزند میں بخوبان دل من خردہ مگیر
لکین گناہیت که در شهر شما نیز کشند

دہی تخفیح کا شعر ہے،

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ که من
پیادہ میر و م وہر بان سوار اند
ع ہم جا حلوبہ یار است چہ سجد کچشت
چ غذر از نجت خود جیم که آن عیا شہر اشوب
ب ہم کش حافظ را شکر در دهان دارد

اے قافلہ سالار پین تند پچانی
آہستہ که در کوہ دگر باز پسانند
ع سجدہ کا نیز درابوڈ گو سجدہ درخیانه باش
ل که گنج نوشدار و برخشنگان گذر کن
مریم بدرست دارا مجرد حمی گزاری

حافظ

سعدی

شبه و جمیع و گویند که وزیر ام
 ندارم از همه عالم جزین تمنا نه
 اسے برادر ما پر گرداب اندر میم
 والان که شفعت می زند برا حل است

شب تاریک و دیم موج و گرداب چنین باش
 کجا داند حال اسکسرا ان سائل
 قمی آن صبر و تحمل کر با دنی نازی
 می نایم بتوضیح یک دشمن زل بود

و می از سنگ باید بسراه و دادع
 که تحمل کست آن لحظه که محصل بود

گر تو خواهی که بجوانی دلم، امر و ذبح
 در ز بسیار بجوانی دنیابی بازم
 ی شعر گویا و اسوخت کی بنیاد ہے،

مشخص است پلے غزل میں جو مضمون ادا کیے جاتے تھے صاف صاف سرسری
 طور پر ادا کر دیتے تھے، شیخ نے طرز ادا میں بہت کی جذبیت کیں اور بیان کے نئے نئے
 اسلوب پیدا کیے، وہ ایک مہولی کی بات کو لیتے ہیں اور طرز ادا سے اس میں عجیبگی
 پیدا کر دیتے ہیں، مثلاً اُن کو کہنا یہ تھا کہ گناہ سب کرتے ہیں، فرق یہ ہے کہ اور لوگ پڑھ
 میں کرتے ہیں، اور ہم بیا کاری سے چھپاتے نہیں، اس مضمون کو شیخ اس طرح

یا لکرتا ہے،

بچ کس بے دام تر فیضت آتا دیگران باز می پوشند و مبار آفتاب افگنندہ ایم
 اس تر گناہ کو کہتے ہیں برآ فتاب افگنندہ دھوپ میں ڈالنا، اور کسی کام کے علاویہ کرنے کو
 بھی کہتے ہیں شعر کا مطلب یہ ہر کہنہ کوں نہیں کرتا، فرق یہ ہر کہ اور لوگ چھپاتے ہیں اور
 علاویہ کرتے ہیں، دامن تر، اور برآ فتاب افگنندہ کے محاورہ اور اس طرز ادا نے
 س قدر غوبی پیدا کر دی ہو، دھوپ میں والدینے کو چیز خشک ہو جاتی، ہوا سلیمانی یہ بھی
 نہیں ہو کر دیا کاری سے بچنا کسی نہ کسی دن ہم کو گناہ سے مقتب بھی کر دیگا، یا یہ کہ خدا
 یہ آگناہ معاونت بھی کر دیگا، لیکن ریا کاری کا گناہ نہ چھوٹ سکتا ہوئے معافی کے قابل ہے
 لشته بہنندم و قاتل نشاند ک کیست کین خذنگ اذ نظر خلق نہان می آید
 خواستم تا نظر افگنم و باز آیم گفت ازین کوچہ ما راه بدرمی نزد
 جمال در نظر و شوق بیچان باقی گدا اگر ہمہ عالم باد و بہنند گدا است
 بعض جگہ معمولی واقعات اور حالات کو اس پیرایین کہاتے ہیں کہنا یہ عجیب ہے جاتا ہے
 مثلاً مشوق کی بیوفائی کو جو ایک عام بات ہو، اس طریقہ سر بیان کرتے ہیں،
 فریاد و ستان ہمہ از دست دشمن است فریاد محدی از دل ناہم ربان دوست
 یعنی اور لوگ تو دشمن کے ہات سے نالان ہوتے ہیں سودی کی قسمتی دیکھو کہ اسکو دوست
 او ریمشوق کے ہات سے فریاد کرنی پڑتی ہے، یا مثلاً پیغمبر
 ہر کسی از دست غیر زاک کند محدی از دست خوشنی فریاد

ہر شخص اپنے کیسے کو جگلتا ہو اور یہ ایک معمولی بات ہر شخص نے اسی بات کو طرزِ ادا سے
ایک اعجوبہ بنادیا، یعنی اور لوگ تو غیرِ دن سے فریاد کرتے ہیں۔ سعدی خود اپنے اپے فریاد
کرتا ہے، یا مثلاً یہ شعر،

مبارزان جہاں قلب دہنان شکستہ ترا چشد کہ ہمہ قلب دوستان شکنی
بعض جگہ ایک عویٰ کرتے ہیں جو نمایت مستبعد ہوتا ہے پھر اسکو شاعرانہ توجیہ سے
معمولی واقعہ ثابت کر دیتے ہیں، مثلاً
یادت نبی کنم بہمہ عمر زان کریاد آن کس کندکہ دلبر شر لزیادی رو
پہلے مصروف میں دعویٰ کیا کہ میں کبھی مشوق کو یاد نہیں کرتا، یا مر عاشقی کے منصبے نہایت
مستبعِ تھا، اسکو اس طرح ثابت کیا کہ یادوہ کرے جو کبھی بھولتا بھی ہو، میں کبھی بھولتا ہی
نہیں تو یاد کیا کروں بعض جگہ ایک ممکن اور معمولی واقعہ کو شاعرانہ تجھیں سزا ناممکن یا مستبعد
بنادیتے ہیں، مثلاً

خلق را بیدار باید بوزارِ چشم من وین عجب کان دم کم میگر کم کسی بیدار
من از دست تو در عالم نہم روی ولیکن چون تو در عالم نباشد
بلطفِ لبر من در جهان نہیں کس کم دوستی کند، دشمنی بیغزا یہ
گفتہ بودم چو بیانی غمِ دل ان لوگوں میں چہ بکوم کغم از دل برد چون تو بیانی
اسی طرح، جدتِ ادا کے سیکڑوں رسوب پیدا کیوں جن کی الگ الگ تشریح نہیں ہو سکتی،
اشعارِ ذیل سے ایک عام اندازہ ہو گا،

دنبال توبون گناہ جانب نیست
 از پرس که از دست او دلم چون است
 آپنند از گناہ خلق پشمہ ای تو مست است
 ایر خسرو کی ایک غزل ہے

ای مسلمانان کس وزہ بدنیان دارد

نیاں ہیں سے لیا ہے،

من کن فیم کر حلال ز حرام نشانم
 شراب با تو حلال است آبیتے تو حرام
 خشمہ فشہ مارا کئی بر دینام
 بیا کہ ما سپر زند ختم اگر جنگ است
 دی زمانہ برعدمی تکلیف نہ است
 فتنہ نہ است چوپر خاست قیامت بر غای
 مانامہ ہے او سپردہ بودیم
 او ناف مشک اذ فر کو رد

~~ای تاشا گاہ عالم روی تو~~
 تو کجا بھرتا شا میردی
 لے مسلمانان بفریاد مزید
 کان فلاں بیوفائی می کھند
 یار من و باش و قلاش است زند
 لیک برم پار سائی می کند
 قاضی شرعا شفتان باید
 کہ بیک شاہدا خصار کند

ناہ معشوق کر کتے ہیں اور گواہ کو بھی، مقدمات کے ثبوت ہیں عموماً دو گواہ ضرور ہیں؛
 لذاعر کرتا ہو کہ گو عامم قاعدہ یہی ہے کہ مقدمہ کے ثبوت ہیں دو گواہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن
 مائنشوں کے لئے میں قاضی کو ایک ہی شاہد (معشوق) پر اکتفا کرنا چاہئے، شاہد کے

ذو عینین ہونے نے جو لطف پیدا کیا ہے وہ مخفی نہیں،

برخیز کر جنم ہے مدت، خفته است و ہزار فتنہ بیدار

اے محتسب از جوان چہ پُرسی من تو ہے نے کنم کہ پسیم



حضرت امیر خسرو دہلوی

ترکون کا ایک قبیلہ لاجپین کے لقب سے مشہور ہے، امیر خسرو اسی قبیلے سے ہیں،
کے والد کا نام سیف الدین محمد ہے، ترکستان میں ایک شہر کش ہے، وہاں کے رہنے
لے اور اپنے قبیلے کے رہیں تھے، فرشتہ اور دولت شاہ نے لکھا ہر کوئی بخ کے امر ایں سے
، پنگیز خان کا فتنہ جب اٹھا تو سیف الدین بھرت کر کے ہندوستان میں آئے،
سلطان محمد بن تغلق کے دربار میں ایک بڑے عمدہ پر ما سورہ پر محمد بن تغلق انکی نہایت
رمزلت کرتا تھا، ایک ہم میں کفار سے لڑ کر شہید ہوئے ،
لیکن صاحب بھارتان سخن، تاریخی استدلال سے اس واقعہ کا نامکن ہونا ثابت
کر کرکھتے ہیں،

پس انچھے دولت شاہ در تذکرہ خود نوشتہ کہ پیدا امیر خسرو در عمد سلطان

امیر خسرو کا حال تمام نہ کردن میں کمیق تفصیل سے پایا جاتا ہے، تابغ فرشتہ میں بھی دوچھپے اتفاقات ہیں لیکن خود امیر خسرو صحت
بغرة الکمال کے دیباچہ میں جو مختصر حالات لکھے ہیں وہ سب سے زیادہ قابل اعتبار ہیں اور جہاں تک اس میں
دو نیزین میں نے اسی کو اپنا ماقضی قرار دیا ہے، امیر کی دیگر تصنیفات سے بھی انکے واقعات معلوم ہوتے ہیں
پس انچھے موقع بوقوع انکے حوالے دیے جائیں گے، داکٹر یونے ٹرش یوزیم لندن کی علمی کتابوں کی جو فرسٹ مرتب کی ہے
اس میں امیر خسرو کی تصنیفات سے انکے حالات مرتب کیے ہیں، کہیں کہیں اس سے کوئی مدد لگی ہے،

محفل شید شدہ امیر خسر و را ورق دے قصائد غراست خلاف صریح
و بعض غلط است غالباً شاہزادہ سلطان محمد شید را که حاکم ملستان بود بعلت
شترک اسی سلطان محمد غلق خیال کروہ،

بہر حال سيف الدین کے تین بیٹے تھے اعzaز الدین علی شاہ، حسام الدین اور امیر خسر،
سيف الدین کے انتقال کے وقت امیر خسر کی عمر برس کی تھی امیر خسر کی والدہ عما و الملک
کی بیٹی تھیں جو شہزادہ شاہی میں تھے، اور دس ہزار فوج کے فرست تھے، امیر خسر و شفیعہ
میں بلقاضم پیڈیا لی پیدا ہوئے، قدیم خوش اتفاقادی نے یہ روایت پیدا کی کہ جب ہ پیدا ہوئے
تو امیر سعید الدین ایک خرقہ میں پیٹ کر ایک مجدوب کے پاس لے گئے، مجدوب نے درہی
سے دیکھ کر کہا کہ وہ شخص آتا ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائیگا، مجدوب صاحب کے
کہلات منعوی کا ہم نکار نہیں کرتے لیکن ان کے شاعرانہ مذاق کا تسلیم کرنا مشکل ہے خاقانی
کو امیر خسر و سے کیا نسبت،

جبانوں نے ہوش بھالا تو ان کے والے ان کو مکتب میں بھایا اور خوشنویسی کی
مشق کے لیے مولانا سعد الدین خطاط کو مقرر کیا لیکن امیر کو پڑھنے لکھنے کے بجائے شعر گوئی
لئے والد اغستانی اپنے ذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امیر خسر و باپ ساتھ غزین کے اطراف سے ہندوستان میں آئے پھر
لکھتے ہیں کہ بعض یہی کتھے ہیں کہ امیر خسر و کی ماں حاملہ کی تھیں، خنزیر ولی میں پیدا ہوئیں پسی روایت بنانا صلح ہے اور
و اتفاقات تاریخی سے ثابت ہے کہ خسر و ہندوستان زمین لیکن اور اغستانی کو یونہ کر گہلا ہو سکتا ہو کہ ہندوستان کی قاک بھا یا
شخص پیدا ہو ملہ پیڈا لی ضلع ایڑہ کشتری اگر وہ میں چھوٹا سا قصبہ ہو، پسی یہی مقام ضلع کا صدھر تھا، اب یہ ہو کریں ماڑیں
دریاں گلگ اسکے نیچے بتاتا میکن اب میلوں کا فاصحلہ ہو، یمان اب اسٹیشن سی ہو،

لی دہن رہتی تھی، جو کچھ موزوں ناموزوں کو سکتے تھے کہتے تھے اور وصلیوں پر اُسی کی
شق کیا کرتے تھے، خواجہ اسیل کو زوال کے نائب تھے وہ کبھی کبھی سعد الدین خطاط کو خطوط
وغیرہ لکھوانے کے لیے بلا یا کرتے تھے ایک ان بلا یا تو امیر خسر و بھی ساتھ گئے خواجہ اسیل
کے مکان پر خواجہ عزیز الدین بھی تشریف رکھتے تھے سعد الدین نے خواجہ صاحب کے کام کے
لڑکا بھی سے کچھ غون غان کرتا ہو معلوم نہیں کہ موزوں بھی کہتا ہو یا نہیں؟ آپ را لکھ کلام
کوئں لیجیے، خواجہ عزیز کے ہاتھیں شعرا کی بیاض تھی، امیر خسر دکودی کو کوئی شعر پہنچا میر
نے نہایت خوش بحانی سے پڑھا، چونکہ آذیں قدر تی تاثیر تھی لوگوں پر اثر ہوا، سب کی
آنکھیں بھر آئیں اور سب نے اغتیار تحسین کی، اسکے استاد نے کہا شعر گوئی میں امتحان لیجیے
خواجہ عزیز الدین نے چار بے جوڑ بیز و دن کا نام لیا کہ ان کو ملا کر شعر کہو مو بھی نہ تیر اخربزہ
امیر نے برجستہ کہا،

ہر موس کے درد ذرف کا صنم ہست
صد بیضہ عن بیمن بر آن مھے ٹھہست

چون تیر بدان رائش رازی را ک
چون خربزہ ذمہ دش نہ دان شکست

خواجہ عزیز الدین کو سخت حیرت ہوئی، پوچھا نام کیا ہر؟ انہوں نے کہا خسر، باپ کا نام پوچھا
انہوں نے اصل نام کے بجائے قبلیہ کا نام بتایا، یعنی لاچین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا،
لاچین یعنی "بیمن نہیں" پھر کہا " توڑک خطاط است" یعنی ان کو توڑک کہنا خطاط ہے، انہوں نے اسی
لفظ کو اٹ کر کہا بے خطاط توڑک است" یعنی قطعاً وہ توڑک ہے، خواجہ صاحب نے کہا چونکہ تم کو

لئے جس نہیں ہے، ملائی نقل کی ہو رہہ غلط تہائی نے اسی طرح نقل کر دیا،

در بار سلطانی سے تعلق ہو اس لیے تم کو سلطانی تخلص رکھنا چاہیے چنانچہ تختہ اصغر کی اندر
غزوں میں یہ تخلص ہے،

امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہر کو عربی کی تحصیل تمام تھی لیکن تذکرہ نویسون نے اسکے
متعلق پچھلے تفصیل نہیں لکھی، تاہم قطبی ہر کو ۲۰۰۱۵ برس کی عمر میں یہ تمام درسی علوم و فنون اور
فارغ ہو چکے تھے،

درباری تعلقات امیر خسر و جب سن شد کو پہنچے تو ولی کے تخت یہ سلطان غیاث الدین
بلبن صدر نشین تھا جو شریعت میں تخت حکومت پہنچا تھا، اسکے امرے دربار میں کشاورخان
معروف چھوپتہ بڑھ رتبہ کا سردار تھا، وہ سلطان کا بھائی اور بار بیگ کے عہدے پر مأمور تھا،
لئے تمام حالات اپنے امیر خسر منے خواستہ اصغر میں لے چھوڑا خان کا نام تاریخ میں اس طرح تخلص لقب
اوخطاب سے آتا ہے کہ وہ کا ہوتا ہے کہ ایک شخص ہر یاد کی ہیں، امیر خسر و غراء الکمال کے دیباچہ میں لکھا ہیں کہ میں نانا
کی وفات کے بعد سب سے پہلے خان منظہم کشاورخان عرف چھوپ کے دربار میں پہنچا، اس سر اس قدر ثابت ہوا کہ کشاور
اوچھوپ ایک ہی شخص ہیں، بدایوں (صفحہ ۱۴۷) اجلد اول میں ہے کہ چھوپ اخ میں کڑہ مانک پور کے ساتھ
سامانہ کا حاکم مقرر ہوا تھا، اور سلطان معز الدین کی قیادتے اسکی بیٹی نے شادی کی تھی،

فرشتمیں لکھا ہو کہ علاء الدین محمد بن اعز الدین سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا، سلطان نے
اسکو بار بیک ستر کر کے خان عظم کوشک خان خطاب دیا، بدایوں (صفحہ ۱۶۷) میں ملک چھوپ کو برادر زادہ سلطان
غیاث الدین کو لکھا ہو کہ اس کو کشاورخان خطاب ملتا تھا، ان تمام عبارتوں کو ملا ڈو تثابت ہو گا کہ علاء الدین
کشاورخان، چھوپ ایک ہی شخص ہیں،

فرشتہ میں لکھا ہی کہ "مجلس آرائی اور جودو کرم کی وجہ سے حاکم کی طرح مشہور ہو گیا تھا
اور صدر، شام، روم، بنداد، عراق، خراسان، ترکستان، وغیرہ سے اہل کمال اور شعراء
اسکے دربار میں آتے تھے اور کامیاب ہو کر جاتے تھے، ہمارا ایسا اتفاق ہوا کہ جو کچھ نقد
اباب سامان تماست ٹھا دیا، یہاں تک کہ خود اسکے بدن پر پیر ہن کے سوا کچھ نہ رہا
امیر خسرو کو جیسا کہ خود غرہ اکمل کے دیباچہ میں لکھا ہوئے ہے پہلے اسکے دربار میں
رسائی حاصل ہوئی اور دوسرے تک اسکے دربار میں ملازم رہے، چنانچہ اکثر قصیدے اس کی
معنی لکھے ہیں، ایک قصیدہ میں بیچ کی تمہید لکھتے ہیں،

بودنہمان آفتابِ دم کہ صبح	ہمدی بابا دعفہ بر، بونمود
صح راغفم کخورشیدت کجا است	آسمان روے ملک چھو نمود
امیر خسرو نے شنوی نویں بیکھر میں لکھا ہی	

زشاہان کے کا دلم کر دیاد معزال الدنابودمشہ کیقبا د
لیکن اس سے کتلخان کی اولیت پر حرف نہیں آتا، کتلخان امراء میں سرتاہ، بادشاہ نہ تھا
بادشاہوں ہیں کہ البتہ سبے پہلے جس نے امیر کی قدر دانی کی وہ معزال الدین کیقباد تھا،
امیر خسرو اکثر کتلخان کے دربار میں قصیدے لکھ کر بیجا تھے اور مجلس گرم کرتے تھے،
ایک ان اتفاق سر لبغراخان رسلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا، بھی موجود تھا اور
شروع دعاوی کے چرچے ہو رہے تھے، شمس الدین دبیر، اور قاضی اشیر جو مشہور شعراء میں کوئی تھے
وہ بھی حاضر تھا، امیر خسرو نے اپنی زمزمه بخشی سے یہ سامان باندھا کہ بغا خان نہایت متاثر

ہوا، اور صلح کے طور پر گن بھر کر روپے دیے کتو خان کو یہ ناگوار ہوا کہ اسکا وابستہ دولت دوسرے دوبار کا احسان اٹھائے، چہرہ سے مال کے آثار ظاہر ہوئے امیر خسرو نے اسکے بعد بار بار مختلف موقعوں پر اسکی تلافی کرنی چاہی سیکن کتو خان کے دل سے وہ چھانس نہیں نکلی،

بغرا خان سماں کا حاکم تھا، امیر خسرو نے ملک چھوٹے مایوس ہو کر سماں کا قصد کیا، بغرا خان نے نہایت قدر دعوت کی اور زخم خاص بنایا، اسی زمانے یعنی ۱۷۰۶ء میں لکھنؤتی (بنگال) میں طغل نے بغاوت کی اور شاہی رشکر کو با ربا شکستیں دین، بالآخر سلطان غیاث الدین ملبن نے خود اس مہم پر جانے کی تیاریاں کیں اور بغرا خان کو ساقہ لیا امیر خسرو بھی اس سفر میں ساقہ گئے، سلطان غیاث الدین اس بغاوت کو فروکر کے دلی والی اپ آیا اور بنگال کی حکومت بغرا خان کو عنایت کی امیر خسرو کو اب زیادہ اسی والیان کا موقع حاصل تھا دربار کے شرائیں الدین دیر اور قاضی اثیر بھی ان کے قیام پر مصر تھے، لیکن دلی کو بنگال کے معادنہ میں نہیں دیکھتے تھے، چنانچہ خصت لیکر دلی میں آئے،اتفاق سے اسی زمانے میں سلطان غیاث الدین کا بڑا بیٹا

لہ یہ تمام حالات خود امیر خسرو نے غرة الکمال کے دیبا چین لکھے ہیں، لہ تاریخ فرشتہ، ۲۵۰ امیر خسرو نے غرة الکمال کے دیبا چین ان واقعات کو خود لکھا ہے لیکن اسقدر بیچیدہ لکھا ہے کہ بڑی شکل سے اور تاریخوں کے باہم مقابلہ کرنے سے اسی حال کا پتہ چلتا ہو ایک لہ در وقت سخت تر ہے کہ غرة الکمال کا جو ستم میہرے پیش نظر ہے وہ سخت غلط اور گویا بالکل سخی ہے،

ملک محمد قاؤن (مشهور پختاون شہید) ولی میں آیا تھا، وہ نہایت قابل صاحب علم، فیاض اور
قدرت دار علم و فن تھا، تہذیب و متناسن کا یہ حال تھا کہ جب دربار میں بیٹھتا تو گوکھی کی بھی نہ کا دل
لزرجا نا تھا لیکن زانوں میں بدلتا تھا، اس کی مجلس میں ہمیشہ شاہنامہ، دیوان خاقانی
ازوری، حمسہ نظامی کے اشعار پڑھتے جاتے تھے، ایک بیاض تیار کی تھی جس میں اپنے
مذاق کے موافق بیس ہزار شعر انتخاب کر کے درج کیے تھے، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کر
ان اشعار کے حسن انتخاب پر امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی داد دیتے تھے،

یہ بیاض ایسی نادر جیزتی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو سلطان غیاث الدین نے
اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہات آئی ارباب
ذوق اس کی نقلیں لیتے تھے اور بیاضوں میں درج کرتے تھے،

امیر خسرو کی شاعری کا شہر ہو چکا تھا، سلطان محمد نے ان کو بلا کر شعر کے خاص میں
دخل کیا، اور جب ملکان کا حاکم مقرر ہو گیا تو انکو اور نئے ساتھ حسن دہلوی کو ہی ساتھ
لی گیا، پانچ برس تک یہ اسکے دربار میں رہا، اس زمانہ میں ہلاک خان کا پوتا ارغون خان یہاں
کا حکمران تھا، اسکے امر میں سر تیمور حسان نیس ہزار سوار لیکر لا ہور اور دیوال پور کو
فتح اور غارت کرتا ہوا ملکان کی طرف پڑھا، سلطان محمد قاؤن نے ملکان سرکھلکر تیمور خان
کو شکست دی، لیکن چون کنگھر کی نمازیں پڑھی تھی ایک تالاب کے کنارے پانچ سو ادمیوں
کے ساتھ نماز میں مشغول ہوا، یہ موقع پا کرتا تاریون نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ علکیا

سلہ تاریخ فرشتہ

سلطان محمد نے اپنی نازیوں کے ساتھ ناز سے فارغ ہو کر تاتاریوں کا مقابلہ کیا اور گواہ بار
ان کو شکستیں دین لیکن اتفاق سرایک تیر آ کر لگا اور رخم کھا کر مر گیا،
امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس مصیر کی میں شریک تھے جناب نہ تاری ائمہ کو فتار کر کے
نلچے گئے، یہ واقعہ سال ۷۸۰ھ میں پیش آیا، امیر خسرو نے نہایت پراشر مرثیے لکھے اور دلی
بھیجے، میمنون تک لوگ گھر گھر ان مرثیوں کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیز دن
پر نوحہ کرتے تھے، چند اشعار ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،

و اقہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید	آفس است این یا میا است وجہان آمد پدید
راہ در بنیاد عالم دا دیل فتنہ را	رختہ کاممال رہندوستان آمد پدید
مجلن ران پریشان شدو گرگلزا یا	برگ زری گوئی اندر پوتان آمد پدید
بسلک آب پشم خلق شدروان در چارسو	قنج کلب دیگر اندر مولستان آمد پدید
جمع شد سیارہ در پشم بگرفوفان شود	چون بیچ آبی نجم اقران آمد پدید

من تھوا ہم جز ہمان جھیت و این کے شود

خود حال است این بنات لفظ پر دین کے شود

ما چ ساعت بد کر شاہ از مولانا شکر کشید	تیغ کافرش بے کشتن کافر کشید
انچ حاضر بود شکر لشکر دیگر نہ جست	زانکہ رخم ران شاہید مشت شکر کشید
چون خبر کرد شر از دُن ان وقت کاردا	بے محابا شتم در سر کرو دوایت بر کشید

یک شش از موئانش تا بلا ہوا ذقتا د
 یعنی اندر عمدت کا فرتواند سر کشید
 آپ خان ریگین کنہ مہال خاک ل نخوان
 کرنے میں با پیغام را گزہ احمد کر شید
 او درین تدیر و اگنے کر تدیر فلک
 صفحہ تدبیر را خط مشیت در کشید
 تا چ ساعت مُبدکہ کا فر بر سر شکر کر شید
 جو ق جوق از آب گبر شند و ناگ در رسید
 بت ٹہ امر شیہ ہر اور را ای کی تمام کیفیت لکھی ہو، اخیر کے بند جہان شہزادہ کی شہادت کا
 ذکر ہر نہایت پرا شریین،
 دو برس کے بعد امیر نے کسی طرح تاتاریت کے ہات سر رہائی پائی، اور دلی میں آئے
 خان شہید کے مرنس پر جو مر شیہ لکھا تھا، غیاث الدین بلین کے دربار میں جا کر پڑھا دربار میں
 گہرام پڑ گیا، کسی کو کسیدا کا ہوش نہ تھا، سلطان اس قدر رویا کہ بنوار آگیا اور بالآخر اسی صدر میں
 انتقال کر گیا،
 امیر دلی سر پیٹیا میں آئے اور گنگا کے کنارے قیام پذیر ہوئے، ۱۷۸۶ھ میں
 سلطان غیاث الدین بلین نے دفات پائی اور درباریوں نے اسکے خلاف صیت، اسکے
 پوتے کیقیا و کو جو بخرا خان کا بیٹا تھا، تخت نشین کیا،
 کیقباد نے امیر خسر و کو دربار میں طلب کیا لیکن چونکہ عنان سلطنت مکان نظام الدین
 کے ہات میں تھی، اور وہ امیر سے صاف نہ تھا امیر نے تعلق پسند نہ کیا اور خان جان جو امرا
 شاہی میں تھا اس کی ملازمت اختیار کی،

خان جہاں اودھ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور امیر کو ساتھ لیگیا، چنانچہ خود قرآن اسعدین میں فرماتے ہیں،

گشتہ اقطاع اودھ سرفراز	خان جہاں حاتم مغلس نواز
کرد کرم انچہ کہ بد نیش ازاں	من کہ بدم چاکر اوپیش ازاں
بندہ شدہ لازمہ آن رکیب	تاز خان غبیش خاطر فریب
کیست کہ از لطف بتا بد عنان	درادوم بر دل طفت چان
دو دو دہ از خبیث و تادوسال	دو دو دہ از خبیث و تادوسال

دو برس تک اودھ میں رہیے، ان کی والدہ کو ان سے حد سے زیادہ محبت تھی، وہ ولی میں تھیں، اور انکے خطوط آتے رہتے تھے کہ میں تم سے دور پکر زندہ نہیں رہ سکتی امیر کو بھی مان سے بے انتہا محبت تھی، چنانچہ سب تعلقات چھوڑ کر دلی میں آئے، مان نے گلے سے لگایا اور آنکھوں سے محبت کے دریا بھائے،

مادرم آن خستہ تیمار من	چون نظر انگندہ دیدار من
پر دہ ز رو شرفقت بر گرفت	اشک فشانان ببرم در گرفت
کیقیا وجی تخت سلطنت پر بیجا تو عیاشی اور بندی شروع کی، اسکا باپ بغرا خان بھگال	
میں تھا، یہ حالت سنکر بھگال سے روانہ ہوا، کیقیا نے ناخلفی سرپاپ کا مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک عظیم اشان فوج تیار کر کے دلی سر روانہ ہوا، راہ میں نامہ دیپیغام بیوتے رہے آخر صلح پر خاتمه ہوا اور کیقیا دلی کو داپس آگیا،	

امیر خسر و نے باب بیٹے کے اتحاد اور مصالحت پر ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر

بیکن،

نہیں ملک خوش چون دو سلطان کی شد

پس بادشاہ ہے، پدر نیز سلطان

زمہر جانداری و بادشاہی

کیے نا صر عہدِ محمد سلطان

دگر شہزاد جہان کی قیادے

زہر عہدِ خوش چون دو سلطان کی شد

کنون ملک بین چون سلطان کی شد

جان را دو شاہ جہان بان کیے شد

کر فراش در چارار کان کیے شد

ک در ضبط شایان و تواریں کیے شد

لیقیاد چاہتا تھا کہ یہ واقعات نظم کے پرایمین آئین امیر خسر و کو ملا کر یہ خواہش ظاہر کی چنانچہ
میر نے چھہ میں کی تدت میں قرآن اسعدین لکھی، جس میں باب بیٹے کے مراسلات اور
لاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، اسوقت امیر کی عمر کی ۳۶ برس کی تھی اور سنہ ہجری ۴۰۰

تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ساختہ گشت از روشن خامہ

در رضوان شد به سعادت تمام

انچھہ بتاریخ زہرست گزشت

سال من امر و زاگر بر رے

اوپس شش ماہ چین نامہ

یافت قرآن نامہ اسعدین نام

بودن شخص دوہشتاد وہشت

راست گبویم ہمہ شش بودی

لیقیاد عیاشی میں بیمار ہو کر تین برس حکومت کے بعد وفات ہیں مر گیا یا مارا گیا، اسکے بعد اس کا

ملہ بایرونی،

خرد سال بیٹا شمس الدین کیکا اوس تخت نشین ہوا، وہ بالکل بچہ تھا تین جیتنے کے بعد امراء دربار نے تخت سر اتنا کر قید کر دیا، اب اس خاندان میں کوئی شخص دعویدار سلطنت نہیں ہا تھا اس لیے ترکی امراء دربار میں سے ملک فیروز شاہ استمہ خان خلجی جس کی عمر، برس کی تھی اور جس نے دربار میں بڑا اثر حاصل کیا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا اور سلطان جلال الدین خلجی کے نام سر شہرور ہوا، وہ بڑے عظمت اور اقتدار و جاہ و جلال کا یادداشتہ مسکے ساتھ نہایت صاحب نراق نہیں طبع، خوش صحبت تھا شعر بھی کہتا تھا، چنانچہ براہوئی نے اسکے دو شعر بھی نقل کیے ہیں،

آن زلف پر شانتِ زر ویدہ نے خواہم
والق دی چو گلنارت تفسیدہ نے خواہم
بے پیرست خواہم یک شب بخنا رائی
ہاں بانگ بندست این پوشیدہ نے خواہم
احباب و شریک صحبت بھی جقدر تھے، سب قابل اہل فن موزوں طبع اور نگین فراز
تھے، مثلاً ملک تاج الدین کرجی، ملک فخر الدین ملک اعز الدین ملک قابیگ، ملک نصرت
ملک حبیب ملک کمال الدین ابوالمعالی، ملک نصیر الدین کمراں، ملک سعد الدین
انیل و ریم صحبت تھے،

اسی طرح اکثر بڑے بڑے اہل کمال ندی کی لیے اختیاب کیے گئے، چنانچہ تاج الدین اقی
خواجہ سن پلوی، مولید جاجری، مولید دیوان، امیر اسلام، اختیار الدین باقی نہیں خاص
میں تھوڑے ساقی، منفی اور مطرپ بھی وہ لوگ تھے جو زمانہ میں اختیاب تھے، مثلاً امیر خاص
حمدیہ، راجہ، نظام، محمد شاہ، نصیر خان، بہرہ وز

ایسے گوناگون صاحب نداق بادشاہ کے دربار کے لیے امیر خسر و کر زیادہ کوں
رزون ہو سکتا تھا، وہ عالم بھی تھے، فاضل بھی بخنی بھی، مطریب بھی اور شاعر تو تھے ہی،

فرالدین کیقباد کے زمانہ میں جب سلطان جلال الدین عارض تھا، ہیوقت اسٹرا میر خسر و
قدرت دانی کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ معمول مشاہرہ مقرر کر کے خاص پناہ بس عنایت
کیا تھا، تخت پر بیٹھا تو امیر کو ندیم خاص بنایا اور صحف داری اور لامارت کا عہد دیا، اسکے
اتھ جامد اور کمر بند جو امر اکابر کا مخصوص لباس تھا انکے لیے مقرر کیا، امیر خسر و جو امیر کے
طاب سے پکائے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہی ہے،

امیر نے جلال الدین خلجی کے تامفوہات نظم کیے اور تاج الفتوح نام رکھا، اسکی
صیلی کیفیت آگے آئی، جلال الدین خلجی کو اسکے تخت پر سلطان علاء الدین خلجی نے
ستہ میں دہو کے سے قتل کر دیا، اور خود تخت فشیں ہوا، سلطان علاء الدین نے اگرچہ غافل
ربے رحمی سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا اور اگرچہ سخت الی درسفکی اسکی طہیت کا جو ہر
ماہتا ہم بہت وٹکے عزم و تقلال اور شوکت و شان کا فرمان رواؤگز را ہے، تسبیح انگیز
ذخارات و انتظامی کارناموں کو چھپوڑ کر علی فیاضیاں بھی کچھ کم حیرت خیز نہیں اسکا دربار
غرا علیاً و فضل اشراس سے ہر وقت محصور رہتا تھا، ان میں بعض کے نام حسبیل ہیں،
قاضی خخر الدین نافل، قاضی فرز الدین کرمائی مولانا نصر الدین غنی مولانا تاج الدین حقدم

و جسکو قرآن مجید رکھنے کی خدمت پر دہوتی تھی، مکون صحف دار کہتے تھے،

۵۔ نہست بایلوں سے اخذ ہے:

قاضی ضیا الدین مولانا ناظم الدین لنگٹ مولانا ناظم الدین بھکری، قاضی زین الدین ناظم
 مولانا شرکتی، مولانا نصیر الدین رازی، مولانا علاء الدین صدر شریعت، مولانا امیران باہب کلہ
 مولانا بخیل الدین بیانوی مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین، مولانا علاء، الدین لاہوری
 قاضی شمس الدین کافروںی، مولانا شمس الدین شمشی، مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین پادہ،
 مولانا صعین الدین لوہوی مولانا افتخار الدین رازی، مولانا معیر الدین اندر پی، مولانا بجم الدین
 مولانا حسین الدین بلوری، مولانا علاء الدین کرک، مولانا حسام الدین سادہ، محی الدین کاشانی
 مولانا کمال الدین کولوی، مولانا وجیہ الدین کابلی، مولانا منہاج الدین، مولانا نظام الدین کلائی
 مولانا فضیل الدین کری، مولانا نصیر الدین بوی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین جوہری
 مولانا حب ملتانی، مولانا حمید الدین مولانا برہان الدین بھکری، مولانا افتخار الدین
 مولانا حمید الدین ملتانی، مولانا گل محمد شیرازی، مولانا حسام الدین سرفہ، مولانا شہاب الدین
 ملتانی، مولانا فخر الدین نسوی، مولانا فخر الدین شفاقلی، مولانا علیم الدین،
 قرار مولانا نشاطی، مولانا علاء الدین سفری، خواجہ زکی،
 عظیم، مولانا حسام الدین درویش، مولانا شہاب الدین، مولانا کریم،
 شفراز خواجہ حسن دہلوی، صدر الدین عالی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ، مولانا
 عارف عبدالحکیم، شہاب الدین، لیکن امیر خسر و کے آنات کا بکام نے ان تمام ستاروں
 کو بنے ذیر کر دیا تھا،

چنانچہ اس وسیع مرقع میں صرف امیر موصوف کی تصویر نمایاں نظر آتی ہے، اسکے بعد

اگر کسی کے خط و خال پہچانے جاتے ہیں تو وہ خواجہ حسن ہیں کہ وہ بھی امیر ہی کافی نہ ہو، علاء الدین نے امیر خسرو کا ایک خزار سالاہ ٹنکہ مقرر کیا تھا، امیر نے سلطان علاء الدین کی نام فتوحات کو نہایت تفصیل سے لکھا، جس کا نام خزانۃ الفتوح ہے، تفصیل اس کی آگے آئے گی،

شمسہ ہمیں امیر کی والدہ اور ان کے بھائی حسام الدین نے انتقال کیا، چنانچہ یہی مجنون ہیں اس داقہ کو نہایت پُر در در مشیہ کی صورت میں لکھا ہے، نظامی کی تفخیج کا جواب اسی زمانہ میں لکھا، چنانچہ ہر کتاب سلطان علاء الدین کے نام سے معنوں ہے، سب سے آخری شنوی بہشت ہے، جو شمسہ ہمیں نام ہوئی، اسی زمانہ میں امیر نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ہات پر بیعت کی چنانچہ تفصیل آگے آیگی، سلطان علاء الدین نے ۲۱ برس کی حکومت کے بعد شاہزادہ صہیں نات کی، اسکے بعد اسکا بیان شماہ الدین (مدت حکومت ۳۴) اور اسکے بعد شاہزادہ میں قطب الدین مبارک بن علاء الدین خلجی، بادشاہ ہوا، وہ اگرچہ نہایت عیاش ہے مغرب، اور سبک سر تھا، لیکن امیر کی قدر دانی سب سے بڑے ہر کی، چنانچہ امیر نے جب شاہزادہ میں اسکے نام پر شنوی پُر لکھی تو ہاتی برابر تول کر دیے دیے، چنانچہ خود امیر قطب الدین کی زبان سے لکھتے ہیں،

ہتاریخ ہمچون من اسکندارے

کند ہر کر کارا کش دفترے

لہ تاریخ فرشتہ، غالباً یہ طلاقی سکہ بوجگا،

نَجْنُوحُ الْجَانِ مَا يَبْلِي شَمَار	دِهْمَ بَارْتِيشْ نَهْ آنِ بَلِيَار
مَرْأُودُ دَرِينِ رَهْ بَدْرَشَهْ دِيل	كَمِيدَادَزَرْ، بَهْمَ تَرَازَهْ بَلِيل
شَنَاسِدَ كَيْ كَشْ خَرْدَ رَهْمُون	كَاهْ بَلِيَارْهَتْ دَرْشَ فَرَادَن
چَوْمِيرَاثْ شَدْ بَلِيلْ زَرْ دَادَنْم	نَزِيَارَا استْ زَيْنِ سَهْلْ تَرَادَنْم
شَهَا! نَجْنُوحُ بَشَا! كَرْمَ گَسْتَرا!	مَعَانِي شَنَاسَا سَخْنَ دَادَرَا
چَنِينْ بَخْشَشَهْ كَرْ تَوْجَمْ يَا فَسْم	دَرَا يَامْ پَشِيشَهْ كَمْ يَا فَسْم
كَنُونْ لَادَهْ اَذْ سَحَرْ سَخْ بَزْنَ	بَانَدَرَاهْ بَخْشَشَهْ آَدَسَخْنَ

قطب الدین خلجی نے ایک ہندو نو مسلم غلام کو خضرہ خان کا خطاب یا قلعہ لانی زارت عطا کیا تھا، اسے سلطنت میں قطب الدین کو قتل کر کے خود تنخ حکومت پر جلوس کیا پکنے امسندر باریں نام ہندو بھروسیت اور خاندان شاہی پر طرح طرح کے ظلم کیے، امر آنے بغایت کی، چنانچہ ہم جیتنے کی حکومت کے بعد سلطنت میں غاری ملکے ہاتھ سے قتل ہوا، اب خلجی حکومت کا خاتمه ہو گیا، اور امراہی درباریں سے غازی ملکے جگہ اپ

سلطان غیاث الدین بلبن کا اُرکی غلام اور مان اسکی ہندی تھی و باریں پکار کر کہا کہ جاؤ تنخ سلطنت کی آڑ و نہیں خاندان شاہی سے کسی کو تنخ نہیں کیا جائے، لیکن چونکہ خاندان میں سر کوئی شخص اب تینیں رہتا تھا اور ایک غازی کی خدمات کا تمام مدبا معرفت تھا اس پر سنبھلے با تفاق اسی کو باشا بنایا، وہ سلطان غیاث الدین نغلق کے نام سے مشہور ہوا، اسے نہایت عدل وال صفات سے حکومت کی، وہ نئی نئی فتوحات حاصل کیں،

غلق آباد کا مشہور قلعہ اسی کی یادگار ہے امیر خسر و کی اسنے عنایت قدر دانی کی اور ان کو ولست اور مال سے نہال کر دیا، امیر نے بھی اسکے احسانات کا حق ادا کیا چنانچہ اسکے نام پر غلق نامہ لکھا، جو غلق کے عمد حکومت کی مفصل تاریخ ہے،

غلق نے جب بنگال کا سفر کیا تو امیر خسر و ساتھ گئے تھاں وہیں یا میکن امیر خسر و میں رہ گئے، اسی اثناء میں خبر شہور ہوئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین ولیا نے انتقال کیا میں پر لفڑا کرتے ہوئے دلی میں آئے اور جو کچھ زر و مال پاس تھا خواجہ صاحب کے نام پر شمار دیا، ماتھی سیاہ کپڑے پن کر خواجہ صاحب کی قبر پر جاؤ رہو ہٹھے، چھ مینے کے بعد دفات ۲۵ میں انتقال کیا، خواجہ صاحب کی وصیت کی تھی کہ خسر و کو میر سے پہلو میں دفن کرنا، لوگوں نے اس وصیت کی تعلیم کرنا چاہی، لیکن ایک خواجہ سر نے جو وزارت امنصب کھاتا تھا کہا کہ لوگوں کو دونوں قبروں کی تینیز کرنے میں دھوکا ہو گا، غرض اب صاحب کے پائتی دفن کیا، اور اس سے بڑھ کر ان کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی، میں کا مقبرہ مددی خواجہ نے جو سلطان بابر کے امر میں سے تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب علی نے تاریخ کھکر لوح پر کندہ کرائی،

شیعرِ عیم المثل "یک تاریخ اور دو ان درگرد طوطی شکر مقال"

امیر کو خدا نے فرزانہ عنوی کے علاوہ اور اولاد نظاہری بھی عنایت کی تھی، فائزانہ و رائے اولاد،
لئے ایک صاحبزادہ کا نام مالکہ حمد ہے، وہ شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے درب
لئے خزانہ عامرہ، ملکہ فرشتہ حالات خسر و،

میں نہیں تھے، ان کی شاعری نے چندان فروع حاصل نہیں کیا ہیکن شعر اور شاعری کے
دقائق سے خوبیات تھے، اشعار کے عین پیغمبر کو فوب پر رکھتے تھے، اور نہایت بازک
اور قیمت بخوبی پیدا کرتے تھے جنابہ اکثر اساتذہ کے اشعار پر جو حرف گیریاں کیں گئیں عموماً
اہل فن سکو تسلیم کر سئے ہیں نہیں کا شعر ہے،

کلاہ گو خود حکم تو از طریق نفاذ
ربودہ از سرگردون کلاہ جباری
ملک موصوف نے ربودہ کو فیض نہ سے بدل دیا جس سے مصروع کی ترکیب چلت ہو گئی،
بخل کی بھومن مثہو شعر ہے،

ایں سهل بود کہ لگڑی خوشی خواست
گزار خواجه خواستی آں راچ کرنے
ملک صاحب نے یون صلاح دی،

ایں سهل بود کہ آپ حیات خواست
گزار خواجه خواستی آں راچ کرنے
نان کے ساتھ آپ حیات کے مقام پر اپنے اطفاء پیدا کر دیا،
ایک دشتر تھا،

گرمشکسا خواند خاک درت رافناک منج
منج گسرہ بھعن خریدار نشکند
ملک موصوف نے پہلے مصروع کیوں بدل دیا،
گرعل خواند سنگدارت شتری مریج،

لیکن انصاف نہ ہو کہ میر خسرو کی یادگار سے ہم اس کو زیادہ توقع رکھتے تھے
بدالوں نے ان اصلاحوں کو نقل کر کے بچ لکھا کہ ملک احمد چونکہ خسرو کی یادگار تھے اسیلے

بادشاہ اور درباری ہم کو بھی امیر کا تبرک سمجھتے تھے اور غنیمت جانتے تھے،
امیر خسرو کی ایک صاحبزادی بھیں لیکن سخت انہوں ہر کہ اس زمانہ میں عورتوں کی
ایسی بیقداری تھی کہ امیر کو اُنکے پیدا ہونے کا رنج تھا، جب وہ سات برس کی ہوئیں تو امیر
نے لیلی مجنون لکھی، اس میں صاحبزادی سے خطاب کرتے ہیں

لے ز عفت فلگنڈہ بر قع نور	ہم عفیفہ بہرام و ہم مسحور
کاش ماہ تو ہم بچپن بودے	در حرم طفل ہشت مہ بوسکے
لیک چوں دادہ خدا لی روست	با خدا دادگان سینہ خطا است
من پذیر فستم اشچہ نیز دان داد	کانچہ او داد با ز توان داد
پدرم ہم ز مادر است آخسر	ما درم نیز دختر است آخسر

پہلے آرزو کی ہر کہ کاش تم نہ پیدا ہوئیں مایا ہوتیں تو بیٹی کے بچے بیٹا ہوئیں بھر طرح طرح
کی تاویلان سے دل کو تسلی دی ہر کہ خرد کے دیے کہ کون ٹال سکتا ہوا اخیراً خسیراً بآپ
بھی تو عورت سے پیدا ہوا، اور میری مان بھی تو آخر عورت ہی تھی،

صاحبزادی کو نصیحتیں کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہر کہ اس زمانہ میں عورتوں کی	حالات نہایت پست تھیں، امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی
سے کہتے ہیں کہ خبردار پر خدا کا تنازع چھوڑنا اور کبھی ہو کئے کے پاس بیٹھ کر اوھڑا و دھر	نہ جھانکنا،

دو کن سوزن گزاشتن نہ فتن است	کالت پر دہ پوشی بد ن است
------------------------------	--------------------------

پا به دامان عافیت سرگن
 رو به دیوار و پشت بر در کن
 در تماشای روز نزت ہوں است
 روز نزت چشم سوزان تو بس است
 آمیر کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی، ٹبری عمر کو بھی پہنچ کر دہ اس جوش محبت
 سے ان سے ملتے تھے جس طرح چھوٹے بچے مان سے لپٹ جاتے ہیں، اور وہ کی معقول
 ملازمت صرف اس بنا پر چھوڑ دی کہ مان دلی میں تھیں اور ان کو یاد کیا کہ تو تھیں اور وہ کر
 جب لی میں آئے ہیں تو مان سے ملنے کا حال اس جوش سے لکھا ہو کہ لفظ سر محبت
 کی شراب ٹکستی ہے

ایک موقع پر جب مان سے ملے ہیں اور مان نے سینے سے لگایا ہو تو ایک شعر
 بے اختیار زبان سے مکلا ہو جس کا مطلب یہ ہو کہ مان کا سینہ بہشت ہو، چنانچہ دونہوں
 دو وہ کی اُس میں جاری ہیں، ۹۹ میں انہوں نے انتقال کیا، اسی سال اُنکے
 چھوٹے بھائی حاصم الدین نے بھی انتقال کیا، لیلی مجنون میں دنوں کا مرثیہ ایک ساختہ
 لکھا ہوا،

امال دونورز اختر مر نزت	هم مادر و هم برادر م رفت
یک هفتہ زنجت خفته من	گم شد دو سه دو هفتہ من
بنخت از دوشکنجه دا دیچم	چرخ از د طانچه کردیچم
یا تم دوشد و غم دافتاد	فریاد که ماتھم دافتاد
یک شعله بس است خرنے را	حیف است د داغ چون شنرا

یک سینه دو بار بزگیست	یک سر دو خامه بر بزگیست
چون مادر من بزر خاک است	گر خاک ببر کنم چه باک است
لے ادم من کجا لی آخر	روتی از چه نمی نسالی آخر
خندان زدل زمین بردان آئی	برگر یا زار من پنجشای
هر جا که زپای تو غباری است	ما را زبهشت یادگاری است
ذات تو که حفظا جان من بود	پشت من رشت بان من بود
روزے کلب تو درخن بود	پند تو صلاح کار من بود
امر و زخم په مهر پیوند	خاموشی تو همی ده پسند
اٹتا لیش برس کی عمر زین ماں کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کمن بچہ ماں کے یہے بلکتا ہے، اس سے آگے بھائی کے مرثیہ کے شعر ہیں اور وہ بھی خون جگرے رنگین ہیں	
امیر خسر و اگر چہ خاندان کے اثر کشاہی دربار سے تعلق رکھے تھو اور اسی قسم کی زندگی ببر کرتے تھے جو عام و نیا دار و دن کاظریقہ ہے لیکن ای مران کی حل فطرت کے خلاف تھا، دربارداری خوشا ماد و شخص پرستی سے ان کو طبعی نفرت تھی و مزتع موقع ی خیالات بے اختیاران کی زبان نکل جاتے تھے، یعنی مجنون شہزادہ میں لکھی تھی جب	
ان کو سلطان علا، الدین طلحی جیسے جیمار بادشاہ سے تعلق تھا، تاہم خاتمه میں کہتے ہیں	
شب تا سحر و زمیح ما شام	در گوشه غم بخیر مم آرام
پیش چون خودے، ستاده بر پا	با شتم زبر اسے نش خود را سے

اپر مزید ہوا کہ اسکے والد نے انکو آٹھ برس کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین کا دیا
 کے قدموں پر ڈوال دیا تھا اور برکت کے لیے بیعت کرادی تھی، خواجہ صاحب کی روحانی
 ماشر جیکے چیکے اپنا کام کرتی جاتی تھی، امیر خسر و کی طبیعت یعنی عشق و محبت کا مادہ بھی از لی
 خداوہ سرتاپا عشق تھے اور یہ بھلی ان کی رگ رگ ہیں کون تی پھر تی آخیر یہ نوبت پوچھی کہ
 خواجہ صاحب میں جیسا کہ خود انفضل اخوان میں لکھا ہے خواجہ صاحب کے بات پر دوبارہ بیعت کی
 خواجہ صاحب نے چار گوشہ کی ٹوپی جو اس سلسلہ کی ثانی تھی عنایت کی در مریدان خاص میں
 داخل کیا، قدرت اللہ قادر ت نے طبقات اشعر امین لکھا ہے کہ امیر نے جب خواجہ صاحب
 سے بیعت کی تو جو کچھ نقد و راساب تھا، سب نہ دیا اور پا پدا من ہو کے پیٹھ گئے،
 خواجہ صاحب کے امیر کی ارادت اور عقیدت عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی ہر قوت
 ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور گویا انکا جمال دیکھا رہتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی اسکے ساتھ
 یقین تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ جب قیامت میں سوال ہو گا کہ نظام الدین کیا لا یا ہے
 تو خسر و کو پیش کر دے گا، دعا مانگتے تھے تو خسر و کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے، اسی
 ہر سو زینتیں ایں ترک مر جائیں،

ایک فتح خواجہ صاحب رب ریا ایک کوٹھ پر بیٹھ کر، ہندو و بھی عبادت اور اشنان
 کا تاثرا دیکھ رہے تھے، امیر خسر و بھی حاضر تھے خواجہ صاحب نے فرمایا دیکھتے ہو،
 ع پر قوم راست را ہے دینی و قبلہ گھاسے

اس وقت خواجہ صاحب کی ٹوپی فراٹھر ہی تھی امیر نے اس کی طرف اشارہ کر کے

مرجتہ کہا، اع

ما قبلہ راست کر دیم بر طرف بکھلائے ہے

جانگیر نے تزک جانگیری میں لکھا ہو کہ میری مجلس میں قول شعر گاہی ہے تھے، میں
اسکاشان نزول پر سچا، ملا علی احمد حربن نے واقعہ بیان کیا، هصرخ آخوند ختم ہوتے ہوتے
ملائکی حالت بدلتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ غش کھا کر گئے، دیکھا تو مم نہ تھا،
خواجہ صاحب نے امیر خرد کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارتے تھے
امیر نے جا بجا اپر فخر کیا ہے، جنا پنج ایک قصیدہ میں جو خواجہ صاحب کی بیج میں، ہر
فرماتے ہیں،

بر زبانست چون خطاب نہ ہے ترک اللہ گیر و ہم بالمش سپا
خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خرد کو میری قبر کے پہلو میں دفن کرنا یہ بھی فرمایا
کرتے تھے کہ اگر ایک قبر میں دولا غنونکا دفن کرنا جائز ہوتا تو میں اپنی ہی قبر میں ان کو
بھی دفن کرتا،

امیر نے تصرف میں جو مدارج حاصل کی، ان کو ہم نہ جان سکتے اور نہ بیان
کر سکتے ہیں یہ البتہ نظر آتا ہے کہ امیر کا ہر شعر جو بھیان گرا تھے وہ اسی وادی ایں کی
شر باریاں ہیں،

امیر کی صوفیا نہ زندگی کا ایک بڑا واقعہ حسن ہوئی کے تعلقات ہیں، حسن نہایت

سلہ تزک جانگیری صفحہ ۱۰ مطبوع علی گڈھ،

صاحب جمال تھے اور نان بائی کا پیشہ کرتے تھے، امیر کا عین شباب تھا کہ ایک ان اتفاق سے ان کی دوکان کے سامنے سے گزرے، آنتاب حسن کی شعاعین ان پر بھی پڑنے دیں ٹھہر گئے اور پوچھا کہ کس حساب پر روپی نیچے ہو حسن نے کہا کہ ایک پڑے میں روپی رکھتا ہوں اور خریدار سے کہتا ہوں کہ دوسرا پلہ میں سونا رکھے، سونے کا پلہ صحک جاتا ہے تو روپی حوالہ کر دیتا ہوں، امیر نے کہا اور خریدار مغلس ہو ہو حسن نے کہ تو سونے کے بدے درد اور نیاز لیتا ہوں، اس انداز گفتگو نے امیر کو اور بھی بے اختیار کر دیا، اف نظام الدین اولیا کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، حسن نے گونا دک اندازی کی تھی، لیکن خود بھی شکار ہو گئے، ایک دوکان بند کے خواجہ صاحب کی خدمت میں پوچھے، اور اپنے دلدادہ نامیر خسرد سے ملے، اسی تعلق سے خواجہ صاحب کی خدمت میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔

امیر سے اس قدر تعلقات بڑھے کہ دو نان ایک م کے بیچ بھی جدا نہیں ہوتے تھے امیر نے جب خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی ساتھ ملازم ہو چاہچے جب مسلمان میکن خان شہید کوتا تاریوں نے ہلاک کیا تو خسرد کے ساتھ حسن بھی اس موقع پر موجود تھے دو نان کے تعلقات کا چرچا زیادہ پھیلا تو لوگوں نے خان شہید سے شکایت کی امیر نے سلہ: واقعہ اکثر تاریخ نہ دست ذکر کروں میں منقول ہے لیکن صاحب بہارتان خن نے اسکی معقول بنا پر تکذیب کی اوشیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عبارت نقل کی ہے وہ قیاس چنان درمیٰ یہ حسن رہبست امیر خسرد گوڈنقدم باشد اچ امیر حسن را دریح سلطان غیاث الدین طیب بن احمد غزال است و در کلام امیر خسرد دریح سلطان مکتب چیزیں میتوان یافت

اس واقعہ پر یہ غزل لکھی،

زین دل خود کام کار من بروای کشید خسر افریان دل بر دن ہمین بار آ در در
خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر کے ملنے سے منع کر دیا، لیکن کچھا خر نہوا،
خان شہید نے غصہ میں اک حسن کے ہات پر کوڑے لگوائے، حسن سیدھے خسر کے
پاس گئے، خان شہید کو اسی وقت پرچہ رگا، نہایت تمحیر ہوا اور امیر کو باؤ اجھجا، آئے
تو کہا کیا حالت ہو؟ امیر نے آستین سے ہات نکال کر دکھایا اور کہا اسے

گواہ عاشق صادق در آستین باشد،

دیکھا تو جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں خسر کے ہات پر بھی کوڑے کے
نشان تھے لہ،

چونکہ حسن کا تذکرہ ہم الگ نہیں لکھتے، او و صنف غزل پران کا خاص حسان ہو،
اسیے ان کے شیدائی، امیر خسر و بھی کے تذکرہ میں ان کے اشعار نقل کرتے ہیں،
خلق گو بینڈاں ز صبر بجا آور باذ ایدل از صبر شانے دہ اگر جاہے ہست
ایک نظارہ دیوانہ تذکرہ دی ہر گز قدمے رنجکن این ہوئی کہ سوتے ہست

کاٹے دگرست کار من نیست برجون تو مکے دگر گنڈ یدن
گفتی کر چرا جدائی از من این از فلک ست احسن نیست
لہ ی تمام واقعات فرشتے نے امیر خسر کے تذکرہ میں لکھے ہیں لیکن اخیر کا واقعہ آجلی کون تسلیم کر گیا،

باز این لم پرسی دلارام می رود	اذا م جسته باز سوی دام می رود
ایام در نیا مده باما به دستی	وان شوخ هم بسیرت ایام می رود
له خواجه ا در محله تقوی قیام گیر	در کوی عاشقی نتوان نیکنام شد
عقلم ک زین بر المیق ایام می نهاد	آخر بتازی از عشق تو رام شد
ظفر سر کاکے است که با وعده معشوق	صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد
از حسن این چیزوں است که معشوق توکیت	این سخن راچه جواب است تو هم می دانی
دو سه بار با تو گفتم که هر آینه بستان	نشد اتفاق شاید که بازین بنا گرفنم
تلعکدم چنانیان را خواب	زان دغاها که مستجاب نبود
له حسن یا رگر خطا کرد	هم شکایت ازو، صواب نیود
پ تقوی نام نیک برد و بودم	مکور ویان مرا بذمام کردند
گفتی که چرا حال خویش نگوئی	من خود کنم آغاز بپایان کر رساند
ان اشعار کی اندازه ہو سکتا ہو کچھ تو اسوز و گداز، اور جذبہ واثر، ائمہ کلام میں موجود	
ان کے کشته محبت دامیر خسر و ہمین بھی نہیں،	

جامعیت اد کمالات ہندوستان میں چھ سو رس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا، اور حقیق پوچھو تو اسقدر مختلف اور گوناگون اوصاف کو جامع، ایرانی رومم کی خاک نے بھی نہزادن رس کی مرتب میں دوہی چار پیدا کیے ہوئے، صرف، ایک شاعری کو تو ان کی جامیت پر حیرت ہوتی ہے، فردوسی، سعدی، انوری، حافظ،

عربی نظری بے شہہ قلیم سخن کے جنم کے ہیں، لیکن ان کی صد و حاوت ایک اقلیم سے آگئے نہیں بڑھتے، فروسی مثنوی سے آگئے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو بات نہیں لگاسکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا، حافظ، عربی، نظری،
غزل کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے، لیکن خسرو کی جانگیری میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، سب کچھ داخل ہر اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائی سخن یعنی تضمین، مسترا د اور صنایع و
بداری کا تو شمار نہیں، تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس خصوصیت میں کسی کو انکی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا، فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے صنانج بے ایک لاکھ شعر سے زیادہ کہا ہے، لیکن امیر خسرو کا کلام کثی لامکھ سے کہنی ل کشہر تذکرہ دن
میں خود امیر خسرو کے حوالہ سے لکھا ہو کہ ان کا کلام تین لاکھ سے زیادہ اور چار لاکھ سے تعداد
کم ہے، لیکن اس میں غالباً ایک غلط فہمی ہو، امیر نے ابیات کا لفظ لکھا ہوا اور قدما کے
محادرہ میں یہیت ایک سطر کو کہتے ہیں چنانچہ نشر کی کتابوں کے متعلق یہ صرف چیز جا بجا فقرتی
ہیں کہ اس میں اس قدر تذکرہ میں ہیں

ان سب پر مسترا دی کہ اوحدی نے تذکرہ عرفات میں لکھا ہو کہ امیر کا کلام جیسا قدر
فارسی میں ہوا سید رنگ بھا کا میں ہو کس قدر افسوس ہو کہ اس مجموعہ کا آج نام و نشان
بھی نہیں،

مختلف زبانوں کی زبانداری کا یہ حال ہو کہ ترکی اور فارسی اصلی زبان ہو، عربی
میں ادبی عرب کے ہمسر ہیں،

سنگرت کے ماہر ہیں، چنانچہ مشنوی دُسپر تین تو اضع کے لمحہ میں اسکا ذکر کیا ہو
ر ع من قدرے بر سر این کار شدم،

سنگرت دانی

شاعری کے بعد شماری کا نمبر ہو، اسوقت تک کسی نے نظر لکھنے کے ہموال ورقاعدے
نہیں مرتب کیے تھے، انہوں نے ایک مستقل کتاب اعیاز خسروی تین جلد و ان میں
لکھی اور اگرچہ افسوس ہو کہ زیادہ تر زور، صنائع و بداع پر بیکار گیا، لیکن انکی طبائع اور
ذہانت سے کون انکار کر سکتا ہو،

موسیقی

موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب، انکے بعد آجتنک پھر کو شخص
حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اسکی تفصیل مستقل عنوان میں آتی ہو،

فترہ تصوف

ان مختلف ایشیات مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا پر رنگتے کہ گویا، عالم قدس
کے سوا دنیا فانی کو نظر انھا کرنہیں دیکھا، چنانچہ اسکا ذکر بھی الگ عنوان میں آئے گا،
ان سب باتوں کے ساتھ جب اپر نظر کیجا تی ہو کہ مان کو، ان کاموں میں مشغول ہوئے
کے یہ وقت کس قدر ملتا ہما، تو سخت حیرت ہوتی ہو، وہ ابتداء سے ملازمت پیشہ تھے
اور دربار و میں تمام تمام دن حاضری دینی پڑتی تھی کام جو پرداہما، وہ شاعری نہ تھی
بلکہ اور ارشغال تھے، یہاں مجذون کے خالہ میں لکھتے ہیں

عبد الغفرانی

مسکین من مستند مد ہوش از سو خلگی چو دیگ پر جوش

شب تا سحر و ز صح تاشام در گوشہ غم نگیر م آرام

با شم زبراء نف خود رای پیش چو خودی ستاده بربا ی

ینی نفس پوری کی وجہ پہنچی جیسے کے آگے، سمجھ سے شام تک ٹردوب کھڑا رہتا ہوں،

تاخون نرودز پاے تا سر دسم ن شود ز آب کس تر
 جب تک پاؤں کا پسینہ سرتک نین پہنچا، لھانا کھانے کو نہیں ملت،
 ان حالات کے ساتھ اگر صاف قدرت اُنکے پیدا کرنے پر ناز کرے تو چندان
 ناموز و نہنگا،

پہنچا امیر کی ہمدرگیر طبیعت نے اس ناز کا ولطیف فن پر بھی توجہ کی اور اس درجہ تک
 پہنچایا کہ چھ سو برس کی وسیع ندت نے بھی ان کا جواب پیدا ز کیا، اُنکے زمانہ کا مشهور
 جگت اُستاد جو تمام ہندوستان کا مستاد تھا، نایک گوپال تھا اسکے بارہ سو شاگرد تھے،
 جو اسکے سنگھا سن یعنی تخت کو کھاروں کی طرح کا نہ ہے پر لیکر چلتے تھے، سلطان علاء الدین
 غلی خ نے اسکے کمال کا شہرہ منا تو ربار میں بلا یا امیر خسر و نے عرض کی کہ میں تخت کے
 پنج چھپ کر بیٹھتا ہوں، نایک گوپال سے گانے کی فرمائش کیجائے، نایک نے
 پچھ مختلف جلسوں میں اپنا کمال دکھایا، ساتویں دفعہ امیر بھی اپنے شاگردوں کو لیکر
 دربار میں آئے، گوپال بھی ان کا شہرہ سُن چکا تھا، ان سے گانے کی فرمائش کی امیر
 نے کہا میں مغل ہوں، ہندوستانی گانا کچھ یوں ہی ساجانتا ہوں پہلے آپ کچھ سنائیں
 تو میں بھی کچھ عرض کر دن گا،

گوپال نے گانا شروع کیا، امیر نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی میں بازدھ چکا ہوں پھر
 خود اسکوا دا کیا، گوپال نے دوسرا راگ شروع کیا، امیر نے اسکو بھی ادا کر کے بتایا کہ متون
 پہلے میں اسکوا دا کر چکا ہوں، غرض گوپال جو راگ رکھنی اور سردا کرتا تھا امیر اسکوا پنا ایجاد

ثابت کرتے جاتے تھے، بالآخر کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ تھے، اب میں اپنے خاص ایجاد اس نتاتا دن، پھر جو گایا تو گوپال بہوت ہو کر گیا،
امیر خسرو چونکہ ہندی کے ساتھ فارسی راگون سے بھی واقع تھی، اسیے انہوں نے
دونوں موسیقی کو ترکیب دیکر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، چنانچہ اُنکے ایجاد کردہ راگ
حسب قبول میں ہے،

<p>نام راگہ مختصر امیر خسرو</p> <p>کن راگون سے مرکب ہے</p> <p>غمیسر،</p> <p>غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے</p> <p>سازگری</p> <p>پوربی، گورا، کنگلی، اور ایک فارسی راگ</p> <p>قرآن سعدین میں سکا ذکر کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں</p> <p>زمزمه سازگری در عراق</p> <p>اتفاق</p> <p>کردہ بہلیانگ عراق</p> <p>ایمن</p>	<p>ہندو دل اور نیرنی</p>
---	--------------------------

لعل عالیگری علمائے میں فقیر الشجاع کا لقب سیف خان تھا ایک مشہور امیر تھا، ناصر علی نے اسی کی شان میں کہا ہے،
گفتگو طوطی از آئینہ می خیز و عسلے گرباش سیف خان مانیس در کافیست
وہ موسیقی کا بڑا ہر تھا، فن موسیقی کی ایک مستند کتاب نہیں ہے لیکن تدقیق اسکا فارسی میں ترجمہ کیا، اور اور بہت سے
فوائد اضافی کیے اور اسکا نام راگ در پن رکھا، چنانچہ نثر الامرا جلد دوم صفحہ ۹، مطبوعہ کلکتہ میں یقینی مذکور ہے
اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس ہوا اور ایک ندوہ کے کتب خاد میں ہرگوپال کا واقعہ دیا ہے امیر خسرو
کی ایجاد اس میں نے اسی کتاب سے لیے ہیں،
لعل راگ در پن کے دونوں جو میرے استعمال میں ہیں دونوں غلط ہیں اسیے راگونکے نام صحیح نہیں پڑتے گے
اسیے کہیں کہیں میں صرف صورت نویسی کر دی ہے،

سازگ اور بست اور نوا شاق
 توڑی و مالڑی و دو گاہ حسینی دافق
 پوربی میں ذرا تغیر کر دیا ہے، نعم
 کھٹ راگ میں شہ ناز کو ملایا ہر بلیف
 کنگلی اور گورا میں فرغانہ ملایا ہر رغناہ
 سازگ پلاول اور راست کو ترکیب یا کر سرپرده
 دیسکار میں ایک فارسی راگ ملادیا، باخر
 کانہڑا، گوری، پوربی، اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہر زد دست (یا) پر دست
 کلیان میں ایک فارسی راگ شامل کیا ہر نعم
 راگ درپن میں لکھا ہر کہ ان راگوں میں سازگری، باخر، عشاقل و ملوق میں مسقی
 حاکمال دکھایا ہر، باقی راگوں میں کچھ یون ہی ادل بدل کر کے دوسرا نام رکھ دیا ہر قول
 زاد، خیال، نقش، بگار، بسیط، تنانہ، سوہنہ، یہ سب بھی امیر خسر و کی ایجاد
 ہیں ان میں سے بعض خاص ان کی ایجاد ہیں، بعض کے نام ہندی میں پڑا موجود ہے
 امیر نے ان میں کچھ تصرف کر کے نام بدل دیا،
 جامی نے فتحات لانس میں لکھا ہر کہ امیر خسر و ۲۰ کتاب میں تصنیف کیں
 ہی مشہور ہر کہ امیر نے خود کئی کتاب میں تصویر کی ہر کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم اور

چار لاکھ سے زیادہ ہیں اور حیری نے عرفات میں لکھا ہو کہ امیر کا کلام جس قدر فارسی
تین ہے اس سے زیادہ ہندی میں ہے،

امیر کی کثرت تصنیف سے کسکوا نکار ہو سکتا ہے؟ لیکن بیانات مذکورہ بالامبالغہ
ناہیں، چار پانچ لاکھ اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ قدیم زمان میں سطر کو بیت کہتے تھے، اور
استعمال نہایت کثرت مروج ہے، اس بنابر ان کی ہر قسم کی تصنیف کی ہے، ۵ لاکھ
سطر میں ہوں تو چند ان تعجب نہیں لوگوں نے بیت اور شعر کو مزاد فرمجو کر بیت کیجگہ
شعر لکھ دیا، ہندی کلام مدقن نہیں ہوا، اسیلے مبالغہ کے لیے کافی موقع ہے، بھر جال
ج قد تصنیفات آج ملتی ہیں وہ بھی کم نہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،
دیوان تحفۃ الصغر اسکے دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ یہ بے پہلا دریاں
ہر جس میں ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس تک کا

کلام ہے،

دیوان وسط الحیات

اس میں ۲۰ برس کی عمر سے ۲۳ یا ۲۴ برس کا
کلام ہے، اس میں جو قصائد ہیں، سلطان شہید

له امیر نے اپنے چاروں دیوانوں کے دیباچوں میں تصنیف کے متعلق کچھ کچھ حالات بھی لکھی ہیں تحفۃ الصغر اور
غرة الکمال کا دیباچہ سوتیں پیش نظر ہے اور دیوانوں کے دیباچہ بھی نظر سے گزٹے ہیں لیکن سوتیں سائیں
ایسے انکی نسبت میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ڈاکٹر دیوان رائی ای وی کے اس روایتے مانو ہے جو انوں نے رش
مزہیم کے کتبخانے کی نہرست میں لکھی ہیں اس طلاق کے متعلق میں موری عبد القادر پر فیصلہ بننا کا لکھ کا ممنون ہے،

کشلوخان وغیرہ کی مرح میں ہیں

دیوان اپنے بھائی علاء الدین علی خطاط کے صرار
مرتب کیا، ۲۴ برس کی عمر یعنی ۵۷ھ سے تقریباً
۵۷ھ تک کا کلام ہر، دیباچہ میں اپنی مختصر سی
سو ان عمری لکھی ہر، سلطان حمز الدین کیقباد، اور
جلال الدین خلجی کے مدحیہ قصائد میں دو ہفتہ میں
اسکی ترتیب کی اور دیباچہ لکھا،

بڑا پے کا کلام ہر، تاریخ تالیف نہ کو نہیں لیکن
سلطان علاء الدین خلجی کا مرثیہ اسی میں موجود ہے ایسے
کم از کم ۱۵۷ھ کے بعد تک کا کلام ہر،

پانچواں دیوان ہر، اس میں غزلوں کے علاوہ
قطب الدین مبارک خلجی المتوفی ۶۰۷ھ کا مرثیہ اور
اسکے ولی عهد کی صدیں ہیں، ایک قصیدہ میں ۶۷ھ
کا ایک واقعہ مذکور ہے اور اسی سن میں خسر و نے
انتقال کیا ہے،

سب سے پہلی شنوی ہر ۶۷ھ میں جبکہ مصنف کی
عمر ۳۶ برس کی تھی لکھی، کیقباد، اور بخارخان کے مرسلات

غرة الکمال

بچینہ نقیہ

نهاۃ الکمال

قرآن السعدین

اور صلح و ملاقات کا حال ہے

مخزن لاسر کا جواب ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے
نام پر ۲۳۱۰ شعر ہیں دو ہفتہ میں تمام ہوئی
سالِ اختتام شمسہ ھر، تصوف کے مصنایں ہیں
اور تنج گنج کے سلسلہ کی پلی کتاب ہے

مطلع الانوار

رجب شمسہ ھر میں تمام ہوئی ۱۲۲۷ شعر ہیں،
سکند زادہ کا جواب ہے سالِ اختتام شمسہ ھر
اشعار کی تعداد ۲۵۰ م ۲۴۵۰

شیرین خسرہ

آئینہ اسکندری

۲۴۹۰ شعر ہیں، شمسہ ھر میں ختم ہوئی،
سلسلہ تنج گنج کی سب سے اخیر مثنوی ہے ہفت پیکر
نظمی کا جواب ہے، شمسہ ھر میں تمام ہوئی ۲۴۸۲
شعر ہیں،

سلی محجن

ہشت بہشت

پورا نجم سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر ہو کلن انہار
شعر ہیں خمسہ نظامی میں ۲۰ نہار شعر ہیں یہ پانچوں
کتابیں دو برس کی مدت میں تمام ہوئیں،
سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے
سالِ اول یعنی شمسہ ھر، جادی لآخر شمسہ تک

تاج الفتوح

حالات ہیں اور اسی سنہ میں پہنچوی تمام ہبھی ہوئی
مطلع یہاں سخن بہ نام شاہ بے کر دم آغاز۔

قطب الدین خلجی کے نام پر ہی، نوباب ہیں اور سپر
باب جدا گاندھر میں جو اس مناسبت سے نہ سپر
نام رکھا ہی، اسوقت امیر خسرد کی عمر ۶۰ برس کی ہوچی
تھی شاہ ہمین تمام ہوئی۔

دول رائی گجرات کے راجہ کی لڑکی تھی، حضرخان
سلطان علاء الدین کا بیٹا تھا، وہ دولتی بیرونی پر عاشق
ہو گیا تھا اور اس سے شادی کی، خضرخان نے
خود یہ حالات بطور یادداشت کی کئے تھے، اس کی
فرمایش سے امیر خسرد نے اسکونظم کا لباس پہنایا،
او عشقیہ نام رکھا، چار جینے میں تمام ہوئی۔ ۲۱ شعتر
تھے حضرخان کے منے پر دولتی کو جو واقعات
پیش آئے، انکو لکھا تو ۳۱ شعدون کا اضنا فہ ہوا،
شکھ ہمین تمام ہوئی۔

خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہیں:
نشر نویسی کے حصول در قواعد منفبط کیے ہیں اور

نہ پس

انضل لفوارم
اعجاز خسردی

سیکڑوں صفتیں اختراع کی ہیں، ۱۹۷۷ء میں تامہ ہوئی

تین جلد دن میں ہوئے

غیاث الدین تغلق کے حالات اور فتوحات ہیں

تغلق نامہ

سلطان علام الدین کی فتوحات ہیں،

خرزانہ الفتوح

ان کتابوں کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے،

مناقب ہند تاریخ دہلی

دولت شاہ نے لکھا ہو کہ ان تصنیفات کے علاوہ فن حساب اور فن موسيقی میں

بھی ان کی تصنیفیں ہیں،

شاعری امیر خسر و اگرچہ ہند سی نہ راد تھے، لیکن ایرانی شعر کوہی اُنکی شاعری اور زبانی

کا اعتراف کرنا پڑتا، جامی بھارتان میں لکھتے ہیں کہ جسمہ نظامی کا جواب خرسو سے بہتر

کسی نے نہیں لکھا، طوطی ہند جو ان کا خطاب تھا، ایرانی بھی اسی خطاب سے ان کو یاد

کرتے ہیں،

عرنی، پر روح خسر ازین پا رکی شکر دادم کہ کام طوطی ہندستان شود شیرین

خواجہ فضیل شکر شکن خوند ہمہ طوطیان ہند زین قدر پارسی کہ پہنگالہ میرود

آذری نے جواہر الاسرار میں لکھا ہو کہ شیخ سعدی شیرازی خوسرو ملنے کے بیٹے شیراز

سے دلی میں آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں، اور بعض تذکرہ نویسیوں نے

صرائف اس واقعہ سے انکار کیا ہے، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آذری

کے نزدیک خسر و اس پا یہ کہ شخص تھے کہ سعدی کا ان کی ملاقات کے لیے سفر کرنا

مکن تھا اور اس قدر تو تمام مورخوں اور تذکرہ نویسوں کو تسلیم ہو کہ جس طالبان شہید نے سعدی
کو شیراز سے بلا یا تو انہوں نے بڑھاپے کا غدر کیا اور لکھ بھیجا کہ خسر و جو ہر قابلِ نین اُنکی
تربیت کیجا، اسوقت خسر و کی عمر تیس پرس سے زائد تھی،
تاہم بعض بعض ایرانی شعراً قومی تعصّب کو چھپا نہیں سکے، عبدی رائیش عرجا میز رزو کا
محاصرہ ہے کتنا ہے،

غلط افتاد خسر و راز خامی کہ سکبا نجت دد دیگ نظانی
امیر کی شاعری قدر تی تھی، وہ ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوئے تھے، اُنکے
باپ دادا، شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ فلم کے بجائے تنخ سے کام لیتے
تھے، ماہم امیر کے دودھ کے دانت بی نہیں ٹھٹے تھے کہ اُن کی زبان سر بے اختیا
شر نکلتے تھے، دیباچہ غرۂ الکمال میں خود لکھتے ہیں،
دران صفر سن کہ دندان می افتاد، بخن می گفتہم و گوہ راز دہام میر نجت،
دیوان تحفۂ اصغر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

چون مر استافے سر آمدہ بر سر نیا مدد بود کہ بر سرد قایق دال شدے و
آہوے مشکبا ر قلم را از سواد خطابا باز آوردے،
ایک مرتب تک دیوان ہی بطور خود رکھتے ہے، استافے کے بجائے اساتذہ کے دیوان
کو سامنے رکھ کر ان کا تسبیح کرتے تھے، جس دیوان کا مطالعہ کرتے تھے، اسی انداز پر کہنا

شروع کرتے، خاقانی کا کلام دیکھا تو بہت مغلب نظر آیا، اسکے الفاظ حل کیے یا لکھن خود تخفف مغز
میں لکھتے ہیں کہ اسکا تبع نہ ہو سکا، پہلا دیوان بالکل بے اصلاح ہوا، آئیں اسکا مرتب کرنا
بھی نہیں چاہتے تھے یا لکھن بھائی کی خاطر سے مجبور ہو گئے،
لیکن بالآخر وہ اپنا کلام اساتذہ کو دکھلانے لگے، ہشت بہشت کے خاتمه میں
تصریح کی ہو کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یا فتحہ ہے، شہاب کی پہلے نہایت تعریف کی ہے
پھر لکھتے ہیں،

اوہ اصلاح راند، خامہ خلیش	من بدوعصہ کردہ نامہ خوش
رنج برخود نہاد و منت ہم	دیدہ زمکنہ راستم ہر قسم
نے بعیان طارہ گذاف	نظرے تیز کر دو موے شگاف
مو بلو شعر بیز کر دا دست	این فائق کر شد ز مغزش پوست
مس من گشته کیمیا ازوے	شمع من یافتہ خپیا ازوے
بر کشیدم گس ز شربت نوش	ہر جچ او گفت من نہادم گوش
عیب آن پرسن است نہ بڑے	دانچہ نبود من نہ جسم مپے
بُرد بیرون خطائے خامہ من	یارب او چون نہ تیخ نامہ من
در قیامت خط اماں ش باد	نامہ او کہ حرز جانش باد

آخر کے شروع میں معلوم ہوتا ہو کہ پانچوں شنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہیں یہ بھی
نابت ہوتا ہو کہ امیر زیر مقلد نہ تھے، جہاں ان کو اصلاح کی وجہ سمجھیں نہیں آتی تھی

ان اُستاد کی راے تسلیم نہیں کرتے تھے، کو ادب کا پاس اب بھی محفوظ رکھتے تھے
عیسیٰ ان برکن است بروے،

اعجیب بات ہر دوہ اُستاد جس کے دامن تربیت میں خسر و جیسا شخص پلکر ڈرا ہو، آج اُسکا
مذہب تک معلوم نہیں،

معاصر اُستادوں کے علاوہ خسر و نے قریم اساتذہ سے بھی بہت فیض حاصل کیا ہو
ہُون کے کلام کو سامنے رکھ کر کتے تھے، اور اُسی طرح اُس سے فائدہ اٹھاتے تھے جس طرح
ایشناگر در زندہ اُستاد سے شاعری سیکھتا ہوا اسی بناء پر لیلی مجنون میں نظامی کی نسبت
تھے ہیں،

زندہ است بمعنی اوہ استاد م ذریست نہش حیات دا دم
خ سعدی سے استفادہ کا اشارہ کرتے ہیں،

خسر مرست اندر را غیر معنی بر بخیست شیرہ از جنما نہستی کہ در شیرہ از بود
روح فرشتہ میں لکھا ہو کہ خسر و جوانی کے جوش میں اکثر اساتذہ کی شان میں گستاخی کرتے تھو
بنا پچھے جب مطلع افانوار لکھتے ہوئے یہ شعر کہا،

کو کہہ خسر و میم ستد بلند زلزلہ در گور نظامی فنگند

غیبے ایک تلوار تکلی، اور خسر و کی طرف بڑھی خسر و نے خضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام
یا، دفعہ ایک بات نو دار بہوا اور اس نے اس تین تلوار کے سامنے کر دی، تلوار اس تین کو کاٹتی
دی ایک بیری کے ذخت پر جائی، واقعہ قدر عقل کے خلاف ہو اُسی قدر تاریخ کے بھی

فیالت ہر خسر دنے مطلع ال انوار شہزادہ ہرین کی ہر سو قت انکی عمر بہ برس کی ہو چکی ہے
شباب کا زمانہ کہاں ہر شباب کے زمانہ میں انہوں نے خرگہ الکمال مرتب کیا ہر اس کے دیباچہ
میں صاف لکھتے ہیں کہ میں شنوی میں نظامی کا پیردا در شاگرد ہوں۔
اے زمانہ میں قران اسمعیل کی اس میں لکھتے ہیں۔

نظم نظامی باطفافت چو در	ذروراوس رسرا فاق پر
پنجتہ از وشد چو معانی تمام	خام بود پختن سوداے خام
گندزار زین خان، کرجاہی تو نیست	دین رہ باریک بہ پائی تو نیست
کالبدی داری وجان اندر دست	ہر چہ تو دانی بہ ازان اندر دست
تابود این سکہ بہ عالم درست	برتن تو کے بود این شققہ چوت
شنوی اور استثناء گبوے	بشنوش از درود عاص گبرے
این ہمہ زانصاف نگز ورنیست	گر تو نہیں دگر کو رنیست
نظامی کی نسبت لیلی مجنون میں لکھتے ہیں	

زندہ است بہ معنی او ستادم	و رنیست منش حیات دادم
غرض امیر نے کبھی اساتذہ کی استادی سے انکا زندین کیا دہ تمام استادون کا نہایت ادب	
کرتے تعم مطلع ال انوار میں جو کہ دیا ہر دہ ایک اتفاقیہ فخر یہ جوش تماجس سر نظمی کی تحریر منظولی	
امیر کی حالات شاعری میں یہ سب سے عجیب واقعہ ہر کہ وہ اپنے کلام پر آپ یوں کرتے ہیں	
اور ایسی بے لگ بے دیتے ہیں کہ انکا دشمن سے دشمن بھی ایسی آزادانہ رائے نہیں	

دیکھتا، قرآن سعدین میں انہوں نے کیقہا دا اور بغراخان کا حال لکھا ہے، لیکن اصلیٰ اتفاق کو
چھوڑ کر خاص خاص چیز دن کی تعریف میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ واقعات کا
سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہوا اور کلام نہایت بے ربط ہو جاتا ہے، اس عیسیٰ کو خود ظاہر
کرتے ہیں،

کز غرض قصر فرو ماندہ ام	وصف برآن گونہ فروراندہ ام
کا نچہ گویند ہم گفتہ ام	عیسیٰ چنان نیت کہ بہفتہ ام
معترض عجز پ نقسان خوش	چون ننم اندر قلب کان خوش
عیب یکے نیت کہ جویند باز	چون ہمہ عیبا ست چگویند باز

غرة الکمال کے دیبا چہ میں لکھتے ہیں کہ شاعر کی میں قسمیں ہیں،
اُستاد تمام، جو کسی طرز خاص کا موحد ہو، جیسے حکیم سنائی، انوری، ظہیر نظامی،
اُستاد نیم تمام، خود کسی طرز خاص کا موحد نہیں، بلکہ کسی خاص طرز کا پیرو ہوا اور اس میں
کمال بھم بچا پایا ہے،

سآرق، جو اور دن کے مرضان میں چوتا ہے، پھر لکھتے ہیں کہ اُستادی کی چار شرطیں ہیں،
طرز خاص کا موحد ہو، اسکا کلام شوار کے انداز پر ہو، صوفیوں اور واظنوں کی طریقہ
پر نہ ہو، غلطیاں اور بغشیں نہ کرتا ہو،

یہ شرائط لکھ کر فرماتے ہیں کہ میں درحقیقت اُستاد نہیں، اسیلے کہ چار شرطوں میں سے
مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں، یعنی میں سرقہ نہیں کرتا، اور میرا کلام صوفیوں اور واظنوں

کے انداز پر نہیں، لیکن) دو شرطین مجھ میں موجود نہیں اول تو میں کسی طرز خاص کا موجہ نہیں
دوسرے میرا کلام تغزیون سے خالی نہیں ہوتا، فو وائنسے الفاظ ہیں،

بندہ را ازان چار شرط اُستادی کے گفتہ شد، اول شرط کے لئے طرز بست
بر حکم باجراء کے درجہ اے قلم جریان یافت، کہ چند رین اُستاد رامتائیں کلات
بودہ ام،

چون پس رد طرز بہر سوا دم پس رشا گردم نہ او سخا دم
دو شرط دوم آنکہ در زنا فہ سوا دا برمی خطانا نہ باشد ازان نیز دم تو محض دا کلمہ بند
اگرچہ پیشتر والی است اما جا بچا در غزل دنفر تغزیہ دی ہم است ورین دو شرط
معترف کہ ازالٹ اُستادی قرعہ بر قائل نتوانہم علاطہ ہیں،

کیا دنیا میں اس سے زیادہ کوئی انصاف پہنچی اور بیسے نفسی کی مثال ملکتی ہی، امیر کے
کلام پر یوں کرنے کے لئے اس سے زیادہ ٹپڑک کیا دلیل راہ ہو سکتا ہی،
امیر ہے یہ بتا دیا ہی کہ وہ احتیاف سخن میں سے کس صفت میں کسکے پیرو ہیں،

تفصیل اسکی یہ ہے،

غزل، سعدی

شنوی نظمی

مواعظ حکم، سنائی و خاقانی

قصائد، رضی الدین مشاپری، و کمال تکمیل خلاق اعلانی،

لیکن انگریزشین کون بتاۓ؟ کس کا مفہوم ہو، ہم دبی ربان سے صرف اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ بعض کلام میں (قرآن، السعدین و احجاز خسروی) لفظی رعایت بہت بڑی جملے جگہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، اور بعض بجکہ بالکل تکلفنا در آور دہرا۔ امیر نے شعر و شاعری کے متعلق دیوانوں کے دیباچہ میں بہت نکتے لکھی ہیں جن سے اس فن کے متعلق مفید تابع حاصل ہو سکتے ہیں، غرہ الکمال کے دیباچہ میں، پر بحث کی ہو کہ فارسی اور عربی شاعری میں کسکو ترقی تجھ ہے، فیصلہ فارسی کے حق میں کیا ہوا تو اس کی یہ دلیلیں لکھی ہیں،

(۱) عربی میں ایسے زحافات ہیں کہ اگر فارسی میں ہوں تو کلام ناموز دن ہو جائے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارسی کے اوڑاں ایسے منطبق اور طیف ہیں کہ فارسی کی تیزی کی برداشت نہیں کر سکتے،

(۲) عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لیے متعدد متراوں لفاظ ہیں ایسے شاعری آسان ہو، ایک لفظ کسی وزن یا بھر میں نہ کھپ سکا تو دوسرا موجود ہو، بخلاف اسکے فارسی میں نہایت محدود لفاظ ہیں باوجود اسکے فارسی شہرا پر میدان شاعری تنگ نہیں،

(۳) عربی زبان میں صرف قافیہ ہو، اور دلیٹ نہیں،

اب غور کرو عربی زبان کو متعدد طرح کی دعوت حاصل ہو، وزن آتنا وسیع کر جتنے زحافات چاہیں استعمال کرتے جائیں لفظوں کی یہ بہتانات کہ ایک لفظ کے بجائے دوسرا اور دوسرا کے بجائے تیسرا موجود ہو، اور دلیٹ کی سرے کی ضرورت نہیں نرے قافیہ پر میدان نہیں،

جس قدر تلقیٰ ملتے جائیں کہتے جاؤ، ان سب سعتوں کے ساتھ عربی شاعری فارسی شاعری
غالب نہیں آ سکتی،

اسکے علاوہ عرب کا شاعر اگر ایران میں آئے اور برسون قیام کرتا ہم فارسی
زبان میں شعر نہیں کہ سکتا، لیکن ایران کا شاعر بے تکلف عربی میں شاعری کر سکتا ہو، مختصری
اور سیبوبی عجمی تھے، لیکن زبان رانی میں عرب عرباً سے کہا تھا، فارسی کے وجہ ترجیح
لکھا کر کہتے ہیں کہ دا در بستے وجہ ہیں لیکن میں اسیلے قلم انداز کرتا ہوں کہ کوئی نہیں تعصی کے
پردہ میں خالفت پر نہ آمادہ ہو جائے؛

امیر خسرو فن شاعری میں جن خصوصیات کے حاظت سے متاز ہیں، ان کی تفصیل

حسب ذیل ہے

(۱) ایران میں جبقدرش عراگز رے ہیں، خاص خاص صناف شاعری میں کمال رکھتے، مثلاً فردوسی و نظامی، شنوی میں انوری اور کمال قصار میں، سعدی اور حافظ،
غزل میں ہی لوگ جب دوسری صحف میں ہات ڈالتے ہیں تو پھر کی پڑ جائے ہیں،
بخلاف اسکے امیر، قصار میں، شنوی اور غزل تینوں میں ایک رجہ رکھتے ہیں، شنوی میں
نظمی کے بعد آجٹک ان کا جواب نہیں ہوا، غزل میں وہ سعدی کے دوش بدؤش میں
قصار میں ان کی چندان شہرت نہیں ہوئی، لیکن کلام موجود ہو، مقابلہ کر کے دیکھو،
کمال و نظمہ سے ایک قدم تیجھے نہیں تفصیل اسلکی آگے آتی ہو،

(۲) ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہو کہ خاص خاص چیزوں پر نظریں نہیں لکھی گئیں،

نہا، قلم، کاغذ، کشی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میودان اور پھولوں فیغیرہ دغیرہ پر
بی مسلسل درمی نظیں نہیں ملتیں جن سے اُن کی تصویری آنکھوں میں پھر جاتے امیر خسرو
نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انہوں نے قران السعدیں میں اکثر اسی
حکم کی نظیں لکھی ہیں اور اس کتابے اُن کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ فارم
رنا تھا جنہا نبی خود فرماتے ہیں،

گزدل دانستہ حکمت پناہ	بود در اندر شیر من چند گاہ
جمع اوصاف خطابش دہم	چند صفت گویم دا بش دہم
سک این ملک په خسر و دہم	طرزخون رار دش نو دہم
تاذ شام ن زینم ز پاے	سکه خود زین غن اندر شیشہ ز اے
و صفت نہ زان گونہ شازدل ہجن	کان دگرے را بدال آید کر چون

اس قسم کی شاعری کا نام امیر نے وصف نگاری رکھا، اور یہ نہایت موز دن نام ہے،
اگرچہ افسوس ہو کہ زمانہ کے مذاق کے لحاظ سے اس میں فخر کا پورا نگہ نہیں آیا بلکہ مکلف
او مخصوص آفرینی کا رنگ چڑھا یا ہوتا ہم جبقدر ہو غنیمت ہو،
کاغذ کی تعریف،

کاغذ شامی نسب صحیح دام	آنکھ شد آر ایش صحیح ز شام
سادہ حریرے دا ملش ز خوش	باتصب خرز شدہ پیوند چوش

سلہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کاغذ شام سے آتا تھا،

طرفه حریمے کے تو ان جزو کرد	تائے حسریر آمدہ اندر نورو
لیک پر الگ گیش یعنی زاپ	آمدہ اجزا شس فراہم ز آپ
پشت دوتا گردو شر از شکست	بسکه شد از کوشش بیاری پت
گه دهد از تنخ په مقراض سر	گه بو دا ز دسته تغیش گزر
گر کشش رشته دفتر کشد	گر خلم سوزن مطرک شد
حرفت بحروف از قلم آردخن	لیک پر چید په که برخویشتن
بہت سے شعر لکھتے ہیں، یعنی قلم انداز کر دیئے، کشتی کی تعریف،	

خانہ گردندہ بہ گرد جہان	ساختہ از حکمت کار آگہان
خانہ روآن، خانگیاں مشقیم	ناورہ حکم خدا سے حکیم
ہمہ اوسا کن واو در غر	اہل سفر اہمہ بروے گزر
حامل چندین بچہ، یکن عیقم	جاری یہندز با نشر سلیم
بیشتر از مرغ پر د، در کشاد	بیشتر از مرغ پر د، در کشاد
بار سن و مسلسلہ و تحفہ بند	رفتہ دو منزل بہ نعے بل و چند
پر چچو اسیل ز دوسکو دہا ز	پچھو کانگکان بہ ہوا سر فراز

له اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے ہی اسی طرح کاغذ بناتے تحریر کردہ ای اور کچھ کے چھڑوں کو بانی میں جگو کر بانی کی
طرح سیال بنایتے تھے، پھر نشانہ ہو کر کاغذ پوچھتا تھا،

ہر طرفش رہ پشتا ب دگر
 گرچہ بدر یا گذر و بیش و کم
 آب نباشد گر شن تائشم
 دست چود رآب فراز افگنند
 آب ازان لطمه ہ فریاد و شور
 نظرے زدہ بر رخ دریا یا زور
 در رہ بے آب نداشدن کیست کہ بے آب نداشدن
 (۲) تشبیہ شاعری کے چہرہ کا غازہ ہی، لیکن تعلیم پرستی نے یہ حالت پیدا کر دی
 تھی کہ جن چیزوں کی تشبیہیں ایک دفعہ قدماء کے فلم سے بخل گئیں اُنکے سوا گویا نیا
 کی تمام چیزیں بیکار تھیں،
 امیر نے بہت سی تشبیہیں خود پیدا کیں، چنانچہ غرة الکمال میں خود لکھتے ہیں
 تشبیہات نوبیار است این مغل جملہ راجح نتواند کر د، اما دوسرہ نظریہ رای
 یاد کر دن گرد شرہ،
 اسکے بعد دو تین مثالیں لکھی ہیں،
 زانتظار دو ماہی ساق تو صدر چشم
 بنیر ہر مو دارم چو دام ماہی گیر
 فڑہ ہے کڑول آویزت
 کڑھاے و کان قصہ باست
 نہے خراش کن ناز نین بعیار
 کبوترے بہ شاط آ مرست پندار
 امیر چونکہ ہندی زبان سی آشنائی تھی اسیلے تشبیہات میں انکو برج بجا کا کے سرما یہ
 بہت مدومی ہو گئی اخیر شعر غالباً اسی خرمیں کی خوشہ چینی ہے۔ فارسی شعر امشوق کی

رقتار کو کبک کی رفتار سے شبیہ دیتے تھے، ہندی میں ہنگ کی چال عام تشبیہ ہے لیکن کبوتر متی
کی حالت میں جس طرح چلتا ہو وہ مستاد خرام کی سب سے اچھی تصویر ہے،
قصیدہ، شنوی، غزل میں انون نے جو جدیں پیدا کیں، ان کی تفضیل علیحدہ
عنوانوں میں آگے آتی ہے،

شنوی شنوی میں جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں، نظامی کے پروردہین نظامی کے قنگ گنج میں
تین قسم کی شنویاں ہیں رزمیہ، عشقیہ، صوفیا، خسر نے بھی تینوں مضامین کو یا ہوا کہ
رنگ کو نظامی کے انداز میں لکھا ہے،

ایک ایک شنوی پر یوں کرنا خاص انکے سوانح بخار کا کام ہے۔ البتہ نایاں شنویاں
کا ذکر کرنا ضروری ہے،

قرآن السعدین یہ سب سے پہلی شنوی ہے جو ۳۶ برس کی عمر میں لکھی، اسی سے اس میں
مکلفاً و آذوبت ہو لیکن با وجود اسکے اکثر جگہ نہایت بلند روان اور برجستہ ہے، شنوی کا
قصہ نہایت بیوودہ تھا، اسی باب پہلوں کی مخالفانہ خط و کتابت اور حملہ کی تیاری بیٹھائی
کی قباد نہایت گستاخ اور بے تیز تھا، لیکن مغل یقینی کروہی صاحب تخت تھا، اور اسی کی
فرمایش سے یہ شنوی لکھی گئی، بیٹھایا بھی چاہتا تھا کہ اس کی گستاخیان، جنکو وہ اپنی ولیری کے
کاروں سے سمجھتا تھا، لفصل اور آبٹ رنگ کے ساتھ لکھی جائیں، اور یہ ثابت کیا جائے کہ بابے
ہوتے تخت سلطنت کا ستح بیٹھا ہے، اس جھوٹی منطق کو امیر نے جانتک ہوسکا، خوب
نباہی ہے، چنانچہ بیٹھ کی زبان سے کہتے ہیں،

عیب کن گو هر کان توام گر ہگ تاج ستان توام
 من گرم تاج مرادر خور است در ہوس تاج ترا در سر است
 تاج تو بترار ک من باز گشت چون سرم از بخت برافرا گشت
 یک برا ن تخت مراجاے کرد تخت جهان بر تو بپای کرد
 تاز ند تبغ دودستی بے ملک پیراث نیا بد کے
 خطبه جدین ک بنام من است از تو اگر نام پدر روشن است
 با و جوان پچھہ بسم در مزن ہر د جوانیم من و بخت من
 از پی تعظیم تو شمیریز گر چہ بر دیت ذکشم درستیز
 شیر فلک را بین آوردم لیک تو دانی ک چو کسین آورم
 سرزنش تبغ مش سرز د جز تو کے گر دم ازین رزش
 من نہ ہم گرت تو تو این بگیر یک توئی چون پے این سری
 باب نے جو جا ب لکھا ہو دیکھوں طرح حرف حرث پدر اذ محبت کن شے چور ہو
 لے ز شب گشته من رے سری دل پسری ہمچو پدر بے نظر
 سرمہ چشم است غبار تو ام گر چہ غبار است ز کار تو ام
 از پی ملک است مر گفتگو تا تو ز دانی ک درین گفتگو
 از تو ستانم بکه خواہم سپرد گر چہ تو انم ز تو این پایہ ہجرد
 من ز تو و نام من از نام تو شکر ک کشد ز نده درایا م تو

باش بکامم که به کام قوام
 نزدہ دنماز نزدہ بمنام توام
 خواهست از جان کنپا به مرا
 جزو بتناء تو سودام نیست
 گرچه که سلطان جهانم به ملک
 تاج ده و تخت شانم به ملک
 لیک چودورم ز توای نیک بخت
 بخت من ارپای برافلاک سود
 ران خارا گردان، افاظ نے بیٹے کے دل پر بھی اثر کیا، اب اس کا لجه بدیل جاتا ہیں اور فرزندان
 جوش مجست میں کھتائی

من کے گلے رسٹہ باغ قوام
 پر توے از نور چسرا غ قوام
 گرہ سہر بر ماہ رسدا فرم
 هم ہے تے پاے تو باشد سرم
 زابر و خود کن تو اشارت چین
 من سرخاقان فگنم بر ز میں
 تاج ز من سر ز تو فرا ختن
 عاج ز تو تخت ز من سختن
 در بہ ملاقات رہی رک تست
 افسر من خدمتے پاس تست
 نیست مر آن محلو آن شکوه
 کز سر خود سای فشانم به کوہ
 باب جب بیٹے سے ملنے آیا ہے تو بیٹا تخت شاہی پر مٹکن تھا، باب کو دیکھ کر بے اختیار تخت سے
 اترنا اور باب کی طرف پڑھا۔ باب نے چھاتی سے لگا لیا، دیر تک دونوں جوش مجست میں
 ایک دوسرے کو جدا نہ رکھئے، پھر بیٹے نے باب کو لیجا کرتخت پر بھایا،

گرم فرد جب تخت بلند
 کرد پا غوش تن ارجمند
 داشت به آغوش خودش تابیر
 سیر نشد چون شود از عمر سیر
 تخت کیان باز کیان را پرورد
 با خودش از فرش پادنگ برد
 گاه زدیده به شارش گرفت
 گاه دوباره پا کنارش گرفت
 گاه دل از عمر شکیباش کرد
 چنان زاندازه زغایت گزشت
 پرشان زاندازه زغایت گزشت
 قران السعدین کی ٹری خصوصیت یہ ہر کہ نظام اور نظام نظر کی پابندی کے ساتھ
 تاریخی حیثیتین نام ملحوظار کمی گئیں ہیں، سطح کوئی نشر لکھتا تو اس کو ٹربکہ ان باتوں کا نہ لکھتا
 خسرو خسرو میں پانچ شنویاں ہیں یعنی مطلع الافوار، شیرین خسرو، میں مجنون، آئینہ اسکندری
 ہشت بہشت،

جس ترتیب ہی ہم نے ان کتابوں کے نام لکھے ہیں، یہی اُنکی تصنیف کی ترتیب ہے
 چنانچہ امیر نے خود ہشت بہشت میں تصریح کی ہے، ان پانچوں کتاب کی تصنیف کا زمانہ کل
 سو ادوب رس ہے، اور یہ قادر الکلامی اور پرگوئی کا حیرت انگیز اعجاز ہے،
 اگرچہ اس میں شہہ نین کے نظامی کے جواب میں جو قدر خیلے لکھو گئے ان میں نسبت
 امیر کا خسرو بے بہتر ہے لیکن حقیقت یہ ہر کہ ان میں بعض نظامی کی تصنیف کے پیوند
 نہیں کھلتیں، مطلع الافوار میں صاف خامی نظامی کی تصنیف کے پیوند
 اور کمزور ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود امیر کے دل میں بھی بے اطمینانی تھی، آئینہ اسکندری

میں لکھتے ہیں

مرا خود عزیز است فرزند خویش	دگر بازگیری تو پیوند خویش
بودار غنوں گوش خربنده را	سندگر چه آواز خر، خندہ را
کہ بر سر بخشش گما ر دنظر	بر باد بخشایش دا اگر
ترانیز رعیتے است بر خود پوش	ہنر جوی و در عیب جوئی کوش
نظمی کے پر زور رزمیہ معروکون کے مقابلہ میں، انکی زور طبع کا یہ نمونہ ہے،	بگر دون شدزادنای زرین خروش
پر دیایی شکر در افتاد جوش	ہنرا ہنر در آمد یہ هر دو سپاہ
روار و در آمد ہے خوشید و ماہ	علم سر ز عیوق بر ترک شید
سان چشم سیارہ پر کرشید	بیابان ہمہ عبیثہ شیر گشت
چنانے پر از شیر و شمشیر گشت	غبار ز میں کلہ بر ماہ بست
نفس را در دوں گلوراہ بست	چنان گشت روی ہوا گردناک
کر سیارہ گم کر دخود را په خاک	سپاہ از رہ موج زن تا بادوج
چودریا کہ بادش در آرد بہ موج	بدریایی آہن جہان گشتہ غرق
ہوا پر ز منع دز میں پر ز برق	ذبانگاہ ہیزان گیستے فورد
شدہ پر صد اگنبد لا جورد	عرق کردن توستان و شتاب
ز دریایی آتش بر میخخت آب	شرارہ کہ ز دفعہ ہنگام رو
ستارہ بردان رخیت ازاہ نو	

نفیرزہ از چاشنی کمان شدہ چاشنی بخش جان ہر زمان
 گرہ بر گرہ دشت پیکان زنان
 نزدہ بر زرہ پشت روئین ننان
 چنان کز تر برگ نیلو فر، آب
 مس کمی کے مختلف اساباں ہیں، مثنوی امیر کا اصلی مذاق نہیں، سلاطین کی فرمائش سے
 ہشتویان لکھتے تھے اور گویا بیگاڑلئے تھے، چنانچہ خمسہ کا خمسہ دوسرا دو برس میں
 لمحہ، اور مطلع الالوار تو صرف دو ہفتہ کی کمائی ہی
 ان کتابوں کی تصنیف کے زمانہ میں دربار کی خدمتوں سے بہت کم فرستہ ملتی تھی
 میلی امجنون کے خاتمه میں لکھتے ہیں کہ نظامی کو شاعری کے سوا کوئی شغل نہ تھا، اور کسی قسم
 کی بے اطمینانی نہ تھی، میری حال ہر کہ پانوں کا پسینہ سر پر چھٹھتا ہر ترب روئی ملتی ہی،
 مسکین من مستند بیوش از سو خنگی چودیگا در جوش
 شب تا سحر دز صح تاشام در گو شرہ غم نگیں مر م آرام
 باشم ز برابے نفس خود رے پیش چو خود رے ستادہ بر پاے
 تاخون نہ رو دز پاے تا سر دستم نشو دزا ب کس تر
 اس خمسہ میں ایک کتاب نئے خاص مذاق کی ہے، یعنی میلی امجنون اگرچہ اس کتاب
 میں بھی انہوں نے خاکساری سے نظامی کے سامنے اپنے آپ کو ہج کہا ہے،
 می داد چونظم نا مهر ا پیچ باقی نگداشت بہر ما پیچ
 لیکن ان صفات یہ ہر کہ انکی میلی امجنون اور نظامی کی میلی امجنون میں اگر کچھ فرق ہے تو اسقدر

نازک ہر کن خود دہی اسکو سمجھ سکتے ہیں،

اس کتاب نین ہر قسم کی شاعری کے موقع پیدا کیے ہیں، اور ان کا کمال فکھلا یا ہر
مثلاً ایک موقع پر دھوپ کی شدت اور گرمی کا سامان دکھاتے ہیں،

آتش زدہ گشته کوہ و کان ہم
تفصیل میں و آسمان ہم

جاء نہ کہ دیدہ را برد خواب
ابرے نہ کہ تشنہ را دہ آب

مرغان چمن خزیدہ در شاخ
در رفتہ چرند گان بہ سوراخ

ریگل از قف پختہ در گرانی
چون تا پہ روز سیما نی

از گرمی ریحہاے گرداں
پُر آبلہ پاے رونور داں

عشق و محبت کی جذبات کے دکھانے کا اس سر ٹبر کو نہ سامع ملکتا تھا، اس لحاظ
سے اس شنوی کا ہر شعر گویا ایک پُر دروغزل ہی، سگ لیلی کا واقعہ عموماً مشہور ہے اور صرا
نے اس دھپ روایت کو طرح طرح سے زگا ہے امیر خسرو نے اسکو سب سے زیادہ موثر طریقہ
سے ادا کیا ہے جو نوان کئے سے خطاب کرتا ہے،

ہستیم من و تو ہر دوشب گرد
لیسکن تو بنا لار و من از درد

چون باز گلز کرنی دران کوی
بر خاک در ش زم نهی یو

ہر خس کہ بر د گذاشت گائے
از من برسانیش سلاطے

ہر جا کہ بنا د پائے روشن
ز نہار ہ بوسی از لب من

خواہ چوترا در دن د ہنیز
یاد شش دہی از سگ گز نیز

زنجیر خودت نہد چو برد و شش از گردن من مکن فراموش
 اس پیرایہ ادا کو دیکھو لکھتے ہیں کہ جب سلیلی تجھو ڈیور ہمی کے اندر بلکا تو ایک دوسرے کھدا و
 یاد دلا دینا، جب سلیلی تیری گردن میں طوق ڈالے تو دیکھنا میری گردن کو جھول نہ جانا،
 عاشق کا پینام وسلام سب لکھتے ہیں لیکن معشوق عاشق کو کیا لکھتا ہے اور کیونکہ لکھتا ہے
 مایت نازک مقام ہے اور دیکھو امیر خسر و اس نازک موقع کو کیونکہ نباہتے ہیں سلیلی جنون کو
 ہستی ہے۔

لے عاشق دور ماندہ چو ان	فی شمع زنور ماندہ چو لی
روزت الم کہ شب نشان است	نہماے سیاہ برچسان است
ازمن بکہ می بر می حکایت	بانخود زکہ می کنی شکایت
در گر کش کہ نالمی رسائی	در پاسے کہ قطراہ می فشانی
بازار تو در کدام سوی است	سیلا ب تو در کدام جوی است

خشوق اسقدر ضرور جانتا ہے کہ عاشق رونے دھونے اور در دل کئے سر بازنیں
 وہ ملتا، اب اُسکی غیرت یہ سوالات پیدا کرتی ہے کہ کس کے سامنے روتا ہے کہ کس تو در دل
 کہتا ہے کس کے آنگے میرا نام لیتا ہے، یہ باتیں تو رازداری اور خشوق پرستی کے
 مخلاف ہیں ان سپتے جذبات اور خیالات کو کس خوبی سنتے ادا کیا ہے۔

آئینہ مکندر می چیکی ہر لیکن اس کتاب میں بھی ان کے ذائق کا جو سیلان آیا ہے اسیں
 نظامی کے دوں بد وش ہیں نظامی نے مکندر ریت چینی کی بزم آرائی کا تصریح

بڑی آب و تاب سے لکھا ہے، خاص اس موقع پر فوب زور طبع دکھایا ہو، جہاں وہ لڑا سکنے کی ایک ایک بات پر اپنی ترجیح ثابت کرتی ہے۔

خمر و نے بھی یہ سورکہ باندھا ہی اور اسی طرح بہت صینی کافر پر لکھا ہو، نظامی کے فخر ہے سے ملا کر دیکھو ہم عشق چینی کتنا ہجرا اور سکنے کے ایک ایک وصف کے مقابلہ میں اپنی ترجیح ثابت کرتا ہے۔

زمن بایدش بازی آموختن	شعبد که واندھسان خوتن
و لے نوش بادم که خوش می خورم	ہمہ خون خوبان کشش می خورم
صننم خانہ ہارا کلیدا ز من است	خ هر صنم نا پدیدا ز من است
و گر ما ہ بیسند، ہیں خواندم	پھر آفتاب زین خواندم
نظیر شش بود مقصود و بس	سکندر کہ کرد آب حیوان ہوس
مرا جام گستی نایی است رف	گراو ہست کی خسر و جام جوے
مرا لاکڑ و گل، ز تن می د مر	گراز مجلس اوسن نی د مر
مرا در دلی وست جان شست	گراور است بر تخت اپان شست
من از سرو ران سرتا نمہ تاج	گراو تاج خواہ ز شاہان خراج
مرا ہر در و چون کمترین چا کریں	گراقبال و د ولت درایا و رند
مرا خون ہصد و سوت در گردن است	گراو دشمنان را بخون خور دان است
دو آئینہ دار سمن از رشت دست	گراور ایکس آئینہ بکفت شست

کمان شے ارصہ شکار انگند
 پکا برفے من صد هزار انگند
 مکن نے ارضید بند و بند ام
 من آغم کہ صیاد گرم بدام
 گر او را کمال ہے است بر آسان
 مرا صد کا ہے است بر آستان
 ت بہت یہ بے اخیر شنوی ہر اور امیر کی شاعری اس میں بخشی اور پر کاری کی اخیر جتنا
 بخش گئی ہے، خاص بوبات اس میں ہزوہ واقعہ نگاری کا کمال ہے، ساری کتاب میں فرضی
 ہایں لکھی ہیں، لیکن التزام کیا ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے، اسکے نہایت چھوٹے چھوٹے
 ہیات بنتے ادا کرنے سے زبان قاصر ہوئی جاتی ہے، ادا کیے جائیں،
 تمام کتاب کائیں انداز ہے اور اس خصوصیت کے لحاظ سے فارسی زبان کی کوئی ثنوی
 کا مقابلہ نہیں کر سکتی،
 مثلاً ایک قصہ لکھا ہو کہ حسن ایک عمار تھا، اسکو با دشاد نے ایک جرم کی بنا پر
 بزادی کہ ایک اونچی لاث پر چڑھوا دیا جس کی بیوی لاث کے پاس گئی، حسن نے لاث پر
 سے کھا کر بازار سے رشیم اور قند لے، جب وہ لامی تو کہا کہ رشیم کے تار کے سرے پر قند چپا کر
 کسی چینی کے منجھ میں جلات پر چڑھ رہی ہو دیے، اور خود جلد تار کی گولی کھوتی
 بیا، چینی تار کو لیے ہوئے اور پر چڑھتی چلی گئی، حسن کے قریب پہنچی تو حسن نے تار
 لیکر اس سے رکی ٹی، اور پھر ایک خاص تدبیر سے اُسی کے سہاے نیچے اترا، تمام
 حصہ بست لبنا ہے اب تار کے چند شعر ہم نقل کرتے ہیں،
 پھون گنگہ کرد خواجم از بالا کہ زنش در رسید با کالا

پاره قند کن بزودے یار	دادش آذگفت بر سرتار
تابس بالاش می رو د تعبیل	ده ہم مورے کے می رو برمیل
کر نشیب آ در دہ سوے فراز	رشته راز دوز دنی کن پا ز
داد رشتہ پ مور و مور بود	ہمچنان کر دن ک او فرمود
رس نشنه بر حصار کشاں	راند بالا سے میل تار کشاں
چون بزودیک رخنه رفت بزور	رسیان را بود خوا جہزاد در

قصائد قصیدہ میں ان کا کوئی خاص انداز نہیں ہے، کمال تعلیل خاقانی اور انوری کی تقلید کرتے ہیں اور جسکے جواب میں قصیدہ کہتے ہیں اسکا تبقیہ کرتے ہیں خاقانی کا مشہور

قصیدہ ہے

محلس د آتش دادہ براین از شیران از جھر	این کرنقل رامقدان جام راجا داشتہ
اسکے جواب میں بست ٹرا حصیدہ لکھا ہے وہی انداز دہی ترکیبیں وہی سعاءے ہیں	
اور چونکہ خاقانی کا مقابلہ ہے اس لیے، اشعر کمکرم لیا ہے اس میں بھی واقعہ نگاری کا	
خالص انداز قائم ہے، عید کا بیان کیا ہے اور عید کا پورا سامان دکھایا ہے،	

طفلان خفته از طرب دیدہ په فرداداشتہ	ہر سو جوانا ن نو سلب بیان ہر سو عومنا در حسب
چون شیر خواران در دہن پستان خرماداشتہ	از شیر دخرا مدر دوزن دشیر خواری تھن قن
این رو بہوی می کرہ او در مصلداشتہ	خورشید چون سر بر زدہ، پرس پاہے در شدہ
سر بر بنا ط سجدہ گه دل سوی صہبا داشتہ	فاسق کرنی ناخور ده گه در عید گه یہ زیر ره

اروی محاول است می بل جان مخلوں است
خوشین خواست می در طاس میناد اشته
ان کے قصائد میں مدحیہ مصنایں ہمیشہ بد مزہ اور پھیکے ہوتے ہیں جبکی وجہ یہ یہ کہ
جس دل سے ان کو پسند نہیں صرف معاش کی ضرورت کی یہ ذلت گوارا کرتے ہیں، اسیے
تصحیدہ میں اور اوز مصنایں کو لیتے ہیں اور ان میں زور طبع دکھاتے ہیں مثلاً بہار کامان
برسات کی روت، صبح و شام کی کیفیت، ایک تصحیدہ میں برسات کے آغاز سے تہیش و فرع
لی ہگا اور صرف مطلع میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔

خبر آرید کہ سبزہ چہ قدر سرب کرو بباط خاک زد پیا و پر نیسان فرمود	ابر بارید و بہر دی زمین لازم کرد پسیدہ دم کر سباگشت برستان فرمود
زمانہ بر سر ش از ابر، سایه با ن فرمود زابر فوست زمین شریت و روان فرمود	نیزور دی نازک گل تاب آفتاب نداشت لاله خواست چین ساغر و سبک بخشید
بنفس شگوش نهاد و سبا بیان فرمود	هر انچ در فرق خویش غچہ مشکل داشت صبح کامان،

نیکم غالیہ در دامن گلستان داد بد پتش آئینہ داد آفتاب و خداون داد	تسبیدہ دم کر فلک روشنی پر گیهان داد چند چرخ پیر بہر خند پسیدی دسرخی
نهاد زیر زمین با مداد تا بان داد	درست مخربی آفتاب را که فلک
چوشب ز حکمہ مینا ش سرمه چندا ان داد	تاره را ز چہ شد دیدہ خیرہ از خورشید
صلای عیش پ عشرت سرایستان داد	سلام با د سبا اصم کر با مداد و پگاہ

باش، نوبارت و چن جلوه چو خورا کر ده
 گره طره سبل که صبا باز شده
 برگل لاله خیان میرود آنکه مسری
 عاشقان فتنه هرگز ارodel نوخته را
 نوبارا مسال مار او روزه فرماید یعنی
 بروهان غنچه گر می زند بو شیم
 با دور که سارجام لاله ابر منگز د
 نگز عناقچ بر دست و چشم اندر هوا
 برسات

هوای خرم است و هر طرف باران همی بارد
 همکون هر شاخهای بزرگی دُر همی پیشد
 یعنی شاخین چو جملی هوتی هن توی معلوم هوتا هر که بادل نے جوز مین پر موئی برسات
 هن یا ان کے روئے کو جملی هین،

چکان قطره ز سر ہے انا تر تو پنداشی
 خوش آن وقت که مطریت ملائی کان سرنوش
 بعض قصائد سرتاپا معنطت و اخلاق میں ہیں، ان میں بھر لاله بر جو پڑا سیر حاصل
 قصیدہ ہر مشور ہی، التزم کیا ہی کہ بہ شعرین دعوی اور اسکے ساتھ دلیل ہو،

س شہ خالی د بانگ غلشن ر د سر است
 هر کہ قانع شد ب خشک و ترشہ ب جو درست
 سلسلہ بند است شیران را ب گدن زیور است
 فی عاشقی میں گوئی لیکن مرد وون کو د ہی آرام وہ ہی جس طرح شیر زن خیر میں بندیا ہوتا ہے
 ریسی زنجیر اسکا زیور ہے۔

تین خفتہ در نیامے پاسبان کشور است
 بیدہ زن چون سخ بیارایدہ بند شور ہرست
 سایہ زیر پاشودہ ہرگز کہ بر تاک خور است
 آب نیں جا بکر در دریا بے شور و شرست
 عود و سرگیں ہر چہ در آتش فند خاک است
 چون ترا خون برا در بہ ز شیر ما دہ است
 بھر بے راغلوہ می کند کیں گو ہر است
 اہل سخن کے نزدیک قصیدہ میں شاعر کی جدت طبع کا اندازہ مخلص یعنی گزی سے ہتا ہے
 میمار کے لحاظ سے امیر خسرو پنے تمام ہم صردن سے متاز نظر آتے ہیں اسکے خلاص
 میں چند مثالیں ذیل میں ہیں،
 رسات کے ذکر کے بعد،

مگر دیچ کس دنیش گر زان پایہ در غلطہ
 آمد ابر در خشیش مگر زان پایہ در غلطہ
 مار کی تمید کے بعد

گل ارکم عمر شد گو باش دانی
که در خوکیست عمر جاودا ان را
نہال باغ شاہی رکن حق آنکه
زبزم اوست رونق بوستان را
کشاده چهره که می ہے شدم بر سر زین
در ملک نبود مر کر آسمان این است
طلوع صحیح کا بیان کر کے،

صحیح را گفتم که خوشیدت کجاست
آسمان روے لیک جھپو نمود
نذر در دی آن زکن گرایع آیبے
مگر در سایر ریاست شاه کا مگار آمد
طلوع آفتاب کے بیان کے بعد۔

شمیر شیر شیده ملک لشکر برآمد
خورشید جهانگیر پیشدار که در بزم
قصاص میں امیر نے جس قدر جدید مظاہن لطیف استوارات نی تشبیہین گئاؤں
اسلو بسب پیش اسکا احاطہ نہیں ہو سکتا ہم اس موقع پر صرف بماریتیہید کے چند شعر اس
لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ بہار شہرا کا پامال میدان ہے لیکن امیر اس میں بھی سب
الاگ ہیں۔

بوستان شکفت روی لار خداون گشت باز
برخی گل طره ببل پشیان گشت باز
ببل آنگل از خط خوبان غزل ذوان گشت باز
سپرد خسطه چند ببر خواندن ببل نوشت
یا چکیدن خون کوئہ بودہ دامان گشت باز
خون لاله گوئیا خواہ چکپیدا از تنخ کوه

غزل اور پرپڑہ آئے ہو کہ غزل قدما کے زمانہ تک کوئی مستقل چیزیں سعدی نے غزل کو
بنا دیا، میر خسرو کی غزل کوئی پر تقریباً کرنی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہی نجفانہ سعدی
شرب ہے جو دوبارہ کھنکر تین ہو گئی ہے۔
غزل کی جان کیا ہے؟ درد، سوز و گران جذبات، معاملات عشق، عجز و نیاز، اسے

ساختہ یہی شرط ہے کہ یہ جذبات و معاملات جس زبان میں ادا کیے جائیں وہی زبان ہوں گے
اشتہ بہ شوق کر راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے لیعنی سادہ ہو، بے تکلف ہو، ازام ہو، اطیف
ہو، نیاز آمیز ہو، اسکے لیے یہی صرز و ہر، کچھوٹی چھوٹی بھریں ہوں، جملوں کی ترکیبوں
میں نام کو بھی الجھاؤ نہ ہو، قریب فهم خیالات ہوں، اس حد تک میر خسرو شیخ سعدی کے
وش بد و شہیں، لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں، انہوں نے غزل کی حصیت کے علاوہ
مال شاعری کی بہت سی چیزوں اضافہ کیں اور ایجادات اور اختراءات کے جمن کھلانے میں

سب جالتا تفصیل ذیل میں ہے،
روان کی موزونی اور اکثر شگفتہ اور چھوٹی چھوٹی بھریں اختیار کرتے ہیں جن میں خواہ باتات
بصفائی، سادگی، اور اختصاراتے ادا کرنا پڑتا ہے، مثلاً،

سر دارم کر سامن نیست اورا	دل دردے کر درمان نیست اورا
فرامش کر دعمرم رد راز انکہ	شبے دارم کر پایان نیست اورا
براہ انتظارم ہست پختے	کہ خوابے ہم پرشیان نیست اورا
یار من دل زد دستان برداشت	حمر دیرینہ از میان برداشت

در دل او ذکر د کار ارج پس
 دی به تندی بلند کرد دا برو
 نگ از نالم ام فنان برداشت
 از پئے کشتم کسان برداشت

آن دوست که بود برگران شد
 گفتم که اسیر گردی ل دل
 دیدی که به عاقبت همان شد
 دل بر د گر نم و لیکن

عاشق پیچدم نمی توان شد
 عاشق را چونا مه باز کنید
 نام من بر سرش طراز کنید
 گر شنا دین عاشقان دارید

بعدازین پیش بست نماز کنید
 گاه مجردن، شنیده ام محمود
 گفت رویم سوے ایا کنید
 داد من آن بست طراز نه داد

پاسخ نیز دل نوازن داد
 خواب ما را به برد و بازن داد
 دل ما را به برد و بازن کرد
 تو چه دانی نیازمندی چیست

سوز و گواز سوز و گواز کے خیالات جب وہ او کرتے ہیں تو علوم ہوتا ہے کہ آگ سے
 دھوان اٹھ رہا ہے، اسین کبھی معشوق سو اپنا حال کہتے ہیں کبھی اپنی تصویر کھینچتے ہیں کبھی
 خود اپنے آپ پر ان کو رحم آتا ہے،

اجر اے دوست پر سیدی کچون بگذشت حال ای سرت گرم چمی پرسی بد شواری گذشت

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق ہمشوق کر اپنی سر گذشت جب بیان کرتا ہے تو مخواڑا سا
 اکڑا سکور دنا آتا ہے، ٹھہر جاتا ہے، ردیتا ہے، پھر آگے ٹھہرتا ہے، اسکی تصویر کھینچتے ہیں،

خشد است و شب افسانه دیار د هر بار
 قدرے گرید و پس بر سر افسانه در در
 زالوش خسرد بزیر سر نیافت
 سرنسا ده بر سر زانو بخفت
 اس آشنا که گری کنان پند می دهی
 آب از بردن مرز که آش جان گرفت
 کبھی کبھی عاشق کا دل کھتا ہر که صبر سے کام لینا چاہیے، پھر دل پر غصہ تا ہر اور
 کھتا ہر که بخخت جوابات ہونیں سکتی اسکے کئے کیا فائدہ، اسر معاملہ کو باندھتے
 ہیں۔

غضبه می کشد کے دل سخن صبر گوئے
 وہ پڑا گئی ازان کا رک نتوانی کرد
 صدمی بزمی ای دسمیں! عقل دش خسرد
 بیاتا بر مراد ذات خود بینی اکنوش
 رنج او غم کی اس کی طبقہ عربت انگیز تصور نہیں پہنچی جا سکتی، عاشق رجبا فضل و کمال
 او عقل و روحی عموم اسلام ہر عاشق ہو کر تمام اوصاف کو کھو چکا ہے، وہ اپنی حالت پر نظردا تما
 ہو تو خیال آتا ہے کہ ذہنوں کی امید برآئی، اسکو کس نو شرط لیقی سے ادا کیا ہے،
 جان زدن بردی در رجای ہنوز
 در دہدادی دور مانی ہنوز
 لفظی اندر خواب گئے گردی خود بنا میست
 این سخن بیگانہ را گو، کاشنا راخواب نیست
 غم، کا تو بر دل سلطان زند
 در نہ رنجی بر دل درویش ہم
 یعنی تیراغزہ بادشاہونکے دل پر حمل کرتا ہے، اور بُرانہ مان تو فقیر دن پر بھی،
 در نہ رنجی ہم سے کس قدر عاشقا نہ خضرع ظاہر ہوتا ہے
 کشمکش از تبعیج جفالیش خویش را
 بر تو آسان کر دم، اور خویش ہم

من کجا پسکم کہ از فریاد من شب نبی خسپت کے در کوی تو
 صبر طلب می کند از دل عاشق پاچو خرابے کے بر خراب نویں
 یعنی عشق، عاشق کے دل سے صبر چاہتے ہیں یہ ایسی بات ہر کوئی جزو میں مچھول
 لگایا جائے۔

کین شعلہ پہ جان گرفت مارا	ای دیدہ چہریز میں زبردن آب
سودا ہی فلان گرفت مانا	ای خواب! برو کہ بازا مشب
گویا کئے نامد جہاں خراب را	ای عشق کا رتو ہے چون ناکے قیاد
پیش ل زین گرچے غمے بود وے ہم بودہ است	دل ندارم غم جاناں بچہ بتوا نم خورد
از شب تیرہ، خبر پس کہ محروم بودہ است	کس چہ داند کہ چڑھتا زغم تو دش بمن
ہر آن تیرے کہ بردن خطاشد	بیا برد وستان جاناں تقاضا کوں
دل باز سوی آن بست بد خوچہ میرود	
آن خرگز فترے یا زدران کو چہ میرود	
مردن مر است از گرہ او چہ میرود	
گرہ بمنی دل ویراں مرنا	
کافر رخت دلم غارت کرد	
شہر اسلام و هرا داد نہ بود	
کر شکرہ پندرہ بمن آخرین جان است	
نمی دمدوز میں وصیا نمی آرد	
اس مضمون پر تین سو برس کے بعد ہلی نے یون دست درازی کی:	
کر شکرہ پندرہ بمن آخرین جان است	
نمی دمدوز میں وصیا نمی بارد	

پر بہم رسیدہ جانم تو بیا کے زندہ نامن پس ازانکہ من نامن بچہ کا رخواہی آمد
جدت اسلوب غزل کی ترقی کا نور و نہ لطف ادا اور جدت اسلوب ہر جسکے موجود شیخ

سعدی ہیں لیکن بچہ وہ نقش اویں تھا، امیر کی بوقلمون طبیعت نے جدت اسلوب کے
سیکڑوں نئے نئے پیراے پیدا کر دیے، جو اگلوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھوڑے
مثلاً یہ مضمون کہ عاشوق فلکم و تم کرنے کے ساتھ بھی محبوب ہے، یون ادا کرتے ہیں،
جان زتن بردی و در جانی ہنوز در دمادی و در مانی ہنوز

مثلاً عاشوق کی گران قدری کو اس پیراے میں ادا کرتے ہیں۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نیخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
عاشوق کی آنکھ کو سب خمور اور نے آلد باندھتے تھے، اسی مضمون کو دیکھو امیر نے
کس انداز سے کہا ہے،

نے حاجت نیست مستیم را در پشم تو تاخار باشد
عشوق کا عاشقون کے رنج و غم سے بے خبر ہونا، عام مضمون ہر اسکوں لطف سے
ادا کیا ہے۔

گل چو داند کے درد میں چیت ادہیں کارنگ دبود اندر
عشوق عاشوقا نہ اداون کو چھوڑنا چاہتا ہے، ہر کو یون باز رکھتے ہیں،
ہنوز ایمان دل بسیار غارت کردنی دار مسلمانی میا موز آن دوشم نا مسلمان را
رخصت کے وقت عاشوق کو ٹھرا تے ہیں کہ میرے آفسو ہم جائیں توجانا،

ساعتے بیشین کہ باراں بگزرد

می روی دگر ہے آید مراد
لطف اور تقریب نگاہ کی تاثیر کا فرق،
گفتہ حکیمی کشی و زندہ می کئی
سعادی کا شعر ہے۔

باید ول پوچھتے کہ جنین خوب ای!

دوستان مشکنہم کہ چڑل چڑام

یہضمون اگرچہ بچول ہونے کی حیثیت سے اسقدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اسپر ترقی نہیں ہو سکتی
تھی ایک امیر نے ایک اور جدید اسلوب پیدا کیا،

جراحت جگرختگان چہی پرسی

زغفرہ پر س کا لشون خیار کجا آموخت

فال پس اسی خیال کو اور زیادہ بدائع اور شوخ کر دیا ہے،

نظر کہیں نہ لگئے ان کے دست باز و کو

یہ لوگ کیوں میں زخم جگر کو دیکھتے ہیں،

معشوق کی آمد کی دل قربی کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں،

بتنے و آفت تقوی و آخرین نمیدانی

کہ در شہر مسلمانان نباید این جنین آمد

اسضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ معشوق کے آنسوست لوگوں کے
زہد و تقوی میں فرق آتا ہے، بجائے اس کے خود معشوق سے خطاب کرتے ہیں اور

سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے شہر میں یون نہیں آیا کرتے، گویا معشوق کا فتنہ انگیز ہونا

اسقدر حد سے ڈر گیا ہے کہ اپنی حالت کا خیال نہیں، بلکہ یہ فکر ہے کہ اسلام کی حالت

خرابا نہ ہو جائے،

معشوق کی زیادتی لطف کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں،
 جان ناظر اخرب ناز اذ اندازہ بیش
 ماہ بوی مست و ساقی پر دہ پیا نہ را
 وحشی نیزدی نے اسی خیال سے ایک در طیف خیال پیدا کیا۔
 شراب لطف پر در جام میر نیزی و می ترم
 کز دادا خوشودا ان بادہ و دن در خمار افتم
 اکثر جگہ صرف نظرون کی الٹ پلٹ سے عجیب طیف بات پیدا کر دیتے ہیں،
 چشم بد دور از چنان روئے
 کرازو چشم دور نتو ان کرد
 مردمان در من وہیو شی من حینند
 من آن کس کہ را بیند حیران شو
 گفتہم ناخوش چای خرد!
 چون گنم؟ آن قدواں بالاخوش است
 گفتم کہ ہمین ترا غلام
 دهند ذرہ کم از ذرہ است
 نیخ ز خورشید ذرہ کم نیست
 ایمام یعنی ذمینیں الفاظ سے عجیب عجیب نکتہ پیدا کرتے ہیں۔
 زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدنم
 چخوش بودی اگر بودی زبان دهان من
 پیش ازین بر خود ملقینے بود
 کہ دلم ہیچ دستان نبرد
 تو پر بُردی ہم لقین مرا
 ہر طریقے کہ کس گسان نبرد
 دی روی تو دیدم دند مردم
 شرمندہ بماندہ ام لرویت
 دیگر سر آن نیست کہ من ہر فروم
 ساقی قدح بادہ کہ بر روی تو نشم
 اکثر جگہ جملہ مفترضہ یا شرطیہ جملہ سے عجیب عجیب طیف پیدا کرتے ہیں اور بہ انکا خاص

نداق ہر:

بروںے بادا بوسے زن بران پائے	دگر چیزے نگوید برد ہاں ہم
غمہ تو برصغیر سلطان زند	در تربخی بردل درلوش ہم
رشکم آید کہ بر مبیش تنام دگران	و گرانصاف بو دیشیں ہم توں گفت
کشم از شیخ جفا یت خویش را	بڑ تو آسان کردم و بروش ہم
غے دارم کہ بادا ز دوستان دو	بحق دوستی کیز دشمنان ہم
واقعہ گئی او معاملہ بندی مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں،	

منفی نامند کہ ہنگامہ آرائے سخن طرازی شیخ سعدی شیرازی کی مردج طرز غزل	است خال خال و قرع گوئی بہم دار مثل این بیت،
دل جانم بت مشغول نظر دچپ است	تا نداز در تیبان کی تو نظر منی
آنانش نقوش مانوی امیر خسرو دہلوی کہ معاصر شیخ سعدی است بانی و قوع	گوئی گردید و اساس آن را بلند ساخت،

عشق و ہو بازی میں جو حالات پیش آتے ہیں انکے ادا کرنے کو قرع گوئی کرتے ہیں	اہل لکھنونے اسکا نام معاملہ بندی رکھا ہے، بہر حال اس طرز کے موجود بھیا کہ آزاد نے
لکھا ہے امیر خسرو ہیں،	

شرف قزوینی، ولی دشت بیاضنی، اور دشی یزدی نے اسکو ترقی کی حد تک	پہنچا دیا، آزاد نے وقع گوئی کی مثال میں امیر خسرو کے یاثغار پیش کیے ہیں،
--	--

خوش آن من کر پر دش نظر نه فته کنم
 چو سوی من نگرداو، نظر بگروانم
 غلام آن نفسم کا مدم چو خانہ زاد
 پختم گفت کا از در کشید بیر دش
 چو فتم بر دش بسیار ارباب گفت این میکین
 گرقا راست شاید کین طرف بسیار می آید
 امیر خسر و کے کلام کی زیادہ شخص سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پر ہم کے نازک
 لطیف اور شو خی آمیز معاملات ادا کیے ہیں،

چند گویند کہ گرگہ بر دش می گذری
 این حدیثے است کہ بزرگان نیز کند
 یعنی لوگ کہتے ہیں کہ خسر و ہم کو وہ کبھی بھی یار کرتا ہے، میکن یہ بات تو لوگ تسلی دینے کے
 لیے بھی کہدیا کرتے ہیں اسیلے اعتبار کیوں نہ آئے،

جانا! اگر شبیت دہن بر دہن نہ سم
 خود را نجواب ساز و گلکین ہاں کیست
 مشتوق سے کہتے ہیں کہ اگر یہن کبھی رات کو تیرے مُنخہ پر منحر کھڑوان تو اپنے آپ کو
 سوتا بنا لینا، یہ ذکرنا کہ اسے یہ کس کا مقصود ہے،

گے زاجام و گز آغاز می گفت
 دل من مست بود و غصہ دوست
 دل ندک گئے بایار بودن خوش بود
 تو شینہ می نای پر کہ بودی ہنا شب
 مست آن دم کر شنب کوی خوشیم دید و گفت
 جان بادر دفات آندم کز بعد دوسر برس
 دعده می خواہم و در بند و فانیز نیم

روزمرہ اور عام بول چال عموماً شعراً اور ایل فن اپنے کلام کا تبرہ عام بول چال سر بر تر سمجھتے ہیں

اسکا یہ نتیجہ ہر کہ ایک جد اگاہ زبان پیدا ہو گئی ہے، جس کا نام علمی زبان ہے،

سعدی و نظمی وغیرہ کی بستی کی زبان اگر تلمبند کی جاتی تو برستان اور مکنڈ زبانہ کی زبان سے صاف انگل نظر آتی، بلکہ آج اگر اس عمدہ کی بول چال کی کوئی کتاب ہات آجائے تو ہم کو سمجھنے میں دقت ہو گی، لیکن یہ شاعری کا بہت بڑا نقش ہے، بے شہنشاہی اور عام تصنیف میں ایسے بہت سے مصنایں اور خیالات ادا کرنے پڑتے ہیں جو عام زبان میں ادا نہیں ہو سکتے ہیں ایسے نکلیے علمی انفاظ وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ضرورت کے علاوہ اور اور موہقون پڑھی یہی مصنوعی زبان استعمال کیجاے خصوصاً غزل کی زبان روزمرہ اور عام بول چال ہوئی چاہیے، کیونکہ عاشق و معشوق علمی زبان میں نہیں کرتے،

قدر میں فرمی اور متوضیں میں سعدی اور امیر خسرو نے خاص اسکان خیال کھا کر روزمرہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت دیجائے، سعدی اور خسرو کے کلام میں جو روانی، شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے اسکا ایک بڑا گرد ہے،

امیر خسرو کی غزلیں اکثر اس زبان میں ہوتی ہیں کہ گویا دو آدمی اپنی بیٹھکریا لکل بیٹھکلت سیدھی ساوی بائیں کر رہے ہیں اس میں کمین کمین خاص خاص حماقیے بھی آجاتے ہیں جو آج ہم کو اسلیے کہیقد نہ انسانوس معلوم ہوتے ہیں کہ ہکواں زمانہ کے روزمرہ کے محاورات سے واقفیت نہیں،

دل بے بُردہ، نکو بشناس ۲۰ کے محروم ترازان من است

نی تم نے بہت دل لیے میں خوب غور کر کے دیکھو جو بہت زخمی ہو، وہی میرا دل ہے،

صحیح رہے تو بیسان کے آب مامروز نیست مکان کرچون ختنہ شام کشندہ

لیتھ بان رخت ہر کے بلا میں لاند کے دلمچہ کندہ جانب کلام شود

نی تیرالب دہن، اور چپڑہ، سب بلا ہین، میرا دل کیا کرے، کدھر کدھر جائے،

گفتہ ایں ل مردانجا کگر قاتشوی عاقبت فتح بہان گفتہ ہن میں پیٹیں در

خلقے برہ میسر جان پسروں اند ای ترک نیم سوت عنان رکشیدہ قر

خود ہئے گوید و می گرداند خدا بگفت وزبان گردانید

بوسہ دینے کو کہا اور پیٹ گیا، آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی پیٹ جاتا ہے

بوئے خوشم آیدا ز تو در جیب گل داری، یا ہمیں است بوسیت

تیرے بدن سے خوبیو آ رہی ہے، تیری جیب میں پھول ہی با تیری بوجہ

خشک سالی است یعنی ہند فارا شک زان حوالی کر تو می آئی باران حسن است

ای گل دہن میٹک صدتیناں گلچیزی جو ہر سے قم آئے ہو اور ہر بارش یکی ہے

گل با تو نی ماں در حسن مگر چیز سے گل با تو نی ماں در حسن مگر چیز سے

گوئی ختم در دم بین گوئی کہ تر خواہم بسم اللہ را گرخواہی زین ہر دو تر چیز

چوں بزرہ خوشی خطا تو خواند جامی ان کے گل ان زندہ بیڑا کا و فردی پچھہ شکر گر

ہنی بزرہ جب تیرے خط کی برابری کرے تو یہ زیبا ہر کے پھول ہئتے ہنستہ زین پر بوٹ
بائے او رغپھر کے پیٹ میں بل پڑ جائیں،

دلم می خواستی بر سر عفای کل لشچان یدی مر ای خواستی رسا بحمد اللہ که آن ہم شد
 لے صبادی کے فلاںے بچپن سے می خود یعنی یاد من گم گشته زندانے کرد
 از کجا آمدی اے باو که دیوانه شدم بوی گھل نیست کہ می آیدم این یوں کسی است
 دل من دور نہ رفت است نکو مے دام پاز جو سیدہ مین جائی کہ در کوی کسی است
 مشتبه می شودم قبلہ زر دیت چه کنم کہ زا برق توجیم بد و محراب افتاد
 تیرا چہرہ دیکھ کر مجکو قبلہ مین دہو کا سا ہوتا ہے، کیونکہ جو تیرے ابروست دو محابین نظر آتی ہیں
 رخ جملہ رانمود و مر اگفت تو میں زین ذوق مست بخیرم کان سخن چجوب
 سب کو مخدو کھلایا اور مجھ سے کسا کر تو نہ دیکھ میں اس فزہ مین مدھوش ہوں کہ کیا بات کہ کجا
 ساکنان سر کوئے تو بنا شذ بہ ہوش کان زینے است کہ آنجا ہمہ مجنون خیزد
 نہ پیشست کار و ان صبر من تاریخ کافر شد مسلمانان کے دید است کا نذر شہر را افتاد
 سماں ان کسی نے شہر میں بھی دا کر پتھے دیکھا ہوا
 بہ بازی سو سے من آئی مد شہو خی دل زن بتد بد و گفتہم چہ خواہی کر دگفتہ کا رمی آید
 عام حمادورہ بکار می آید ہر کار می آید امیر خسرد کے سوا اور کسی کے کلام میں نظر نہیں گزنا
 محسن تو عالیے بخواہد سوخت ہم در آغا زمی تو ان راست
 نرخ کر دی بہ پوئہ جانی بہنڈہ بخیر ید را لگان دنست
 تو نے ایک پرس کی تیہت جاں فت را ردی میں نے خریدا اور یہ بجا کر مفت لیا
 از بہر آن کے لاف جمال تو میزند صد بار لالہ پر دہن یا سین دہست

ماجان فدا خیز جریلم کردہ ایم
 خواہی بخش دخواہ بکش ای می تست
 ساقی بیار می کچان سخت عشق
 کر سوز این کباب ہمہ خانہ بوگفت

راست کر دی زابر و ان محرب
 می ناید فنا ز خواہی کر د
 ابر و دن سے تو نے محرب درست کی ہے علوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہمہ
 من آن ترک ملنا ز رامی شنا حم

شتم تازہ شد جان پوشنام متی
 تو بودی من آواز رامی شنا حم

با د صبا چواز رخ او زلف در بود
 ابر سیہ کشا ده شد و آفتاب کرد

تو حال من هم زین دی زرد بیرون بر
 کہ من بھوئی تو پیدا نہی تو انہم کرد

سال ماشد کہ نیا بزم خبر و در کویت
 دل ویران شده را آیم و آواز کنم

من ز سرزنه گردم گر تو یا رایک سخن گنویم
 تو می دافم گنوی، یک من گفتاز یگویم

مجھ کو معالم ہو کہ تم نہ کو گئیکن زین با تکہن

دعویی خون بھائی ل خوشی کنم
 یک بوسہ بزم زن و مالا کلام کنم

امیر نے ایسے بھی بستے مجاورے باندھے ہیں جو ان کے سوا کسی اور اہل زبان کے
 ہیں نہیں ملتے، مثلًاً
 از گرہ اوجہ میرود،
 آواز کردن، پکارنا

گفتار میکویم، یون ہی ایک بات کہتا ہوں،
مالا کلام کردن، کسی کو ساخت، اور بند کرنا،

اس بات نے بدگازوں کو موقع دیا ہر کو یہ ہندوستان کی سکونت کا اثر ہجھ کر ہندی خواہ
اُن کی زبان سے کلچارتے ہیں لکھن ہر ایسا ہی ہر لیکن چونکہ ہم کو اپنے تعلق اور استقلال پر اعتماد
نہیں اسیلے ہم اس بدمگانی میں شرکیے نہیں ہو سکتے۔

سلسل مخاذیں غزل کا یہ برا عرب تھا کہ کسی سلسل خیال کو وادھنے کرتے تھے، قصائد کا

موضوع بھی ہے، مثنویات قصہ یا اخلاق کے لیے مخصوص ہیں طبعات میں بھی اور اور
باقی میں ہوتی ہیں، عشق اور محبت کے معاملات میں تفصیلی حالات بیان کرے ہوں تو کیونکر
کریں، اسکے لیے صرف سلسل غزل کامن ہے لیکن قدما، بلکہ متاخرین میں بھی اسکا بہت
کم رداح ہوا، امیر خروز نے البتہ اکثر سلسل غزلیں لکھی ہیں اور خاص خاص کہ فیضونکا نقشہ
اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اسکی نظریہ نہیں مل سکتی،

مشلاً عاشق تا صدی اپنے رازدار سے معمشوق کا حال پوچھتا ہے کہ کہاں ہے؟ اور کن
وگوں کے ساتھ ہے؟ کیا کرتا ہے؟ میرا بھی کچھ ذکر کرتا ہے کہ نہیں وغیرہ وغیرہ وکیوں اشتیاق، کس
حضرت کیں مذاہ سے یہ باتیں پوچھتے ہیں؟

آن گل تازہ و آن غنچہ خذلان چون است؟	ای صبا باز بہن گوی کہ جانان چون است؟
آن بخ پر نوی آن اف پر شان چون است؟	با کسے می خورد آن ظالم و درمی خوردان چشم بدر خوش کہ ہشیار نہ باشدست است

ای دزلف بست عیا کرد آن ہر دخوش اند
دل یواد من پل اوی ریشان چون است ؟
زهاشد که دلم رفت در ان زلف باند
یار بآن یوف گم گشتہ بزدان چون است ؟
پچھے پرچھے دفعہ خیال آتا ہر کہ معشوق کے ذکر میں اپنا تذکرہ خلاف عاشقی ہوا سلیمان
ب با توں کو چھوڑ کر کس محیتے کھتا ہر،
بہ جان و سر جان ان کم و بیش مگوے
گوہیں یک سخنی است کہ جانا ن چون است ؟

میں معشوق کی جان کی قسم دہرا دہر کی باتیں نہ کہ صرف یہ بتا کہ معشوق کس حالت میں ہو؛
معشوق نے روزہ رکھا ہر، اپر عاشق کے دل میں جو جو خیالات پیدا ہو سکتے ہیں
کو دیجھو کس طرح ادا کیا ہے،

ماہ من روزہ میان شکرستان دارد
ای خوش آن روزہ کر جاوے بیجان از
لبست آسودہ دہان پر لکر نگزست
خضر گر بیشن آن یڈ شکن ز روزہ خوبیش
کان پر در تلب چشمہ حیوان اردو
من گرفتم کہ خود اور روزہ پہمان اردو
جان من گر تو قدم رنج کئی، بندہ تو
قدسے آب چشم و دل بریان اردو

مشوق سر دسامن کے ساتھ سوار آ رہا ہی، عاشق پر حیرت طاری ہوتی ہے کہ کیا آ ماں
لات آیا ہک؟ یہ خوبی کیسی بھیل ہی ہر؟ کیا ہوا بچوں میں بس کر آ ہی ہر؟ بچہ خیال آتا ہر کہ
میں مشوق آتا ہے، لیکن ان دل فرمبیوں کے ہوتے کس کا ایمان سلامت ہے گیا، ہلامی
ی میں یوں نہیں آنا چاہیے، ان خیالات کو مسلسل دا کرتے ہیں،

کہ میں یہ چنپین لایب مگر مر بزرگ آمد
چہ کرو است اینکے نہیں دکھا جان پشید آمد
کہ میں زندگی سے کوئی سیداں غنیمہ بیٹھ
گدایں بادمی جنبہ کر لے یا سین آمد
جسی دافت تھوڑی و آخر این نمیدانی
کہ دشمن سلامان نباید این چنپ آمد

بھار آئی ہر عاشق باغ میں جاتا ہے جلسہ رائی کے سامان ساتھ ہیں، قاصد کو معشوق کے
پاس یہ پیغام دیکھ جیتا ہے کہ باغ میں عجیب بھار ہے، سبزہ اور جزا اور عالم آب کی سیر قابل
دید ہے، قاصد سے یہی کہدا یا ہر کہ ادھر ادھر کی باتوں میں ٹانا چاہے تو نہ اننا، اور جسط
ہو سکے ساتھ لانا، اور اگر عالمستی میں ہو تو اسی طرح مست اٹھانا، ان تمام خیالات کو
تفصیل کے ساتھ یہک غول میں ادا کیا ہے،

آمد بھار و شدھن دلالہ زار خوش	وقت است خوش بھار کرد وقت بھار خوش
در باغ باتراہ ببل درین ہوا	مسٹی خوش است و بادہ خوش است بھار خوش
ما یکم و مطر بے و شرابے و محربے	جائے بزرگی سایہ شاخ پناہ خوش
ای با دکاہلی مکن و سوی دوست رو	مار بھجن بہ آمدن آن نگار خوش
چیز و گرگوے، ہمیں کو کہ در جن	سبزہ خوش است و اب خوش جو بنا خوش
گر خوش کند ترا به حدیث کہ باز گرد	پشیش کن و بیار مشوز یہ نہار خوش
و زمینیش کر مست بود خفتش مده	ہم بچنا شست بہ نزد من آ خوش
من مست خوش حر لفی او لم کار آن حر لفیت	سر خوش خوش است مست خوش ہوشیا خوش

لطف وقت کے خوش بودن، دعا نیز جائز ہے، یعنی خداون کو خوش و خرم سکھ،

دران زمان که مش راه می دید
بازی خوش است بوسن خوش است کنار خوش طبیعت

آن هر چون پایاده خوش است سلوخ خوش
و پایاده خوش بود اندر چن دلیک

بها رین کیا کیا چاہیے؟ اسکو تفصیل سے لکھتے ہیں،

هنگام گل است با وہ با ید ساقی و حریف سادہ با ید
پیشانی گل کشا وہ با ید گو غنچہ گره در ابر و انگند

کمین شسته و آن ستاده با ید ساقی برخیزد، دیار بستان
در چنگ من او فتا وہ با ید و انگاه، حریف ساده و مست

کاساماں،

بوستان جلوه در گرفت اینک گل نرخ پرده در گرفت اینک
آتش لاله بر فروخت نباد اتش لاله بر فروخت نباد

بلبل آمد، نشت بر سر گل بسبله در پیش فاخته ز گهول
غنجه در پیش فاخته ز گهول سبقه تازه بر گرفت اینک موسیقی^{۱۰}
در قش کید گرفت اینک در قش کید گرفت اینک

یعنی غنچہ کے در ق چنگ نمی تھے ایلے چک کرہ گئے،

آب را گرچہ چشم ہا پاک است بوستان را بر گرفت اینک

یعنی پانی گوپاک نظر ہج، تا هم اُست باغ کوینہ سے پٹالیا،

خار چون تیز کرد پکان را گل بعد تو پیر گرفت اینک

طوٹی آغاز شعر خسر و کرد روی گل دشکر گرفت اینک
 جدت | جیسا کہ ہم او پر لکھ آئے ہیں امیر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے سیکڑوں نتی شبیہ
 ایجاد کیں اور یہ دعویٰ بدی دعویٰ ہے، انکی ایک غزل بھی نہیں مل سکتی جس میں کوئی نہ کوئی
 جدید شبیہ نہ ہو، چند مثالیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں،
 راز خون کو دخوش ایں مہبا من بُن کہنے تی خامہ ت حرفاً وی بُرَن خواہ گذشت
 اے دل اپنا بھید گھم سے نکھن کیونکہ یہ کاغذ کچا ہے اس میں حرفاً پھوٹ نسلے گا،
 زلف اد پلوی خال لباد گوئی از شهد گس می را نہ
 نہ رو دمہ بر اون در شب تار تاز زلف تو نزد بان نہ برو
 یعنی چاندا نہ صیری رات میں بلندی پر نہیں چڑھ سکتا، جب تک تیری زلفونکی سڑھیاں لگائے
 دچھرہ کو چاندا و زلف کو زینہ سے شبیہ دی ہے
 ہست سحر اچون کفت بُرَاز لال جام خوش کفتی کہ چندیں جام صہبا بر گرفت
 ان مضمون کو داشت مشهدی نے عجیب طفیل پیرا یہ میں بدل دیا ہو
 دیدہ ام شاخ گلے برخوش می پچ کہ کاش می تو نتم بیک است این قدر سا غر گرفت
 یعنی میں نے ایک ڈالی پھولوں سے بھری بھی، اور ترپ گیا کہ کاش میں ایک
 ہات میں اتنے ہی پیاۓ، لے سکتا،
 غلام نگس مسم کہ با مادو بگاہ قدر حبست گرفتہ زخواب بر خیزد
 گلستان نیم سحر یا فتح است صبا غنچہ راخفته دریافتہ است

چنان خواب پیدا است نرگس بنواب کر گویا کیے جام زریافتہ است
 نرگس کے پھول میں جز رکھنے میں اسکو جام زست تشبیہ دیتے ہیں اور تشبیہ
 م تھی، لیکن اس اسلوب بیان نے کہ نرگس نے خواب میں بھاکہ اسکو جام زربات آگیا ہر
 خاص لطف پیدا کر دیا، اور چونکہ نرگس کو مخواہ و خواب آؤ دباندست ہیں اسی سے خواب
 ہٹنے کی توجیہ واقعیت کا پہلو رکھتی ہے،

میرودی و گریے سے آید مراء ساعتہ بشین کہ باران بگزرو
 موکی جھڑی کو سب بارش سے تشبیہ دیتے آئے ہیں، لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ
 وقت سے کتے ہیں کہ تیرے جانے کی وقت محکمہ رہنا آتا ہے، اتنا شر جا کہ بارش تھم جا،
 یعنی مزید لطف یہ ہے کہ معشوق کا جانا ہے اس بارش کی علت ہو رہیے وہ جانا چاہیکا تو بارش
 ہے، اور اسیلے وہ کبھی نہ جاسکے گا،

می میانِ شیشہ ساتی نگر آتش گویا ہے آب آؤ دہ انڈ
 برآمد وہ ساغر لالہ شراب کرد در گوش ہائی باغ بستے دنبا کرہ
 فراش باغ بارگ کھو دہ باغ زد دانگہ برآب، خرگ کہ سیمیز حباب کرہ
 نرگس کر شبت خفتہ فریاد بلبلان بہادر سرپ باش گل میل خواب کرد
 [ن] خیال بندی اور ضمون آفرینی کا موجود کمال سمعیل خیال کبجا جائیں لیکن کمال کی
 قصائد کے ساتھ مخصوص ہے غزل میں اس تو اس نگ کی مطلق آمیرش نہیں کی ہے غزل
 لکھنے مضاہین اور نئے نئے اسلوب پیدا کرنے میز فرگ کا ایجاد ہے، اور اسیں پر خاتمه

بھی ہو گیا، متاخرین کی مضمون آفرینیاں گو حد سے بڑائیں، لیکن اسکا دوسرا نداز ہوا وہ اور
سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی حقیقت گھلے گی،

امیر خسرو کی مضمون آفرینیاں مختلف قسم کی ہیں، مشاون سے اندازہ ہو گا

بہ خانہ تو ہمہ روز بامداد بود کہ آفتاب نیارہ شدن بلند آنجا

تیرے گھر بن ہمیشہ صبح دہتی ہے کیونکہ دہان آفتاب اونچا نہیں ہوتا

زلف تو سیہ چراست مانا بیمار در آفتاب، گشته است
غائبیاں پڑھیں

مشتبہ می شود م قبلہ ز رویت چشم کہ زابر دی تو چشم بد و محابا باتفاق

تو نیفگاہ دی ازا کو دی خواب اتفاقاً چشم است تو کو دی برکن بقابل اتفاقاً

زبران حنین تاریک لاشد خانہ چشم کہ ہرگز آفتاب من مرنے دزن نہیں آید

پیش تو آفتاب نتوان جست روز روشن چراغ نتوان کرد

می روی دگر یہے آید مرد ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

دل من بزرگ دل زلف دل ز رویت شلد شیر جون بگردد شب ہتاب زنے کے بہ خانہ در آید

زہرے عمر در از عاشقان گر شب بہر ان حساب عمر گیر نہ

یعنی اگر شب بہر کو بھی شامل کر لیا جائے تو عاشقونی عمر کقدر بڑی ہوتی ہی

زلف ازان می بروان شمع کہ شہان غم گر شوکوت ازان جا ہمسہ پیوند نکنند

یعنی اپنی زلف وہ سلیمانیہ تراشناہی کہ میرے غم کی رائیں چھوٹی ہو جائیں تو انہیں جو رنگ کر بڑا

لطف ران چراغ جلانا،

راہی است بہلے بردن دل ابروی توکز میان کشاد است
 یعنی تیرے دونوں ابر دوں کے درمیان میں جو فاصلہ ہو اسی پر کوئی کو دل بجانی کیلے راستہ نہ
 زلفت سرد پاشکستہ زان است کز سرد بلند تاذ قداد است
 شرب نخ خوش چراغیم کرم کن تاقله ندوہ تو سم پیش تو خوام
 کی رات کو، پہنچ پر اغ غایت کرو کہ میں ابھی بخشی میں اپنا تھہر تھات سامنے پر ہکرنا وہ
 خانچشم من خراب شده است کہ بہ بیاد غانہ، نہ رفتہ است
 کے نامذکہ دیگر بخ ناز کشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی
 شکرین بعل تو کان نمک است گرچہ شکر نہ مکان نمک است
 آب روے تو ملاحت افزود گرچہ از آب زیان نمک است
 مردی نیتم امروز کہ جاناں یاجا است ایجاں برو و خواہ بن باش کمن
 آئینہ کر د جس می ز آسان ہوال برخواست آفتاب پر انوجواب کرو
 یعنی اسکے حسن نے انسان سوائینہ مالگا آفت اب نے ادبے ز اوپیک کر کہا کار حاضر
 بروی تو گردم گرہش باز کتای کہ کمائت نہ پراندازہ بازوی کسی است
 پنڈ کہ زلفت تو پاہی است جہا نگیر زین گونہ پر پیشان نتوان کر دسپہ را
 پسایہ خفتہ بد من کہ بیار آمد گفت چہ خفتہ کہ رسید آفتاب درسایہ
 شاعرانہ اجتماع لفظین ثابت کرتے ہیں اور وہ طبیعت پر استجواب کا اثر

اکڑتا ہے،

ع دردہ دادی درمانی ہنوزہ

یاد باد آنکہ ہمہ عمر نہ کر دی یاد م

صنائع امیر نے اعجاز خسروی میں صنائع بدائع پر اسقدر بہت صرف کی کہ ہمکو بڑا اثر تھا کہ جو جال انہوں نے بچایا اُس میں خود بھی بچس نہ جائیں، لیکن عجیب سن اتفاق ہو جن جن لوگوں نے صنائع و بدائع کو فن بنایا اور اپر مستقل کتا ہیں لکھیں، شلاؤ فرمی د ابن المعتز وغیرہ وہ خود اس بعدت سے محفوظ رہے۔

امیر خسرو، اور وون کی نسبت کسی قدر را لودہ ہیں تاہم ان کے صنائع بہت سے بے تکلف بھی ہوتے ہیں اور اس حد تک نہیں پہنچتے کہ نکتہ گیری کی زندگی میں صفت طباق یعنی احمد ادیگی خاص مرغوب چیز ہے اور وہ اسکو بڑی خوبی سے نباہتے ہیں،

ع دردہ دادی درمانی ہنوزہ،

زبندہ وجہان آزاد گردم اگر تو ہنسشین بندہ باشی

سن درویش رکاشتی ب غزہ کرم کردی آلمی زندہ باشی

گفتیم ناخوش چراںی خسروا چون کنم؟ آشکل ان بالاخوشت

بندہ را در غم تو نیست نجر ہمہ یاران بندہ را خبر است

خرد سالے ب من کشد بیداد اے بزرگان شہر داد و مہید

عربیت اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امیر کو عربی علم ادب میں کمال تھا، اور اس فن کی نادر کتابیں انکے حافظہ میں مخزون تھیں تاہم ان کو اس فن میں دعویٰ نہیں تھیں غرہ کمال

کہ پیاپی میں عربی کے چند اشعار لکھے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ با وجود
وافع عجز کے ان کو اس زبان پر کس قدر قدرت ہے، اشعار یہ ہیں،

داب لفوا د و سال من عینی اللہ
و حکی اللہ و امع کل ما انا کتم

دل گھل گیا، اور آنکھ سے خون، بہا اور آنسو نے دہب کر دیا تو یہ چھپتا
و اذا ابخت لله لی لوری اکربا النوی

تبکی الاحبة ولا عادی ترحم

بیہین لوگوں کے سامنے فراق کی تخلیق بیان کرتا ہوں تو دست یوتے ہیں، اور دشمنوں کو رحم آتا ہے
یکعاذلل العشاق، ععنی باکیا

ان السکون علی المحب، محمد

اذ ناصح! تو مجھے روئے دے چک پڑھنا، عاشق پر حرام ہے
من باعث شلی فصوید ر، خلیلی

شپوش ہیری طرح رات گزارے والہ بسکھ سکتا ہے کہ عاشقونکی رات کس طرح گذرتی ہے
اعجاز خسر وی میں عربی زبان میں خطوط لکھے ہیں جن کر ان کی عزیزیت کا اندازہ
سلکتا ہے، اگرچہ ان میں قافیہ بندی اور لغتوں مخالفات ہیں، لیکن یہ اسن ماڈ کا عامم انداز تھا، تھا، تھا
پرالازم نہیں آسکتا،

وان انا کلامن غزیۃ، ان غوت

غوبیت وان ترشد غزیۃ لرشد

ن بہر حال قبیلہ غزیۃ کا آدی ہوں غزیۃ گراہ ہر تو میں بھی گراہ ہوں اور وہ شیک استپر ہی تو میں بھی ہوں،
کائے دبدائع امیر خسر و نے صنائع و بداع میں جو زور اور بیان صرف کیئن، اگرچہ کندن اور
ہبڑا درد نہیں، لیکن اس لحاظ سے کہ انکی معنت بالکل بیکان نہ جانے پاے، ان کا اجھا لی تذکرہ

کرنا ضرور ہے،

ان میں بہت سی صنعتیں وہ ہیں جو عربی میں موجود تھیں، لیکن فارسی میں اُنمکا ادا کرنا اسیلے شکل تھا کہ فارسی زبان کی کم و سختی اس کی تحمل نہیں ہو سکتی۔ شلا صنعت منقوطہ یعنی عبارت ہیں ایسے الفاظ لانا جنکا ایک یک حرفاً نقطہ دار ہوا۔ امیر نے اس قسم کی صنائع میں صفحے کے صفحے لکھی ہیں، بعض فارسی میں تھیں، لیکن ایک دہ سطر سے زیادہ کوئی شخص لکھنے کا امیر خسرو نے ورق کے درق لکھنے بعض صنائع میں انہوں نے تصرفات کیے۔ اور بعض بالکل خاص ائکے ایجاد ہیں، چنانچہ ہم انہی کو مختصر طور پر لکھتے ہیں،
دو رو، یعنی ایسی عبارت لکھنی کہ نقطوں کے رو و بدل سے دو مختلف زبانوں میں ٹرینی جائے اور با معنی ہو، امیر نے اس صنعت میں کئی صفحے لکھے ہیں، لیکن کاتبون کی غلط نویسی سے ان کا صحیح ٹرینا ناممکن ہو، اسیلے صرف ایک دھوپ طور پر اکتفا کرتا ہوں۔

رسیدی بردی می صرا، دی پر خانے زمانے باشی، بہیاری بشا لی

اس شعر کو اگر فارسی میں ٹرین ہیں تو اس کا لفظی ترجمہ یہ ہو،

کل تو آیا اور تو نے مجکو ایک مکان میں کیا، ایک ماٹھر جا تو دوستی کرنے کے قابل ہے،
لیکن اگر اسی کو عربی میں ٹرین ہیں تو یون ٹرھ سکتے ہیں،

رمضانی، نذر یادی، هسرادی، بخاتی رہمانی بیاسِ تبادی نسی

تو میرا ہایت یافتہ ہے، بے نظر یو، میری مراد ہے، میری بخات ہے، مجکو اس بات نے نامید کیا ہو کہ میری

عورتین با ہم لڑائی ہیں،

للباللسانین، بہتے اس عبارت کھئے ہیں کہ فارسی میں نہیں، لیکن اگر ان کو اُٹ کر ڈپ ہیں تو
دوںی عبارت بن جائے ہشلاً،

بسی با کام رانی در جهان باش،
می باش؛ کار شاد مانی،
بای یار ما کہ کار می کنسیم ہم
دوسٹ مایا رمنی ہی یاری مآٹی،
بکن واد دیکشور کا مران باش

ان تمام مصروفون کو اُٹ کر ڈپ ہیں تو عربی عبارت بن جاتی ہے،

حصل الحرفین، یہ وہ صفت ہے، کہ جس قدر الفاظ عبارت میں آئیں ان میں کہیں کوئی حرف
کا نہ آئے، بلکہ و دو، یا تین تین حرف کا لفظ ہو، مثلاً۔

چاکر خاصہ، حاجی شرقانی، سر خدمت، بر پایت می مالد، و می گوید، کہ بدین جانب
اطرا با فرحت قریں می باشد باید کہ گر جانب ا، نام فرمایہ تا ہر خوشی کے برست فرنخی
امل باید،

یہ اس صفت کا نقیض ہے، جس کا ہر لفظ الگ الگ حروفون میں لکھا جاتا ہے، مثلاً
کو رو دو دا آئر د، دُرو دار، دارا می دُراری دُوار اذات دا اور دو ران را، آنکہ
امیر نے اس صفت پر کئی صفحہ کی عبارت لکھی ہے،

امیر قلم الاحرف، اس صفت پر امیر کو بہت ناز ہو، کئی کئی سطر دن کی بامنی عبارت

لکھی ہے، اور یہ الترام کیا ہے کہ صرف چار حرف یعنی الف، ه، واد، سے مکے سوا اور کوئی حرف نہ آنے پائے یعنی تمام الفاظ اصرف انہی حروف سے بنے ہیں، لیکن جو عبارت لکھی ہے، وہ بالکل سہل معلوم ہوتی ہے، اور اس کا پڑھنا سخت شکل ہے،

مُجْرِّدَةُ الْأَلْسُنَةِ وَالشَّفَاءِ، اس صنعت پر اور بھی ان کو نامزد ہے اس میں ایسے الفاظ جمع کیے ہیں کہ سطرہن کی سطرين پڑھتے جاؤ لیکن کہیں ہونٹوں کو جنبش نہیں ہو گی صرف جلت سے تمام الفاظ خلکھلیں گے، ترجمۃ اللفظ، یہ صنعت بھی خاص ان کی ایجاد ہے، اس میں یہ الترام ہے کہ جو لفظ آتا ہے، اس کے بعد کا لفظ، دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہو جاتا ہے، مثلاً

سودا ی رخ توکشت مارا

یہ فارسی مصوع ہے، لیکن کشت کا اگر اردو میں ترجمہ کریں تو ”مارا“ ہو گا ایسے مصوع کا اخیر لفظ، پہلے لفظ کا ترجمہ بھی ہے، امیر نے اس صنعت میں پورے صفوی بھر کی عبارت لکھی ہے،

مُحْتَلُ الْمَعْانِيِّ، ایک شعر میں ایک لفظ لائے ہیں کہ اسکے سات معنی ہیں، اور ہر معنی دہان مراد یہ جاسکتے ہیں،

مُوقَفٌ لَا خَرَّ، ایک باعی لکھی ہے، جبکا ہر قافیہ، دوسرے مصروع کی آغاز کا

محاج رہتا ہے، مثلاً

درسن ترا، کسے نا ند ا لَا خورشید کہ ہر صبح بروں آید، تا
 خدمت کندو پای تو بوسد، آما زینی تو بسوے او، چو پا بوسد، تا
 انی صفتون اور بیجا کا دشون یعنی کئی جلدین لکھ ڈالی ہیں، اگر کسی صاحب کو
 میرخ سرو سے زیادہ مغز کا دی مقصود ہو تو اعجاز خسر وی موجود ہے، مطالعہ فرمائیں



سلطان ساوجی

دفاتر شمسیہ یا شمسیہ

عراق عجم میں سادہ، ایک مشهور صوبہ تھا، صاحب آتشکده لکھتے ہیں کہ اب صرف چند قبیلے باقی رہ گئے ہیں۔ سلطان بیان کے رہنے والے تھے، عربی تین نسبت کے وقت وارج سے بدل جاتی ہے، اسیلے ساوجی کہلاتے ہیں، ان کا خاندان ہمیشہ کو سحر ز چلا آتا تھا اور سلاطین دقت انکا بہت احترام کرتے تھے، سلطان کے والد جن کا نام خواجہ علاء الدین محمد تھا، دربارشاہی میں طازم تھے، سلطان کی ابتدائی تعلیم بھی اسی حیثیت سے ہوئی تھی، چنانچہ دفتر کے کار و بار اور علم سیاق میں نہایت کمال رکھتے تھے اس زمانہ میں جو طوائف الملوك، حکومتیں جا بجا قائم ہو گئی تھیں انہیں ایک جلالیہ کا خاندان تھا، جسکا پایہ تخت بغداد تھا، اس خاندان نے ۴۸ برس تک حکومت کی اور چار شخص سنت حکومت پرستی کی، اس سلسلہ کا پہلا فرمان رواضن ایلکانی تھا، حسن ریلکانی کے فرزند سلطان اوسیں جلالیہ کے بڑا جاہ اور اقتدار پیدا کیا، دشمنوں میں آذربایجان، اران، موغان، شیروان، موصل وغیرہ فتح کر کے، اپنے حدود حکومت میں داخل کر لیے، ۱۹ برس تک اس بڑے عظیمت د اقتدار کے ساتھ حکومت کی مختلف علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا، تصویر ایسی عدہ کھینچتا تھا کہ بڑے بڑے مصقر در دنگ

رہ جاتے تھے، خواجہ عبدالحی جو مشہور مصتوگز رہا ہی، اسی کا تربیت یافتہ تھا، علم موسقیٰ یعنی
اکثر چیزوں اسکی ایجاد ہیں ان باتوں کے سوانح و مجال کا یہ حال تماک جب تکی سواری
لکھتی تھی تو راستہ ما شایوں سے رُک جاتا تھا، تین دفات پائی، خواجہ سلمان
الخی در نون کے دربار کے لئے الشعرا تھے،

خواجہ سلمان کی ابتدائی تقریب کی واقعہ ہے کہ انہوں نے حسن بیکانی کی فیاضیوں کا
شہر سنکر بنداد کا تصد کیا، اور دربار میں پہنچے، ایکٹ ان حسن تیراندازی کی مشق کر رہا
تھا، سلمانؒ ہمیں اس موقع پر موجود تھے، بر جستہ یہ اشعار کمکر پیش کیے،

پور دربار چاچی کمان رفت شاہ تو گفتی کہ در برج قوس است ماہ

دو زار غ کمان با عقاب سپہ بدید مم بیک گوشہ آ در ده سر

نہاد ند سر بر سر گوش شاہ نہ انم چ گفتند در ہوش شاہ

چواز شست بکشاده خسر و گرو بر آ مدز ہر گوشہ آواز زہ

شہما ب تیر در بند ب تیرست سعادت دوان در پی تیرست

ب یغمدت زکس نالہ بر نخواست بیغراز کمان کو بنال الد داست

ک در عمد سلطان صاحبقران نکرد است کس زور جزیر کمان

حسن سے سلمان کی غیر معمولی قادر الکلامی دیکھیکر، مقربین خاص ہیں دخل کیا،
سلطانؒ سن کی حرم لشاد خاتوں نہایت قابل اور لائی خورست تھی، سلطان

برائے نام باوشاہ تھا، سلطنت کا نظم و نسق دشاد خالتوں کے ہات میں تھا، وہ شعرا در
خون کی بہت قدر دان تھی، اس بناء پر سلماں کی نہایت قدر دانی کرتی تھی، سلماں نے
بھی اس کی بیج میں جی کھوں کر زور طبع دکھایا ہے۔

سلطان اویس کو شاعری کے ساتھ خاص مذاق تھا، خود شعر کہتا تھا، اور سلماں کو
دکھاتا تھا، اس بناء پر سلماں نے اسکے دربار میں نہایت تقرب حاصل کیا،

ایک دفعہ سلماں رات کی وقت سلطان اویس کی مجلس عیش میں شریک تھے
جلسہ ختم ہو چکا تو سلماں اُٹھے، سلطان نے ملازم ساتھ کر دیا کہ روشنی دکھانے کے لیے
شمع ساتھ لیجائے، اگر پہلو پنجے تو ملازم شمع دین، چھوڑ آیا، صبح کو شمع لینے گیا، تو خواجہ صاحب
اس بناء پر گھبرائے، کہ شمع کے ساتھ طلاقی تھالی بھی تھی، وہ ہات سے جاتی ہے، اسی وقت یہ
شعر لکھ کر ملازم کو دیا، کہ سلطان کی خدمت میں پیش کرنا،

شمع خود سوخت بزاری شب و شو امروز گرگن می طلب دشاہ ز من می سوزم
سلطان نے ہنسکر کہا کہ شاعر سے کوئی چیز کون واپس لے سکتا ہے

سلماں جب بہت ضعیف ہو گئی تو ملازمت سے استغفار دینا چاہا اور سلسل چارے
لکھ کر پیش کیے،

باوشاہ ابنہ و حضرت بر حکم عرصہ داشت انساط می ناید بر امید رحمت

قرب چل سال است تا سکان شرق و غرب را طبع سلماں می کند در گوش دُر مدحت

لوبت پیری رسید الکون اب مر حضرت نوبت پیری رسید الکون اب مر حضرت

لے دولت شاہ،

گوشه خواهیم گرفتن تا اگر عمر بود
چند روزے بگذر انهم در دعای دلت
علت پیری دور دپا، وضعیت جسم و چشم
می برد در دسر من بندۀ راز خدمت
کفته ام در باب خود فصله دو شاهزاده از درگاه گردان حشمت

قطعه دوم

بندۀ زین دائره جمع، جدا خواهد بود
زین زمان خادم جمع فقر اخواه بود
بعد ازین بر در معبد هم پاخواه بود
یچ شک نیست که احسان شاخواه بود
که مراد مجیدیت زکب اخواه بود
اول آن است که چون نیت عزلت دارد
درست مالک ملک شعر ابود به عن
پیش زین در پی مخلوق هر سرمی گردید
بندۀ تازنده بود و به معاش بندۀ
لیک دارم طبع آن که میین باشد

قطعه سیوم

آمد از بندگی شاه که شاید
که بخواه از کرم هر پسر توانی باشد
داشت مبدل جهان کز کرم شاه آید
و مهره هست خود شاه بری شاید
و گیر آن است که محبوب جهان مقری شاه
و دگربندۀ دیرینه مسلمان را
بندۀ بحسب شارت طلبی کرم و شاه
و عده دین است ز دین من اگر زانچه کند

قطعه چهارم

دیگر از خرق تریاده و دخل کش قرضه چند
هست و فرض است که قرض غربا بازدید
له بندگی کا لفظ اس زمانه میں اس طرح بولتے تھے جس طرح آجکل با شاه کے لیے نہ بخشی کتے ہیں ،

بندہ راغب در شاہ در دیگر نیست
قرض باید کہ ز انعام مسلمان بازدہ
وجہ این قرض کہ از من غربا می خواہندر
گرنہ خواہز تو سلطان ز کجا بازدہ
سلطان نے فی المدیہ پہلے قطعہ پر یہ شعر لکھا،
هر چنان غایت بذم اور قریب و دست
بچنان باشد بہ نام اور قریب بچنان
دوسرے قطعہ پر یہ لکھا،

دہ ایرین کہ در حدود نے است
بدینہش کہ اتماس فے است
غرض جاگیر اور تختواہ کی بھالی کے ساتھ قرض بھی ادا کر دیا گیا،
سلطان نے گوشہ نیشنی اختیار کی اور جب تک زندہ ہے ہر قسم کے تعلقات سے
آزاد ہے، حسب وایس و ولت شاہ ۶۹ شمسیہ میں وفات پائی، لیکن مولوی غلام علی
آزاد لکھتے ہیں کہ میں نے دیوان سلطان کا ایک نخجیر ۷۹ شمسیہ مہ کا لکھا ہے وہی کجا، اُسکے خاتمہ
میں ایک تطمیق تھا، اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قطعہ سلطان کا معاصر ہے
قطعہ یہ ہے۔

محل آیت اعجاز پارسی سلطان
کہ کر دنا طبقہ پیش نہ شی بجز اقرار
مندید بر سر شاخ گل سخن صلا
بمار طبع چوا عندر لیغب ش گفتار
ناز شام دو شنبہ بیک از صفر بوده
کہ نقدر عمر بہی کٹ مچن سمجھ کر دشوار
چو کرو میں پرسوی بساط دار قرار
بساط دار قرار ستال تاریخش

۱۴۵ = نام تفصیل خزانہ عامرہ میں ہے،

سے ۸۸ءے نکلتے ہیں،

ناصر بخاری اس زمانہ میں مشہور شاعر تھے، اور دریشاں و ضع رکھتے تھے، حج
بجاتے ہوئے بغداد میں آئے، خواجہ سلان کی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی انکو بھی ملنے کا
وق پیدا ہوا، ایکن سلان دجلہ کے کنائے عالم آب کی سیر کر رہے تھے،
اصرد ہیں پنجے، سلان نے مزاج پرسی کے بعد نام و نشان پوچھا، ناصر نے کہا
ناع ہون، سلان نے فی البدیہ یہ مصروف پڑھا۔
ع وجلہ را اسال رفتارے عجب مستاذ است

ناصر نے برجستہ درس را مصروف پڑھا
ع پائی دز بسیجہ رکف بر لب مگر دیوانہ ایست،
سلطان نے گلے سو گالیا اور کئی دن تک نہان رکھا، ناصر با وجود کمال
ستادی کے سلطان کی شاگردی کا دم بھرتے تھے،
عبدیز را کافی، یہ کو گوین کا پیشووا، اُسی زمانہ میں تھا، ایک دفعہ خواجہ سلان
مفریں امیرانہ ساز و سامان کے ساتھ ایک چشمہ کے کنائے خیبرہ زن تھے، اتفاق
سے عبدیز را کافی کہیں سے آنکھا، سلطان نے پوچھا کہ ہر سے آنا ہلو، عبدیز نے کہا
ززوں سے، سلطان نے کہا، سلطان کا کلام کچھ یاد ہوتا سناو، عبدیز نے یہ
غرض پڑھتے،

لہ دولت شاہ تذکرہ ناصر بخاری،

من خرابات مغان عاشق دست
در خرابات مغان عاشق دست
می کشدم چو بودوش بدش می برندم چو قبح دست بدست
ساخته ہی کما، لیکن سلان ٹرے رتبہ کا شخص ہے، یہ شر اس کے نہیں ہو سکتے، عجین، ورنکی
بیوی کا کلام ہو، سلان بہت برمہم ہوے، لیکن قیاس سے سمجھا کہ عبید ہے، قسم دیکر
پوچھا، عبید نے اقرار کیا، اور کہا کہ تم بے دلخی و گون کی بھوئیں کرتے ہوئے زیبائیں
میں بغداد خاص اس غرض سے آیا تھا کہ تم کو ہجو! ایسا کامڑہ چکھا دُن، تمہاری
خوش قسمتی ہے کہ میں نے قھڈا چھوڑ دیا، سلان نے شکر گزاری کی، خود
گھوڑے پر سوار کرایا، نقدی اور کپڑے دیے، اپر بھلی ہمیشہ عبید کی ہبھوگوئی سے
زبرستے رہتے ہیں،

کلام پر راستہ سلان کی کمال شاعری کا تمام اساتذہ نے اعتراف کیا ہے، خواجہ حافظ
معاصر تھے، تاہم کہتے ہیں۔

زراہ صدق و لقین نزراہ کذب گمان
سرگرد غصنا لے زمانہ دالی کیست
شنسنے فضلا بادشاہ ملک سخن جمال ملٹ دین خواجه جہان سلان
سلان نے شاعری کی عمارت کمال سعیں اور ظہیر فاریابی کی داغ نیل پر قائم کی
اکثر تھا مدنی دنوں کے جواب میں اور اسی طرز میں لکھتے ہیں، مولانا حاجی
بخارستان میں لکھتے ہیں، کہ سلان کے اکثر مضامین، اساتذہ قدیم خصوصاً کمال سعیں

لے دولت شاہ حالات عبیدزادہ کانی،

ما خود ہیں لیکن سلماں نے ان کو اس قدر ترقی دی کہ جای اعتراض نہیں اور اسکی
نال میں،

نیک بودشا ہر پا کیزہ بدن
کہ بہر چند در و جامہ دگر گون پوشند
وت عاربود باز پسین خلعت او
کرنے در خوبیش از پیشتر افسر دن پوشند
پدر آرنو در و طلس واکسون پوشند
نمرست اینکہ کمن خرقہ رپھین زبرش
شاعری میں سلماں کا ایک خاص درج ہے ہیعنی وہ قدم اور متوضطین میں بزرخ میں
کا کلام، قدما کے دور کا خاتمه اور متوضطین کا آغاز ہے، انہوں نے کمال کیلیا و نظریہ
بان کی صفائی اور شستگی لی ہے، اور اس میں ایجاد مضمایں کی رنگت میزی کی ہے،
ضمون بندی جو متوضطین اور متاخرین کا ماہلا امتیاز جوہر ہے، گوکمال نے شروع کی،
لیکن سلماں نے کمال کو پہنچا دیا،

سلماں نے قصیدہ، شنوی، غزل سب کچھ کہا ہے، شنوی چشید و خوشید، اُن کی
شوشنوی ہے، اسکا انداز اشعار ذیل سے معلوم ہو گا،

شکوفہ چوناک تنے سیم بر	ز صندوق چوبین برآورده سر
بنفشه چوٹکین سرزعن یار	چریدہ ز بار خودش روزگار
براً نم که سو سن پر نیزاده است	زبان کوئے خوب آزاده است
شنیدم کہ پردا نہ بابلے	ہمی کرد و عشق گل، غلغله
ہمی گفت کین بانگ فرا چوپت	ز سدیا د معشوق این دادچیت

زمن عاشقی با یہ آموختن
کہ ہر گز نے نالم اذ سو ختن
بہ روزمن و حال من کس مبارد
کہ یار مرم رو دپشیں چشم ہے باد
باید بدان زندہ بکریسں
کہ بے یار خود باید شہیت
سلام نے اگر چہ متوی، قصیدہ، غزل، سب کچھ لکھا ہے، لیکن انکی شاعری کا صلی
میدان قصیدہ گوئی ہے، انکے قصائد کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،
۱۔ زبان کی صفائی اور روانی کے ساتھ، ترکیبون میں وہ پتی جوان کرپلے ذہنی
اور جو خاص متosteین شعرا کا انداز ہے، مثلاً۔

خندہ زودہ نست، تنگ شکر پیدا کرد	سخنی گفت بابت لو لوی تر پیدا کرد
بودنا یافت میان تو دلکن کرت	چوت بربت میان اب وہ زر پیدا کرد
پرده از چہرہ بلند از کائن زلف سیاہ	در پییدی غدار تو اثر پیدا کرد
باد فرزو نسیم گل رعناء اور د	گرد، مشک ختن زدان سحر آورد
شاخ رایغ پیش دم طاؤ نگاشت	غچہ را باد پہ سکل سر بغا آورد
لالہ از دامن کوہ آتش سو سکی بندو	شاخ نیرن رگریاں یہ بیضا آورد
از پے خوش گل، لمبل شیرین گفتار	نغمہ بار بدو صوت نکیا آورد
سرورا باد صبا منصب بالا بخشید	لالہ را لطف ہلہ، خلعت الآ اور د
صحیح گاہے کے صبا مجرہ گروان باشد	گل فروکر دہ بدان مجرہ، دامان باشد
جامہ سروز استبرق و منس بافند	کمر کوہ، ز پیر دزہ و مرجان باشد

می کند با دصبا طفل حیرن در خوب
در نه محمد شجرش بہر جنباں باشد

آب در درد، نواہ اسے تروتازه زند
مع بر عود سحر ساخته الحان باشد

۱۰. دقیق اور نازک مضمون آفرینی جو متostein اور متاخرین کا کارنا مرغخز ہو، چند شاہین
بیل میں درج ہیں۔

جن نفسیں بود، پہ جائے نہان نہاد
در درج دعیقیت لبت انقدر جان نہا

خالت زعنبرما و همہ براں نہاد
قفیل زعل برد آن دفعہ زدبست

ناگاہ در دل آمد و اش میان نہا
باریک تر زمو، کمرت را دقيقہ

جنی کمر بند کے خیال میں ایک مضمون یاد آیا جو بال سے بھی باریک تھا، کمر بند نے ہکا نام
در کھدیا، مطلب یہ ہوا کہ معنوں کی کمر، در حقیقت ایک باریک خیال ہے،

عدا زین از گره زلفِ مغان، کن تبع
پل زین از خماب روی بتان کن محرب

وش برای پچو جباب زمی گلگون ومنہ
ستے گردش این دا گره ما را، از ہم

پچو پر کار جدا کرد، و بسم بازا اورد
آن چنان بر دہش زد کہ ہن پرنون شد مُعنی علی

گر سراپا چوپر کار کنستدم بد نیم
ازین دا گره بیردن نہ سمیک سر مو

۱۵ او پر جو اشعار گذئے ان کو مضمون بندی کی جیشیت سے بھی دیکھنا چاہیے۔

ہی نی تیرے ہونتوں نے عاشق کی نقد جان کو موتی کے ڈپر دہن، میں کھا، سیکر کو نفیس چیزی اونٹیں جیکو
یہی غنی جگہ سکتے ہیں پھر ہونتوں نے ڈپر یا قوت کا تغلی رکا دیا، اور مل نے ہو کر عنبر کی صفر کردی،

و میں از من بکش ای سر و کچوں آن بیان من سری در قدمت می نہم و می گذرم
 ۳۔ مخلص یعنی گریز میں نئے نئے پیراں پیدا کیے، ایک قصیدہ ہر جملکی روایت دست
 ۴۔ کراور قافیہ ہزار، نگار، بھار، اس میں گریز کا شعر ہے،
 سودا فی است زند چرامی کند ز دراز زلفت بہ عمد معدالت شہر یاد دست
 تیری زلف سودا لی ہجہ، در ز باد شاہ کے زمانہ میں ست رازی کیون کرتی،
 ایک قصیدہ میں شبیہ کے بعد کہتے ہیں۔

بعد ازین غم سخو رلے دل کغم امروز ہہ روزی دشمن فی اس مظفر شدہ است
 اب لے دل غم نہ کھا کیونکہ اب تو غم، مظفر شاہ کے دشمن کی خواک بن گیا ہے،
 عیش اور قص و سرود کا بیان کرتے کرتے کہتے ہیں،

مُفڑ بارٹھ طرب خوش بزران مرد ذکرنیت جز تو در عمد شہنشاہ جہان راہ زنے
 غیست پیدا، دہشت برخ، در در ول شاہ فتنہ آن بہ بہمہ وجہہ کہ ہنمان باشد
 در درستی است درین دور نہ ز پیدا کر بود بحراز بخت خداوند جہان کس بیدار
 سائیز زلف تو بر حیث خور شیدفتاد خم زلف تو مگر چتر شہزاد اگر است
 بـ شکل مشکل رویفین ابجاد کی ہیں اور ان میں اسی روائی او صفائی کے ساتھ کہتے
 ہیں، گویا معمولی رویفین ہیں اسکے ساتھ ہر جگہ روایت خوبی سے نایاں
 ہوتی ہے، مثلاً،

لہ راہ کے منی را گنی کے بھی ہیں درستہ کے بھی پہلے صرع میں پہلے منی یہی ہیں اور دوسرا من درستہ،

نغم امر و زبلائے شب بہ جران، برس
 بست آنہم ذکر در دامت کا دیز م دست
 سرد بر پای تو نی میر د مر غان چمن
 اه تابان تو باد شب مشکین بر دوش
 افتاب تو اگر سایہ ز من باز گرفت
 مدح کے بعد خڑی کتے ہیں،
 شرم از تربیت لطف تو جای برسید
 دعا گیر ملا خطہ ہو،
 ناز ند خسر و گل، تخت ز مرد در باغ،
 نہ باران کند، از رف ہوا قوس قزح
 شجر و ضمہ بخت تو چنان من بر باد
 اسی طرح دست، پاس، رو، وغیرہ رو لیفون میں قصیدہ لکھتے ہیں،
 [قطعات] قصیدہ کی افتادی سی بُری پُرگئی تھی کہ اس میں بجز معشووق اور مدح کی باری کے
 در کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا، جو شعر، اور اور خیالات ادا کرنے چاہتے تھے و قطعات کے
 دریوہ سے ادا کرتے تھے،
 سلمان نے نہایت کثرت سے قطعات لکھتے ہیں اور انہیں ہر قسم کے عجیب غریب
 صنایں دا کیے ہیں افسوس ہر کہ سلمان کا جودیوان بیٹھی ہیں چھپا ہر اسیں یہی قطعات

نہیں ہیں، جو دیوان کی جان ہی، ہمارے پاس جو قلمی مجموعہ ہے، اسیں سے بعض نہیں
درج کیے جاتے ہیں،

بادشاہ نے سلماں کو ایک سیاہ رنگ گھوڑا عنایت کیا تھا، سلماں نے دہن بیا
کر دوسرے رنگ کا گھوڑا مرحمت ہوا، داروغہ صطیبل نے وہ بھی رکھ لیا، اپر کرتے ہیں۔

شامراہ اپے موعود کردہ بو دی در قول بادشاہ مان قیلے دگر بناشد

اپے سیاہ دپیرم دادندو من بر آنم
آن اسپ باز دادم، تادیگرست تاغم
اپسیہ بزادم، رنگ دگرندادند
ایک درقطعہ مین گھوٹے کی ہجوكی ہے،

شامہ امید بود کہ خواہم بدولت

اپسیم پیرد کا ہل دکوتہ بھی دہند
چون کلاک مرکبے سیہ پست لاغرات
از بندہ پہتر است بسی سال راستی

آنکھوں میں آشوب کی وجہ سر دربار میں جانا بند ہو گیا تھا، اسکی مغدرت میں ایک قطعہ لکھا ہوا

خسرو خاک در گر تو مرا است

نیک در عین حالت کمرات

حال چشم بد است دور از تو

از خبار ز رو نیکو تر

غیبت تم از حصہ نیکو تر

چشم بد است دور از تو

بدن پر کپڑے نہیں رہتے، بادشاہ کو قطعہ لکھا،

ای زمستغی وازمثالا

بر شما احوال مالپوشیدہ نیست

بر تم پوشیدنی این است و بس

بندہ رائیچ از شما پوشیدہ نیست

شah نے ملبوس خاص بدن سے اُتار کر بھیجا اور پیشہ کھا۔

ہر حد پر ترا، جامہ ما پوشیدن

عیب است ولیکن این عیب پوش

دروپاکی وجہ سے دربار نہیں ز جا سکتے تھے، اس کی عذرخواہی کرتے ہیں۔

انتقبال شاه از فرق و سر کرد مقدم

خواتم تارو بہ درگاہ ہمایون آورم

من کر در دپائی دارم، دسر جوں آورم

و پالمگشت ازان مانع کے آرم در ذر

مان کی بدرستات سلطان سبے پلے شخص ہیں جسنه صفت ایہا مکونہایت کثرتے بر تما،

سلان کی تاریخ از مولیٰ میان تو گشت

لیکن اکثر طیف اور نئے نئے پیراں پیدا کیے، مثلًا

اوکیست تاقدت اقام مقام باشد

با قدّ تو صنوبر در حیث من نیا یہ

کرشب ترہ قماریک بھی بکھرت

کی تو اندر ام از مولیٰ میان تو گشت

لیکن بروی توجیزی ست کہ بالائی بلاست

شم مرست ترا یعنی بلا می بیسم

آن چنان نیست کہ تا خشن تو اندر خاست

لند در دو تو بیمار وضعیت افتاده ہست

دارم اما ہمہ موقوف اشارات ثناست

چین غارنہ وضعیت تناہی بجات

لال لالطف ہوا خلعت والا آور د

سر در باد صبا منصب بالا بخشید

او این جنین مضائقہ بسیار می کند

ربست با دلم و هن تنگ اد بیانج

نیست سودا می سرزلف تو کارہمہ کس کان طریقے است خم اندر خود لگید دراز
 لیکن کثر اس قدر بے اعتدالی بر قی که غسل جگت کی حد تک نوبت پوچھ گئی، رسیکر دان
 اشعار میں جن میں صرف عایت لفظی سے کام لیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ یہ برعکس مقبول علم نہیں
 در نہ ایران میں بھی بہت سے امامت پیدا ہو جاتے،

غزلین سلطان کی غزلین چندان مقبول نہیں ہوئیں ان سے پہلو معدی کا نگاہ عالم کو
 منحر کر چکا تھا، اس زنگ میں وہ کہ نہیں سکتے تھے، اسیلے غضون آفرینی شروع کی لیکن دو گونے
 کافون میں معدی کی سے گوچ رہی تھی، اسیلے ان کی آواز خانوں کی میں معدی ہی کا زائد
 خواجہ حافظ نے اختیار کیا اور اس شراب کو اور تیز کر دیا اور عزیزان اُنہوں نہ در جان
 مونہ کے طور پر ہم سلطان کی ایک دو غزل دوستercق اشعار لفظی کہتے ہیں۔

بہر کوئے تو سو گند کتا سردارم	نیست عکن کتن از حکم تو سردارم
ای ک در خواب غوری خبری نیست کمن	ہر شب زخاک درت باشی و پستردارم
ساغرم پرمی، او می دوسراء و فر رکفت رت	تو چمڈانی کے مکن امر دز چھ در سردارم
گھسته در قدم من گمرا نداز چپشم	اینکے از بہر قدھاے تو گو بہر دارم

دل برو دل برو دل دل دل پلاش اندازو	کنوں تا پ کجا شل ندازو
چشم فتان تو ہر جا کے بلا انگھی سزو	ای بسا کس کا دران عرصہ بلاشل ندازو
ہر کجا مفعولے بال کشايد، الحمال	بگمان خاٹ ابرو، زپواشل ندازو
خوش مکندی است سرزلف شکن پشکنش	وہ چھ خوش باشد اگر بخت بمشل ندازو

بیشتر زان که فراق تو ز پاش اندازد	نائل آن است که در پایی تو انداز و سر
در پے قاله باد صبا شس اندازد	بری گیسوی تو هر جا که جگر سوخته است
که کند چاره سلمان چودواش اندازد	بر کرد اور دینید اختر دوا چاره کند
زان شب گره چشم ندید میم خواب را	یا شب خیال حشم تو دیدم مانجواب
روز و شب و در کل از این شراب قناده است	فرزهات دل می برد حشم تو مخون می چند
آیش ز خدا شرم، وز روی توحیانیست	با هد و هدم توبه ز روی تو فرمی روی
در خرابات مفان عاشقی مت	من خواباتیم و با وہ پرست
گی برندم چو بیود و ش بد و ش	می کشندم چو بیود و ش بد و ش
نمای هر لبی شود اخراج گهنسیا	نمای هر لبی شود اخراج گهنسیا

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہیں ہو سکتا کہ خواجہ حافظ
 کے حالات زندگی اسقدر کم معلوم ہیں کہ اشنگان زوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے
 اس پایہ کا شاعر یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور فضیل سے اس کی سو نغمہ یا ان
 لکھی جاتیں کہ اسکی تصویر کا ایک یک خدو خال آنکھوں کے سامنے آ جاتا، لیکن ہمارے
 تمام تذکرہ نویسون نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کر دیا جائے تب بھی انکی زندگی کا کوئی
 پہلو نیایاں ہو کر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں سب ایک وحشیت سے ماخوذ ہیں اور ہمیں خدید
 واقعات ہیں جنکو باختلاف الفاظ سب نقل کرنے آتے ہیں ان سب میں عبد النبی فخر الزمانی
 نے اپنے تذکرہ میخانہ میں جو جانگیر کے عمد میں شستہ ہمیں لکھا گیا، ابتدائی حالات اور انکی
 بہبودت اچھے بھم پہنچاے ہیں جبیسا سیر ہیں جستہ جستہ پھر واقعات ملتے ہیں خود حافظ
 کے کلام میں چاہجا واقعات کے اشارے ہیں ان سب کو ترتیب دیکر انکی زندگی کی
 تصویر کھینچتا ہوں لیکن در حمل ی تصویر نہیں بلکہ خاکہ ہوا اور زیادہ تنجیزی کر کے جا کہ بھی نہیں
 بلکہ محض چند لکھیرہ ہیں۔

نام و نسب خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضائقات کے رہنے والے تھے

اتا کان شیراز کے زمانہ میں شیراز میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، خواجہ صاحب کے
 والد کا نام بہا الدین تھا، انہوں نے یہاں بجارت شروع کی اور کاروبار کو مستعد ترقی
 دی کر دلتند دن میں اونکا شمار ہونے لگا، بہا الدین نے جب مقال کیا تو میں پڑھ پڑھ
 اکواگرچہ باپ سے بہت بڑا تر کہ ملا تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا، چند روز میں باپ کی
 کمائی سب زانی بیٹھے پر لشان ہو کر بیمن کے کمین محل گئے، لیکن خواجہ صاحب کسی
 کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھ شیراز ہی میں رکھئے، لگھ میں فاقہ ہونے لگے تو انکی ماں
 نے انکو غلام کے ایک دمی کے حوالہ کر دیا کہ اپنی خدمت میں رکھئے، اور کھانے پینے
 کی کفالت کرے، لیکن دی شخص بدا طوار تھا، خواجہ سن شور کو پہونچے تو اسکی صحبت ناگوار
 ہوئی، چنانچہ اس سے قطع تعلق کر کے خیر بنا نے کا پیشہ اختیار کیا، آدمی رات سے اٹھکر
 صح ملک خیر گو نہ ہتے، لگھ کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا، محلے کے سب رہکے اُس
 میں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے نکلتے، ت дол میں تعلیم کی تحریک پیدا نہ تی،
 رفتہ رفتہ شوق امقدار بڑا کہ مکتب میں داخل ہو گئے، خیر سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے میں
 سے ایک تھائی ماں کو اور ایک معلم کو دیتے، بقیہ خیرات کرتے، مکتب میں قرآن مجید
 حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بھی لیاقت حاصل کی، اُن زمانہ میں شہروشاہی کا گھر کو
 چرچا تھا، محلے میں ایک بزار بیتا تھا، وہ من بنخ اور وزدن طبع تھا، اُن مناسبتی
 سے اور ارباب ذوق بھی اُسکی دکان پر آمیختہ تھے، اور شعر و نغمے کی بھی رسم تھے
 تھے، خواجہ صاحب پر بھی اس تجمع کا شر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت

سوز و نزحی، بے تک شعر کتے اور لوگوں کو تفریح طبع کا سامان ہات آتا، رفتہ رفتہ آن کی لفڑی کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی، لوگ تفریح کے لیے انکو صحبتون ہیں بلائے اور لطف اٹھاتے، دوسال تک یہی حالت رہی لوگوں کا استنزا حدستہ براہا تو ان کو بھی احساس ہوا، ایک دن نہایت رنجیدہ ہوئے اور بابا کو ہی کے مزار پر جا کر پھوٹ پھٹوڑے، رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقیر کھلاتے ہیں اور کتے ہیں کہ جا اب تجھ پر تمام علوم کے دروازے گھل گئے، نام دریافت کیا تو صولہ ہر چیز پر علمی اسلام یعنی فتح کو اٹھتے تو یہ غزل لگی۔

دوش وقت سحر از غصہ خباقم دادند و ندران ظلمت شب آبی چا تمددا دند
شہر میں آئے تو لوگوں نے حسب معمول شرپڑتھے کی فرمائیں کی انہوں نے وہی غزل پڑھی، سب کو حیرت ہوئی اور نکے کسی سے یہ غزل لکھا ہی ہے۔ امتحان کے لیے طرح دی، انہوں نے طرح میں بھی عدد غزل لکھی، اسی وقت گھر سر گھر چرچا پھیل گیا،

یہ تمام و اقدامات عجید الشی نے بخانہ میں لکھے ہیں اسین ان گرچہ خوش عقادہ ہی اور وہم پرستی نے بعض یا تین بڑھا دی ہیں یا اصل و اقدامات کی صورت بدل دی، ہر تاہم بہت کچھ اصلی و اقدامات بھی ہیں،

خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دو روڑ کے سلاطین اور امراء کے بلانے کے لیے خطوط بھیجئے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں شیراز میں متعدد حکومتیں

قالم نوئین اور حسن اتفاق یہ کہ فرمان ر داعموماً خود صاحب علم و فضل و علماء و شعراء کے
نہایت قدر دان تھے،

غازان خان رچلگیز خان کا بیو تما کے زمانہ میں غازان خان کی طرف سے محمد شاہ
بجو، فارسی دشیراز کا حکمران مقرر ہوا یا تھا، اسکے خاندان میں میں سے شاہ ابو الحاق
خواجہ حافظ کے زمانہ میں تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تھا، خود شاعر و شعراء کا مرتبی
اور قدر دان تھا، اسکے ساتھ نہایت عیش پرداز اور ہوش بکار دلادوہ تھا، اس بنابر اگرچہ
ملکی انشطا مات بے اصول تھے، لیکن گھر کھر عیش و نشاط کے چرچے تھے، اور شیراز
بانگ ارم بگیا تھا، خواجہ حافظ کی ستاد خزانوں میں اس دور کا ارشتمامی ہے،
شاہ ابو الحاق کی عیش پسندی حد سے ٹھہر گئی تو شمسہ ہمیں محمد مظفر نے اپر
لشکر کشی کی، فوجیں شہر پاہ کے دامن میں آگئیں لیکن ابو الحاق کو کوئی شخص خوبیں کی سکتا تھا
این الدین نے کم مقرب خاص تھا، ابو الحاق سے کہا کہ جوش بہانے شہر کو چھستان
بنایا ہے، حضور زر بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائیں، ابو الحاق نے بالا خانہ پر ٹھہر کیا تو جارہو
حرف فوجیں چیلی ہوئی ہیں، پوچھا کہ یہ کیا ہر؟ لوگون نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہر
سکرا کہما عجب بحق ہے، اس بھار میں یون اوقات خراب کرتا ہے شعر ٹھہر کیجیے
امتر آیا۔

بیاتا یک امشب تاشا کنیم چو فرو اشود، فلکن سرد کنیم
غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو الحاق قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت

فی ہوا، چنانچہ ایک قطعہ کامہ جس میں اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا،

ہم سلطنت شاہ شجاع اب وحاق

نخست باوٹ بودا داری شکش

دو صوبہ بیانیں این الدین

سوم پر قاضی عادل حسیں مفتین

چوتھا اپنی خانل خشک قصین

پنجم پر جو حاصلی تو احمد ریاول

ششم خوش بگذاشتہ گلہ شند

شاہ ابو الحاق کے سرنسے کا صدمہ خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزوں میں بھی بے خیال
اب وحاق کا نام زبان پر آ جاتا ہے،

راستی خاتم فخرہ زاد ابو الحاق

اب وحاق کے بعد بدر بن ناصر سہار ز الدین شیراز ز فارس کا حکمران ہوا، وہ حسل میں

خواسان کا باشندہ تھا، اس زمانہ میں سلطان ابن الرسید نے وفات پائی اور طوائف ملوکی

شریع ہوئی تو اس نے اسکے عین وسائل فرما تم کر کے اس پاس کے موضع پر جملہ شروع

کیا، سبک پہلے یزد پر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اسکے حدود و حکومت نہایت وسیع ہو گئے،

خواجہ نظر نہایت تتفقفت تھا، تخت نشین ہونے کے ساتھ ہر جگہ معقب مقرر کیے

اور تمام نیخانے بند کر دیئے، تذکرہ تھی الدین حسینی میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی وقوع پر

غزل لکھی ہے

رجا بادہ فی خوش و با دگل ریز است
ہستین مرق، پیارہ پیان کن
کہچو چشم صراحی زمان خوز ریز است
کہ موسم دع و روزگار پر ہریز است
زگ بادہ بشوید، خرقا از اشک
واجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہے جو شراب خانوں کے بند ہونیکا نہایت
پر اثر مرثیہ ہے،

بود آیا کہ در میکده ہا بکشا یند؟
گیسو چنگ برید بمرگ می ناب
تا ہمہ منچہ ہازلف دوتا بکشا یند
نا مرہ تعزیرت دختر رز بنو یید
در میخانہ بستند خدا یا مپسند
اگر از بحد دل زا ہد خود بین سبند
دل قوی دار کہ از بھر خدا بکشا یند
غزل اسی زمانہ کی ہے،

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جسکا ذکر آگے آتا ہوئے بھی اس موقع پر ایک
باعی لکھی اور خوب لکھی۔

در محلب دہرسا زستی پست است
مندان ہمہ تر کے پرستی کر دند
ن چنگ بے قانون و نہ دن بر دست است
جز محتب شہر کے بے مسٹ است
امیر مبارز الدین کے بعد اسکا بیٹا شاہ شجاع فرمان روایتو، وہ اس سلسلہ کا سرتان

اور علم و فن کا پشت دپنا ہ تھا، وہ علم و فن کی گودیں پلاتا تھا، سات برس کے سن میں تعلیم شروع کی، نو برس میں قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح فصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سنتے میں عربی کے چھ سات شعر پاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی میں اسکے مکا تبات اہل دبیں مقبول عام میں علم و فضل کی قدر دانی کی وجہ سے اسکا دربار علما و فضلا کا قبلہ حاجات تھا، شعر بھی کہتا تھا، نقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ میں بہت بے اشعار لکھے ہیں، ایک رباعی یہ ہے،

احوال بد م ز خلق پہن اے کن	واہوال جہاں بر دلم آسان می کن
امر و ذ خوشم بد ار و نسدا با من	انچہ از کرم تو می سزد آن می کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے مخالفوں کی جور دک ٹوک تھی شاہ شجاع نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہر دہ آسی و قہم کی طرف اشارہ ہے،

غزل یہ ہے،

که در شاہ شجاع است می دلیر بنو ش	حکر زہار قب غیبم رسید مردہ گبوش
ہزار گونہ خن بر دہان دلب خاوش	شد آن کا ایں نظر بر کنارہ می رفتند
ک از شنیدن آن دیک سینہ میزد جوش	پا انگ چنگ گبوئیم آن حکایتہا
رسوز ملکت خویش خسرو ان دانند	گد لے گوشہ نشینی تو حافظا مخداش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزاد پسندی نے میخار ذکر بہت کذا کر دیا تھا، اس بنا پر

خواجہ صاحب اسکے بہت ممنون ہیں، اور جو غربیں شاہ شجاع کی بیچ میں لکھی ہیں سب

میں اسکا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے،

کہ نیت باکم از بہرال وجاه و نزارع
کسے کا ذن نہی داد استماع مارع

قلم چشمت وجاه و جلال شاہ شجاع
ہے بین کر قص کنان می رو دبنا لرچنگ

ایک در غزل میں کہتے ہیں،

جام در قہمہ آمد کہ کجا شد متاع
کو وجود است عطا بخش و کریمی نفاع
مظہر طف ازال روشنی چشم ال
خواجہ صاحب نے اگر چہا بجا اپنے اشعار میں شاہ شجاع کا نام ملا حاذہ اندازتے لیا ہر

پنگ در غافلہ آمد کہ کجا شد منکر
غم خسر و طلب ارنفع جان می طلبی
مظہر طف ازال روشنی چشم ال

چنانچہ ایک غزل میں فرماتے ہیں،

خیال آب خضر بست وجام کے خرد بچر عزش سلطان ابو الفوارس شد
لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا، شجاع کے عہد میں خواجہ عاد فقیر شہور عالم
تھے، شجاع انکا نہایت معقد تھا،

خواجہ عاد کی ایک بی تھی جسکو انہوں نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز
پڑھتے تو بلی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سراٹھاتی، خواجہ حافظانے اسی زمان میں
ایک غزل لکھی،

صوفی ہے جلوہ آمد و آغاز نماز کرد
بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل میں ظرافت سے یا خواجہ عاد کو ریا کار سمجھ لکھر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا
 اسی کیک خوش خرام کرنے خوش می روی بناز غرہ مشو کہ گر بے عابد نہ ز کرد
 غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتداء اسی شعر سے ہوئی، رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ ہٹرائی
 گئی ایک دن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی کوئی غربل کریاں ور ہٹر نہیں ہوتی ایک
 شعر میں تصوف اور سر میں می پرستی، تیرسے میں شاہد بازی، اس طرح ہر شعر
 میں رنگ بدلتا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے کہا ہاں، لیکن ان سب برائیوں کیسا تھا یہی میری غریب نہیں ہر نی باں
 مکمل کر تام دنیا میں بھیل جاتی ہیں، بخلاف اور دون کے کہ ان کا قدم شر کے دروازے
 سے بھی باہر نہیں بکھلا، شجاع کو اس گستاخانہ اور آزاداں بواب پر اور زیادہ مال ملہ،
 اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خواجہ صاحب نے ایک دغزل لکھی جس کا مقطعہ تھا،
 گر مسلمانی رین است کہ حافظ طوارد دای اگر در پی مرو ز بود فرد
 شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہ
 پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو تانا جاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوئے، ہسن اتفاق
 یہ کہ مولانا زین الدین ابو بکر تما بابادی رحم کو جانتے ہوئے شیراز سے گزرے، خواجہ صاحب
 نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا، انہوں نے صلاح دی کہ مقطع کے اور پر ایک دشعل لکھ دید
 جس سے مقطع دوسرے کا مقولہ بن جائے، خواجہ صاحب نے اسی وقت کہا،

لئے حبیب السیر،

دی دبیتم چه خوش آمد که سحرگرمی گفت باوف و بر بطاونے، مبغی پر تراک
 شاه شجاع نے سنتہ ہمین اتفاق کیا، اسکے بعد شاہ منصور بن محمد نظر باشہ ہو،
 وہ بھی ٹرسی شوکت و شان کا باشہ تھا، خواجہ صاحب نے اس کی سبار کیا میں غزل لکھی،
 بیا کر رایت منصور باشہ رسید نویفتح و ظفر تابہ مهرد ماہ رسید
 منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تھا کہ تمور نے شیراز پر حملہ کیا،
 منصور اگر چہ نہایت لیار و صاحب عزم تھا، لیکن تمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ
 تمام عالم میں پڑ چلا تھا، اسیے چاہا کہ شیراز سے بکھا، شہر پناہ کے دروازہ پر منجاز ایکٹھا
 تھا کہا کہ ایک دن تک باشہی کر کے رعا یا کو مصیبت میں چھوڑ کر ہمان یہاں جاتے ہو؟
 منصور دین سے پلٹا اور صرف دہنہ رفون سے تمیور چل کر اور پلے تو یوں کی فوجوں
 کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہنچا، تمور پر تلوار کا دار کیا، قماری ایتاق نام ایک فخر
 نے بڑھ کر تلوار کو سپر سپرد کا، چار دفعہ پے درپے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قماری ایتاق
 پر ہو جاتا تھا اور تمیور کو بچا لیتا تھا، بالآخر فوجوں نے چار دن طرف سے ہجوم کر کے منصور
 کو قتل کر دیا، جسکا خود تمیور کو افسوس رہا۔ وہ کہا کہ تھا کہ آج تک معروکون میں سسی کو
 منصور کا ہمسر نہیں دیکھا،

تمور نے خواجہ حافظا کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے تمام عالم کو اسیے دیاں کیا کہ ستر قدر
 اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں، تم ان کو ایک تل کے عوض میں دینے دلتے ہوئے

لہ حبیب اسرید

اکر آن گز کشیز می بدم استار دوں ما را پر خال ہندو شن خشم سمر قند و بنگار ارا
خواجہ صاحب نے کماں فیض خروجیون کی بدو لست تو اس فتوحہ فاقہ تک فی بہت

پنجی سنت

خواجہ صاحب کی غزل میں اب چار دانگ عالم میں ہیں چنانچہ خود کہتے ہیں
پر خواجہ ظاٹشیرازی گویند و می رقصند سید چنان کشیری و ترکان سمر قندی
اس زمانہ میں حقدار سلاطین تھے سب آرزو رکھتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کام
لئے اٹھائیں چنانچہ عراق، عرب ہندوستان، سہر گلہ سے شو قیہ خطوط آئے بغدا دکان
فرمان رو اسلطان احمد بن اوسیں تھا جو نام کمالات کا مجموع تھا، ہصوئی زنگاری کیا
سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون میں بڑے بڑے صنایع اس کی شاگردی کا دم
بھرتے تھے، موسیقی میں یہ کمال تھا کہ خواجہ عبد القادر نے اسکی شاگردی اختیار کی
اس فن میں اسکی مختصر و تصنیفات ہیں جو مدحت تک گریوں کا دستور مکمل ہیں ان بالوں
کے ساتھ سخن سخ اور شاعر تھا، خواجہ صاحب کو اُسے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بھی لیچا
چنانچہ بعض غزوں میں اسکے اشائے بھی ہیں لیکن پھر بھی رکنا با دکی خاک دا انہیں
چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں،

نی دہند اجازت مراب پیر و سفر نیم با د مصلی و آب رکنا با در

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھ کر اسلطان احمد کو بھیجی،

سلہ دولت شاہ، سلہ دولت شاہ،

احمد شیخنہ اویس حسن ایخانی
 ان بن خان شہنشاہ شہنشاہ فراود
 اکل فارسیم، غیر پر عیشے نہ شگفت
 ملکن کا کل رُز کا نہ کر دے، طابع تُست
 اگرچہ خواجہ صاحب بنداد جان سکے لیکن شوق کا کاشا ہمیشہ دل میں کھلکھل رہا، چنانچہ
 بجا اسکے اشائے پائے جاتے ہیں،
 رہ نہ بُر دِیم بِر قصو نہ واند رشیر از
 ذکن میں سلاطین بھینیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بھنی مسنا را تھا، وہ نہایت
 بیان و رصائب کمال تھا، عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں نہایت فصاحت اور
 ذاتی کے ساتھ شحر کیہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب و عجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ
 یا کہ ہزار ڈنکہ جو ہزار تو لہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام میں دیے جائیں،
 اس کی قدر دانیوں کا شترہ منکار خواجہ صاحب کو ذکن کے سفر کا خیال ہوا لیکن
 خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہنچی جو محمود کے دربار میں صدارت کے منصب
 نماز تھے، انہوں نے زاد را ہجھیکہ طلبی کا خط لکھا، خواجہ صاحب نے اُس سُپنے میں کو کچھ
 ملابخون کی ضروریات میں صرف کیے، کچھ اداۓ قرض میں صرف ہوا، جوابی سہ گیا اس سے
 اور راہ سفر کا سامان کر کے شیراز سے روانہ ہوئے، مقام لاریں پہنچ گئے تو وہاں یک دو
 سے ملقات ہوئی، جنکا مال درسا بحال ہی میں لٹک گیا تھا، خواجہ صاحب نے جو کچھ پاس تھا

اُنکے حوالہ کر دیا اور آپ خالی ہات رہ گئے،اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہدایتی اور خواجہ محمد کا ذریعی جو مشهور تاجر تھے، ہندوستان آرہے تھے، انکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے لفیل پڑے، لیکن سوداگر دن سے ایک ناٹک مزاد شاعر کی ناز برداشان کیاں انجام پائتی ہیں، خواجہ صاحب کو رنج ہوتا ہم صبر کریا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہر مرز کے بذرگاہ میں آیا تھا، اور ہندوستان کو واپس جا رہا تھا، سوار ہے، سو اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہیں اٹھایا تھا کہ ہوا کا طوفان اٹھا، خواجہ صاحب فوراً جہاز سکر اُتر آئے اور یہ غزل لکھ کر فضل اللہ کو تھی،

بمی بفروش دلقِ ما کر دین بہتر نمی ارزد	دے با غم بسر بردان جہان بکسر نمی ارزد
کلاہ دلکش است اتاہ در دسر نمی ارزد	شکوہ تاج سلطانی کہ سیم جان رو دیج است
زہی سجادہ تقوی کہ کیسا غرفی ارزد	پر کوئے میسر و شانش بچانے در نمی گیرند
غلط کر دم کر یک جوش نہ صد من نمی ارزد	بس اسان می نموداً ول غم دریا بہ بوی ڈر

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی و تمام اجر ایمان کیا، سلطان نے مولانا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا رہیں سے تھے، ایک ہزار نکلہ طلا دیا کہ ہندوستان کے عمرہ مصنوعات خرید کر کے لیجا میں اور خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کر لیں، سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمادا، بھگار نے بھی جو شکر میں تخت نشین ہوا تھا، خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا، چنانچہ طرح کا یہ صریح بھجا،

لہ یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ میں ہے،

ع ساقی حدیث سرو گل دلامی رود

خواجہ صاحب نے یغزل لکھا ہے جسی

ساقی حدیث سرو گل دلامی رود

شکر لشکن شوند ہم طیان ہند

حافظ از شوق ملیس سلطان غیاثین

دین بحث بالملائک عکال می رود
زین قدم پارسی کر بزنگال می رود
غافل مشوک که کارتواز نار می رود
خواجہ صاحب نے ۹۳۷ھ میں وفات پائی، خاک مصلحت تاریخ ہے جس میں ایک عذر

کی ہے۔

مصلحت ان کا محبوب مقام تھا، ایسے دفن ہی بیان ہوئے، سلطان با بر باد کے
میں محمد عتمانی نے جو صدرت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف
زر تیار کرایا جو بتک فائم ہی، ان کے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہے
میں ایک خاص دن ہقر ہر لوگ زیارت کو دہان جاتے ہیں وہیں نہ سر کرتے
کھلنے پکاتے ہیں چاہیتے ہیں کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہو کوئی نہیں مزاج
جسے صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے، خواجہ صاحب نے پان سو برس پہلے

ریاتھا،

بسر تربت ماچون گذر کی تہت خواہ بود

کہ زیارت گردناں جہاں خواہ بود

خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سو قیاس ہوتا ہے کہ یہوی بچوں کے بھڑوں
اواد، آزاد ہوئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ شادی بھی کی تھی اور اواد بھی تھی، صاحبزادہ کا نام

شاہ نعمان تھا، وہ ہندوستان میں آئے اور پہنچنے پر مقامِ بربادی پور دفات کی انکر
تبرقاعد اسی کے متصل ہے،

دیوان میں ایک قطعہ ہے،

صباح جمعہ برو سادس ربيع الاول کہ گشت فرقت آن مکبشتیم حاصل
پسال مقصود شصت دچار از بحیرت چواب عمل اشتم این دقیقة مشکل

غالباً یہ قطعہ یوی کی دفات میں لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے،

ولادیدی کہ آن فرزانہ فرزند چہ دید اندر خم این طاقِ رُنگین
بجا یہ وح سین در کنار ش فلاک بر سر نادہ وح سنگین

اگرچہ مکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانہ مرگ کی شان میں ہو، لیکن زیادہ قیاس یہ ہے کہ خود انہیں
کوئی فرزند تھا جو آغا ز عمر پن گزر گیا تھا،

خواجہ صاحب کی تفصیل علم اور اُنکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسون نے مطلق نہیں کیا
یہ غاذ سے جس کا حوالہ اور پُر گز رچکا ہے، صرف اسقد معلوم ہوتا ہے کہ محلہ میں جو کتابخانہ اسی
تعلیم پائی تھی، لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم درسیہ کی تفصیل
مستعدانہ کی تھی، اکثر غزوں میں عربی کے مصروع جس جستگی سے لاتے ہیں اس
آنکی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

بعض غزوں میں متعدد شعرو خالص عربی میں ہیں درست و فصاحت میں

نکھن،

الى ركبكم طال استياقى	کلا اے ساربان محل دوست
لا نفيلا لياتا م الفراق	در ونم خون شدا زنا ديدن يار
سقاك الله من کاس دهات	بیسا قی بدهه مسل گرام
سوی تعقیل خذ واعتناق	نهانی الشیب من وصل بعدزاری
على ملک المکار مر والمعالی	سلام الله من کتراللیا لی
وذکر لک منسی فی كل حال	نجاشد راحتی فی کل حسین
وروسی کل یوم لی تنا دی	سَبَّتْ سَلْمَیْ بِصَدْغَیْمَا فَادِی
گردن نہسا دیم الحکم الله	گرتیخ بار در کوے آن ماہ
یالیت شعری حثا هر القاء	الصبر متر والعمر فان
بیاعربی کے جملے اس خوبصورتی سے پہونڈ کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے	ن
فلقحت ومن الماء کل شمع حجی	ست آپ حیاتت بدست، تشنہ میر
پیالہ گیر و سخن و رز و الضمان علی	ئ بوسے خدا شنو د، بیا حافظ
ن مجید او تفسیر کے ساتھ آن کو خاص لگا دیتا، دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہی کہ میر	ن
ز حافظان جہاں کرچی بند جمع نکرد	لطائف حکما با تاب قرآن
سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر میں معقول کو منقول سے	

لُطْفِیَق دیتے تھے، فن قرارت میں کمال تھا، اسکے ساتھ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ
ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصوروں میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید
پڑھتے ہیں،

قرآن مجید حفظ یاد تھا اور اس مناسبت سے حافظ تخلص کھا سوتا، قرآن

دالی پران کو ناز تھا، چنانچہ اشعار میں جا بجا سکے اشک پائے جاتے ہیں،

ندیم خوشتر از شعر تو حافظا بِ قرآنے کے اندر رسینہ داری

صحیح خیزی دسلامست طلبی چون حافظا اپنچو کرد مہماز دولت قرآن کردم

تجربہ در آزادی عام تذکر دن کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیادی تعلقات آزاد گز

اور سلاطین و امراء سے بے نیاز رہتے تھے، لیکن خود انکے کلام سے اس کی تصدیق نہیں

ہوتی، انکے زمانہ میں شیراز کے جو جو فرمان رو گزے، سب کی بح میں انکے قصائد

موجود ہیں، اور اسی شان کے ہیں جو عام مدد گویوں کا انداز ہے، شاہ شجاع کی مدد

میں نوئیہ قصیدہ ہے، جس میں لکھتے ہیں،

داری دہر، شاہ شجاع، آن قاب طاک

حکمش رو ان چوباد برا طراف بھر دبر

بے طمعتِ تو جان نگراید یہ کالم بد

سلطان ابو اسحاق کی بح میں ٹبرے زور کا قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے،

لفہفت قلیم ایں رازی۔

پیغمبر دم کر صبابوی بوستان گیرد
مح میں لکھتے ہیں،

مال چرہ اسلام شخ بو اسحاق کہ ملک در قدش زیب بوستان گیرد
سلطان محمود کی بیخ منوی میں لکھی ہر جگا ذکر آگے آئیگا ہمنصور کے وزرا میں سے
بیک بدیرت نے رل دی تھی کعلاء و فضلا کے خلیفے جن کی تعداد ۰ تو مان تھی بند
روئے جائیں، منصور نے نہ مانا، اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا،
یعنی غلام شاہم و سوگند منور م جوز اسکھ نہ ساد حائل بر ابرم
وزایں جستہ نام بر اعد امظفر م منصور بن محمد غازی است حرزم
اسی شاہ شیر گیر چ گردوا اگر شود در سایہ تو ملک فراغت میسر م
با بجا خود نکلے کلام سے ثابت ہوتا ہر کہ سلاطین اور امراء کے نام میں لکھکر بھیجن کر
علمہات آئے، چنانچہ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

ماہ ہر موزہ م ندید و بے سخن صد لطف کرد
شاہ نیز دم دید و حدش گفتہم و تھی پس نداد
دار شاہان این چنپیں باشد تو ای حافظ ام رغ
ایک اور قطعہ میں لکھتے ہیں،
خسدا! داد گرا! شیر دلا! بحر کفا
در دوسال پنج بندی و ختم از شاہ وزیر
اے کمال تو پہ انواع ہزار زانی
ہمسر بودہ کیدم فلک چوگانی

غرض ہے بالٹک علطا ہر کہ خواجہ صاحب ہات پاؤں تو مذکور بیٹھ گئے تھوڑا اور کسب
معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہر کو ان کے نام معاصر من بلکہ پیشہ و نمایت
ذمیل درمکینہ طریقوں سے کام لیتے تھے انوری، ظلیل فاریابی، مسلمان سادجو کس پا
کے لوگ تھے میکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی بیچ لکھی اور اُس نے صالہ کمر دیا یا دیر لگائی تو جو
شرف ع کر دیتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھوڑا کہ تمدیب شتاب تنگی آنکھیں بند کر لیتی
تھی، ظہیر وغیرہ کے کلام میں سیکڑوں قطعے اور قصائد میں جن میں اس درجہ کا گذا�ا ہے
ابراہم ہر کو ان کو دیکھ کر شرم آتی ہے، خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے برسی ہیں وہ بیچ لکھتے
ہیں صلہ ملا تو بہتر در نیہ کمر کے چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر ہیں ن تھا کبھی کبھی ہلکا ساقہ
بھی کرتے ہیں، میکن پسراہ نمایت لطیف ہوتا ہے، ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

پسخ خواجہ رسان ای زفیروں قت شناس	بخلو تے کہ دلان ای بنی صبا باشد
لطیفہ پر میان اکر دخوش بزنداش	پنکٹہ کہ دش را دران رضا باشد
پس آنگہ ز کرم اینقدر بپرس بلطف	کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روایا باشد

ایک اور قطعہ میں کس لطف سے کنا یہ کہا ہے،

دوش در خواب چنان دید خیال مکہ سحر	گذر افتاد بر اصطبل شہسم پنهانی
بستہ برآ خورا و اسٹرمن جوی خورد	تو بردہ افتاند و بن گفت مر امیدانی
امittel اچھی تعبیر نہی داشش این خواب کچیت	تو بفرما کہ در فہم نداری ثانی
یعنی مینے کل خواب دیکھا کہ میرا گذرشا ہی اصطبل خانے کی طرف پاؤ دیان میرا چھر	

لکھا رہا تھا، ملکو دیکھ کر اس نے تو بڑہ کافر خ میری طرف کر کے جھاڑا، اور کہا کہ کبیون ملکو بچا پتھر ہو
اس خواب کی ملکو کچھ تعبیر نہیں بعالم ہوتی، آپ بڑے نکاتہ فرم میں آپ ہی بتائیں کہ اس
کی تعبیر کیا ہے، «مطلب یہ کہ گھوڑے کے دنے چاٹے کا سامان کرو سمجھی،
ماشرت | ائکے اشعار اور جستہ جستہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور
زادی سے بہر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے، قرآن مجید کے نکات اور حقائق پر درس
یتے تھے، لیکن با این ہمدرد اہل ارتداد سے نہایت نفرت رکھتے تھے اضاف ل بے تکلف
خی، جدول میں تہاوہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریا کاری کے پڑھنے میں چھپا کر
کرتے، رکنا با وجہ ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے، اب تو عرض ذرا سی نہ رہ گئی
ہے، خواجہ صاحب کے زماد میں وسیع چشمہ ہو گا، اس کے نکات میتھک عالم آب کا اعلف
ٹھلتے تھے، دوست احباب جمع ہوتے، ہر قسم کی صفتیں رہتیں، اکثر اشعار میں فرمے
لے لے کر اسکا ذکر کرتے ہیں،

برہ ساتی می باقی کر درجت نخواہی یافت رکنا راب رکنا با در دلگاشت مُصلارا
رکنا با مکے منع کا نام اللہ اکبر ہے اسکا بھی ذکر جا بجا کرتے ہیں،
رق ہست ز آنحضرت کلمات جائی اوت تا اب ماکہ منبعش اللہ اکبر است
جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزوہ نہیں ان کا ذکر احسان ندی
کے ساتھ کرتے ہیں، یہ طریقہ ان کا خاص انداز ہے،
بنواہ جامِ صبوحی ہے یاد آسف نہد وزیر ملک سلیمان علداد بن محمود

عچ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

درباں اخضر فلک کو شتی ہال
مہند غرق نعمت حاجی قوما

از طرز شعر حافظ در بزم شاہزاد
مطلب بپرده سازی، شاید اگر نجواند

لائق بزرگم خواجہ جلال دین
توہ این نازکی و مکری لے شمع چو گل

باز گود حضرت داراء رے
با توگر زین پیں فلک خواری کند

نامہ حاتم ز نامش گشت ط
خسر و آفاق بخش کر عطا

چون کمند خسرو ماک رقا بانداختی
از براء صیدول در گرد نم زنجیر لطف

از مستقطیم و قدرت در ترا بانداختی
نصرت الدین شاہ کمی آن کتلنج آتاب

در فکرت تو پنهان صد حکمت آئی
لے دریخ تو پیدا انوار بادشاہی

اینک بندہ دعویٰ در حتفب گواہی
عمرے است بادشاہ کمزی تھی ات جام

انصاف پسندی خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ ان کے تمام ہم مصدر شعرا

غزل گولی میں اُنکے سامنے بیچ تھے ہاتا ہم وہ سب کو نہایت ادبی یاد کرتے ہیں بلکہ انہیں اپنے

اُن کا پیر و کنتے ہیں خواجو کرامی کی نسبت کرتے ہیں،

امستاد غزل سعدی است پیش ہمکس اما

فخر کے جوش میں آکر کنتے ہیں

چہ جائے گفتہ خواجو شعر سلان ات
ک شعر حافظہ تیراز ب ز شعر طہیم

یکن انصاف سے دیکھو تو یہ اُنکے یہے ننگ ہے، طہیم کو غزل میں اُن سے کیا نسبت؟

اس زمانہ میں کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے خواجہ صاحبؒ نے
راہ در سر تھی وہ خواجہ صاحب کی خواجہ لین بنگوایا کرتا اور اپنا کلام ان کو بیسجھتے،
ایک دفعہ اپنی یغزل بھیجی،
ت یا را بغیر با پوشان نظر گفتہم ہے چشم
د انگلے دزدیدہ در مامی نگر گفتہم ہے چشم
غزل میں یہ شعری تھا۔

ت اگر سر در بیا بان غنم خواہی نہاد تشنگان رامڑدہ از ما بر گفتہم ہے چشم
چھ صاحب اس شعر پر پہنچنے، تو اپنی حالت طاری ہوئی، افاقت کے بعد کہا کہ واقعی
نفس کا پایہ بہست بلند ہے،

آنکہ تذکرہ می حاصل میں لکھا ہو کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس میں تیار ہوا
ن یہ قطعاً خلطہ ہے، خلاف قیاس ہونے کے علاوہ غزوئین جا بجا جن لوگوں کے نام تکی
آنکے زمانوں میں برسوں کا آنکا بیجا ہے،

خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل میں ہے لیکن انہوں نے قصائد و شنوایں
لکھی ہیں اور گودہ تعداد میں کم ہیں، لیکن ان سے اندازہ ہوتا ہو کہ شاعری کے تام
ماہاف پر انکو قدرت حاصل تھی، عام خیال ہو کہ جو لوگ غزل بھی لکھتے ہیں قصیدہ اور
ریت چھپی نہیں لکھتے، لیکن خواجہ صاحبؒ کے قصیدے بھی کچھ کم نہیں اور شنوی ہیں تو وہ
سامانی اطاعت اور زور ہو کر نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے

دولت شاہ تذکرہ کمال غبند۔

من وستی و فتنه حشم یار
 سرفتنه دارد و گر روز گار
 بهین تاچ زاید شکل بین است
 فریب جهان قفسه وشن است
 که گم شد در و شکر سلم و تور
 همان مرحله است این بیان رو
 که دید است ایوان افرا یاب
 همان نزل است این جهان خراب
 که یک جو نیز دسراء پنج
 پنخ گفت جشنید باتاج و گنج
 بریاد آدر آن خسر وانی سرد و
 معنی کجای په کلباگ رود
 برآز دلم فکر و نیایی دون
 معنی بزن چنگ براغنون
 کنا هید چنگی بر قص آوی
 چنان برش آهنگ این داوی
 بریاران خوش نغمه آوازده
 معنی دن و چنگ راسازده
 پیکتائی او دوتا بزن
 معنی کجای نواه بزن
 که یک جر عده به زد یهم کے
 بیاساقی این نکته بشنویز نه
 که گر شیر نوشد شود بشیه سوز
 بیاساقی آن آتش تانباک
 که زدشت می جویش زیر خاک
 بد ه تاگ بپرید ز آ دازن
 نمی ده که بدنام خواهیم شد
 بیاساقی که تا دم ز نیم
 قلم بر سر بردو عالم ز نیم
 سبک باش و طل گرام بده
 و گرفناش نتوان نهانم مده

کر این پنج داین انجام و آبجوس
بیسے یادوار دز به راهم و طوس
بده سانی آن آب افسرده را
بیا، زندہ ساز این دل مرده را
سر کر قیباش و اسکندری است
هر آن گل کرد گلست تانی بود
هر آن شاخ سردی که گلشنی است
قد دلبر وزلف یعنی تنی است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور شنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں بلکن انکا اصلی
ز غزل گوئی ہو، یہ عوام مسلم ہے کہ عالم وجود میں آجتنک کریغ خونص غزل میں انکا ہمس
کا، متوجہ طین اور متاخرین غزل کے زخم آراہیں بلکن ان کو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا
اذکر کسی کو نصیب نہیں ہوا،

است صاحب اگر نیست از ره دعوی
تین غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است صاحب
درب چڑوان کرد پہلیت عزیزان
در نظر خواجہ شدن بے بصری بود
ع، چو شعر حافظا شیراز انتخاب ندارد،
م معتقد نظم خواجہ حافظا باش
کرن شہ بیش بود در شراب مشیر اذی
عرفی نے بھی غزل میں کسی اتنا دکان نام نہیں لیا تا ہم کہتا ہیں،
آن تین حافظار و است چون عرفی
کو دل بکا د دود در دخنوری داند عرفی
بھاصاحب کی غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو او حسن نے ہمکو ترقی دی
نزل گوئی ساتوین صدی کا چین اپنی بلبلوں کے زمزموں سے گوشہ را تھا کر

سلطان سادوجی اور خواجہ کرمانی نے نفرخی شروع کی، سعدی اوخر ووکے آئے اگرچہ ان کا
فرد غنیم بوسکتا تھا، لیکن یہ دونوں اور اصناف سخن یعنی قصیدہ اور قزوینی میں سقدرت
او زمام اور تھے کہ اس اثر نے غزل میں بھی کام دیا، اسکے ساتھ ان لوگوں نے غزل میں
کچھ جدید میں بھی پیدا کیں جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھیں اسلیے اور بھی مذہلی اس سے بڑھا کر
سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلطان بغداد کے ملکہ الشعرا اور خواجہ ابو الحسن حماز
فرازرو اسے شیران کے دربار میں سبے بتاز تھے۔

۴۔ **غرض خواجہ حافظ نے** انھیں کھولیں تو سلطان دخواجہ کارنگ ملک پر چھایا ہوا
خواجہ صاحب نے دونوں کا زمانہ پایا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجہ نے جب ۵۲ھ میں شیراز
تین وفات پائی، تو دفن اسی مقام یعنی الشد اکبر نہیں ہوئے جو حافظ کی خاص سرگاہ تھی

اور جس کی شان میں فرماتے ہیں

فرق است زاب نحضر کر نظلات باسی اوت تا آب ماک منبعش اللہ اکبر است
خواجہ صاحب نے غزل کوئی شروع کی تو خواجہ کے کلام کو سلنے رکھ کر کنا شروع کیا
چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

شاعر دار دخن حافظ، طرز وردش خواجو،
جو غزلیں ہم طبع ہیں اُنہیں جا بجا مصرع تک رکھ کے ہیں اور مضا میں دو ترکیبیں تو
کہنے سمجھ متوار دین سلطان کی غزوہون پر بھی اکثر غزلیں ہیں اور نے بھی اسقدر جا بجا توار
نہیں کہ لوگوں کو دونوں کے کلام میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض سبھ غزلیں

و توں کے دیوان میں موجود ہیں اور ایک نقطہ کا فرق نہیں اسی بناء پر جن تذکرہ دین ہیں
 ہاہر کہ کتابوں نے حافظ خواجوہ اور سلماں کے دیوانوں میں نہایت خلط ماطر کر دیا ہے
 خواجہ صاحب کے کلام کا خواجوہ غیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس بحاظتے غیر ضروری ہے
 آج کسی کو حافظت کی ترجیح نہیں کلام نہیں بلکہ خواجہ صاحب کی غزلوں کے مقابله نہیں
 اجوہ اور سلماں کی غزوں کا کوئی نام جی نہیں جانتا۔ لیکن شاعر کی تائیخ کا یہ کہ ضروری
 ہے کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارن و کھاۓ جائیں یا کہ قعہ ہر کہ سعدی خواجوہ
 سلماں ہی کے خاکے نہیں، جن پر حافظتے نقش آہیان کی ہیں، اس یہی اون کے
 بھی انتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا شعر الجم کا ضروری ذہن ہے،
 سعدی اور سرو اور سن تک غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات و معاملات
 بیان کرتے تھے خواجوہ نے دنیا کی بے ثباتی، دسعت شرب، اور رندی وستی پر زیادہ
 دردیا، اکثر غزیں پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں مشتملہ یہ غزل،
 ایش صاحب نظر ان ملک سیمان بادت بلکہ آن است سلماں کر زملک زاد است
 مشفوای خواجہ اکچون درگزیری برابر بادت میں کہ گویند کہ برآب نہادہ ست جہاں
 یا مشتملہ یہ غزل

شوہر ملک سیمان دمال قارون شاد کمال دلک بود درہ حقیقت باد
 خواجہ صاحب نے بھی انہی مصنایں پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے،
 سلماں کا خاص مذاق ہضمون آفرینی، جدت تشبیہ اور صنائع لفظی ہے، خواجہ حافظ

بھی ان حیرزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ ان کا خاص انداز نہیں ہے۔ خسرہ اور حسن کا کلام ہے تو
عشق سوز و گداز بیان شوق، نا امیدی اور حسرت ہے، خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقدیر
کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلین اونکی غزوہ پر لکھی ہیں، لیکن وہ غلطہ شگفتہ عزاداری اور دلوخیز
بلعید رکھتے تھے، ایسے دروغم کے نوئے ان سے اپنی طرح اور انہیں ہوتے،

خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو، سلیمان کے جواب میں جو غزلین اونکی ہیں انہیں سے
بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ
ہو سکے،

حافظنا

خواجو

دش از مسجد سوے می خانہ آمد پیر ما	خرقه، رہمن خانہ خمار دار دبیر ما
چیستیا ران طریقت بعد ازین تدیر ما	اسے ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما
خواجہ صاحب کامطلع ہر پلو سے خواجو کے مطلع سے بڑا ہوا ہے، اور یہ محاج	خواجہ صاحب نے خواجو کے مطلع سے بڑا ہوا ہے، اور یہ محاج
انہار نہیں،	انہار نہیں،

حافظا

خواجو

در خرابات مغانی مانیز ہمدرستان شدم	اگر شدیم از باوه، بد نام جان تدریجیست
کامیں حنین رفت است از روز ازل تقدیر ما	پچھین رفت است از روز ازل تقدیر ما
خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو است پلٹ کر دیا ہے، اور فوس ہے	خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو است پلٹ کر دیا ہے، اور فوس ہے
کچھ بھی ترقی نہیں کی دوسرے مصروع توہرف حروف خواجو ہی کا مصروع ہے، اسپلا مصروع	کچھ بھی ترقی نہیں کی دوسرے مصروع توہرف حروف خواجو ہی کا مصروع ہے، اسپلا مصروع

و کا زیادہ برجستہ اور صاف ہے؛ اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سر
ہے، خواجہ صاحب نے یہ سن بھی کھو دیا، خواجہ کے مصروف کا مطلب یہ ہے کہ شراب نے
کو رس اکر دیا تو علاج کیا؟ تقدیر یون ہی تھی۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں، ہم کو بھی مخون
کھد دینا پڑا، تقدیر یعنی ایسی لکھا تھا، خواجہ صاحب کو مضمون کے لحاظ سے بھی کچھ
نہیں،

حافظا

خواجہ

عقل آگر اندر کو دل در بند زلفع پن خوسست
دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم
عاقل کر شد دیوانہ زنجیر ما
عاقلان دیوانہ گردانہ زداز پے زنجیر ما
مضمون وہی خواجہ کا ہے، خواجہ صاحب نے یہ بات انساف کی کہ عاقلونکے دیوانہ زنجیر
کی وجہ ظاہر کر دی، یعنی یہ کہ زلفت کی قید کقدر پر پرطف ہے اسکے علاوہ خواجہ صاحب
بلہ مصروف زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہے، لیکن خواجہ کے مصروف میں ایک خاص نکتہ ہے جو
بے صاحب کے ہان نہیں، خواجہ کہتا ہے کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلفت میں پھنس گیا، یہ وہ
ہے کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بن گئے، جس سے اس بات کی مذدرت نکلتی ہے کہ
ب عقل اس زنجیر میں پھنسنے ہیں تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہے؟ اسکے علاوہ دیوانوں کو
ماز زنجیر میں باندھتے ہیں، اسیلے دل کا زلف میں گرفتار ہونا مستدرستی باست تھی
اجہ صاحب نے دل کی دیوانگی کا کچھ ذکر نہیں کیا، اسیلے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ
نہ خواجہ کے ہان عاقل دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو طرف پیدا کیا ہے، خواجہ صاحب

کے بان وہ بھی نہیں،

خواجو

حافظ

از خنگ آه عالم سوز ماغا فسل مشو
تمہر آہ ما زگر دون گلزار جاتا ن خوش
کز کمان زم زخش بخت باشد تیرما
رحم کن بر جان خود پر ہیز کن از تیرما
مضمون دہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہیں دی، بلکہ اسکے لطف کو
کم کر دیا، خواجو نے م Esto سے صرف اسقدر کہا تھا اُ غافل مشو، خواجہ صاحب غاموش
اور رحم کن بر جان خود، سے م Esto کو خطاب کرتے ہیں، جو آدابِ عشق کے بالکل
خلاف ہے،

خواجو

حافظ

یا صبا خبر کن مرا ازان کر تو دانی
بدان زمین گذے کن بدان زان کر تو دانی
چو منغ در طیران آئی دچون با وج رسی
نزول ساز دران آشیان کر تو دانی
چنان مروک غبائے بد و رس زگذارت
بدان طرف چور سیدی چنان بلکن تو دانی
من این و در حرف تو شتم چنان کر غیر نداشت
تو هم ن روی کرامت بخوان چنان کر تو دانی

صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہے تھا ج انہار نہیں، خواجہ اور خواجہ صاحب کی غزلیں اکثر ہم طرح ہیں اخصار کے لحاظ سے ہم اسی قدر ناکرتے ہیں، خواجہ صاحب سلطان کی اکثر غزوہ پر غزلیں لکھی ہیں جن میں کہیں سلطان کی ہو، کہیں سلطان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرے میں ادا کیا ہو کہیں سلطان نہ کو زیادہ جلا دیہی ہے،

حافظ

سلطان

عید است و موسم گل ساتی بیار باوہ	اُجالت تا در جهان نشادہ
ہنگام گل کو دیدہ است بے می قبح نہادہ	شبجویت سر در جهان نشادہ
دو نون طلوع با گل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موائزہ نہیں ہو سکتا،	دلوں طلوع با گل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موائزہ نہیں ہو سکتا،
گل رفت لے حریفان غافل چڑا شینید	کی اُز ہدھنکم بر باد دادہ حاصل
بے بانگ رو دو چنگے بے یار د جام د باوہ	ب بدن ترا نہ ساتی بیار باوہ
سلطان کا دوسرا مصرع نہایت بر جستہ اور متناہ ہے،	سلطان کا دوسرا مصرع نہایت بر جستہ اور متناہ ہے،

بستہ دل را در لعل دلکشایت	زین زہرو پار سائی گرفت خاطر من
ساتی پیا لزدہ تا دل شو د کشا دہ	ب خندہ بکش آمادل شو د کشا دہ

مختصر اعداد کا دو نون نے لحاظ رکھا ہے، لیکن سلطان کے لفاظ زیادہ حدا فہیں دکشادن گرفتن اور کشادن میں بھی کوئی ایسی صنعت ہے، لیکن گرفتن کے پہلی معنی

نہیں ہیں بلکہ مخادرہ نے یہ منی پیدا کیے ہیں، اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان
ہاں فقط اور معنی دنوں لحاظ سے زیادہ روشن ہو یعنی تو بکھول تو ہارا دل بھی کی
کیونکہ ہمارا دل تیرے بیون میں بند ہا ہوا ہے، پیارے دل کھلنے میں یہ بات نہیں

حافظ

سلمان

سودائیاں زلفت گرد تو حلقہ بستہ در مجلس صبوری ادا نی؟ چہ خوش نا
شور یہ گان مویت در یکد گرفتاده عکس عذار ساتی بر جام می فنت
مضمون کے لحاظ سے دنوں شعر الگ الگ ہیں البتہ قافیہ مشترک ہو اور سلمان

ہاں ابھا بندھا ہے، یون بھی سلمان کا شرعا چالا ہے،
شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلین ہیں لیکن درحقیقت دنوں کے سعدی اور حافظ

الگ الگ ہیں اسلیے انہیں موازنہ نہیں ہو سکتا، تاہم متعدد مصنایں خواجہ صاحب
شیخ سعدی سے یہ ہیں لیکن انکے اسلوب کو اصلاح بدل دیا ہے کہ نہیں معلوم ہوتا
یہ موتی اپنی قطروں سے بنے ہیں، مثا لیں جدت اسلوب کے عنوان ہیں آئیں گلی،
خواجہ صاحب کی خصوصیات تم نے دیکھا! خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حلیفوں سے طریقے

غزوں میں چند ان بلند رتبہ نہیں ہیں انکی شاعری کے مہات مصنایں بھی انکا ذاتی سر
نہیں بلکہ خیّام کے ابر قلم کے رشحات ہیں یا این ہمہ ان کی غزوں نے دنیا میں جو
بپاکر دیا، اسکے آگے سعدی، خسر و خواجه، سلمان کی آوازیں بالکل پست ہو گئیں
کچھ بسپ ہو گا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہیں۔

نے صبا کو قاصد بنایا ہے اور اسکو ہر آئین کی ہیں خواجو نے صبا کو مرغ سے اور کے گھر کو آشنا سے تشبیہ دیکر بضرگی پیدا کر دی، لیکن اخیر کا شعر نہایت لطیف ہے۔ صبا اس طرح آہستہ اور مُودب جانانکہ گرد تک نہ اٹھنے پائے اور بتانے کی کہاں ہو؟ تو خود آداب دالن ہے جیسا مناسب بخوبی کرنا

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجتہ ہو، صبا کے بجائے نیم اور اپر صبح سعادت نے لطف پیدا کر دیا ہو، خواجو کے موضع میں زمین و زمان کا بوفظی تناسب تھا لکھنگے تھا ایسے خواجہ صاحب نے اسکو اڑادیا بدان زمین کے بجا ہی کوی فلاں، "کا یادہ لطیف ہے، دوسرا شعر ہی نہایت لطیف ہو رکھتے ہیں کہ تو شاہی قاصد ہیون تجھ دیکتا البتہ هرمت اور انسانیت کے اقتضاء سے تو ق رکھتا ہو ان اخیر شعر اور زیادہ پڑھ وقوع ہو رکھتے ہیں کہ میں نے یہ دو سطرین اس طرح تجھ پر ہنا، جیسا مناسب ہو، یعنی کسی کو خبر نہو نے پائے

حافظا

خواجہ

درین پریز دل عشوہ گرد ہر بند
مجدر تی عهد از جان سبے بنیار
زو سے است کرد عهد بے داما دست
کہ این عجزہ اعروں بہزادا داد است
ضمون وہی ہو لیکن خواجہ صاحب کی بندش میں ذر اُن ہو، پہلے موضع میں
اُس قدر کہنا چاہتی ہے کہ دنیا میں دل نہ گاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہتی ہے کہ یہ ایک لیکی
ہو، جو ہزار دنکے کلخ میں ہے، خواجو نے پہلے ہی کہدیا کہ عجزہ دہر سے دل

ذوگا اور سالانکہ جب پہلے ہی عجزہ کہدیا تو اس دلیل کی ضرورت نہیں رہی کہ وہ کثیر الازدا
ہو کیونکہ بڑھیا سے یون بھی انسان کو محنت نہیں ہوتی، خواجہ صاحب نے پہلے دنیا کی بڑی
کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ لفڑت کی دو وجہیں بتائیں یعنی یہ بڑھی سے
اور کثیر الازدا ج بھی ہے،

حافظ

خواجو

منزل اریار قرین است چه دوزخ چہ بشت مسجدہ گرہ بینا ز است چہ مسجد چہ کنشت	ہم کس طالب یار ان رجھ ہشیار چہ مرست ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت
خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہے، اول تو خواجو نے مطلع میں حبیب قافیہ کی پابندی ہو جاتی ہو، ایسے دسیع صنون کو ادا کیا ہو، اسکے ساتھ دو نوں عالم کی دو زوال چیزیں لے لین یعنی دوزخ اور بشت، مسجد اور کنشت اُن سبکے علاوہ مسجد کی تکمیر اور تعمیم اور بینا ز کی قدر نے جو لطف پیدا کیا ہو، خواجہ صاحب کے ان مطلق نہیں، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور گرہ جا دو نوں عشق کے گھر ہیں اور ایک ہی چیز ہیں خواجو دو نوں کو خالع تسلیم کر کے کہتا ہو کہ مسجدہ نیاز وہ چیز ہو کہ خلافت اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ مسجدہ نیاز گر جائیں گی ادا کیا جائے تو مسجد بنجائے،	

حافظ

خواجو

کے بر کنم دل از رخ جانان ک مهراد با شیر در دل آمد و با جان بد شود	عشق تو در د جو دم و هر تو در د دما
--	------------------------------------

مشوق کی دل فرسی	محراب بروی توصیر نما ز من	می ترکم از خرابی ایمان کرمی برد
ستی کی تن	مارا به جام باده گلگون خراب کن	زان پیشتر کے عالم فانی شود خراب
کمال کی پر خود دین	و گران ہم کبندرا پچ سیحامي کرد	فیض روح القرس ربانی مذفراید
پر ترقی فاوخت همنا	ازما بجز حکایت مسرود فامرکس	ماقصہ سکندر و داران خوانده ایم
اعلان راز	گفتہ خواهد شد پر دستان نیز هم	داستان در پرده می گویم و می
ظاہر بامل کیان ہو	آصفت ملک سلیمان نیز هم	محتب داند که حافظت می خورد
مشوق کی معن افزای	شیر سرخیم و افی سیحیم	زنگ و تزوییر پیش مانود
جود و کرم کی ترغیب	تا سحر گر زکنار توجیان پی خیزم	گرچہ پیرم تو شیتے تنگ راغع تم گر
غیر پر نکشانے کا انجام	تاساغرت پر است بیشان نوش کن	ای نور حشم من نخواست کوش کن
سوز دل کا اثر	با در دشتان ہر کر در اقاد بر اقاد	بس تجربہ کر دیم درین دیر مکافات
	سوخت این افسر دگان خام را	سو ز آه سینہ سوز ان من
	بیان کا اصلی موقع وہان آتا ہر جان کسی خاص جذبہ کا انہما کرنا ہوتا ہر مثلاً بخش	خواجہ صاحب پرندی اور سرستی
	ز دن از، غیظاً و غصب، عشق و محبت،	کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں

خواجہ صاحب پرندی اور سرستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں
بہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی
لنگتی، اسکے اندازہ کرنے کے لیے پھر ایک رند سرست کی حالت کا تصور باندھو کر
وہ سستی کے جوش و خروش میں ہوتا ہے، تو اسکے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں وہ

درے میں آکر بکار تاہم کہ مجکونا مدنگ کی کچھ پو انہیں ساتی پیالہ پر پایا تھے جا، اور کہ
ندڑا زاہد کیا جانتا ہو کہ جام میں کیا کیا گوناگون عالم نظر آتے ہیں مطری سے کہدو یہ تراہنگا۔
کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہو، کل فاک میں جانا ہی ہو آج کیون نہ عالم میں غلطیہ ڈال دا
تم مجھے حقیر سمجھتے ہو شراب خانہ میں آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہو؟ میر کو ہاتھیز
بپیالہ ہو چیز کو بھی نصیر بناویو گا، میں شراب آج سے نہیں پیتا، میں آسان از
غلغی سے گونج رہا ہی صوفی اور داعظ از دانی کی شخیاں گچھاتے ہیں حالانکہ جو کہتے ہیں
بھی سے سن لیا تھا، یہ عالم بطف اٹھانے کے لیے کافی نہیں آؤ آسان کی چھست تورڈ کرایک
اور نیا عالم نہیں خواجہ صاحب ان خجالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس
طحی ایک سرست کے دل میں آتھے ہیں۔

ابھی یہ بخش چھوڑو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہو یا انگور کی سی
دونوں میں ہو اور یہاں صرف سی سے غرض ہے،
بیاتا گل بر اشایم دے در ساغر از ایم فلکت اسقفت بیگانیم و طح نو در انداز ایم

آر پیول بر سائین و شراب پیالہ میں ایں آسان کی چھست تورڈ ایں ورنی نہاد ایں
اگر غم مشکل انگیز د کہ خون عاشقاں ریزد میں دست ایں

کو درست روئے خوشن من مطری سر و خوش کو دست اشان غزل خونیم و پاکیاں لرنا زا میں
رند مرے میں آکر جب گاتا ہو تو دونوں طرف ہاتھ جھٹکتا ہو پاؤں زمین پڑے تے

بیانات اگرچہ درستیت ذاتی اور وجہانی ہیں جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہیں

بس قدر ضبط تحریر میں آسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے،

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں متعدد ایسی باتیں جمع ہوئی ہیں جنکا مجموعہ بن گیا ہے، ممکن ہو کہ انہیں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لین تو اور ورنکے ہان
نے لیکن خواجہ صاحب کا کلام ع اپنے خوبیاں ہمہ دارند تو تہنا داری، کا

لائق ہے

انہیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اور وون کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے
ہے، مثلاً روانی، جسمگی اور صفاتی، یہ وصفت سعدی اور خسرو کا بھی ماہر الامیا زہے لیکن
اچیز ہے جسکے مدرج کی حد نہیں، ممکن ہو کہ ایک شعر خود نہایت روشن اور صاف
ہوتے ہو، لیکن ایکسا درختراں سے بھی ٹپکہ رہے ہو، اور اس سے بھی ٹپکہ کوئی اور شعر نہ
ملج نہ رہ اور حسن کو اسکے مدرج ترقی کی کوئی حد نہیں،

ایک درچیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں و معفت ہو جوش بیان
کی طرح تنوع معنا میں بھی، ان سے پہلے اسقدر تھا، چنانچہ ہم اسکے کلام کے تمام
کا نام کو الگ الگ عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں،

بیان فارسی شاعری، با وجود دہراوون گوناگون اوصاف اور حالات کے جوش بیان
مالی ہے، فردوسی اور نظامی کے ہان خاص خاص موقعوں پر جوش بیان کا پورا زور
نہ اور ورنکے حالات اور وارادات ہیں، خود شاعر کے حالات اور جذبات

نہیں بخارات اسکے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود اُنکے داردات اور حالات ہیں اسیلے ان کو وہ اس جوش کے ساتھ داکرتے ہیں کہ ایک عالم چاہا تائید جوش بیان کیلئے اکسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہے، البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتین بدلت جائیں۔
 مگر شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہے تو اس انداز سے کرتا ہے کہ کویا آپ سے بایہر ہوا جاتا ہے، قرار دھنپ بکا بیان ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا مرقع الم دیگا، دنیا کی بے شباً تی کا ذکر ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم ہیچ ہی غصہ اور غضب کا مضمون ہے تو نظر آتا ہے کہ منکھ سے انگلے بر س رہے ہیں،

خواجہ صاحب نے یہ کہون گوناگون خیالات ادا کیے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہے اس جوش کے ساتھ کیا ہے کہ سنتہ ولکے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہے جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہے،

بلکہ بر گرد ون گرد ان نیزام

کر جام بادہ بیا ور کہ جم نخواہ بیاند

ماہنامیم کر بودیم و ہمان خواہ بیور

حالتے رفت کہ محراب بہ فربا دا مر

یادگاری کہ درین گنبد دوار باند

اعتبار سخن عام چ خواہ بود

اعتمانی نیست بر دور جہان

سر و مجلس مجشید گفتہ انداں بود

حلقہ پیر مفاظم زاصل در گوش است

در نمازم حرم ابروی، تو ام یاد آمد

از حدیث سخن عشق ندیم خوشنتر

ہادہ خور غم خور و پند مقلد مشنو

زاد کی بلاغتی

استقلال ثابت ترقی

دجد دذوق

انسانی عشق کی لا اڑی

و غنطونکی غلط و پند کی تحریر

بیا کہ رونقِ رین کا رخاذِ کم نشود
 ز زہر پھو توئی یا ز رندی چونسی
 ا مرد و زہر و توبہ و طامات نیستم
 بابہ جام بادہ صافی خطاب کن
 زان پیشتر کے عالم فانی شود خراب
 مارا بہ جام بادہ گلگون خراب کن
 ی مضاہیں کو دنیا چاردن کی چاندنی ہجو، اسکے لیے جھکڑوں درجھیروں نین پڑنے سے
 حاصل کھاؤ پر لطف اٹھا، اور دنیا سے گزر جاؤ، سو سو طرح بندہ چکر ہیں اور خیام کی
 م شاعری کی یہی کائنات ہو، لیکن خواجہ صاحب کے ہاں جو جوش بیان پایا جاتا ہے،
 کی شاعری اس سے خالی ہے،
 رب تلخ دہ ساقی کہ مردگن بود و رش
 کہتا لختے بیسا یہم ز دنیا وز شرد شور ش
 کہ من سپریوم این صحرانہ بہرامست کو رش
 ہیں ہیں ست مر اصحابت صفیر و کبیر
 دویار نزیر ک دا ز باد کہن دوئینے
 فراغتی و کتابے و گو شرچنے
 اگر چہ در پیغم افتذ خلق انجمنے
 من این مقام دنیا د آخرت نہ ہم
 دنیا کی شان و شوکت، جاہ و جلال، دہوم دہام، ان کو بلچانا چاہتی ہیں لیکن اُنکے
 سے یہ صد آتی ہے کہتا کے؟ یہ نیزگیان کب تک؟ اس جھوٹے طلبہ کے لیے زندگی
 یوں آلو دہ کیا جائے۔

چین قبای قیصر و طرف کلاہ کے
 بادہ پیش کر کا سباب جہاں اینہم نیست

کی کن زکبر دناز ک دیدہ ست روزگار
 مل کارگر کو ان و مکان اینہم نیست

بیفشاں جرغم برقاں عالیہ شوکت ہیں کہ از جمیش دکھن و بہزادان داستان دار
 گرہ بہ باد ضر ان گرچہ بر مر او دزد کہ این سخن پہل باد با سلیمان گفت
 ی فلسفہ خواجہ صاحب حب پلا سقد رچا گیا تھا کہ بوریاے فقر انکو مند جمیش نظر آتا
 تھا، وہ خود اس خیال میں مت تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف
 اٹھائیں وہ مناظر قدرت سے بہارستے آب روائی سے ابزر و مغزا رسی لطف اٹھاتے تھے
 اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے، اس بنابرودہ تمام دنیا کو
 خوش عیشی کے فلسفہ کی تعلیم دیتے ہیں یونانیں اپکیو رس کی بھی ای تعلیم تھی، اسیکن وہ
 فلسفی تھا اسیلے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ کے امداز میں کہتا تھا، خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری
 شاعر تھے اسیلے انہوں نے خوش عیشی کی ایسی تصور کی چیزی ہے کہ زین سے آسمان تک
 جوش سمرت سے لمبڑی نظر آتا ہے اور یہ شاعری کا اصلی کمال ہے،

عید است ساقیا قدح پر شراب کن دور فلک در نگ ندار دشتتاب کن
 بخوش بادہ کہ آیام غم نخوا ہر ما ند
 چان نما ند پیں نیز هم سخواہد ما ند
 دسے با غم بسر بُردن جہاں کیرنخی ارزد
 بھی پغروش دلت ما کزین بھترنخی ارزد
 شکرہ تاج سلطانی کہ یہم جاں روچیج است
 کلاہ دلش است اما پہ در دمرنی ارزد
 غم و نیایی دنی چند خوری بادہ بخور
 چون خبر نہیں کہ انجام چخواہد بودن
 خوشر از فکر می وجام چخواہد بودن
 بمارے لطف اٹھاتے ہیں X

رتا ہے، سر کو دایں بائیں جھٹکے دیتا ہے، یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہے
 ساقی پر نور بادہ برا فرد و زجام ما
 مطریب بگو کہ کار جان شد کام ما
 لے بخیر ز لذت شرب علام ما
 مادر پیالہ عکس رخ یار وید کا میم
 ساقی بخ خسرو و دردہ جام را
 گچہ بدنامی است نزد عاقل ان
 تازمی خانہ دئے نام نشان خواہ بدو
 حلقة پیر مختارم زازل رگوش است
 پر سر تربستا چون گزی ہم خداه
 عاقبت هنzel مادا خلم شان است
 حاصل کار گپ کون مکان اینیم نیش
 ساقی بیار بادہ دبا مد عی بگو
 خوش وقت ندرست کرد نیا د آخرت
 مانی پر بانگ پنگ امر فرمی خویم
 سر خدا که عارف سالاک سکبی گفت
 ساقی بیا ک اعشق نرامی کند بلند
 من ترک عشق بازی و ساغرنی کنم

۵ یعنی کچھ ایسی کائنات نہیں،

استغفار اللہ استغفار اللہ
 یا حبام با دہ یا قصہ کوتاہ
 زدیم پر صفت رنداں ہر چبا دا باد
 کہ می خورند حریفان من نظارہ کنم
 کہ ناز بر فلک حکم پر ستارہ کنم
 مرا چکار کر منع شراب خوار کنم
 تابہ بینی کر دران حلقو چھ جب ہم
 سرو دستار نہ داند کہ کدام انداز و
 چون خبریت کلا جام چھ خواہ بودون
 از خط جام کفر جام چھ خواہ بودون
 اعتبار سخن عام چھ خواہ بودون
 حیف باشد ولی انا کہ مشوش باشد
 طامات تا بچند و خرافات تابک
 گفتہم بر د کہ گوش بہر خرمی کنم
 کہ بکوی می فروشان ٹھرا جم بجئے
 برگ صبوح سا ز دیز ن جام یک منے
 مطریب نگاہ وا زہین رہ کہ میری نی

من رند و عاشق و آنگاہ توبہ
 ماذہ و تقوی کمتر شناسیم
 شرائیش نہان صیت کا بے بنیاد
 سخن درست بگویم نمی تو انم دید
 گدای میکدہ ام لیک قتستی بین
 نہ قاضیم نہ مدرس نہ مفیض نہ فقیہ
 با من ظاکشیں خیز و سوکیکدہ آے
 اسی خوشحالت آن مست کہ پر چاریں
 خوشنیز فکر می و جام چھ خواہ بودون
 پیر میخان چھ خوش گفت عما می دری
 با وہ خور غم خور و پندر مقلد شنو
 غم دنیا می و می چند خوری با وہ بخو
 ساقی بیا کہ شد قیح لا رپڑے
 شیخم پڑھ گفت حرام است می خور
 کہ بر د ہ نزد شاہان من گدا پلیے
 صحیح است تزال می چکدا زابر بہمنے
 ساقی بھوشا ش کغم دریں ما است

میجئے جسے اُس کی آنکھ دیکھی بول اٹھا کر کہیں محتسب نہیں کہ سرت کو گرفتار کرے۔
مشوق کی زلف کو بفتشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہر خواجہ صاحب اسکو اس طرح
داکرتے ہیں،

بفتشہ طرہ مفتول خود گرد میسزد صبا حکایت زلف تو در میان نداشت
میضمنوں اس طرح ادا کیا ہو کہ تصویر یک ہنچیدی ہے، بفتشہ گویا ایک سینا در جبلہ سو، اسکی
الغیں نہایت خوبصورت اور گھونگڑ والی ہیں، وہ ٹپے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوتی
ہیں گرہیں لگا رہی ہیں، اتنے میں کہیں سے صبا آنکھی، اسے مشوق کی زلفون مکا ذکر چھپو رہا
بفتشہ عین غور اور نماز کی حالت میں بشر ماکر رکھئی،
حدت ہیں جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بفتشہ کا شرم مندہ ہو جانا بیان نہیں کیا کہ کے
لہار کی ضرورت نہیں،

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گودہ شراب غیرہ استعمال نہیں کرتا تاکہ
آنکہ اس کی فتوحات اور نزور، ریا اور زور کے ذریعے سے ہات آتی ہیں اسیے دہنی
ام سے کم نہیں اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے،

ترسم کہ صرفہ نبرد و زبان خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما
انی مجھے ڈربے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی، میرے اب حرام شراب آبادی
پاکے جدت اسلوب کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہو،
ترسم سے دکھانا ہر کہ میں اس بات کو بطور ثبات کے نہیں کہتا، بلکہ جہودی کا لحاظ

سے جو کو لکھا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ، قیامت کو بازخواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے
یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوئے کھرے کے پر کہنے کا دن ہے

نام حلال اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صفت اضداد کے چنہایت سلسلی
سے ادا ہوئی ہے، اہل مضمون کو تہائیت بلطف کر دیا ہے، یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال بے
کے، میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے، تو زاہد کے لیے کس قدر انسوس کا سبب ہے کہ
فقیہہ درسہ دی مست بود و فتوی داد کمی حرام فی بزم الوقاف است
اس طرز ادا کی بلا غلت پر کھانا طاکرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ تراویح حرام کی
لیکن یال و قفت سے ہر حال اپنی ہو خود فقیہہ کی زبان سے کرایا ہو اسکے ساتھ است کی
تید رکادی ہو جس سے یہ دکھانا مقصود ہو کہ فقیہہ سچی بات کا انہار یون کا ہمیکو کرتا است
تھا، ایسے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جدول میں تحاذب ان سے کہہ گیا،

زاہد خدا کا تصور جو دلوں میں قائم کر اسے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مجھم قبر و غصب
ہو ذرا ذرا اسی بات پر ناراضی ہوتا رہتا ہو اور نہایت بے رحمانہ سزا میں دیتا ہو لیکن
اہل نظر کے نزدیک خداستا پا لطفنا و رحمہ ہو، اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں
پر دروسے کش ماگر چندار ذر و ذرور خوش عطا بخش و خطاطا پوش خدا دارو
”خدا“ کی تکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہے، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہو زاہد وغیرہ
اس سے مطلق شناسائی نہیں،

یہ مضمون کہ میں نے ملعوق کا انتخاب ایسی دیدہ و ری سے کیا کہ شخص نے اسکی

نفیں با دصبا مشکل نشان خواهد شد
 رغوان جام عقیقی پس من خواهد داد
 مطر با مجلس انس است غزل خوان سرد
 ببل ز شاخ سرد بگلبانگ بپلوی
 مرغان باغ قافیه سخنید و بند لگو
 در وشم دگدا د بر ابر نمی کشم
 خوش فرش بوریا د گدا ای د خواب من
 آخرا لامرگل کوزه گران خواهی شد
 ای که در کوی خرابات مقلعه داری
 ای که باز لعنت رخ یار گذا ری شب روز
 می خواه گل نشان کن از دهر چمی جوئی
 مند پاکستان بر شاهدوساقی را
 خواجه صاحب کے اس خاص کمال (جو ش بیان) کا اندازہ اسوقت اچھی طرح
 ہو سکتا ہر جب اتنی مصنایں کے متعلق اور اسائز کے کلام کامواز نہ کیا جائے نونہ کے
 یہ ہم صرف چند شعروں پر اتفاق کرتے ہیں

حافظ
 عاشق و زندگی را زم میگویند فاش
 تا بدنی کہ بچندین نہر آراتم

سلطان
 زندی و عاشقی و قلاشی
 یعنی شاکن نیست که در ما ہمہ ہے

سلطان

حافظه

درون صافی از اهل صلاح و زید مجوسی
 که این تشاء زندان در دوی آشام است
 مکن ملامت زندان دگر به بدنامی
 که پیرچه پیش تو نگست نزد ما نام است
 غرض از کعبه و بت خانه تویی سلطان
 چکنم خانه بے خانه خنداباید رفت
 من ازان روز که در بند قوام آزادم
 باد شاهم چوبست تو اسیر اقادم
 ای گنج نوشدار و درختگان نظر کن
 مردم بدرست دوار اجرجو محی گزاری
 بدیع الاصولی عینی جدت و خوبی ادا اکثر مضا مین ایی هن جوم توں کربندهسته آتر تھی یا بندسته
ن تھے لیکن بجا ی خود معمولی مصنفوں تھے، جن میں کوئی دل فربی ن تھی خواجہ صاحب کے
حسن ملوب با درجت ادنی اسکونهایت دل آویزا در طیف کر دیا، مثلًاً معنویت کی
آنکھ کو سب مغور اسرشارا وزیرست کنتے ائے ہیں، خواجہ صاحب اسی بات کو اس زندان سے
بیان کرتے ہیں،
هر کس کم بدید چشم او گفت
کو محبتے کم مت گیرد

و دی، اسکو یون ادا کرتے ہیں،

رس کر دید روی تو بوسید پشم من کارسے کر کر دید مس بے لعین کرد
یعنی جتنے تیرا پھرہ دیکھا میری آنکھیں چوم لین ک کیا عمدہ انتخاب ہر، میری آنکھ
جو کام کیا دیکھ بحال کے کیا،

شاہ بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہیں عام مضمون ہے

عدمی فرماتے ہیں،

لند سیل بخوبان ل من خردہ گیر کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور طیف اسلوبے ادا کرتے ہیں
ن ان رچہ عاشقہم درند وست نامر سیاہ نہزار شکر کر یاران شہر بے گناہ ان
شعر کاظما ہری مطلب، ہر کہ میں اگرچہ گنہگارا و نالایق ہوں لیکن خدا کا شکر ہر کہ
مرہ ہیں اور لوگ پاکیزہ اخلاق ہیں جلکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اور دن
نہ ڈیگا، لیکن حقیقت ہیں یہ اور دن پر در پردہ چوت ہر، سعدی نے گھلے لفظوں
کن کہدیا، خواجہ صاحب کنائی ادا کرتے ہیں،

خدا کے عفو کے بھروسہ پر شراب پینے کی جرات اس پیرا یہ میں دلاتے ہیں،
کاربادہ بخور زان ک پیر میکہ دوش بے حدیث غفور و رحیم و حمیں گفت
اس موقع پر خدا کے متعدد نام جن سے رحم اور مغفرت کا انطمہار ہوتا ہے، اانا
س قدر بلاغت ہے،

دنیا کی بے شباتی کو اس انداز میں ادا کرتے ہیں

سر و مجلس جب شید گفتہ اندائن بود کہ جام با دہ بیا در کہ جنم نخواهد ماند
مطلوب یہ ہے کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہیں ایسے یہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں لکڑا
کل خدا جانے کیا ہو گا، اس مضمون کے کس قدر بلینج پیرایہ اختیار کیا ہے عیش اور
کامیابی میں جرشید سب سے نام آور ہے تاہم خود اس کی مجلس میں یہ اگ کا یا جاتا تھا، اس
بڑیکر دنیا کی بے شباتی کا کیا ثبوت ہو گا جب شید کا نام اس بے حقیقتی سے یہاں کا لقب
و خطاب بیک طرف پورا نام بھی نہیں اس مضمون کو نہایت با اثر کر دیتا ہے،

شرم اذان حشم یہ با دش و خرگان دراز ہر کہ دل بردن و دید و در انکار مکن ہست
اس مضمون کے ادا کرنیکا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا
ہے اگر معشوق کو دیکھ لیتا تو اعتراض سر باز آتا، اسکو یہ ان دا کیا ہو کہ جو شخص میرے دلی خٹکی
پر اعتراض کرتا ہے اسکو معشوق کی آنکھ اور خرگان سکر شرم نہیں کی لیعنی مجھ پر اعتراض کرنا
گو یا آنکھوں کی دلربائی سے انکار کرنا ہے،

یا رب پر کہ بتوان گفت این نکتہ کو دعالم دخادرہ پس نہمود آن شاہد ہر جائی
اس مضمون کو کہ شاہد مطلق رخدا کا جلوہ اگرچہ ایک لکھتے تھے میں پچھتا ہوں لیکن کسی
حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور نہ سکتی، کس مربع ملسوٹی کے ادا کیا ہو لیعنی کس قدر تعجب
کہ ہر جائی بھی ہو اور آجتک کسی نے اسکو دیکھا بھی نہیں وصلائی نے اسی مضمون کو یوں
ادا کیا ہے،

اسے کہ دریچ جانہ داری جا باعجوب ماندہ ام کہ ہر جانی
 خواجہ صاحب کی طرز ادایں لطفت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے
 بدین الاسلوبی کے اچھی طرح سے سمجھ میں آنے کے لیے ہم چند مثالیں لکھتے ہیں
 سے ظاہر ہو گا کہ ایک مضمون جو کسی اور ام توانے بانداختا خواجہ صاحب نے خوبی
 سے اسکو سقدر بلند ترتبہ کر دیا ہے،

حافظا

سعدی

در راه عشق فرق غنی و فقیر نیت

تو گر چہ امیر و مافقیر یم

ای بادشاہ حُسن سخن بالگا بگو

دل داری دوستان ثواب است

حافظا

سعدی

بنال بلبل اگر بامنت سر بری است

بیل گزنا لی من با تو ہم آوازم

کماد و عاشق زاریم و کارما زاری است

عشق گل اندازی

صاحب کہتے ہیں کہ بلبل اگر تو روئے پر آنادہ ہو تو میں بھی تیرا ساقہ دینے
 وجود ہونے جکلو تجوہ سے ہدر دی کی یہ وہ ہر کرتے تو گل پر عاشق ہے اور میرا مشوق بھی
 نہ ام ہے، غرض شخچنے ہدر دی کی وجہ مشوق کا یک گونہ اشتراک قرار دیا ہے،

یہ پہلو نہ اہست اور غیرت سے ذرا ہٹا ہوا ہے، اسیے خواجہ صاحب ہدر دی

و بعد صرف عشق کی شرکت قرار دیتے ہیں امشوق کے اشتراک سے کوئی تعلق نہیں،

اسا تھوڑا خود بلبل کے پیر و نین بنتے بلکہ بلبل کو اپنا پیر و بناتے ہیں ”ڈو“ کے لفظ پر

جز در دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے صحیح دعویدار صرف دو ہی ہو سکتے ہیں
 تاشق اور مبلل ان باتوں کے ساتھ ذرا اور زاری کے اجتماع اور سطحان ہونے
 کو نہایت بلند پایہ کر دیا ہے،

حافظا

سعدی

چ غدر از بخت خود گویم کہ آن عیا شہر شوب	ا کی گنج نو شدار و در خستگان نظر کن
تلخی کشت حافظا را و شکر در دهان دار	مر ہم ببست وما لا مجرد حمی گزاری
خواجہ صاحب نئے شیخ کے مضمون کا پیریہ کقدر لطیف کر دیا ہے،	

حافظا

سلمان

عاشق ورندو نظر بازم میگویم فناش	رندی و عاشقی و متلاشی
تامدی کے سچنڈیں ہنڑا راستہ ام	یعنی شک نیت کے درماء ہمسہ ہست
چتی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یکتو ہیں کم جھیں یہ ب	باتیں ضرور ہیں اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ ان یا تو نپر ان کو فخر ہو یا نداشت
خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پلے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ان کو	با عذر نا ز قرار دیتے ہیں، اع تامدی کے سچنڈیں ہنڑا راستہ ام،

حافظا

سلمان

گرچہ بنایمی است نزد عاقلان	مکن ملامت رنار ف گر پینای
مانی خواہیم ننگ و نام را	کہ ہر چیزی تونگل سنت دنام اما

آن کتے ہیں کہ ہم کو طامت نکرو کیونکہ جس چیز کو تم نگ نجھتے ہو وہی بہلے نزدیک
ری کی بات ہو، اس مضمون میں نقص ہر کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہے کہ
کو نام کی خواہش ہے، گودہ نام آورون کے نزدیک نگ ہے، خواجہ صاحبے ماتے
کہ ہم کو نام و نگ سے سرے سے غرض ہی نہیں اور رندی کی یہی شان ہے،

حافظ

سلمان

شاہ آن نیت کہ موے و میانے دار د	ہدایان فیست کہ دار د خطا سبز و لب لعل
بندہ طلعت آن باش کہ آنے دار د	ہدایان است کہ این دار د و آنے دار د
	وہام طلعت زیبا ش کہ آنے دار د
	ناہم شفیقت من اذ پے آن می گردم

صل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب عضنا کا نام نہیں بلکہ اصلی چیز ناز
را نداز ہو، سلمان نے اس مضمون کو جھٹچ ادا کیا، اسیں ایکا و لفظی خوبی یعنی این و
آن کا مقابلہ شامل کر دیا جس سے صل مضمون کا ذور بٹ گیا، اسیے خواجہ صاحبے
مضمون کو صفت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا، لیکن این و آن کا لطف
ہاتھ سے دینے کے قابل نہ تھا اسیے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ متایاں
رہیے میں ادا کیا،

ایں کہ می گویند آن بہتر حسن

یار ما این دار د آن نیز هم

اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں، ہم کو صرف نمونہ دکھانا مقصود تھا۔

ان جزئی اسالیب سے قطع نظر کر کے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جزو
مضامین کو زیادہ تر بامدھا ہو وہ شراب کی تعریف رندی و سرتی کی ترغیب دیا کہ
بے ثباتی، واعظون اور زادہون کی پرده دری ہے، انہیں سے ہر ضمون کے اد
کرنے کا جو پیرا یا اختیار کیا ہو اس سے بہتر خیال میں نہیں آ سکتا، اور یہ وجہ ہو کہ انہو
مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑوں ہزاروں اشعار موجود ہیں لیکن عام محفوظون میں
خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں،

دار دعشق خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف نوادر کو لیا ہے اور ہر نوع کو عالی تر
پہنچایا ہو لیکن انکی اصلی شاعری عشق و عاشقی اور رندی و سرتی ہو رندہ مضمومین و
جس آزادی، رُنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں اس کی تفضیل جوش بیان۔
عنوان میں گذر چکی، عشقیہ مضمومین سے ان کا دیوان بھرپڑا ہو لیکن نیکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے
رجیسا کہ ہم ابتداء میں لکھو آئے ہیں) کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درود سے کم تعلق
رکھتے ہیں وہ فطرہ شگفتہ مراج اور رنگین طبع تھے، اسی عشق و عاشقی سے انکو ہیں تک
تعلق ہو جانتک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ نا امیدی حسرت یا س دغی
کچھ لکھتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہی، وہ علیکم مُنْه بنا نا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی
نہیں جاتی، اس پناپر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی، مجلس فروزی کے
جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسیکے تیجھے زندگی بردا
کر دین گلیو نہیں پڑے پھر من اونکا عشق بھی لطف نظر ہے، اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی

نادہ ہو گیا، پاس بیٹھ گئے، ہم زبانی کا لطف اٹھایا، زیادہ پھیلے تو سینہ سے رگا یا
ہین باہیں ڈال دین، اس حالت میں بھی کوئی عجرا خیال نہیں پا کبازی اور پاک
ی کی روک قائم ہو، خود فرماتے ہیں،

منہم کہ شرہ شہر میں عشق درزیدن منہم کہ دیدہ نیا لودہ ام بہ بذریعہ
نہ ہمہ عشق و محبت میں جو جو دار و اتین گذر تی ہیں ایکسا کیسے باخبر ہیں اور ان سب
بست کو اسی سچائی اسی واقفیت اسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں، جس طرح دل
آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہو، وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل
نہیں پیدا ہوتا، ہم عشوق کی تعریف بھی جو شاعر دن کا رات دن کا وظیفہ ہو، کرنا چاہتے
تو اسی وقت کرتے ہیں جب عشوق کی کسی نئی ادھے دل پر نئی چوٹ پڑتی ہو، ورنہ
اپکچکہ جاتے ہیں تو اسکو بیکار سمجھتے ہیں، خود فرماتے ہیں،

ما بخیر و گفتہم دلبرا ام عذر دار عشوه فرماتے تامن طبع راموز دن کنم
غنی نے اسی بات کو اپنے انداز میں کھا ہے،

جلوہ حسن تو آ در در مر ا بر فکر تو خابستی ومن معنی زگین بستم
خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقع ہیں کہ عشق محسن ظاہری حسن جمال سے
پسیدا ہوتا اور ہوتا ہر تو وہ عشق نہیں بلکہ ہوس پر تی ہے عشق کے لیے عشوق میں
وجمال کے سوا افادہ بہت سی ادایمیں ہونی چاہیں، اسی نکتہ کو سلطان ساوجی نے
داکیا تھا،

شاہزاد نیست کہ دار و خطا سبز و لب بعل شاہزاد نیست کہ این دار دو انسے دار
لیکن سلامان نے آن کی تخصیص کر دی، خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں،
شاہزاد نیست کہ موسے و میانے دار د بندہ طلعت آن باش کر آنسے دار
لیکن یہیں تک بس نہیں کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہیں،

ہزار نکتہ درین کار و بار دلداری است کہ نام آن زلب بعل خاطر زنگاری است
عاشق جب عشق سے لطفنا لٹھا آہ تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اور دنکو
بھی اس مژہ کے اٹھانے کی ترغیب بتا ہو، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرا یہیں ادا کیا ہو
مصلحت نہیں کی ان است کہ یاران ہمکار بگذار نہیں سرزلف نگارے گیہہ نہ
شہر سے پراز حریفان و زہر طرف نگائے یاران اصلاح عشق است گرمی کنید کار
اس متی کو دیکھو کہ یار و کوئی کام کرنا ہو تو بس یہ عشق، کرنے کا کام ہے،

حاشق کو حب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ معشوق کو طرح
آڑاستہ کر دنگا، پھولوں کے زیور بہنا دنگا، تخت پر بٹھا دنگا، اور عرض کر دنگا کہ معشووق انداز
سے بیٹھے اور تماشا یہوں پر بجلی گرائے، ان جذبات کی تصورید دیکھو۔

زنببل سمنش ساز و طوق بارہ کغم	پنجت گل بنشان غمہ تے چو سلطانے
چیلی نیور طوق تکن	کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن
بغزہ رونق بازار سامری بشکن	پباد وہ سر و دستار عاملے، یعنی
کلاہ گوشہ بہ آئین دلبری بشکن	و تو کی پچیان اچھاں
توبیتیش پسر زلف عنبری بشکن	حو عطر سالی شود زلف سبل از دم باد

پر زلف گوئی کہ آئیں دلبری مکذار بغمزہ گوے کہ قاب ستمگری شکن
 بردن خرام دب برگوئی خوبی از ہمکش فوج سمراہی حور بده رونق پری شکن
 عام لوگ سمجھتے ہیں کہ وصل میں دل کے کانٹے مخلجاتے ہیں اور تکین ہو جاتی ہے
 یکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل میں آتش شوق در بھرتی ہوا در دل کا دلوں کی طرح
 لم نہیں ہوتا، اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے،
 بِكُلِّ تَدَادِيْنَا فَلَمْ يَشِّعِتْ مَا بَيْنَا عَلَى آنَّ قُرْبَةَ الدَّارِ خَيْرٌ مِّنَ الْبَعْدِ
 یعنی ہم سب کر کے دیکھ چکے، کسی سے تسلی نہیں ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر چاہیا
 خواجہ صاحب اس نکتہ کو یوں ادا کرتے ہیں،
 ببلے بگ گلنے خوش زنگ و مقار و شست و ندران برگ نوا خوش نہ لامی زار دشت
 گفعت ما را، جلوہ معشوق رایں کار و شست
 معشوق نے چند روز یو فائی بر تی ہو، پھر صافت ہو گیا ہو، عاشق کو چلی باتیں یادی
 ہیں، یکن قصد ابھلا تا ہے اور معشوق کو مطہن کرتا ہو کہ جلوکوئی شکایت نہیں اتفاق بر باتیں
 تھیں گئیں، اس حالت کو دیکھوں طرح ادا کیا ہے،
 گرزدست زلف شکلیت خطای قت رفت در زہن روی شاہزادیں جفا کی رفت فت
 اس بلا غلت کو دیکھو کہ ظالم و متکم کو معشوق کی طرف نسب نہیں کرتا، بلکہ زلف کا نام
 لیتا ہوا در اسکو ہند و رچور ظالم (کہتا ہے کہ اس سے کیا بجید ہے،
 بر عشق از خرسن پیشہ اپنی سوخت خود جو رشاہ کا عران گر بر لدمی رفت رفت

اگر دلم از غمہ دلدارتا بے ہو د جو د در میان جان جانان ماجرا می رفت فت
 کبھی عاشق کے دل میں یہ جذبہ امتحنا ہو کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہو نگو لیکن
 میری سی جان بازی کوں کر سکتا ہے، اس خیال کو محبت کے لذت سے معشوق کو سلے نے
 بھی ظاہر کر دیتا ہے،

خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرا یہ میں ادا کرتے ہیں،
 شے مجنون پیلی گفت کا یہ معشوق بیہتا ترا عاشق شود پس اولے مجنون خواہ شد
 س موقع پر مجنون کے لفظ نے کیا باغت پیدا کی ہے، یہضمون سیکڑوں نے باندھا ہو لیکن
 پیرا کسی کو نصیب نہوا،

بعض وقت جب معشوق کا نازاد ترکنت حدگر گذر جاتی ہو تو عاشق تنگ کر کرہ دیتا ہے
 کہ آنا بھی حد سے نگز رہیے، دنیا میں اور ہمارا دون صاحب جمال ہیں، معشوق بھی جانتا ہے
 کہ بات صحیح ہو لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منصب کے خلاف ہے، ان سے کچھ جذبات کر
 خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں،

سبحمد مرغ ہمین باگلی نو خاستہ گفت نازکم کن کو درین باغ بسی چون تو شگفت
 کل سخن دید کہ از راست نہ سخیم، وسلے یعنی عاشق سخن سخت پوشوق نہ گفت
 عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کیے خاص ہیں لیکن ٹباہ پر یہیں بھی یوگ سر
 نہیں ہوتی، عاشق پر اس زمانہ میں مختلف حالات گذرتے ہیں، بھی کہتا ہو،
 رع رندی و ہوسنا کی ور عمد شباب اولے،

کبھی خیال کرتا ہو کہ عشق کی گرمی خود جوان بنادیگی، اس حالت میں کبھی معشوق سے کہتا ہے،

گرچہ پیرم تو شے تناک آغوشم گیر کے سحرگہ زکنار تو جوان برخیزرم

کبھی کہتا ہے،

ہر چند پر خستہ دل ناتوان شدم ہرگہ کہ یاد روی تو کرم جوان شدم

اسی بنابر رکنائے کاشی نے کہا ہے عشق درایام پیری چون ہے را آتش است

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیر ہے اس حالت میں

خدا پری حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لمحہ میں کہتا ہو

دیدی دلا کہ آخر پیری وزیدہ علم باسم چرد دیدہ معشوقہ بازم

پس بصلی دار داتین ہیں جو عاشق کو پیش تی ہیں خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست

اوکیا ہے،

معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس درکم مایہ ہوتا ہو تو معشوق کو عاشق

کی طرف اتفاقاتی عار ہوتی ہی، لیکن عاشق میں یہ امتیاز محفوظ نہیں اس بنابر پر قاصد کر خطاب

کر کے کہتا ہے،

گر دیگرت بڑا در دولت گذر بود بعد ازا دای خدمت عرضن عاگبو

در را عشق فرق غنی و فقیر نیست لے بادشاہ حسن سخن بالگدا اگبو

غرض اٹھ کے سیکڑوں جذبات ہیں جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے

او جس کی شال اساتذہ کے کلام میں نہیں مل سکتی، ہم سرسری طور پر کچھ بھائی چند شعرا
نقل کرتے ہیں،

مشوق کی نسبت بدگمانی،

خواب آن گرس قثان تجے چزیری نیست تا بآن زلف پر شان تو بچیری نیست

ظلم کے بعد مشوق کے رحم کی داد،

آفرین بر دل نرم تو که از بہر ثواب کشته غمزہ خود را بخواز آمدہ

رقبے پھپ کو سرگوشی،

خدا را ای رقیب امشب مانے دیدہ بر هم نہ کمن با محل جان گوش نهانی یک سوونام

مشوق کی عام آمیزی کی شکایت،

زلف در دست صبا گوش ہ پیغام قریب این ہمہ با ہمہ در ساختہ یعنی چس

عشق سے پار سائی میں فرق آنے کا خطرو،

می تر سکم از خرابی ایمان کمی بر محابا بر دی تو حضور نماز من

مشوق نے چارہ ساز ہو کر چارہ نوازی نہ کی،

چھ عذر از بخت خود گویم کہ ان عیا شہر آن شوب تلخی کشت حافظ ما دشکرد دہان دارد

باکہ! این نکتہ تو ان گفت کہ ان سنگین ل کشت ما را ددم عیسے مریم با دست

بوسر کے ساتھ گالی کا مڑہ،

فنا آمینہ بال غل علاج دل است بوسر چند بیا میز بر دشنا مچہ

با دنما محشوق کی نظر پر میں کر کے محشوق سے اتفاقات کی خواہش،
 پر داد دشمع دگلوں بدل بھئے جمع اندر ای دوست بیار حمہ بہتھائی اکن
 چا اور روئے کی وجہ سے افشاءے راز،
 ترا حیا در مر آب دیدہ شد غاز دگر نہ عاشق و محشوق را زداراند
 اور دن کی کامیابی پر حسرت،
 چوباجی نیشنی د بادہ پیاںی دانتان عشق کی دیپسی،
 یک قصہ میں نیست غم عشق این عجب از هر کسے کمی شنوم ناکرہ است
 محشوق پر فدا ہونے کا انتظار اراد را سکا اعتراض،
 می خواہم کمیرش اندر قدم چو شمع او خود دگزر پمن چونسیم حسرہ کرد
 محشوق کی یاد میں شب گذاری کا لطف،
 اذ صبا پرس کہ مارا ہمہ شب تادم صحیح بوی زلف تو ہاں منس جان است کر بون
 محشوق نذر سے ہات آتا اور نہ خود ملتفت ہوتا۔
 اذ ببر بورہ زلبش جان ہی دیم اینم نمی ستاند و آنم نمی سیدہ
 اہل تقویٰ بر مانین تو مانین، شاہد پرستی نمین چھوڑی جا سکتی،
 نتراب لعل کش دروی مرجیانان بین خلافِ ندہب آنان جمال اینان بین
 نلند خواجه صاحب کا فلسفہ قریباً وہی ہر جو خیاص کا ہے، خواجه صاحب نے انہی مسائل

کو زیادہ تفصیل، زیادہ تو پڑھ، اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ ہم انگو بذریعات
بیان کرتے ہیں،

(۱) ان کا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور انکی
حقیقت کچھ علوم نہیں، اور نہ معلوم ہو سکتی! اس مفہوم کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام
نے بیان کیا تھا، لیکن خواجہ صاحب جس بلند آنگلی، اور جوش و ادعائے ساختہ کرنے ہیں
وہ اُمکا خاص حصہ ہے،

بروانی زاہد خود بین اک رحیشم من و تو راز این پر دہ نہان است نہان خو اپد بود
انداز بیان کی باغثت کو دیکھو! کلام کی ابتداء سے لفظ سے کی ہو جس سے زاہد کی
دعویٰ راز دانی کی سخت تحریر ظاہر ہوتی ہے، خود بین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہو ہر کوئی
دعویٰ صرف خود بین کی بنا پر ہوتا ہے، راز اہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شرکیک کر لیا ہے
جس سے زاہد کی خاطرداری اور دعویٰ کی تعمیم مقصود ہے، یعنی اس مریم عارف وزاہد
عالم و جاہل سب برابر ہیں، دوسرے مصوع میں ماضی کے ساتھ آئندہ زمانہ کو بھی داخل
کر لینے سے دعویٰ میں زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے

عفنا شکار کس نہ شود و ام باز تین	کیں جاہیشہ بارہ دست است ام را
حدیث لازم طرب می گوئی دراز دہر کر تجوہ	کس مکشید و نکشید پر حکمت این صغارا
دان اچودید بازی این چرخ حقہ باز	ہنگامہ باز چید و در گفتگو ہے بست
کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کیا است	ای خند رہست کہ باگنگ جرسے می آید

ما قیا جام نمیم ده که بناگار نزد اُغسب
 ن که بنقش ز داین داکرہ مینا لی
 نیزست معلوم کر در پرده اسرار چه کرد
 کس نه دانست که در گردش پر کار چه کرد
 گر تو سرگشته شوی دائره دوران را
 و هم ضعیف را نقوی چرا کشد
 تا خود رون پرده چه تم بیرنی کنند
 چون شدید ند حقیقت راه انسانه زدن
 لے معنی نزارع تو با پرده دار چیزیت
 یا من خبر ندارم یا او شان ندارد
 یا هست و پرده دار نشانم نمی دهد
 (۲) شاہ مطلق کاظم اگرچه هر چیزی دارد
 لی شخص اسکو پیچان نمین سکتا،
 در اسرار کامنات اگرچه حقیقت است زین معلوم نمیں ہو سکتی، لیکن جو چیزی معلوم ہو سکتا ہو
 علوم درسی کی تفصیل اور بحث مباحثہ نمیں معلوم ہو سکتا، بلکہ مجاہد، ریاضت
 بدان اور کشف معلوم ہو سکتا ہو فواید چه صفاتی ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام
 اقی با داده فروشن، زند، رکھا ہو اور اسکا بنا پر هر چیز پیر مقان اور با داده فروشن کی طبقہ بخشی
 دعوی کرتے ہیں اور اسکے مقابلہ میں زندگی علماء طاہری کو سبیله حقیقت

بجھتے ہیں،

راذ درون پر ده، زر زان هست پرس
 کین حال نیست صوفی عالی مقام را
 در حیرتم که باده فروش از کجا شنید
 در نه در مجلس زمان خبر نیست که نیست
 ترکم این نکته به تحقیق ندانی دانست
 چون شناسای تو در صویعه یک پیر نبود
 از شافعی مپرید امثال این مسائل
 مرا زاغال بنسی اس خیال کو ٹری خوبی سے ادا کیا ہے،

آن را ذکر درینہ نهان است نه وعظ است
 بردار تو ان گفت و به مجرم نتوان گفت
 (۲) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونیکا ذریعہ بیرونی چیز نکام طالع نہیں ہے، اُنکے
 نزدیک لپرچیل یک خاص طریقہ سے توجہ، اور بدست تک اسپر موانطبت کی جاتی ہے
 تو دل خود اور راکات اور معلومات کا سرخیہ بن جاتا ہے، جس طرح انبیا کا علم باہر نہیں آتا
 بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھتا ہو خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نایت پر جوش اور
 بخش طریقہ سے ادا کیا ہے:

دیدش خورم و خندان قبح باده پرست
 و ند ران آمینہ صد گونه تاشامی کرد
 گفتم این جام جہان بین بتو کے دا حکیم
 گفت آن روز کہ این گنبد نیما می کرد
 یعنی مین نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہو اس میں شراب کا پایہ
 ہو، اسکو پار پار دیکھتا ہے، اور اس میں اسکو گوناگون عالم نظر آتے ہیں، مین نے پوچھا کہ

پر دا ز فطرت نے تم کو یہ جام جہان نین کردن عنایت کیا تھا، بولا کر حجدن یہ بزرگ نبند
ماں، تعمیر کر رہا تھا،

(۶) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبری کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان
محترم نہیں ہو کوئی اور قوت ہو جو اس سے کام لے رہی ہو، اگرچہ بعض جاہے کے خلاف
ان کے قلم سے محل جاتا ہے مثلاً

عہر علی اجرے دہر کار جزاے دار د،

آنکا اصلی رجحان طبع جبری کی طرف ہو، مسئلہ اگرچہ نظماً ہر خلاف عقل ہے لیکن
کی انہما می منزل یہی ہے، اور ارباب فنا بھی اسی نشہ میں چور ہیں خواجہ صاحب جب
عالیٰ میں آتے ہیں تو ان کی مرستی حد سے بڑھ جاتی ہو اور عجیب جوش و خوش کا
ہوتا ہو،

انچہ استاد ازال گفت، بکن آن کر دم	می مسیوری مسی نہ پر دست من توست
ک من دل شد، این دن نجود می پویم	لغستہ ام دیار د گرے گویم
کا و فرمائی قدر تی کندا این من چہ کنم	ی ناصح و برور د کشاں خردہ گیر
تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم	غیرت کہ چینی می جمد از پر د غیب
قضا کی سماں است او دیگر گون نخواہ شد	سر نکور و یان ز سر بیرون نخواہ شد
ہر آن قسمت کر آن جاش کم وا فردون نخواہ شد	وز ازال کارے بجز ندی لغمودند
ما دل پیشودہ کہ دیکم، اخذتیا رجہ بیت؟	رو مسٹ ہر ووجہ از یک قبیله اند

در پس آئینہ طوی صفت و اشتمه اند
انچه اتا دا زل گفت همان نیکویم
دھ، کمال اور ترقی تکسی زمانه کے ساتھ مخصوص نہیں یہ غلط ہر کو عحر لیفان

بادہ خوردند و رقتند،

فیض روح القدس ارباذ مد فرماید
دیگران ہم کبند انچہ مسیحائی کرد
دھ، بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے وہ بات ہر شخص کو نعیب نہیں ہوتی
گوہر جام جم از طیعت خاکِ دگراست تو توقع زگل کوزہ گران میداری
فلسفہ اخلاق خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم، اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے

ان کا طرز عمل خود اُن کی زبان سے یہ ہے،

مباش در پی آزار و ہر چہ خواہی کن ک در شریعت ماغیر ازین گناہے نیست
ع فرض ایزو دگذا ریم و مکبیں بد نکنیم

ما ن گوئیم بد و میل بہ نا حق ن کنیم جامہ کس سیہ و دلت خود از رق ن کنیم
نہ صرف اچھوں بلکہ بروں کو بھی ہم برا کھنا پسند نہیں کرتے کیونکہ گوئپے کو برا کھنا چندان
مسئلہ نہیں پھر بھی براہی سے خالی نہیں اسیلے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے،
عیب درویش و تو نگار بکم و میش بدہست کار مصلحت آن است کہ مطلق نکنیم
ہم اپنے مکتبہ چینوں اور مخالفوں سے بھی ناراضی نہیں ہوتے اسیلے کہ اگر وہ حق کہتے ہیں

تو حق کے برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر غلط کہتے ہیں تو غلط بات کا کیا رنج،
حافظ ارجح خطا گفت نگیریم براد و رک حق گفت جدل باخون حق ن کنیم

ہماری مجلس عامہ ہر کسی کی تھیص نہیں جو چاہئے، ہم رکبے ساتھ یکسان بر تاؤ
ہیں داعظون اور زاہدون کی طرح ہمارا اخلاق دوست دکن عزیز و بیگانہ کافرو
ان کی تغیرت کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا،

خواہ گو بیا وہر کہ خواہ گو بر و گیر و دار حاجت در بانی رین در گاہ نیست
پیر خرا با قم کر لطفش دائم است در ناطع شیخ وزراہ گاہ ہستہ گاہ نیست
ہم کو صرف مدد و محبت سے کام ہو شکنی ہبغض، اور کیز بجرا طرز عمل نہیں،
ماقصہ سکندر و دار انخوانہ ایم از ما بجز حکایت ہنزو فاما پرس
خور یم دلماست کشیم و خوش باشیم کر د طریقت ما کافری است رنجیدن
بجو است جامی و گفت عیوب پوشیدن میکدہ گفتم کہ چیست راہ بخجات
فرائیں و رعبادات بہشت کے لائق سے نہیں کرنی چاہیں بلکہ اسلیے کرنی چاہیں کہ
لسانی یہیں بہشت بے شک معاوضہ میں ملگی لیکن تھار مطلع نظر یہ نہیں ہونا چاہیے
مدگی چو گدا یا ان بشرط مزد مکن ک خواہ خود روشن بندہ پروری داند
آن ملکیں سیمان ب پیغ فستانم کہ گاہ گاہ ہر او دوست اہر من باشد
مشهور ہر کہ حضرت سیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کی تاثیر سے تمام جن اور
ان ائکے تابع تھے، ایک فوہ ایک شیطان نے ہمکو سیطح اڑا لیا جحضرت سیمان کی سلطنت
مان شوکت سب جاتی رہی، یہاں تک کہ مچھلیاں بچکر زندگی رکرتے تھے، خواہ صاحب
یہیں کہ جن انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے، یہیں اسکو کوڑی کے مول بھی

نہیں خریدتا۔

گرچہ گرد آلو دن قرم شرم باو از هم تم
بخر من دو جهان سرفسر و نمی آزند
مالک عافیت نه پ بشکر گرفته ایم

لیاقت جب تک نه ہو بڑون کی برابری نہیں کرنا چاہیے،

تکیہ بر جائے بزرگان نتوان زو گیزافت
ذاتی لیاقت در کار ہے، خاندانی مشرف کافی نہیں،

تاج شاہی طلبی اگو ہر زادتی نہیں
و خود از گوہ جرجشید و فریدون باشی
تحصیل مقصد کے لیے کوشش در کار ہے،
در رہ منزل لیلے کہ خطر راست بجان
شرط اول قدم آن است که مجبون باشی
ترغیب عمل،

اے دل یہ کوی عشق گزاری نمی کنی
چو گان بدست داری و گوی نمی زنی
علم اور حظیں کی پرده دری اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہو کہ شاعر فطرت انانی کا نکتہ شناک از

جو عیسیٰ و میرزا یا ان کھلی گھلی ہوتی ہیں انکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دلیق، محضی، اور سبز
عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی، ایسے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینے
چاہتا ہو، اسکے لیے فطرت کا نکتہ شناس سہنا سب سے پہلی شرط ہو، اسکے ساتھ یہ بھی ضرور

بعتا اور دل آویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کیے جائیں تاکہ لوگونکو گران نہ گذریں
و دُنکو اُنکے سنتے میں لطفت آئے، مخفی اور وقیع عیوب جس قدر علام، عظیم اور زیاد
پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے، چنانچہ امام غزالی نے احیا العلوم میں
انہایت تفصیل سو لکھا ہے، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہدیثہ با اقتدار رہا ہوا سیئے انکے عیوب کا
برکنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اسکا جو مختصر اٹھایا، یہ تھا کہ انکی جان تک معرض
ہیں آگئی، اسیکے کسی کو ہستہ نہیں، شعراء میں سب سے پہلے خاتم نے یہ جو اتنے کی اسکے بعد
سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً

غافل از صوفیان شاہد باز	ب در تقاضے رندان است
کتاب پسخنہ گبو یہ کر صوفیان مستند	ن نمی ردد از خانقه کے ہشیار
کین گناہیت کر در شهر شما نیز کنند	ند سیل بخوان دل من خودہ گیر
لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجه صاحب نے اس فرض کو ادا کیا	کسی سے نہ رکنا،

چون بخلوت می رو ندان کار دیگری کنند	ظلان کیں جلوہ ب محابر ب مجری کنند
تو ب فرمایان چرا خود توہ کتر می کنند	طے دارم ز داشمند محفل باز پرس
کین ہمہ قلبی دغا در کار د او رمی کنند	بادا و نمی دار دندر دوز داو مے
بر در میکدہ باد ف دن ف ترسائے	قامت د دیتم چ خوش آمد کر جمیلگفت
و ای اگر در پس امر و ز بو د فرد ائے	ملہانی این است کہ حافظا دارو

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دفاتر جا کر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا
نام ہے جو حافظت میں پایا جاتا ہے تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آئیوا لا ہے، تو ہمارے
اس شحر کا پیرا یہ بیان بھی کس قدر بلیخ ہے، اول توجہ کہنا ہوا سکو ایک عیسائی کی
زبان سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ کر غیر وطن کو بھی ان بدعالمیوں پر
افسوں در جم آتا ہے گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس ذریعہ سے لوگ
زیادہ جی لگا کر سُستے تھے اور زیادہ تشویر ہوتی تھی اپنا نام لئیز سے علاوہ احتیاط کے مقصود
کہ دوسروں کا عیب کہتے تو انکو توجہ نہوتی،

رسے طریق مولویوں اور واعظوں میں سیا کاری کا ہوتا ہوا سلیمان نہایت لیری
سے انکی میرا بیان بیان کی ہیں،

گرچہ بدوا عظیم شہزاد نخن اسان نشود	تاریا در ز دوساوس هسلان نشور
یعنی گو داعظ کو یہ بات گران گذر گی، لیکن ہر یہ کہ جب تک هر یا کرتا ہے گا اسلام نین ہو گتا	
غلام سہت در دے کشان یک رنگم	ذآن گروه کے ارزق بیاس دل سیا ان
باوه نوشی کے درو پتھر زیاے نبو د	نیلا
من از پیرینان دیدم کرامت ہے مردا	بہتر از ز پفر دشی کے در دروی دیا است
می خور کے صد گناہ زاغیار در حجا ب	ک این دلق سیا ای رابه جامی در نمی گیرد
تر سکم کے صرف نہ بر دروز باز خواست	بہتر ز طاعت کے بہ روی دیا کنند
بیانی کده و چبرہ ارغوانی کن	نان حلال شخ ز آب حسرا م
	مرد پر صومعہ کان جاسیاہ کار اند
	خانقاہ

قدہارا بود آیا کہ عیارے گیرند تا ہم صومعہ داران پے کارے گئند
 بنی اگر سکے پر کھے جاتے تو سب خانقاہ نہیں اپنا اپنا راست لیتے،
 مولویون اور واعظوں کو ایکن ٹراکمال ہوتا ہے کہ تقدس کے پردہ میں اس طرح
 بائیان کرتے ہیں کہ کسی کو ان کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا، خواجہ صاحب نے اس
 لکھ کو اس لطیف پیرا یہیں ادا کیا ہے،

ست سو در حق او سلین گلان نداز لے دل طریق مسی از محتب بیا موز
 قصہ ما است که در کوچہ و باز اربان نرقہ پوشان ہگی مسی گذشتند و گذشت
 صوفیان داستند از گرد می ہمہ رخت دلق با بود که در خانہ خمار بساند
 یعنی صوفیوں نے اپنا خود شراب کی عومن میں رہن بھی کیا اور وہ اپس بھی لے لیا
 لیکو کا نون کا نہ خبر بھی نہیں، ہم رنڈیوں رسوا ہوئے کہ ہمارا خود رہن پڑا گیا،
 دشتم ولتے و صد عیب مرامی پوشید خود رہن سے مطری شدن زنار باند
 عیب چھپانے کی ایک ٹری گھری چال یہ ہو کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرنا ہو انتہائے
 تو نہایت سختی سے اپردار و گیر کر جائے، اس راز کو خواجہ صاحب اس طرح فاش
 کرتے ہیں،

بادہ با محتب شہر نوشی زنار ک خورد باتومی و سنگ بجام انداز
 یعنی محتب کے ساتھ بھی شراب نہیں، وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پیے گا اور تمہارا پیال
 بھی توڑ دیں گے،

مولویون اور واعظوں میں ریا کاری علاییہ نظر آتی ہے اور مذہبی گروہ بھی اسکے
 اثر سے خالی نہیں ہوتے، اس بنابر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،
 می خود کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب چون نیک بُنگری ہمہ تزویری می کنسند
 صوفیان جلد حلیف اند نظر بازوے زان ہمہ حافظا سو دا زدہ بد نام افتاد
 علما کے اوصاف و اخلاق پر خوب غور کرو، تو نظر آئیگا کہ عوام کی عقیدتمندی اور
 نیازمندی کی وجہ سے انہیں نہایت عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس وصف کو
 سیلے ترقی ہوتی جاتی ہے کہ اُنکو یہ باتیں مذہبی پیرا یہ میں نظر آتی ہیں وہ کسی کو بُرا کہتے
 ہیں تو سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف کی تعلیم ہے، سلاطین اور حکام کی دربار واری کرتے
 ہیں تو سمجھتے ہیں کہ حکام شرعی کے اجراء کے لیے اس کی ضرورت ہے، کسی سے ذاتی
 عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یعنی فلشد ہے، غرور اور فخر کرتے ہیں
 تو سمجھتے ہیں کہ عزت نفس ہے، اس بنابر تمام عیوب ہیں ہیں راشخ ہوئے جاتے ہیں خواجہ صاحب
 ان تمام عیوب کی نہایت بلیغ اور طیف پیرا یون میں پرده دری کرتے ہیں،
 اگر از پرده بروں شذل من عیب مکن شکر ایزد که نہ در پر د کہ پسند ار بکاند
 در راه ما شکستہ دلی می خرند، وبس بازار خود فردشی ازان راہ دیگر است
 یعنی ہمارے بازار میں صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اس کا راستہ
 دوسری طرف سے مکلا ہے،
 زاہ شهر چھر ملک و شخنه گزید من ہم ار مہنگا کے گز نیم چہ شود

مبنی جب زاہر نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو یہم بھی اگر کسی خوشنود سردار کا دل رکائیں تو کیا
رجح ہے؟ یعنی بادشاہ پرستی سے شاہزاد پرستی بہتر ہے،
نیب میں جملہ مخفی ہنسرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند اخفاق
علمائی کی عام حالت یہ ہو کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہیں کرتے بلکہ اگر
نس میں کوئی بڑائی کا پہلو ہو تو صرف اسی پر زور دیتے ہیں آجبل مفردی تعلیم قوم کے لیے
سقدر ضروری اور گویا شرعاً زندگی ہو۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ عوام اس سے دوشت
ہوتے ہیں کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہیں دے سکتا بلکہ سہیشہ اس کی خلافت کیجا تی ہے
خواجہ صاحب نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی کہ، وہ کہتے ہیں
”عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو، شراب میں فائدہ بھی ہو اونقصان ہی
اونقصان فائدہ سے زیادہ ہو۔ تاہم خدا نے قرآن مجید میں فرمایا فیهم الاعم کبیر و منافع
ناس و ائمہ اکبر میں نفعہما یعنی قمار اور شراب میں فائدہ بھی ہیں اونقصان بھی“
لیکن نقصان زیادہ ہے، جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بُری ہی ہے
ہے، اسکے فائدہ دن کو چھپانا نہیں چاہا، البتہ یہ بتا دیا کہ فائدہ سے نقصان زیادہ
ہے، اور اسلیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر
باہر ہو سکتا ہے،

خواجہ صاحب نے اس بات کو جا بجا نہایت بلیغ اور لطیف پریلوں میں ادا کیا ہے
دو پریلوں اور داعظونکی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں اسکو درگاہ آئی میں

مقبول ہونے کے قابل نہیں

در می خانہ بہبتد خدا یا پسند
 کہ در خانہ تزویر و ریا بخشائیں
 نان حلال شیخ ز آب حرام ما
 تر سکم ک صرف ذہب در دوز باز خواست
 این خرقہ ک من دارم در ہن شراب اولی
 دین دفتر بے معنی غرق نے نابادی
 روزمرہ معاورہ خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہو کہ اسکے ہاں
 کلام میں روزمرہ اور مجاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں جو الفاظ اور ترتیبیں
 رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہی، عمر ماؤ ہی پہوتے
 ہیں جو صحیح، سلیمانی، نرم اور روشن ہوں، اور اگر ان میں کسی قدر کمی ہوتی ہو تو وہ روزمرہ
 کے استعمال سے بخلجا تی ہو، کیونکہ رات دن سُنّتہ سُنّتہ وہ الفاظ کا نولن کو مانوس
 ہو جاتے ہیں، مجاورات کا بھی یہی حال ہی، معاورہ اس سوقت بتاہے جب ایک گروہ کا
 گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی میں استعمال کرتا ہی، اس لیے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح
 سلیمانی اور روشن ہو، ورنہ تجاویز عام میں نہیں آ سکتا،

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان میں مفرد الفاظ اپنی
 اور زبانوں کے نہایت کم ہیں اس کمی کی تلافی زبان نے مجاورات اور مصلحتیات سے
 کی، شاعری کے لیے زبان پر قدرت تمام حاصل ہونا بے ضروری شرط ہی، خواجہ صاحب
 کی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہو کہ انہوں نے جس قدر مجاورات اور مصلحتیات
 بر تے، فارسی شرعاً میں سے غالباً کسی نے نہیں بر تے اور یہ اُن کی قادر الکلامی کی

ایک بڑی دلیل ہے،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات کے لیے نہیں ہے، لیکن
مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

نام حلال شیخ زادہ حسرا مام	ترسم کے صرف نہ بر دروز باز خواست
پہ بین تفاوت رہ از کیاست تا به کجا	قیامت صلاح کار کجبا و من خراب کجا
کین جا ہمیشہ باد بست است دام را	عنقا شکار کس نہ شود دام پا زھین
خدمت از ما بر سان مرغوگل دریجان را	اے صبا اگر ب جوانان حسمن باز رسی
در سر کار خرابات کنسندا یان را	ترسم آن قوم کے بر در کشاں می خواند
مرا قاتا وہ دل ان رکفت تراچه اقتا وہ است	برو پہ کار خود ای واعظاً این چیز فریاد است
لا جرم تمہت مردان دو عالم با ا وست	روی خوب است و کالا نہ نزد آن پاک
در نہ تشریف تو بر بالائی کس کوتا نیست	ہر چیز ہے از قامت ناساز بے انداز هاست
در نہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست گاہ نیست	بندہ پیر خرابا تم کے لطفش دائم است
ہنگامہ باز چید و در گفت گو یہ بست	داننا چودید بازی این چرخ حقہ باز
با زار خود فروشی ازان را و گیر است	در راه مانگستہ دلی می خزند و بس

لئے جو محاورات ان اشعار میں آئے ہیں اُنکے معنی ہم کم جاتی تکددیتے ہیں

تمہرے بدن کی بڑی لیجانا، دائم باز چین جان کو کیست لینا، باد بست بودن کچھ بات نہ آنا، خیرت سلام و در سر کار چیز کردن،
مرد کی دنیا یا الگ دنیا، تراپہ اقتا وہ است اقم کو کیا بڑی ہیت اوجاد برہر دی، بے اذام، بے دل ازان را و دیگر است یعنی اسکا داد

بانگ چنگ خورمی کوختسب تیز است
 از غیرت صبا نفس شد در دهان گرفت
 دوران چون نقطه عاقبتهم در میان گرفت
 عارف به جام می زواد غم کران گرفت
 غیره چکونه نکته تو زند بران گرفت
 در عرصه خیال که آمد کدام رفت
 سخت خوبی است ولیکن قدیمی بتر ازین
 هواست آن قد و با لایگرفت است
 زهر درمی دهم پندش ولیکن رمی گیرد
 بر وکیل عظیب معنی صرا در رسنی گیرد
 زبان آشیتم هست ولیکن در نی گیرد
 کسر تایا حافظ را چادر زرنی گیرد
 بازی چرخ ازین یکدوس کاری یکند
 تا همه صومعه داران پے کاری گیرند

اگرچه با ده فرح بخش و با دلگیز است
 می خواست گل کرد م زندگانی دوست
 آسوده بر کنار پر کار می شدم
 فرصت نگر که فتنه در عالم افتاد
 حافظا پوآب لطف نظم تو می چکید
 نستم کن آن چنان که نداشم زین خودی
 در حق من بست آن لطف که می فرماید
 همان که هم تم عمر است کز جسان
 دلم جز همراه دیان طریق بر نی گیرد
 شخ و پشته بین خوبی تو گوئی دل زو گیر
 میان گریمی خدم کر چون شمع اندرین چلبر
 بدین شعر تو دشیر سن ز شاهنشه عجب ب ادم
 یا وفا یا خبر و صل تو یا مرگ رقیب
 نقدر البو دایا که عیار سے گیرند

تیز جبال از غصه و راثم زدن دعوی کرنا افسش در دهان گرفتن، دم گلن در دیان گرفتن گمیر لینا، زدن، کسی چیز پر ثوت کر گز نداشت

نکته گرفتن، اعزام کرنا همچو اگر فتن، همراه می ازنا، اذگر گرفتن، اذگر کرنا، یا لگ جانا، در زر گرفتن، سوئی میں تلوادینا
 پلچه کارے گرفتن، کسی کام کے تیغچه پر نام لیکن ایسے متذوون پر اپناراست لینا، کے منتهی میں آتایه،

خر قرق پستان یگی مست گذشت و گذشت
 سطع عشق عجب ساز و نوای دارد
 از راه نظر مرغ دلم گشت ہوا گیه
 بس تحریر کردیم درین دیر مکافات
 چهستی است ندائم که رو به ما آورد
 رسیدن گل و نسرین پر نیرو نوبی با داد
 ازویده خون دل ہمہ بر روی مارود
 من و اکار شراب این چه حکایت باشد
 آن شدای خواجه که در صوفه بازم بینی
 طل گرام ده اے مرید خرا بات
 شراب و عیش نهان چیست کا بے بنیاد
 یارب بوقت گل گند بند و غفوک
 حاشا که من بہ موکم گل ترک می کنم
 ای گل عرصه سیر غ ن جو لانگ تست

گذشت، گئی گذری بات ہوئی، راه بیایی دارد، اصول اور قادره کیوں فت ہو، در افتادن بمحنا، صفا اور دنیو و قدم کے
 وقت کھجوریں، چاڑو، کیسے گزیگی، شادی شجی اینے اُنکے آن زہیں، بغلان بخشیدن، اُنکے صدقین رحمت کے

برداشت، کسی کو ستانا،

در د من در ان بلان هر ہا مل نوشند قتل این قوم خطابا شد، با ان تازه کنی
 اکثر حاویے ایسے ہیں جو صرف بول چال اور بے تکلفی میں استعمال ہوتے ہیں اہل قلم
 یہ سمجھ کر کوہ متانت کے خلاف ہیں، تعینیفات میں استعمال نہیں کرتے، مثلاً اگر دو دین یہ
 محاورات "جا و بھی رہنے بھی دیجیا، دیکھ لیا"، وغيرہ وغيرہ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں
 لیکن ناسخ، خواجہ درود، سودا وغیرہ ان کو نظم متانت کے خلاف سمجھتے ہیں، لیکن اس سے
 زبان کی وسعت کھلتی ہے، اس لیے جن شعر اکوز بان کا خیال زیادہ ہو، مثلاً داع وغیرہ
 ڈھونڈ ڈھونڈ کر یہ تمام محاورات لاتے ہیں، فارسی میں روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب
 نے وسعت دی، اسکے کلام میں ایسے بہتے محاورات میں گے جو کسی اور کے کلام میں
 نہیں مل سکتے، یہاں تک کہ بول چال کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے
 لے لیے ہیں جو خاص لمحہ کے محتاج ہیں اور بغیر اس لمحہ کے سمجھ میں نہیں آ سکتے، مثلاً
 ناصح گفت کہ جزو غم چہ ہزار و عشق گفت اسی خواجہ غافل اہنر بہتر ازین
 بہتر بہتر ازین، کو ایک خاص لمحہ سے پڑھنا چاہیے، جس سے استفہام کے معنی پیدا
 ہوں یعنی کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور بہتر ہوگا، یا مثلاً یہ شعر

کنار و بوسرہ دو صلش چکو میم چون خواہ شد!

یعنی جب یہ ہونا نہیں ہو تو اسکا ذکر کیا کر دن، اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں،
 خوش نوالی صاحب وق صاف محسوس کرتا ہے، کہ خواجہ صاحب کے کلام میں یہ خاص قسم

لہ ان تازہ کنی، دیکھو اس کبھی نکرنا،

خوش گواری پائی جاتی ہے، شاعری میں موسیقی بھی شامل ہو، ایسے جو شعر موسیقی اور
دش نوائی سے الگ ہو گا شاعری کے رتبہ سے گھٹا ہو گا، خواجہ صاحب کے کلام میں:
مخفف مختلف اباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزوں کی بھرپور ایسی رکھتے ہیں جو موسیقی
سے مناسبت رکھتی ہیں، شعروں کے ارکان اور ان کے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جتنا
درسم کا کام دیتے ہیں، اس غرض کے لیے اکثر ہموزن الفاظ کا پے در پے آنا مرد
بیتا ہو، اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان آکر ٹوٹی ہی مثلاً،

پر درست روشن نہ خون نہ طرب سرود خوش	کہ دست افغان غزل فخر نیم و پا کو بان بر زندایم	بیکن داوری ہارا بیشی داوراندازیم	کے از کفر می لاغر دگر طامات می با فد
کر غم شکر انگیزد که خون عاشقان ریزد	من ساقی بھم سازیم و بنیادش بر زندایم	شراب رغوانی را گلاب بند قدر ریز م	سرور دان من چرامیل و ملن نیکند
در دم از یارست و درمان نیز زهم	نیکم عطر گردان راشک در مجراندازیم	ہدم گل نی شود، یا دو ملن نی کند	دل فداء او شد و جان نیز زهم
گرز دست زلت شکینت خطای نیت فت	ہدم گل نی شود، یا دو ملن نی کند	وزہندوی شا برسن جفا می رفت رفت	ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہو، قدما کے کلام میں صنائع لفظی یعنی
صنعت اتفاق، ترجیح، ایمام نایت کثرت سے پائے جاتے ہیں مرا عات النظیر کو	وزہندوی شا برسن جفا می رفت رفت	زمانہ تک ٹپے زدروشور سے باری رہی، ان صنعتوں کو عموماً شرعاً محض صنعت	دست افغان غزل فخر نیم و پا کو بان بر زندایم

کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اسکا التزام دقت فرنی ہزار دقت افرنی
ایک سماں کی بات ہو، اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نسبت کے، چنانچہ مراعات انظیر
اور ایمام و طباق اُن کے ہان بھی جا بجا پائے جاتے ہیں، مثلاً،

تادل ہر زہ گرد من نفت چین زلفاد	ذان سفر دراز خود قصد دطن نخی کند
سخا نما ند سخن طے کنم خراب کجا است	پدہ بہ شادی رفع ردا ان حاتم طے

ع نان حلال شخ ز آب حرام ما،

لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر ان لفظی صنعتوں کو لیا ہے جن سی خوش آہنگی اور خوش نوائی
پیدا ہوتی ہے مثلاً،

این کہ می گویند آن بتر جس	یا بـ ما این دار دنـ آن نیز ہم
اس شعر میں این و آن کا جو مقابلہ ہو اسکو ایک سلطی انتہر یہ خیال کریا کہ مراعات انظیر یا	
صنعت اخذا ہے لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی آواز کا تناسب	
ایسا ہر جو خود بخود کا نون کو خوش معلوم ہوتا ہے اور موسیقی کی حیثیت سے دکھیں تو گویا	
گیست کے اجزا ہیں، مثلاً،	

قاد دحضرت سلمے کر سلامت بادا	چہ شود گر بـ سلامے دل ما شاد کند
اس میں سلمی سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں اس کو عام آدمی کو صنعت	
اشتعاق کا خیال پیدا ہو گا، لیکن اصل میں یہ تناسب لفاظ اذرا اور اسے فاصلہ پـ بـ بـ اـ اـ کـ	
کـ اـ نـ کـو خـوش آـ مـنـ مـعـلـومـ ہـوـتـےـ ہـیـنـ،ـ یـاـ مـثـلاـ،ـ	

اے صبا گر، جوانان چمن باز رسی خدمت از ما برسان مسدود گل فریجان بر
 اس شعر مین سرد و گل و ریحان جو الفاظ آئے ہیں، عام لوگوں سکانا نام مطلعات انظیر
 انحصار عداؤ دغیرہ رکھیں گے لیکن اس شعر کی بھرا دراسیں خاص ان مnasib لازم
 ظاکا اخیر مین آنا ایک خوش نوائی پیدا کرتا ہے جو دسری صورت میں مکن سمجھی جانا کرہ
 نہ تھا کہ صفتیں باقی رہیں،

خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں اس قسم کی صفتیں نظر آئیں غورستے دیکھو تو اسیں
 عمل خوش نوائی اور خوش آہنگی کا وصفت بمحیط ہوتا ہے، ملاحظہ ہووا

ہادے نیست برو و رجب ان بلکہ برگردان گردان نشیں نہیں
 ابھر دوسرے زلبش جان ہمی دہم اینیم نمی ستاند و آخر نمی دھم
 چشم و ابروی تو زیما ذر و بالا ی تو خوش ،

اساتی می باقی کرد جنت خواہی یافت کنار آبہ رکنا باد و گلشتہ مسلا را
 در زہند وی شما بمن جفا ی غیبتی رفت

عشق از خدمن شمیز پوشی سوخت سوخت
 دلم از غمزہ دلدار تا بے برد برد و در میان جانی جانان ماجرے فرست ارفت

غور کرداں اشعار مین جہاں جہاں مکر الفاظ آئے ہیں کس تعدد کا نکون خوش معلوم ہے
 ظاہر ہیں ایک صفت تکڑا کھدیجا لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکر ناکوئی لطف پیدا
 ناہے ،

کار و ان فت تو در خواب بیا بان در پیش
کے روی ہ رہ ز کہ پسی چھتی چون لاشی
مصرع اخیر تین تم کو خیال ہو گا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہو کہ پے در پے سولات آئے ہیں
جس کی صفت اتفاقاً مام پیدا ہو گئی ہو لیکن اس کو قطع نظر کر کے دیکھو یہ الفاظ کا سطح کافی نہ کر
ایک خاص مناسب کھٹکائیتے ہیں اور خوش آئند معاوم ہوتے ہیں،
خدا رحمی اسے منعم کہ درویش سر کوست
دے دیگر نمی داند، رہ دیگر نمی گیرد
بندش کی چھتی بندش کی چھتی ایک وجہ اپنی چیز ہوا س کی تعریف اور تحدید نہیں ہو سکتی
لیکن مذاق صحیح انسانی سے اسکو احساس کرتا ہو، مثلاً ان شعائر میں با وجود اتحاد صنفون اور
الفاظ کے بندش کی چھتی کا جو فرق ہو، ہر شخص محسوس کر سکتا ہو،

سلیم مشاطر اجال تو دیوانہ می کشد	کائینہ اخیال پری خانہ می کند
صاحب دل رانگاہ گرم تو دیوانہ می کشد	آئینہ رارخ تو پری خانہ می کند
غنى ہر کس کو دیدر دی تو دیوانہ می شود	آئینہ از رخ تو پری خانہ می شود
صاحب سر خپڑہ حیات اسب می چکان اوست	عمر دبارہ سایہ سر در وان اوست
فطرت عیش ابد بکام دل درد من ترست	عمر دبارہ سایہ سر د بلند ترست
صاحب ہمیشہ صاحب طول مل غین باشد	کہ چین بقدر بلندی در آتین باشد
بیدل دستگاہت ہر قدر بیش است کلفت بیشتر	در خود طول است چین جا کر دارو آئین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انہوں نے متعدد موقع پر تصریح کی ہو، سلطان اور خواجو
کی غزوہ پر غزلیں لکھتے ہیں ان غزوہ نکے مقابلہ کرنے سے بندش کے زور اور چھتی کا فرق

و ف نظر آ جاتا ہے،

سلمان

حافظ

ہمان مهر تو ام ملوش جان است کر بود
گوہر مخزن اسرار ہمان است کر بود
پیان ذکر تو ام در دن بان است کر بود
حلقہ مهر بدان مهر و نشان است کر بود
مولس جان کے قافیہ کے جواب میں خواجہ صاحب کا شعر ہے،
ز صبا پرس کر ما را ہمہ شب تا دم صبح

سلمان

حافظ

عاشقان بندہ ارباب امانت باشند
نوقم افزون شد و آلام کم و صبر نامند
در فراق تو دلے عهد ہمان است کر بود
لا جرم حشم گھر بار ہمان است کر بود
اس شعر میں سلمان کی بندش کی گستاخی صفات ظاہر ہیں در فراق تو، کام موقع پلے
معصر کے ابتدا میں ہزو بان سوانگ ہو کر قلے کے ساتھ اسکی ترکیب لکل بے مزہ ہو گئی ہے،

سلمان

حافظ

طالب لعل و گھر نیت و گرنہ خورشید
کے بود کے کہ گیو سیند سرا سرا غیار
کفلان یا رہمان یا رفلان است کر بود
ہچنان داعل معدن کان است کر بود
در اذل عکس مجی لعل تو در جام افتاد
عکس روی توجو در آئینہ جام افتاد
عاشق سوخته دل در طبع خام افتاد
جام کے قافیہ میں حافظ کے اور اشعار ملا حظہ ہوں،

آئیں شہزادی خواجہ کہ دعویٰ معاہد بازمیں

حافظ

صوفیان جملہ حریف اندھنظر باز و سے

زان میان حافظ سودا زدہ بنام افتاد

درخشم زلف تو آرخیت دل از جاہ زنخ

آدم آذن پے دانہ و در دام افتاد

ان اخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چیتی کا معنویم تم کو علامینہ واضح

ہو جائیگا، سلمان کا شرعاً گرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزون ہو، چہرہ کو دام سے کوئی

مناسبت نہیں بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقون کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ

عام سلطہ تشبیہ ہے، لیکن سلمان کے شعر میں بندش کی وجہتی ہے، خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں

صریح آدم آمد زپے دانہ و در دام افتاد، آدم، دانہ، دام، یہ الفاظ ایسی ترتیب اور

غوبیورتی اور روانی سے جمع ہو گئے ہیں کہ صرع میں نہایت برجستگی پیدا ہو گئی ہے،

خواجہ صاحب کا صرع بچس پھسا ہے، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے صرع کو بالکل کم وزن

سلمان

عشق پرست عشا ق تفاذل می کرد

اویس شریع کہ زد بر سر بنام افتاد

خال شکن تو در عارض گندم گون دید

آدم آذن پے دانہ و در دام افتاد

کر دیا ہے،

حافظ

سلمان

آن کہ از سبل او غالیت تابے دارو

باز بادل شد گان ناز و عتابے دارو

دام زلف تو بہر حلقة طناسبے دارو

پشم نہست تو بہر گوشہ خرا بے دارو

سلطان

حافظا

چشم من کرد بگو شد روان سیل سر شک
 تا سکی سر و ترا تازه به آبے دارد
 ما ه خوشید نایش زلپ پرده ززلعف
 آقتابے است که در پیش صحابے دارد
 شاہزاد نیست که موسے دمیانه دارد
 بندۀ طلعت آن باش که آنے دارد

ان مقابلون سے بندش کی حیتی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تھاری بمحین آگیا ہو کا
 بخواجہ صاحب کے اشارہ زیل کو اس نظر سے دیکھو،

وان پیرسا نخوردہ جوانی نہ سرگرفت
 وان لطف کرد و دست که شکن خدرگرفت
 گوئی کہ پسہ تو خن در شکر گرفت
 او خود گذر ملن چون سیم سحر نہ کرد
 وان شیخ دیده بین کہ سر ز خواب بر نکرد
 کوتاء کرد قصہ ز ہدرا ز من

ذخیران آئینہ صد گونه مت اشامی کرد
 گفت آن روز کہ این گنبد میا می کرد

دن پشم من ازان رنجست که تاظن نبرم
 برش مردم صاحب نظر آبے دارد
 دن زلف تو سر شاه جان من دشمع
 ریک ازا تشن رخسار تو تابے دارد
 ان کر زابرو دغره تیرد کمانے دارد
 چشم ہا کرده سیمه قصد جانے دارد

ان شمع سرگرفتہ دگر چہرہ بر فردخت
 ن عشوہ داد عشق که مفتی زرہ بر فرت
 ناز زان عبارت شیرین و دل فریب
 ن ایتاده تا کنش جان فدا چوشمع
 ای دماغ دوش ن خفت از فنا من
 بالا بلند عشوہ گر سر و ناز من

در ش خرم و خداں قبح باده برسست
 قم این حاسم بجان بین بت کے داد حکیم

نافیں سیخ می خم پر خم اندر زدہ باز
بخت من شوریدہ بھم بر زدہ باز
بُشیشہ صبر م زدہ سنگ دلکن
ہمارے نزدیک حسن کلام کا ٹپا جو ہر ہی حسن بندش ہے۔

جا حظ کا قول ہر کہ مضمون بازار یون تک کو سوچتے ہیں جو کچھ فرق اور تباہ ہو،
لطف ادا اور بندش کا ہو، سیکڑ دن مثالیں موجود ہیں کہ ایک مضمون کسی شاعرنے بازدھا
بعینہ وہی مضمون دوسرے نے بازدھا، الفاظ اتک اکثر مشترک ہیں لیکن انطalon کے اُٹ
پلت اور ترتیب سے وہی مضمون کہان سے کہاں پہنچلیا،
غونجی ذرا فافت خواجہ صاحب کے کلام میں جابجا غونجی اور ظرافت بھی ہو لیکن نہایت طیف
اور نازک ہو، شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں لیکن زیاد کھل جاتے ہیں خواجہ صاحب
کی شونجی طبع کی طرفت دیکھو،

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خواند توں مانیزہ میں است کہ ادامہ نہیں
یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کتے ہیں، اسقدر تو ہا کو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں ہو،
رباتی فرشتہ ہے! یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا،
پکوئی حی فرد شانش بہ جائے درنی گیرند زہی سجادہ تقوی کہ کیک ساغر نمی ارزد
گر ز مسجد بہ خرابات شدم عیب مگیر م مجلس وعظ دراز است ذرمان خواہد شد
یعنی میں اگر مسجد سے اٹھ کر بشراب خانہ میں چلا گیا تو اعتراف کی کیا بات ہو، وعظ تو
ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، میں پی کے چلا آؤں گا،

کی مضمون کو قائم نے اُردو میں ادا کیا ہے،

مجلسِ دعاظا تو تادیر رہی گی قائم
یہ ہر بخانہ بھی پی کے چلائے ہیں

حافظا

محتب خم شکست ہے بندہ سر شن سن بالسن دا بحروح قصاص

فرزان مجید ہیں قصاص کی آیت ہیں مذکور ہی کہ زخم کا بدلا نہم ہی، مثلاً اگر کوئی کیسا کادانت
وڑڑا لے تو اسکا بھی دانت توڑ دلا جائیگا،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محتب نے خم شراب کو توڑ دلا لاتھا، میں نے قصاص کے

بلکم کے موافق اسکا سر توڑ دیا،

پرم رو ضمہ رضوان بد و گندم پر فرخت ناخلفت باشم اگر من یہ جوی نفر و شم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیوں کے بدہ میں بیچٹا لاتھا، میں اگر ایک

دکے بدہ میں نہیچوں تو ناخلفت ہوں،

نی انکار شراب! این چہ حکایت باشد غالباً این قدر م عقل کفایت باشد

میں اور شراب کا انکار! اب غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہے یعنی یہ بھروسہ ہوں کہ شراب

چھڑنا محبکو زیبائن ہیں، اس سے زیادہ عاقل و در در اندریں ہونا محبکو ضرور نہیں،

من زبے علی در جہاں معلوم دیں ملامت علامہم ز علم بے عل است

میں بیکاری سے زیعنی شراب بے غیرہ کا مشتملہ نہیں ہوں گا دل گرفتہ ہوں بے عل ہونا بُرا ہو

یہی عالم بے عل بھی اچھا نہیں ہوتا،

لقد سے کہ بود مرا صرف با وہ مشد قلب ساہ بود، جسے حرام رفت
قلب دل کو بھی سکتے ہیں اور کھوٹے سکے کو بھی، اس بنا پر کہتے ہیں کہ میر قلب اگر

شراب میں صرف ہوا تو ہونا ہی چاہئے تمازجِ ماںِ حرام بود بجاے حرام رفت،
مسلسل مصنایں اپنی ای غزلِ گری کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خیال کو سلسلہ نہیں ظاہر کر سکتے، ہر غزلِ متفق و اور مختلف بلکہ مذاقفن مصنایں کا مجموعہ ہوتی ہے غزل کے
جو مہارت مصنایں ہیں مثلاً حسنِ عشق ہمارا پاے معشوق، دصل ہجرا ہزار دن دفعہ بندھتے ہیں
لیکن ایں سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل و تفصیلی بیان کہیں نہیں مل سکتا، اگرچہ
حقیقت میں یاد چداں اعتراض کی بات نہیں، مسلسل خیالات کے لیے عنوی کی صفت متعین
کر دی گئی ہے، قصائد اور قطبیات کو گھنی یہ کام لیا جاتا ہے، غزل اس ضرورت کے لیے خاص
کر دی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل میں آتے رہتی ہیں اضافی نہ جانے
پائیں اس صفت کی وجہ نہیں تادرا الکامی درکار ہے، یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہے، لیکن وہ
کسی خیال کو دوچار شروع سے کم میں نہیں ادا کر سکتے بخلاف اسکو ہم سے خزانہ صرف چھوٹی
چھوٹی باتیں بلکہ ہمایستاد سچ اور ٹپے مصنایں کو بھی ایک شعر میں ادا کر دیتے ہیں جو احتمال کی
وجہ سے فرماز بانو پر ٹھہر جاتے ہیں تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مصنایں لیکر پہنچتے
ہیں جو نہ استثنے پر ٹھہر جاتے ہیں کہ اسکے لیے عنوی یا اصطلاح کی وعست درکار ہے اس خطر کے
ایک دو شعروں میں سما جائیں، اسیلے اس قسم کے مصنایں کو یہ غزلیں ہی مناسب ہیں اس صفت
میں ضرور ہے کہ غزل مسلسل ہے، پری غزل یا غزل کے متفق و اشتراک ایک بھی مضمون کے لیے

خاص کر دئی جائیں اس قسم کی غزل کا روایج اگرچہ عام نہیں ہوتا ہم جستہ جستہ پائے
باتے ہیں اور سبک پلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی ان کی اکثر غزوں میں ایک
خاص خیال یا ایک خاص سماں دکھایا گیا ہے، اس قسم کی چند غزوں کے مطلع ہم
عقل کرتے ہیں،

دوش وقت سحر از غصہ سجا تم دادند
و ندران نظمت شب آب جاتم دادند
گرہ از کار فرو بستہ ما بکشايند
امداد ان کر په خلوت گہ کارخ ایداع
شمع خادر لکنند بر تہہ اطراف شعاع
ی پیک پی خجستہ پی نامی فردیت لک
هز ز دست زلف منشکینت خطای رفت فرت
دنون که در چین آمدگلی از عدم بوجود
بنفسہ در قدم او نہاد سسر بسجد و
بھار کے ذکر میں ہے)

یاد باد ان کر نہانت نظری بابود
رقم مرتو بر چہرہ ما پسید بود
پرستی غزل میں پلی و پیسوں کو یاد دلایا ہے، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے
خوش اشیار زو وضع پی مشارش
خداوند انگهدار از ز واش

(شیراز کی تعریف میں ہے)

یک صبح سعادت باران نشان ک تو دانی
خبر پکوئی فلاں بر باران زمان ک تو دانی
(فاصد سے پیغام کہا ہے)

اکنہیں فرلویدی

بادپ کا نام محمود ہے، قوم کے ترک تھو، اور قرگستان وطن تھا، سلطان محمد خدا بندہ
 کے زمانہ میں خراسان میں آئے اور فرلویدی میں جو ایک قصبه کا نام ہے قیام اختیار کیا، یہاں
 زمین اور جائیدادیں خریدیں یہ الجایتو سلطان کا عہد حکومت تھا، اور علاء الدین محمد وزیر سلطنت
 تھے، علاء الدین نے انکی نہایت قدر دانی کی، شمر کرتے تھے یہ رباعی ان کی امنا ز کلام
 کا نمونہ ہے،

دارم ز عتابِ فلک بِ قلمون	وزگردش روزگار خوش و رددان
چشمے چوکنارہ صراحی ہمہ اشک	جانے چو میا کپیا لہ ہمہ خون
اکنہیں فرلویدیں پیدا ہوئے، باپ نے شاعری کی تعلیم دی، اکثر جن طرحون پر خود کتھے	تھے بیٹی سے بھی کھلاتے تھے، چنانچہ اور پر کی رباعی پران کی رباعی بھی ہوئی
دارم ز جفا می فلک، آئینہ گون	پڑاہ دلے کرنگا زوگردخون
روزے بہزاد غم پہشب، روز آرم	تا خود فلک از پرده چہ آردو یورن
ابتداء میں سر بدار دن کی راجی کرتے تھے،	

بالآخر فرق و قناعت اختیار کئی اور شاہی تعلقات سکون رکش ہو گئی، تھوڑی سی زمین
حصہ میں تھی اس کی کاشتکاری سے زندگی بسرا کرتے تھے، جادی اثنانی ^{۴۹} شہر میں
قات پائی، مرتبے وقت یہ رباعی لکھی تھی،

بنگر کر دل ابن میں پر خون شد
باپیک اجل غمزہ زناں پر ووت
لام آنکا دیوان سر بردارون کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا، علام علی آزادی بھینا میں لکھتے
ہیں کہ میں نے انکا دیوان دال کی روایت تک دیکھا ہو، لیکن یہ غالباً قطعات کا دیوان
ہو گا، تذکرہ دل سے معلوم ہوتا ہو کہ ابتدائیں وہ غزل اور قصائد سب کچھ کرتے تھے،
یہ بھینا میں ان کی غزل کے بعض اشعار نقل کیے ہیں

مانزا زد فاش میں مردمان راز مردا
مردہ اسے دیدہ ہر دم اشک غماز مردا
پر آن مشوق طرح آشنا لی است
خود بیگانہ بودن در رہ عشق
بادہ پر شور نشد تا کہ پرستان نہ رشد
خش تا دل آمدہ در آمدہ نمود
ان اشعار کو اگرچہ اندازہ ہو سکتا ہو کہ وہ غزل میں کم مایہ نہیں بلکن کاخا صنگ
اخلاصی شاعری اور ایک بھی قناعت اور خود داری ان کا خاص حصہ ہو، ان مضمایں کو
انے بہتر جنک کریں ادا نہ کر سکا، اور چونکہ ان کا غالی حال کی تصویر ہو، اسیلے ایک خاص
اثر رکھتا ہو جو شخص کے کلام میں پیدا نہیں ہو سکتا،

لہ تمام حالات یہ بھینا سے اور تذکرہ دولت شاہ سے یہی گئی ہیں

دو قرص نان، اگر از گندم است یا از جو
که کس نگوید ازین جا بخیزد آبخار و
زفتر ملکت کے قباد و گئ خرد
ہزار بار فرزون تر ہے نزدان یعنی

اگر دو گاہ بدرست آور سی و مزرعہ
بدان قدر چوکفا ف معاش تو نہ شود
کمر بہندی و بر صرد کے سلام کنی
ہزار بار ازان پر کہ از پے خدمت

ن دیوانہ کر دروزے سوال
کہ چون بیسی نی این سلطنت کی پر
چہ خوش گفت دیوانہ اور اجابر
پر رہتے آہن سر د کفت
حضرت داؤ د زرد بنا یا کرتے تھے، اور حضرت سیلان کی نسبت مشورہ ہے کہ
اُن کا تخت ہوا پر چلتا تھا، فارسی میں آہن سر د کو فتن، اور باد پیو دن کے معنے بیکار
کام کرنے کے ہیں دیوانہ نے حضرت داؤ د کے زرہ بمانے اور حضرت سیلان کے تخت
ہوا پر چلنے کو آہن سر د کو فتن اور باد پیو دن سے تعبیر کیا ہے،
مرد آزادہ در میان گروہ گرچہ خوش گوی دعا قل د دانا است

که از ایشان به مالش استغنا است
گرچه در علم ابوعلی سینا است

مختدم ام چه تو اند بود
دان که محتاج خلق شد خوار است

برون دوید و همی زد هرا نچه آمدیش
بزد په سنگ دو صد نیش تا بگرد و ریش
که ضرب نیش تو مارانه کم کند و نمیش
نه پدید کند برکه هست جو هر خوش

شنیده ام که یک عقربے ز خانه خوش
به پیش آمدیگه عظیم و بس منکر
ز سنگ نعروه برآمد که خوش رنج مدار
جداب دادش و لفتش که راست می گوئی

شاعری نیت پیشه که ازان
رسدت نان دنیز تره به دروغ
اجرته خواستن برای دروغ
داقی زان بود کار شاعران بے نور
فناعت اور قول کے ساتھ یا نکتہ همی این میں کے ذہن نشین ہو کر زرسکے بغیر طینان
میں حاصل ہوتا، چنانچہ فرمائے ہیں،

سیرت خوب و صورت نیک است
مگر نجت رسانید از دوست
زد که اسباب شاد کامی ازوست
نمیز پنجه ز حسرتی دار پوست

لام را گفتم اے پرسی پیکر
است گو این سیه ولی از حبیت
نمیز اک من محارم زر
نچه را میں که حسره دارد

کبھی کبھی فلسفہ کاہ جاتے ہیں،

ز دم از کتم عدم خیمه ہ سحراء وجود

بعد از اغم کشش نفس ہ حیوانی برد

بعد از ای در صدق پینہ انسان ہ صفا

پاملاک پس ازان صومعہ قدسی را

بعد از ای ه سوی او بر دم و چون ابن سین

از جانے ہ نباتے سفرے کر دم و رفت

چون رسیدم بوی از دی گزے کر دم و رفت

قطراء، هستی خود را گھرے کر دم و رفت

گرد گشتم و نیکو نظرے کر دم و رفت

ہمہ او گشتم و ترک دگرے کر دم و رفت

شہزادہ

حصہ سوم

فغانی سے ابوطالب کلینک

مادہ تاریخ آغاز و تصنیف

منذکرہ

تاریخ عجم

۱۳۲۵ھ

۱۹۴۷ء

مصنف

مشبل لعماں

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب دی

طبع معارف علم کلیہ مطبع ہوئی

طبع سوم ۱۹۲۶ء

فہرست درجہ میں

نمبر	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	عرفی	۱	فارسی شاعری کا دور آخر،
۸۵	ابوالفتح کے دربار میں رسائی،	۲	تیموری دور میں شاعری،
۸۶	خانخانان اور عرفی،	۱۹	اس دور کی خصوصیتیں،
۸۹	جهانگیر کے دربار میں رسائی،	۲۶	فقائی شیخزادی
۹۱	وفات	۳۱	فیضی
۹۲	اخلاق و عادات،	۳۳	فیضی کا خاندان اور ولادت،
۹۵	تصنیفات،	۳۷	و شمندان کی مخالفت،
۹۶	دیوان کی ترتیب،	۳۸	اکبر کے دربار میں رسائی،
۹۸	کلام پرائے،	۴۳	ملک الشعراًی کا خطاب،
۱۰۰	نظیری کی نکتہ چینی عرفی پر،	۴۷	دکن کی سفارت،
۱۰۱	عرفی کی نسبت فیضی کی رائے،	۴۸	وفات
۱۰۲	عرفی کی شاعری کی خصوصیت،	۴۸	عام حوالات اور اخلاق و عادات
۱۱۶	عشقیہ شاعری اور عرفی،	۵۳	فیضی کا نزہہ،
۱۲۳	نفس،	۶۲	تصنیفات،
		۶۰	شاعری،

صفحہ	مضمون	صففحہ	مضمون
۱۸۱	اخلاق و عادات،		ظہیری
۱۸۲	شاعری،	۱۳۷	عام حالت و عادات،
۱۸۹	میرزا صائب	۱۴۵	ظہیری کی خصوصیات،
۱۹۱	ہندوستان میں آنا،	"	پہلی خصوصیت،
۱۹۲	مرزا صائب اور ظفرخان،	۱۴۶	دوسری خصوصیت،
۱۹۳	ایران کو واپس جانا،	۱۴۹	تمیزی خصوصیت،
۱۹۵	عام حالت و عادات،	۱۵۲	چوتھی خصوصیت،
۲۰۰	میرزا صائب کی بیاض،	۱۵۵	پانچویں خصوصیت،
۲۰۲	کلام پر اے،	۱۵۸	پیشی خصوصیت،
۲۰۵	ابوظاہب کلمہ	۱۴۱	ساتویں خصوصیت،
۲۰۸	عام حالت،	۱۴۲	آٹھویں خصوصیت،
۲۱۰	شاعری،	۱۴۵	طالبی
۲۱۳	قصائد،	۱۴۸	ہندوستان میں آنا،
۲۱۶	غزل،	۱۴۷	عبداللہ خان کا طلب کرنا،
۲۲۲	وقت تخيیل،	۱۴۵	جہانگیر کے دربار میں رسائی،
۲۲۶	روزمرہ محاورہ	۱۶۹	اعززہ والادا

ایران شاعری

کا

دوسرا سر

ایران میں تیموری خاندان کا اخیر فرمان روا، سلطان حسین میرزا تھا اسکے آخری
زمانے میں سلطنت صفویہ کا آغاز ہوا جس کی اجتماعی کیفیت یہ ہو کہ شیخ صفی الدین آردبلی،
ایک شہنشہور خاندان سادات کے بجا وہ نہیں تھے، ان کی اولاد میں سلطان حیدر ایک بزرگ
پیدا ہوئے جنکے مرید قفرزی زنگ کی بارہ گوشے کی پوپی پہنچتے تھے، وارس مناسبت سے
قریب لباس کھلاتے تھے جو کافلی ترجیح سخن سرپیے وہ ایک مهر کہ میں شہید ہو کے، ان کے
صاحبہ شاہ اسماعیل نے محرم ۹۰۵ھ بھری میں ستارہ دیوبند ساختہ آذربائیجان پر
چڑھائی کی اور رفتہ رفتہ اپنی جماختست آئی تدریج بڑائی اگر خداوند پر حمد آور ہو کر وہاں کے

فرمان روکو شکست دی، انہوں نے ۲۵ برس کی مدت میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی اور حکومت صفویہ کی بنیاد ڈالی، ۱۶۴۸ء ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے طهماسپ سلطنت کو اور زیادہ ترقی دی چنانچہ فتح کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہنچائی اور درود روزگار کے صوبہ فتح کر لیے، ۱۶۵۵ء برس حکومت کر کے ۱۶۵۸ء ہجری میں وفات پائی، ان کے بعد ان کا بیٹا اسماعیل عزیز اور پیغمبر اسکے بعد اسکا بیٹا شاہ عباس ۱۶۹۵ء ہجری میں فرمان رو جوا، شاہ عباس و بعثت حکومت اور انتظام ملکی میں دوسرا اکابر یا شاہ جہان تھا، اس نے ایران کو اس سرے سے اُس سرے تک یہ لگان کیا اور بکون سے خراسان چھینا، آرمینیہ پر فتح حاصل کی، عراق عرب کو مختکرا، ترکوں سے براہ کی صلح کی، غرض خراسان سے لیکر عراق تک اس کی حدود حکومت میں آگیا، اس نے ملک کی امنیاں کبادی اور سربراہی کے لیے جو جو کام کیے، ہندوستان کا تیموری خاندان بھی ذکر سکا، ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک کاروان سرائیں بڑائیں، جن میں سافریان کے لیے سلطنت کی طرف سے تمام چیزوں مہیا رہی تھیں، داڑا و اغستانی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے،

جمع عمارت معظمہ ایران بنائ کر دا آن شہر یا راست اچندریں شہر در ماڑنداں
د خراسان و عراق و آذربایجان ساختہ است اخوص صاحفہ ان را کر رشک ہنان
نموده، قانونے بجھت مہمانداری سافران بکھر و بر لبستہ بو د کو و جمیع مرامل د
منازل از یک ہزار و از ہزار ارتادہ ہزار از نظر یہ تو نگراز عیت و سیاہ کارابوی
و غریب ہر کس و هر قدر بودند اور کاروان سرا ہا کے ساختہ است اہمگاہ واروی شند

ہاں لحطہ مایحتاج حتی بصر و فراش در خور ہر کس ملازمان شاہی کہ باین کارگشا شتے
بودند، حاضرمی کردند و ظروفت در کمال تکلفت از جینی و غوری غمیشہ در ہر
منزل و مکان آن قدر بودہ کہ ہمہ سافران را کفاشت ہمی کرد و بازہ تجویلداران
مکان پرده می شد و لین امر پیشتر از عراق تما مازندران بودہ در اطرف و بلاد
دیگر نیز رواج داشتہ لیکن نہ باین افراط،

شاہ عباس نے ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۳ نامہ ہجری میں وفات پائی
س کے بعد شاہ صفوی اور اسکے بعد شاہ عباس ثانی تخت نشین ہوا اور ۴۴ نامہ ہجری میں
فات پائی۔

اس خاندان نے اگرچہ سئی نہب کو نہایت ظلم اور بے رحمی اور سفا کی کے ہاتھ
یران سے معدوم کر دیا، یعنی جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہ کرتے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے،
پناچہ ما ثرا الامراء وغیرہ میں اس کی متعدد داستانیں نقل کی ہیں۔

لیکن ہر حال تمام ملک میں یکسوئی پیدا ہو گئی، اتنا بڑا وسیع ملک بھگڑون سے
پاک ہو گیا تھا و تہذیب کو نہایت ترقی ہوئی، ہر چیز میں حدست زیادہ نفاستا و تکلفت
مشروع ہوا، اس کا اثر شاعری پر بھی پڑا، اور اس لیے شاعری میں نہایت لطافت اور
ذرا کت پیدا ہو گئی،

۱۷ خدا نخواست اسکے یہ معنی نہیں کہ سئی نہب کے مٹانے کو تہذیب و تعلیم میں دخل ہو بلکہ خوبی یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں
نہب کی نہایت ملجمائیں تو نہ در ملک میں ترقی ہو گی۔ اگر ایران میں خیعہ نہب بالکل مٹ جاتا، تب بھی یہی نتیجہ ہوتا،

صفوی خاندان نو و صاحب علم و فضل اور سخن سخن اور سخن شناس تھا، اس لیے
اسے شعر کی نہایت قدر و منزالت کی۔

شاہ عباس ایک دفعہ کو کبہ شاہی کے ساتھ جا رہا تھا، اور ہر سے حکیم شفافی شہور
شاغر آرہا تھا۔ شاه عباس نے سواری سے اُتر جانا جاہا، شفافی نے بڑے اصرار سے روکا
تاہم امر اور دربا۔ می گھوٹے سے اُتر پڑھ، شاه عباس اکثر مسح کاشی کے گھر ان سے
ملنے جایا کرتا تھا،

چونکہ اسی زمانے میں ہندوستان میں تیموری خاندان شاہزادیاں ضیوں کا دریا بہارہ تھا
اور ایران کے شعرا و ولت کی کشش سے اور ہر کچھ پڑھتے تھے، اسیلے صفوی خاندان
اور بھی رقبا دھو حصہ سندیوں پر مجبور ہوتا تھا، لیکن ایران سے اس مرکز میں آزمہ ہندوستان
ہی نے بازی بیتی،

ہندوستان میں اگرچہ شاعری پاپر کیا تھا ائی، چنانچہ آتشی قندھاری جسکا یہ مطلع مشہور ہے
مر شنکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن بیاد کرستی پشم شین دسیرد، یا کن
پاپر کے ساتھ ہندوستان میں آیا، لیکن شاعری کی تربیت بیرم خانخانان سے شروع
ہوئی، وہ خود پختہ کار شاعر تھا اور ترکی اور فارسی دو نون زبانوں میں کہتا تھا، اکثر شعر اسکے دربار
میں ملازم تھے نظیری سکندری نے اسکے شارہ سے شاہنامہ ہایوںی لکھا شروع کیا تھا
اور کئی داستانیں نظم کیں، چنانچہ جب سکندر بودی کا معاشر نظم کر کے نایا تو بیرم خانخانان نے

اپر نکتہ صنی کی، نظیری نے بیرم خان کی اصلاح اور بہایت کے موافق ایک رات میں چار
شروع کئے کہ سنائے اور بیش بھاصلہ حاصل کیا، بدایوں نے بعض اشعار نقل بھی کیے ہیں،

اکبر گوئی تھا یک نہایت خوش ذوق اور قدر دان سخن تھا، اسے ملک اشعاری کا خال

کھبڑہ قائم کیا، جپرسے پہلے عززالی ماسور ہوا، اکبر کی فیاضیاں دیکھ کر ایسا ان کے تمام

شعراء ہندوستان میں امند آئے، اکبری شعرا کی نہرست جواب لفضل نے آئیں اکبری یعنی میج

کی سے حسب ذیل ہے،

حکیم ٹنائی، خڑائی، عرنی، نظیری نیشاپوری، حُنْدی صفہانی، قاسم کاہی، یسلہ ہرودی،

بغفریگ قودسی، خواجہ حسین مرودی، حیائی گیلانی، شکنی صفاہانی، ایشی شاملو، صاحبی ہرودی،

محلی ہدامی، صرفی سادبی، قراری گیلانی، عتابی بخشی، ملاضوفی ماژندرانی، جلدی مززی، و قونی نیشاپوری

خرسروی قایانی، دفانی سپاہانی، شمع ساقی، بیوی کاشانی، غیرتی شیرازی، حالی، بخراشی، ہجذبی،

قشبی کاشی، شکنی قمی، ایسری رازی، بخی رازی، قیدتی شیرازی، پستودی ساجی، کامی،

بندواری پتیامی، شیخ محمد ہرودی، تقی کربلائی، حیدری تبریزی، سامری، فربی شاپور خونی،

شیرازی، نادری ترشیزی، نوعی شهدی، باباطالبی صفہانی، سرمری اصفہانی، خیل صفہانی

قاسم ارسلان مشهدی، عیوبی حصاری، قاسمی ماژندرانی، رہی نیشاپوری،

یہ وہ لوگ ہیں جو دربار میں پہنچے،

ایلو افضل ان ناموں کو کہہ کر لکھتا ہے، و آنکہ سعادت باز نہ یافتہ دا ز دور دستہ مگتی

خداوند، استاذ شاگر، بیس انبوہ، چون قاسم گونا بادی، ضمیری سپاہانی، وحشی بانقی، محتمم کاشی،

ملک قی، ظہوری ترشیزی، ولی دشت بیاضی، نیکی، صبری، فکاری، حضوری، قاصنی نوری،
صانی طوفی طبری، رنگی چهانی، ان میں سے بھی بجز دو تین کے سب بندستان میں آئے تھے
اکبر ارجمندگیر وغیرہ سلاطین، خود صاحب مقام اور نکتہ سچتے اسیلے شعر ارفن شعر
میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ہر شاعر
دوسرے سے بڑھ جانا چاہتا تھا، اسیلے خود بخود ان سخن سخون کے کلام میں زور پیدا ہوتا جاتا
تھا، اور ہر ایک اپنے کلام میں کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرتا تھا،
اکبر نے بارہ اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں لیں، اور نقداں فن نے اس کی تفہید
کی داد دی، ایک دفعہ کسی نے فقایہ کا یہ شعر پڑھا۔

مسحایا روض خضرش ہم رکاب بہم عنان عیسیٰ فقائی آن قاب من بدین اعز ازمی آید
اکبر نے برجستہ صلاح دی، مصرع فقائی شہسوار من بدین اعز ازمی آید
چہا لگیر کا ذوق شاعری اسی قدر صحیح تھا جس قدر ایک بڑے نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس
شاعر کی نسبت انسنے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اسکے متعلق روایوں نہیں کیا جاسکتا۔
طالب آمی ایک مدت تک اس کے دربار میں شاعری کرتا رہا لیکن انسنے ملک اشعری کا
خطاب اسکو اسوقت دیا جب وہ حقیقت اس منصب کے قابل ہوا، چنانچہ خود لکھتا ہے،
درین تاریخ رشیت نشیں کے چودھوین سال (طالب آمی خطاب ملک اشعری
خلعت امیاز پوشیدہ، چون رتبہ سخن از همکنان درگذشت، در ملک شرعاً
پای تخت نظم گشت، این چند بیت از وہست،

پھر چند شعر طالب کے انتخاب کیے ہیں کہ خود طالب اس سے اچھا انتخاب
نہیں کر سکتا تھا،

ایک دفعہ خانخانان نے یغزل طرح کی، ع بھر کیک گل زحمت ہر خانی بائیکشیدا
مداد صفوی اور مرز امراء نے بھی اس طرح میں غربیں لکھیں، طرح کا مصروف چونکہ نہایت شگفتہ تھا
جہاں گنگیر نے فی البدیر مطلع کہا،

ساغرے برخ گلزاری بائیکشید ابر بسیارست سے بسیاری بائیکشید
طح کا مصروف جامی کی غزل کا ہے، جہاں گنگیر نے پوری غزل نکلو اکر دیکھی، لیکن چونکہ یہی کیک
مصطفی کام کا تھا، تزک میں لکھا ہے۔

این مصروف ظاہر شد کہ از مولانا عبد الرحمن جامی سوت، غزل اوتامام بنظر در آمد۔

غیر ازان مصروف کو بطریق مثلث بان زد و زگار شدہ دیگر کاٹے نساختہ بفایت
سادہ و ہموار گفتہ،

ایک دفعہ دربار میں امیر الامراء کا یہ شعر پڑھا گیا،
بگذر مسح از سر ما کشتگان عشق یک زندہ کرو ان تو بصد نون برابرست
جہاں گنگیر کے اشک سے سبئی اپر غربیں لکھیں، جہاں گنگیر نے ملا احمد مهر کن کا خفر پڑھ کیا
جنما پنج یہ تمام داقعہ خود تزک میں لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

پ تقریبے این بیت امیر الامراء خواندہ شد سعی بگذر مسح از سر ما کشتگان عشق

چون طبع من موزون سست گابے با اختیار دگا میں بے اختیار مصراع

درباعی، یا سبیت در خاطر مم سرزین زندان بیت بر زبان گذشت،

از من تاب رخ کنیم بے تو یک نفس یک دل شکستن تو بصدق خون برابرا است

چون خوانده شد هر کس که طبع لفظ داشت درین زمین بیت لغتگز نداشید،

علی احمد هر کن که احوال و پیش ازین گذشت، بد دغتہ بود.

ای محترم زگر یا پسر منان برس یک خشمگشتن تو بصدق خون برابرا است

فرهنگ جهانگیری جب جهانگیر کے سامنے اسکے معنف نے پیش کی تو جهانگیر

نے نهایت قدر دانی کی چنانچہ کھتم ہے۔

میر عضن الدوله از آگرہ آمدہ ملازمت نمود، فربنگ که در غفت ترتیب داده

پنظر در آورده، الحق محنت ابیا کشیده و خوب پیروی ساخته و جمیع نفات را

از اشعار علماء قدما مستشهد آورده، درین فن کتابے مثل این نمی باشد،

ایک دفعہ ایک شاعرنے جهانگیر کی صحیح میں تصیدہ کلکھر پیش کی، سطع کا پیارع یتحل

اس تلح و دامت بر سرت از ابتدا تا امتا

جهانگیر نے کام عرض بھی جانتے ہو، شاعرنے کہا نہیں، جهانگیر نے کہا اچھا ہوا وہ

تمہاں کے قتل کا حکم ہوتا، پھر صرع کی تقطیع کر کے بتایا کہ دوسرا کن یوں آتا ہے دامت بر سرت

اور یہ غصہ بے ادبی ہے۔

سلیمانی مذکور صفحہ ۲۵۰، تذکرہ مرنوش، ذکر جهانگیر

اس زمانے میں **می** تخلص ایک شاعر تھا جو قوم کا کلام تھا، کلاون کی قوم شاہی دربار کو
ین درباری اور چاؤشی کے لیے منصوص تھی، **می** نے بتقریب شاعری نور جہان بیگم کے
دریہ سے جہانگیر کے دربار میں رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاؤش
اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا متناسبت، لیکن چونکہ نور جہان کی خاطر عزیز
تھی، اجازت دی، **می** نے پڑھا،
 می بگر یہ سر دار دل نصیحت گر کنارہ گیر کہ امر دزروز طوفان است
 جہانگیر نے کہا دیکھا دی اپنے پیشے کی رعایت، دسرے موقع پر پھر نور جہان بیگم نے
بتقریب کی، **می** نے مطلع پڑھا،

من میردم و بر ق زنان شعلہ آہم اے بہنسان در شوید از سر را ہم

جہانگیر نے ہنکر کہا وہ اثر کہان جا سکتا تھا۔

سلسلہ غنی میں ہم کہان سے کہان نکل آئے، جہانگیر کی لائف لکھنی مقصود نہیں، لیکن یہ
دکھا ہے، کہ ان سلاطین کے دربار میں شعر و شاعری کو جو ترقی ہوئی وہ صرف اسیلے تھی کہ شاعری
سے دولت ہاتھ آتی تھی بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ یہ سلاطین خود موزوں طبع تھے، نقاد فن تھے،
چھے بُرے کی تیز رکتے تھے، موقع پر موقع شعر کو ٹوکتے رہتے تھے، ان کو صحیح داد دیتے تھے
اسیلے ان کے دربار حقیقت یہ شاعری کی تعلیم گاہ تھے،

دکن میں ابراءیم عادل شاہ کی قدر دانی اور فیاضی نے پیچا پور کو ایران کا نکٹا بنا دیا تھا

لہٰذ مذکورہ سفر خوش ذکر رہی،

نہ تھوڑی اور ملک تھی اسکے دربار کے ملازم تھے اور اکبری کشش بھی ان کو دلی اور آگرے
لکھنؤ کی، بہرہ نپور میں نظام شاہ بھری گویا اس فن کا مرتبی تھا، تھوڑی نے ساتی نامہ اسی کی
شان میں کہا ہے، جسکا بیش بہاصالہ عطا ہوا تھا۔

ہندوستان کی یہی فیاضیاں تھیں جبکی بنابر تمام ایران ادھر کھاچلا آتا تھا، خود شرعاً
کی زبان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،

میرزا صائب

پنج عزم سفر ہند کے درہ دل ہست قصہ سوداۓ تو در پنج سر نیت کذیت

ابوطالب کلیم

اسیر ہند موزین رفتن بجا پشیمانم کجا خواہ در ساندن پر فنا فی مغربیل را

بایران میر دنالان کلیم از شوق ہر لام بپاۓ دیگر ان ہچون جرس طکرده منزل را

ر شوق ہند زان سان حشم حسرت بر تفادارم کرد ہم گر براہ آرم نبی بیغم معتساب را

علی قتلی سلیم

نیت در ایران زین سامان تھیں کمال تانیا مرسی ہندوستان خانگین نشد

دانش مشهدی

راہ در ہند پا بست وطن دار دمرا چون خاشب دیسان فتن ہندستان خوش است

ہندوستان کی وقت کشش اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیشہ سے اس کی

قدرتانی کے شہرے ایرانیوں کے لیے دام تیغہ تھے، خواجہ حافظ کو باوشاہ بنداد نے

ارہار بیا، لیکن جگہ سے نہ ملے، شیراز ہی میں بیٹھے بیٹھے غریبین لکھ کر بیجیدین، لیکن دکن سے
غیریک ہوئی تو جا زمین سوار ہو کر ہر مزتک آئے، جامی ایران میں تھے لیکن قصیدے
ہندستان میں بھیتے تھے،

جامعی اشخار دلادین تو بھیتے ست طیف پودش از حسن بود دسر منے تارش

ہمہ قافلہ ہند روان کن کر رسد شرف عز قبول از ملک اتحارش

علی نقی کرہ نے ۵۳ شعر دن کا قصیدہ فیضی کی میج میں لکھ کر بیجا ہبیں میں کتا ہے،

مرا انگل بر قلم امور م پر تو فیضی ابو فیض آن گزین اکبر دخنگ کبیر میں

ہندستان میں، مسلمان اور شہزادوں کے علاوہ امر اکثر سخن فهم اور قدر دان تھے
ان میں ابوالفتح گیلانی اور عبدالرحمیم خان خانان نے شاعری کی اکاڈمی (ربیت اعلیٰ) قائم
کی ہبیں کی بدولت شعر انے اس فن میں نہایت ترقی کی؛ ابوالفتح ایک خط میں خان خانان
کو لکھتا ہے،

قصائدے کریا ران آن جا گفتہ بود نہ بھرا سے این جا فرسودہ شد، بنام

نامی شما ہرگاہ پر انتمام می رسد پہ مازمت فرستادہ خواہ شد ملا عرفی و ملاحیاتی

بسیار ترقی کر دے اند

عبدالاباقی ما ثر حرمی میں لکھتا ہے،

اکثر از اعیان دولت دار کان سلطنت پادشاہ مرحوم (اکبر)

سلہ چمار بلاغ یعنی مکاتیب حکیم ابوالفتح،

دست گرفته و تربیت کرده فے رحیم ابوالفتح) اند وہ کہ تازہ از دلایت آمدہ

بندگی و مصاحبت ایشان اختیار می نموده، چنانچہ خواجہ حسین شنا می دیرزا

قلی ملی و عرنی شیرازی و حیاتی گیلانی دست مسعودان در خدمت

اد بوده اند،

شعر کی تاریخی زندگی میں یہ داقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں آکر فارسی شاعری

نے ایک خاص جدت اختیار کی، جس کی تفصیل ہم کسی آئینہ موقع پر لکھیں گے، یہ جدت

رحیم ابوالفتح کی تعلیم کا اثر تھا، آثارِ حسینی میں ہے،

وستعدان و شرخان این زمان را اعتقاد آن سست کرتا زہ گوئی کر دیں زمان

دریا کہ شعر تھن است و شیخ فیضی، دمolanاعرفی شیرازی دغیرہ بآن روشن

حرف زده اند، پہ اشارہ و تعلیم ایشان (رحیم ابوالفتح) بودہ رآثارِ حسینی

تذکرہ رحیم حاذق)

اسی طرح خانخانان کی شاہزادیاں پیشوں اور شاعرانہ نکتہ سنجون نے شعر و شاعری کے

حق میں ابرکرم کا کام دیا، خانخانان نے احمد آباد میں ایک عظیم اشان کتب خانہ قائم کیا

جس میں ہر فن کی نہایت نادر کتابیں جمع کیں، ایک عجیب خصوصیت اس کتب خانے کی یہ تھی

کہ جس قدر شہو رشرا اس کے دربار میں تھے، این کے دیوان خود دان کے ہاتھ کے لئے ہوئے

کتب خانے میں محفوظ تھے، اکثر شورا اس کتب خانے کی خدمت پر مأمور تھے، ہمیں غزوں کی

طرحیں دیکھاتی تھیں، شرعاً شاعرے کرتے تھے، خانخانان خود بھی شرکی سمجحت ہوتا تھا

در قدر دانی سے دل بُرھاتا تھا، خود بھی ان طرحون میں غزویں کرتا تھا،
رسکھی قلندر ایک ایرانی درویش شاعر تھا، اس نے خانخانان کی تربیت شعر و شعر کا ذکر
بیس تصییں میں تفصیل سے کیا ہے، چنانچہ خانخانان کو مناسب کر کے کہتا ہے،

ز میں مج تو آن نکتہ سخ شیرازی	پیغمبر علی
پورے تازہ ز مج تو آشنا گروید	
رفیض نام تو فیضی گرفت چون خرد	
ز ریزہ چینی خواست نظری شاعر	
کندہ بہرہ بیش تصییہ انشا	ق
سدا شعر شکلی بی جو کھل اصفہان	
ز دھرت تو حیاتی حیات دیگر ایفت	
حدیث نوعی و گفوتی بیان چیز مزن	
ز نعمت توہن نوعی رسید آن ما	ی
خانخانان اس دبے کا سخن سخ تھا کہ اگر وہ شاعری میں پڑتا، تو عرفی اور نظری کا ہمارا	
ہوتا، اس طرح میں چندست، پندست، فرزندست تا ممشتو رشوانے زور آزمائیاں	
کی ہیں، نظری اور خانخانان کی غزویں ہم بال مقابل درج کرتے ہیں، دونوں کا خود مذہب	
کرو،	

۱۴ اس کتب خانے کا حال آفریحی کے مختلف مقامات میں درج ہے،

خانخانان

نظیری

بحرف اہل غرض قرب بُعد ماندست
 شمار شوق ندانسته ام کتاباً چندست
 جزاً این تدرک دلم سخت آرزو مندست
 جزاً این تدرک دلم سخت آرزو مندست
 دل نگسته مارا هزار پیوندست
 پکیش صدق و صفا حرف عهد بیکارت
 ازان دم که بحسبت فکنده دیدن او
 بگاه اهل محبت تمام سوگندست
 نگه بگوش رشتم هنوز در بندست
 ندوام دانم و نه داند این قدر دانم
 نظر دلیس نشد تا مفره پیش آمد
 که پاسه تا برش هر چیز هست در بندست
 حجاب اگر پر کاه است کوه الا ندست
 مرا فروخت محبت شی ندانستم
 دوچشم ساکن بیت اخزن بن گردید
 که شتری چکس ستد باین چندست
 دراز دستی حسن که گل چشم ریخت
 اولے حق محبت علایتی است ز دوست
 که تا بد اننم از حبیب دشکن خندست
 دگرنہ خاطر عاشق بیچ خرسندست
 که تا بد اننم از حبیب دشکن خندست
 ازان خوشم ہے خمنا کے دلکش تو حیم
 که ہر کرکے دشمن ماشد به دوست ماندست
 که اندکے پر ادا ہے عشق ماندست

نظیری لازم بجانان کندان اسب بکشا

باین قدر که بگوئی بیمر خرسندست

دونون غرون کے مواد نہ کرنے کا یہ موقع نیں، لیکن صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ خانخانان
 کے کلام میں جو صفاتی مشتملی، دلا دیزی اور سوز و گدا نہ ہے نظیری کی غزل اس سے باقل

فالی ہے، خانخانان کی نیاضی اور قدر دانی سے جو شواہزادہ مکال اسکے دربار میں جمع ہو گئے
سلطین کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی، آنحضرت حمی میں ان تمام شعراً و ان کا منفصل تذکرہ ہے،
عُرفی نے جب یہ تصدیق پیش کیا اے داشتہ درسا، یہ تہجی و قلم۔ ۱۱
تو ایک لاکھ روپے دوالہ کے،

عُرفی خانخانان کی وجہ میں خصوصیت کے ساتھ اپنے کمال سخن کی دادجا ہتا ہے کیونکہ
جان تاریخی کہ وہ خود اس فن کا حریف ہے، چنانچہ کہتا ہے،
سخن شناساً دیدی و دیدہ باشی ہم علوپا یہ من در مقام سجانی
فلان مریبی دمن تربیت پذیرین پس زفضل خود چجز نم لافت ہلے طولانی
مر بیان سخن کے مسلمانین علی قلی خان، خان زمان، خان عظیم کو کلتاش، ظفرخان، اور
غازی خان، کا نام بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خان زمان اکبری دربار کے امراء کی بار
یں سے تھا، جو بالآخر حریف سلطنت بن کر مارا گیا، وہ خود شاعر اور قدر دان سخن تھا، سلطان
تحصی کرتا تھا، چنانچہ بدایلوی نے شعر کے ذیل میں اس کا حال لکھا ہے، اکثر شعراً اسکے دربار میں
ملازم تھے، ایک دفعہ جب اس نے یہ غزل لکھی،

باریک پھوٹ سست میانے کے تو داری گویا سرآن موست ہانے کے تو داری
تو اکثر شعرانے اسکا تہجی کیا، ایک شاعر نے یہ مطلع لکھا،
گفتگو کرنے سست ہانے کے تو داری گفتگو کرنے سست گرانے کے تو داری

سلہ کلامات اشعار سرخوش ذکر خانخانان

غزالی جب لران سے دکن زین آیا اور حسب و نخواہ اُس کی قدر دل انہیں ہوئی تو
 خان زمان نے ہزار روپے اور چند گھوڑے بھیج کر بلا یا اور یہ قطعہ لکھا کر بھیجا،
 اے غزالی بحق شاہ بنجف کے سوے بندگان تیپون آئے
 چون کلبے قدگشتہ، آلن جا سرخود گیرز و دبیر دن آئے
 "سرخود گیرز" سے ہزار روپے کا کنا یہ تھا، یعنی کہ غزالی کا پہلا حرف غ ہے جس کے بعد
 ہزار ہیں، غزالی دکن سے جوں پور میں آیا اور جب تک خان زمان زمہر رہا اس نے
 اور کسی دربار کی طرف رخ نہیں کیا، جوں پور میں آ کر اُس نے ایک شنوی نقش برجی کھکھل
 پیش کی جس میں ایک ہزار شعر تھے، خان زمان نے وہ صلد دیا جو سلطان محمود نے سکا تھا،
 رفی شعرا (ایک اشرفی)، اس شنوی کے چند شعراں لحاظ سے نقل کرتا ہوں کہ ناظرین خان زمان
 کی صحیح المذاقی کا اندازہ کر سکیں،

شنبے از عشق بر در سختند	خاک دل آن روز کمی بخیستند
بود کبابے که نہ ک سود شد	دل کر پ آن رشح غم اندو دشد
بے نہ عشق چنگ چ دل	بے اثر چرچے آب وجہ گل
ذوق جنون از سردیوان پرس	لذت سوز از دل پر وان پرس
خان زمان کے مرنس کے بعد غزالی اکبر کے دربار میں آیا، اور ملک ل شعرا کے خطاب سے ملقب ہوا، خاندان تیکو۔ یہ میں یہ پہلا شخص تھا جو اس منصب پر متاز ہوا،	

فتنی بزدی خان زمان ہی کے دربار میں ملازم تھا،

خان اعظم کو لکھا تھا، اکبر کا رضا عیج بھائی تھا اور اسکے ساتھ کا کھیل تھا، اکبر اسکی ناز برداری ان بتاتا تھا، اور کہتا تھا، "چہ کنم ورسیاں من، خان اعظم دریاۓ شیر حائل است" خان اعظم نہایت بل نہایت نکتہ سخ اور بہت بڑا مورث تھا، جہاں مگر اس کی نسبت لکھتا ہے۔

در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت و در تحریر و تقریر بے نظیر بود اور

معاذلی سی پی طولی داشت، و در اطیفہ گوئی بے شل بود و شعر ہمواری می گفت

(این ربانی از دارد است اوست)

عشق آمد و از جنون برد مندم کرد

دارسته ز صحبت خرد مندم کرد

۲۳ اذ ز بند دین دانش گشتم

تاسله ز لف کے بندم کرد

ملاء بداریوئی اس کی نسبت لکھتے ہیں "ب انواع فضائل دہنہ مو صوف ست و لغم

لی وادر اک بلند اوسکے دیگر راز امر انشان نبی دہند" ملا صاحب نے اسکا ذکر شعر اسکے

میں کیا ہے، اور اسکے اشعار بھی نقل کیے ہیں، ایک مطلع سُنّتے کے قابل ہے،

گشت چار دل از رنج و غم تہنائی لے طبیب دل بیارچہ می فرمائی؟

خان اعظم نے اکثر شعر اسکی تربیت کی جن میں سے بعض فہرودی، سکھی، مداقی، بخشی، معینی،

بزر واری کا ذکر بداریوئی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے،

میرزا غازی قندھار کا صوبہ دار تھا ایران کے شرایح کا بیل اور قندھار کی راہ سے

۱۰ بدر ایوئی جلد سوم تذکرہ الفتنی صفحہ ۱۸۹، ملہ ترک جہاگیری،

ہندستان ہیں آتے تھے پہلے میرزا غازی ہی کے خوان کرم سے فیضاب ہوتے تھے،
ظفرخان صوبہ داکشیر اس رتبہ کا شخص تھا کہ لیکے اور میرزا صاحب کو اس کی اُستادی
 اور مرتبی کا اعتراف ہے، صاحب ایک مدت تک اسکے دربار میں رہا اور اس کی بدولت
 شاعری زین ترقی کی، **ظفرخان** اسکے کلام میں موقع بوقوع دخل اور تصرف کرتا تھا، صاحب نے
 پہنچ دیوان کی ترتیب بھی اسی کے اشائے لئے کی، چنانچہ صاحب ان باقون کا احسان مندی
 کے ساتھ اعتراف کرتا ہے،

حقوق تربیت را کہ وار ترقی باد	زبان کجاست کہ در حضرت فروخت
تو جان زدخل بجا مصمع مراد اوی	تو در فصاحت دادی خطاب سمجھا نم
ز وقت تو معنی شدم چنان باریک	کہ می تو ان بد دل مو کر دپھنا نم
چوز لف سبل ابیات من پریشان بود	نداشت طرہ شیرازہ روئے دیوانم
تو غنچہ ساختی اور اراق باد بردہ من	و گرنہ خارنے ماندا زگلست قائم

صاحب آثر الامر اظفرخان کے حال میں لکھتے ہیں،

زرا برد م ایران می داد خصوصاً در حق شرعا طرفہ بذل و کرم می فرمود ما

۱۔ **ظفرخان** کا نام احسن اشخان اور احسن شخص ہے، **ظفرخان** کا باپ نواجہ بوسن ہستہ ہجری میں جہانگیر کا وزیر اعظم
 مقرر ہوا اور کابل کی حکومت مستزدادی، **ظفرخان** باپ کی نیابت میں کابل کا صوبہ دار کیا، شاہ جہان نے ابھیں کو ہستہ ہجری
 میں کشیر کا صوبہ دار مقرر کیا، جب دہ اسی سرین انتقال کر گیا تو **ظفرخان** کشیر کا شغل حاکم مقرر ہوا، **ظفرخان** نے اپنے
 ایام حکومت میں بنت کو فتح کیا، اور ہستہ ہجری میں وفات پائی، **ظفرخان** صاحب دیوان ہے، ذیل کے شعر سے اسکی
 طبیعت کا اندازہ ہو گا،

دم بکے تو امید دار می آیہ

نگاہ دار کہ روز سے بخاری آیہ

سخنوران صاحب سعداد دل از اد طالن برداشت روی امید پدر گاه آش می گزشتند
و بخته ای تنهای رسیدند، فصح المتأخرین میرزا صائب تبرنی چون از ایران کاپل
رسید از گرچه شش دور یا بخشی اودل بسته مجتبش گردیده،

ظفر خان نے ایک عجیب موقع طیار کرایا تھا جو اج ہاتھ آتا، تو لاکھون پی کوارزان
نمایمی ایک بیاض تیار کرائی تھی، اب میں ہر شاعر اپنا منتخب کلام خود اپنے ہاتھ سے
ھتھا تھا، اور صفحہ کی پشت پر اُس کی تصویر ہوتی تھی،
اس زمانے میں شاعری کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعرہ کا رواج قائم ہوا
س سے پہلے شعر ابطور خود، اساتذہ کی غزوں پر غزل لکھتے تھے، اب (عنی فنا فی کے نامے
سے) یہ طریقہ قائم ہوا کہ امیر صاحبِ مذاق کے مکان پر شرعاً جمع ہوتے تھے، پہلے سے کوئی
لرج دیدی جاتی تھی، مسب مطلع میں غزلین لکھ کر لاتے تھے اور پڑھتے تھے، کبھی کبھی بر سر محفل
لابرکے دعویٰ اردن میں چوٹ چل جاتی تھی، سوال وجواب ہوتے تھے، اور مطلع سابقت
در رعنین پشگی شاعری کو ترقی دیتی جاتی تھی،

ان تمام محبوعی حالات نے شاعری پر جواہر کیا، اور جو خصوصیتیں بیان کی گئیں فوجیل ہیں
(۱) غزل کی ترقی،

اگرچہ اس زمانے میں قصیدہ، ثنوی، غزل، رباعی، ان تمام اصناف سخن کا بہت بڑا
و خیرہ پیدا ہو گیا، لیکن درحقیقت یہ عمد غزل کی ترقی کا عمدہ ہے، غزل میں مختلف اسئل (طرز)

قاوم بوسے جن کی تفصیل یہ ہے۔

واعظہ گری یا معاملہ بندی یعنی اُن واقعات اور عاملات کا ادا کرنا جو عشق عاشقی میں پیش آتے ہیں

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ واعظہ گری کے موجودہ دلیل ہیں، اور امیر خسرو نے اپر معتمد ہے اضافہ

کیا لیکن اس عہد میں یہ ایک مستقل صفت ہو گئی، جکا بانی اول میرزا شرف جہان قزوینی

ہے جو شاہ طهماسب صفوی کا وزیر تھا، مولوی غلام علی آزاد خواہ عامرہ میں لکھتے ہیں،

چون ذہب سخن سخی ہے میرزا شرف جہان رسید طبع اور مل و قوع گوئی بسیار

اتفاقاً و این طرز راجح کثرت رسانید،

شرف جہان کا دیوان ہمارے کتب خانے میں ہر ہم اس سے اس کتاب کے چوتھے

حصہ میں کام لیں گے، یہاں ہم اسکے بعض شعرا اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ وقوع گوئی

کا مفہوم سمجھ میں آئے،

باہر کہ منش چوہ پر سرم کہ کیست این گوید کہ این ز عہد قدیم آشنا ی ما است

نہ ان ازو برش داشتم تم اشانی نظر بجانب من کرد و شرمسار شدم

چنان گوید جواب من کزان گرد و قیب گہ مجلس گر من بیدال زور ف نہان پر سرم

شرف جہان نے شیوه ہجری میں دفاتر پائی،

اس طرز کو جن لوگوں نے اپنا خاص موصنوع بنایا، وہ وحشی یزدی، علی قلی میانی اور

علی نقی گمراہ ہیں، وحشی یزدی جو نکہ رندا و باش مزاج تھا اور بازاری مشغولون سے اسکو

زیادہ سروکار رہا، اسیلے اس طرز کو انسنے کسی قدر اعتدال سے بڑھا دیا، واسفحت کی

بتدابھی اسی نے کی اور اسی پر اسکا خاتمہ بھی ہو گیا،
لطفاً غزل میں فلسفہ کی آمیزش عرفی نے خاص طور پر کی، لیکن اس طرز کو بہت ترقی نہیں
 ہوئی، اسکے ہمرا درود اور ما بعد کے شعرانے بہت کم اس طرز میں کہا،

شایسی | یعنی کوئی دعویٰ کرنا اور اس پر شاعر ان دلیل پیش کرنا، اس طرز کے باñی حکیم علی
 فی سلیمان میرزا صائب اور غفرنی ہیں، یہ طرز نہایت مقبول ہوا یا ہاتھ ک ک شاعری کے خاتمے
 تک قائم رہا،

تغزل | تغزل سے یہ مراد ہے کہ عشق اور عاشقی کے جذبات موثر اغااظ میں ادا کیے جائیں،
 یہ وصف اگرچہ لازمہ غزل ہے لیکن نظیری نیشاپوری، حکیم شفاقی اور علی نقی نے اسکو زیادہ
 نامایاں کیا، ان لوگوں میں اور تورع گو یوں میں یہ فرق ہے کہ تورع گو شعرا ہوں پرستا اور
 بازاری مشوقوں کے عاشق ہوتے ہیں، اور اسی قسم کے واقعات اور خیالات باہر ہتے ہیں،
 بخلاف اسکے متغزیوں کا مشوق شاہد بازاری نہیں ہوتا، اور نہ ان کا عشق متنزل اور
 او باشنا نہ ہوتا ہے،

چیال بندی | یہ وصف تمام متاخرین میں سے ہے لیکن اس طرز خاص کا نامایاں کرنے والا جملہ ایسے
 مضمون آفرینی | چو شاد جہاں کا ہم حصر ہے، شوگفت بخاری، قاکم دیوانہ دغیرہ نے اسکو زیادہ
 ترقی دی، اور ہمارے ہندوستان کے شعرا پر پہلی اور نا صریحی دغیرہ اسی گرد ادب کے
 تیراک ہیں،

قصیدہ، قصیدہ کا ایک خاص طرز عرفی نے قائم کیا جس کی کوئی تقلید نہ کر سکا۔ نہوری

طالب آتمی، حسین شناختی نے بھی اس صنف کو کچھ کم ترقی نہیں دی،
شنوی، شنوی بالکل اپنے درجے سے گرگئی دفیضی اس سے مستثنی ہے، شنوی میں عموماً
تاریخی واقعات یا اخلاقی معنا میں ادا کیے جاتے ہیں لیکن ان مضمایں کے لیے سادگی اور
پیشگی درکار ہے، متاخرین ہربات تین زنگی کے عادی ہو گئے تھے؛ اس لیے، شنوی
شنوی نہیں رہی، بلکہ غزل بن گئی، یکلم کاشا بہمان نامہ پڑھو رزم لکھتے ہیں اور یہ مسلم
ہوتا ہے کہ بزم شاطی میں گانا ہو رہا ہے۔

رباعی، یہ زمانہ اس امتیاز پر نماز کر سکتا ہے کہ رباعی نے فلسفہ کے تمام سائل ادا کر دیے،
سحابی، اسرا بادی جو اگر کامی عصر اور رنجیت میں منتکف تھا اُسے کماں کم سترہ ہزار رباعیان لکھیں
جو سرتاپ فلسفہ سے ملویں، اسکا ایک انتخاب جس میں سات ہزار رباعیان ہیں، جو اسے پاس
ہے اور ہم شعر ابھم کے جو تھے حصہ میں جہان فلسفیا نہ شاعری پر بحث کریں گے اسکے کلام کا انتخاب
پیش کریں گے یہ تمام تفصیل خاص خاص انسانی شاعری کے متعلق تھی، عام طور پر طرز ادا اور اداب
بیان میں جو جدیں پیدا ہوئیں، انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) قدماء اور متوسطین کسی خیال کو پچیدگی سے نہیں ادا کرتے تھے، متاخرین کا خاص نہاد،
کہ جوبات کلتے ہیں تیغ دیکر کرتے ہیں، یہ پچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جو خیال کئی
شروع میں ادا ہو سکتا تھا، اسکو ایک شعر میں ادا کرتے ہیں، مثلاً قدسی کہتا ہے،
عیش این باغ باندازہ یک تنگ لست کاشش گل غنچہ شود تادل ما بخشا یہ
طلب یہ ہے کہ دنیا کا باغ ایک نہایت مختصر باغ ہے اس میں اسی قدر دسعت ہے کہ

صرف ایک تنگ ل آدمی خوش ہوئے، اسیلے یہ نہیں ہو سکتا کہ میرا دل بھی شلگفتہ ہو،
اور پھول کی کلی بھی کھل سکے، اس بنا پر آرزد کرتا ہے کہ کاش پھول کلی بن جائے۔ تاک
میرے دل کی شلگفتگی کی گنجائش کل سکے، اس مضمون کو فلسفیا نظر سے دیکھیں تو یہ خیال ادا
کرنا مقصود ہے کہ دنیا میں جب کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ دوسرا کو
نقیحان پہنچا، کسی بادشاہ نے لکھ فتح کیا، یعنی دوسرا کو شکست ہوئی،
یہ خیال کسی حیثیت سے دیکھا جائے ایک شعر میں سماں کے قابل نہ تھا، اسیلے جب
ایہی شعر میں اُسکو دا کرنا چاہا تو خواہ مخواہ پسچیدگی پسیدا ہو گئی،
کبھی پسچیدگی اس وجہ سے پسیدا ہوتی ہے کہ کوئی مبالغہ یا استعارہ یا اشبیہ نہایت دور
ہو تو ہوتی ہے، اسیلے سننے والے کا ذہن آسانی سے اُسکی طرف نتعلّم نہیں ہو سکتا، مثلاً
ت بخاری کہتا ہے،

فہار آشیان مرغ ہتش خوارہ کرد برق عالم سوزی یعنی شعر غوغاء من
شعر کا مطلب یہ ہے کہ کین نے جو آہیں کیں اس قدر گرم تھیں کہ اس سے شعلہ نکلے، یہ
شعلہ لوگوں کے کاون میں پہنچے، یہاں تک کہ لوگوں کے کاون میں آگ ہو گئی۔ اس
بناء پر مرغ ہتش خوار نے جس کی غذا آگ ہے کاون میں اپنا گھوسلابہنا لیا کہ ہر وقت
غذا ملتی رہے۔

چونکہ کسی شخص کا ذہن اس طرف نہیں جاسکتا کہ آہ کی گرمی سے کان آٹھکدے
جا سکن گے اسیلے مضمون آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا،

(۲) اس زبانے کے اکثر مصنایمن کی بنیاد الفاظ پر ادب صنعت ایام پر ہے، یعنی اشظاٹ کے لغوی معنی کو ایک سادھی بات قرار دے کر اپر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہیں، مثلاً امروز نیم شہرہ عالم نصعیفہ عمرست کہ از ضعفت اقامت زبانہا
ہر زبان افذاں کے اصطلاحی مصنعہ مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی زبان پر پڑنا ہے، مضمون کی بنیاد اسی لغوی معنی پر ہے کہ متن کے کمزوری اور ضعف میں مبنی کچھ آج سے مشہور نہیں رکھتے ہے کہ میں زبان پر چڑھ گیا ہوں، زبان پر پڑنے کے متن چونکہ اصطلاح میں مشہور ہونے کے میں، اسلیے یہ دعویٰ صحیح ہے لیکن شاعر لغوی معنی یا کار ضعف کو یوں ثابت کرتا ہے کہ میں اس قدر ضعیف ہوں کہ لوگوں کی زبان پر چڑھا پھرتا ہوں،
متاخرین کی شاعری سے اگر ایام کو الگ کر دیا جائے، تو انکی شاعری کا بہت بڑا حصہ دفعہ بریاد ہو جائے گا،

(۳) اس دور کا بڑا امتیازی وصف، استعارات کی نزاکت اور جدت تشبیہ ہے، تمدن کی ترقی میں جس طرح تمام اسباب معاشرت و تمدن میں تکلفات پیدا ہو جاتے ہیں، اس طرح زبان اور خیالات میں بھی نزاکت اور تکلفات پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً انکھیں فرش را، ہیں "گوچا" خود اچھا استعارہ ہے، لیکن "ظیری" کہتا ہے،
می خواست بوسہ رختا قامت بگشود از فرش حبہ را، اہ بہ آن خاک کو نہ بود
بوسہ جاہتاخا کہ بہتراؤ اسے لیکن اس کی تھی میں اس قدر پیشانیوں کا فرش بچا ہوا تھا کہ جگہ نہ تھی،

یا مشلا شانی کہتا ہے،
 دلست نج کلامان مائل سبت باز
 این لالہ را بطرف کلا دک نسینہ نی
 یعنی اسے شانی تیراداں کچ کلا ہون پر مائل ہور جائے ہے۔ اس پھول کو سک کی نوبی میں لکھنا
 چاہتا ہے۔

استعارات کی جدت و نزاکت، متاخرین کا عام اندماز ہے، لیکن اس خاص صفتیں
 بآٹی سب سے زیادہ ممتاز ہے،
 دسم، اس زمانے میں الفاظ کی نئی تراشین اور نئی نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو گیں،
 پہلے میکدہ، آشکدہ وغیرہ متعلق تھے، اب نشترکدہ، عریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا
 ہن، یا مشلاً پہلے یک گلشن گل یا کچ من گل کہتے تھے، اب یک خندہ لب یا آن غوش
 یک دیدہ نگاہ وغیرہ کرنے لگے، اس قسم کی ترکیبیں عرفی، فیضی، نوعی،
 کثرت سے پیدا کیں، ان ترکیبیں سے اکثر جاہپ صنمون کا اثر بڑھ جاتا ہے، مشلاً
 ع ہنکن بروی ہنکن خم بروی خم چیند،
 ع ہموج برموج شنکت مجم جو بہ عمان رفتہ،
 ع بہر یک لب خندہ نتوان منت شادی کشید،
 ع اردے بروتے حسن کن دست بدست نازدہ،
 اس سے زیادہ یہ کہ ایک بڑا خیال ایک پھول سے لفظ سے ادا ہو جاتا ہے

بے درگردی میں ازغور می خنده
حریف سخت کمان ک درکین دارم

کہنا ی تھا کہ میں محتوق سے محبت کرتا ہوں لیکن انگ اٹا بیون کہ تیر عشق کا گل اعلیٰ

نہ ہو جاؤں، لیکن محتوق یہ رے اس کرتا پھر نے پہنچاہے کہ میری زدت بیچ کر کمان

جائیگا، اس خیال کے ادا کرنے کے لیے دور گردی کا لفظاً نہ ہو تو ایک شعر میں یہ مطلب

ادا نہیں ہو سکتا تھا،

چونکہ ان تمام خصوصیات کی زیادہ تفضیل ان شعر کے کلام کے ذیل میں آئے گی

جن کے ان یہ خصوصیات زیادہ پائے جاتے ہیں، اسیلے اس موقع پر ہم اس گروہ کو

زیادہ ثین کھوئے،



فُنَانِ شِيرازِی

تمام اہل فن اور ارباب تذکرہ کااتفاق ہے کہ متسلطین کی شاعری میں انقلاب پیدا رہ جنیا دو رقمم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالوں کا دور کھلا تاہم، اس کا بانی فنا فی ہر ن افسوس اور سخت افسوس ہر کہ ایسے شخص کے حالات بھی ارباب تذکرہ دوچار سترستے دہ لکھنا گوارہ نہیں کرتے، بہر حال ایک ایک نکتہ کا سراغ رکھا کہ جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے نذر احباب پڑے۔

فنا فی کا وطن شیراز ہر سام میرزا نے پنے تذکرہ میں لکھا ہر کہ دوپہلے چاقو بنایا کرتے شاعری کا آغاز تھا کہ ہرات میں آئے، اس زمانے میں شاعری کا جوانہ انداز مقبول عام سلطان حسین میرزا کے شعر کا انداز تھا، چونکہ فنا فی کا نگ ان سے الگ تھا، ایسے نے ان کی قدر د کی بلکہ ان کے کلام کو اس قدر لغوب سمجھتے تھے کہ جب کسی کا کوئی مہل کا جاتا تھا تو سکتے تھے فنا فی ہر، جامی اس وقت تک زندہ تھے، فنا فی ان سے لے، لیکن ان سے بھی فنا فی کو داد نہ ملی، بالآخر تبریز میں آئے ہی سان سلطان قوباز مان روا تھا، اس نے ان کی نہایت قدر دانی کی، چنانچہ انہوں نے

اس کی بحی میں قصیدے لکھتے جو دیوان میں موجود ہیں، سلطان نے ان کو بابا کا خطاب لے رہا، سلطان یعقوب کے انتقال کے بعد بیور و مین آ کر قیام کیا،

نہایت لا ابائی مزاج اور رنستے، شراب حستے زیادہ پیتے تھے، اکثر میخانوں
تین گذرتی تھی، اسی بنابریور دے کے حاکم نے ان کا روزینہ شراباً در گوشہ مقرر کر دیا تھا
آخر عمر میں تو بہ کی او رشد میں مختلف ہو گئے، ۲۵ سالہ بھری میں وفات پائی۔

شروع میں جب اپنے بھائی کی دکان میں چھری بنایا کرتے تھے تو اس مناسبت سے
سکا کی تخلص رکھا تھا، پھر فنا تک رکھا،

ان کا دیوان ایک لڑائی کے ہنگامے میں صائم ہو گیا تھا، بھائی کو خط لکھا، کہ
بھان کیس سے جو کچھ مل سکے جمع کرو، چنانچہ جگہ جگہ سے تلاش کر کے وہ جموعہ مرتب ہو جاؤج
موجود ہو، لیکن اصل مرتب شدہ دیوان جاتا رہا،

کلام پر ملے | ان کو تمام اہل سخن مجدد فن مانتے ہیں، دالم داغتا نی لکھتے ہیں،

بابائی سغفور مجتهد فن تازہ ایسٹ کہ پیش ازوئی احمدی آن روشن شعر زنگنه

و پای سخنوری را بجا رسانیدہ کہ عنقاء اندیشه پیر مون او نی تو اندر پرید

اکثر استاد ان زمان مولانا دشتی یزدی دموال ناظمیری نیشاپوری و مولانا

ضمیری صفہانی و خواجہ حسین شناوی و مولانا عرفی شیرازی و حکیم شفیعی صفہانی

و حکیم میحوار کنای کاشی و مولانا محتشم و غیرہم متین و مقلدو شاگرد و خوشہ چنگیں

طرز دردش اویند،

متاخرین کی جو خصوصیتیں ہیں اُن کو ہم تمہید میں لکھ چکے ہیں فغاٹی کے کلام ہیں
وہ خصوصیتیں متوسط حد تک موجود ہیں، اور نہ اصلی ترقی عرفی، نظری، شرمن قزوینی وغیرہ
نہ دی ہے، ہم صرف کلام کے نمونے پر اکتفا کرتے ہیں،

بیمار شیوہ ہاست بنا را کنام نیست
ای کہ می گوئی چرا جائے بجائے می خری
این سخن با ساقی ماگو کہ ارزان کر دہ است
طرز ادا کا لطف دیکھو، معترض کو یہ اعتراض تھا کہ، شراب ایسی کیا چیز ہے جو جان کے
عوض میں خریدی جائے، لیکن انسنے اختصار کے لیے صرف اس قدر کہا کہ تم ایک بیمار بجان
کے عوض میں کیون خریدتے ہو می خوار شراب کے لطف کا اس قدر گرویدہ ہو کر وہ یہ سمجھا کہ
اعتراض اپر ہو کہ شراب اتنی ارزان کیون خریدتے ہو، اس کی قیمت تو جان سے بڑھ کر
کوئی چیز دینی چاہیے، اسکا جواب دیتا ہے کہ میں کیا کروں، یہ اعتراض تو ساقی پر کذا چاہیے
میں نے قیمت گھٹا کیون دی،

بِدْلَفْنِ مَنْ شَدَّ بَهْرَ حَاسِدَ مَنْكَر
صَدَّهْ شَكَرَ كَعِبَمْ هَنْرَبَ بَهْ هَنْرَانَ اَسْتَ
خَرَابَ آنَ كَمْ رَنَازَ كَمْ كَهْ چَنَ مَهْ نَوَ
بَهْ شِيوهَ هَأَيْ بَلَندَازَ مَيَانَ زَينَ بَيدَيَ است
سَاقِي مَدَامَ بَادَهَ بَانَدَازَ دَسَهَ وَهَ
اَيْنَ بَخَودَى لَگَنَاهَ دَلَ زَوَدَتَ مَاسَتَ
آنَ كَهْ اَيْنَ نَامَهَ سَرِبَتَهَ بَشَتَهَ بَشَتَ
اَمَنَى توَانَ كَهْ اَشَارَتَ بَهَ اوْكَنَدَ
مَشَكَلَ حَكَلَتَهَ سَتَ كَهْ رَذَرَهَ عَيْنَ اَوَسَتَ

خواب آن شکن طره و بنا گو شند	بردن خرام که بسیار شیخ و داشمند
انصاف اگر بود ز صبای تو ان شنید	مقصود صحبت است ز گل، ورنه بوی گل
آه ا رلائکش لفون تازه بکشند	آهوده شراب فنا فی به خاک رفت
کین خان را به کعبه مقابله نماده اند	تامی تو ان شکست هل دوستان خواه
زین رسما که مردم عاقسل نماده اند	در مانده صلاح و فنا دیم الحذر
از نقد عمر آن دونس در حساب بود	با آه و ناز گرچه سر آمد زمان وصل
کنون در دیگر از پیلوی هر چاره دارم	هزاران چاره ضارع گشت و یکدوم نشانکن
که من چون لا اله باد غ جنایت این چن رفتم	توای گل بعلذتین با هر که می خواهد لتبشین
نفا فی گر شی داری تو باش این جا که من رفتم	لایهای و صبر که ارد تاب دیدارش
ورنه در این سقف زمین جزیکه در کافیست	از فریب نتش، نتوان خامه نقاش دید

ملک اشعر فارسی

تولد ۱۷۵۹ ہجری، وفات۔ صفر ۱۲۶۷ ہجری

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے، جن کو اہل زبان کو بھی چار دن اچار ماہ ناپڑا، خسرو اور فیضی، میرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل لکھتے ہیں، اور مقطع میں لکھتے ہیں،
 ایں آن غزل کو فیضی شیرین کلامت دردیدہ ام خالیدہ و در دل نشستہ
 علی نقی کفرہ، ایران کے مشہور شاعر نے ایک قصیدہ ۲۵ شعر دن کا فیضی کی
 میں اصفہان سے لکھ کر بھیجا، جس کے چند شعر یہ ہیں،

ابوالغیث آن گزین اکبر و شیخ بیر من و گر من بتھیر استان ادھست خاقانی کیم با اور سدد شاعری دعوای تھیشی انسوس یہ ہر کہ شاعری کی شہرت نے فیضی کے اور نام کی لاست پر پردہ ڈال دیا دہ کھتا ہر اور بچ کھتا ہے،	مران گند بزم امور م پر تو فیضی اگر استم مجیر اندر سخن ادھست خاقانی کہ در این خاقانی هم من مرید ادھست پیر من
---	---

امر و زندہ شاعر م حکیم دانشہ حادث و قدیم
 یکن شاعری کی شہرت عام اور تصنیفات علمی کی گم شدگی نے اس دعویٰ کو
 بے دلیل کر دیا فیضی کے مذهبی اور علمی خیالات کا برائے نام پچھپتہ چلتا ہے تو ان انتہاءات
 سے جو بدایلوں نے نہایت بے درودی سڑا اس پر لگائے ہیں، تاہم ایک نکتہ داں کو
 اس غلط اور جھوٹی تصویر میں بھی، صلیت کے خط و خال نظر آتے ہیں، یکن بھی ان بحثوں کے
 پھیلنے کا موقع نہیں، ابھی اس کے سرسری حالات زندگی سننے چاہیں،
 فیضی عربی انشل ہز، اسلاماف، یمن میں رہتے تھے، شیخ سوی جفیضی کی پانچویں
 پشت میں ہیں، وطن سے ترک تعلق کر کے سیاحت کو اٹھے، اور چلتے پھرتے زندہ
 کے علاقے میں آئے، ایک قصبه ہز، یہاں قیام کی، اور شادی کر لی، وہیں جدید
 بھری میں شیخ مختار فیضی کے دادا طن چھوڑ کر ناگور میں آئے، یہاں ایک عربی خاندان
 میں شادی کی، جس سے شیخ مبارک پیدا ہوئے فیضی اسی محل کمال کا نہماں تھا
 شیخ مبارک بڑے پایہ کا شخص تھا، علوم فنا ہری اور باطنی دونوں میں کمال رکھتا تھا،
 چار جلد دن میں تفسیر کریم کے انداز پر ایک تفسیر لکھی، جس کا نام منبع العیون رکھا، نہایت
 سیر حکیم اور قافع تھا، شیرشا ہی حکومت میں سلطنت کی طرف سے جاہ و عزت کی ترغیبین
 دلائی گئیں، یکن اس کی چشم متنبہ نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا، ان کے مفصل حالات،
 ابوفضل نے این اکبری میں لکھے ہیں،
 شیخ مبارک، ناگور سے گجرات اور گجرات سے آگرہ میں آئے، جنما کے

نے میر رفیع الدین حسینی کے ہسایین قیام اختیار کیا، اور یہیں ایک معزز خاندان
ن شادی کی، خدا نے کثرت سے اولاد دی، جن میں سب سے پلا فیضی تھا جو ۱۹۵۷ھ
ن پیدا ہوا، فیضی نے ابتدائی اور انتہائی تعلیم باب سے حاصل کی،

بدایلو فی نے خواجہ حسین مردی کے حال میں لکھا ہے کہ فیضی اُسکا تربیت یافتہ
خواجہ حسین مردی، شیخ علاء الدولہ سمنانی کے خاندان سے تھے، معقولات میں ملا
حصار الدین کے شاگرد تھے، دینیات، شیخ ابن حجر عسکری سے حاصل کی تھی، شاعری
لشادر دازی، حسن تقریز، اور نظرافت و لطیفہ گوئی میں کمال رکھتے تھے، اگر کے حکم
سے سنگھاسن نیسی کا ترجمہ نظم میں کرنا شروع کیا تھا، وہ بھری میں دفات پائی
فیضی نے وام فطلہ سے اداہ تاریخ بنکالا،

بدایلو فی نے یہیں لکھا کہ فیضی نے کس فن میں ان سے تربیت پائی تھی، لیکن
اللبایہ شاعری کا فن ہو گا، شباب کو پہنچا تو اس کا دامن کمالات کے پھونوں ہر بھرتا
لیکن قسمت نے مرتون عجیب عجیب مصیبتوں میں بدلار کھا، جس کی داستان نہایت لذتی ہے
لیکن چونکہ دچپ بھی ہوا ایسے بالکل قلم انداز بھی نہیں کر سکتا،

شیخ مبارک کا کو دسعت نظر اور ہمہ دان ہونے نے تقليدا و تعصب کی بندشوں
سے آزاد کر دیا تھا، خود حنفی تھا، لیکن شیعی، سنی، مسلمان، کافر سبے ملتا تھا، اس زمانے
میں محمد دی فرقہ نہایت مطعون خلاف تھا، شیخ کو ان سے لئے میں بھی در بیخ نہ تھا،
عوام میں شہرت پھیلی کہ شیخ رفیعی ہے، محمد دی ہوا دہری ہوا سورا الفاق یہ کہ اسی

زمانے یعنی عہدہ سجری میں کہ اکبر کی سلطنت کا چودھوان بر س تھا شخ غوشہ عزلت س
مکن کر، افادہ عام کی مندرجہ بینجا، اکبر اس زمانے تک متعصب مولویوں کے قبضہ میں تھا۔
اس کے بیل پر درباریوں کو شیخ کے تنانے کا موقع تھا، ان میں سے ایک شخص آدمی
درات کے وقت ہانپتا کا نپتا فیضی کے پاس آیا، کہ امراء دولت سبکے سب آپ کی
مخالفت پر کمر لبھتے ہیں، الحصوت یہ ہر کہ شیخ کو لیکر کہیں مکن جائیے، جب یہ فتنہ فرہ
ہو جائے تو پھر اختیار ہر فیضی غیر رایا ہوا آپ کے پاس آیا، شیخ مبارک نے بڑے
استقلال سے جواب دیا کہ میں جگہ سے نہیں ہتا، جو ہونا ہر ہو گا، لیکن فیضی اس قدر
حوالی باختہ تھا کہ تلوار نکال کر کہا آپ کو اختیار ہر چیز یا نہ چلیے، میں تو اپنے آپ کو
ہلاک کیے ڈالتا ہوں،

آپ کو محبت نے مجبو رکیا، ابو الفضل کو سوتے سے بچا گیا، تینوں باب پہلی
حکمرت مکن کھڑے ہوئے، لیکن کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جاتے ہیں اچھتے چلتے فیضی
کو ایک ہشنا کا خیال آیا، اس کے گھر پہنچے، وہ ان لوگوں کو دیکھ کر سخت گھبرا یا مکان
کے اندر گئے تو حشمت کو دیکھا، وہاں سے بھی چل کھڑے ہوئے، ابو الفضل نے
وہاں چلنے کی راستے دی، لیکن فیضی نے دانا، ایک شخص کا نام لیا کہ اس کے ہاں
ضرور امن ہے گھا غرض مسکے گھر پہنچے، اس نے نہایت گرجوشی کا انہار کیا، دو
سلسلہ میں اکبری میں ہی سہے، لیکن تعجب ہر کہ خود ابو الفضل نے اکبر نام میں فیضی کے اول مرتبہ دربار میں
پہنچنے کو بارہویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے،

تک یہاں ٹھہر، اُدھر مخالفون نے اکبر کو پہنچ کر کے فران شاہی صادر کرایا تھا
 شیخ مبارک کا سارا خاندان دربار میں حاضر کیا جائے۔ شاہی چربدار شیخ مبارک کے گھر
 پہنچ، اور چار دن طرف پہر پیٹھ گئے، ابوالحیر فیضی کا چھوٹا بھائی گھر تو نہ تھا، اسکو
 کر بادشاہ کے سامنے لے گئے، شیخ کے شمنون کو اکبر کے بھڑک کانے کا موقع ملا کہ شیخ
 دل میں چور نہ ہوتا، تو روپوش کیون ہو جاتا، اکبر کو مخالفون کی سختی اور جوش نقاوم
 کر رحم آیا، درباریوں سے کہا، ایک غریب گوشہ نشین کی جان کا دشمن بننا کیا ضرور تر
 اکثر سیر کو نکل جاتا ہے، اس وقت بھی کہیں چلا گیا ہو گا، اس بیچاۓ لڑکے (ابوالحیر)
 یوں پکڑ لائے ہو، غرض ابوالحیر چھوڑ دیا گیا، اُدھر پہنچی اُٹھ گیا،
 شمنون نے اب بادشاہ کی زبان سر جھوٹی خبروں مشہور کرنی شروع کیں اک شیخ مبارک
 فیضی معتوبان بارگاہ ہیں، چند روز کے بعد صاحب خانہ نے بے اعتمانی شروع کی
 کو کھٹکا ہوا، کہ خود صاحب خانہ کہیں پکڑ واندے، رات کو بے سر و سامانی کے ساتھ
 ان سے نکلے، اتفاق سے ایک شاگرد راہ میں مل گیا، اُس نے لے جا کر مہان رکھا
 ان اُسکی طرف سے بھی اطہنان نہ تھا، بالآخر یہ ماں ٹھہری کہ اس شہر سے نکل جانا
 ہے، فیضی بھی بدل کر نکلا اور ایک امیر کے پاس جس سے قدیم ملاقات تھی گیا،
 اس نے میزبانی کو اپنا خر سمجھا، کچھ ترک جوان ساتھ کر دیے کہ شیخ کو ساتھ لائیں، آو حصے
 فیضی نے جا کر باپ بھائی کو یہ خرده سنایا، سپسے بھیں بدلتے اور غیر معروف رہتوں سے
 ۱۰۰ کبر نامہ میں اس واقعہ کی تاریخ ۲۰۔ ربیع الاول ۶۷۴ھ ہجری ہیان کی ہے،

امیر کے پاس پہنچے، دس دن تک بیان اطمینان سے گزے، لیکن دشمنوں نے امیر کو دربار میں پکڑ دا بلایا، مجبوراً بیان سے بھی نکلنا پڑا، چلتے چلتے ایک باغ نظر آیا مگر کوئی کفر آرام لے لیں، بستی سے جاسوسون کا ایک گردہ، جو شیخ کی تلاش میں ہر طرف پھرتا تھا، باغ کے پاس اُترا ہوا تھا، بیان سے بھی گھبرا کر نکلے، راستے میں ایک باغبان نے چھانا، اور ولد ہی کر کے اپنے گھرے گیا، باغبان کا آقا باہر سے آیا، تو اُس نے شیخ سے شکایت کی کہ میرے ہوتے آپ نے کیون اس قدر تکلیف اٹھائی، چونکہ شیخ کے قیافے سے بے اطمینانی فنا ہر ہوتی تھی، اُس نے چور گھر میں لے جا کر رکھا کہ آپا اطمینان سے رہیے، چینے سے کچھ اور پر بیان قیام کیا،

چونکہ اکبر سر زمانے میں فتحپور میں رہتا تھا، فیضی آگرہ سے فتحپور گیا کہ ان حیبتون کو پہنچ کی کوئی تدبیر نکالے، لیکن قسمت کی گردش بیان بھی ساتھ تھی، فیضی نے جب اپنے مظلومی کی داستان سنائی، تو دربار میں کسی ایک نیک لامی کو سقدر جوش کیا کہ اسی وقت اُنکا اور دربار میں بغیر اسکے کہ شاہی آداب بجا لائے، گستاخانہ بھی میں کہا، کہ اس ظلم کی کچھ انتہا ہے، اکبر نے کہا خیر ہے؟ امیر نے کیفیت واقعہ بیان کی، اکبر نے کہا تم کو خبر بھی ہے؟ نام علم نے فتوے تیار کیے ہیں، اور مجھ کو چین لینے نہیں دیتے کہ جہاں سے ہو شیخ مبارک کا خاندان ڈھونڈھ کر پیدا کیا جائے، اور اُس کو منزدی جائے، مجھ کو شیخ کا قیام گاہ علوم (یہ کہکشاں اکبر نے خاص چور علی کا پتا دیا، جہاں شیخ کا قیام تھا) لیکن دانستہ ملتا ہوں، کل

کوئی جا کر شیخ کو دربار میں لے لے،

فیضی یہ واقعہ سنکر سخت گھبرا یا، راتون رات گرتا پڑتا باپ کے پاس آیا، اسی وقت
سب نے بھیں بدلے، اور گھر سے نکلے، جس مصیبت اور پریشانی میں گھر سے نکلے ہیں،
اس کی تصویر ابوالفضل نے ان لفظوں میں کھنچی ہے۔

نورستان آن قاب داریک ہے بدو گوہرا و بحوم ممالک شہزادہ ہندگامہ
پژو ہندگان نافرجام، دیا درنا پدیدی، دیار اندازنا یافت، قلم چین رچہیا
کر قدرے ازان حال گزاردا،

غرض ایک دیرانے میں جا کر پناہ لی، چونکہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ اپنی داشت
مہربان ہے، اس لیے یہ رٹے ٹھہری کہ پاے تخت میں چل کر بادشاہ تکی سائی کو سامان
پیدا کیے جائیں، ایک امیر سے پرانی ملاقات تھی، اُس کے پاس گئے، اُس نے کہا کہ
پہلے آتے تو معاملہ آسان تھا، اب حضور کے دل میں بھی رنج آگیا ہے، یہاں رہنا کسی طرح
مناسب نہیں، یہ کہکر کاڑی منگوائی اور اُس میں بٹھا کر ایک گانڈوں میں بچھوادیا، دہان
پہنچکر معلوم ہوا کہ گانڈوں کا مریں اس خاندان کا قدیمی دشمن ہے، غرض یہاں سے بھی
نکلے، اور ایک اور گانڈوں میں پوچھے،

یہاں بھی ایک مفسد کا سامنا ہوا، اب پھر بھرا کر آگئے میں آئے اور ایک دست
کے گھر ٹھہرے، دو چینیں تک بیان قیام رہا، صاحب خانہ نیکت اور نیک طینت تھا،
اور چند لوگ بھی شیخ کے طفدار پیدا ہو گئے، دربار شاہی میں تقریب ہوئی، جوں وہ اجتنی
میں اکبر نے بھے احترام سے بلا یا، ابوالفضل کی طبیعت میں اس وقت تک نہایت

آزادی اور بے پردازی تھی، اس نے دربار میں جانے سے انکار کیا، فیضی گئے اور
شاہزادہ نواز شاہ سے بہرہ یا ب آٹے، آئین اکبری میں اس موقع پر پونچھکار ابوالفضل پر
شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار یہ رباعی اس کی زبان سے
بخلتی ہے،

ای شب نہ کنی آن ہمہ پر خاش کر دو ش رازِ دل من چنان مکن فاش کر دو ش
دیہی چہ دراز بود دشینہ شبم ہاں ای شب وصل آن چنان باش کر دو ش
فیضی جس شان سے دربار میں پونچا ہے، شہنشاہ نے جس طرح اُسکی قدر افزائی
کی ہے، حاصلہ دون نے جس نگاہِ رشک سے اس کو دیکھا ہے، دربار کی جو خدمتیں اُس کو
پسرو ہوئی ہیں، ان سب حالات کو فیضی نے ایک قصیدے میں لکھا ہے، ہم سے جنت جتہ
اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہیں،

سحر نوید رسان فا صد سلیمانی	رسید پھو سعادت کشا دہ پیشانی
مبشرانِ سعادت نداگنان، کہ نجوان	نجات نامہ خود اے حزین زندانی
مرا نظارہ اش از دور، بیقراری داد	چ سعیت داری با صدقہ قرار ارزانی
بہ بو سہ کردم پایش فگار، ازان غافل	کہ کارگر ددد شوار درفتدم رانی

لہ یہ تمام تفصیل آئین اکبری میں ہے، تجہب یہ ہر کر ابوالفضل نے فیضی کے پہلی مرتبہ دربار میں پونچنے کے بعد کوئی
میں ان واقعات کو لکھا ہے، لیکن اس قدر اختصار کیا ہے کہ دادعہ کی سورت بدل گئی ہے اور بعض بعض باتیں دوں
بیان مختلف و متناقض معلوم ہوئے ہیں،

ک کردی از سرداش سپر جولانی
 رسید بر در فرد دس مرغ بستانی
 با سماں سعادت زیسته ظلانی
 چشمہ سار رساندم شفاه عطشانی
 شگفتہ دل بشیمنی و شوق بنشانی
 زبان ناطقہ سب ریز در شناخوانی
 که پایہ پایہ فرد دا مردم زحیرانی
 چو با خدا، کلام کلیم عمرسته ای
 مسلم است تراکشو ر سخن رانی
 فرزدقی بتارزانی است و حشانی
 پ عرض ما بر سان آن قدر که بتوانی
 سزد بدست ادب گردنش بجاپی
 زهر چه لازمه خانی است و تر خانی
 یک دلتبی
 ی تمام داستان رقصیده کو چھوڑ کر ابوالفضل نے آئین اکبری کو خاتمه میں لکھی ہے
 لکن اس تصویر کوہ انس سلم انداز کر گیا، کہ شیخ کے خاندان پر یہ تمام آفتین کس کی بدولت
 ہیں؟ اور دربار کے تقرب کا سبب کون ہوا؟ اس کے علاوہ ابوالفضل کے بیان سے
 بھی نہیں کھلتا کہ اس قدر مخالفت اور کینہ پروری کے اسباب کیا تھے؟ ایساں ان بحثات

ندم سوار شب گام تو نے چالاک
 رربار گہ شهر پار شد کانیک
 طاب شد کہ تلطف کنان رساندش
 نست بوس زدم خاک آستان یعنی
 شارہ رفت کہ در پیش کا ه مجلس عس
 پیش پائی اور نگشا نہ ششم
 و نہ گو نتفت شہنششم بنواخت
 رسیش من بشمشاد بمندہ پور بود
 نفت خیز و علم از قلم بکش کا مین روز
 بان بناکتہ بجنیان کہ در بداع نظم
 سید حکم کہ اذکرته سنجی شعرا
 بان وری کہ دگر با تو در سخن پیچید
 اگویم آن کہ زلطفس چه طرف بر ستم
 ی تمام داستان رقصیده کو چھوڑ کر ابوالفضل نے آئین اکبری کو خاتمه میں لکھی ہے

کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہو،

اکبر کے ابتدائی دور میں دو شخص مذہبی حیثیت سے نہایت جاہ و اقتدار رکھتے تھے

محمدوم الملک، اور شیخ عبدالبنی، محمدوم الملک کا نام عبد اللہ بن انصاری ہے، شیرشاہ اپنے

عہد سلطنت میں ان کو صدر الاسلام کا خطاب دیا تھا، سلیمان شاہ ان کو اپنے تخت پر

بٹھاتا تھا، ہماں یون نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا، بیرم خان نے لاکھ روپے سالانہ

تختواہ مقرر کی تھی،

شیخ عبدالبنی جو شیخ عبد القدوس گنگوہی کے نواسے تھے، صدارت پر متاز تھے،

یعنی جس قدر مذہبی اوقاف، اور جاگیریں تھیں، سب کا انتظام ائمہ ہاتھ میں تھا، انہوں نے

اکبر کو اس قدر اپنا گروہ دیدہ کیا تھا کہ اکبر انکے گھر پر جا کر ان کی حدیث پڑھتا تھا، انکے غیر صحبت

سے اکبر کی مذہبی خود رفتگی کی یہ نوبت پہنچی کہ اپنے ہاتھ سے مسجد میں حجہاڑ دیتا تھا،

ایک دفعہ مالکگڑہ کی تقریب میں اکبر نے کپڑوں پر زعفران کا رنگ پھیڑ کا، شیخ

عبدالبنی نے دیکھا تو اس قدر بہم ہوئے کہ لکڑی اٹھا کر ماری، اکبر کو مگر کوارہ محل میں جا کر

حریم مکانی (راکبر کی والدہ) سے شکایت کی کہ بھرے دربار میں ذیل کرنا مناسب نہ تھا

مریم بخاری نے کہا کہ بینا دل پر میں نہ لانا، یہ سنجات اُخودی کا سبب ہے؛ قیامت تک چرچاڑ کرے

کہ ایک مغلوک لالحال نے بادشاہ کے ساتھ یہ بتاؤ کیا، اور اس نے برداشت کیا،

بلہ آثر الامر، تذکرہ محمدوم الملک

۲۵۰، آثار الامر، جلد دوم، صفحہ ۴۰، حالات شیخ عبدالبنی، صدر الاسلام،

یہ دو نون بزرگ جس قدر دیندار تھے، اُسی قدر جاہل نے تھب رکھتے تھے، جیسا کہ
ام طور پر دینداری کا مقتضی سمجھا جاتا ہے، ان لوگوں نے اکبر کو آمادہ کیا کہ ملک میں جو
عقیدہ لوگ ہیں، ان کا استیصال کر دیا جائے، چنانچہ عام دار و گیر شرف ہوئی، اور بہت لوگ
ملل اور قید کیے گئے، مخدوم الملک ابو شخ عبد البُنی نے اکبر سے کہا کہ شیخ مبارک بھی
رعیت ہے، اس کو سزا ملنی چاہتے، چنانچہ اسی وقت محظب متعین ہوئے کہ شیخ کو کپڑا میں
شیخ گھریں نہ تھا، اس کی مسجد کا منبر توڑ کر چلے ہیں۔

ایک دفعہ ایک مجلس میں شیخ عبد البُنی، یا مخدوم الملک ابو الفضل نے ہمین کبri
کن صاف نام نہیں لیا، بلکہ لکھا ہے کہ سراً مفتنة جویاں) سے اس قسم کی ختیوب کے مغلن
بوالفضل سے بحث ہو گئی، ابوالفضل نے دلائل سے ان کو بند کر دیا،
اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے فیضی شیخ مبارک کو ساتھ یکر شیخ عبد البُنی کے
پاس گیا، اور اپنی شلکستہ حاملی کا انہمار کر کے کچھ مدد معاش کی درخواست کی شیخ نے
شیعیت کا الزام لگا کر، ہنایت ذلت کے ساتھ نکلوادیا،

. اب یہ دو نون بزرگ اس خاندان کے استیصال پر آمادہ ہوئے، علماء سے فتوت
لے کر جا سوس متعین کیے کہ شیخ کو ڈھونڈ لائیں، تمام ناک میں مشہور کوادیا کہ شیخ کے
خاندان کے لیے دربار سے قتل کا حکم ہو چکا ہے شیخ نے پہلے شیخ سلیم حشتی کی خدمت

لے بڑا یونی، صفحہ ۱۹۸،

۲۵۰ آثار الامر، جلد دوم، صفحہ ۵۵۴، ۱۹۶۵ء

یعنی اتحاد کی کہ میری جان بچائیے، شیخ سلیمان نے کچھ زاد را ہیجھ کر کھلا بھیجا کہ نہ سرت مصلحت یہ
ہو کہ کسین نکل جائیے، یہاں سے نامیدی ہوئی تو میرزا عزیز نے پاس گیا، مرزا عزیز
کی مان کا دودھ اکبر نے پایا تھا، اسیلے وہ اکبر کی خدمت میں نہایت گستاخ تھا، ابوالفضل
نے آئین اکبری میں جو لکھا ہے کہ ایک امیر نے اکبر کے سامنے نہایت گستاخ نے سفارش
کی، اس سے مرزا عزیز ہی مراد ہے، مرزا عزیز نے بارہا اکبر کو سر دربار سخت سُست کا
اور اکبر کو کھڑک چپ ہو جاتا تھا کہ کیا کروں میرے اور عزیز مرزا کے یقچ میں دودھ کا دبایا
حاصل ہے، اور دودھ بھائی ہونے کا یہ پاس ہوتا تھا) میرزا عزیز ہی کے توسل فرضی
کے خاندان کو دربار میں رسائی ہوئی،

اکبر خدمت الملک اور شیخ عبدالنبی کی تنگ خیالیوں سے تنگ چکا تھا اور ان
لوگوں کے زد رکھنا چاہتا تھا، لیکن خود جاہل تھا، اسیلے مدھی متوذکار مقابله نہیں کر سکتا
تھا، فرضی اور ابوالفضل دربار میں پوسٹے تو اکبر کو گویا اور ہاٹھ آگئے، ان لوگوں نے
ہر موقع پر ان مستقصبوں کو شکستیں دیں، اور ان کا سارا بھرم کھل گیا، چنانچہ تفصیل
اس کی آگے آئے گی،

فرضی کا تقربہ روز بروز بڑھا گیا، لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار
نہ کی، طبیب تھا، حصن تھا، شاعر تھا، اور اخین مشغلوں میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی
تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ سلطنت کے جلوس میں شہزادہ و انبیاء میں

لکھم و تربیت پر دہوئی، اور تجوڑے بی بی دونوں میں فیضی نے اسکو ضروری مرائب
قیمتی، جہاگیر نے تزک میں لکھا ہے کہ شہزادہ دانیال ہندی درج بجا کا، کی شاعری
و اتفاق تھا اور خود بھی کہتا تھا، یہ فیضی ہی کی صحبت کا اثر ہو گا، اسی سمنہ میں اکبر
جہاد و امامت کے دعوے سے مسجد میں جا کر خطبہ پڑھا، یہ خطبہ فیضی نے لکھا تھا،
چونچہ تفصیل اس کی آئے گی۔

۲۹۷ جلوس میں اکبر نے اخمار عقیدت کے لیے شہزادہ دانیال کو اجیر کی زیارت
لیے بھیجا تو فیضی کو بھی اسکے ساتھ متعین کیا۔

اکبر نے شیخ عبد العظی کا زور توڑ کر صدارت کے لئے کریں کر دیے تھے، اچنپا نشہ بھری
اگر، کا الجھار کا پی کی صدارت فیضی کو دیکھی ہے ۱۵۹۶ء، بھری میں جب یوسف زدی
دونوں پر اکبر نے فوجیں بھیجنیں تو فیضی بھی اس حجم پر مأمور کیا گیا،

۲۹۸ بھری میں جو اکبر کی تخت نشینی کا تینیساویں سال تھا فیضی کو لکھ شعر کا نظر

بجیب اتفاق یہ کہ اس کو دہی تین دن پہلے فیضی نے ایک تصیدہ لکھا تھا،

آن روز کہ فیض عام کر دند مارا ملک الکلام کر دند

از برصعو د فکرت من آرایش بہت با مکر دند

مارا بہت سام در بودند تا کار سخن تسام کر دند

۲۹۹ بھری میں اکبر کی شیر کا سفر کیا تو فیضی بھی ساتھ تھا، تصیدہ کشیدہ یہ اسی سفر

تین لکھا ہر جس کا مطلع یہ ہے،

ہنرا قافلہ شوق نی کند شبکیر کہ بار عیش کتفا یہ بخط کشیر

دکن کی حکومتوں کو جب اکبر نے فتح کرنا چاہا تو ۲۳ جاپس مطابق ۹۹۹ھجری ہیں

پہلے ایک کے پاس سفارتین ہیجین خان دیس کی سلطنت کا فرمازدہ، باحی علی خان تھا

فیضی کو اس کی سفارت پر منعین کیا، فیضی کو اگرچہ یہ خدمت ناگوار تھی لیکن قبول کرنے کے مو

چارہ نہ تھا، اس نے سفارت کے معاملات اس خوبی سے انجام دیے کہ راجح علی خان نے

حلقہ بگوش بن کر آئے کی اطلاع دی، فیضی نے بربانپور میں دربار آراءستہ کیا، تخت پر

شاہی تلوار، خلعت اور فرمان شاہی رکھا گیا، راجح علی خان درس سے پیدا ہوا تھا، تخت کو فریب

اک جوتیاں اُتاریں، کھڑے ہو کر تین تسلیمین بجا لایا فیضی نے فرمان شاہی دونوں ہاتون میں

ادب سے لیکر کہا کہ حضور نے تھا سے نام فرمان بھیجا ہے، راجح علی خان نے فرمان ددون

ہاتون سے تھام کر سر پر رکھا اور تین تسلیمین بجا لایا، اسی طرح خلعت اور تلوار عطا کیے جانے پر

تسلیمین کیں، چنانچہ فیضی نے اپنی عرصند اشت میں یہ تمام امور تفصیل سے بیان کیے

ہیں، ہیمان کی عدم سے فارغ ہو کر احمد مگر میں بربان نظام شاہ سے ملا، اور سفارت کے

مراتب انجام دیے،

اس سفر میں اصلی خدمت اگرچہ سفارت کا انجام دینا تھا، لیکن فیضی نے مک کی ایک

ایک چیز پر سصراد نظر ڈالی، اور بادشاہ کو عرصند اشت میں مفصل رپورٹ ہیچ پیش کیا راستون

کا کیا انتظام ہے، عمدہ دار اپنی خدمتوں کو کیونکر انجام دیتے ہیں، شہروں میں رفاه عام کی

لیا عمارتین ہیں، قلعون کی کیا حالت ہو، زمین کسی ہر سیدا وار کیا کیا ہر پھل کیا کیا پیدا
تے ہیں ہنست کے کارخانے کہاں کہاں ہیں، چنانچہ اس رپورٹ کے جستہ جستہ
رسہم درج کرتے ہیں،

بلوچی کہ ہو فوجداری مقرر شد و نزدیک پتنگی کوہ در میان لدھیا نہ د
سرہند چسپیدہ است، اوزدانے کہ اذکوہ فرد می آئند، ہو ادھم حق نذری
می وہند، یعقوب بخشی خدمت فوجداری و عملداری تھا نیر و پرگناٹ
ہردو بجا بھی می تو اندر کرد،

چون ہو دھول پور رسید، مسلے دیا از سنگ بنایت رفع، کہ
صادق خان ساختہ، و متصل آن حامم گرمی باشد، و با غنے و لکشا
مشتمل بر عمارت دلکش، اپر ش رشید آن جا بود، سیر قلعہ گوالیار
نیز کر دہ شد،

و سجاویل پور خواجه امین خوش و وزیر خان ہو رعایا سلوک خوب کر ده
و تقاضی داده و پر گنہ معور ساختہ، کارخانہ اے پارچہ با فی ترتیب داده
کہ چیرہ و فطرہ (یعنی لگکی) برائے حضرت می با فند، برہان پور و حوالی
ادانک جلے ست بنایت سنگ، اکثرے بورستان، ہر جا قلعہ نہیں
بودہ و مزروع شدہ، از میوہ ابھیر خوبی شود و آخر پڑھ فرنگی بشان درخت
بسیت ابست و سی، اسی خوشہ جنیان ست، اخر پڑھ بندوستانی ہم ہفتہ باشد

کہ رسیدہ،

یہ تواصیں ہندوستان کے حالات تھے، غیر ملکوں کے بھی ہر قسم کے مفید اور ضروری اور قابل اعتنای حالات بھم پوچھا تھے؛ اور عرصہ اشتوں میں اکبر کو لکھے، مثلاً ایک عرصہ داشت میں لکھتا ہے،

اب کی چھ جہاز ہر مرے سے چلے، خواجه معناء عمدۃ التجار، عراقی گھوڑے
لئے کر کر رہا تھا، فرنگیوں کا قاعدہ ہے، کہ گھوڑے چین لے جاتے ہیں اور جو
پسند آتا ہے رکھ لیتے ہیں، تین جہاز، بند رگاہ چول میں سلامت آئے،
حسن قلی افشا رادر حسین بیگ اشکر زیں جو صفوی سلطنت کے عمدہ دار
ہیں، آستان بوسی کے ارادہ سے آتے ہیں، یہ لوگ اپنے حرم کو بھی ساتھ
لاتے ہیں، شاد عباس صفوی کا سب نیں برس کا ہے، لفڑاگ اندمازی اور
چوگان بازی وغیرہ کا شفیقت ہے، پار سال دور تبدیل گھوڑے سے گرا شجاعت
اور بہادری اس کے حالات سے ظاہر ہوا، ابھی تک کار و بار خود اپنے
ہاتھ میں نہیں ہے، فرمادخان دکیل، اور حاکم بیگ وزیر عظیم خام کامون کو
اجام دیتے ہیں، پار سال عباس نے خراسان پر نکر کر شی کرنی چاہی تھی
ہرات پر نچکر فوج میں طاعون پھیلا، اسلیے واپس گیا،

اسی طرح ایران اور روم کے حالات نہایت تفضیل سے لکھے ہیں، اور جن با توں کو
پالنیکس سے تعلق ہوا ان کے ساتھ تواصیں اعتنای کرتا ہے، ان خطوط کے پڑھنے سے

علام ہو سکتا ہوا کہ وہ کس قدر ملکی معاملات کی تک پہنچتا تھا۔
اس عرضداشت میں ملک سماقی اور ظہوری کی بھی تقریب اور نہایت تعریف
لی ہوا دران کے عمدہ اشعار نقل کیے ہیں، ان کے علاوہ اور ہر فن کے ارباب کمال کا ذکر
یا ہر ایجنسی میں دپس اور لطیف حکایتیں بھی لکھتا جاتا ہے،
غرض ایک برس آٹھ ہفتے چودہ دن ان اطراف میں رہا، اور سفارت کا کام ہذاست

خوبی سے انجام د کرتا تھا جبکہ میں پائے تھت میں آیا،
یہاں حاظہ کے قابل ہے کہ فیضی کو ملکی معاملات سے کبھی سروکار نہیں پڑا تھا، وہ
شنا عراو رکھیم تھا اور یہ اُس کا اصلی مقام تھا، لیکن اُس زمانے میں تعلیم کے طریقے کی خوبی بھی
ایک عالم کو جس قسم کی خدمت دیجاءے اسکو انجام دے سکتا تھا، جمل کا سامان تھا کہ
مولی اور عالم، مُردہ خوئی اور جنازہ خوانی کے سوا، اور کسی کام نہیں آسکتے،

۲۹۔ جلوس میں اکبر نے ہزار کے ساتھ خواہش کی کاظمی کے خمسہ کا جواب
دھاجائے، اور نیل دمن سے آغاز کیا جائے، چنانچہ فیضی نے نیل دمن چار مینے میں پوری
کے پیش کی تفصیل اس کی آگے آئے گی،

ای زمانے میں فیضی کو دمہ کا عمار صنہ ہوا، اور بیماری کے آغاز میں ۴ رباعی کلی،	دیدی کے فلک چہ زہرہ نیرنگی کرد
من خ دلم افس شب بہنگی کرد	آن سینہ کے عالمے درمی گنجید
تائیم نفس برآور تمتنگی کرد	

یہ شعر اکثر زبان پر رہتا تھا،

گرہمہ عالم بہم آئند تنگ بہ دشود پاں یکے مولنگ

حکیم مصری اس زمانے کا نہایت مشہور معاجم تھا، اس نے بڑی مستعدی سر علاج کیا۔ لیکن موت کا کیا علاج تھا، مرنے سے دو دن پہلے غفلات طاری رہی تھی، اکبر کو خبر ہوئی، اسی وقت ہو چکا، فیضی نے آنکھیں کھولیں، اور آداب بجا لایا، اکبر نے خدا کو سونپا اور اٹھ کر چلا آیا، ابو الفضل نے تیارداری کے لیے بادشاہ سے چار دن کی رہی، عین نزع کے وقت آدمی رات کو اکبر کو خبر ہوئی، بیقراری کی حالت میں آیا، اور فیضی کا سر باخھ میں لے کر دو تین دفعہ پکار کر کہا، شیخ جیوب اکبر اسی لقب سے فیضی کو خطاب کیا کرتا تھا، میں حکیم علی کو علاج کے لیے لا یا ہوں، آپ بولتے کیوں نہیں؟ شیخ نے جب کچھ جواب نہ دیا، تو سر سے پگڑی اُتار کر پھینکدی اور ابو الفضل کو تسلی دے کر چلا آیا، صفر، ۱۷ جولائی ہجری میں استقال کیا،

عام حالات اور فیضی پر اگرچہ بظاہر شاعری کا احسان ہو کہ آج اُس کو جو شہرت اخلاق و عادات ہے، اسی نام سے ہو، لیکن حقیقت میں شاعری ہی نے اس کے تمام کمالات کو مٹا دیا، ملا عبد القادر بدایوی سے ٹڑھ کر اس کا دشمن کون ہو گاتا ہم اسکا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کریتے ہیں،

در فنون جز نیکہ از شعرو معا و عرض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب والشا

۱۷ بڑوی حالات حکیم مصری، ۱۷ اکبر نام، ۱۷ بدایوی،

عبدیل در روزگار نہ داشت،

علوم متداولہ میں سے، اسکو فقہ، مناظرہ، سیاق اور تاریخ و معاصرات کی رغبت
تھی، چنانچہ ایک قطعہ میں خود لکھتا ہے،

گمان ببر کہ زخیل تھی سب جیان ست
پہ چاکبی تعلق دوا پہ پوچیان ست
کہ علم حیله گران و بہانہ جویان ست
از و پرس کہ اد علم مُردہ شویان ست
کہ آن مقدمہ جنگ تند خویان ست
کہ کارتیرہ در دن ان سخت پیان ست
فنا نہایے ملاں دروغ گویان ست
ایشیائی در بارون میں خوش امداد تلق کے بغیر کوئی شخص فرد غ نہیں پاسکتا،
فیضی نے علم کی آبرو قائم کی، اس نے یہ گوارا کیا کہ با وجود اس قدر تقرباً و
شنی کے اسکا منصب چار صدی سے نہ بڑھا، حالانکہ ابو الفضل اسکا چھوٹا بھائی
نیم ہزاری تھا، لیکن اورون کی طرح اس نے عزت نفس کو بر باد نہیں کیا، صاحب
الاہم فیضی سے خوش نہیں، تاہم فرماتے ہیں،

پیش آمد و مصاحبہ شیخ در پیشگاہ خلافت بہ عنوان علم و کمال بود زیادہ
بر پھار صدی منصب نیافت،

کتب خانہ:

شیخ کا اصلی مذاق، علم و فن کی خدمت تھی، کتابوں کا نہایت شاید تھا، ایک
گران بہا کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں ۶۰۰ کتابیں تھیں، اور اکثر نویں مصنفوں کے باہم
کی یادوں کے زمانے کی لکھی ہوئی تھیں، یہ کتابیں تین قسم کے علوم و فنون پر متعلق تھیں، طبیعہ
شیخ و موسیقی، حکمت و تصوف وہیت دہندر سہ تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ، دوستوں کو اکثر
خطوط میں کتابوں کے بہم پوچھانے کی فرمائیں کرتا ہے، ایک دوست کو لکھتا ہے،
از کتب حکمت باقیا مہا اپنے بہم رسید بجہت فقیر بگیرند و بہر بھائے کہ باشد،
اجمیع میں ایک دفعہ کسی نے کہا کہ فلاں صاحب نے میر بزرگ کے ہاتھ سعید ہروی،
دیوان بھیجا ہے، فوراً اُنکے گھر بھوچا، اور کتاب کا تقاضا کیا، امیر خرد کے تفنن نامہ کا ایک
نسخہ ہاتھ آیا، لیکن اول و آخر سے ناقص تھا، ایک دوست کو لکھتا ہے،
پر کیے از خدمتگاران امر فرمائیں کہ بہر خطے مستودہ نمودہ بجہت بندہ صحوب
حاملاں عرلیضہ فرستند،

نیاضی

نہایت نیاض اور سمجھی تھا، اہل کمال کے یہ اس کا گھر بمان سرے عام تھا،
عرفی ایران سے آیا تو اول اسی کا ہمان ہوا اور بہت دنوں تک اسکے گھر پر مقیم رہا
اس کی تغیری کی تاریخ حیدر مجاہی نے سورہ قل ہواشد سے بنکالی، تو دس بہزادہ دپا
صلہ میں قیلے

سلہ کتب خاد کے تعلق تفصیل باریتی نے فیضی کے تذکرہ میں لکھی ہے

۲۵ نثار الامراء، ذکر فیضی،

فقر اور اہل دل کا نہایت گردیدہ تھا اور اکثر بزرگوں کے مزار پر حاضر ہوتا تھا، درد بیش پرستی
اجفرید الدین شکر گنج کی خدمت میں خاص ارادت تھی، ان کے مزار پر جب گیا ہوا تو
قطعہ لکھے ہیں، ایک یہ ہوا

زبرد وق خدادائی و خدا بینی
کے بودہ اند شہان در لباس مسکینی
ک کردہ زیر سرش ڈسپر بالینی
بر فی ما ندہ ۲۰ خر کشند شیرینی
فرگزیدہ ترین نعمت ستر عالم
میں سفرز پے طوف اولیاۓ عظام
یہ بہر طواف مزار گنج شکر
بلے چو خوان کرم اہل نعمت آرائند
ایک او قطعہ ہے،

در مقام او پر صدر گنج سفرز پے بردا انہ
طبب بانی فرید الدین شکر گنج آنکہ مغلن
دو تین شعر کے بعد کھتا ہے،
طوطیان دیہیم در پرواز گر در قدش
ایک دوست کو لکھتا ہوا

در حال ذکر مشائخ ہند، اپنے داشتہ باشنا، از ملعونیات و غیرہ تھے
چھڑاہ آرند، البتہ بست عزیز ہے، کتابے در حال مشائخ ہند بود
موسوم پہ تذکرہ الاصفیا، اگر در ان شہر بھم رسدا بھم رساندہ کے بیار
مطلوب رہتے،

رشک و حساد نا توان بینی شمرا کا عام خاصہ نہیں یہی تمام معاصرین کا نام

نہایت عزت اور محبت سے لیتا ہے، اور بارشاہی میں انکی سفارش کرتا ہے، اکبر کو
ایک عرصہ داشت میں لکھتا ہے،

در حمد نگر دشا عز خا کی نہاد صافی مشرب ان و در شعر رتبہ عالی دارند
یک ملک قمی کہ پس کرت خلاط می کند، و ہمیشہ فڑہ ترے دار، و یگر
ملاظہوری کہ بنایت زنگین کلام است، و در مکار م اخلاق تمام عزیت
آستان بوس دارد،

دو نون کے اشعار بھی نقل کیے ہیں،
ملک قمی کا دیوان اول فیضی ہی دکن سے اپنے ساتھ لائیا، غزالی
شاعر مراد اس کی تاریخ کی،

قدوہ نظم، غزالی کہ سخن
ہمہ از طبع خداداد نوشت

عقل، تاریخ و فاتح بد طور
سنہ نہ صد و ہشتاد نوشت

عرنی کی نسبت، عام طور پر مشہور ہر کو فیضی اس سے جلتا تھا، اور دو نون میز
ہمیشہ ذکر جھوک ہستی تھی، چنانچہ اس قسم کے قصے، خانی خان اور بڈا یونی نے بھی نقل
کیے ہیں، لیکن فیضی کے مکا تب موجود ہیں، اس میں ایک دوست کو خط لکھا ہے، اور عزیز
کی اس قدر تعریف کی ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی ہم اسکے خاص الفاظ عرنی کے
حال میں نقل کریں گے۔

لہ بڈا یونی، تذکرہ ملک قمی

نہایت حلیم اور نیک نفس تھا، ملا عبد القادر بدایونی کا برتاؤ جو اسکے ساتھ تھا،
سکا اندازہ اُن الفاظ سے ہو سکتا ہے جو بلا صاحب نے اس کی نسبت استعمال کیے ہیں
چنانچہ اسکے حالات میں لکھتے ہیں،

مخترع جد و نہل و عجب و کبر و حقد و مجموعہ نفاق و خباثت و ریا و حب
جاه و خیال اور عوبت بود، دروازے عناد و عداد است با اہل اسلام د
طعن در حصل اصولِ دین و اہانتِ مدھب و مذمت صحابہ کرام و تابعین و
سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیار و بی ادبی
و بے تحاشی نسبت بہمہ عمل و صلحی و فضلا رسراً و جماراً سیلًا و نہاراً اہمہ ہیود و
نصاری دہنود و مجوس بر و نہار شرف داشتند،

لیکن فرضی کا سلوک ملا صاحب کے ساتھ یہ تھا کہ ملا صاحب اجب و رب اکبری سے
معتوب ہوئے تو نتناہی ہجری میں اُس نے احمد بخاری سے ایک خط اکبر کو لکھا، جس میں ملا صاحب کے
الحالات کی بے انتہا تعریف کی، اُنکے علمی اور اخلاقی کی لامت آٹھ دس سطر میں لگائے
ہیں، آخر میں لکھا ہو کہ گویا میں خود حضور کی درگاہ میں حاضر ہو کر نما مبردہ کے اوصاف
عرض کر رہا ہوں، اور ذکر تا توحی پوشی کا مجرم ہوتا، ملا صاحب کی غیرت کی داد دینی
چاہیے کہ خود اس خط کو اپنی کتاب میں نقل بھی کیا ہو، اور چون کہ یہ کھٹکا بھی تھا کہ گوگ کیا
کہیں گے اسیلے فرماتے ہیں،

اماچہ تو ان کر دکہ حق دین و حفظ اعمد آن بالا تراز ہم حقوق ست الحشی و الغضی

ملا صاحب اور ان کے تمام پرورد़وں نے متفقاً فیضی کو سمجھا بیدین ازندہ اور
کافر لکھا ہو، ملا صاحب نے یہ بھی لکھا ہو کہ فیضی مرنے کے وقت گُلتوں کی طرح بھونکتا تھا،
اور اسکے ہونٹھ سیاہ ہو گئے تھے، لیکن حقیقت یہ ہو کہ یہ لوگ فیضی کے رتبہ کو سمجھ نہیں
سکتے تھے وہ جو حکیماں خیالات ظاہر کرتا تھا، ان لوگوں کو الحادا درزندہ نظر آتا تھا،
فیضی کے مذهب اور اسکے خیالات سے اسکا دیوان بھرا چڑا ہے، اسکے پاکیزہ خیالات
خود اُس کی زبان سے سنو،

مرغِ ملکوتیم ہوا رانشنا یم	ما طا ر قدسیم نوار انشنا یم
از مانعِم آموز که لار انشنا یم	بُرہانِ ثبوتیم زمانی نیا ید
ترتیبِ دلیلِ مُحکما رانشنا یم	در کشف حقایق بحق آموز ضمیریم
دروحدتِ حق پوئنچر ارانشنا یم	با اہل جدل نکتہ توحید نہ گوئیم
ارباب صوابِ یم اخطار ارانشنا یم	اصحاتِ قلینیم، مگان رانہ پسندیم
قصص جرس و بانگ ارانشنا یم	از قافلہ مانتوان یافت نشانے
آئینہ سیجم، فیض ارانشنا یم	نور جبر و تیم، رظلست نہ ہرایم
گر صاحبِ لولاک لار ارانشنا یم	برداش مانجہم وا فلاک بخندند
در شرع، دگر راہ نمار ارانشنا یم	حد شکر کہ ما پر و اصحاب سولیم

اس کے بعد چارہ دن خلفا کے اوصاف بیان کیے ہیں،

پایلوںی وغیرہ کتنے ہیں کہ فیضی فلسفہ کو شرع پر قدم سمجھتا تھا، لیکن وہ خود مر کردا دوار

میں لکھتا ہے،

معنی تسلیں چوادا می کئی
حق رتو با غیر مشا پر شدہ
فہم تو از قول نبی ا جنبی
چون سخن از شرح حجج می رود
طعنه مژان این بہم بر اختلاف
گرم بیان در په طرف رفتہ اند
بهر یاضی پر ریاضت مکوش
از خط آقلیہ س د سخطش گوی
بگذر ازین علم دعل پیش گیر
با این بہم وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متصل ہو لوں گے
ذریب کی جو صورت بنارکی ہے، یہ اسلام کی اصلی تصور یعنی، شیعہ، سنتی، کے جھگڑوں کو
دو صل ذریب سے غیر متعلق سمجھتا تھا اور ان خواہ جنگیوں کی ہنسی اُڑتا تھا، اس بستر
کی ایک عرصناشت میں لکھتا ہے کہ، ایک اوزبک ترک ہاتھ میں دھا گائے پھرتا تھا،
لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہر جو بولا کہ میری ماں نے دیا ہے کہ کسی رضنی کے خون سے رنگیں
کر لاء تو میں رکھ چکرڑوں کے نیرس کفن کے سینے میں کام آئے، اسی عرصناشت
میں لکھتا ہے، کہ چند احباب ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، ایک

شخص نے کہا کل اسی طرح حوض کوثر کے چار دن کو نے پر خلفاء اربعہ تشریف رکھتے ہوئے، اور مومنین کو آب کوثر پلاتے ہوئے گے، ایک شیعہ جس کا نام محمد صباغ تھا، بولا کر کیا فضول بنتے ہو، حوض کوثر مدد و ہمدردی کے ساتھ تضریغی علی ہیں، یہ کہکر بھاگا، یہ حکایتین لکھ کر فیضی حضرت خواجہ فرید الدین عطا کے ای شعار نقل کرتا ہے،

زنا دانی دل پر جبل و پر کمر گرفتار علیے باندی و بو بکر
چویک دم زین تخلیل می نرستی نمی دانم خدا را کے پرستی

فیضی پر بڑا الزام یہ ہے کہ اس نے اکبر کو لاندہ بہب اور ملحد بنادیا، اس بھجوٹ میں صرف اس قدر صحیح ہے کہ ایک زانے میں شیخ عبدالبنی، اور مخدوم الملک نے اس قدر تعصباً پھیلا دیا تھا کہ غیر مذہب کے لوگ عدالتیہ قتل اور گرفتاری کے جانتے تھے، خود بداریوں کی کتاب میں متعدد واقعات ہیں کہ بہت سے لوگ بہتی اور راضی ہوئے کہ جرم میں قتل کرنیے گے، فیضی اور ابو الفضل نے اکبر کی اس تنگ خیالی کی صلاحیت لیکن عبدالبنی اور مخدوم الملک کا اثر ملک پر اس قدر غالب آچکا تھا کہ انکا ذور توڑنا مشکل تھا، فیضی اور ابو الفضل نے علمی مجبیتین قائم کرائیں، جن میں درباریوں کو علامتیہ نظر آیا کہ ان متعصبون کے پاس یعنی اور تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہیں، اس کے بعد ۹۰ جلوس ہجری ۲۲۳ میں ایک محض نامہ طیار کرایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہو، اسکو میں صبھ مسائل مختلفہ میں جس محبتہ کے قول کو چاہیے اختیار کریے، اور دہی جھت ہو گا،

اس محض کی عبارت شیخ مبارک نے لکھی، اور فیضی اور ابوالفضل نے اس پر دستخط کیے، لطف یا کہ شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک کو بھی دستخط کرنے پڑے، اگر فیضی یہ بھی جا ہا، کہ اعلان عام کی غرض سے جمع کی نماز بھی پڑھائے، تاکہ منصب امامت سلم ہو جائے فیضی نے خطبہ لکھ دیا،

بنام آن کہ مارا سروری داد
دلے دانا و بازو قوی داد
بود صفرش ز حبہ فہم برتر
قالے شاند، اللہ اکبہ

ان کا رروایوں نے متصرف مودویون کا زدر توڑ دیا اور اکبر کو موقع ملک کر دے
ایک ایسی دسیچ اور آزادانہ حکومت قائم کرے، جس کے سایہ میں ہندو، مسلمان، یہود
نصاری، سب آزادی کے ساتھ اپنے اپنے فرائض مذہبی، ادارکر سکیں، اور یہی طرز حکومت
خلافاء راشدین نے قائم کیا تھا،

اس میں شہہ نہیں کہ اکبر اس عالم میں حد سے تجاوز کر گیا تھا، درباریوں نے اسکو
بنانا شروع کیا، اور وہ بتا لیا، دسعت مشرب میں اُس نے آتش پرستی اور آفتاب پرستی
تک کی، لیکن اسیں فیضی کا کیا قصور ہے، فیضی سے جہاں تک ہو سکا ہے ہر موقع
پر نہ ہبی پہلو قائم رکھا، یاد ہو گا جب اکبر کے حکم سے ابوالفضل نے توریت کا ترجیح
سنانا شروع کیا اور یہ مصروف پڑھا،

لے نامی دے ٹرڑ کر سٹو، (جنیس کرائٹ)

تو فیضی برابر سے بولائے مجھا ناٹک نامسوک یا ہوا،

فیضی نے تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہو، لیکن ایک ذرہ مسلماتِ عام کی
شاہراہ سے نہیں ہٹا، حالانکہ تفسیر سن ہر قدم پر اُسکو آزاد خیالی دکھانے کا موقع حاصل
کھتا، ملا صاحب تو فرماتے ہیں کہ وہ تمام عقائدِ اسلام کا منکر کھتا، لیکن وہ اُن تمام عقائد کا
معترض نظر آتا ہو جنکو معتقداتِ عموم کہتے ہیں، معراج کی نسبت اکثر علمائے اسلام کا خیال
ہے کہ روحاںی بقیٰ لیکن فیضی اس پر راضی نہیں چنانچہ کہتا ہے،
وہ راست برداشت کیج نیست حاجت بہ دلائل و موجج نیست
اُن را چہ وقوف ازین مقام است کو منکر خرق وال تیام است
سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی نہیں ازادی ہم بوجو کچھ سنتے ہیں، زبانی سنتے ہیں، تصنیفاً
میں تو وہ ملا مے مجردی لظاً آتا ہے۔

فیضی اگرچہ ریا کار مولویون کو نہایت بُرا بھتا تھا، لیکن اصلی مقدس بزرگوں
سے نہایت تھقیدت رکھتا تھا، شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی سے اُسکو نہایت
خلوص تھا ایک مدت تک فتح پور میں بلا کران کو مہمان رکھتا، بچھ جب دربار کی مدد ہی
بدنا می بھیلی تو شیخ دلی چلے گئے، فیضی نے بار بار بلا بیا لیکن شیخ نے غذر کیا، بالآخر شیخ نے
ایک خط لکھا، جس میں اُن کو اُسدہ تکلیف نہ دینے کا اظہار کیا، لیکن یہ بھی لکھا کہ
خط کتابت سے درج نہ کیجئے گا، اخیر کے فقرے سے یہیں،
اگر بال دپرے مے داشتم ہر روز بر بام اُن جھروں می نشسم دوانہ چین

سلف نار بخ بدالوںی، مذکورہ شیخ عبد الحق دہلوی،

نکلت محبت می شدم دیگر چہ نویم طلب ہائے در دا نہ ازان جادیز
 می رسد از بر اسے خدا برسن قافلہ اسرار خود را را ۱۵ نہ بنندند
 ملا صاحب ان تمام باتون کو فیضی کی ستم ظریفی سمجھتے ہیں اور فرمائے ہیں کہ وہ
 گرمی بحفل کے لئے ان بزرگوں کو اپنے یہاں ملائیخا
 اس زمانے میں نشانی صاحب ایک تھُر کن ملا صاحب کبھی ساختہ پرداخت
 تھے وہ فیضی کے عروج کو دیکھ کر خست جلتے تھے اور اس کی شان میں ہجو آمیز
 اشعار کہا کرتے تھے فیضی نے ایک قصیدہ لکھا تھا
 شکر خدا کم عشق بتان ست ہبہم بر لذت بر ہمن و بردین اذرم
 اگرچہ فیضی نے اس شعر کے بعد بتا اور بر ہمن کے معنی بتا دئے تھے کہ
 متداول معنی مراد نہیں
 بُتْ چَسِّيْتْ بُرْخْ بُكَاشَةَ مُنْتَبِّيْنْ کاندھ کلیسا یا ضمیرتضمیر
 اسْتَادَ بُرْهَمْ کَمْ زَبَتْ خَانَةَ خَيَالَ در سجدہ حضور فرداد اور در سرم
 لیکن نشانی صاحب اس لطف کو کیا سمجھ سکتے تھے انھوں نے اس کی
 پڑھ پر فوراً ایک قصیدہ لکھ لڑا
 شکر خدا کم بپردا دین بپیسم حب رسول وال رسول ست ہبہم
 قائل بپردا ستر د قیام قیا تم اسید و ارجنت و حوری و کثرم
 یہاں تک بھی غنیمت ہو لیکن ایک غنڈی میں فیضی کے کمال شاعری کا بھی انکار

کرتے ہیں:

شمع و چرب زبانی مکن	دعوی احیا و معانی مکن
یک سخن تازہ نشگوشن زد	طبع توہر چند درہوش زد
در ک تو سفتی دگران سفتہ اند	اپنچ تو گفتی دگران گفتہ اند
آب و گلش از دگران خواستی	خانہ ک از نظم بیار استی
از خوی پیشانی یاران تست	تازگی آن دزباران تست
چشم ہ مال دگران د فضتن	چند پ نقد کسان سوختن
آب ز سرچشم خود نوش کن	شربہ بیگانہ فراموش کن
در شکری شاخ نبات تو کو؟	گر خضری آب حیات تو کو؟
ملا صاحب نے ان اشعار کو رشتائی کے حال میں) نہایت جوش سے نقل کیا ہو،	
خود بھی فیضی کے حال میں فرمائکے ہیں کہ چالیس برس تک استخوان بندی کرتا رہا،	
لیکن ایک شعر مزہ کا نہ مکلا بطف یہ کہ نلسون کے ذکر میں خود لکھ کچکے ہیں، کہ تین سو	
برس سے ایسی شنوی نہیں لکھی گئی، ملا صاحب کی ان دو نگیوں پر بے ساختہ	
یہ شعر یاد آتا ہے،	

از ان پ در د گرہ زمان گرفتار م	کہ شیوه ہای ترا باہم آشنائی نیست
فیضی کو اپنے خاندان سے نہایت محبت تھی، تفسیرین کوئی موقع نہ تھا،	
لیکن اپنے آٹھوں بھائیوں کا ذکر کیا ہے، خطوط میں ابو الفضل کو عسلانی اخوی.	

واب آخری لکھتا ہے ادا اس انداز سے لکھتا ہے کہ محبت کا نشہ پیکتا ہے، قصیدہ فخر یہ میں
بفضل کی نسبت لکھتا ہے،

باين چنین پدر که نو شتم مکارش	دفضل مفتخر زگرامی برادرم
صد سالہ در میان من و دشکمال	د عمر اگرچہ یک دو سالے فرد دن

۲۹۹ ہجری میں اکپر کے ساتھ پشاور میں تھا کہ خبر بونجی کہ والدہ بیمار ہیں، بادشاہ کا
ساتھ چوڑکر لا ہو رپوچا، یہاں اُن کا انتقال ہو چکا تھا، بے تاب ہو گیا، اس عالم میں
بوجٹ لکھے ہیں، اُن سے خون پیکتا ہے، ایک دوست کو لکھا ہے،

بان فعل حملے دارد کہ بندہ رانی تو ان، شناخت، بدن در کاہش افدا ده	واند وہ کارگر آمدہ، صعف دا سہال روی نودا، دول از حیات سر دشہ
بندی خدا سو گند کہ از ہزار یکے نو شتہ است،	

تین برس کا بچہ مر گیا جو اُس کے غم میں جانگذاز مرثیہ لکھا ہے،

شدو قت آن کہ دیدہ چودل غرق خون کنم	خون نا پگرہ شدہ از دل بر دن کنم
آن غصہ کہ پیش نخوردم کنوں خورم	وان نالہ ک پیش ذکردم کنوں کنم
گویند غافلان ر دصب ر اختیار کن	چون اختیار دکفت من نیست چون کنم
اسے روشنی دیدہ ر دشمن چکو دا	من بے تو تیرہ روز تو بے من چکو نا
ما تم سراست خاذ من در فراق تو	تو زیر خاک ساختم مسکن چکو نا
بر خار و خس کہ لبڑو بالین خواب تست	لے یا سین عندار سمن تن چکو نا

قصیدہ قات صاحب مائٹر الامر اور نکٹا ہو کے فیضی نے ایک سو ایک کتاب: تصنیف کیں، ان میں سے جن کتابوں کا پتہ چلتا ہوا انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔
خمسمیں نظامی کی پانچوں مئیوں کا جواب، ان کی تفصیل خود ایک خط میں
کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں،

اسانی کتب خمسہ این ست، اول مرکز ادوار کے اکثرے در فتح پور
گفتہ شد بود، عدم سیامان و بیقیس کہ پیش ازین ہفت سال در لاہور
بنیاد کر دیا ہوا، وجہز کے چند ازان گفتہ، سوم تلمذ من کہ تمام شد
چهارم ہفت کشور کے در احوال ہفت القیم گفتہ خواہ شد، پنجم
اکبر نامہ کہ آن ہم جستہ جستہ در فتح گفتہ بود،

ان میں سے دو کتابیں یعنی تلمذ من اور مرکز ادوار انجام کو پانچوں اور آج
بھی ملتی ہیں، مرکز ادوار کی ترتیب شیخ ابوالفضل نے فیضی کے مرثی کے بعد کی،
مرکز ادوار کا عمدہ نسخہ ہمارے کتب خانہ میں جواب نہ دے پر دقت کر دیا گیا موبوڑا
سنگھ جلوس میں فیضی کو خمسہ کا خیال پیدا ہوا، اور سب سے پہلے مرکز ادوار شروع
کی، سکے ساتھ اور مئیوں کی بھی بنیاد ڈالی، اور سب کے کچھ کچھ شفر کہے، لیکن چونکہ ہبھتے
مشغله پیش آتے رہتے تھے، کمی کتاب انجام کو دیہم بخ سکی پہلی جلوس میں اکبر نے
اصغر ار سکے ساتھ کہا کہ خمسہ کو پورا کرنا چاہیے، اور سب سے پہلے تلمذ من انجام پاس کچونکہ
مہندوں کی تصریح تھا، الیکر کی میلان طبع نے اس کو مقدم رکھا، چنانچہ چار ہفٹے میں تمام ہوئی

بامہزار شعر ہیں اچنا نچہ خود کھتے ہیں

ایں چسارہ زارِ گوہر ناب کا نیختہ ام بآتشین آب
فیضی نے یہ شنوی اکبر کی خدمت میں پیش کی اور دستحد کے م Rafiq اشرفیان
درکین، اکبر نہایت محظوظ ہوا اور حکم دیا کہ خشخط لکھو اکر جا بجا مرئے اور تصویرین شامل
لے جائیں، نقیب خان کو حکم ہوا کہ وہ پڑھ کر سنایا کرے،

ملاء عبد القادر صاحب بدیلوی، ہر جگہ جہان فیضی کا ذکر آتا ہے بے نقط سناستے
نیکن یہاں انکو بھی مجبور ہو کر تعریف کر لی پڑی، چنانچہ فرماتے ہیں،
والحق شنوی ست کہ درین شستہ صد سال، مثل آن بعد ازاں میر خسرو،
شاید درہند کے دیگر لغتہ باشد،

ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ سب شنویان بعدی ہوئیں، لیکن کوئی
یعنی شہادت پیش نہیں کی، بلکہ فیضی کے اشعار سے استدلال کیا ہے، لیکن جو شعر تلاش
میں نقل کئے ہیں، ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا، اشعار یہ ہیں،

زین ہفت ربان طو چار منزل	بندم بہ جہزادہ پنج محل،
آن چار عرب سر ہفت خراگاہ	کا در دمیان پھیسے راہ
چند دین اگرم امان وہ بخت	یک یک برم بپا یہ نخت
گز شکن دم سپہر پايان	بلقیس برم برسیمان

^۱ پہنچیں اکبر نامہ داتفاقات سکھ جلوس نہیں ہے،

مَلِكُنْ اَوْ مَرْكَزِ اَدَارَ پَرْ يَوْلَوْ آگَے آئَے گا، سِيلَمانْ لِمْقَيْسْ کَا یہ انداز ہے

اَتَى پَرْ دَهْ تَقْدِيسْ بَكْشَانَ سِيلَمانْ مِراً لِمْقَيْسْ بَنَماَءَ

دَلْ مِنْ بَاتَانِ آذَرِي چِندَ سِيلَمانْ نَفْرَقَارَ پَرْ چِندَ

چِنَامَ اَزْ بَلَندَیِ درَدَهْ آواَزَ کَ آيَهُهُ شُوقَمَ بَرْ دَازَ

گَرْهَ شَدْ هَفْتَ درِيَارَ گَلَوْيَمَ كَشَائِشَ نِيَسْ مُكْنَنْ تَانَگَوْيَمَ

وَگَرْ فَتَمَ کَ بَلَذَارَمَ مَقَابَلَ خَنَگَافَ خَانَهْ رَبَارَ دَزَنَلَ

اَكَبَرَ کَ مِحْمَجَرَاتَ پَرَايَکَ شَنُونَیِ لَكْمَهِيَ بَقَیِ دَهْ بَھَیِ نَامِیدَهُ، چِندَ شَعَرَ اَيَکَ خطَمَنْ نَقَلَ

کَیْهَنَ، مَلاَحَظَهْ ہُونَ،

ہَانَدَمَ اَهَالِيِ دَحَلَکَامَ شَهَرَ کَ دَرَشَهَرَ بَوَدَ نَدَشَهَورَ دَهَرَ

بَهَهَ کَرَدَهْ آوَيَزَهْ دَسَتَ خَوَشَ کَلِيدَهْ دَرَنَخَ شَاهَانَ بَهَشَ

رَسِيدَنَدَزَ سَرَقَدَمَ سَاخَتَهَ زَشَادَیِ سَرَابَلَسَ نَشَاختَهَ

سَرِخَودَهَنَادَهَنَادَهَ بَرَپَائَهَ شَاهَ کَ مَائِيمَ سَرَاتَهَ دَرَگَنَاهَ

زَعَمَهَ کَ نَگَذَشَتَهَ دَرَبَندَگَیِ بَصَدَگَوَنَهَ دَارَیَمَ شَرَمنَدَگَیِ

رَسِيدَیَمَ دَرَخَدَتَتَ بَنَدَهَ دَارَ بَجَزَهَنَدَگَیِ بَنَدَگَانَ رَاجَهَ کَارَ

نَهَایَتَ بَچَنَهَنَهَیِ اَوَرَهَنَدَیَانَ تَرَکِیَّینَ ہِنَ، اَسَ پَیَ قَلْمَ انَدازَ کَرَتا ہُونَ،

مَوَارِدَ الْحَکْمَ، تَفَسِيرَ غَيْرِ مَنْقُوطَ لَكْفَتَنَے کَ اَجَبَ اَرَادَهَ کَیَا، توَشَقَ کَ طَورَ پَرَ پَنَلَے یَهَ

کَتَابَ لَكْمَیِ کَہَاتَهَ صَافَ ہُوَ جَائَے، کَلَکَتَهَ مِنَ چَھَپَ گَئَیِ ہے، فَيَضَنَیِ کَ اَيَکَ رَقَعَتَ

علوم ہوتا ہے، کہ ۸۹۵ھ ہجری کی تصنیف ہے، فیضی نے اسکو بلاد عرب میں بھیجا تھا، اور لوگوں نے
سب دستور اس کو بہت کچھ داد دی،

سواطح الالهام، یعنی تفسیر غیر منقطع شانشہ ہجری میں تمام ہوئی، کل مدت تصنیف
وڈھائی برس ہے، اس تفسیر پر فرضی کو ڈراما ز ہے، دوستون کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں
لش فخر سے اسکا تذکرہ کرتا ہے، جن لوگوں نے تاریخین اور تقریظین لکھیں، ان کے نام بھی
لکھے ہیں، ایک خط میں لکھتا ہے،

درعاشر ربیع الثانی ۷۴۱ھ داشتین وalf کے سال حال است، تمام شد
این عطیہ غیبی مخصوص فقیر بود، غرابتش زیادہ ازان است، کہ حیرت افزائے
اہل این فن نہ گردود،

دیباچہ ہیں لکھا، ہر کہ جب ابتدائی تو والد کو دکھایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بعض فقرے
دل فیصلے، پچھٹا حصہ تمام ہوا، تو اکبر نے فیضی کو دن کی نعمت مسجد یا، اس مسجد میں ایک سال است
یاد و توقیت ہوا، اسی اثناء میں شیخ مبارک کا انتقال ہو گیا، پھر تفسیر کر گئی، اور ایک سال
تے پھر کم رکی رہی، دوسرے سال کے آغاز میں شروع کی، اور انجام کو پہنچا یا تفسیر خیر جو
پڑھی، ہر لیکن تاریخین اور تقریظین خوب لکھی گئی ہیں، ملا حیدر کاشانی نے پوری قلم جو اللہ
سے تاریخ نکالی، یعنی اس سورۃ کے حروف کے عد و شمار کیے جائیں تو ۱۰۰۲ ہوتے ہیں،
یا اس شخص نے اس آیت سے تاریخ نکالی لاد طب ولا یابس بلا فی کتاب مبین
اوری اور ملک قمی نے قصیدے اور ربانی عیان لکھیں، چند ربانی عیان درج کرتا ہوں، جن میں

غیر نقوط ہونے کی توجیہ شاعرانہ طریقہ است کی ہے،

پیدا ست نقاطش زچنا پیدا شد	دانے ازین دفتر کل دریا شد
شد و قت حصاد، و انها خرسن گشت	شد و قت حصاد، و انها خرسن گشت

از چین سخن گران سخن نتوان ساخت	بی بوز یه صفحه مشک افشاران ساخت
حیاد خیال از پله، آهون سے قلم	هزنا فکه چیز در عین پنهان ساخت

این نسخه کشاد کر دن اسفا دان را	رو ساخته شاگردی ام استادان را
بر نقطه ز تار خط نیگند کند	در مہند ردا نداشت آزادان را

سے بخت بیا یاری این مکیں کن	تا پیش روم موائع رہ لپس کن
ہر نقطہ کہ کردند این نسخہ بروان	شد هر لب سخن ظهوری بس کو

این خرد و چشم روہا کنم نایاب شد نز	ذرات درین شعشعہ سیاب شد
از پرده نقطه حسرن معنی بد میسے	خورشید برآمد، اختزان آب شد
فیض ازل از چهرہ بر انگند نقاپ	از دوح خرد، مسترد آثار حجاب
سر زد خورشید معنی از مشرق لفظ	نیلو فرن لطف سر فشر و برد پا آس

سخت تجھ بھر کے فیضی جیے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر یہ ہیوادہ مغرب کا دی
نوار اکی تفہیس کو پڑھکر بھراں کے، کجا بیجا محل الفاظ جمع کر دیئے ہیں، اور کچھ اثر طبیعت پر
ہیں ہوتا، یہ تجھ ہے کہ اور کوئی شخص اس کمان کو زہ نہیں کر سکتا، لیکن بہر حال ایک نفو
کام ہو، کسی سے بن آئے یا نہ آئے، طریقہ کی فیضی کے مخالفین نے اس موقع پر بھی اعتراض
لیا تو یہ کیا کہ آج تک کسی نے بے نقطہ تفہیس نہیں لکھی، اس لئے یہ بدعت ہے اور اس لئے
خلاف شریعت ہے، فیضی نے برجستہ جواب دیا، کہ خود کلمہ توحید نما الہ اکہ اللہ محمد
رسوُلُ اللہ، سرتا پا خیر منقوطہ ہے،

انشائی فیضی، اور الدین محمد عبدالرشد بن حکیم عین انسک، اک نسل ایرانی اور خود
ہندوستان زاد تھے، فیضی کے بھانجے اور شاگرد تھے، انہوں نے فیضی کے تمام
مکاتیب و خطوط جیسا کر کے، ایک جمود عمر تک کیا، اور لطیفہ فیضی نام رکھا، اسوقت
تک خطوط اور مراحلات سے بیان واقعہ کے بجائے زیادہ تر انہمار انشا پر دازی مقصود
ہوتا تھا، فیضی پہلا شخص ہو، جس نے سادہ نگاری کی ابتداء کی، اس طرز میں اس کا کوئی نظری
ہے تو حکیم ابوالفتح ہے، جسکے رفاقت چار بارغ کے نام سے مشهور ہیں،

فیضی کے خطوط سے اس زمانے کے تمدن، تہذیب، معاشرت، آداب رسوم،
ہر ہم کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں، بعض بعض جگہ ہندوی الفاظ بھی بول جاتا ہے، مثل
والدہ کو "بُو جیو"، کہا کر تا تھا، خط میں ان کا ذکر آگیا ہے تو یہی نفظ لکھ دیا ہے،

دیوان غزلیات کچھ اور نہرا شعر ہیں، خوب دیباچہ لکھا ہے اور یہ تحدی دیکھی از میں

لکھی ہو، دیباچہ میں یہ بھی عذر کیا ہے، کہ اس میں پست و بلند ہر قسم کا کلام ہو، خاتمہ میں چن
رباعیان لکھی ہیں، ایک یہ ہو،

این قصر سخن یافت عارف اشارت از من دریافت ز احباب اشارت از من
ہر نکتہ کہ می ریخت ز نوکِ تسلیم معنی ز خدا بود عبارت از من
دیوان کا نام طبائشیران لصوح رکھا، ایک خط سے جو ایک دوست کو لکھا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ دیوان جب مرتب ہوا ہو، تو فیضی کی عمر بہ سے کچھ ادپر ہتھی، اسی خط
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غزل گوئی کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ دوسرے دیوان کی طیارہ
کی ہے،

قصائد، مختصر مجموعہ ہر، حمد، نعمت، مح، فخر، تصوف، اخلاق، وغیرہ مضامین:
الگ الگ قصیدے لکھے ہیں، قصیدوں کی تعداد کم ہے، قصائد کئی کئی سو شعر
ہیں، طریقین بھی اپنے معاصر و ان سے الگ اختیار کی ہیں، مبیٹی کا ایک مرثیہ بھی ہے
نہایت پُر درد ہے، خاتمہ میں قطعات بھی ہیں، لیکن یہ قطعات دیوان میں بھی شامل ہیں
بعض قصائد الحاقی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً یہ قصیدہ،

وصیٰ نبی آن کہ از صلب فطرت برشاہ او لا العزم تو ام نش
اما مے کہ رد ز وفاتِ پیغمبر خلافت گزار دہ ما تم نش
گرفتم معاندو دین تنگ مسید ان بر اشہب خرا بد براد ہم نش
کجا رتبہ کعبہ یا بد سفیہ کے نفر دا تعریج جنم نش

جهان پر شد از فتنہ یا شاہ مردانہ تو بُر خسیز کا شوب عالم نشیند
ابو الفضل کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کے کل کلام کی تعداد ۵۰۰ ہزار
کے لگ بھگ ہے،

تذکرہ شعر اکاتنڈ کرہ لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اسکے سوا کہیں اُسکا پتہ نہیں چلتا، کہ ایک
خط میں ایک دوست کو لکھتے ہیں،

کتاب مقاصد شمارہ البتہ البتہ چون تشریف آرند ہمراہ آرند کے اختتام
تذکرہ موقوف ہے آن ما نہ، واڑ کتب دیگر ہم اپنے تو انہند استنباط فرمودہ
فرمایند کہ فتیرمی خواہم، در خطبہ آن ذکر تشریف کنم،

ہما بھارت سُنْفَه بھری میں اکبر نے حکم دیا کہ ہما بھارت کا ترجمہ کیا جائے، بڑے بُرے
لُوآن پنڈت جمع ہوئے، اکبر خود عبارت کا مطلب نقیب خان کو سمجھاتا جاتا تھا، اور
وہ فارسی میں ترجمہ کرتا تھا، پھر عبد القادر بدایوی، ملا شیری وغیرہ کو اگلے مکمل
پر دیکے، دو فن فیضی کے حصے میں آئے،

اتخرون بیدے اس کا ترجمہ بھی فیضی کی طرف منسوب ہے، لیکن عبد القادر بدایوی کی
تحریر سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ سُنْفَه بھری میں بھاون نام ایک بہمن جو گن کا
سمنے والا تھا، اسلام لایا، اور دربار میں حاضر ہوا، اکبر نے اسکو حکم دیا کہ اتخرون بیدے کا
ترجمہ کر لے، اول اول یہ کام ملا عبد القادر بدایوی کے پر دبوا، یعنی بھاون

مطلوب تمجھا تاجانے اور یہ فارسی میں لکھتے جائیں، لیکن چونکہ اس کی عبارت نہایت سچ پڑھتی، ملا صاحب نے عندر کیا، اکبر نے ملا صاحب کے بجائے فیضی اور پھر فیضی کے بجا۔ اب ایسم سرہندی کو ترجمہ کا حکم دیا، فارسی رامائیں کو بھی عام لوگ فیضی کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن یہ مخصوص غلط اس ہے، رامائیں کا ترجمہ اصل میں بدایوں نے ۹۹۲ھ سحری میں چار برس کی محنت میں کیا تھا، پھر میجاہے پانی پتی نے نظم میں لکھا، جو آج عام طور پر مشہور ہے،

لیلا و قی، حابین ہر فیضی نے سنکرت سے فارسی میں ترجمہ کی،
فیضی کی شاعری فیضی قطرہ شاعر تھا، سکاخاندان شاعری سے کچھ تعلق نہیں
رکھتا تھا، تعلیم و تربیت بھی شاعری کی حیثیت سے نہیں ہوئی تھی، تاہم وہ بچپن ہی کر شعر
کرتا تھا، لیکن چونکہ طبیعت شکل پسند تھی اور عربیت کا زور تھا اسیلے طبیعت زیادہ تر
صنائع کی طرف مائل تھی، اپنا بچپن کا کلام کوئی شاعر محفوظ نہیں رکھتا، فیضی نے بھی ضائع
کر دیا ہو گا، لیکن ملا عبد القادر صاحب بدایوں کی پد ولت ہم کو ایک غزل ہاتھ آئی ہے

لے تدبیکوے تو سردِ روان شِ خم ابردے تو شکل کمان

حاقہ گیوے تو دا م جنون طراہ ہند دے تو کام جنان

بهم اب جادٹے تو آبِ حیات ہم خطِ دل جوے تو خضر زمان

پاچ شعروں کی غزل ہزا در صنعت یہ ہر کہ با وجود صنعت تصمیع کے ہر شعر چار بحدون

ن پڑھا جاتا ہے،

ابتدائیں جو قصیدے ہیں ان میں عربی نامانوس الفاظ کثرت سے ہیں۔ وہی
مایسٹ کا زور ہے مثلًا،

کیے معلمے شاہزادہ ہاں عظام
کشمیر کا پورا قصیدہ دیکھو،

ایک قطعے سے معلوم ہوتا ہو کہ ابو الفرج رونی کا تیج کرتا تھا،
فیضی منسم آن کر دی معانی
گھنے ہے دو سدیج گرفتہ
تاکر دلم عسر وچستی
نچرخ درج درج گرفتہ
ذوقے کہ تو ان گرفت از شعر
از شعر ابو اعنی بیج گرفتہ

لیکن جس قدر اہل زبان سے اختلاط بڑھتا گیا زبان سادہ اور صاف ہوتی گئی
عربی، ظہوری، مالک فتحی سے اکثر صحبتین رہتی تھیں، خصوصاً عربی کی زور طبع اور جاذبی
سخن کا ہنا یافتہ معرفت ہے،

محقشم کاشانی کی تعریف ہیں لکھتا ہو،

حریر بات سخن محققشم کر در کاشان
بہ طرزہ تازہ طرز سخنوری دارد
کیے زنگتہ و ران گفتہ یہ مہماش
عبارتے ست کہ معنی سرسری دارد
اگفتہ سخن ادعا کتے ست فی
عبارتے کہ بمعنی برابری دارد

ان با تون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکی شاعری پر کن چیز دنکا اثر پڑتا ہے۔

فیضی نے قصیدہ، شنوی، غزل سب کچھ کہا ہے، لیکن قصیدے بے مزہ ہیں
ابتدائے کلام ایک طرف اخیر کے قصائد سے بھی ملائیت کی بوآتی ہے، البتہ شنوی اور
غزل لا جواب ہے، اور انہیں دونوں صنعت پر ہم روپو کرنا چاہتے ہیں،

فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جسکا وہ موجہ تھا جو
جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن نہادِ مصنایں
اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن نہادِ مصنایں
اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ خصوص ہی، فیضی کے ہان نظر، عشقیہ، فلسفیہ، دہریم کے
مصنایں میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اسکے ذاتی حالات کا خاخال اثر ہے، جو کسی
اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا،

غور کر دیکھ شخص جس کے سینے میں حمام علوم و فنون کے خزانے بھرے ہوئے ہیں،
فلسفہ اور حکمت کے نہایت دقيقیں نکتوں تک اسکی نظر پوچھی، ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اور جو یعنی
معمولی طبق سے آگئے نہیں بڑھ سکتے، آزاد خیالی اور باند نظری اسکو آسان چک پوچھا
ویسی ہے، ان سب با تو نئے ساتھ قسمت کی یاد ری نے اسکو تخت شاہنشاہی کے برا بر کھڑا
کر دیا ہے، ایسے شخص کے جوش مصنایں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، جب وہ تخت شاہی
کے پاس کھڑے ہو کر اکبر کو مخاطب کرتا ہے تو یہ معالم ہوتا ہے کہ ایک یہست جوش تھی میں
آپ سے باہر ہوا جاتا ہے، اور بنکار رہا ہے،

شاہنشاہ اخسر دشہ و بیا در یا گھر ابا فلک شکوہا

برنے سہا بہمان عیش پیوست دور تو شراب و آسان مست

جوش بیان

من بار بدم تو خسر دهم
 امروز به این نول چون شدم
 پیش تو ساده ام بیک پاے
 زین خانم کرده ام فلک سارے
 طفرگ ترا به آسمان برد
 این نامه که عشق بر زبان برد
 کامگخته ام به آتشین آب
 این چار هزار گو هر ناب
 دریا کنست نشار نه در
 بدپذیر که آب گو هر قست
 مهتاب بردن بر آرم از خاک
 پیاده من اگر نشد پر
 گر عشق چنین بوزدم پاک
 بگدا خسته آبگشیده ول
 از شعله تراش کرده ام حرث
 آنم که به سحر کاری ثرف
 بس معنی خفتة کرد بیدار
 با نگ فیلم درین شب تار
 هر صبح پیض با د شاهی
 هر چشم بودم و با دصح کا هی

اکبر نے جب نلسن کی فرایش کے لیے دربار میں بلا یا ہی، اس حالت کو دیکھو
 کس جوش سے بیان کرتا ہے،
 برخاستم از زین فلک تاز
 برخاستم از زین فلک تاز
 چشم دگرش نشار کردم
 چشم دگرش نشار کردم
 کونین گذاشتہ به دلیز
 گندشم ازان در ادب نیز
 صد عمر ابد بیک زمان در
 دیدم دو جهان بیک جهان ر

پیو ند ز میسیان گستم
نزویک به آسان نشتم
یی جوش فلسفیا نه اور عشقیه مصنایم مین بھی قائم هر

ار عشق با خصوصیت کل از دشمن آهان
نظر فیض چو بر خاک نشینان فگنم
از تفت با ده ما هال ملا گمگ بلخت
رد کشاده باید و پیشا لی فراخ
این چدمی بود که ساقی بقیح رجیت فرد
پرس اهل نظر چون بحرش پیوستند
عشق، صبر و خرد و هوش ز فیضی پر
شدیم خاک ولیکن بوسے تربت ما
عشق تا پا سے بیفشر و دراندیشة ما
باده در جوش است دیار را ن منتظر
می کشد شعله سرے از دل حمد پاره ما
ییخ دانی دل ما خورد چرا نگشتند
درین دیار گردیه شکر لبان هستند
فیضی کنم تی دره عاشقی پیش
اتسام سخن ییں فیضی فخر و خوب کتا همی، اور اس عالم مین اسکا جوش بیان حد سے

که رجا تا به ملا حظه هو،

امروز نه شاعر م حکیم	دانندۀ حادث و قدیم
هر میز ز من نام گوش است	خاموشی من بعده خوش است
تاتازه دتر ز نم رسم را	در باده کشیده ام مثلرا
این شیشه هنادام بران طاق	کان جانه رسیده دست عشق
اسراف معانیم نظر کن	زین گنج په مغلسان خبر کن
عی رخیت ز سحر کاری ژرف	از صح ستاره وزمن حرف
در واندۀ صح بر خشم باز	کلکم ز شگاف پر تو انداز
این باده که جوش دازای غم	خونست چکیده از دماغم
صد دیده بورطه دل افتاد	کین موج گهر په ساحل افتاد
و کان هنر چنین کشودن	سامان سخن چشین نمودن
این کار من است کار کس نیست	اندازه اختیار کس نیست
چون بر سپم نظر فگندند	در معركه ام سپر فگندند
بر تافتسم از دم سبک سیر	نا تو س بر همان نه دیر
بلگر که چسان بعده گ دناد	بر تار معا نیم رسم باز
هر نفعه ک بسته ام برین تار	نا تو س نهفتة ام پز نار
این گل که په بوستان نشاری است	از من په بها ریا دگاری است

(۲) فیضی کی ممتاز خصوصیات شاعری میں سے استعارات کی شوخی در تشبیهات کی ندرت ہے، اکبری دور کے شعراء میں یہ خصوصیت عام ہے، لیکن نوعی شیرازی اور عربی اس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہے، اور فیضی ممتاز تر ہے، یہ فیصلہ کرنے میں ہر کس خاص و صفت میں فیضی پر عربی کا اثر پڑا ہے، یا خود عربی نے فیضی سے یہ شوخیان سمجھی ہیں، ایک مستند ایرانی تذکرہ نویس نے فیضی کے حق میں یہ فیصلہ کیا ہے، لیکن جنک تذکرہ نویس صاحب فیضی کے معاصر ہیں، اور فیضی در بار کا ملک الشعراء تھا، ایسے خوشامد کے سو، ٹلن کا موقع باقی رہتا ہے،
بہر حال استادی و شاگردی کی بحث نہیں، لیکن فیضی کی شوخی استعارات اور جدت تشبیهات سے انکار نہیں ہو سکتا، مثالیں ملاحظہ ہوں،

بزمے سست جہاں بہ عیش پیو سست	د ور تو شراب و آسمان مست
زین خامہ کہ کردہ اعم فلک سارے	پیش تو ستادہ ام بیک پاے
گر عشق چنین بسوزدم پاک	ہتای برودن برآدم از خاک
بگدا خستہ آبجینہ دل	آنیسنه دہم بدست معفل
بگدا خستہ ام دل وزبان را	کین نقش نموده ام جہاں را
امروز بد و د مان ایام،	زدنوبت من سپر بر بام
آنم کہ سحر کاری ژرف	از شعلہ تراشنس کردہ ام حرف
بانگ نسلم درین شب تار	بس معنی خفتہ کرد بیدار

بر خاستم از ز من فلک تاز
بر خاسته مو ببو به پر داز
رس) ده اکثر فلسفیان مصناین باند محتله هی، جس کے ساتھ آدعا و رغور کی جھلک
بھی ہوتی ہے،

آگاہ شوک قافله ناگاہ می زند
نویسند ہم را ان طریقت کیے رفیق
روے کشادہ باید و پیشا نی فراخ
دو کشادہ با یاد یادالشدمی زند
اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جہاں خدا کے ہاتھ کو طلبانے پڑتے ہیں دہان شگفتہ روئی
اوکشاو جبینی در کار ہی مطلب یہ ہو کہ صدماں تصفا و قدر کی برداشت یا
تجھیات کی بر ق رُگنی کے لیے نہایت صبر و استقلال در کار ہی

عجب قر از دل فیضی ندیدہ ایم طلس
کہ ہم گہر بود و ہم محیط و ہم غواص
کو حقیقت دو جہاں روہ مجاذ آ در دند
چکش شہماست کو درز لف بتان تعیشد
گردے گم شود از حلقہ عشقی بپرس
عشق تا پاے بیغشہ دراند لیشہ ما
مسافران طریقت ز من جدا مشویہ
غافل نکم ز راه دلے آه چارہ چیست
اگر سرے نہ کشم سو س بخودی چ کنم
بگریز ک دو ران فلک عربہ خیزست
در دشت آزو بند بیم دام د د

خاک بیزان رہ فقر پر جائے نہ زند
گوئی این طائفہ این جا گھرے یافہ اند
فیضی کے دل میں فسیانہ خیالات کا جب زور ہوتا ہے اور اُنکے انہما میں جب
مجبوہ ہوتا ہے تو اس مجبوری کو عجائب انداز سے ظاہر کرتا ہے،

فسیانہ مسائل اسکے دل و دماغ میں بھر گئے ہیں چاہتا ہر کہ ظاہر کرے لیکن جانتا ہے
کہ لب ہے اور ظاہر ہیں علم اقا بوسے جاتے ہے، چونکہ علم اہی کے گردہ میں زندگی بسر کی
ہے اور اپنے آپ کو اس دائرہ سے باہر نکانا نہیں چاہتا اس لیے چاہتا ہر کہ صلحت
بھی ظاہر کی جائے اور ہم فتن کا ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے، لیکن یہ کیونکہ ہو سکتا ہو مجبوراً
ساختیوں سے انقطاع پر آمادہ ہوتا ہے، اور کہتا ہے،

آن نیت کہ من ہم نفسانِ بلدارم با آبلہ پایاں چکنم قافلہ تیزاست
اے مضمون کو ایک اور پیرا ہیں میں ادا کرتا ہے،

فیضی از قافلہ کعبہ رو ان نیت بُون این قدر ہست کلاز ماقدسے در پیش ست
بعض وقت اس کو خیال آتا ہر کہ مسلمان بت پرستی کے سخت دشمن ہیں لیکن کعبہ
کی درودیوار کی تقطیم میں ان کا جھطریتی عمل ہو اس میں ظاہر پرستی کا صاف شایبہ پایا جاتا
اس خیال کو یوں ادا کرتا ہو،

آن کمی کو درمانی پرستیدن بت در حرم رفتہ طواف در درودیوار چکر کرو
پھر غور کرتا ہر اور سمجھتا ہے کہ نہیں کعبہ پرستون کی یہ آخر منزل نہیں، مقصود صلی وہی
ذات بحث ہر لیکن بت دیوں کو ان ابتدائی منزلوں کی گز نہ زان پرستا ہو، اس بنابر کرتا ہو،

کعبہ را دیران مکن ای عشق کا بجا یک نفس گھنگہ پس اندگان راہ منزل می کنند
 دم، غزل میں عام شر اکا قاعدہ ہے کہ کوئی قدیم طرح سامنے رکھ لیتے ہیں، پھر ایک
 ایک تفافیہ پر نگاہ ڈالتے ہیں اور جو تفافیہ جس اندماز سے بندھ سکتا ہے باندھتے جاتے ہیں
 رفتہ رفتہ غزل پوری ہو جاتی ہے، یہ بہت کم ہوتا ہے کہ پہلے کوئی مسلسل یا مفرد خیال دل میں
 آئے اسکو شعر میں ادا کریں، پھر غزل پوری کرنے کے لیے اور اشعار بھی لکھتے جائیں، لیکن
 فیضی کی اکثر غزلوں میں صاف نظر آتا ہے کہ کسی واقعہ کے اثر سے کوئی خیال دل میں
 آتا ہوا اور اسی کو دہا دا کر دیتا ہے، خطوط میں جا بجا لکھتا ہے کہ فلاں دا قلم نے یہ خیال پیدا
 کیا، اور وہ غزل کی صورت میں ادا ہوا، مثلاً دکن کے سفر میں ایک دفعہ کچھ ہنگامہ ہوا،
 لوگ شہر چھوڑ پھوڑ کر بھاگنے لگے، فیضی نے بہت روکا، کسی نے نہ سنائیں وقت
 بے اختیار اُس کی زبان سے یہ غزل ادا ہوئی،

باز یاران طریقت سفر درپشی است	رہ نور و ان بلار اخطرے درپشی است	صد بیان بگذشتی درگز درپشی است	کرو عالم را اثرے درپشی است	غلنگ کن قافله را راہبرے درپشی است	کہ شب تیرہ مارا سحرے درپشی است	این قدر رہت کہ از ماقدے درپشی است	اسی طرح اکبر جب بھارت کی نعم سے آیا ہے، تو ایک غزل لکھی ہے، جسکا
کس نمی گویدم از منزل اول خبرے	ہمہ رہاں این ہمہ نو مسید بنا شید از من	ما نہ آئیم کہ نادیده دستم بگذاریم	لے صبا! بر سر آفاق گل مژده بریز	فیضی از قافله کعبہ و ان بیرون نیت			

مطلع یہ ہے،

نیکم خوش دلی از فتحور می آید کہ بادشاہ من از راہ دور می آید
احمد آباد گجرات میں پہنچا ہے تو دہان کے دلفریب حسنے اپر ایک خاص لشکر کیا ہے،
وہی غزل میں ادا کرتا ہے،

خراب عشق و خوبیان احمد اباد م
کہ پھوسای بدن بال آن نیقا دم
غلام او شدم و خط بندگی دادم
از و مبارد بر و نم کشند چون آدم
چوریک گلشن فردوس احمد اباد است
حسن مردم گجرات بادیت دلے
لیکن انصاف یہ ہر کے ایک حکیم، ایک فلسفی، ایک ادیب، عشق کی کڑیاں نہیں
بھیل سکتا،

پرسوز عشق، شاہان راچ کارہست
کہ سنگ لعل، خالی از شرارہست
اس بنار پریضی کے عشقیہ شعارات میں وہ سوز دگداز نہیں، جو عاشق تن شعر اکا
خاص ہے نظریہ می فتنہ گران گجرات کی شان میں پکھ کرتا، تو تم دیکھتے کہ سننے والے
دل تھام کر رہ جاتے،

بہ حال فیضی کے تغول کا اندازہ کرنا چا ہو تو اشعار ذیل سکر کر سکتے ہو
اپنے بہ فیضی نظر دوست کرد
مشکل اگر دشمن جائی کند

ناشکری عشق چون توان کرد
 غم بر سر غم فز و دارا
 حیران فسون سازی عشق که خیالت
 از دیده درون آید و درینه نگنجد
 شب و صل کے ذکر میں ایک غزل لکھی ہے، ادو شعر گئنے کے قابل ہیں
 شدگیم اے فلک از کجو بیایت تو برگردی
 شب و صل است خواہم انکے آہستہ ترگردی
 اگر وقت طلوعت آید اے خورشید برگردی
 ز هنر اب خش کا شاذ من و شن است امشب

عرفی شیرازی

عرفی کا نام و نسباً مخدنام، جمال الدین نقشب، عرفی تخلص، اب پ کا نام زین الدین طوی
ادردائے کا جمال الدین چادر بات تھا، ایران زین ان بحکم بات اور عدالت و کو جو نہ بسی
صیغہ سے تعلق نہیں رہتیں، وہ "عرف" کہتے ہیں، عرفی کا باپ شیراز کی دارالخدمت
میں ایک مسز زعیدہ پرستا ر تھا، عرفی نے اسی مناسبت سے اپنا تخلص عرفی رکھا تھا
ماختر حسی میں ہے،

چون پدرش بعض اوقات در دیوانِ سُحکام فارس بامروزارت داروغہ
دار الافتاضل شیراز مشنولی می نمود مناسبت شرعی عرفی رامنظوظ داشت
تخلص خود عرفی کر د،

له عرفی کے حالات اگرچہ مختصر ا عام تذکرہ میں ملتے ہیں، لیکن مستند اور بچپہ اتفاقات ماختر حسی اور
تذکرہ عرفات اوحدی کے سوا در کسی تذکرہ میں نہیں ہائے جانتے، ماختر حسی، اصل میں عبدالرحیم
خانخاندان کی سوائی عفری ہے، لیکن اس میں تمام اُن شعراء در ایں فن کا تذکرہ ہے، جو خانخاندان کے
سے تعلق رکھتے تھے، اس کتاب کا مصنف خود اُن شعراء کا ہم صدر تھا، اس لیے وہ بچپہ حالات بہت
بپوچھائے ہیں، اور اکثر ذات اتفاقات جسم دیکھئے ہیں، عرفات کا مصنف بھی قریب قریب اسی زمانہ میں تھا
اور اس نے عرفی کو تیس برس کی عمر میں دیکھا تھا، یہ دو زون کی میں میرے پیش نظر ہیں،

اس شخص کے اختیار کرنے کے متعلق اس قدر اور کتنا ضرور ہے کہ عرفی فقطً منفرد
و خود ساختا تھا، چونکہ ایران کے اکثر شعر معمولی خاندانوں سے تھے، مثلاً خاقانی
بڑھتی تھا، فردوسی باخوبی اپنے کرتاتھا، باقر کاشانی خود و فردش تھا، بخلاف اسکے عرفی
ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اور اس کا باپ سرکاری حکمہ سے بھی تعلق رکھتا تھا،
اسیلے شخص میں بھی فخر کی اوقاوم رکھی، عرفی نے نام و نسب پر اکثر فخر کیا ہے اور
یہ بھی اس کے خصوصیات میں ہے، ورنہ ایران کے شعرا میں نسب کا فخر بہت ہی
شاذ و نادر پایا جاتا ہے،

عرفی کی تعلیم و تربیت شیراز میں ہوئی، شاہ نواز خان (صنف آثار الامر) نے
نذکرہ بہارتان سخن میں لکھا ہے کہ عرفی نے علاوہ معمولی علوم کے حصہ اور فناشی کی
بھی تعلیم پائی تھی، عرفی نے جب ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا، اور طہا پر
دعا اس کی علم پر دری نے تمام ایران کو علم و ہنر کی نمائشگاہ بنادیا تھا، بالخصوص شاعری
پڑے زور دن پر بختی محظی کاشی، وحشی یزدی، غیرتی وغیرہ نے نفائی کی طرز کو اور زیادہ
شیخ کر دیا تھا اور تمام ملک انکی زمزمه سنجیوں سے گونج اٹھا تھا، عرفی نے بھی اپنے افہام
کمال کے لیے یہی میدان پسند کیا، اور باوجود کم سنی کے بڑے بڑے پرانے استادوں کے
ساتھ معرکہ آئی شروع کر دی، اس راستے میں فتح علی کی اکثر غزلین طرح کی جاتی تھیں اور
محظی کاشی وغیرہ ان میں غزلین لکھتے تھے، عرفی بھی انہیں طرحون پر غزلین لکھتا تھا
اور عام مشاعردن میں بے با کا نہ پڑھتا تھا، وحشی یزدی یزد میں سکونت رکھتا تھا اسیلے

اس سے تحریری مناظرات رہتے تھے، اور حدی نے لکھا ہر کہ جب میں شیراز گیا تو مشہور
شوار کے نام دریافت کیے، لوگوں نے غیرتی کا پتہ دیا شیراز میں ایک ڈکان تھی
جو شعر کا ذنگل تھا، یہاں عارف لا بھی، حسین کاشی مورخ، میر بو تراب، تقیای شہتری
مخاطب ہے مورخ خان، رضای کاشی وغیرہ مشاعرے کرتے تھے، مشاعرہ میں غیرتی اور
عرفی سے مباحثہ ہوا، عرفی نے دعویٰ کے دونوں پہلو مخالف اور موافق لیے اور
دونوں میں غیرتی پر غالب آیا،

عرفی کی قدر دانی کے لیے اگر چہ ایران میں بھی کچھ کم سامان نہ تھا تاہم ہندستان
کی اسی بات کھان نصیب ہو سکتی تھی، جس کی بد دلت ایران کے ہر ہر گوشے کر اہل فن
کھینچتے چلے آتے تھے،

بعض یاد کروں میں لکھا ہر کہ عرفی شہزادہ سلیمان کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر آیا،
بہرحال اس نے ہندستان کا لیج کیا، راستے میں ڈاکہ ٹپڑا اور اس کی کل کائنات جاتی
رہی، اپریہ رباعی لکھی،

دو شنبی کہ گرد برد برد و ششم بود	زانوچ عروسِ نور آغوشم بود
پوشیدنے نہ داشتم غیر از حشم	چیزے کے بذری سر ننم گوشم بود
ہندستان میں اگرچہ سیکڑ دن امرا، اور اہل دول تھے، لیکن عرفی نے ان سب میں فرضی کو انتخاب کیا جس کی وجہ پر تو یہ تھی کہ اس کے دربار تک پہنچنا آسان تھا، یا یہ کہ سخن شناسی کی توقع جو فرضی سے ہو سکتی تھی اور کسی سے نہیں ہو سکتی تھی	

عُنْفِي فتح پوری سکری میں فیضی سے ملا، فیضی نے اسکی پوری قدر دانی کی، پنجاب کے سفر میں وہ تاک تک فیضی کے ہمراہ رہا اور اسکی تمام مزدوریات فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتی رہیں، لیکن عُنْفِی کی خوت پرستی کی وجہ سے صحبت برآ رہنے کی در بالآخر اس دوبار سے قطع تعلق کرنا پڑا،

۲ | اس زمانہ میں اکبری دربار کے نور تن سب موجود تھے، ان میں حکیم ابوالفتح گیلانی اگرچہ ظاہری منصب داقتدار کے لحاظ سے سب سے کم پایہ تھا، یعنی صرف ہزاری منصب کے تھا، لیکن بہت بڑا عالم اور علم و فضل کا بڑا قدر دان تھا، اسکے ساتھ عُنْفِی کا ہم طرف ایم مذہب تھا، ان خصوصیات کی بنا پر اسے اسی کو ترجیح دی اور قصیدہ مدحیہ لکھ لئے تھے کیا یہ پہلادن تھا کہ عُنْفِی کے غور کی آن ٹوٹی، غالباً خود عُنْفِی کو بھی اسکا سخت صدمہ ہوا، جنگجو قصیدہ میں اسکے اشائے پائے جاتے ہیں

چونکہ حکیم ابوالفتح بڑا نکتہ شناس اور نقاد فن تھا، عُنْفِی نے اسکی فیض صحبت سے بہت ترقی کی، حکیم ابوالفتح نے ایک رقہ میں جو خانخانان کے نام ہے یہ الفاظ لکھنے ہیں مل عُنْفِی و ملاحیا تی بسیار ترقی کر دے اند،

اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ امراء اور اہل دول علم و فضل میں یہ پائی رکھتے تھے کہ عُنْفِی جیسے اہل کمال اُنکی صحبت سے مستفید ہو سکتے تھے، عُنْفِی نبھی حکیم ابوالفتح کی حسانی دی کا پورا حق ادا کیا، جس زور کے قصیدے حکیم صاحب کی شان میں لکھے اکبر و خانخانان کی لہواری باری، لہواری خزانہ اعظمہ ذکر جاتی گیلانی،

مرح میں بھی نہیں لکھے، اور سبے بڑھ کر یہ کہ جب تک ابوالفتح زندہ رہا، انکو خود اپنی نوش
 سے کسی دربار کی طرف نہ نہیں کیا،
 حکیم ابوالفتح اور خانقاہ نان سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، حکیم و صوفی کی فریشہ
 عرفی نے خانقاہ نان کی مرح میں قصیدہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے، ابیا کہ باول آن می کہ
 پریشا فی اس قصیدہ میں اس واقعہ کا نہایت لطیفہ پیریہ میں ذکر کیا ہوا چنانچہ کہتا ہے
 ازان نہ دیدہ شناگویست کہ می نیم تراواہ ماکیت بج پشم رو حانی
 دلیل دھرم این سبکدیح خونیکوئی مرا بمح تو فرمود گو ہرا فنا
 حکیم ابوالفتح نے ۹۹۶ ہجری میں استقال کیا، عرفی پاس واقعہ کا سخت اثر مہلوچ نسبت
 اس زمانہ میں خانقاہ نان کی مرح میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس میں کہتا ہے،
 چہ احتیاج ک گویم کہ مرد و عرفی را
 پرفتُ لطف تو برلن گذشتیں یعنی آتی
 پر نز و قتل کہتا و ان آن زیان آمد
 تو آگئی کہ مرا زاغوب این خورشد
 حکیم ابوالفتح کے مرنے کے بعد عرفی، خانقاہ نان کو درباریوں میں خل ہوا اور پھر خانہ
 شاہی کے سوا، اور کسی کے آستانہ پر کبھی سرنہیں بھکا یا، چنانچہ خود فخر یہ کہتا ہے،
 یک نغمہ دیکھ نہیں یک منت دیکھ کر صد شکر کے تقدیر چین رانہ قسلم را
 خانقاہ نان امراء اکبری کا گل سر سبد تھا، اس نامے میں وہی ایک شخص تھا
 جسکے تاریخ فخر پر صاحب السیف و قلم کاظمہ زیب دیتا تھا، اگر اس کی فتح جس میں انسے دس ہزار

ذو ج سے چالیں ہزار کی جمعیت کو شکست دی، اس کی شجاعت کا ایک معمولی کا نامہ تھا
و دشاعر اور شعر اکاڈمی اقد روان تھا، عبدالباقي نساوندی نے اسکے مفصل حالات جلد و
میں لکھے ہیں، ایک جلد میں صرف اس کے دربار کے شعرا و اہل کمال کا تذکرہ ہے،
عرفی نے خانخانان کے دربار میں پونچھ فاطح فواہ ترقی حاصل کی، اما خوشی میں لکھا
پہنچ ک فرضتے ہیگئے تربیت و شاگردی و مذاہی این دنایی روز خوشی تام
در ترقی الا کام در منظوماتش بجم رسید،

چونکہ خانخانان کے دربار میں بڑے بڑے نامو شعر اشائی طیری نیشا پوری ہی بھانی
انسی، طبودھی وغیرہ سے مقابلہ رہتا تھا، عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا، یہاں تک
کہ تقریباً و اختصاص میں بھی وہ حریفون کی صفت کو چھیڑتا ہوا آگے بھلکی گیا، یہ بات اسی کو
لصیب ہوئی کہ دربار میں جاتا تھا تو عام طریقہ پر آداب و کورش نہیں بجا لاتا تھا، اور جن جگہ
جس طرح چاہتا تھا پیٹھ جاتا تھا، اما خوشی میں ہے،

درایام ملازم تسلیم و کوئی شے کہ درہند دستان متعارف است کو بعض سلام
باصاحبان ہی کہند پڑھا سے خود نہی کردا، وہ طرز و طور و روش کہ منجھ است
و رجی اس می نہ است، واہل عالم تقدیم اور اقبال می نمودند،
خانخانان نے عرفی کے ساتھ وقت فوت گا جو فیاضیان کیں، اسکی ایک ادنی مثال
یہ ہے کہ ایک قصیدے پر ستر ہزار روپے انعام دلوئے،
لہ خزاد عمارہ تذکرہ عرفی،

عرفی نے اگرچہ خانخانان کے سوا امراء اور اہل دربار میں سو کسی کی بحث طریقے
کو ارادہ کی، لیکن فرمان ردا و وقت سے یہ بے نیازی ملکن تھی، اسیے خود اپنی خواہش
خانخانان کی فرایش سو اکبر کی بحث میں اسنے متعدد قصائد لکھی، لیکن ابوالفضل و فرضی کے
آگے اسکا چراغ نہیں جل سکتا تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئینہ اکبری دونوں پر
اسکا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس طرح کہ نہ کرتا تو اچھا تھا، اکبر نامہ میں لکھتا ہے،
درے از من سرائے بر و کشودہ بودند در خود نگریت و برپا است انیان زبان
طعن کشود، غچہ متعاد انشکفتہ پڑ مرد،

اس سو امکار نہیں ہو سکتا کہ عرفی حد سے زیادہ مخدود اور خود تھا، اور اس اندھہ میں
کا نام اپنے مقابلہ میں تحقیر سے لیتا تھا، چنانچہ کہتا ہے،

الصاد بده بوجبح والنوری امر و ز	بهرچ غنیمت نشمہ رند عدم را
بسم اللہ راجعہ نفس جان شان دباز	تامن قلم اندازم دیگر نہ فسلم را
ڈا اوری نہ فلا نی دہد نہ بھانی	تفریج کہ من از بر روح ساز دیم

نازش سعدی پرشت خاک شیراز از چه بود	گرنی دانست باشد مولد و مافیے من
دم عیسیٰ تند اشت خاقانی کہ بر خیزد	ہ امداد صبا یہ نک فرستادم بشر داش

اسکے خزو غرور سے تمام ہم صرنا لان تھے، یہاں تک کہ نظیری نیشا پوری جو ایک
مرنج مرنجان شاعر تھا اس سے بھی ضبط نہ سکا، چنانچہ ایک قصیدہ ہے جو عرفی کو منے
کے بعد اس کے جواب میں لکھا ہے کہتا ہے،

درین قصیدہ پگستاخی پر عرفی لفت بدارغ رشک پل زمرگ سو خست خاقانی
 نون بگورچان اور شک می سوزد که در تنور، تو ان گو سفند بریانی
 قصیدہ کشیر پسے ثابت ہوتا ہے کہ اگبر نے شمشہ بھری میں کشیر کا جو سفر کی تھا جن
 فی بھی ہر کا ب تھا، ایک قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی نہ
 ن دیا تھا، لیکن عرنی نے سمجھا اسکے کہ شکر کا انعام کرتا، اُسے گھوڑے کی بھوکی،
 شاہنشہا حقیقت اپی کہ دادہ بشنوز لطف تا پر سالم بغز عرض
 ہشم براد سوارد بمعنی پیادہ ام گھوڑے بطول می زدم کنون زدم بیرون
 خانخانان اور اگبر کے سوا عرنی نے کسی اونہ آستانہ کی ناصیہ سالی کی تو وہ تباہزادہ
 یلغم تھا اور عرنی کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہو، تاہم تذکرہ تفقیہ کی
 رفی شہزادہ مذکور کا جانی رادہ تھا، یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہے لیکن عرنی کو حصہ
 ہن بے شہریہ بھلک پائی جاتی ہو، شاہزادہ موصوف کی شان میں اسکے جو قصیدے ہیں اُنکے
 یکھنے سر صفات نظر آتا ہو کر یہ اور کوئی جوش ہے جس کا نگہ ماجی کے لباس میں بھی
 بھلکتے ہے ہر عرنی کو اس خوش قسمتی پر ناز ہو سکتا ہے کہ شہزادہ نے خود اسکو دیکھا اور دربار
 میں بلا کر قصیدہ لکھنے کی فرمایش کی عرنی جس شان سے دربار میں پہنچا ہوا وہ شہزادہ نے
 بس طرح اُس سکر بھگاہ پہنچان کی زبان سے باہم کی ہیں، اس کی تصور خود عرنی نے
 نہایت خوبی سے لکھ لیچکی ہے
 کہ ناگمان زدم در رسید مژده دے ہے چنان کہ اذ چمن طالعہ بغز شمیم

چہ گفت، گفت کہ ”ای مطلب بہت نعیم“
 پیا کہ از گھر ت یاد می کند در یا
 برہ فقادم گشتم چنان شتاب ده
 مر اچودوش بدش ادب بدید اسنا د
 رموز کو رش و تسلیم را ادا کرد م
 گفت و من بشنوم هر چیز گفتن اشت
 لبشن چو بہت خویش زنگاه بازگرفت
 پیا کہ از گھر ت یاد می کند در یا
 برہ فقادم گشتم چنان شتاب ده
 مر اچودوش بدش ادب بدید اسنا د
 رموز کو رش و تسلیم را ادا کرد م
 گفت و من بشنوم هر چیز گفتن اشت
 لبشن چو بہت خویش زنگاه بازگرفت

اخیر کے دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے

شہزادہ نے کچھ نہیں کہا اور میں نے سُن لیا، یکو نکل تقریر کرنے میں اسکی نگاہ نے زبان
 پر پیش دستی کی، پھر جب نگاہ سے گزر کر ہوتلوں کی باری آئی تو میرے کان کو تزویر ہنسیم
 کی موجودی میں ڈوب گئے،

شیخ سعدی نے ایک قطعہ میں یہ مضمون باندھا تھا کہ اس شاعر کو عاشقی کا نام
 نہ لینا چاہیے جو قصیدہ میں دو چار شعر عشقیہ کمکرد اسی شروع کر دیتا ہوا عرفی نے اس اپک
 قطعہ لکھا ہوا اس میں شہزادہ سلیم کی معشووقی کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے،
 دی کسے گفت کہ سعدی گہرا فرد سخن
 قطعہ گفت کہ اندر یشہ بیان می نازد
 سخن عشق حرام ست بیان بیده گئے
 کہ چودہ بیت غزل گفت، مدح آغاز د
 گفتہم این خود ہمه عیب ست کہ در را تمیز

لوحش اللہ ذیک اندیشی عرفی کو را
آنکہ مددوح بود عشق بہادمی بازد

یعنی سعدی کو مددوح کو عشق پر تزعیج نہیں دیتے لیکن بہ حال عشق کے علاوہ اُنمکا

کوئی مددوح بھی ہے، لیکن میرا تو مددوح بھی وہی ہے جو عشق ہے، بعضوں نے

وقات | تذکرہ داغتا نی دغیرہ مین لکھا ہے کہ حاسدون نے اسکونہ ہر دیدیا، بعضوں نے

لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیمان کے ساتھ عشق کا انداز تھا، ابوفضل نے اگر امین

مشہد ۹۹۹ بھری کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے،

تیز دہم، عرفی شیرازی رخت، ہستی بر بست، فری از سخن سرے بر دے

کشودہ بودند، اگر در خود نہ نگریستے زندگی را بشاہستگی اپریتے وزمانہ لختے

فرست دائے، کار او بلند، درین نزدیکی این رباعی بر صحیحہ بود،

عرفی دم نفع است و ہمانستی تو آیا بچہ ما یہ رخت بر بستی تو

فرد است کہ دوست انقدر و کیف جو یاۓ متعاست و تیہستی تو

انتقال کے وقت اسکی عمر ۳۰ برس کی تھی،

تذکرہ داغتا نی میں لکھا ہے کہ لاہور میں مدفن ہوا، اور چند روز کے بعد کوئی درویش

کسی اور بزرگ کے دھوکے میں اسکی ہڈیاں قبر سے نکال کر سمجھتے میں لے گئی، اور وہاں

دفن کر دیں، لیکن یہ غلط ہے عبد العالیٰ نے جو خود عرفی کا معاصر تھا آثار حرمی میں لکھا ہے کہ

میر صابر اصفہانی نے جو عتما دال دولہ غیاث بیگ (وزیر اور خسر جانگیر بادشاہ) کا درباری

تحاکایک قلندر کو رقم شیردی کے عرفی کی ہڈیاں لاہور کر سمجھتے بیجا، بہ حال عرفی کی

یہ پشین گئی پوری ہوئی،

بکاوش مژہ از گورتا بجفت بروم اگر بند ہا کم کنی و گر پہ تمار

بلار و نقی ہمارا لی نے اس داقعہ کی تائیخ میں یہ قطعہ لکھا،

یکاڑا گو ہر دریا سے معرفت عرفی کہ آسمان پیپرو ردن ش ہدف آمد

بکاوش مژہ از گورتا بجفت بروم زده است تیر دعا سے وہ بہذف آمد

رقم زدا ز پے تائیخ رو قی ٹکلم بکاوش مژہ از گورتا بجفت آمد

اخلاقی و عادات عرفی کے اخلاقی و عادات میں جو چیزیں سب سے زیادہ نمایاں ہوں

غزر غدر را کم بنی، خود سالی ہو، اسکے معتقدین خاص تک سکون غرور سو نامان میں بدلیوں نے فیضی کے توڑ پر اسکو بست چمکایا ہو تو ہم یہ لکھنا پڑا،

اما از اس بحسب پادخونوت کہ پیغمبر اکرم از دلہما افتاد،

معلوم ہوتا ہے کہ اس دعویٰ نے تمام لوگوں کو اسکا دشمن بنادیا تھا، ایک فحی بیارہا

اور شاید یہ وہی مرض انہوں تکی بیماری تھی اور گیعیادت کو اسے لیکن چونکہ دل صاف

شکنے غنواری کے لیے میں جو بات کرت تھے میں دل آزادی کا پہلو ہوتا تھا، عرفی یعنی بحق

تھا اور دل ہی میں یقین تاب کھاتا تھا، اسی حالت میں ایک قطعہ کہا جس میں مرض کی

شدت بیان کر کے لوگوں کی ستم ظریغ از بیار پرسی کی تصویر لکھنچی ہو را عرفی عالم تنخیل کی بنیاد پر

بنیچے میں آتا لیکن اس قطعہ میں واقعہ گاری اختیار کی ہو اور سماں بازدھ دیا ہے،

تن اوفقاد درین حال دوستان فصیح بد و پیاش دبتر تادہ چون منہر

یکے پریش کند دست اوچ کنگردن
 کرد زگار و فابا که کرد؟ جان پدر
 کجا است دولت جمیش نام اسکنده
 کند شروع و کشد آستین بدیده تر
 تمام راه روانیم و دہر را کب بر
 کلے وفات تو تاریخ انقلاب خبر
 که نظم و نشر تو من جمع می کنم یکسر
 ہ مدعاۓ تو دیباچہ چو درج گھر
 چنانچہ ہستی مجموعہ صفات و ہنر
 اگرچہ حصر کمال تو نیت حد بشر
 پنجم و نفر در ۲ و بیم و فروزیم
 ان سب کے جواب میں عرفی جمل کرتا ہے،

خدا عز و جل صحتم د پڑا بینی
 کہ این منافقگان را چہ آورم برس
 بخایت حاضر جواب و فریف الطبع تھا، ایک دفعہ ابوفضل کو گھر پر اس سے
 آیا دیکھا تو اب ابوفضل قلم و انتون میں دلبے ہو کر سوچیج میں بیٹھا ہو، سبب پوچھا، ابوفضل نے
 اسما بھائی صاحب کی تفسیر پہ نقطہ کا دیباچہ اگری صفتیں بن کر رہا ہوں ایک مشتعل پر والد کا
 تمام آگیا ہو جاتا ہوں کہ نام بھی کئے اور صفت کا التزام بھی ہاتھ سر جائے، عرفی نے کہا
 تردد کی کیا بات ہو رہی ہے لیکن مارک کمھ دیجئے، مبارک نام تھا، جسکو گنوار مارک کہتی ہیں)
 ایک دفعہ فیضی بیار تھا، عرفی عیادت کو گیا، فیضی کو گنون سر بہت شوق تھا، چند

مگ بچے گئے میں سونے کے پٹے ڈالے پھر رہے تھے، عرفی نے کہا،
مخدوم زادہ ہے جہا اسکم موسوم اند
فیضی نے کہا ہے اسکم عرفی، یعنی محوالی نام ہیں،
عرفی نے کہا مبارک باشد

ظہوری سے اکثر دوستاد خط کتابت رہتی تھی، ایک فتح ظہوری نے کشمیر کی شال
تحفہ میں سمجھی، غالباً شالِ معمولی درجہ کی تھی، عرفی نے جواب میں قعہ کھا جسیں تین باعث
شال کی ہجوں تھیں، ایک یہ ہے،
این شال کے صفحہ نہ حد تقریب
آیاتِ رونت مر افسیر است
ناش نہ کنی قاش کشمیر کردا صدر خشہ بکار مردم کشمیر است
عرفی کی بد اخلاقی کے سب شاکی ہیں، لیکن تجب ہر کو فیضی نے جواہ کا ساتھ بڑے
حرلفی کہا جاتا ہے، عرفی کی شریعتِ نفسی کی نہایت تعریف کی ہے، چنانچہ اپنے قعہ میں جسکی
پوری عبارت آگے چل کر آئے گی لکھتے ہے،

واز تہذیب اخلاق چکوید کہ درخاکی نہاد شیراز ذاتی می باشدند کبی،
شاید یہ ابتدائی ملاقات کا حال ہو گا جب فیضی کو پورا تاجر پہنیں ہوا تھا،
محلوم ہوتا ہر کو عرفی سنجافت اور شعرا کے رنداو را باش نہ تھا، کسی نے اسکو فتن کا لان

۱۵ یہ دونوں واقعہات خانی خان نے حالات اکبر و اعماق ملنے سے بھری ہیں لکھے ہیں رخانی خان صفوی ۲۰۰
دوسرادا تھے بدایوں میں بھی نہ کوئی ہے، ۱۵ خزانہ عامرہ ذکر ظہوری،

تھا، اس پر اسکو سخت صدمہ ہوا، ایک قطعہ میں اسکا اظہار کیا ہزا و خاتمہ میں اپنے کو اس طرح تسلی دی ہوا

اہل دنیا ہگی تھت گیر نہ دنسا عیسیٰ این را تھل شد و مریم بہشت

باد جود بد مزاجی اور غزوہ کے عرفی نے کسی کی بھوسک زبان آسودہ نہیں کی، یا کسی کو قابل نہیں سمجھتا ہو گا، ایک قصیدہ میں بہت جل کر کہا ہو تو صرف اس حد تک لکھنا

بامن از جمل معارض شدہ نامفع

حصینیفات [نفسیہ] تصوف میں ہر یہ نام سر معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے متعلق کوئی سایہ

ما اثر حیمی میں اسکی نسبت لکھا ہے

درستہ نیز موسوم پر نفسیہ در نشر فوختہ کے صوفیان و درویشان را سلوحد فائز
تصوف و تحقیق می تو انداشت،

شنوی، بجواب مخزن اسرار دیوان کے ساتھ چھپی ہے،

شنوی، بجواب شیرین خرد، آتشکده اور مجمع الفصحاء میں اسکے شعار قل کیز ہیں

کلیات قصائد و غزلیات ۹۹۶ ہجری میں ایک یا ان ترتیب یا تھا، میں

قصیدہ، غزلین اور ۰۰۰ شعر کے قطعات اور باعیان تھیں، اس دیوان کی خود ہی تابع کی تھی،

این طرز نکات سحری و اعجازی چون گشت کمل پر رقم پردازی

مجموعہ طراز قدس تاریخ یافت اول دیوان عرفی شیرازی

اس باعی میں عجیب غریب صفت رکھی ہے، چوتھا مرصع جس سے تابع نکلتی ہر ایسیں

اکائیون کے عد دیئے جائیں، تو قصائد کی تعداد کے موافق ہوتے ہیں یعنی ۲۶۰ دہائیوں کے
عبد حساب کیے جائیں تو غزوں کی تعداد کے برابر ہوتے ہیں یعنی ۲۰۰ اور سیکڑ نکولیا جائے
تو قطعات اور بایعینگی تعداد فاظاً ہر ہوتی ہے یعنی ۰۰۰، مختصر یہ کہ ہمیں صرع میں تاریخ بھی ہر اور
ہر قسم کے اشعار کی الگ الگ تعداد بھی،

یہ اخیر کا کلام ہوا اس سے پہلے چھ بہزاد شعر کے تھے، وہ قدستی سے مذاع ہو گئے
چنانچہ اس کے ما تم میں ایک پُر در غزل لکھی جو دیوان میں موجود اور ردیل میں بیج ہوا

عمر در شعر بسبر کردہ و در باختہ ام

ساتی مصطبلہ طفم و می ریختہ ام

اعطش می زند از تشنہ بی ہر مویم

ک قبح امی پُر از خون جگر باختہ ام

رَصْد شَرْعُ هَنْرُ حَوْنَ نَشَوْدِ مَحْكَمَنَ

اسی الحج و غم میں دفعتہ بلند تہمتی اور عالی حوصلگی کے جوش میں آکر کرتا ہے اور کیا

خوب کرتا ہے؟

گفتہ گرشد زکم، شکر کرنا گفتہ بجاست

اس خیال کو اکہ، اگر بھیکلا کلام جاتا رہا تو مضائقہ ہمین پھر کہ وہ نگا، کس لطیف

شاعرانہ پیرا یہ میں ادا کیا ہے، یعنی، اگر کہا ہوا جاتا رہا تو پروہنیں، شکر ہے، کہ بن کہا ہوا

تو موجود ہے،

لہ آثر جمی،

مرنے کے وقت اپنا دیوان جو اس کے ہاتھ کا مسودہ تھا، عبدالحیم خانخانان کے
کتب خانے میں بھیج دیا تھا، کہ مدؤن کر دیا جائے، چنانچہ خانخانان نے شہر قائم مشہور
پہنچا ج کو اس کام پر مأمور کیا، سال بھر کی شہادت روز کی عنستیں، دیوان کی ترتیبیں ری
ہوئی، کل چودہ ہزار شتر تھے، خانخانان نے اس محنت کے صلے میں سرکاج کو انعام کرم
سے مالا مال کر دیا تھا کم نے ایک قطعہ میں ان واقعات کا ذکر بھی کیا ہے

عرفی آن واضح سخن کہ باراد	رشک دار داروں دیوان شروانی
ذکر شروانی ست در شکش	بلکہ ہم دو دن وصفنا با نی
بعد چندے چو جلے بودن نیست	رفت ازین دیر شمشد فانی
ماندا ز و دیر شا ہوا سے چند	کیش قرین نیست بحری و کانی
صورتے چند جسدہ باستنی	خلفے چند جسدہ جسلہ روحانی
لیک آن جگلگی پر آگندہ	ہمه از بے سری و سامانی
آن قدر حملتیش نہ داد جل	کہ ترتیب شان شود بانی
گفت با دستان بگاہ د داع	کلے عزیز ان حبی د جانی
پرسانید زادہ اے مرا	پ جناب مسلم نانی
صاحب حلم و علم و سیف و قلم	خان خانان سکت دشانی
دید چون زادہ اے عریٰ را	ہمہ عسود لعسل پیکانی
بعد یک چند بندہ رافرہود	کہ دہم شان نظام دیوانی

مدتے چند خون دل خوردم تاک جمع آمد از پریشا نی

از خرد خواستم چو بناخیش گفت ترتیب داده نادانی

ترتیب دادہ سے ترتیب کی تاریخ بلکہ ہر دعویٰ الباقی نے ہر پرکاش یا باچپنی

لکھا ہر جسمیں عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے، چنانچہ آثار حرمی میں اسکا ذکر کیا ہے

افوس یہ سخن آج بالکل نایاب ہے، ورنہ غالباً بہت ہی لوچپ پ با تین معلوم ہوتیں،

صمصام الدولہ شہنشاہ خان نے تذکرہ بھارتستان سخن میں لکھا ہر کہ عرفی کا ضائع شد

کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان میں داخل کر دیا گیا، لیکن جو سخن اس سے پہلے شائع

ہو چکے تھے وہ ناقص ہے یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، میں نے عرفی کے دیوان

کے سخن باہم مختلف دیکھی ہیں، میرزا صائب نے اپنی بیاض میں عرفی کے اکثر اشعار

انتخاب کیے ہیں، جو موجودہ دیوانوں میں نہیں ملتے۔

کلام پر راء اس قدر سلم ہے کہ اصناف سخن میں سے عرفی شنوی بھی نہیں کہنا سختا

چنانچہ اسکے ایک مقصد خاص نے بھی تسلیم کیا،

شنویں زگ فصاحت نداشت کان نہ ک بود و ملاحت نداشت

اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اسکے کلام میں جا بجا خامی پائی جاتی ہے، لیکن

ان سب باتوں کے ساتھ وہ ایک طرز خاص کا موجود ہے اور آج تک تمام شعر اس کی

تقلید کرتے آتے ہیں، آثار حرمی میں ہے

مخترع طرز تازہ ایسٹ کہ الحال مستعدان دا ہل زبان و سخن سخان

نامی نمایند،

ایک عجیب بات یہ ہر کہ اسکی شاعری کی شہرت قصیدے میں ہر لیکن وہ خود کتا ہے۔

قصیدہ کارہوں پیشگان بوجونی تو از قبیلہ عشقی وظیفہات غزل است

میرزا صائب اسکا رتبہ نظیری سے کم قرار دیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں،
معاصرین شخرا

کی رائے صائب پر خیالِ شعیٰ ہچون نظیری عرفی پنظیری نہ رسانید خن را

نظیری نے ایک ہم طح قصیدے میں عرفی کے اشعار کا رد کھا ہے، ہم ان کو اس

مربع پر نقل کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہو گا کہ نظیری جیسا شخص با وجود پوری کوشش کے

عرفی کی شاعری پر اعتراض کرنے میں کامیاب نہوس کا،

دگر کہ گفت مبادا ز راوی شعرم درین قصیدہ بروز کمال بنشانی

ترا کہ فضل بحمدے بود کہ در بزمت طیور وقت ترم کنند سجنانی

کمال جبل و بلاد ہست بود کہ طعنہ زند بقص ما یہ کج فهمی و غلط خوانی

عرفی نے اپنے قصیدے میں کہا تھا کہ میرا قصیدہ کسی غالباً خوان سے دبپڑھوایا جائے،

در نہ میرا بھی دہی حال ہو گا جو کمال سماں عیل کا ہو تھا، پر نظیری اعتراض کرتا ہے کہ فاختان ان

کی نیکی میں جانور بھی سجان ہیں۔ اسیلے یہ اندیشہ کرنا کمال حاقت ہے،

دگر نبود ز شرط ادب در آورد ان بسلاک مع تو بیح حکیم گیلانی

گراو فضل فلامطون است بر کشیده است بود بقریب کیان اعتبار یو نا نی

ولے نہد بپے آفتاب پیشانی اگرچہ سایہ ز فتح زمین فرد گیر و

عرفی نے خانخانان کے درجہ قصیدہ میں حکیم ابوالفتح کی بحی لکھی تھی، اپنے نظری
 اعتراض کرتا ہو کہ ابوالفتح کی آپ کے ساتھ کیا حقیقت ہو، وہ آپ ہی کا ساختہ پر داختہ ہو
 تھے میں آپ کے ساتھ اسکا ذکر میزدھا نہیں،
 دگرچہ ابرود راشان شود کے لکھنے کا کام بادشاہ را کلاہ بارانی
 عرفی نے خانخانان کی بحی میں لکھا تھا کہ ابوالفتح نے غصہ کا بادل جب برداشت ہے تو
 اُنکی نظری ناظری کی بارانی ٹوپی ڈھونڈتھے ہیں، نظری کا یہ اعتراض ہو کہ خانخانان
 کے پاؤ شام نہ تاریج کو کلاہ بارانی نہیں کہنا چاہیے تھا،
 اگرچہ پشوہیجن پر نقش اپنی بود خراب گشت نہ صورت بجا رہا ان
 پیغمبر عرفی کے اس شعر کے جواب میں ہے،
 خیرہ نہداز من کہانی از صوت تمشی برم از شکے کہ صوتداز مانی
 اعتراض یہ ہو کہ ابتداء مانی موجود ہے اسکی بنائی ہوئی تصویرین اسلیعہ عرفی نے
 مدد ہی کیون تشبیہ دی، ان اعتراضات کی جو دقت ہو، ناظرین خود انداز
 کر سکتے ہیں، لطف یہ ہو کہ ان اعتراضات کے ساتھ نظری نے خود اخیرین عرفی کے
 شکن کا تصدیق کیا ہے، پناہ چکر کتا ہے،
 بطریق دوسرا بیت دگرد اسازم کہ بر دعوی افلاطون سوت برہانی
 عرفی کے لیے پیغمبر کیا کہ اُن نظری جیسا شخص اُس کی تبع کا قصد
 کرتا ہے،

نظیری کو عرفی کے کمال سے انکار ہے تو ہو، لیکن ملکہ الشعراً فیضی آس کی نسبت
ایک خط میں لکھتا ہے،

ازیار ان د مساز و غنچہ امان ہمراز کہ دل از صحبت او آب تی خورد مولانا
عرفی شیرازی ست کہ درین نور دوز پر قدم خود برخاک نشینان این یار
منزیت نہادہ اند، بحق دوستی کہ ازین عظیم تر سوگندے نمی راند کہ بہلندی
دو فر قدرت، وايجا د معانی، وچاشنی الفاظ، وسرعت فکر د وقت لفظ فیقر
کسی راچچوں او ندیہ و نشنیده، وا ز تہذیب خلاق چہ کو یک کو درخواکی نہادیز
ذاتی می باشد کبھی، چند بیت ایشان بالفعل حاضر بود در حاشیہ این

صحیح نہ نوشته آمد،

بعد مردن بدلے بادا بجای خاکم	کشا نند صیبت زدگان برسنیش
ئے زلف عروی شادانی شب تو	آرائیش بزم سبیعی همشرب تو
امان ازان نمک کرد اند لب تو	انپاشتہ ہجران بہ نمک دماغ دلم
عشق آمد و رفت خون جکان ف ریزادار	زہ آمد و کرد لقہ تزویر نثار
آن پیغمبر داع جستہ این پنہنہ گوش	زان جمل متین تافتہ شذرین زمار
مل عبدال قادر بدلے کی نی سکھتے ہیں کہ عرفی کا کلام گلی گلی اند کوچہ کوچہ نین کتب فروش	
بیکچے پھرستے ہیں اور اہل عراق اور ہند و سلطان تبرگا لیتے ہیں اس سے بڑھ کر حقیقت	
کی کیا دلیل ہوگی،	

عرفی کا کلام عرفی کی عمر ۳۳ برس سے زیادہ نہیں ہونے پائی، ابوفضل کی درازی
 نے اس کو دربار میں کامیاب نہیں ہونے دیا، تمام ہم صدر شعر اس سے ناراض تھے
 اسکے کلام میں کثرت سے ناہلوری ان اور خامیان ہیں، ان سب باقینہ بھی اگری دویں
 جس قدر اس کا نام روشن ہوا کسی کا نہ سکا، اور اب بھی اسکے قصائد، نام ہندستان
 کے مکاتب میں داخل نصاب ہیں، اس سے خود بخوبی دیکھاں ہو سکتا ہو رکھ لسکے کلام میں
 الیسے جو ہر ہیں جن کی چمک کو کوئی چیز نہیں مٹا سکتی،
 حقیقت یہ ہو رکھ دہ ایک طرز خاص کا موجود ہے عبدالباقي جو خود اس کا معاص ہو لکھتا ہے
 مفترع طرز تازہ ایسٹ کا الحال درمیانہ مستعدان واہل زمان معروف ہے
 وسخن سخان تبتخت ادمی نہایند،
 اسکے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،

نذر کلام ۱۔ نذر کلام جس کی ابتدائی نظری نے کی تھی، عرفی نے اسکو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا
 تو در کلام ایک جدی چیز ہے جس کا اندازہ صرف مثالوں سے ہو سکتا ہے، جملائی کے سکتے
 ہیں کہ الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی، فقردان کا در و بست خیالات کی رفت،
 مصنایں کا زور، اسکے ضروری عناصر ہیں، عرفی کے کلام میں یہاں مبین موجود ہیں ثابت
 آہنیں پیغمبر غیش بحال گفت کہن
 مجیع بر بیج تکشم جو بہمان رختم
 اگر نسبت چچخ داڑ گون گرد
 دگر عتاب کند آن تاب خون گردد
 دوش بر دوش قصار دست در آن غوش قد
 آمد از پرده بر دن؛ پر دگی، صنع خدا

چن آیدہ چن بہر تاشائے جاں
بلل آیدہ بیبل پتھنے غزل
مر جاں نظر بخت تو گیوان پر در
ہر سر میویش اگر باز شگان فی بخشد
اں مضمون کو کہ مدد حج بڑے سلاطین کو شکست دیتا ہے، اس اندازے
ادا کرتا ہے،

رُوح او گوید اگر جنگ و گر صلح زمِن
پکشاد گرو جبئہ خاقان فتح
یعنی اسکا نیزہ کہ ایسا ایسی ہویا صلح، میں ہمیشہ خاقان چین کی پشاونی کو بلکہ ہولیا کر رہا ہو
اس مضمون کو کہ میں عشق پرستی کی وجہ سز لیتیں اٹھاتا ہوں یون ادا کرتا ہو،
ذان شکستم کے پیہاں دل خویش مام رُشیش بکن زلف پریشان فتح
دشمن کے مروعہ ہونے کو اس طرح ظاہر کرتا ہے،
زرع شہ باطن خصمت چو جعد حور و خاں شکن برے نکن ختم برے ختم چیند
حمدو ح کے جود کرم، جاہ جلال حاکمیت و اقتدار کو یون ادا کرتا ہے
فارس حکمش چولان فت و گفت آفتاب گوست، چو گان میز نم
یعنی اسکے حکم کا سوار میدان میں گیا اور بولا کہ، آفتاب ایک گیند جوں میں ہیں ہاں
گفت جاہش دہر بر من تنگ شد چاک در افلاؤک ارکان میز نم
یعنی اسکے دبپنه کہا کہ رمانے میں اب میں سامنہیں سکتا، میتے افلاؤک در
عناصر کو چاک کیے دیتا ہوں،

گفت جو دش سیم وزر در کان نماز
لیعنی اس کی سخاوت نے کہا کہ چاندی اور سونا کان میں نہیں رہا، اس لیے
خود کان کی پیشانی پر سکھ لگاتا ہوں،
اس بات کو کہ اگر مددوح کے خلاف مزاج کوئی شخص بات کے، تو فوراً ادعا
لے گا، یون ادا کرتا ہے،

ہر حدیث کہ رضایت بساعش نہود
لیعنی جوابات کہ اسکے سامنے کے خلاف مرضی ہو، وہ کان تک آکر سخت بدھو سکے
کے ساتھ بولنے والے کے ہونٹوں کی طرف پلٹ جائے گی،
اس بات کو کہ حریف کس بستے پر میرا مقابلہ کر سکتا ہے اس طرح ادا کرتا ہے،
خصم و طرز سخن من بچو فهم و بچو درک غیر و ظلم گھر من بچو برگ و بچو ساز
مددوح کی تحریض اور نعرہ جنگ سے بھادری کے عام اثر پیدا ہو جانے کو اس طرح
ادا کرتا ہے،

اگر صحیح ہب ن فی مثل شجاعت او دہنیسیب کہ ہب ن یہیں ہاں گز
چوکس لالہ زند یا مین در آب آتش ق چو شاخ بید کشد خنجرا زمیان گز
لیعنی اگر اس کی شجاعت باغ میں ڈپٹ کر چینیاں اور زگس سے کہ کہاں لینا
چینی لالہ کے عکس کی طرح پانی میں آگ لکھے گی، اور زگس، بید کی شاخ کی طرح
کمر سے تلوار کھینچے گی،

نہیں؛ ہمین دہان، آتش در آب زدن خبر از میان کشیدن، ایفاظ اگر لام
اور شاخ بید کی تشبیہ، ان سب باطن نے مل کر کلام میں کس قدر زد پیدا کرد یا ہو،
چونکہ اسکا کلام عموماً پر زور ہوتا ہے اسی سے چند مشاہد پر اکتفا کیا گیا اس لئے اور
عنوانوں کے ذیل میں جو اشعار آئیں گے ان پر زور کلام کی حیثیت بھی نظرداہی چاہیے،
۲۔ الفاظ کی شیئی تحریکیں، عرفی نے سیکڑوں شیئی تحریکیں اور نہ نہیں
استعمال پیدا کیے جن سے جدت اور طرفلی کے علاوہ نفس مضمون پر خاص اثر
پڑتا ہے مثلاً،

خیز و شراب حیر تم زان	قدی جلوہ سازہ
مر لمی کن تو کہ فرزند مسیح است و مسیح	
مر جبارے زعنایا بنازل مزفوش	
نا مُحِبِّن قدست اب پر کہ تحقیق شنگان	
مُحَلِّی اندیشه من، محظوظ مجنہونگ	
ہُبْرَقْ مع کنیع ان کہ بو دُحْسَن آباد	
پتیشہ کہ برا طراف صورتی شیرین	
ہچل و عددہ تراش و قناعت عیاش	
کنم بہ مرد مکنیدہ طے نشتر زار	
ہ روشن حرف زادہ پنگہ صبر گدا زما	

روے بر شیئی حسن کن، دست بست ناز وہ
حاتمی کن تو کہ اقبال گذی است گذا
مر جبارے بعلامات ہنزہ خوش شتا
خامد دوست اور چہرہ توفیق کشا
بل نطق مرن الہام، غلط او جی سرا
ہ بھلہ گاہ ز لیخا کہ بو دیوف زا
ہمکہ کشمکش ترا شید و رخیت بگسار

یہ ترکیبین جس قدر بد لیج ہیں، اُسی قد رضموں میں زور اور وسعت پیدا کرتی ہیں
فرض کرو اگر یہ کہنا چاہیں کہ مجلس میں کثرت سے خوش جمال مجمع ہتو یہ رضموں جس سعکت ساختہ
صرف اس لفظ سے ادا ہو سکتا ہو کہ "مجلس" یوسف کہہ بن گئی تھی، "سیکڑوں الفاظ ایں
ادا نہیں ہو سکتا،

اسی طرح فشرخ نیز نہ بجزہ رنگ اور مژد و شکیوان پر وڑا امکان آرے، حسن آباد
صبر گردان، وغیرہ ترکیبوں نے رضموں میں جوز در وسعت، اور نکلیتی پیدا ہوتی ہو جتنا ہٹلا
نہیں اسی قسم کی ترکیبین متوسطین اور متاخرین کی خاصی سیجاد ہیں، عرفی اگران کی ایجاد
کا خدے کیتا نہیں تا ہم خدا ضرور ہے

۴۔ عرفی کے کلام کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت استعارات کی جدت
اور ٹرکلی ہو، مسلم ہو کہ انشا پردازی اُسی قدر لطیف اور پُر زور ہو گی جب قدر استعارات لطیف
اور پُر زور ہو گے، عرفی نے استعارات کی جدت اور تنوع سے ایک ناگون عالم پیدا کر دیا
ان میں بعض بے مزہ اور دراز کار ہیں، جیسا کہ صاحب آتشکہ اور مجمع لفصحی کا خیال ہے
لیکن زیادہ تر ایسے ہیں، جو ایوانِ شاعری کے نقش و نگار ہیں، مثلاً

میر ابو الفتح کر سیاست او	غمزہ زہرہ خنجہ انداز د
زان طفل اشک من ہمدرخون شد کا وقار	دوش از دریچہ دل و مشب زمام چشم
دلم چونگن لیخا شنکستہ در خلوت	غم چوہست یوسفت دیدہ در بازار
پرچم گرمح تو در آشوب گاہ معز کہ	لیلة القدس سے ست درہنگا ممه یوم الحساب

جدت استعارات
و تشبیه

ع۔ پر شنگفتن امر و غنچہ گشتن دی،
یعنی آج کادن گویا ایک بچوں ہو، جو کھل رہا ہے، اور کل کادن کھل کر مرحباً گیا
در غنچہ بن گیا،

پنخی فشانی شب نم، خود فروشی گل

زور ناصیله ما گر ضیا گیرد

ع، چو صبح، بیضه خوشید پر در دشکم،

ع، کہ بتا بدین سر پیچہ مرجان رفتم،

بزم گاہ تو جبلہ یوسف

دست منظوم را چو کر در راز

از خم مدت تو جامِ نخت

یعنی تیری درازی عمر کی شراب کا پہلا جام، آسان کا اخیر در رہو

حُلَّ لفظ بر قشید معنی

آسان در یوزہ کر دو آن تابش کر فنام

خوردہ ہر دم صندکست از فوج قدس آشوبین

۳م۔ عرفی کا زور طبع، اور فصاحت و بلاغت کا زور شور وہاں نظر آتا ہو، جہاں مسلسل بنتا ہے

وہ قصائد میں کوئی مسلسل ضمنون ادا کرتا ہے اور ایسکا خاص نہان ہے مثلاً خان خانا کے میا

پیدا ہونے پر جو قصیدہ لکھا ہے، اس کی تمہید اس طبع شروع کی ہو،

بود در کنم عدم بکر طبیعت را، جای
 چند در پرده نشینه خلف داده کون
 خری کن تو که فرزند معج است و منع
 این سخن گوش زد بکر طبیعت چون گشت
 گوشته گیرد جگر می خورد تلخی می کش
 خلق از قرده برو خرد شنوند جمع شوند
 فلک آن ماده شود ز هر زه مهیا گردد
 من بصدم ناز و کشکه همراه رنگ هم بکو
 پس در آینه پر عالم که نش نام زدم
 لغت کی تمهید اس طرح نکھتایم
 آمد آشفته سخا بزم شبکه آن بایی ناز
 چه پری چهرا نگاه که نمله داش
 دیدم القصه که نوشگر معنان نست ران
 گفتم عربده جو چیزی که نامه بکو که
 گفتی این خود نه گناه کش را کشید
 من فعل گشتم و فی الحال وادی منع
 ره نبردم به سرکشور مصنی هر چند
 که دران بادیه زندم اپنی بفرار
 بر دش جلوه فرا دین چه بگراند
 در پی پرده قطعه نلک لعبت باز
 سودم اند قدمش چهرا بعد عجز نیاز
 پتعرض همچشمی بر تفاوت هم ناز
 از شناگستری شاه سریعا عجائز
 مرکوب طبع جهان دم اپنی چنگت ناز
 که دران بادیه زندم اپنی بفرار

گفتم لے مایا آرام دل ہن نیاز
 از جین، چین بکشنا مدل من جمع
 ک سر سید کند میخ خیالم پرواز
 این سخن در دش از در داش کرد و مر
 بگرفت از قدم خویش بلطفن آمد باز
 بے جواب از دم بوس بیتش اشوق
 گفتم آکنون ه اجازت که فوج حمل
 چنان گیرن شاہزادگی کے زمانہ میں عرفی کا شہرہ سُنکار باریں بلا یاچونک
 عرفی چنان گیر کا عاشق تھا ہمہ تن شوق اور بتیابی کے عالم میں گیا، چنان گیر فنگاہ ططف
 سے دیکھا اور اشارہ دن میں با تین کیں، پھر مسکرا کر قصیدے کی فرائش کی اس دلچسپ
 داستان کو قصیدہ مرحیہ میں او اکرتا ہے

گدا کلاہ نند، کج نہاد دشہ دیسیم
 نشستہ با خردا ندر تعلم و تعییم
 چنان کہ از چین طالعمنم ز مغزه شیم
 چ گفت؟ گفت کہ اے طلبہ بخت نیم
 بیا کہ لشنه لبست را طلب کن لستیم
 چنان کہ باع ز شبتم چنان کہ گل ز شیم
 کہ دستہ اہل کرم در نثار گوہر دیم
 ز مانہ طوف حمیش یہ دیدہ تعظیم
 چنان فتا و مطابقی در ان خجتہ حرمیم
 صراح عین کہ در تکیہ گما و ناز و نعیم
 چنان چنین خوش میں خوشتر اخنان شوق
 کہ ناگمان زورم در رسید شرده شہ
 چ گفت چ گفت کہ اے محض چاہر قیم
 بیا کہ از گھرست یادی کمند دریا
 ازین پیام دلم شد خنگفتہ دشادا و اب
 برہ فقادم و گشتم چنان شتابت ده
 چور دز گار رسیدم به در گئے ک کند
 رسیدن من داتبال آن ہجا و فان

کہ گر ادب نکشیدی عنان من قدش بپوسه گاہ ہمی کرد بر لبم تقدیم
 یعنی میرادہ ان پھوٹکر زمین بوس کے لیے گرنا، اور شاہزادہ کا سامنے سر آنا
 اس قدر مطابق ٹپا کہ اگر تین ادب سے رکش جاتا تو بجاے اسکو کہ میرے لب سکے
 قدم چومنے اُسکے قدم میرے لب کو چوم لیتے،
 مرا چودوش بدش دب بدیا ستاد بلف خاص بدل کر اتفاقات غیر
 رموزِ گرِ نش و تسلیم را ادا کردم بہ داب مردم دانا و بذلا سخن دیم
 نگفت و من بشنودم برانچ گفتتن داشتا کہ در بیان نگخش کر دبر زبان تقدیم
 یعنی اُس نے کچھ نہیں کہا، لیکن میں نے مُن لیا کیونکہ انہما مطلب میں مُسکی ہمگا ہوں
 زبان سے بیش دستی کی، مطلب یہ کہ پہلے اشاروں میں باقی ہوئیں،
 لبس چون بخت خوش از بگاہ باز گرفت فقاد سامعہ در موچ کوثر دسیم
 یعنی جب ہونٹوں کی باری آئی ریعنی اُس نے تقریر پڑھ کی تو میر سامعہ کوثر کی
 موجود میں ڈوب گیا،
 سخنده گفت کہ در عذر این گناہ بزرگ کہ رفتہ نام توبے حکم باہ پھفت اقلیم
 ہمیں کہ فتی ازین آستان ذشته بیار گزیدہ سخنہ از زادہ ہائے طبع سلیم
 ابو الفتح کے دربار میں جب ملازمت کا تعلق کرنا چاہا ہر تو قصیدہ لکھ کر لکھیا ہی
 اور عجیب لطیف پیرا یہ میں اپنی ملازمت کی خواہش ظاہر کی ہوئی
 خدا یگانہ ادارم حکایت بر لب کہ چون مسح تو نتواندم پر لب ستاد

یاں بندگیت دش نقش می بتم
 ناگه از دراند شیخ خانه، شاہ عقل
 رشمه سخن تبسم کنان درآمد و گفت
 من از تعجب این حرف دلکشا گفتم
 آسامنم و نے آفتاب نے هرام غطراده
 نو هم ز حرف تنکای تر زبان نشوی،
 جواب داد که این فردہ را دلیلے هست
 چمین نفس او بآ موذ قدیان جبریل
 بسوی کاتب اعمال بانگ نے زد و گفت
 بشوی نامه عرفی که ایزد متعال
 اگر ن بندگی صاحبت به فال آمد
 من از متانت بربان بشرم غوطه زدم
 بخدمت آدم اینک گبوچه مصلحت
 ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے، ابو الفتح کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ام محمد و م اکل مین
 اپنی نوکری اور ملازمت کا خیال دل مین پکارہا تھا وہ بھی اس بنان پر نہیں کہ مین قابل
 ہون بلکہ اسیلے کہ میری عزت کا سبب ہے، اسی حالت میں عقل نجھہ کر کر کہا کہ بمبارک
 نہ سکار مین ملازم ہوگے، مین نے متعجب ہو کر کہا کہ مین آسان د عطار ک سطح ساده

نہیں کہ اس مذاق پر قین کرلوں گا، آخرا سکا کوئی ثبوت بھی عقل نے کہا بھی جب جبرا
نے حرم قدس کے درستجے کھوئے اور کاتبِ عالٰ کو حکم دیا کہ عرفی کا نامہ عمالِ خود را
کیونکہ خدا نے اسکو اپنے برگزیدہ بندوں میں داخل کر لیا، میں اس دلیل کی متاذ
سے شرمندہ ہو گیا اور اب خدمتِ عالیٰ ہیں حاضر ہوا ہوں، کیا ارشاد ہے؟ آستانہ عا
پر بیٹھنے کی اجازت، ہر یا مودب کھڑا رہوں،

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں اسکے کلام میں موجود ہیں، جن ہی اندازہ ہو سکتے
وہ ایک واقعہ کس ترتیب و کس تسلسل اور کس شاعر انداز سے ادا کر سکتا ہے،
۵۔ قصائد میں شہر اکی یہ مجال نہ تھی کہ بار شاہ کی مع و نشانے کے سوانیذ کر کر سکیرا
بھی ایسا کرتے تھے تو صرف اپنی بیچارگی اور نیکی کا انعام کرتے تھے، زیادہ سر زیادہ
ک حضور اور شہر اکی زیادہ قدر کرتے ہیں، حالانکہ میں اُن سر ڈھکہ ہوں عرفی چونکہ بالا
نہایت غیور اور خود ارتقا، اسیلے مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے امراء اور ملاطیں کی
کرتا تھا لیکن ساتھ ہی اپنے فضائل اور اوصاف بھی جی کھوں کر بیان کرتا، اور ضروری لیکے
کرتا تھا، شاید ہی کوئی ایسا قصیدہ ہو جس میں ایک دو شعر خوب نہ ہوں، شہزادہ سلیمان کی
میں خود بتائی کا بالکل موقع نہ تھا، تاہم کہتا ہے،

خدا یگانہ اگویم پر جن خوش دستی کزان نیارہ پر ہیز کرد طمع ملیم
(یہ کیونکہ ہو سکتا ہو کہ کم سے کم دو شعر بھی اپنی مع کے نہ کہوں اسکے بعد دو شعر خوب لکھتے ہیں)
اہل دستہ اوزاع شاعری میں فخر پہ کو ایک خاص صفت قرار دیا ہے، فارسی میں

مل خاص صفت میں عرفی کا کوئی ہم سرنیں عجیب عجیب نہ اسلوب سے فخر ہے لکھتا ہے
 دراس جوش سے لکھتا ہے کہ تپے سے باہر ہوا جاتا ہے، ایک تصدیق ہے موح کو خطاب
 رکے کھاتا ہے عرفی کا غدر اب حد سے بڑھ گیا، آپ کسی بھی ایسے شرون کی تحسین نہ کیجیے اپنے
 پنی تمام خدیوں کو عیسیٰ کے بہانہ سے ذکر کر جاتا ہے،
 ادیک شہر ز عرفی ابتدا کیں مفرور کبر فنا دش نہ باندازہ قد است محل
 تم تحسین مکن ار گوید صد بیت بلند کہ دما غش شده از حسن طبیعت محنت
 رفی اگر سیکڑ دن عمرہ شعر کہ جائے تب ہی اسکی تعریف نہ کیجیے کیونکہ اسکا دماغ حسن طبیعت کو خود برخخال ہو گیا
 ہر سرموش اگر باز شکافی بخیر سو منات سوت کہ پیدا کرتا رہا دلات نول
 رفی کا ایک ایک بال چرکر دیکھا جائے تو ایک سو منات نظر آئے گا جس میں بُت پُنے ہوئے ہیں،
 براصل و نسب خوش نویسید بیردن
 عرفی تمام ارباب دول کے نسب نامے، اپنے نسب میں ملا یلتا ہے،
 دہرا کمای رمز سستا نہ دیا و نہ کان حکمت آموز عقول سوت د علم د نہ عمل
 سباہزادہ کان! با وجود اسکے دعویٰ کہ تاہر کلائنک موتی میر رخانہ میں ہیں ان علم ہونے علی! با وجود اسکے عقول غریب حکمت کھانا
 بلا عیسیٰ ترا شتم کہ حسد کم با دا مشنو عیسیٰ زرد ہر ہی از سیکم د غل
 یعنی کس بلا کا عیسیٰ جو ہوں آپ خاص سونے کا عیسیٰ کھوئی چاندی سے نہ سُنے
 پچھے ندرات معانی سوت کہ برے جو شند ہم خور شید شو د گر بثنا سند محل
 ضایم کے ذرے جو اسکے دل میں پچھتے ہیں وہ اگر اپنا رتبہ پچائیں تو نسب اوقاب بن جائیں،

دار داز عزتِ اصل گرد ذلت شعر پا س در تختِ ثری دست د آغوش زند
خاندان یعنی خاندانی اعز از اد شعر کی ذلت کی وجہ سے اسکے پاؤں تو تختِ اثری میں

لیکن با تھے حل کی آغوش میں ہو

عزت او شہیدی است کہ حشرش باشد

اگر ادا نامزد تنگ شد از ذلت شعر

یعنی عرفیٰ تو شعر کی وجہ سے ذلیل ہوا، لیکن فتن شعر معزز ہو گیا،

اکبر کے دربار میں خود تائی کی کس کو جراحت ہو سکتی تھی تاہم کہتا ہو

شما با بہ بزم تو چون این قصیہ برخشم کملک نظم فرضیش گرفته است اتفاقاً

سنزو بجا نہ با جیب پر گر گرد ون بدشکم انگناہیں جامنہ ز مرد نا

عرفیٰ نے فصلہ میں جس قسم کی خود داری کے خیالات کی بتلا کی تھی اگر سکی طرد

کام خیالات کا میلان ہو گیا ہوتا تو شاید یہ صفت کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی،

۴. عرفی کی مخصوص آفرینی اور نا ذکر خیالی کا دوسرا در شمن دو نون نے اقرار کر کر

ہر این طلاق شبهہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی قوت تخلیل نہایت زبردست تھی، لیکن اس نا

کافر اسی تھا کہ قوت صرف مبالغہ، جدت تشبیه، اور حسن تخلیل وغیرہ پر صرف کیجا تی تو

عرفیٰ کا ذرہ بھی نہیں فضول چیز دن پر ضائع ہوا، تاہم جذبو نے موجود ہیں اس کے قطبی

اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس سے بجا طور پر کام لیا جاتا تو شاعری کی سرحد کمیں کر کہیں

پھوٹ جاتی، ہم چند مقنالوں پر اکتفا کرتے ہیں،

آن کہ چون درکتف چڑھا یوں آئتا
ہم عنان ظفر از راه غرّ اگر دو باز
از رکابش کہ پنیر فتہ غبار از گفتار
فتح گوید چونی چشم من ساین رنا
یعنی جب رسول اللہ پتھر کے سایہ میں میدان غزاسے واپس آئے ہیں تو زہرہ چوٹی
دل کر جا ہتی ہو کہ رکابون پر جو گرد ڈپتی ہوا سکو جھائٹے فتح کرتی ہو ایں ای کیا کرتی
رہی یہ رکاب تھوڑی ہی ہو یہ تو میری انکھیں ہیں اسکے سرمه کو دگر د کو سرمہ قرار دیا ہو
دن چھپڑاتی ہے،

احتساب تو اگر یا عرض منی افروز
ای سرا پر دعا حصمت نہ تباہ نہیں
زخم ہر چند کہ بخشت نہ بربتار
نغمہ از یہم نیار د کہ بیار د آواز
یعنی اگر آپ کا احتساب نہ ہوئیں لئے تو مضر بگو کتنا ہی تار کو پھیٹے لیکن نغمہ
می ڈر کے اسے آواز اونچی نہ کر کے

ہر حدیث کہ رضایت بہاعش بندو
اڑو گوش سر ایمہ بلب گرد دباز
وحش اللہ بنجگیر سمند تو کہ ہست
دو دمان کسل از شوخلی و مصال
سبحان اللہ گھوڑا
آن سبک سیر کہ کرم خانش عازی
از ازال سوے بد و ابد کا یہ بذل
قطرا کش دم فتن چکدا ز پیشانی
شبیم اساش نشیند گہ جبت کفل

یعنی گھوڑا اس قدر تیز رفتار ہو کہ اگر تو اسکو دڑلے تو ازال سر ابدادر ابد کے ازال
س کا چکراتی دیر میں لگا آئے گا کہ جاتے وقت اسکی پیشانی سے جو قطر ٹپکیں گے وہ واپس

کھٹکتی کی
تعریف

میں سکے ٹھوں پر نکلیں گے اور زمین پر نہ کرنے پائیں گے،
ظرفِ ادا کی جدت اعرافی جدت ادا کا گویا موجود ہے، ادا سکا ہر شعوذت کی ایک نئی
 مثال ہے، جو اشعار اور پرگز رچکے ان ہیں ہیں یوں مثالیں ملیں گی، اس لیے ہم صرف چند
 اشارے پر التفاق کرتے ہیں،

یک ناالحق گوئے دیگر برسیدار آ درد
 سمجھ نیست کہ آن غیرت زنا رتو نیست
 طفکے کے پر رمی شکنند طرفِ کلاہش
 باور نمی کند کہ ملک می گار سشد
 ہر گز از خون کے نگین نشد دامان ما
 این دیدہ از مودہ نظارہ کے سمت
 دو شمع خلوتِ ایشان بوزن ہنس مت
 کہ خود می خشم مایہ طلا بافت
 این رشتہ باگشت نیچی کر دراز سمت
 دردہ این رشتہ ہمان سمت کا دم می شد
 بیچ ادل بود و آشو بد خرید اسے نبو
 کہ این گردہ رعایاۓ ہمسٰت پستند
 کہ بے نیکم براد تو گر دمے خیزد
 موبویم دست شد تر کم کہ استیلا عشق
 اے بہمن چہ زلی طعنہ کہ در معبد ما
 در دل فلکنی آفت ہرست بگاہش
 ساقی تو می و سادہ دلی بین کہ شیخ شہر
 زخمہ برد اشیم فتح ہا کر دیم لیک
 فارغ ز خیرگی نگردار و آ قتاب
 گوش معزول سمت در خلوت گہرا باباز
 لباسِ صورت اگر واڑگون کنم، بینند
 دیکا داشارت نہ بانداز کہ راز سمت
 نسبت سمجھ و زنا در و صدر نگ آ میخت
 عشق اگر غم داد د جان دل شیش مکن
 زند طعنہ بمحشر ہشت جویاں را
 شہری مضر طبے خاک شد، اگر برہت

کہ تاز زخم جدا گشتہ زنگ می گرد
 سنجو شہ صینی آئینہ کم نے گردد
 بر جنون افراد دش تا قابل زنجیر شد
 کتوں مبند محشید و تاج کے بستند
 میرن حوالہ نو میں گمنہ گیزند
 نہ آن کم کہ باندازہ مست می گردد
 تو ریا اور زکر این طائفہ کا سے دارند
 بست آور دہام، اندازہ دپر کار می باشد علوی بہت
 دلے این راز، با موسی مگوئی
 این مقام اقتداء بربالاے بستری خرم
 غائبان می فرد ششم، در برابر می خرم
 حکایت کہ ہمہ ناتمام ہے گفتہ
 کہ عذر مردم کامل ہے ناکے نہ نہند
 در خوابات مفغان بنانام اسلام مہنود

باک جو ہر شمشیر نا زخو با نم
 رار جلوہ در لیع از دلم که خمن حسن
 ل نشد فرزانہ عقل از فسون دلگیر شد
 ساننا کہ بہا زیچ، روز گا رسرو د
 لند کوتا او باز دے مست، افام مبند
 کلید میکدہ ارا مین دہیسید کہ من
 چ بطاعت طلبی، برہنان راز ا ہا
 بساطی کا ندر و طرح دو عالم می تو ان کوں
 پ طور بادگن بند، منج دیدار
 دہ مرد انگن به میدانم کند تکلیفت ون
 هر یا ای مجاز من کہ من این حنیں را
 تمام بود بیک حرف گرم دما غافل
 ب آ قتاب ازان ذرہ را در اندازند
 مو بوبیم رشتہ زنا بشد و از نا کے

عشقیہ شاعری عرفی ایک طرف تو نکتہ سخ اور نکتہ شناس اور ذوق عرقان کر
 آشناتا، دوسری طرف شباب یعنی نہایت خوش ردا و حسین اور لوگوں کا منظور نظر و چکا
 تما، ہندوستان میں آیا تو شہزادہ جہانگیر پر عاشق ہوا، ان اسباب کی بناء پر عشق و

مبہت کی ایک ایک دلست واقع تھا، وہ کہیں عشقِ حقیقی کے اسرار اور دقاویں بیان کرتا ہے
ہر اور کہیں مجازی عشق میں جو دار دفات اور معاملات پیش آتے ہیں، انہیں نظر اپنے ہر کرتا ہے
لیکن اس عالم میں بھی وہ اپنے تمام ہم عصر و ن کراس باتیں ممتاز ہر کہ وہ سطحی و مردی
دار داتیں نہیں بیان کرتا بلکہ گھرے اور دقیق معاملات پر اس کی نظر پڑتی ہر اور نہیں کر
شاعرانہ انداز میں ادا کرتا ہے،

شووق دیدار میں عاشق ہمہ تن نظارہ بن جاتا ہے، اس حالت کو یون انداز ہر
چکونہ نامع نظارہ ام شوی کہ مرا ز شوق رُٹ تو، سرتاقدم نگہ خیزست
استیلاے عشق کی حالت میں ہر قسم کے عام جذبات بھی عشق ہی کارنگ ل ختیار
کر لیتے ہیں، مثلاً عشق کی حالت میں اگر کوئی دنیوی صدر بھی پیش آتا ہر تو وہی مزہ دیتا
جو عشقیہ صدمات سے حاصل ہوتا ہے، اس حالت کو ادا کرتا ہے،
در دلِ یاغیم دنیا غمِ معشووق شود بادہ گر خام بود سچتہ کند شیشہ ا
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معشووقون کے سامنے جب کوئی انکانا زبردار نہیں ہوتا تو
آپ ہی آپ بگڑتے ہیں، اور گویا خود اپنے آپ پر نماز افشا نیاں کرتے ہیں۔ اس مخصوصی در
محضی حالت کو بیان کرتا ہے،

نفان زغمزہ شوخی کہ ذقت تھائی بہانہ سجنود آغا ذکر دہ در جنگ است
جو ش حسن میں کبھی ایسا ہوتا ہر کہ معشووق آئینہ پیچھہ کر، خود اپنے آپ کو پیار
کرنے لگتا ہے اس حالت کو دکھاتا ہے،

وہن خوش بوسن دلب خوش مکند
چون در آئینه بینزد بتان صورت خوش
مشوق لطف اور نوازش کے ذریعہ سے عاشق کا دل منحر کر سکتے ہیں لیکن عموماً وہ
یہاں نہیں کرتے بلکہ کلام پسندی کی وجہ سے اسکے بجائے ناز اور قهر و عتاب سر کام لیتے
ہیں، اس معاملہ کو عجیب لطف سے بیان کیا ہے،

بملک سہتی من و نمادہ سلطانی
کہ مصلح دیکھا و بجنگ می گیرد
یعنی ہمارے ہستی کے ملک پر ایسے بادشاہ نے پڑھائی کی ہو کہ ہم مصلح سے بیتے
ہیں لیکن وہ خواہ مخواہ لڑا کر لیتا ہے،

مشوق یوں تو ہر وقت جلوہ فردشی کیا کرتے ہیں، لیکن کوئی تقاضا کرے تو رُک
جاتے ہیں اور ترساتے ہیں، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،

حسن را از شیوه پاگا ہے بود میکے بناز
در نہ موی بطلب صدہ تماشا کر دہ بود
عاشق، ہمجر کے زمانہ میں مشوق کی ایک ایک بات اور خصوصاً اسکی مشوقانہ گاہوں کو
حافظ کے خریانے سے گرد ہونڈ ڈھونڈ کر کالتا ہے، اور اس سے مزکر لیتا ہر یا اس پر حسرت
کرتا ہے اس داقعہ کو یوں بیان کرتا ہے،

ہر تماع کر گاہش می خرم در روز مل
می نشینم گوشہ رواز خود کر رے خرم
ابتدائی عشق میں ہمہ وقت جوش اور در دگد از ہوتا ہی رجھکی تصویر چھتا ہر
عشق می گویم دمی گریم زار طفل ناد انم واول بمقت
مشوق سر خواہش کرتا ہو کہ ستانا ہو تو ہم کو ستا کہ ہم پہلے ہی سے زخمی ہیں اور ہم اسے

تنانے میں تجھ کو اور خود ہم کو زیادہ مزہ آئے گا،

ہرگاہ کہ از لطف پکین میل تو بیشست اول نہک سینہ ماپا شکر ریش سست
یعنی جونکہ چھار امیلان پنجمت لطف کے ظلم کی طرف زیادہ ہوا سیلہ پہلے ہمارے
سینہ پر نہک چھڑ کر دہ پہلے ہی سے زخمی ہی،

مشوق اگر ہمیشہ ظلم اور بے اعتنائی ہی کیا کرے، تو عاشق اسکا خوگر ہو کر ایک اطمینانی
حالت پیدا کر لے یاکن صیبیت یہ ہوتی ہے کہ مشوق کبھی کبھی بھی بھفت اور نوازش کی بھی چاشنی
چکھا دیتے ہیں، اسکے بعد سر و حری، اور زیادہ چھر کے دیتی ہے، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،
از ان بہ درد و گر ہر زمان گرفتار م کہ شیوه ہے تو ابا ہم آشنا ہی نیست
یعنی اس لیے ہر وقت یہن ایک نئی صیبیت میں گرفتار رہتا ہوں کہ تیری ادا ہیں

ایک دوسرے سے نہیں لستیں،

شفا می نے اس مضمون کو زیادہ صاف اور واضح کر دیا ہے، یاکن دہ ابھام کا مزہ
جانما رہا دہ کرتا ہے،

این جو ردیگر سست کہ از عاشقان چندان فرمی کنڈ کہ ہبیداد خوکنند
مشوق جب بلند پایہ ہوتا ہے اور وہاں تک سائی نا مکن ہوتی ہو تو عاشق اپنی
پستی حالت کا اندازہ کرتا ہے اور اس وقت یہ رنج کم ہو جاتا ہر کہ دیدار سے بہرہ و نہیں ہو سکتا
عرفی اس حالت کو حسرت کے الجھ میں دکھاتا ہے،

آہ ازاں حوصلہ نگف ازاں حسن بلند کو دلم را گلہ از حسرت دیدار تو نیست

نہ باندازہ باز دست مکند م ہیہا ت در نہ باگو شہہ بامیم سرد کارے ہست
معشوق کی عامد لغرنی کو یون ظاہر کرتا ہے،

یارب تو گنگہ دار دل خلوتی ان ا کان بخچہ مت سست و در صوبہ باست
ناز کی بے اعتنائی کا مضمون کس خوبی سے پیدا کیا ہے،

لعنیان ناز بین کر جگر گوشہ خیل در زیر تنخ رفت و شہید شنس غمی کند
پیغمبر حضرت انبیاء
بیگانوں کے ساتھ ملعوق کی صحبت بد مزہ ہے،

سیدی با غیر دمی گوئی بیان عرفی تو ہم لطف فرمودی بر دین پایی راز فنازیت
یعنی غیر دن کے ساتھ جائے ہو اور کہتے ہو کہ عرفی تو بھی آ، آپ کی عنایت لیکن
بُجھ سے چلانیں جاتا۔

عشق میں عقل اور سمجھ سے کام لینا نہیں چاہتے۔

گفتگو ہے حکیمانہ نیا لا ید عشق بگذارید کہ این نکتہ مسلم باشد
محسن کی روشنی عشق سے ہے اور عشق کی حسن سے،
یہ صفا عشق و محبت زہم اندوختہ اند این دو شمع سست کہ از یکدگر افراد ختنہ اند

تحوڑا ساغم، دل کی عالی ظرفی کے قابل نہیں اور زیادہ سماں نہیں ملت،
فریاد کغم ہے تو در سینہ تنگم انڈک بود لائق دلبیارہ گنجد
اب ہم عرفی کے ہر قسم کے چند عشقیہ اشعار درج کرتے ہیں،
وہ کہ از دختن این چاگ کیجان فتہ است این شرگفے سست کرتا دم ان یا ان رفتہ است

رفت آن آفت جان از برم لے ہوش بیا تاب نیم کچا بر سر ایمان رفتہ است
 یعنی وہ آفت جان چلا گیا، اسی ہوش اب آتا کہ دیکھوں کہ ایمان پر کیا گز رئی
 عرفی از هر دو جهان میں ملا درد و کوت ہمه جا خشی ازان است کہ دم است یخا
 بحث در در تقویل بُت ترساب پخت در نہ از کفر زبونی نبود ایمان را
 یعنی ایمان کفر سے کم رتبہ نہیں لیکن لگنگو ہر کہ کافر بچا اسکو قبول ہی کر گایا ہیں
 نوصلش یافتم ذوقے کہ نہ تو انتقام آن را کے ہر گز چین فاغے بدل نہ نہادہ ہجراں را
 یعنی اسکے مصلیں ہیں نے وہ مزہ پایا کہ اسکا کچھ جواب نہیں ہو سکتا، کسی شخص نے
 ہجر کو احظر نہ جلایا ہو گا جس طرح یہ نے جلایا ہے،
 قبول خاطر مشوق، شرط دیارست سمجھم شوق تماشا مکن جی ادبی است
 یعنی مشوق جس حد تک پسند کرے اُسی حد تک نظارہ کرنا چاہیے، اپنے شوق کے
 موافق نظارہ بازی کرنا بے ادبی ہیں داخل ہے،
 عرفی باب حال نوع رسیدی دہ شدی شرم نیا مازدی امیدوار دوست
 بہانہ جوی تو اعرفی! بناز عادات کرد
 پیشے مشوق ہماز عادت کرد
 ز شکوہ ہاں جفا یات ادوکون پر شد لیک ہنوز رنگ ادب برخ سخن باقی است
 یعنی با وجود انتہاے شکایت کے پاس ادب نہیں گیا
 حشش نیاز مند تماشا زناز نیست آماز ذوق جلوہ خود بے نیاز نیست
 دو عالم سوختن نیز نگ عشق است شہادت ابتدی جنگ عشق است

داغ آشفته داریم دل نام
 ان چنانست جالست که شب تا بحر
 بروی عقل منطق و حکمت در پیش
 ان روشنست کج فتن نلد و بازگشت
 نافرید اینان را ز متاع روی دست
 بستند گوشش همچشمی نه چین ابروئی
 پور پیام؛ قاصد کنهم این خیال و گریم
 با چند نبیر خرد بسته تو ان بود
 لے اجل این ندهند اهل فاسی کن
 ای آنکه نرفت است عنان دلت از دست
 بشکنم ناقوس و سینه بدست آرم ولی
 میردی با غیره می گوئی بیا عرفی تو هم
 بیا ای عشق! ای ای جهانم کن که یک چند
 داغ بر هم بس که پیغمتشان از دل نماز
 عالم در جلوه دعا شق نه بینید غیر دوست
 (فلسفه) عرفی نے غول میں جس قدر فلسفیان خیال است ادا کیے کسی شاعرنے
 اذ نہیں کیے،

اس کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے نہیں جاتا، سجا بی، ناصیر خسرو
وغیرہ نے بھی حقیقی فلسفی مسائل بیان کیے ہیں لیکن وہ شخص فلسفہ ہری جو نظمیں انداز کر دیا گیا
ہے، شاعری نہیں، بخلاف اسکے عرفی اس انداز سے ان پا تو نکواد کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص
فلسفہ کی حیثیت سے اس سے لطف نہ اٹھائے، تاہم شاعرانہ ذوق سے محروم نہیں ہے کا
شناون سے اسکا اندازہ ہو سکے گا،

یہب کہتے آئے ہیں کہ حقائق اشیاء، ہم کو معلوم نہیں، سفر اطانے کہا تاکہ دم جھکو مر
اُسی قدر معلوم ہوا کہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ”بعینہ اسی خیال کو، فارابی، ابن سینا وغیرہ نے
اشعار میں ادا کیا، لیکن عرفی نے اس فلسفہ کا ایک قدم اور آگے ٹڑھا دیا، وہ کہتا ہے،
لستہ گئی تو پہ اور اک نشاید دالت دین گئی نیز اندازہ اور اک منست
خدا کی ذات اور صفات کی جو تغیر تمام اہل مذاہب نے کی ہے، خوب غور کر جو ہے
تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے انہیں حالات، انہیں اوصاف، انہیں خلاق کو جو ہے
انسانوں میں دیکھیے ہیں، زیادہ دسیع، زیادہ پاک، زیادہ بلند فرض کر کے ایک ذات کا
تصور بنادھلیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر قوم میں خدا کے اوصاف کی نسبت مختلف خیال
ہیں، اس بناء پر عرفی کہتا ہے،

نغمہ ان دفتر، رامی پرستند	حکم جو بیان دری رامی پرستند
بر فگن پر دہ تا معلوم مگر دد	کہ بیان دیگرے رامی پرستند
یعنی خدا اگر اپنے چہرے سر پر دہ اٹھائے تو لوگون کو لذ نظر آئے گا کہ ہم خدا کو نہیں!	

لکی اور جیز کو بوج رہے تھے، اسی مضمون کو ایک اور طبقہ مطابقت ادا کیا ہے،
 آنکہ وصف حسن تو فسیر مکین نہ خواب نمیدہ را ہمہ تعبیری کنند
 حقائق اشیاء یا عقائد مذہبی، کی نسبت یا تو انسان کو نہایت اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہونا
 پاہیزے کہ تمام راذ اسپر منکشف ہو گئے ہوں، یا محض تقلید پر عمل کرنا چاہیے، یعنی کی جو حالت
 ہر یعنی تقلید نہ ابہما دکامل، یہ نہایت خطرہ کی حالت ہے، اور افسوس ہر کہ تمام عالم اسی سن
 بتلا ہے، عرفی موتیں سو برس پہلے یہ نکتہ معلوم ہو چکا تھا، چنانچہ کہتا ہے،
 ندم بردن منہ از جمل یا فلاطون شو کہ گرمیا نہ گز نی سراب داشنہ بیست
 یعنی یا تو بالکل جاہل رہو یا فلاطون بنو، در نیزج ین رہو گے تو سراب در اشتبہ
 کا حال ہو گا،

عرفی اپنی وسیع المشتبہی سے عفاف ان اور ذوق کو اسلام پا کفر میں محمد وہ نہیں کھجھتا
 اس کے نزدیک ہر جگہ حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے اس خیال کو اور وہ نے بھی ادا
 لیا تھا، لیکن عرفی نے ایک عجیب تشبیہ سے اسکی صفات دکھادیا،
 عارف ہم از اسلام خراب است ہم از کفر پر وہانہ چسرا غ حرم د دیر ندا نہ
 یہ ظاہر ہے کہ پر وہانہ صرفت چراغ ڈھونڈتا ہے، وہ خواہ حرم میں جلتا ہو یا بخناز میں
 بُت شکنی پر لوگ نا ذکرتے ہیں لیکن ایک عارف کو نظر آتا ہو کہ بت شکنون ہیں بھی
 ہی تمام اخلاقی موجود ہیں، جو بست پرستون ہیں پائے جاتے ہیں، اسیلے ایسی بست شکنی
 سے کیا فائدہ اس بننا پر عرفی کہتا ہے،

رفتہ بہت سخت نہ ہنگام بازگشت باہر ہن لگدا تم از منگ دین خوش
 یعنی بُخت توڑے تو گیا تما، لیکن جب دا پس چلا تو اپنا دن بہر ہن ہی کے یہاں چھوڑا کیا،
 عام مسلمان جس طرح کعبہ کے ساتھ بیش آتے ہیں اُس میں اور بہت پرستی میں مشکل
 سے فرق کیا جاسکتا ہے اس بنا پر پرستی نے کہا تھا،
 آن کرمی کر دم رامن پرستیدن بُخت در حرم رفتہ طوات در دیوار چکر کرد
 عرفی اس مضمون کو زیادہ لطیف پیریہ میں ادا کرتا ہے
 ساکنِ کعبہ کجا دولت دید ار کجا این قدر ہے کہ در سایہ دیوالے ہست
 عالم میں جو کچھ نظر آتا ہے اگر غورست دیکھا جائے تو سب راز ہے،
 ہر کس نشناہندہ ماذست، و گرنہ این ہاہمہ راز است کہ مفہوم عوام است
 چودل شناختہ سر بر رشتہ، گشت علوم ش کدم بدم بکفت آور ددہ در ہا کرد است
 انسان عالم اکبر ہے،
 اذ کتابے کہ مش خاتمه ام بروح محفوظاً، نجیین در قست
 سالک کو طلب چاہیے، لقا خانیں،
 زبان بہند دنظر بازکن کہ منع کلیم کتابیت از ادب آموزی تقاضا ائیست
 یعنی آنکھیں کھو لو، اور زبان بہند کر دکھنے کے کلیم کو جو منع کیا تھا تو یہ بتانا ہما کہ ادب ملخنا کا ناچاہے
 حصول ہوتے کیتے دہم او شکوک کی جو لانیا مفید نہیں، بلکہ کون او صہر در کار ہجڑ
 چند اک کہ دست پا زدم آشفتہ ترشدم ساکن شدم میانہ در یا کنا رشد

ت رسی اور غور کی ترغیب،

سیر ما یہ آسائیں سست بڑا ی شراب پخت
گوکو کہ صاف کشان جر عذت تے گیرنڈ
لوگ میک د بین تیز نہیں کر سکتے،
پلٹت ست کہ بینند کا نی دانند پوچھ کیسند
کی قوم کی ترقی کے یعنی ہیں کہ دوسری قوم نے تنزل کیا ہے
زماد گلشن عیش کرا بہینا داد کہ گل بد امن ماد ستد دست می آید
چونکہ مذہب کا مقصد زیادہ ترجیح ہو رعام کی ہدایت کرنا ہوتا ہے، اسلیے مذہبی الائکتھ
ملسفیا نہیں ہوتے، بلکہ خطاب ایات اور عام فہم ہوتے ہیں، جن لوگوں کی فطرت یہ خدا نے نہیں
سیلان رکھا ہوا مکو نہیں دلائل سے تشفی ہو جاتی ہے، میکن جنکو مذہب کا در دینہں کو فوڑا نظر
جاتا ہو کر یہ دلائل قطعی نہیں، بلکہ عام پسندیں اس بنا پر ان لوگوں کو نہ ہوتا ہے کہ تم کس قدر حقیقت
شنا س ہیں، عرفی کہتا ہو کر یہ ناچکی بات نہیں بلکہ مذہبی بیداری کی دلیل ہے اسکو بین و اکتبا
بنقص تشنہ بی دان، بعقل خوش مناز دلت فریب گراز جلوہ سراب نہ خورد
سراب اس سیتے کو کہتے ہیں جو در سے پانی کی طرح نظر آتا ہے، شعر کا مطلب
یہ ہے، کہ فرض کرو تھا را گذ ر سراب پر ہوا، اور تم نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ سراب ہو پانی نہیں، تو
تم اپنی عقل پر ناز نکرو، بلکہ یہ سمجھو کر تم پیاس سے دستھ، ورنہ اگر پیاس کا غلبہ ہوتا تو نظر امراض
پانی نظر آتا، سراب کی تشبیہ شاعر نے علی سبیل التنزل دی ہے، در نہ یہ ظاہر ہو کر مذہبی
و دلائل سراب نہیں ہوتے،

عام لوگ سمجھنیں رکھتے درہ غُفران کا نیوں میں سب کچھ کہ جاتے ہیں،

مگر کوئی نکتہ سر ایاں عشق خا مو شرل نہ کر حرف نازک احباب پہنہ در گوش انہ

کفرا و دین، دونوں اپنی گرم بازاری کے لیے لوگوں کو ٹڑو لتے ہیں

کفر و دین را بہراز یاد کا این فتنہ گران در بآموزی مصلحت ان دش ہم انہ

تعلق، ہر قسم کا حباب پیدا کرتا ہے،

اگر تعلق نیست اس بابِ یہاں ہر دد داش صدھر ایاں پر دہ پیش پڑھاں لیکھت

اخلاق عرفی نے اخلاق کے اکثر مسائل بیان کیے ہیں، لیکن وہ صرف ان

خلاقی اوصاف کو لیتا ہے جو عزتِ نفس اور علو و صلی سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں تک

کہ اگر یہ اوصاف غرور و نخوت کی حد تک بسی پہنچ جائیں تو اس کے نزدیک ان حصہ

سے بہتر ہیں جن کی سرحد پستِ نہیں سے بھاجتی ہے۔ مثلاً تواضع، انکسار، فردتی، توکل

تفاوت وغیرہ وغیرہ، اس بنای پر کہتا ہے،

کفرانِ نعمتِ گندہ منداں بے ادب درکش من ناشک لگدا یا نہ بہترست

وہ اعمال نیک کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ دو رخ سے بچنے کا ذریعہ

ہیں، بلکہ ایسے کوئی ناہگار نا دم ہوتا ہے، اور بسا اوقات نہ امت سنجات کا باعث ہو جاتی ہے

اس لیے وہ مفت خواری کی سنجات کو اعلیٰ حوصلگی کے خلاف سمجھتا ہے

بضاعت بکف آور کہ ترسمت، فردا بنجوسِ قشانی پیشانی حیا بخشد

یعنی عل کا سرما زی مجمع کرو، الیسا نہ کو کم کو قیامت میں ایسے بختیں کہ تھاری پیشانی سر

ندامت کا پسینہ پہکا تھا،
 اس سے زیادہ صاف اور واضح کھاتا ہے،
 گرفتم آن کہ بہشم وہند بے طاعت قبول کردن و فتنہ نہ شرعاً انصاف است
 یعنی یہ مان لیا کہ مجھ کو بہشت بغیر عمل کے مل جائے گی لیکن اسکا قبول کرنا انعامات
 کے خلاف ہے،
 وہ عالی حوصلگی کا یہ نمونہ پیش کرتا ہو کہ فی الواقع، گوہاری غلطی کو صحیح سمجھ لے، تاہم
 ہمکو مطلقاً نہیں ہونا چاہئے،
 رُشْتَمْ ز مدّعی لاقبول غلط ادے در تمام از شکنجہ طبع سلیم نوشیں
 وہ یہ سکھلاتا ہو کہ گفتگو اور مباحثہ کی معرفہ آرائیوں میں فتح حاصل کر دیا، لیکن اس طرح
 کہ فرنی مقابلاً کا دل نہ دکھنے پائے،
 زخم با برداشتیم و فتح ہا کر دیم دیک ہرگز از خون کے بنگیں نشد دامان ما
 وہ تحریر، صحر اور دی، ترک لباس کو ریا کا شایخہ بتاتا ہے،
 مرو بپا دی گردی کر زرق دشیدی است بمنگی مطلب کان لباس عنایت
 وہ سکھاتا ہو کہ پہنے آپ کو عزیز اوجو دن سمجھو، دنیا کا کار خاذ تم پر بند نہیں،
 امان مبرک تو چون بگذری جہان بگذت ہنر شمع کب شستہ و انجمن باقی است
 وہ بتاتا ہو کہ اگر پنا عیش کیھنا چا ہو تو پہنے آپ کو خود اپنا شمنی در منافق و من بناؤ کو خو
 خواہی کے عیسیٰ ہاے تو رد شن شو و ترا یک دم، منافقانہ نشین دکین نوشیں

منافق اُسکو کہتے ہیں، جسکے دل میں خلافت ہو اور زبان سے دستی کا انی
کرتا ہو، شعر کا مطلب یہ ہو کہ اگر پنے عیب سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اُسکی تربیت
کے پنے آپ کو ایک الگ شخص فرض کر داد رُس سر بظاہر دوستی کا اظہار کر دا، چونکہ انسان
اپنے دوست سے کسی بات کا پردہ نہیں رکھتا اسیے دہ شخص اپنے تمام راز تھا کہ
کھول کر رکھے گا اس طرح تمام عیب ظاہر ہو جائیں گے،
وہ کہتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے روحاںی اخلاق ایک کافر کے اخلاق سے باہم
نہیں، تو اسکے اسلام کو گفر پر کوئی ترجیح نہیں،

وقتم پہبٰت شکستن وہ نگام بازگشت
با پیری، مداستم از شرم دین خویز
اس سخن نہ امر عجم، قش
قصیحت کچھ اثر نہیں کر سکتی،

وعظام من گر دفاتر اندہ عصیان شود
آسین شکر آدو گس ران نشود
وہ کہتا ہے کہ یا کاری اس قدر عالم ہو گئی ہو کہ کھلے قلے نہ پیڑی اعماقیں،
از صدق اہل بُت کہہ ہم اعتماد رفت
از بس کا اہل صور معه ز دیر می کشد

زاہد اور برہمن میں اسکے نزدیک جو فرق ہو رہا ہے،
کافر رست زاہد از برہمن، ولیکن
اور ابست سنت دسر، در آسین ندار
یعنی زاہد پرہمن سے بھی زیادہ کافر ہو فرق یہ ہو کہ زاہد کے ہاتھ میں بُت نہیں۔

بلکہ سرین ہے،

آزادی اور خود بختاری کا دہ آس قدر شفیقت ہو کر اگر کوئی شخص نام کو بھی آزاد ہو تو
س کے نزدیک رشک کے قابل ہی
س تھست آزادی سرو م گداخت کین مراد س است کہ بر تھست آن ہم حضرت
سرد کو شمرا، آزاد باندھتے ہیں، عرفی کہتا ہو کر گویہ تھست ہو لیکن یہیں اپر بھی رشک
نا ہوں، کیونکہ آزادی و نعمت ہر کہ جھوٹوں بھی کوئی شخص آزاد کھلانے تو رشک کے
ابل ہے،

وہ سکھلاتا ہے کہ صلی لذت اور آرام، روحانی لذت اور آلام ہو، اور یہ حاصل ہو
ماہری تکلیفات سے مطلقاً متاثر ہونا نہیں چاہیے،
مشوق و زیانہ جان مدعی کجاست گل از دماغ می دم آسی خا ربیت
وہ ہیرات ہیں میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے، اور اس مضمون کو اس طفیل
یرا ہیں ادا کرتا ہے،

را و خضر عنان گیرا بیدا زچی پ است کر کچ روی نکنم در نی عرم را و خطاست
م شہر ز سر ووش خم ن پر ہی سن د ن زانع بر سر بر تیغ شہری ناصاف س است
یعنی مال حرام، اگر بھر بورستے تو امام شہر کو در لبغ خواہی، جو انکار ہو اس لحاظ سر ہے
اس کی مقدار تھوڑی ہے،

علنفس، بلند تھی، اور حوصلہ مندی کے خیالات، جو عموماً شاعری میں نہایت کم تھی،
ظرفی نے کثرت سے ادا کیے، چونکہ خود نہایت غیور اور عالمی حوصلہ تھا، اسیلے وہ عادت

اور اخلاق جو نطاہر علی نفس کے خلاف نہ تھے، لیکن درصل ان کی بنیاد نارت پر تھی، مون کی تسلیک اسکی بنا کا ہر بچوچی تھی، مثلًا تمام ایشیا میں حاتم کی فیاضی و رنجادت کے چرچے پھیلے ہوئے ہیں، اور تمام لوگ اس کی فیاضی کے افساروں کو مزدے لے کر بیان کرتے ہیں، یا مر نطاہر کوئی بُری بات نہیں بلکہ بچی قدر دانی کی دلیل ہر، لیکن حقیقت یہ ہو کہ چونکہ ایشیا میں اکثر مفت خواری کا طریقہ جاری رہا، یعنی لوگ سلاطین اور امراء مفت کر سکتے اور انعامات حاصل کرتے تھے، اسیلے اس قسم کی فیاضیوں کی نہایت محشری کرتے تھے عرفی نے دیکھا کہ اس قدر دانی کی نہیں اس مفت خواری کا اختر ہواں لیے کہتا ہوا بیا پہلک قناعت کو درد سرنہ کشی حاتم طائی زقصہ ہا کہ بہت فروشی طے برتنہ یعنی اگر قناعت اختیار کر تو تم کو ان کہانیوں میں کچھ مزہ نہ آئے گا جو حاتم طائی کی بیان مفہوم ہیں،

اس سے زیادہ صاف کہتا ہے،

کفران نعمت گل منداں بے ادب درکش من ز شکر گدا یا نہ بہترست
 یعنی ہیں کفران نعمت کو بھی گدا یا نہ خلک گزاری سے زیادہ پسند کرتا ہوں،
 نماذ کے ہاتھ سے مجبور ہو کر معمولی چیز کی خواہش کرتا ہو، اپنے خود کو فسول تاہرا در کہتا ہو
 کشادم دام کر بخشک ارشادم یاد آن بہت کہ گر سیرغ می آمد بدام آزاد می کردم
 یعنی اب تو میں بخشک پر جال ڈالتا ہوں اور اسی پر رضی ہوں، لیکن ایکتہ بھی
 وقت تھا کہ سیرغ جال میں پھنسا ہر اور میں نے چھوڑ دیا ہو،

بساطے کا ندر و طرح دو عالم می تو ان کردن
 بست آور دہام اندازہ پر کارگی باید
 رفتم آن کہ بستم دہندے بے طاعت
 قبول کردن وقت ن شرط انصاف است
 بردیکشودہ ساکن شدد بر دیگر ن زد
 وقت عرفی خوش کہ کشود ناگر در بر خش
 عاشقا ن جذبات در خیالات میں بھی اس کی عالی حوصلی نہیں جاتی،
 من ازین در دگر انبار چلندت یا مم کہ ب اندازہ آن صبر و تباقم دادند
 یعنی اس غم سے محکوم کیا لذت مل سکتی ہو جبکہ اسکی بر ابر محبوب صبلو رہ قلال بھی عنایت ہو،
 تذکرہ سرخوش میں لکھا ہو کہ: «ناصر علی اس شعر کو زیادہ پسند کرتا تھا،» اگر یہ صحیح ہو تو نامہ
 کی اس بد نماقی کا کفارہ ہو گیا جو اسنے نظامی او رظہوری کے ہزار نہ میں ظاہر کی تھی؛
 با وہ خواہی باش تاز خون ل پیرن ہم
 این کہ در جام و سبودار مہیا آتش است
 بہم سمندر باش و بہم ماہی کرد جھون عشق
 روی دریا سلسلیں و قلعہ ریا آتش است
 عشق اگر مردست مرست تاب یدار آورد
 در نہ چون موسی بے اور د بیار آورد
 مدہ عنان تعسلق بحسن ہر ذرہ
 دان ہم بکام دل نفاذ نہ آستین خویش
 نبزم آسمان و سیکے ذرہ در سماع
 یعنی آسمان کی نوچلوں میں ایک ذرہ (انسان) وجود کر رہا تھا، لیکن ان محلہوں کی
 مجموعی فضائیں بھی یہ دست نہ تھی کہ وہ ذرہ ہاتھ پھیلا کر ناقص سکتا،
 سلے عوام کے اعتقاد میں ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں زندہ رہتا ہے،

نظیری نیشا پوری

محمد شین نام نظیری تخلص، از نیشا پور وطن تا، شاعری کا ابتدائی شوق تھا
 در ابتدائی مشق ہی سے شہرت ہو چکی تھی، خاسان میں جب اسکی شاعری مسلم ہو چکی تو کاشان
 میں آیا، یہاں حاصل فتحی مقصود خودہ، شجاع، رضای، شاعری میں استادِ سلیم کی جاتی تھی،
 اُنکے مشاعر و میں جو طرحیں ہوتی تھیں، نظیری بھی اُن میں طبع آزمائی کرتا تھا، اُنیں اُن میں
 ایک قدیم غزل طبع ہوئی، جاے تو باشد، ایسا تو باشد، نظیری نے غزل لکھی
 فلک مزدور ایسا تو باشد نواز دہر کر اسے تو باشد
 "جاے" کا قافیہ، استادوں کی غزل میں اس پہلو سے بندھ چکا تھا کہ اسکا جواب
 نہیں ہو سکتا تھا، مثلاً
 دو عالم را بیک بارا زدیں تنگ بردن کر دیم تا جاے تو باشد
 نظیری نے اس پامال قافیہ کو بالکل نئے پہلو سے باندھا،
 نیاز ارم ز خود ہرگز دلسے را کہ می ترکم در وجہ تو باشد
 اسی قافیہ میں ایک اور استاد کا شعر یاد آیا،
 ملہ شعراء مذکور کا مشاعرہ اور غزل کا پیغمبر ناشر جسی میں نقل کیا ہے،

جہانے مختصر خواہم کہ وردے
گین جائے من وجہے ترباشد

اس زمانے میں عبد الرحیم خانخانان کی فیاضیوں کا شہرہ دددو و بصل چکا تھا، نظری
نے اسکے دربار کا قصد کیا، اور آگرہ میں خانخانان سے ملا، چنانچہ جو قصیدہ اس موقع پر لکھا تو
جو عذوان میں موجود ہے، اس کا عنوان یہ لکھا ہے:

این قصیدہ در ملح صاحبیم ابوالفتح بدار عبد الرحیم خانخانان بن سیرم خان ہنگامیکے
بالمغار از گجرات بدار اسلطنت آگرہ آمدہ بودندہ اول مارچی و مازست این جا
کرده بود گفتہ شد،

غالباً یہ ۲۹۷۶ھ ہجری ہو گا کیونکہ اسی سن میں خانخانان گجرات سے آگرہ کیا ہے، اور مظفر
اجرامی کے شکست دینے کے بعد میں، اسکو خانخانان کا خطاب ملا ہے،
غالباً خانخانان ہی کی تقریب کرنے سے اکبر کے دربار تک سامنے ہوئی اول اقل
جب وہ دربار میں پوچھا ہے تو جماگیر کے بیٹے پیدا ہونے کا جشن تھا، نظری نے جو قصیدہ
اس موقع پر پیش کیا ہے، اسکے عنوان میں صرف اسی تدریک ہے، جو نام کی تصحیح نہیں کی، قرآن سے
ثابت ہوتا ہے کہ حسرو کی ولادت کا جشن ہو گا جو ۲۹۷۶ھ ہجری میں پیدا ہوتا، اس قصیدہ
سے ثابت ہوتا ہے کہ نظری کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے تھے جو اس کی سماں میں خلناک
ہوتے تھے، چنانچہ خاتمه میں کہتا ہے،

جامعۃ زینہاں تیر و طیج دنی
ہاس دشپیشی قادہ انہی چھوڑ بال

زبے تمیزی این ناقلان کم یا
گھر بقدر خوف گشته زرسخ غمال

سند کے اختر نظم مرا بیک ساعت توجہ تو بروں آرد از ہبوط دوال
 اکبر کی محی میں انسنے دقا فرقا اور بھی قصیدت لکھو، اور غالباً مقبول بھی ہوئے لیکن
 دربار میں اسکو کوئی خاصل میاز نہیں حاصل ہوا، اسیلے آنہا پناستقل تعلق خانخانان کے دریا
 سے قائم رکھا اور احمد آباد گجرات میں سکونت اختیار کی، چند برس کے بعد حج کا ارادہ کیا اور
 اس تقریب میں ایک قصیدہ لکھ کر خانخانان کی خدمت میں پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے،
 زہر بخود گنجم چوبیم می مغاٹی پدر دلباس برتن چوبی کو شد معاں
 ایک شاعر از طریقہ سے مصارف سفر کی دخواست کی،
 ہم عیش این جہانی بعنایت تودیم چ عجب گر بیا بم ز تو ز او آن جہانی
 خانخانان نے سفر کا سامان کر دیا، چنانچہ سورت سر جہان پر سوار ہو کر کہ معظمه کو روان
 ہوا، راستہ میں بڑوں نے بوٹ لیا، تاہم انسنے حج اور زیارت دونوں حاصل کی،
 آنحضرتی میں نظیری کا سفر لانہ ہجری میں لکھا ہی لیکن یخخت تعجب کی بابت ہو نظری
 کے دیوان میں ایک قصیدہ سلطان مراد (ابن اکبر شاہ) کی محی میں ہوا اسکے عنوان میں خو
 نظیری لکھتا ہے،
 این قصیدہ نیز بعد از معاودت مکہ مظہرہ بہ احمد آباد گجرات دریح شاہزادہ
 ہمایوں نژاد شاہ همرا و گفتہ شد
 ی مسلم ہر کہ ہر اد سنتہ ہجری میں مرا ہواں یہ نظیری کا سفر حج لانہ ہجری میں محل ہو
 ایک آنحضرتی

زیادہ تعجب اسوجہ سے ہوتا ہے کہ آئندہ حمیٰ کا مصنف نظیری کا ہم عصر دُلُس کا خواجہ تاش
 ہر قیاس یہ ہر کو نظیری نے لشکہ سجری میں حج کیا ہر، علاوہ اور قرآن کے ایک قرینہ یہ ہر
 کر خان عظیم میرزا کو کہ (اگر کا رضاعی بھائی) نے اسی سال میں حج کا سفر کیا تھا، اور نظیری
 کے دیوان میں ایک قصیدہ خان عظیم کی بح میں ہر جگہ کا عنوان یہ ہے
 این قصیدہ در راہ مکہ مکرمہ بعد از غارتِ سارقان و حرامیان نڈیں بمح نواب
 محمد عزیز عظیم خان منظوم شد،
 اس قصیدہ میں اپنی حالت بیان کر کے درخواست کی ہے کہ میری زاد راہ کا
 سامان کر دیا جائے،

پ گو شنہ نظر التفات، محتاج جم زبے بعناعتی خود چنان ہر سام بیل مرحمت از خاکِ ذلتهم بزار	بزاری کہ تو ان کشتنم ہنیم بگاه کہ بہر تو شد رہ بازگردم از اکاہ کہ چو غلبہ عثمان قنادہ مم برآہ
--	---

حج سے واپس کرنے ہراد کے دربار میں رسائی حاصل کی، اگر نے شنڑا دہ مراد کو
 دکن کی نہم پہنچا تھا، وہ ان اطراف میں ذجین لیے ہوئے پڑا تھا نظیری چنان پھر اس طرف
 جانکلا، دربار میں جانا چاہتا تھا کہ راہ میں ایک قدر دان سخن کی نظر پڑی، اسی پڑھ کر کہا کہ
 خوب موقع پر آکے، نور دکا جشن ہر قصیدہ لکھ کر پیش کیجیے، خود جا کر شناہزادہ سے
 تقریب کی، چون بدار آکر لوگیا، دربار میں سجدہ بجالانے کا دستور تھا، لیکن دربار کی شان
 و شوکت دیکھ کر نظیری کے حواس جلتے ہے، اس لیے آداب اور آئین سب بھول گیا

نقیبون نے باز پرس کی تو جواب دیا کہ میں نے آج تک یہ شان و شوکت نہیں دیکھی تھی،
اپنے حواس ٹھکانے نہ رہتے، یہ تمام واقعات، نظریہ میں نے خود قصیدہ مدحیہ میں لکھتے ہیں
موقع کے خاص خاص، شعار ہم نفس کرتے ہیں،

دران بساط اکہ برخود مر اشور نبو
ز دو را دیدہ دانلے بن افداد

بہر گفت کہ ای زیب بخش محی فس
بنیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد

بساط مجلس و آئین جشن فور دیست
تو نیز جلوہ آئین نظم خواہی داد

ہمین دو دید گفت دہنو زپسیا بود
کہ شد غریب کذین قطہ کر دریا یاد

چنان بپائے دولتے عہد منشائے
کہ چند بار سرم در مقام پا افداد

زبس کتیرہ آن بارگاہ در فتح
ادب ز پایہ خود پای بر فراز نہاد

ز دلفری آئین و فر سلطانی
بگاہ تہنیت، رسم مجدد رفت ازیاد

نیدار مید کہ روتے ادرزاد
چو خوب رسم ادب راجانیا دروم

بساط عرش و کبر اترا چہ پیش آمد
حریم کعبہ و عطالت تراچہ حال افداد

جواب دادم گفتہ بجز معد و مرم
کہ تا منم بچنیں در لئے گشتہ شاد

سالنه ہجری میں اکبر نے دفاتر پائی اور جانگی تخت پر بیٹھا، وہ نہایت سخن شناس
اور صاحب ذوق تھا، نظری کا شہرہ سنکر دربار میں طلب کیا، چنانچہ ۵ سالہ تخت نشینی

مطابق سالنه ہجری میں نظری، دربار میں حاضر ہوا اور انوری کے قصیدہ پر قصیدہ لکھ کر
بیٹھ کیا، جانگی نہ د ترک میں اس واقعہ کو لکھتا ہے۔

نظیری نیشاپوری کرد فن شعر و شاعری از مردم قرار داده پود و در گزات
بعنوان تجارت بسربی بر قبیل ازین طلبیده بود مم درین والا آمده ملازمت
گرد قصیده افواری را که

ع، باز این چیز جوانی و جمال است جهان را
تمیع نموده قصیده بجهت من گفتة بود گذرا نمید، هزار روز پیش و سپ خلعت
لبلمه این قصیده بدو مرگت نمودم،

نظیری نے قصیده میں دربار کی رسانی کی پوری تفصیل لکھی ہے،

نگاہ در آمد ز درم بانگ کو گویند	فرمان طلب آمد از شاه فلان بـ
بـ کفـش و عـاصـه بـ لـازـخـانـه دـیـم	لـے کـرـدـه قـبـادـرـبـرـوـنـی بـیـتـهـ مـیـانـ رـا
تاـحـاـکـمـ دـیـوـانـ وـلـبـدـ بـرـدرـ سـوـ لمـ	دـیـمـ ہـمـهـ جـاـخـرـدـهـ دـهـانـ غـرـمـهـ مـانـ
اـحـاـبـ چـانـ سـحـفـاـ زـصـحـاـتـانـدـ	بـگـفـتـ اـزـ حـبـابـ تـعـظـیـمـ تـشـانـ رـا
بـیـنـیـ جـسـ طـحـ وـگـلـ قـآنـ اـعـظـیـمـ سـیـلـتـیـ	یـتـیـ جـسـ طـحـ وـگـلـ قـآنـ اـعـظـیـمـ سـیـلـتـیـ

بـکـشـاـدـمـ وـبـنـاـصـیـهـ سـوـدـمـ رـخـ آـنـ رـا	بـتـیـلـیـمـ هـنـادـمـ
بـرـخـوـانـدـمـ وـلـیـسـیدـمـ اـذـانـ سـرـنـظرـاـ	مـیـ دـیـمـ دـیـمـ سـوـدـمـ اـذـانـ سـرـنـظرـاـ
کـرـدـمـ زـہـمـهـ رـوـنـیـ دـاعـ اـہـلـ مـکـانـ	فـیـ اـخـالـ دـوـیـمـنـ پـےـ عـرـکـبـاـ مـانـ
گـلـشـ بـوـمـ اـمـ وـبـنـیـلـ حـاـصـلـ کـانـ	اـمـرـوـزـسـهـ مـاـهـ اـسـتـ کـرـپـیـانـ سـرـغـمـ
چـوـنـ گـنـجـ رـوـانـ بـنـ طـلـبـ گـنـجـ وـانـ رـا	چـوـنـ بـحـرـ قـوـدـ رـوـدـ مـدـشـیـرـ شـکـارـیـ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانگیر کے فرمان طبی کے بعد میں مینے نظیری کو دوڑ
دھوپ میں گئے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جانگیر شکا ہیں مصروف تھا،
یہ وہ زمانہ ہر جب نظیری تارک اور نیا ہو چکا تھا، لیکن غدنی اور طماقی کی جماعت
درانج ہو چکی تھی اسکا انتقام یہ تھا کہ تین مینے تک خاک چھانتا پھرا، اور شاہی فرمان کو ترانے
تشبیہ دی،

جانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتاب پر کی فرایش کی، اُس نے
یہ غزل لکھ کر پیش کی،

اے خاک درت مصلل گرگشہ میلان را باد اغڑہ، جا رو بہت، تاجورا ن را
جانگیر نے اسکے صلب میں تین ہزار بیگہ زمین انعام میں دلچسپی،
گلزار ابرار میں لکھا ہو کر نظیری نے مرنسے سکر بارہ برس پہلے ترک نیا کر کے گوشہ عزلت
اختیار کیا، نظیری سٹالہ ہجری میں مرلے، اس یہ شستہ ہجری میں وہ گوشہ نیشن ہوا ہے،
دو تین قصیدوں کے شان نزدیک میں اسے خود بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن امراء کی
مداحی اس حالت میں بھی جاری تھی، چنانچہ یہ قصیدہ بھی اسی زمانہ کا ہے،

چندے پر غلط بکدہ کر دیم حرم را وقت مت کر از کعبہ برآ ریم صنم
آخر میں اسکو علم دینیہ کی تحصیل کا شوق ہوا، ستالہ ہجری میں جب ہخانخانا کی
ہمراکابی میں گئی ہو تو راہ میں مندو سے گزر، یہاں شیخ غوثی مندوں کی سے ملاقات ہوئی

لہ سر د آزاد، اور یہ بیضا، ۷۵ نسخہ موجودہ کتب خانہ ایشیا، گک سوسائٹی،

یہی، شریف کاشی، کافی سبزداری، ملابقائی وغیرہ بھی اس سفر میں ساتھ تھے نظیری کو جب دینیات کا شوق ہوا تو انہیں شیخ غوثی سے پہلے عربیت کی تحصیل کی، پھر مولانا حسین جو ہری سے تفسیر اور حدیث پڑھی،
۲۰۷ نامہ ہجری میں گجرات سے آگرہ میں آیا اور خانخانان کو اپنا دیوان حوالہ کے پھر
گجرات واپس گیا،

۲۰۸ نامہ ہجری میں بمقام احمد آباد گجرات وفات پائی، مکان کے قریب یک مسجد بنزاں تھی، اسی میں دفن ہوا، یہ آخر حسینی کی روزایت ہزور رہ اور تہامہ تذکرہ دین سال فات
۲۰۹ نامہ ہجری یا لٹنہ ہجری لکھا ہے،

نظیری کی قبر حس محلہ میں ہے اسکا نام تاجورہ ہے، قبر پر یک گنبد بھی ہے،
عام حالات اور اخلاق نظیری نے اگرچہ بہت سے درباروں کی آستان بوسی
کی لیکن اسکا اصلی تعلق خانخانان کے دربار تھا، خانخانان
عادات

اوخار عظیم کو کہ راکبر کا صناعی بھائی اکی بہن بیا ہی تھی، اس تعلق سے خان عظیم کی ماحی بھی
کی ہے، اور باقی اکبر اور جہانگیر اور مراد تو حکمران وقت تھے، انکی ماحی نکرتا تو کیا کرتا، معلوم
ہوتا ہے کہ شہزادہ مراد سے اسکو دلی محبت تھی، شہزادہ موصوف کا جرم مرثیہ لکھا ہے، اس میں شہزادہ مراد
سے محبت دلی جذبات نظر آتے ہیں،

اسے نزم تیرہ، بخ چون رنوان کجاست
وے ززم ادریسی، اخگر تی ستان کجاست

لئے گلزار ابرار دخڑا نہ عامرہ تذکرہ شکبی، ۲۱۰ آخر حسینی،

آن ناز صدر و سر کشی آستان کجاست	شووق بسود دمکرمست تقطیم کترست
بیکت شاخ برگ امر آشیان کجاست	برگ دشگو ذرینت فمراز کجا خورم
پیدا کنیه کا دل این داستان کجاست	کس را سرد در خوراین تعزیت نبود
صبرخون شنیدن و تاب بیان کجاست	خلقه پر شیون اندونگو می دهال حیبت
آفاق و مصیبیت او متحن شده	
این مرگ باعثالم مردوزن شده	

غم خاست، در پیاله ای از ساغر انگنید	شد بزم تیره، پرده ازان رخ بر انگنید
ششم که دهر دشن اذ دبود، هروده است	پروانه را برو بخا کتران انگنید
در بزم او ز خلقه ما تم و خرام نیست	این حلقة را صحن سرا بر در انگنید
ریحانی بلوه، یا سمن عشه، ریخته	پیشید و هم بران قهچان پرور انگنید
رفت آن سرس که تاج باز سرفراز بود	بر سر کنید خاک زکاه از سرا انگنید
خیزید تا؛ آن سرتیابت دم زیم	
عرضی لکنیم و کار دواعش بهم زیم	

خانخانان کے دربار میں جو قدر شعر تھے، یعنی عرفی، شیکسی، ایسی وغیرہ سے مرک
دہتھے تھے، ایک دفعہ خانخانان نے ایسی کو ایک خط لکھا کے حاشیہ پر نظیری کو بھی سلام کہا تھا،
نظیری کو نہایت ناگوار ہوا، ایک تصدیق لکھا جس میں خشکایت کا اس طرح انداز کیا،

مَرْسَى دُوْسَرَةِ خَصْصَنْ بِلِ الْكَشِيدَ

خَدْوَمْ، چَنْيَنْ يَا وَدْ كَرْدَ سَتْ خَدْوَمْ

بَانَامْ خُودَازْ جَاهِشَيْتِيمْ كَرْدَنْ بِشَ

نَهَانْ طَفَلِيْ نَوْنَانْ بُودْ سَلَمْ رَا

اِيكْ ذَفَقْ نَظِيرِيْ فِي خَانَخَانَانْ سَے کَما کَ لَا کَھْ رَوْپَے کَا ذَھِيرِ لَگَا يَاجَلَ تُوكْ قَدْ
لَا کَھْ رَوْپَے کَا ذَھِيرِ لَگَا يَاجَلَ تُوكْ قَدْ
(العام)

ہو گا؟ مَيْنَ نَے كَبِيْهِ نَيْنَ دِيْكَهَا، خَانَخَانَانْ فِي لَا کَھْ رَوْپَے مَنَگَوْ اَكْرَسَانْ مَنَهِ رَكْوَادِيْهِ، نَظِيرِيْ
لَنْ كَما خَادَ كَا شَكَرْ ہے آپْ كَيْ بِدَولَتِ مَيْنَ نَے لَا کَھْ رَوْپَے تُودِيْجَوْ یَيْ، خَانَخَانَانْ نَے رَوْپَے

اسْ كَيْ گَھْ بَجَوْادِيْهِ،

نَظِيرِيْ كَوْزَرْ گَرْيِيْ مَيْنَ كَمَالَ هَمَا، اَسْكَ سَاقَهِ تَجَارَتِ بَھِيْ كَرْ تَاهَا، شَاعِرِيْ كَيْ فَتوَحَّاَسْتَ
تَجَارَتِ عَنْتَ

اَكْ تَھِيْ، اَسْ بَنَآپِ اَمِيرَنَهِ زَندَگَيِ سَبَرَ كَرْ تَاهَا، او رُؤْمَرِ اَمِينِ اَسْكَ شَامَهِ ہَتَاهَا، بَلْكَ مَزَاجِ مَيْنَ فِي
کِيْ آنَ بَانَ نَخَيْ، اَسْ لِيْهِ مَرْتَ مَرْتَ بَھِيْ مَادِيْ كَا شَغَلَ نَچَوْتاً،

بَخَلَافِ وَرَشَعِ كَيْ مَذَہَبِ مَيْنَ سَخَتَ تَاهَا، اَكْبَرَ كَيْ دِرَبارِ مَيْنَ جَنْ آزَادَانْ خِيَالَاتِ كَيْ مَبِيْتِيْلِيْمِ
پَرْ پَرْ رَهَتَتَ تَخَيْ، اَنْ سَے بَهْتَ جَلَتَ تَاهَا، تَاهِنَہَرَدَهِ هَرَادِيْ کِيْ بَحَجِ مَيْنَ جَوْ قَصِيْدَهِ لَکَھَا ہُوْا ہُوْا،
سَكَا خَاصَ ذَكَرِ کِيْلِيْهِ، او رَابِرِ لَفَضَعِلِ يَا مَبَارِكِ كَانَامِ بَھِيْ كَنَّاَيَهِ نِيَاهِ،

طَبِيعَتِ ہَمَدَبَنَلَ دَهْرَلَحِدَ شَدَ

اَگْرَچِ فَضْلَهِ اَزْ فَاضَلَانَ حَامَلَنَ ہَرَ

پَرْ طَعَجَادَ وَغَنَادَرَدَ، مَذَہَبَہِ اَسِيجَادَ

پَرْ شَلَبَوَاعَ گَشَتَ حَسَرَتَ شَلَادَ

سَفَرَجِ جَسَ ذَوقَ شَوَقَ سَے کَیَاهِ ہَرَاسَ سَے بَھِيْ اَسْكَنَهِ بَھِيْ جَوَشَ کَانَماَزَهِ ہَوَنَاهِ

لَهْ مَأْتَرَالَامَرَاتِ ذَكَرَهُ خَانَخَانَانَ وَخَزاَنَهُ عَامَرَهُ،

بہانگیر اور شاہ عباس صفوی دونوں نے تباکو کے استعمال کو منع کرایا۔ لیکن اس
 چھٹی نین ہر نئے سے یہ کافر لگی ہوئی لوگ باز نہیں آتے تھے، نظیری بھی
 اسکا جان دادہ تھا، چنانچہ تباکو کی تعریف میں ایک غزل لکھی جو دیوان میں موجود ہے،
 تباک کی تعریف نے سنبل تباکو سے نہ آتش رحراہ دل بھی خامی دہبے داغ آتش پارہ
 در محل تباکو نگر صوفی شدہ باز آمدہ در کوے خود سرگشہ در شہر خود آوارہ
 چون دلت سالک ہر کجا انگلندہ از بردا پارہ پوری غزل تباکو کی تعریف میں ہے،

اس زمانے میں نظیر نام ایک شاعر تھا، نظیری نے اسکو لکھا کہ اپنا تخلص بدال دتا کہ
 دوزن تخلصوں میں اشتباہ ہو، چونکہ نظیری در اصل نظیر سے ماغز ہی صرف ایک حرف زائد
 ایسے سرقہ کا ایک نظم نظیری ہی پر عائد ہو سکتا تھا، نظیری نے دس ہزار روپیہ دیکر یہ حرف
 زائد می اخیریدا، اور نظیر نے اپنا تخلص بدال دیا،

شعرائیں سے خاص جن لوگوں سے نظیری کے معزک رہتے تھے، عرفی، ظہوری،
 اور ملک قمی تھے عرفی نے تو نظیری کو قابل خطاب نہیں سمجھا، لیکن نظیری نے اسکے
 مرے بیچھے قصیدہ میں اسکو گالیاں سنائیں، چنانچہ عرفی کے حال میں ہم نے وہ شعار
 نقل کر دیے ہیں، ظہوری اور قمی نے نسلہ ہجری میں نظیری کے پہل پندرہ دیوان بھیجے
 اور نظیری نے ایک ایک غزل کا جواب لکھایا (وحدی کا بیان ہر دما خود از عرفات)

لیکن اس میں کسی قدر بمالغہ معلوم ہوتا ہے، نظری اس زمانہ کے دوہی ایک سال کے بعد مگر ہر، اس لیے اتنے کم زمانہ میں نہ لوری اور قمی کی ہزاروں غزوں کا جواب کیونکہ لکھ سکتا تھا، نظری کی خصوصیات ا۔ تمدن جب ترقی کرتا ہے تو ہر چیز میں نئے نئے مکافات پیدا ہوتے ہیں، اور انکے لیے جدت پسند صناعت نئے نئے سامان پیدا کرتے ہیں یا اثر جس طرح مادی چیزوں پر عمل کرتا ہے، غیر مادی اشیاء بینی رخیالات، جذبات، محبت، راز و نیاز، سوز و لگداز سب چیزوں پر عمل کرتا ہے، مثلاً ابتدائے تمدن میں معشوق کے صرف نگہ دپا اور مناسب اعضا کا خیال آیا، اور اسکے لیے حسن ایک عام لفظ ایجاد کیا گیا، لیکن جب نگین مطبعی در نکتہ بھی زیادہ تر ہجھی تو معشوق کی ایک ایک لا الہ الا کوئی نظر آئی اور دوست زبان نئے انکے مقابلہ میں نہ کرنے والے الفاظ مثلاً کرشمہ غمزہ، ناز، ادا وغیرہ وغیرہ تراشے، اس قسم کے الفاظ اور ترکیبیں جدت پسند طبیعتیں ایجاد کرتی ہیں، اور یہ طبیعتیں ہیں جنکو اس شریعت کا پیغمبر کہنا چاہیے، ان الفاظ کی بدولت آئندہ نسلوں کو سیکڑا دن، ہزاروں خیالات اور جذبات کے ادا کرنے کا سامان ہاتھ آجائتھے نظری اس شریعت کا ادوالعزم پیغمبر ہر، اُس نئے سیکڑا دن نئے الفاظ اور سیکڑا دن نئی ترکیبیں ایجاد کیں، یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے، لیکن جس موقع پر اسے کام لیا، یا جس انداد سے اُن کو بردا، شاید پہلے اس طرح برستے نہیں گئے تھے، مثلاً

ازکفت نبی دهد دل آسان بروده را دیدیم زور بازوی نا آزمودہ را
آسان بروده کی ترکیب نئی ہے اور اس سے ایک وسیع خیال ادا ہو گیا، دوسرے

مشرع ہیں زور، بازو، نا آزمودہ، سب مستعمل لفاظا ہیں، لیکن ان سرنی طرح سے کام لیا ہو
خنا یہ تھا کہ معموق کم سن ہوا درست کوئی طرح کا تجربہ نہیں تاہم جس شخص کا دل یا فکر غافل
اجاتا ہے پھر اسکے پنج سے چھوٹ نہیں سکتا، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہو کہ میں نے دیکھا کہ
یک نا آزمودہ باز دین کس قدر زد رہتے،

<p>مان فعل زریش بیان ساز مش</p> <p>پہ خوش ستاب زد و یکشل سر بردن باز کردن</p> <p>شر عتاب بردن، زدل ہم انک اذک</p> <p>شعر کا مطلب یہ ہو کہ وہ بھی لطف کا کیا موقع ہوتا ہو جب دو یکشل دست آپس میں مل بیٹھتے ہیں، اگر تاکہ حیرت ہے ہیں، پرانے تذکرے کرتے ہیں، شکایتیں شروع ہوتی ہیں ایک دست روٹھا ہوا ہو، دوسرا اسکو اس طرح آہستہ آہستہ منا ہاتا ہو کہ جب وہ کوئی شکایت پیش کرتا ہو تو یہ بھٹ کوئی تادیل گراہہ لیتا ہو، نوری تادیل کرنے کے لیے پریسہ آفریدیں، کس تو موز دن لفظ ہو جو ایک بڑے خیال کو کس قدر منظر لفظ میں داکروتیا ہے زدل ہم، اور انک اذک کی ترکیب کس قدر داقعہ کی تصویر یہ نہیں ہے،</p>	<p>نیست لذت زنظر بازی نہیں کہ درد</p> <p>خندہ زیر لب دگر یہ پہنانے نیست</p> <p>یہ اس حالت کی تصویر یہ کہ معموق، ازیب مجلس ہو، ہر طرح کے لوگ جمع ہیں، انہیں میں عاشق غمزدہ بھی ہو، وہ لوگوں کی آنکھ بچا کر دتا ہو، معموق دیکھ رہا ہو اور مُسکل اتا ہو اس خیال کے ادا کرنے کے لیے، خندہ زیر لب اور گر پہنان کس قدر موزوں</p>
--	--

جن۔

خان وقت شکایت اپنکا ہش ضریب گشت
کو مضمونِ سخن صد بار از دل تازابان گم شد
کنایہ تھا کہ میں مشوق سے شکایت کر رہا تھا، دفعہ اُس نے میری طرف نگاہ غصبے
دیکھا جس کی وجہ سے میرا یہ حال ہوا کہ نوسود فعدہ دل سے باتِ نکلتی تھی لیکن ہنوز تو کہ
آکے رہ جاتی تھی،

شم از میان بر خاستہ اُہرا زدہ ان پڑا شستہ
گفتار بے ترش بین رقا بے باکش نگر
نمائے تا سحر دستم بزلف در ہمی دارد
گریبان نم گریبان رٹ دامنی اُنست شسب
شمار دشتن یعنی مصروف بودن، مطلب یہ ہو کہ آج میرا تھا زلف پر بیان میں معمرو
ہار یعنی میں اُسکو سلبھایا کیا، اور میں اپنے گریبان اور دامن کو نہ پھاڑ سکا، ایسے آج میرا
گریبان گریبان ہر اور دامن دامن ہر یعنی دونوں اصلی حالت پر مین گریبان اور دامن
لامامت بہ جانے کو صرف ان دو لفظوں کے مکرر لانے سے ادا کر دیا ہر، اور کس قدر زخم تنا
لکڑا دا ہے،

۲۔ دہ اکثر وجدانی باقون کو ایسے طریقہ سے ادا کرتا ہو کہ جسم بن کر سامنے آ جاتی ہیں
براس سر عجیب خاص لطف پیدا ہوتا ہے؛ مثلاً امر کہ مشوق کا ایک یہ عضو یا ایک
بادا دل ربا ہوتی ہو، یعنی ہر عضو اور ہر ادا کی طرف دل کھپتا ہے، ایکو اس طرح
دا کرتا ہے،

پاے تا برس رہ کر کا کرے بکرم کر شکمہ دامن دل نی کشد کہ جا اینجا سبت

اس شعر سے یہ تصویر پڑی نظر ہوتی ہر کہ معموق کا سر پا ایک جلسوں ہو جس میں بہتے
تھا شائی جمع ہیں، انھیں میں دل بھی ہو، کر شکر، معموق کے پیش خدمتوں میں ہو دل جلوں
میں جب آجاتا ہو تو جھرا سکا گنڈ رہتا ہو، کر شکر دام پکڑ کر کھینچتا ہو کہ یہ میں طبع جاؤ،
دو نیم گشتہ دل از کفر دین نمی دانم کر زین دو پارہ دل آید ترا بکار کدام
مقصد یہ تھا کہ دل میں کفر اور ایمان دونوں قسم کے خیالات جمع ہیں یادوں پر
اُسکا میلان ہو، معلوم نہیں تجوہ کو کیا پسند ہو، اس خیال کو اس صورت میں پیش نظر کرتا ہو کہ
کفر اور اسلام نے دل کے دو کٹے کر دیے ہیں، معلوم نہیں کہ ان دونوں لکڑوں میں
تیر کا مکام کا کون ہے،

کو زخم عاشقانہ کے در جلوہ گاہِ حسن	صد چاک دل پتار نگاہے رف کنند
دل شکستہ در ان کوے می کنند درست	چان کہ خود لشنا سی کراز کجا بشکست
کہنا یہ تھا، کہ معموق کی گلی میں جانے سے سنج و غم اس طرح در ہو جاتے ہیں کوئی بھی	
تھے ہی نہیں، اس خیال کو یون ادا کرتا ہو کر دل گویا ایک شیشہ ہو معموق کی گلی میں شیشہ سازی کا	
کارخانہ ہو، وہاں شیشہ اس طرح جوڑ دیا جاتا ہو کہ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ کہاں سُڑک طاتما،	
دیش بر دیدن من حسرت دیگر فروود	خرائتم پیکان بر آرم از جگہ نشر شکست
می ردم جاسے کغم آن جاز دلمای رو	نالا نہ ہو جا کہ بر می خیزد آن جامی رو د
دل بر دہ در دل بخت معموق عاشش پیش	گرفتہ در ان ختن، بازوے جا لاکش بگر
شیر کا مطلب یہ ہے کہ معموق کی دعوی معموق پر عاشق ہو گیا، لیکن معموق کی دلیں ببی	

فالمہم ہیں، اسیلے عین اسوقت جبکہ اسکا دل ہاتھ سے جاتا رہا، اس نے معموق کو اپنا عاشق
بنالیا، اس طلب کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا دیپلوان لڑکے ہیں ایک پلوان نے
گرتے گرتے داؤن کر کے حریف کو پچھاڑ لیا،

از یک صد بیست اطفک کار ہم دروغ بود
اہشب دفتر گلہ صد باب شستہ ایم

اور اک حال مازنگہ می توان نمود
لختے زحال خوش بیسا نوشتہ ایم

من درپنی رہائی داد اپنے فریب
برسر گرد زندہ گرد نا کشودہ را

کہنا یہ تھا کہ عشق چھوڑنا چاہتا ہوں، لیکن معموق بصفت دمر بانی کی ایسی لگادیں
کرتا جاتا ہو کہ اور عشق بڑھتا جاتا ہے، اس مضمون کو یون محسم کر کے دکھاتا ہو کہ ایک ٹھاکرے
یعنی گرد پر گئی ہو، ایک شخص اسکو کھونا چاہتا ہے، لیکن حریف ایسا تیز دست ہو کہ ابھی کیکہ
کھلنے نہیں پاتی کہ اور دسری گرد لگادیتا ہے،

دیدہ ام دفتر پیان و فاحرف بحروف
نامہ نو بان ہمہ ثبت سنت ہیں نام تو نیست

ز پیدا د تو حرف مهر نام دنشان گم شد
کتاب حسن راجز و مجست از میان گم شد

کہ توان ترا وجان راز ہم تیاز کردن
نہ چنان گرفتہ جابیان جان شیرین

یعنی معموق اور جان و چنین ہیں جو اس طرح رل مل گئے ہیں کہ یہ پتا لگنا مشکل

ہے کہ جان کمان ہے اور معموق کمان،

بہر زرخے کہ میکرند کالاسے و فاخوب است
پس از عمر گذر انقا دبر ما کار دانے را

س۔ اسی حصوصیت کے سلسلہ میں یہ بھی داخل ہو کہ نظیری اکثر حالات اور کیفیات کی تشبیہ

ادیات اور محسوسات سے دیتا ہے، اور اسی سے اس کا ایک خاص استجواب کا اثر پڑتا ہے کیونکہ جب دو مختلف چیزوں میں تناسب اور تشابہ نظر آتا ہے تو طبیعت میں استجواب پیدا ہوتا ہے۔
اس قسم کے اشعار نظیری کے ہان کثرت سے ہیں، مثلاً

شکوہ نقسان دشت فصلہ از میان ختم نخ ارزان بود کا لادر دکان زندان نمی
یعنی میں عشق کی شکایت کرتا تھا تو وہ ناراض ہوتا تھا، اسیے میں نے تقریر کا
یہ حصہ حذف کر دیا، اسکو یون تشیہ دی کہ چونکہ دام اچھے نہیں اٹھتے تھے، اسیے میں نے
سودا اٹھا کر دکان میں ڈال دیا،

بس غنچہ نشافتہ بتاراج خزان رفت دسمست کہ رہن زنداق قافلہ پس را
حسن چند سر بدل شوئی ورعنائی دہ شہ پوگیرد ملکت ادل بیغانی دہ
یعنی حسن ابتداء میں شوئی اور رعنائی سے زیادہ کام لیتا ہے کیونکہ با دشاد جبکہ میں
ملک فتح کرتا ہے تو پہلے لوٹنے والوں کے حوالہ کرتا ہے کہ لوٹ لین حسن با دشاد ہوا شوئی و
رعنائی فوج کے ساتھ کے لیئے ہیں،

ز انہار محبت بر زبان خلق اتنا دم چو محتاج کے گنجے یا بد و ظاہر کنڈ و دش
بوسلش تارکم صمد بار در خاک لگنڈ شو قم کو نور دا زم و شاخے بلندے آشیان رم
آن دہ در گری پند ماکہ با ماڈمن ست ہر کوئی گیر دشنا در ابد ریا دشمن ست
پس از داشتکہما، بیشتر گشم گر فتارش چو صید سہ بست صیادش زاوی سخت تر گیرد
یعنی ایک مرتبہ دل عشق سے پھٹرا کر پھر جو گرفتار ہوا تو سخت گرفتار ہلو، قاعدہ ہر کوئی

خکاری کے ہاتھ سے جب کوئی شکارچھوت جاتا ہوا درپھر اتھا آتا ہزرتونکاری اسکو
خوب مضبوط کیا رہتا ہے کہ پھرچھٹنے نہ پائے،

پون دانہ در آغوش نگنجند زمین را	از شوق شمید ان حرمیم سر کو لیش
گل ذسرین و بنبل راصباو خرمیں تاشب	ہم شہب برلب در خسار و گیسوی زغم پوسه
یعنی میں لب، رخسار، اور باونکو جو متا ہوں، گویا نسرین او بنبل کے خرمیں میں	
صبا گھس گئی ہزا	

محبت در دل غم دیدہ افت بشیر گرد	چراخے را کہ دوست ہست در سز دود گیرد
یعنی جو دل ایک تجھے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے، بہت جلد عشق سے متاثر ہو جاتا ہے،	
ج طرح وہ بچھا ہو اچراغ جس سے بھی دھوان کھل رہا ہے، جلانے سے بہت جلد جمل ٹھکا ہے،	
ز مهر دوا ہوس گردد لست عاشق نبی گردد	طفیلی جمع شد چند ان کے جانے یہاں گم شد
یعنی پھوس پرستون سے مشوق کو اس قدر انس ہو کہ عاشقون کو نہیں پوچھتا طفیلی	
اتنه جمع ہو گئے ہیں کہ یہاں کی جگہ نہیں رہی،	

بنیروں ہمہ نقش دنگار ماب معنی است	ہمین درق کر گیہ کشتہ مدعا میں جاست
یعنی گو سب کچھ ہو، اگر دل صاف نہیں تو کچھ نہیں، گویا ایک کتاب میں بہت سر	
درق تھے، یہاں کس درق پر سیاہی گر گئی ہے عملی مطلب دہیں تھا،	
تالے کے پو موچ آب بہر سو شتا فتن	در عین بھر پاے چو گر دا ب بندکن
بر نمی آیہاں عیدم اذابہ ا مید	عمر رفت و پچھو طفلان برو رو با مم ہنوز

و لم از ناله خوش گردیداً میداشر باشد بے آسود ششم این خنگم کارگر باشد
 شکار یونکایا اہر که جب تیرشانہ پر گستاخ ہے تو چنگلی کو آرام معلوم ہوتا ہے شعر نہ طلب
 کہ مین نے اب کے جوانا کیا اس سے میری طبیعت بہت مختلط ہوئی اس سر قیاس ہوتا ہے
 کہ نالہ میں اثر ہوگا جطح چنگلی کو جب لطف محسوس ہوتا ہے تو ضرور وہ تیرشانہ پر گستاخ ہو،
 چون خانہ سرکشت ست عمد را بنیاد ذہر طرف کے لیے وزیر دزن شد
 کیتھ کی خوافات کے لیے جو چپر وغیرہ بنایتے ہیں اسکو خانہ کشت کہتھ ہیں
 کہتا ہر کہ معشوق کے دندے ایسے ہیں جیسے خانہ کشت کہ جدھرتے ہوا کا ذرا اجنبی کا
 آیا سوراخ ہو گیا،

خنگ جعبہ توفیق امشب درکانم بود غلام در نظر بیار خوب آمد خطا کرم
 کہنا یہ تھا کہ آج میں معشوق کے ظلم سے تنگ آ کر اسکے حق میں بددعا کرنی چاہتا تھا
 لیکن اسکے حسن کا خیال آیا اور رک گیا اسکو یون ادا کرتا ہر کہ ہر ان سامنے آیا میں تیرچاپیں
 جوڑ چکا تھا لیکن ہر ان کی ادائیں اسقدر آنکھوں میں گھپ گئیں کہ مین نے دانستہ جھپٹوڑ دیا
 ۳۔ وہ اکثر عشق اور عاشقی کی سچی اور صحیح دار داتین بیان کرتا ہو ایسے دل پر
 آن کا خاص اثر ہوتا ہے،

خواہی کہ بتوبیش شو عشق نظری گاہ از نظر خویش برلن گاہ بگدوار
 معشوق سر کرتا ہر کہ اگر قسم پاہتے ہو کہ نظری کا عشق اور بُرستہ تو کبھی اسکو اپنی
 لئے یعنی میری چنگلی کو بہت آرام اور لطف محسوس ہوا،

نظر سے گرادو، اور کبھی محبت کی نظر سے دیکھو،
 قاصد جگہ م سوت چہ بینا م دنچہ
 دل بودہ ان نوش کہ بامید خبر بود
 باد جو دنا امیدی بکھ شتاق تو ام
 معنی گر مردہ و صلم دہ باد رکنم
 کس قدر عجیب یہیں پھی بات ہو، انسان جب کسی بات کا نہایت مشتاق ہوتا ہو تو ہر کوئی
 ہونے کی خبراً گر دشمن بھی آکر بیان کرے تو انسان شوق کی وجہ سے لیکھن کر لیتا ہوا س بننا
 پڑکتا ہو کہ مشتوق کے دصل کی خوشخبری خود رقیب بھی آکر دے تو مجھ کو لیکھن آجائے
 بہر بانی او اعتماد نتوان کرد
 کہ تازہ عاشق و خاطر شہن صاف است
 یعنی ایک دہ وقت تھا کہ دصل حاصل تھا لیکن تسلی نہیں ہوتی تھی، اور اس سے بھی
 بیاد کی چیز کو دل چاہتا تھا، یا یہ حالت ہو کہ دصل کا کیا ذکر ہے مشتوق نظریں تھا کہ نہیں
 بیخفا، اس مايوسی کی حالت میں اگر اتفاقاً نامنے کبھی گالی بھی دیدی تو نوش ہوتا ہوں
 رہا گے کے لیے امید بند ہتی ہو،
 کہ چند شبے ہم آغوشِ خود جدا غفتست
 کس از معانقة روز دصل یا بد ذوق
 شد عمر و سرگرانی او بر طرف نشد
 با بقدر مرتبہ عشق نا ز کرد
 پا یم ہ پیش از سر زین کونے رود
 یاران خبر دہید کہ این جلوہ گھکہست
 زدم از شر مند گی، تا چند باہر نا کے
 ایک خاص واقعہ کی تصویر یہ چند ہی ہو، حالت یہ ہو کہ مشتوق اکثر کہیں نہیں دیہوں پر ہوتا

کے ساتھ رہتا ہے، لوگ جب انکو کہیں راستہ میں کینون کے ساتھ جاتا ہوا دیکھتے ہیں،
تو درسے عاشق (نظیری) کو دکھا کر کتے ہیں، دیکھو تمہارا یار جاتا ہے، عاشق غیر کے ماتے
کہتا ہے کہ نہیں میرا مشوق نہیں کوئی اور ہو گا،

مشاطر اب گو کہ برا سباب حسن را	چیزے فردون کند کہ تماشا بار سید
باعث راند انم از بزم بجز عار بنود	ورنہ کس را بن و بودن من کارنہ بود
از یک حدیث لطف کر آن ہم دروغ بود	امشب ز دختر گله صد باب شستہ میں
یعنی مشوق نے ذرا سی مہربانی سے بات کھی اور تمام شکایتیں جاتی رہیں،	
مرا بساده دلیسا ہی من تو ان سنجشید	خطا نو دہام و چشم آفرین دارم
می گریم واز گری چو طفلان خبرم نیست	در دل ہو سے ہست و ندا نم کہ دامست
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں عشقیہ درد اور گداز پیدا ہوتا ہے لیکن ابھی کوئی مشوق تھیں نہیں، اسیلے وہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ حالت کیون ہے، اور اسکی تسلیل کس قدر عمده دی ہے، بچے روتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ کیون روتے ہیں؟ کیونکہ ان کو تجلیف ہے اسکے سمجھنے کی انکو عقل نہیں،	اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں عشقیہ درد اور گداز پیدا ہوتا ہے لیکن ابھی کوئی مشوق تھیں نہیں، اسیلے وہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ حالت کیون ہے، اور اسکی تسلیل کس قدر عمده دی ہے، بچے روتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ کیون روتے ہیں؟ کیونکہ ان کو تجلیف ہے اسکے سمجھنے کی انکو عقل نہیں،

ہمان عشق ست بر خود بستہ چند دن اسنان درنے	کے بمعنی یک حرف صد دفتر نمی سازد
بل از نامہ احباب پُر کرد و نے خواند	کمی ترسد، شود کمکوب من ہم زمیان پیدا
عاشقوں کے خطوط کا چنگ باتھا میں ہر لیکن کھول کر ٹپھاتا نہیں کہ کہیں خط	میرا ہ محل آئے،

من خواہم رفت اما بر تکین دش
ہر کجا بینید گوید شس کر فرد امی رو در
یعنی میں اس کی گلی سے جاؤں گا تو نہیں، لیکن تم دوگ؟ اس سکر میں تو کہدینا کہ مل چلا جاؤ
غنج دافسون ز لیخا کار در یوسف نہ کرد
ہر کہ دل در بانست ل بُرَن نسدنڈ کرپیت
نو از شے رکرم می کند محبت نیست
تو ان تنا فقون از و دستی مدار ارا
یعنی مشوق جو هر بانی کرتا ہے انسانیت کے لحاظتے کرتا ہے محبت نہیں محبت
اور مدار ایں جو فرق ہے اسکی تیز خود ہو سکتی ہے،

نظری کوی عشق ست این نشاہیا ز شی رنی
گر گیا کے رد داز دست کس ایا کے دگر گیرد
مشواز حال من غافل کر نخے کا کے دارم
مباواد گیرے صید ترا از خاک بر گیرد
بہر نخے کرمی گیرند کالا سے دخانوب ست
پس ز عمرے گذر اقتاد بر من کاروئے را
سوائے کن ز من امر و ز تاغ غا بشہر اقتدر
ک اعجاز فلانی کر د گویا بے ز بانی را
مجلس چو شنیکت، تماشا بار سید
در بزم چون نماز کے جا پ ما رسید

۵۔ نظری کے کلام میں فلسفہ کم ہے میکن جس قدر ہے نہایت خوبی سزاد اہمیت
بر پہرہ حقیقت اگر ماند پر دہ
محجر م گناہ دیدہ صورت پرست ماست
چند از موزلن بشنوم تو حید شرک آ میزرا
کو عشق تا یکیو نهم، شرع خلاف انگیز را
حضر صمد منزل پیش م آمد و نشناختم
باز می با یہ ز سرگیرم رہ پیمو دہ را
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو دلیں ہمایے راست پیش کی گئیں، یا جو مسائل ہمکے سامنے
آ کے وہ صحیح تھے، لیکن ہم نے اپنی بے پردازی یا کچھ مبہی یا کڑھنپزی کی وجہ سر اس سرفراز

نہیں اُنھیا، اسیے ہم کو نئے دلائل کی ضرورت نہیں، اُنھیں دلائل کو غور کر دیکھنا
 چاہیے اسی خیال کو اس شعر میں ادا کیا ہے،
 ہرگز عطا ساتی مار کر ان نیت ازتگ طرفی ست کہ پیمانہ پر شدہ است
 زین پیش شیشہ دل باہم زنگ بود بے نسبت آشنا دل مابادلِ تونیت
 شیشہ پھر سے بناتے ہیں، اس بناء پر کتابے کے میرے دل کو جو تیرے دل سے
 ربط ہے، بے وجہ نہیں ہے، یہ شیشہ بھی رغاشق کا دل، پس پھر تھا معمشوق کا دل تھے تو ہماری
 اس یہے ایک قسم کی مناسبت ہے،
 اس شعر میں میلان جنسیت کے مسئلہ کو عاشقا نہ پسرا یہ میں ادا کرتا ہے،
 سچ کس نامہ سر بستہ ما فرمذ کرد ذہین خاتمه اش نیت کہ عنوانش نیت
 یعنی دنیا کے آغاز و انجام کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی،
 تو مپندا رکہ این قصہ ز خود می گویم گوش نز دیکب لمب آرکہ آوانے ہست
 یعنی جو کچھ کہتا ہوں دل میں اتفاق ہوتا ہے تب کہتا ہوں،
 گر غلس روے خویش در آئینہ دیدہ توحید شیخ و شرک بر سہمن بجا شناس
 یعنی توحید و شرک دونوں صحیح ہیں، کیونکہ بت میں بھی کوئی جلوہ ہے جس پر سہمن شاید
 حور و جنسیت جلوہ برزا ہد و در را و دست اندک نزک عشق بر را و آور دیگانہ دا
 یعنی خشک طبع زاہد، معرفت آئی کی طرف یون نہیں مائل ہو سکتے، بلکہ انکو حور اور
 جنت کی جات دلائی جاتی ہے، اس لائق ہے جب وہ ذکر اور شغل ہیں صرف میتے ہیں

وزنہ رفتہ جذب ائمی بھی پیدا ہو جاتا ہے،

کفر آور دم و در حقیقت تو بیان کردم	بنج اکسیر پتا شیر محبت نر سد
بتو کا فرنما ہم کہ دلایت دار د	کفر دیان نبود شرط انظیری عشق
ایں فخر از بیاض نیکان نوشته ایم	ردے نکو معاچہ عمر کوتا است
جائے کہ جلوہ کو حقیقت مجاز نہیں	مارا چہ اعتبار دا ثربا د جو د دوست
عشق ہر ساعت در آویز دیان و گر	محسن ہر سو در لیاں سن گیر کی پہان شود
کہ بکنٹکت دام افکنند م و صید ہما کر دم	بہر کا کے کہت می گماری نصرت از حق جو
در عین بحر پاے چو گردا ب بند کن	ارکے چو موج آب بہر سوشتا فتن
کہ یک ہنگامہ آرائی ست صد کشوت تاشا	رین میدان پر نیز گک جیلان ست دا تا
الصفات اگر طلب کنی ز دشمنان طلب	در طبع دوستان رصد راستی ناند
تعجب یہ کر نظیری اگرچہ نہایت مذہبی آدمی تھا، اور اکبر اور ابوالفضل کی لامذہ بھی	
پر نہایت لعن طعن کرتا ہے لیکن خود وہی خیالات ظاہر کرتا ہے جو اس زمانے میں ابوالفضل غیر	
کی طرف منسوب تھے، چنانچہ کہتا ہے،	

جز و کل ا است در سجدوں این جا	بوالبشر راقوئے ملا نکہ انہ
اور جزو، کل کو سجدہ کر رہا ہے	حضرت آدم کے قوی بھی ذرت تھیں
عقل بر قع ز رخ کشودا این جا	نزو تو جبریل وسیع آ درد
لیکن در حصل وہ خود عقل تھی،	تمہارے نزدیک تو جبریل دھی لائے

۴۔ اس زمانے کے تمام نامور شعر کا اصلی جوہر، طرزِ ادا کی جدت ہے، نظری

اس میدان میں اکثر حلیفون سے آگے ہے،

عشق را کام بندل کام تو نیست صحیح امید شب صلح را یام تو نیست

رگو یا اس تین ایک صحیح اور ایک رات کمر ہے،

اڑکفت نبی دہول آسان ربودہ را دیکھم زور بانٹ نا آزمودہ را

بازم پکا کپیت نہ شمع و نہ آنقاپ باام و درم زدرہ و پرداش پر شدہ است

میرے گھر تین کوں آیا ہی کہ نہ دھوپ نہ شمع، باوجود اس کے درد دیوار پر ذرت

اور پردازے نوٹ پڑے ہیں (یعنی معشوق آنقاپ بھی ہوا در شمع بھی)

بے تو دوشم در درازی زشب میلانگذشت

ہمیت حنش کے راحصت آہن زاد

در آرزوئے شارقدوم تو ہمہ شب

دعا کنید ب وقت شہاد تم اور ا

اس شعر تین جدت ادا کے ساتھ ایسا نafs کے مضمون کو نہایت بلاغت کے ساتھ ادا کیا۔

عاشق قتل کیا گیا ہے، اس تقریب میں آسان کے دردازے کھل گئی ہیں، اس حالت میں

عاشق کو سب سے پہلے جو خیال آتا ہے دیکھ کر معشوق کے حق میں لوگونکو دعا کرنی چاہیے

کیونکہ یہ قبول دعا کا وقت ہے،

غار فان گوشہ پسے بد عالم نہ زندہ ہر کجا یا زنقاب ازخ زیمازدشت

ع۔ این قبلہ کر کچ شدہ، طرف کلاہ کیست
 پہ مید ان قسم خوردن بجانب خوبیت ہم بجانب تو کہ یاد م نیست سو گند دگر
 اس شو خی کو دیکھو، کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری جان کی قسم کھانا اچھی ات
 بن، لیکن تیری جان ہی کی قسم کہ جکو اور کوئی قسم یاد ہی نہیں، شو خی در بلاغت ہے کہ قسم نہ
 لے نے پر بھی قسم کھائے جاتا ہو، اور اس لطف سے کہ گویا اسکو خبر نہیں کہ اُس نے قسم کھالی
 لیں یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اسکو اور کوئی قسم یاد نہیں،
 قسم چنین فقاد کہ ترکان است و در در بر مابطاق نہاد نہ جام را
 کہنا یہ تھا کہ ہم عشق کی بگاہ سے محروم ہیں، اسکو یون کہتا ہو کہ ہماری قسم ایسی
 قع ہوئی کہ ہمارے زمانے میں ان گُر کوں (عشوق کی آنکھیں) نے پیالہ اٹھا کر طاق پر
 لحد یا اور شراب پینی پلانی چھوڑ دی،
 ہیچ دل راست حادثہ مجروح نہ کرد
 کہ نہ عمل تو بر در سخت نکلنے چند
 دگر برہم زنی سو لئے لانے زیان ای
 مار سما یہ دنیا دین نا بودی گردد
 یعنی دل کی خرید فرد خست کا جو معاملہ ہے ہو چکا ہو، اسکو تو اگر توڑے تو تیرا صرف یک ناز
 کی کانقصان ہو گا، لیکن ہیرا تو دین اور دنیا کا جو کچھ سرمایہ ہو (یعنی دل) سب جاتا رہ گا،
 پستان برہم زدی ہنگامہ شور قیامت را
 کا کثر نامہ اعمال مردم از میان گم شد
 با دل خود گفتہ ام آئینہ رابے زنگ ساز
 اُر گستاخی سست گفتن ترک بد خوسے نا
 مقصد یہ ہر کہ عشق تو بہ مزاجی چھوڑ نہیں سکتا، اس لیے میں نے اپنے دل کو

برواشت کرنے کی عادت ڈال دی ہر، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہر دشوق سے مخاطب
 ہو کر تم سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ بد مزاجی چھوڑ دے، لیکن میں نے اپنے دل سے کہہ دیا ہر کہ
 آئینہ ایسا بناؤ جبکو زمکن نہ لگنے پائے،
 پہل طرح وصالِ جادو، ای نقش می بندم
 اگر خود ددست می آی یہ سجلاتِ شہرستِ شب
 عشق بازیم بخشوقِ مزا جی انداخت
 زان نیانے کے پاؤ ہست مرانے سے ہست
 یعنی عشق کرتے کرتے جو میں مشرقِ مزا جی آگئی، جو کو اپنے ناز ہر کہ میں اسکا نیاز مند ہو
 میخواست بوسہِ خست قامتِ بگستر
 از فرشِ جب راه بران خاک کو نہ بور
 مقصد یہ ہر کہ میں اسکی لگلی کی خاک کو بوسہ دینا چاہتا تھا، لیکن اس قدر کتر بھی لوگ
 پیشانی رکڑتے ہے تھے کہ جلگہ نہ تھی، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہر کہ بوسنے چاہا کہ وہ ان قیام
 کے یہ بستر بچھائے، لیکن پیشانیوں کا فرش بچھا ہوا تھا، ایسے جلگہ نہ تھی،
 دہر جو پن درخونی سست سست نہ لگنے پہ
 دشمن نام درا من مرد میدان فیتم
 درین عشرط کہ من جان جی سپارام
 نی گرید برمگم نادرم ا مرد ز
 قاصد کہ می فرسنی طلگر فرش دردہ
 کرنا خبر نیا پدتباۓ خبر نیا شد
 یعنی قاصد جو بھیجا تو خوب شراب پلوک کے بھیجا، کیونکہ جب تک کافی دبیخہ نہ گا، میری خبر
 اسکونہ معلوم ہو سکے گی، مطلب یہ ہر کہ جب تک عشق آشنا نہ گا، میرے عشق کا حال کیا
 جان سکے گا،
 دردیا کے کہ سجد خیم ابر و رسم
 غیر محلا بین کج و قبلہ دیان مطلب

مقصد یہ ہر کہ جہاں عشق کا چرچا ہو گا، وہاں زہد و عبادت کرنے بے فائدہ ہو،
 گہ برجین ابرداز چہ دار می سر این نامہ پھیپیدہ بکشا
 اگر بغیر کہ درخون قادہ ام عجب ہمیشہ رزم بخود چون تھمنی است مر
 ایک دفیق خیال کو ادا کیا ہو، کہنا یہ ہر کہ میں دوسرا ذکی طے پر تو غالباً جاتا ہوں لیکن
 خود میرا دل میرا مخالفت ہتا ہو، اور اس کی خواہشون کو مغلوب کرنا پڑتا ہو، اس میں محلوں اکثر
 ناکامی ہوتی ہو اور قصسان اٹھاتا ہوں، اس خیال کو یون ادا کرتا ہو، کہ اگر میں عرکے میں
 زخمی ہوں تو کیا تعجب، کیونکہ مجھ کو اپنے جیسے رسم سے لذا پڑتا ہو، یعنی میں خود رسم ہوں اور اپنے
 آپ سے لڑتا ہوں،

لکھ در خدمتِ عمرے است بی بن دم پندرہ قدم بہمن می شدم، گرائیں قدر زنا رحمی بستم
 ۔ وہ غزلوں میں کسی حالت کو مسلسل لکھتا جاتا ہے اور غزل کی غزل اسی ایک
 حال کے بیان میں تمام ہو جاتی ہے، ان موقعوں پر اندازہ ہو سکتا ہر کہ وہ ایک مضمون کی
 تمام جزویات کو سطح احاطہ کرتا ہو، کس خوبی سے تسلسل بیان کو فاکم رکھتا ہو، کس طبع عشقی خلقی
 کی ایک یک دائر واقعہ ہو، اسکے ساتھ زمینی استعارات، جدت، اسلوب، اور شیرین زبانی،
 کلام کو تحریک ای بنا دیتی ہو، مثلاً ایک غزل میں وصل کی حالت ادا کرتا ہو،
 دارم دریں دیارِ معان شیوه لبری بخود خوش میانہ خوش ہو شیان خوش
 اس شہر میں میرا ایک معشوق ہو جس کی ادائیں بخون کی سی ہیں، وہ ستی میں بھی خوش ہوں ہیں بھی
 اور دیوانی حالت میں بھی خوش ادا ہو رہا

بستارا فگن خم کا کل بکند
کایں سے ضع صحبت زین سان بخار خوش

ٹپی آئر کر رکھ دیتا ہوا درباون کو بکھرا دیتا ہوا اس سے کہ صحبت کایا ہی نماز ہوا و معموق
اسی زیگ زین دلکش معلوم ہوتا ہے،

شاد و شگفتہ مطرب ساغر طلب کند
یکسو نہد حباب و داید بکار خوش
خوشی سے کھل جاتا ہوا و مطرپا و مشراب طلب کرتا ہوا شرم اٹھا دیتا ہے اور کام
یمن لگ جاتا ہوا

ہر گر کہ کند تتاب پختن کر دیرشد
تسلیم نہم دش کر سکون قرا خوش
جب جانے کے لیے جلدی کرتا ہوا دکھتا ہو کہ دیر ہوئی جاتی ہو تو میں بکو روکتا ہوں کہ
سکون اور قرار اچھی بات ہے،

تمادم زندگ روز بیفت دن ہفتہ پیست
نگذاش شمار کرنہ بود شمار خوش
جب یہ پوچھنا چاہتا ہو کہ کون سا ہفتہ ہے؟ اور دن کتنا چڑھا؟ تو میں اسکو یہ پوچھ چکنے
نہیں دیتا، کیونکہ پوچھ چکا چھی بات نہیں،

او در و داع و کن بخیع کرمی و بهار
رطے سه چار ماند و دنے سجا خوش
وہ رخصت ہونا چاہتا ہوا درمیں روتا ہوں کیونکہ مشراب اور بہار میں سی بی و دین پائیے
اور دو تین دن مرے کے رہ گئے ہیں،

ساغر کنہ بابی گویم سبک بنوں
در موسم بہار میں باشد خار خوش
یمن پیاں بھرتا ہوں اور دکھتا ہوں کہ آہستہ سوچڑھا جا، کیونکہ بہار میں خمار اچھی چیز نہیں،

چندان کو گوش نہ زان سمت باش کویر صبار واد پ دکل حسواز خوش

یمن ہر جنہ کھتا ہون کہ مرگدری جاتی ہو اور شہر جاؤ وہ کھتا ہو کہ صبا کار وانہ بیزا اتنی چھا
ہے اور بھول کا سفر کرنا ہی بہتر ہو

کا کے لہ پیش نظری نی رو د باشد با دگذ اشتمن اختیاز خوش

لے نظری اب ختما مکھ پیش نہیں جاتی اس سے اب کسی کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے،

ایک غزل میں یہ حالت بیان کی ہو کہ معشوق خود کسی حسین پر عاشق ہو گیا ہو،
لے حالت میں جو جو واقعات پیش آسکتے ہیں انکو بیان کیا ہے، اور کس دلاؤیزی سے
بان کیا ہے۔

شمش بر لہیں میرد فرگان ننا کش بھج در سینہ دار داشتے پیرا ہم چاکش بھج

نمونے کہ فرگان سختہ بردا من پاکش بھج سے کہ زلفت اندختہ در گردان سمنیش میں

زلفت نے جو جال ڈالا تھا اب خود اسکی سین گردان میں ہو، فرگان نے جو آنسو گئے

ہیں اسکے پاک دان پر پڑے ہوئے ہیں،

راز میان بر خاستہ مہرا زدہ ان برداشتہ گفتار بے ترسش بین رفقار ہمیا کش بھج

شرم اد جباب جاتا رہا، زبان کھل پڑی، اسکی بے جھکتی میان در بیا کا نہ رفقار دیکھنے

کے قابل ہو،

لوئی معشوق آمدہ شورید گان دجلقہ اش از صید آہومی رسڈ شیران بغتر اکش بھج

مشوق کی گلی کرایا ہو، او عاشقونا کا مجھ میت ساتھ ہو، ہر ان کو فرما کر کے آیا ہو اور فرما کر میں سرہنی

دل بڑہ دروں نہ تن میشوں عاشق پیشہ میں بگرنہ دراں دختن باز دے چالاکش بگر

عاشقی میں ہعنوتی دیکھو کہ دوسرا کو دل دیتے دیتے خود اسکا دل اڑایا۔

۸۔ نظری نے روزمرہ اور محاورات ہنسیت کفرستے برتبے ہیں جس سرزبانی میں بہت مدد ملتی ہے۔ اسکے ساتھ اکثر محاورات وہ ایسے استعمال کرتا ہے کہ جس مطلب کے ادا کرنا چاہتا ہے بغیر اس محاورہ کے وہ اس خوبی کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا تھا، مثاون سے اسکا اندازہ ہو گا،

ع، مفل بودیم کہ بازاں شکر و شیر شدیم	از شیر باز شدن، دو دھنپھڑا جانا،
ع، سخت است حال مشکل گزنا سحر کشم	حال سخت ہر مشکل ہو کر صحیح تک نجیج جاؤ،
ع، شب نم بر دی بسترو نرگس بنواب گیر	بنواب گرفتن، سوتے میں جائینا،
ع، نیم بیل شدہ برس پر دانے ہست	بر سر پر داز، اٹنے کو ہے:
ع، شرح سوداے ترانخہ زیما بدراشت	نخ بر داشتن، کتاب کا نقل کرنا
ع، شب آندر گشتہ د افساد از افساد می خیزد	افسانہ از افسانہ می خیزد، باتیں ہر بات گلکتی ہوئی
اس قسم کے سیکڑوں روزمرے اور محاورے اسکے کلام میں لے سکتے ہیں	

طالبِ اُمی

مک اشعارے دربار جہانگیری

سلسلہ تموریہ میں یون تو ہر فرمان روانِ خن نعم داد اشناس گزد، ہر لیکن جہاں بھی
اس فن میں اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا، وہ فطر محبت کیش تھا اور ازالست درود منڈل لیکر یا
تحا اسکا اثر اگرچہ اس نے آئین نظام سلطنت میں چندان نایاب نہوںے دیا، یہاں تک
تذکرہ میں نوجہان کا جہان جہان ذکر آیا ہر مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام اسکی زبان سے
لزت لیکر نکلتا ہو تاہم عشق اس کا خمیر تھا اور چونکہ فیضی کاشاً گرد رشید تھا، اس لیے
شعر دشاعری کا نکتہ دا ان اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا، شہزادگی کے زمانہ سے شواہ کے
دربار میں ملازم رہتے تھے، تخت سلطنت پر بیٹھا تو دربار اشعار سے بھرا ہو نہا لیکن ملاک شعری
کا تاثر اس نے طالبِ اُمی کے سر پر رکھا، جس سر اندازہ ہو سکتا تھا کہ یہ شاعر کس پایہ کا ہو گا
یہی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسوقت طالب کا رنس ۲۰ برس سے زیادہ تھا، اس
عمر میں یہ اعزاز، خاص اسی شاعر کا کارنامہ اقبال ہے،

طالبِ اُمی کا رہنے والا تھا جو مازندران کا ایک شہر ہے، بھپن میں درسی عالم و
نون کی تعلیم پائی اور اگر اسکے دعویٰ پر اعتبار کیا جائے تو ۱۴۰۱۵ برس کی عمر تھیں اس نے

ہندسہ، منطق، ہدایت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویشی میں کمال حاصل کر لیا تھا، چنانچہ ایک

قصیدہ میں لکھتا ہے،

داینک عدو نم از آلان زیاد است	پا بر سود مین پائے اون عشد اتم
وستی است مرکش پیغمبا ر عباد است	بر نہد سی منطقی وہیت و حکمت
کاستار علوم ست بیرین جبله مزاد است	دین جبله حضر طرشندگین علم حقیقت
ہرنقطے سویلے دل اہل سواد است	دلسلسلہ وصف خطا این بس کہ زکلم
کاین پایہ مراثا من این بیع شداد است	پوشم نسب شعر، چودام کہ تو دانی
گور و ارج عام کے لحاظ سے اس نے یہ تمام عدم حاصل کیے، لیکن وہ در صل شاءی	

کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے اسی کو اپنان فرار دیا،

اس زمانہ میں ما زند ران کا حاکم جسکو ایران کی ہو طلاح میں وزیر کہتو تھو، میر ابوالقاسم	تحا اسکی بح میں متعدد تصاویر لکھے، ایک قصیدہ کا یہ مطلع ہوا در غالب ای پلا قصیدہ ہے:
سحر کہ غنچہ کشا یہ گرہ ز پیشانی	زند دم از دم عیسے نیکم بستانی
بطریق عارض گلبن کند پیشانیم	سحر کہ طرہ پیچان شک سای نیم
معلوم نہیں کہ کون اس بے یہاں طبیعت سیر ہوئی اور کاشان میں آیا۔ یہاں متعلق	
لکھنوت اختیار کی، اور شادی بھی کرنی ہنگرہ میخانہ میں لکھا ہجکہ اسکی شاعری کا نشوونما ہے میں	
ہوا، لیکن چند روز کے بعد یہاں سے بھی برداشتہ خاطر ہو کر مردوں میں آیا، یہ عباس صفوی کا	

۱۵۰ نبی بھی میں نے دوسرا دہائی میں قدم رکھا ہے،

زمان تھا، اول ملکش خان صوبے کا گورنر تھا، طالب نے ملکش خان کے دربار میں سائی حاصل کی اور مدحیہ قضاۓ ند لکھے، دو برس تک یہاں قیام رہا، ملکش خان فخر رانی میں کمی نہ کی ہو گئی، لیکن طالب ہندوستان کی فیاضیوں کا خواب کیھا کرتا تھا، ایک شنوی لکھنے ملکش خان سے وطن جانے کی اجازت حاصل کی ابتدا میں بھی چوڑی تمہید لکھی، پھر حرف مطلب اصرح ادا کیا،

یکے بحرف طالب گوش بختا	حدف را بگھر آغوش بختا
دو سال آمد کہ از محنت کشاں است	ترا چون بوسه فرش آستان است
پکی کرده از مسکن فراموش	یکے گردیده رنسے خان برد و ش
نماز خوشنیان کند نز دا قربا یاد	پریمار تو دار دخویش راشاد
اگر طف تو اش دستور بخشد	چو خور کو ذر کہ را نو رنجشہ
عنان سوے وطن تابیده چندی	کند خوشنیان خود را ریخندی
دور دزے با غم آشان سر آزاد	دگرہ سوے طوف این در آرد
بیرن در گہر ساند خوشنیان را	ذ سر بیرون کند شور وطن را
وطن کا بہاذ تو اس لیے تھا کہ ہندوستان کا نام لیتا تو اجازت کیونکھ رلتی۔	ملکش خان سے خصت ہو کر، طالب نے سیدھا ہندوستان کا راستہ لیا اور اسوقت یہ رباعی لکھی۔

طالب بالگ این چپن پستان بگذار
بگذار که، می شوی: پریشان بگذار
ہند و نہ بر د تھفہ، کس جانب ہند
بجت سیہ خوشیں ہے ایران بگذار
مطلوب یہ ہر کہ ہندوستان میں کالی چیز، تھفہ میکر نہیں جاتے۔ اس لیے بجت سیہ
یہیں چھوڑ کر چنانا چاہیے،

میخانے کے مصنف نے جو خود طالب کا یہ عصر اور ہم صحبت تھا، لکھا ہے کہ طالب
مرد سے بدل کر سیدھا قندہار پوچھا، لیکن تیجوب اگنیز غلطی ہے، قندہار جانے کا حال طالب نے
خود ایک قصیدہ میں لکھا ہے، اس سے صراحت ثابت ہر کہ وہ ہندوستان میں بسوں کر قندہار
گیا ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے:

قرآن سے معلوم ہوتا ہر کہ اول جب وہ ہندوستان میں آیا تو یہاں اس کو کامیابی
نہیں ہوئی، اور اسوجہ سے وہ تمام مشہور مقامات میں بہلاش معاش پھر تارہا، دلی، لاہور،
ملتان، سرہند ان مقامات کا ذکر اس نے تخصیص کیا ہے، لاہور میں زیادہ دل لگا چنانچہ
لاہور کی بحیں ایک خاص قصیدہ لکھا ہے، جسکے چند اشعار یہ ہیں،

گل نہم نیست کاندر ہفت کشوہ	بود شہرے با ب دتاب لاہور
میان گہشا دخوش دا کش کہ ورنہ	فراغت نیست جز درخوا بلا ہور
یہاں اس نے شاہ ابوالعلی کی خدمت میں بعیت حاصل کی چنانچہ کتنا ہر	
کنم زان رو مرید آسا شہر روز	کراہتا بیان درباب لاہور
کیے قطب سماز اقطاب لاہور	کر پیر و دستیگیر و مرشد من

خدا یا زندگا و پیدا را شس بآب خضری بینے آب لا ہور
 ان شرودن میں وہ رنداد وضع سے رہا اور خرم من کی خوش چینی کرتا رہا،
 خوش قسمتی سے حسینون نے بھی اپنے پہلو میں اسکو جگہ دی، چنانچہ جب ہندوستان
 چھوڑ کر قند بار جانے لگا ہے تو جس گرجو شی سے ان فتنہ گردن نے اسکو روکا ہوا اسکی
 خوبی راستھ کھینچی ہے،

بخاراں لا ہور دخوان دہلی	بدل کردہ بودند پیو ند جانم
کیے چہرہ سوئے بکشم ر کام	یکے بوسہ دافے بزلف عنانم
فنا ندی کیے دریاں برگ پانم	نہادی کیے دریاں برگ پانم
غزالاں ملتان نیرنگ سازی	کہ بند ند اغمڑہ دست دہانم
من از جله چون نگت گل گریان	کہ خود را بزرم ہایون رسانم

اس زمانہ میں غازی خان و فارمی، امراء جانگیری میں نہایت ممتاز تھا،
 اسکا باپ مرزا خانی شزادہ ہجری ہیں اُکبر کے حکمر سے مظہر کا صوبے دار مقرر ہوتا، شزادہ
 ہیں جب اسکا انتقال ہوا تو غازی خان باپ کا جائشیں بوا جانگیر نے اپنے عہد
 سلطنت میں اسکو قدر آر کا گور نہ مقرر کیا، اور سندھ کا علاقہ جا گیریں دیا، وہ
 نہایت قابل اور دریا دل تھا، اکثر ایں کمال، مثلاً اسد قصہ خوان، مرشد برو جردی،
 یعنی نعمت اللہ وغیرہ نے اسکے دامن تربیت میں تعلیم پائی ہے، ایران سے جو
 اہل کمال، ہندوستان کا رُخ کرتے تھے، ان کی پہلی منزل اسی کا آستانہ

ہوتا تھا،

شاعری میں مشہور شعر اکاہم پڑھا، وقاری تخلص کرتا تھا، پانچ ہزار شعروں
اویوان یادگار میں چھوڑا، میخانہ میں اس کے ساتی نامہ کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں
غزل کا یہ رنگ ہے:

در عهدِ تو مارا ہمہ با غیر خطاب است
سر جنگ فرگان دگریاں حقاب است
گرایم گر سبب خند کا دشید چ عجیب
ابہر حیند کہ گریدن لکش خند د
کجاست یا کس سہ ہدم کہ پھیمو سیقار
نشستہ پللوی ہم بر کشیم آوازی
غرض اس کی قدر دنی کی شہرت نے طالبؑ کو قند بار جانے پر آوازہ کیا، پھا
ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا جس میں حاضری کی استدعائی کی تہیہ کے بعد اصل مطلب
اس طرح ادا کیا،

کے ببل بے پر و بال شو قم	که محمدی از طوف گلزار دارم
درین خستہ آہادنی روی ماندن	نسامان یک گام، رفتار دارم
ندا نہم چایار ب این سان خرام	چولطف خداوند، معمار دارم
صف کے تین قلم خان غلزاری	کلب دشناش گھر بار دارم
بلند فتابے کو دروازہ کا بش	برخ کو کب اٹکب سیار دارم
جدا د آستانش ز اشکب نادم	سر آستین ارشک گلزار دارم
اگر ہے سے لا ہور، ملتا ان ہوا قند ہار پوچا،	چونکہ برسات کے دن

استہ میں بست تکلیف اٹھائی۔ ملتان میں چار مہینے قیام کرنا پڑا، چنانچہ پہلا قصیدہ جو
غازی فانکے دربار میں پیش کیا ہے، اس میں یہ تمام حالات لکھے ہیں،

چاکشیدہ ام از حادثات دورانی	خدلے داندوں بندر کاندین بد
گوڈ گون غم بود صحبت جانی	درین سفر کے نصیبم مباد دیگر بار
زم مپرس کرایں قصہ بیت پیامی	تر احتلاطی باران پرشکھالی را
رفیق بودم باہر ہائے بارانی	ذکرہ تابنجیا بان گلشن لاہور
زداز سرکم، نیلاب، کوس ٹھانی	بعد ملتان چون زور قشیدم چہاں
بدل شود لقب آملی پہ ملتانی	زکٹ ملتان زردی کشے بدان کمرا
بران میضق ملالت چار مہ بودم	دران میضق ملالت چار مہ بودم
غازی خان نے خاطرخواہ قدر دانی کی اور مقربان خاص میں داخل کیا، طالب نے	
ت سے پر زور قصیدے اس کی بح میں لکھے ہیں، جس میں ملاحی سے گذر کر عاشقی کا عوی کیا ہے،	

لطف نیت مشوق میں استاذیت محمد حجم ازان این شعر عشق آمیز، در جنہ سرائدم
قدسمتی سے غازی خان ۱۳۰۲ شمسیہ میں جیکے اسکی عمر صرف ۲۵ برس کی تھی اپنے ایک
لامام کے ہات سے مسموم ہوا، طالب کے لیے اب کوئی تھکانہ رہا، مجبوراً اُس نے
پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور آگرہ میں آیا، خواجہ قاسم دیانت خان نے جو
اُس آگرہ کو زیر امن شرعاً ہمیشہ اکرہ لکھتے ہیں،

امر لے جانگیری میں حضور رسخا، اس کی قدر دانی کی اور عبدالتدخان فیر و زنگ
کے نام جو اسی سالہ میں گجرات کا حاکم مقرر ہوا تھا، اسکی سفارش میں خط لکھا
عبدالتدخان نے خط بھیج کر بلا یا طالب نے اس واقعہ کو ٹڑے فخر اور ناز
ست کھلا ہے

بگوشم زد صد لے زنگت چون بانگ سیمانی	صبار فقار پیکے، در طلوع صبح نورانی
بہر جانب نگاہ ہے تاختم از روے حیرانی	زیر آہنگی آن نہیست از جا برجتیم
عرق رینان چوم واریدش ز اطافت پیشانی	یکے با غبار آسودہ بردہ، جلوہ گردیدم
بپايش شسته از ناسفته گوہر لے غرگانی	<small>پیغماں</small> دویم پیش و گفتہ خیر مقدم، دانگا فشنادم
دریغا کاش بونے قد تم برآب حیوانی	کلاب آوردم و پیشانیش از گر درہ شستم
نو دم سرمه دان دیدہ برکھل صفاہانی	پاپايش اشتنا کردم بے وزگر فعلیش
کرے جار و ب رہت شہپر مرغ سیمانی	پس از شے باہر اران شوق بیتا بان پر سیدم
کی باروز رویت ہمچو گل آثار خندانی	لبست آلبتن رمز است گویا قفرہ داری
زبان را چاشنی دادا زادے شکرا ششانی	چو شنید این سخن کشود سب انگاہ چون طعلی
قدح زشنہ خوش طبعان ایرانی دتو رانی	بگفت ای عنزیب گلشن معنی کہ باید
خطا آزادی مرغ دلت از دام حیرانی	بشارت با کانیک باہر اران مفرده آوردم

۱۵ اگرہ میں آئے اور قاسم خان کی سفارش کا حال مخاذ میں لکھا ہے،

۱۶ زنگ گھنگر دو کرتے ہیں اس زمانے میں ڈاک کے ہر کاٹے گھنگرہ باندھ کر چلتے تھے اسکی طرف اشارہ ہے

راثتائے تکلم کاغذیں ڈر جے پراز گوہر
 بوزید و بستم دادا ز روے روٹش دانی
 شدم سرتا قدم بھر سجود شکر پیشانی
 چو دیدم آنما بے چند رجلباب ظلانی
 بنام ناحی سرخپہ تو فسیق نیز دانی
 کئے بھرے ز دست تہشیخاں آن مظلہ حسان
 طبیعتون کا اختلاف دیکھو اعرافی کو خود جانا گیرے تا صد بھی جکڑ بایا تھا۔ لیکن وہ
 ما صد کی نسبت اس قدر کہ کروہ گیا،

کن آگہاں ز درم در رسید مفرده دینے
 چنان کہ از جین طالعهم پنځوشیم
 سخلات اسکے طالب ایک ہموں امیر کے ہر کاٹے کی پانوں چوتھا ہی، اسکی پیشانی
 ن گرد گلاب سے دھوتا ہی، او حضرت کرتا ہو کہ آب حیات کمان سے لا کوں،
 عبد اللہ خان نے حد سے زیادہ طالب کی عدت کی، او راغعام و اکرام کردا لاماں
 رویا، طالب نے عبد اللہ خان سے درخواست کی کہ آپ دربار میں جائیں تو محکومی ساتھ
 یتے چلیں، چنانچہ ایک قصیدہ میں کہتا ہے،

آسمان قدر با چوداری در خیال	عدم در گاہ شہنشاہ و زمان
وز جوان مردان ایرانی سپاہ	بر گزیدہ ستے چل شیر زیان

گرچہ من درجہ گہ شیران نیم
لیکن از اخلاص دارم چشم آن
کن نظر چون بگذر تفصیل اسم
نام طالب نیز باشد میان

غالباً عبدالندخان سے یہ خدمت انجام نہ ہوئی، اس لیے طالب نے اور تدبیرین

اختیار کیئیں،

شاپور طهرانی ایک شہری شاعر تھا، وہ نور جہان بیگم سے قریبی قرابت رکھتا تھا، اسی
اسکا باپ اعتماد الدولہ کا جو نور جہان بیگم کا باپ تھا، حقیقی چاہتا ہوا، وہ تجارت کرتا تھا اور
کشرا اعتماد الدولہ کے ہاں اس تقریب سے آمد و رفت تھی، طالب نے شاپور سے
راہ درسم پیدا کی، لاہور میں اس سے جا کر ملا، ایک غزل میں اس واقعہ کا ذکر ہی

کیا ہے،

بجم التذکرہ در طلب سخن و ستور را دیدم
ہمان رشک عطاء ر دشاعر مشہور را دیدم
پہ خسر و دشتم بیٹے نیانے درخون طالب
از و در سوختم چون صفت شاپور را دیدم
چرخوش حالم کے بعد از مدت یکسال مجبوری
غرض شاپور کے ذریعہ یا کسی اور تحریک سے اعتماد الدولہ کے دربار میں رسائی

ہوئی اعتماد الدولہ نے اسکو دمن تربیت میں لیا اور خاص توجہ مبذول کی، تذکرہ میخانہ میں
لکھا ہوئکہ جہانگیر کے دربار میں اعتماد الدولہ بھی نے اس کی تقریب کی، لیکن اور تذکرہ میخانہ میں
دیگر فرائض سے ثابت ہوتا ہوئکہ اول اسکو دیانت خان نے دربار میں پیش کیا جو
جہانگیر کی خدمت میں خاص تقرب رکھتا ہوا، جہانگیر کے سامنے اس نے طالب کی

اس قدر تعریف کی کہا گیئر نہایت مشتاق ہوا، دیانت خان خود ساتھ لے کر گیا
لیکن طالب نے حادث سے چلتے ہوئے مفرج کا استعمال کیا، جس سے اسکے حواس
جاتے رہے،

جہا گئی نہ سر بانی سے باقی کرنی چاہیں، لیکن طالب پتھر کی تصویر تھا، دیانت خان
کو سخت نہادت ہوئی، طالب لگھ پڑا پس آیا تو اسکی معذرت میں فی البدیہ، ۵ شعروں کا
ایک قطعہ لکھ کر دیانت خان کی خدمت میں بھیجا، درج کے بعد جہاں سے ہل مطاب
شروع کیا ہے اس موقع کے چند اشعار یہ ہیں،

چو طفہا کو نہودی دمی نما لی نیز	بہ غریب دسافر عسلی اکھصوص مبنی
نخست آن کو چو در غرب تم نظر کر دی	بہ مر بردی از خاطرم ہوئے دم
چارم آن کو ہبزم شہنششم بردی	چو دل بپلوی خود ساختی مر اسکن
بہادشا ہم سرگرم گفت و گو کر دی	بہر دیدمی خفاش راحریف سخن
تو انچہ باید کر دی دلیک طالع شوم	بہستیاری گردن نفاق زد بامن
ہبست نطق مرا بخت بد دزان سبت	کشود بر من، ہم دوست طعنہ ہم دشمن

لہ: ایک مسجون تھا جو شرب کے بجائے استعمال کیا جاتا تھا اور محتاج اسکو خراب کے بجائے کام میں لائے تھے؛

کلیم نے اسی کی طرف اس قطعہ میں اشارہ کیا ہے

بلند قدر اس گرستہ گان وادی غم

چوبادہ بے تحرام ہست ان می طلبند

نفر سے پے رفع ملال می خواہند

حرام عیاثان کیفِ حلال می خواہند

گر اگمان که چو من استعاره پردازی
 گر اگمان که فت در شته کلام مرد
 ازین قیاس نما غور کن، که قدرت کیست
 دو چیز مهر زبان خسروی گردید
 یکے زبونی طایع که دائم از اغوش
 و گرز یاد تی نشنه که نامش را
 ادا صیرح کنم تاگمان مه نبری
 مفرج زده بودم پقصه گفتن شعر
 پنجم باد ششم زان زبان نمی گردید
 سخن شناسا بپیش تو چون برآدم سر
 ذکر ده جرم مراعفو کن په لطف عیجم
 من ارجچه سگنه نجت من گنه گار است
 اعتمادالله ولمه نے طالب کو مجرداری کی خدمت پردازی کی، یہ خدمت اگرچہ
 ایک معزز خدمت نہی، لیکن طالب شاعری کے سوا اور کسی کام کا نہ تھا، چونکہ بیدلی
 سے اس کام کو انجام دیتا تھا اس لیے ایسی بے عنوانیان اس سے سرزد ہو جاتی
 تھیں، کہ اس کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا، آخر اس نے ایک قصیدہ کلکر کر اعتمادالله کی
 خدمت میں پیش کیا، اور اس خدمت سے مستغفی ہو گیا، قصیدے کے چند اشعار

یہ ہیں،

دوز ہرست در ساغم ہر و قاتل
 یکی آنکہ بے خواہش نفوں کوشش
 دگران کے شد رنج یا کے کے با من
 نیم زاہل دیوان بد فترجمہ کارم
 بن خدمت مرح فرمون ائے
 نچسپ بر اہل سخن اشغیل و نیا
 ز شاعر نباخی آید نہ خدمت
 خصوصاً چو من شاعرے کو تجد
 منت بندہ داغدار قدیم
 چو میر تو دارم چھ حاجت بھرم
 حق این است ما ز جرمی که رفتہ
 ہمیں خجالتم دور دار دز خدمت
 دگر نہ ہمان طالب حق شناسم
 اعماد الدولہ نے اس کی تقریب در بارشاہی میں کی، جہاں گیرنے بلا کر ز مرہ شرعاً
 میں داخل کیا، اور شنیدہ میں ملک الشعرا کا خطاب عنایت کیا، چنانچہ خود ترک
 تین لکھتا ہے،

درین تاریخ طالب آملي بخطاب ملک اشعار ای خلعت امتیاز پوشیده
اصل اواز آمل است یک چندے با اعتماد الدله فی بو و چون رتبہ
خخش از گهنا ان درگذشت در سک شعر ای پا تخت تنظیم گشت این
چند بیت از دست،

اس کے بعد طالب کے چند اشعار نقل کیے ہیں، جو آگے مناسب موقع پر درج
کیے جائیں گے،

جهانگیر کے دربار میں اس نے اخیر زندگی تک نہایت عزت و احترام سے بسر کی صفت
ایک موقع ایسا پیش آیا کہ کسی بات پر جهانگیر ناراض ہو گیا، اور طالب چند روز تک
شرف حضور سے خرد مرہا، ایک قصیدہ میں اس واقعہ کو نہایت طیف پیری میں واکیا ہے،
ہنبدت گھرم دادہ بودی زکفت خویش تراز جود زیانے چین ہزارافتاد

محدوں کو موتی سمجھ کر تو نے پھینک دیا تھا
سخاوت کی وجہ تو نے ایسے لقصان بھٹک دیں

پھور دشدم زکفت چرخم از ہوابر بود
جب تو نے بھلکو پھینک یا، تو انسان نے اٹھایا

یک مقابل خورشید داشت آئینہ ام
تحتو ڈری یزدک آسان نے میر آئینہ کو آقاب کے سامنے رکھا،

چو پیش مشعل مہ برد شب چراغ مراد
پھر چاند کے مشعل کے سامنے کیا،

بید کو عرقش موج بر عذر ارتقاد
اور دیکھا کہ آنتاب کے چہرے پر پسینہ آگیا

بچھرہ گونڈ کا ہیش شمع دار افتاد
اس کا چہرہ شمع کی طرح زرد پڑ گیا،

زین نشاط مگر دست آسان لرزید
کہ باز در گفت خاقان کا مکار اقتاد
س خوشی سے آسان کا ہات کا نپا
اور دوبارہ میں باد شاہ کے ہاتھیں آگر گرا
نوں پر شتمہ مہرش بد ارکز تقدیر
دوبار در گفت این مورشا ہوا رافتاد
کیونکہ دو دفعہ یہ موئی تیر ہاث سے گرچا،
لے باز شاہ! اب جگو محبت کی رای یہن پرولے
طالب نے ۲۳ نہ ہیں، یعنی جہانگیر کے مرنے سے ایک برس پہلے عین شباب
میں دفات پائی،

عزم و اولاد طالب کی ایک بہتی جس کا نام سنتی اللہ تھا، جسکو طالب مان کی برابر
بھگتا تھا، اسکو طالب کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ صرف اس سے ملنے کے لیے ای ان
سے آگرہ میں آئی۔ طالب سوچت جہانگیر کے ساتھ دورہ میں تھا، بہن سے ملنے کے لیے
جازت طلب کی اور یہ قطعہ لکھ کر پیش کیا،

بزبانِ خُن و راستِ مرا	صاحبا! ذرہ پر درا بعرضه
کے با دمہ را در استِ مرا	پیرہمشیرہ ایست غم خوارم
کز نظر دور منظر استِ مرا	چار دہ سال بلکہ بیش گذشت
دین گنه جرم منکرا استِ مرا	دور گشتم ز خدمتش بعراق
کہ پہ مادر بر ابر استِ مرا	اوینیا ورد تاب دوری من
دل طیان چون کبوتر استِ مرا	آمدانیک بہ اکرہ وز شوقش
چ کنم شوق رہبر استِ مرا	می کند دل بسوی او آہنگ

گر شود رخصت زیارت او بہ جانے برابر است مر
 اس کی شادی نصیری کاشی سے ہوئی تھی جو میرزا صاحب کے استاد مسح کا شی
 کا حقیقی بھائی تھا، نصیرا کی وفات کے بعد، سنتی النسا، متاز محل نے اسکو مدداری
 پیش خدمت مقرر ہوئی، چونکہ نہایت قابل، خوش تقریر، اور خانہ داری کا خاص سلیقہ
 رکھتی تھی، اسکے ساتھ علم طب میں اسکو مہارت تھی، متاز محل نے اسکو مدداری
 کی خدمت سپرد کی، فارسیت اور فن قرات کی واقفیت کی وجہ سے شاہجهان آرائیم کی تعلیم
 بھی اسکے متعلق کی گئی، متاز محل کے مرنے کے بعد شاہجهان نے اس کو حرم شاہی کا
 صدر محل یعنی مدارالہمام مقرر کر دیا،

طالب کے اولاد ذکور نہ تھی، دولڑ کیاں تھیں، سنتی النسا نے ان کی حیثیت سے
 پالا، ٹری کی شادی عاقل خان اور چھوٹی کی، ضیا الدین خان سر کی سنتی النسا، چھوٹی
 ازد کی کوہست چاہتی تھی، سنہ جلوس مطابق ۲۵ نومبر شاہجهانی میں اس نے مقام لا ہو،
 وفات پائی، سنتی النسا اس کے ماتم میں سوگ نشین ہوئی، شاہجهان نے خود اسکے پاس
 جا کر ماتم پرسی کی اور محل میں ساتھ لایا، لیکن سنتی النسا کو ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا کہ حرم سے
 واپس آ کر اسی دن مر گئی، شاہجهان نے دس ہزار روپے تحریر و تکفین کے لیے عطا کیے،
 اور حکم دیا کہ ناش معنوظ رکھی جائے، تاج محل کی قبر کے پہنچم جانب جلوخانہ سے متصل
 قس بہزاد، روپے کی لاگت سے مقبرہ کی تیاری کا حکم دیا، جو سال بھر میں بن کر تیار ہوا، پکھ
 اور پر ایک سال کے بعد لا ہوئے لاش منگو اکرم مقبرہ میں دفن کی اور مقبرہ کے اخراجات

لے لیے ایک گھاؤں عطا کیا جسکی سالانہ آمدنی تیس ہزار روپے تھی،
تیموریوں کی یہی شہادت قدر دایان تھیں جنہوں نے ان کے آستانے کو دنیا
کے اہل کمال کا قبلہ حاجت بنادیا تھا،
ام حالات داخلاں عبدالبنی فخر الازمانی جو تذکرہ میکدہ کا مصنف اور طالب آٹھی کا
معاصر تھا، اسکے حالات میں لکھتا ہے،

آن ببل دستان سرا، درہان سال کے ۲۰۷ھ بود بدار اخلاف آگرہ مدد
این ضعیف رامربہ اول درہند دران ایام با املاقات اقوع شد جوانی دید
پہ انوار ہنر آستہ، چنان خلیق و زود آشنا کہ درین فن نیز عدیل نہ
در مشنوئی خویش دو سہ بیت در دوست آشنائی خود بیان فرموہ حقاً کحالی
اوست دران تکلف نہ کر دہ، آن ابیات این ست،

کتب طے کردہ ام در دوست لاری	یکیہ علامہ ام در عسلم پاری
سزد آنان کہ علم حصر دارند	درین فنم دحید الدہر خوانند
نباشد یو فانی در بسا طم	وفاکیں گل بودا ز اختما طم

اس سے ثابت ہوتا ہر کہ طالب نہایت دوست پر در، وفا شعار اور خوش اخلاق
غا، زاد کی ضرورتوں نے اگرچہ اس سے در در کی خاک چھنوائی، یہاں تک کہ شیدا نے
ملکی بھجوئیں کہا،

لئے پوری تفصیل آخر الامر احادیث دو م صفحہ (۹۱، ۹۲) میں ہے،

پے جیفہ دنیوی در تگ است

کہ دنیا است مردار طالبِ لہ

شب دروز مخدوم ناطا لبا

مگر قول پنیرش یاد نیست

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ فطرتاً غیور اور خود دار تھا، غازی خان کے در بازیں پنج پکڑ

اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ پھر کسی کے آگے کبھی بات نہ پھیلانے گا لیکن اسکی پر قسمتی تھی

کہ غازی خان جوان مرگ ہو گیا،

عبداللہ خان ناظمِ گجرات نے اسکی قدر دانی میں کمی نہیں کی، لیکن صوبت کے بیل

تھی، عبداللہ خان کو شعرو شاعری سے بچا لگا تو نہ تھا، اس لیے وہ طالب کی سرپرستی

لازمہ امارت کی حیثیت سے کرتا تھا، اور طالب اسکو پسند نہیں کرتا تھا، اعتماد الدولہ نے

خود اسکو جاں لی گیر کے دربار میں پہنچایا، اور بہت سے چکر کھا کر اب وہ اصلی مرکز پر آیا،

طالب نے ہر موقع پر اپنی آن قائم رسمی اعتماد الدولہ کے نام اسے ایک منظوم

خط لکھا ہے، اس میں لکھتا ہے کہ شاعری دو قسم کے لوگ اختیار کرتے ہیں ایک ہ پست ہمت

جو پیشہ کی حیثیت سے اس کام کو کرتے ہیں، دوسرا وہ عالی طبع جنکو فطرتاً خدا نے

شاعر بنایا ہے،

دو صنف اندھاں طبیعت کہ ہر کیک

ندار ند بابهم سرسازگاری

سیکے را فرد و مائگی کر د، شاعر

سیکے خضراری است انشائی نظرش

سلہ الدنیا جیفتہ و طالبها کلاوب، کی طرف اشارہ ہے،

کیے را علٰو طبیعت بجائے کر دزد و سرماز سایہ تاجداری
 یکے آن چنان پت فطرت کے بالد بنود از خطابِ فصاحت شعراي
 کیے را طمع گشته ہادی این راه کیے را جوانی وہنگا مہ داری
 ان دونوں قسموں کی تفصیل لکھ کر پوچھتا ہے،
 گردا شاعر و میرزا شاعری ہست ندا نم مرا برچہ ہنجار داری
 یعنی دو قسم کے شاعر ہوتے ہیں، ”گدا“ اور ”میرزا“ فرمائیے آپ محاکوس قسم میں شمار
 رتے ہیں؟ پھر خود جواب دیتا ہے،
 من از شاعری شکر لند کے دارم۔ پنجت بلند تو امید داری
 کر گر وہر یک دانیا قوت گرد
 درو بیتم از حیثم بے اعتباری
 بمنصب چہ شدنیستم گر ہزاری
 ز آزاد گانم نسلق ندام
 مرانیست باہل شیوه کاری
 چما گلکیرنے ایک دفعہ نشہ کے ترینگ میں حکم دیا تھا کہ مقرابان خاص ڈارڈی
 زشووا کر شرکیت صحبت ہوں ظاہنے اس حکم کی تعمیل سے سرتاہی کی، اور گھر میں بیٹھ رہا
 پھر ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس میں غیر حاضری کی یہ مذہرات کی،
 ترا شید گاندیک سرپاہ کے را چون تبرہ پُر کاہ نیست
 پہنڈے کہ نوے نگہدہ درد
 شدن بادو گز ریش دخواہ نیست
 من نا ترا شیدہ را راہ نیست

یعنی ایسی محفل میں جہاں ایک بال کی گنجائش نہیں، دو گز کی ڈاڑھی لیکر جانا کچھ اچھا
نہیں معلوم ہوتا، آپ کی محفل بہشت ہے، اور بہشت میں مجھنا تراشیدہ کا گذر نہیں
ہو سکتا، بھرا یک اور قطعہ لکھا،

سفر میں کنم صاحبجا ورنہ من	چ سرور نگردان تراشید می
باناخن نہ از تنیخ، از روی خوش	من این مشت سوزن تراشید می
سروریش دا برد بروت و فره	ہسم برہمن تراشید می
ہر آن کو تراشید پیش از ہمہ	از دیشتر من تراشید می
چو من را ہیم خارج از رسم تو	کو موقت رفتان تراشید می
مشتی فیر دز ۲۹ نہ میں طالب سے ملا تھا، اس نے ملاقات کے جوابات لکھ رہیں	
آن طالب کی طرز زندگی کی دلچسپی میں معلوم ہوتی ہیں، اسیلے ہم اسکا خلاصہ لکھتے ہیں	
۲۹ میں جسب بادشاہ فتح پور میں آیا تو بھکر طالب کی ملاقات کا شوق	

لئے مودوی غلام علی آزاد نے خواہ عامرہ میں لکھا ہی کہ اکبر نے ہندوؤں کی طرح آتش پرستی اور ریش تراشی
ختیار کر لی تھی، جہاں گیر نے بھی باپ کی تقلید کی، ادیسی حیثیت سے طالب کو بھی ڈاڑھی ترشانے کا حکم دیا
یا لیکن جہاں تک ہکوم معلوم ہے، اکبر اور جہاں گیر کسی عزیز کے مرٹے کے وقت ڈاڑھی کا صفائی کرتے تھوڑے طالب کے
ہندی زبان میں بحمد رکھتے ہیں، دربار کے خوشامدی بھی اس موقع پر بادشاہ کی تقلید کرتے تھے، طالب کے
بھی اسی موقع پر حکم ہوا ہو گا، درز دا ڈاڑھی ترشانہ تو خود ایسا نیونکا عام شرعاً تھا، جو آج بھی تمام یا ان
یں جا ری ہر شیعہ لوگ ہندوستان میں بھی خشناشی ڈاڑھی رکھتے ہیں، طالب سہ کوئی ان مکار کرتا،

پیدا ہوا، تالاب کے کنائے ایک خیمہ تھا، طالب سین مقیم تھا، میں گیا تو دیکھا
کہ گویا اعتکاف میں ہر سامنے دیوان کے اجزاء ہیں اور مصانعہ و معانقہ کے بعد
پوچھا کیونکہ تشریفیت لانا ہوا، میں نے کہا آپ کے چند شعر ہئے تھوڑے، انکو سنکر ملاقات
کا شوق ہوا، پوچھا کیا شعر تھے، میں نے یہ شعر پڑھتے ہے،

ع لمب از لفتن چنان بستم کوئی ع مزہ در جهان نمی نہیں

جب یہ شعر پڑھا،

مزدم زرشک چند بنیم کر جام ۔ لمب برش گزار دو قالب تی کند
تو اچھل پڑا، اٹھا کی گلے رکایا، میرے ذوق سخن کی نہایت تعریف کی، میری کمر
میں ہات ڈال کر کہا کم بند کھول ڈالیو اور آرام سے تشریفیت کیجیے کہ ایک دو
دان لطف سے گذریں،

میں اسی حالت میں ایک مثل آگیا، جسکے ہاتھ میں خاقانی کا دیوان تھا،
اور طالب سے پڑھنا چاہتا تھا، طالب نے کہا اج معاف رکھو مت کے
بعد ایک در داشنا ملا ہے، اس سے لطف صحبت اٹھائیں گے، نیکن بغل
کسب نہ تھا تھا، دیوان کھول کر یہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا،

در پر دہ دل نہ من کرنا خداش جان شد خیال بی زی در پرہ و حشائش

در مرکز مشکل بگفتہ ربیع مسکون فریاد ایج میخ از تنیح مہ صفاش
طالب اس شعر کے معنی بیان کیے تو چونکہ علمی استعداد نہ تھی انہیں اپ شناپ

باتین کہنی شروع کیں۔ ملکوبے اختیار نہیں آگئی، طالبؑ نے جھٹا کر کہا کہ اس قسم
کے اشعار کو تم لوگ ہندوستان میں درس کے قابل بھی نہیں ایسے شعر
ناخن پاس لکھتا ہوں، میں نے کہا شاعری اور جزیرہ ہر دو سخن فرمی وہ جزیرہ طا۔
مکدر ہو کر چپ ہو گیا، ملکوبی ملال ہوا کہ ناخن میں نے اسکا دل دکھایا، مسکے
خوش کرنے کو میں نے اور مسلسلہ جھپڑ دیا۔ اور کہا کہ کل دربار میں آپ کے
شعر پر لوگ معتبر خش تھے، طالبؑ کہا یہ شعر تھا،

عنبہ افسردہ ام در پر وہ دار م بوی خوش،

اپر آصف خان نے اعتبر خش کیا کہ عنبہ کو افسردہ نہیں کہ سکتے، اور وہ
نے بھی اُنکی تصدیق کی، میں نے کہا کہ خاقانی نے تھک کون فرمہ کہما ہر یہ عنبہ
کیا قصور کیا ہے، خاقانی کا شعر یہ ہے،
کرفیض اد بمنگ فسردہ رسدا،

طالبؑ نہایت خوش ہوا، اور جھوپ سے کہا کہ اس شعر کو ایک پرچہ پر لکھ دیجیے

شاعری | اس امر میں طالبؑ تمام شعر سے ممتاز ہو کر وہ فقط اتنا شاعر تھا، یعنی جب نہایت
کم سن تھا۔ اسوقت سے شعر کہتا تھا۔ ایک تصدیقہ جو کلیات میں موجود ہے، اسوقت کا ہے
جب تقریباً اس کی عمر ۱۲۔ ۱۳ برس کی تھی، خود اس بات پر فخر کرتا ہے، اور کہتا ہے،

غیر کلاس من نشان نہ ہے کیا کہی کہ آشی دفتر اسلام شوید کو دک دیتی دی پریر
پر مون

لئے تذکرہ شعر ازا محمد علی سند یلوی ذکر طالبؑ آعلیٰ،

یعنی میر قلم کے سوا اُسکی کوئی مثال نہیں مل سکتی، کہ کل کا لفظ اپنے بھلوں کے کام نہیں پانی پھیرت،

وہ نہایت جلد شعر کہہ سکتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اسی قلم بات میں لیا اور بے تکلف لکھتا ہے، دو تین گھنٹے میں ۵، ۴۰، شعروں کا تصدیدہ تیار ہو گیا، قیچی خان ناظم لاہور کی شان میں ۲۸ شعروں کا تصدیدہ ایک رات میں لکھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

نم کہ نیست چو من شاعرے زاہل سخن
نم کہ نیست چو من قابلے زاہل کلام
گواہ این دو سے معنی ہمین قصیدہ براست
کریافت از سر شب تا پیدہ دم اتمام

جہانگیر کی بحی صرف میں میں اسکا ایک بڑا پروردہ تصدیدہ ہے جس میں ۵، ۶، شعروں
چوشہ سوار مر اچشم بر شکار افتاد

بزخم تیرنگہ، صید بے شمار افتاد

یہ بھی صرف رات بھر کی کمائی ہے، چنانچہ خود کہتا ہے،

بہ خام دستیم لے شرمای خردہ گیر
کریک شب این ہمہ نظم برد کا افتاد
پہلی دفعہ جہانگیر کے دربار میں ناکامی کے بعد جو قطعہ دیانت خان کو لکھا تھا، وہ بھی
اکل قلم برد اشنة تھا۔ خود کہتا ہے،

ذین قیاس نما غور کرن کے قدرت کیست
بیک دل بحظہ چین قطعہ ادا کر دن

شاعری میں طالب کا امتیازی و صفت صرف دو چیزوں ہیں ندرست تشبیہ
لطیف استعارہ، استعارات کی نزاکت اسکے درست پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن میں نے
اور زیادہ لطائف اور ندرست پیدا کر دی، اسکا کلام کہیں سے اٹھا کر دیکھو ہر جگہ نہ رکھتے

استعای نظر آئین گے، اینیں سو اکثر طیفنا و نازک ہیں اور بعض بعض معاさまی و حکیمی طلب ہیں
اس موقع پر ہم اس کے چند منتخب شعارات درج کرتے ہیں اینیں ابتداء کے چار شعروہ ہیں:
جو جہاں گیرنے تذکر جہاں گیری میں لامک اشعاری کے خطابے یزیر کے وقت انتخاب ادارج کیے
ہیں باقی مرزا صاحب کے انتخاب ہیں،

لبد اگفتان چنان بستم که گوئی	دہن برچپره زخم بود و به شد
عشق در اول دآخر ہمہ وجہ است سماع	این شراب است کہ ہم خچتہ و ہم خام خوش است
دولب خواہم کیے درمے پرستی	کیے در عذر خواہی ہاے نستی
زغاریت چمنت بر بدار منت است	که گلی پر دست تو از شاخ تازه تر ماند
دشنام خلق راند ہم جز دعا جواب	ابرم که تلخ گیرم و شیز ہن عوض ہم
بے نیاز اند زار باب کرم می گذرم	چون سیدہ چشم کہ برس مردہ فرد شان گذرد
مرد بے بُرگ و نوار اس بکار ز جاے گیر	کوزہ بے دسته چیزی بند و دستش بدار
هزہ در جهان نے بسم	دہر گوئی دہان بیار است
نظارہ ترا دوجهان جزو چشم نیت	یک چشم باز ماندہ و یک چشم بہم است
خانہ شرع خراب است کار باب صلاح	در عمار است گری گنس بد دستار خود ندر
مارا ز بان شکوه ز بیدار چیخ نیست	از باختطہ بمہر خموشی گرفته اند
درین اشجن غیرہ ماے یار	دوئے را بیکش نشہ کم دیده ام
با صد کرشمہ آن بست بدمست می رد	خود می کند خرام دخواز دست می رد

میرزا صائب حشفانی

ایران کی شاعری روڈکی سے شروع ہوئی اور میرزا صائب پر ختم ہو گئی روڈکی سے پہلے بھی شعر اندرے تین اور میرزا صائب کے بعد بھی لوگوں نے طبع آزمائیاں کیئن یہ دونوں دور شمار کے قابل نہیں اخیر دور میں قاؤنی بے شہرہ سیا شخص پیدا ہوا جس نے دفعہ شاعری کی کایا پیٹ کر دی، لیکن اُسکی شاعری کوئی نئی شاعری نہیں بلکہ اس نے سات سورس کے بھوسے ہوئے خواب کو یاد دلایا اور یہ کہنا بالکل صحیح ہو گئی اور منوچہری نے قاؤنی کا قالب اختیار کر لیا،

شاعری ابتداء سے جس انداز پر چل آتی تھی، اگری اوصفوی و دونے دفعہ اُسکی روشنی بدل دی، عرفی، نظری و خیزدی شفافی نے پڑا دن گونا گون خیالات پیدا کئے شاعری کے میدان کو نہایت وسیع کر دیا، با خصوص عشق و عاشقی کے روز و اسرار اور فلسفة زندگی کے ایسے سیکڑوں پڑا دن نکتے بیان کیے، جو تمدا کے خواب و خیال میں بھی نہ کئے تھے، لیکن یہ جو کچھ تھا اکبر و عباس صفوی کا فیض تھا، جماں گیر و شاہ جہان شاہانہ فیاضیاں ای کبھی سے بھی زیادہ دکھائیں لیکن تمام پر زور تو تین کام میں آچکی تھیں جماں گیر و شاہ جہان کی خوبی نظرت کی غیاضی کا بہت کم سرایہ رکھیا تھا، اس عہد میں بھی جو کچھ ہوا وہ اکبری کی تحریک کی دوستی، قدسی طالب اعلیٰ طالب کیمیگر جماں گیری و شاہ جہانی شعرا ہیں لیکن یہی اکبری کی نہال فیض

کے برج دبار ہیں،

میرزا صائب بھی اسی عمد کے یاد گار ہیں اور تجھ یہ ہو کہ کلیمہ کے سوا اس دو دین
کوئی شخص اسکی مہرسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور اسکے بعد تو عالمگیر کے زہدنشکن شاعری
کا چراغ ہی گل کر دیا،

صائب ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اسکا باب شہرو تاجر تھا، اسکی دلادت تبریز
میں ہوئی، لیکن نشوونما و تعلیم و تربیت اصفہان میں حاصل کی، اسی بنا پر اسکو تبریزی اور
اسفہانی دونوں کتنے ہیں، شعرو شاعری سے اسکو قدر تی مناسبت تھی، آغاز سن شوہرین جب
اسکی شاعری کے چہرے ہونے لگا تو ایک شخص نے اتحان کے طور پر ایک محل مرصع پیش کیا کہ
اپر مرصع لگا دیجیے، مرصع یہ تھا،

شمغ رخاموش باشد، آتش ازینا گرفت

صائب نے پیش مرصع کہہ کر مرصع کو بامعنی کر دیا،

مشبا زستی زبس گرمست مغل میتوں شمع رخاموش باشد، آتش ازینا گرفت

یعنی آج محفل ایسی گرم ہو کہ اگر شمع بچھ جائے تو بوقل سے آگ روشن کر لیجا سکتی ہو،

باجود شاعری کے صائب پر نہبی خیالات بہت غالب تھے، آغاز شباب ہیں

حرین کا سفر کیا، واپسی کے بعد مشهد مبارک کی زیارت کی، اور انہما عقیدت کے طور پر ایک

لہ آتشکدہ میں لکھا ہو کر اسکے خاندان کو عباس صفوی نے اصفہان میں بیجا کر آور کرایا تھا، اور صائب

یہیں پیدا ہوا، ۳۵ یہ بیضا،

صیدہ لکھا، جس کا ایک شعر ہے تھا،

(۲) بندوں کے بعد از سفر حج صائب عہد خود تازہ بسطاطان خراسان کن دم

صائب نے شاعری کی باقاعدہ تعلیم حکیم رکنا سچ کاشی اور حکیم شفائی سر حاصل کی، حکیم کنام مشهور شاعر گذر اہمی، شاہ عباس صفوی اُسکے گھر پر اُس سے ملنے آتا تھا شاہ عباس حاسد وون نے اُس کی طرف سے رنجیدہ کر دیا، تو حکیم کنافے دربار سے قطع تعلق کیا، اور بطلع لکھا،

رفلکٹ ایک صحیم بامن گران باشترش شامِ بیرون میر دم پون آقبال زکشویں
اسکے بعد ہندوستان چلا آیا اور اگر بہمنگیر کے دربار میں رسائی پائی، شاہ بہمن
بہ تخت پر بیٹھا تو قطعہ پارچہ لکھ کر بارہ ہزار روپے صلے میں حاصل کیے، اتنا نہ ہو میں نہ شہد
福德 کی زیارت کی اجازت میں شاہ بہمن نے زاد سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کیز
تسلیہ ہمین انتقال کیا،

بندوستان کی فیاضیوں کے غلغله سے تمام ایران گونج رہا تھا، صائب کے دل میں
نہ بھی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ خود کہتا ہے۔

(۳) بوجو عزم سفر ہند، کہ در ہر دل ہست رقص سو لے تو دیچ سے نیست کن نیت
زاد سفر کے لیے اگرچہ شاعری سے بہتر کوئی چیز نہ تھی، لیکن صائب چونکہ ایک
مز رہنگار کے گھر میں پیدا ہوا تھا، اس نے یہ بندل طریقہ پسند کیا، اور بحارت کے ذریعے
میں آیا، شاہ بہمن کے دربار میں رسائی حاصل کی اور ہزاری منصب درست عظیم

خطاب عطا ہوا یعنی ظفرخان سے ملاقات ہوئی۔ اول اس قدر تعلقات ثبڑے کر صاحب
اور ظفرخان کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے،

ظفرخان مشہور امریکے تیموری زینت ہے، اسکا باپ خواجه ابو الحسن اکبر کے زمانے
میں ایران سے آ کر دکن کا دیوان مقرر ہوا تھا، جہانگیر نے پہنچ زبانی میں وریغ علم تقریب کیا
ٹھٹٹہ نہ میں وزارت کے ساتھ کابل کی حکومت بھی عطا کی، لیکن پھر نکلے وزارت کے تعلق سر
پاس تخت سے جدا نہیں ہو سکتا تھا، اسکے بیٹے ظفرخان کو باپ کی فائم مقامی کے طور پر
کابل کی حکومت میں ظفرخان نہایت نیاض اور قدر دال علم و فن تھا، خود بھی شعر کرتا
تھا، اور احسان تخلص کرتا تھا، میرزا صاحب کی شاگردی نے اس کی استعداد کو اور ترقی دی،
چنانچہ خود کہتا ہے،

طزیاران پیش آن بعد زین مقبول نیت	تازہ گوئی سامی اُذافیض طبع صائب است
میرزا صاحب نے ظفرخان کی بیخ میں متعدد قصائد لکھے، اور پھر نکلے مددوح درحقیقت	
بیخ و شنا کا سزاوار تھا، میرزا کو اُسکی مراجی پر ناز تھا، ایک قصیدہ زین لکھتا ہے،	
کلاہ گو شہزاد بخوبی شکنم	ہ ایں غزوہ کہ بدحت گرفتار ظفرخان
ز تو بہار سخاں اچھے قیڑاہ رینہ خوم	
کہ از شیم ہوا داریست، گفتا نام	

اہ صاحب کے سفر مسندہ تسان کے تعلق نہایت مختلف دنما تفضل روایتین ہیں میں نے سروکار ادا، یہ بیٹھا،
سیاضی اشعار کو چھوڑ کر میرزا افیال کی روایت میں انتشار کی ہو، کہ اسکا معنف صاحب کا گویا ہے معتبر تھا،

حقوق تربیت را، که در ترقی باد
تو پاے تخت سخن را بدست من دادی
زردے گرم تو جو شید خون معنی من
تو جان زدخل بجا هم صرع مراد ادی
ز وقت تو بمنی شدم چنان باریک
چوزلف بنبل بیات من پریشان بود
تو غنچہ ساختی اور اراق باد برده من
ان اشعار سے ثابت ہوتا ہو کہ میرزا صاحب نے پنے دیوان کو ظفرخان کی فرایش
مرتب کیا تھا، ان اشعار سے پہلی ثابت ہوتا ہو کہ ظفرخان میرزا صاحب کے کلام پر اُستادانہ
نکتہ چینیاں کرتا تھا، اور اس قسم کی روک ٹوک سر میرزا کا کلام اور زیادہ ترقی کرتا جاتا تھا،
۱۳۹ سنه ہجری میں شاہ جہان نے دکن کا خیا، ظفرخان بھی آس فرین ہم کاب تما،
اویز میرزا صاحب سکے ساتھ تھا، جب بربانپور میں پہنچا تو جو نکتہ بیان کی زمین نہایت
غبارانگین رسمی میرزا صاحب نے کہا،

تو تیاساز و غباراً اگرہ ولاہور را
چشم من تا خالکال گرد بہان پونزو
صاحب کے باپ کو صاحب سے نہایت محبت تھی، اس زمانے میں ہندستان کا سفر
معمولی بات تھی اور ایران اور ہندستان ایک مکان کے دو چون بن گئی تھے، تاہم محبت

له یہ بینداز و آزاد بلگرامی،

کا یہ جوش تھا کہ میرزا کے باپ نے ستر برس کی عمر میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور پیاسے بیٹھے کو ساتھ لیجا ناچا ہا، میرزا صاحب کو مجبوراً ظفر خان سرخست کی استعا کرنی پڑی ایک محیرہ قصیدہ لکھا اور اس میں اعلیٰ انعام مطلب کیا،

شش سال میں فت کا زصفہ مانہنے
آورده است جذبگت تاخ شوق من
بفتاد سالہ والد پیرست بہن رہا
زان پشت کر کر اگرہ پہ منورہ دکن
این راہ دور را زبر شوق ملے کند
دارم امید رخصتے، از آستان تو
مقصود اونہ نہ بُردنِ من است
با جھک کنادہ تراز آفتاب صح
دست دعا به بدر قدر را ہمن پر آر

حسن الفاق کیہ اسی زمانہ میں یعنی لشکنہ ہجری میں شاہ جہان نے دکن سے اگرہ کا قصد کیا اور آغاز لشکنہ میں ظفر خان کشمیر کی صوبہ داری پر متاز ہلو، میرزا صاحب ظفر خان کے ساتھ کشمیر میں آیا اور اس بہشت برین کی سر کر کے باپ ساتھ وطن کو دپس گیا، ایں میں ایسے جو ہر قابل کسیلے قدر روانی کی کیا کمی تھی، سلاطین صفویہ نے پڑی عزت و احترام میں میرزا نے بھی ان کی بیچ میں پر زور قصائد لکھے، شاہ عباس ثانی نے ہسکو طک الشعرا

کا خطاب دیا، لیکن جب اسکے بعد سلیمان صفوی تخت نشین ہوا، اور میرزا صائب نے
قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جسکا یہ مطلع تھا،

احاطہ کر دخطاں آفتاب تباہنا گرفت خیل پری، در میان سیاڑا
تو سلیمان صفوی چونکہ نو خیز اور نو خطا تھا، نہایت رنجید ہوا، اور پھر تماہ میرزا
خطاب نہ کیا،

میرزا نے اگرچہ اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہیں کالاتا ہم ہندوستان
کی فیاضیاں رہ رکھ ریا دی تھیں، جب نواب جعفر خان آغاز عہد عالمگیری ہیں زیرِ عظم
مقرر ہوا تو میرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا،

دور دستان را با حسان یاد کردن ہستے ورنہ ہر نخلے بپے خود غرمی انگند
جعفر خان نے پانچ نہار روپیہ اور لقبول بعض پانچزار اشرفیاں ہیں^۱
شتمہ بھری میں بمقام صفہان دفات پائی "صاحب فاتیافت" مادہ تاریخ بھری
میرزا کا ایک مطلع ہے،

دیچ پردہ نیست، نباشد نوئے تو عالم پرست از تو دخالی ست جائے تو
میرزا نے وصیت کی تھی کہ یہ مطلع اسکے مزار پر کندہ کیا جائے، چنانچہ سنگ مرمر کے
لوح پر کندہ کیا گیا،

عام حلالات دنادات مرا زا نہایت خود دار، پابند وضع، پاکیزہ خو، اور منکر المزاوج تھا،

لہ ریاض اشعراء، لہ خواہ عامرہ،

شروعے ایران کی عام عادت ہو کہ ہندوستانی شعر کو مطلق خاطرین نہیں لاتے، میر خسرو اور حسن کے سوا کسی ایرانی مستند شاعر نے کبھی کسی ہندوستانی شاعر کا نام نہیں لیا، لیکن میرزا صائب پنځہ عصر ہندوستانیوں کا نام بھی، غزل کے مقطعبوں میں لاتا ہو، اول ان کی غزلوں پر غزل لکھنا گوارا کرتا ہو، ایک غزل غنی کے جواب یعنی کھنی ہو، اسکا مقطع یہ ہے، این جواب آن غزل صائب میکو یعنی یادا یا میکہ دیگر شوق ماسروپ شد
میرزا کی عادت ہو کہ اکثر شعر اکی غزوں پر غزل لکھتا ہو اور مقطع میں ان شعر کے غزلوں کے پرے صرع نقل کر دیتا ہے، اس سے اسکی صحت مذاق اور جوبی تجاذب کا اندازہ ہو سکتا ہے،

”در دیده ام خلیده و در دل نشسته“
چشم نمیشیں بازکن، تاہر پنخواہی بنگری“
کجبے طالبِ مل درصفهان پیدا ہت
”سایہ ابر بھاری کشت راسیراب کرد“
”لے روشن از رخ تو زمین دزمان پہمہ“
چو شیرا زد و طرفت می کشند زنجیرم“
از فرموشان مبادہ، نکس کہ ما رایا کرد
کہ گران می رود آن کس کہ توکل دارد“
”کلاید کیمپہ دببت خانہ در بعل دارم“

این آن غزل کو فیضی شیرین کلام گفت
این جواب آن غزل صائب کے می گوید ملک
بطریز تازہ قسم یاد می کنم صائب
این جواب صرع نوعی کہ خاکش بہزاد
این آن غزل کل اوحدی خوش کلام گفت
جواب آن غزل ست یانکہ میر شریوفی گفت
این جواب آن غزل صائب کے فتحی گفتہ است
صائبین تازہ غزل آن غزل شاپورت
جواب آن غزل ست یانکہ گفتہ است مطبع

این جواب مصوع او جی کر و قمی گفتہ است
 این جواب آن غزل صائب کے وہم گفتہ است
 این جواب آن غزل صائب سطایں صائب
 این جواب آن غزل صائب ارقم گفتہ است
 شعر این چھیشہ باہم رفاقت اور حسد ہوتی ہے لیکن میرزا صائب سکون نایت پاپند
 کرتا تھا، چنانچہ ایک نظر ہتھیں بائی محبت اور اعانت کی ترغیبی لیتھے،
 خوش آن گردد کہ ستد بیان پکھ کرنا
 نمی زند بینگ شکست بگو ہر رحم
 زند برس هم، گل مرصع زنگین
 سخن تراش چو گردن و تبغ الماسند
 بغیر صائب بوصوم نکشی خلیم
 صائب گرمہ تمام اساتذہ بلکہ ہم حصر دن کو ادب سے یا کرتا تھا، لیکن خاص خاص اساتذہ کا
 نایت سعد تھا، سب سے زیادہ خواجه حافظہ کا معترض تھا اور یہ اس کی صحیح المذاقی کی بہت بڑی
 بیل ہے، لوگوں کے ہمراستے ایک غزل خواجه حافظہ کی غزل پکھی، لیکن مقطع میں یہ غدر کیا،
 صائب چہ تو ان کرد پکھی فیض زیان
 ایک اور غزل میں کہتا ہے،

۷۰ سردا آزاد، ذکر موصوم شاعر،

رواست صائب گزیست ان ره دعوی
 تتع غزل خواجه گرچه ادبی است
 حکیم رکنا او شفای کاشا گردتا، اس یعنی ان دونون کا نام نهایت ادب
 سے لیتا ہے،

این آن غزل حضرت رکنا است کفر منو
 پائے مخچ پیش سلیمان چه ناید
 در سفهان که بدر سخن رسید صائب!
 کنون کنبض شناس سخن شفای نیست

نظیری کو عرفی سے زیادہ مانتا تھا، چنانچہ کرتا ہے،
 صائب چھیال است بتوی پھونظیری
 یہا تک صنائع نہیں، لیکن افسوس ہے کہ عام خوش اعتقادی باشرت علم
 کی بنابری طوری اور جلال ایسر کی بھی ملاحی کرتا ہے،

این فیض از کلام طہوی بازید
 صائب شیم سرد برگ این غزل
 نوشائی کی چو صائب صاحب اکمال
 بد نداتی کا یہ پہا قدم تھا، جس نے آخر کاشا ہراہ قائم کر دی، اور نوبت یہ پوچی کہ آج

بوگنا صر علی، بیدل شوکت بخاری دغیرہ کے کلام پر سرد مفتتے ہیں، دینیا اظللم و جهان انک
 بودہ ہر کہ آمد بران مزید کردا

میرزا صائب ہر قسم کی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہو، قصائد متعدد ہیں، ایک
 چھوٹی نئی زمیہ شنوی بھی ہے، اور غزل تو اسکا خاص فن ہے، لیکن قصائد اور شنویاں
 کم تر تباہی یہ دونون چیزین اس دو سے پہلے ابتر ہو چکی تھیں، اور میرزا بھی اسکی کچھ ملائی نہ کر سکا

رزمیہ شنوی کا ایک شعر یاد رکھنے کے قابل ہے،
 چنان رزہ در دشت کین اوقات و
 کہ قارون بروں از زمین و فقاد
 میزرا نہایت پُرگو، اور بدیہ گو تھا، جس زمانے میں وہ بہانہ پور کرن میں تھا، ایک قصیدہ
 سائیم شعر دنکا صرف دو پرین لکھا، اس قادر الکلامی کے نشہ میں خود کتاب ہے،
 بزر احیف کے عرفی د نوعی د سخیر
 نیز جمع بدار العیار برہان پور
 کہ قوت سخن و لطف طبع می دیدند
 نمی شد نہ بطبع بلند خود مغرو ر
 ہمین قصیدہ کہ یک چاشت روک دادمرا
 زاہل نظم کے گفتہ ست؟ در نین و مشهور
 ایک دفعہ اسکے ایک شاگرد نے ایک مهل مصروف پیش کیا کہ اپنے مصروف لگادیجیے،

مصحح یہ تھا،

از شیشه بے مو، سئے بے شیشه طلب کن
 صائب نے فوراً کہا،

حق را زدل خالی از اندیشه طلب کن
 ایک دفعہ راہ میں چلا جا رہا تھا، ایک گستہ کو پیٹھا ہوا دیکھا، پونکھا جب بیٹھا ہے،
 تو گردن او سمجھی کر کے بیٹھا ہے، فوراً یہ مضمون خیال میں آیا،
 شود ز گوشہ نشینی فردن عننت نفس سگ نشہ ز استادہ سرفراز ترست
 فناں کا مشہور مطلع ہے،

لہ کلمات شعرا رسرا خوش،

بہبیت صحمد مہالان گلگشت جپن فتم
 نہادم روے برے گل از خوشن فتم
 میرزا نے اسکو یون بدلت دیا،

بہبیت صحمد مگر یاں چشمہم درپن فتم
 نہادم روے برے گل از خوشن فتم
 ششم کی تشبیہ نے شترین جان ڈالدی اور دعوے کو پورا ثابت کر دیا۔

میرزا خاصع، میرزا صائب کے شاگرد اور سید عبدالجلیل بلگامی کے ہشیں تھے،
 ان کی زبانی منقول ہے کہ ایک فوجہ میں نے میرزا صائب کے سامنے یہ مصوع پڑھا، ع
 د دیدن، رفتان، استادن، نشستن، خفتان و مردن،
 مصوع بالکل محل تھا، یعنی چند چیزوں بے مناسبت جمع کردی تھیں، میرزا نے
 پیش مصوع دکا کر عجیب فلسفیاں مضمون پیدا کر دیا،

بقدر ہر سکون راحت بود، بنگرتفادت را دو دیدن رفتان استادن نشستن خفتان مردن
 میرزا کی زندگی ہی میں اسکے کلام کو چھن قبول حامل ہو چکا تھا، کہ سلاطین اور
 امراء، شاہ ایران سے اسکے کلام کی استدعا کرتے تھے اور تحفہ اور سوغات کی طرح اسکی
 غزلیں بھیجی جاتی تھیں

میرزا نے فنِ خن کے متلق ایک بڑا کام یہ کیا، کہ قدما اور متاخرین کا کلام اختاب کئے
 ایک بیاض مرتب کی جو سخن لفون کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی ہے، میرزا کا اپنا اندوز گوچا ہے
 اور وہ شاعری کا عمومی درجہ ہے، لیکن چونکہ اسکا مذاق نہایت صحیح تھا، ایسے بلند اور زادر

لہ کلمات اشعر، لہ یہ بینا، لہ کلمات اشعر، سرخوش

اشعار انتخاب کیے ہیں شعر اے عرب ہیں ابو تمام ایک مشہور شاعر گزرے ہے جو مبنی کا
ہم پڑھیاں کیا جاتا ہے، اس نے ایک مجموعہ انتخاب کیا تھا جو حواس کے نام سے مشہور ہے
اور فن ادب کی جان ہے، اہل فن کا بیان ہے کہ ابو تمام کی شاعری کا کمال حبقدر اس انتخاب
سے معلوم ہوتا ہے، خود اسکے دیوان سے ظاہر نہیں ہوتا،
میرزا صاحب کے انتخاب کا بھی بعینہ یہی حال ہے، جس شاعر کے جتنے اشعار انتخاب
کر دیے ہیں، وہی اُسکے نام دیوان کا عطر ہے،

میرزا صاحب کے انتخاب کا ایک نسخہ حیدر آباد میں دیکھا تھا، جو خود میرزا کے ایک
شوق میں شاگرد نے ایران میں نہایت ہتھاں سے طیار کرایا تھا، ہر شاعر کے نام کے ساتھ
اسکے شعار کی تعداد بھی ہندسوں میں لکھدی ہے، اخیر میں مختصر سی عبارتیں جسیں تھاں کا حال
ہا ہر علوم ہوتا ہو کہ اہل فن اس بیاض کی تعلیم لیتے تھو، اور اس سے فائدہ اٹھاتے تھے،
الداغستانی نے ریاض الشعرا میں جا بجا اسکے والے دیے ہیں، میں نے اس بیاض

لے تین نسخہ دیکھے ہیں، جن میں سے ایک خود میرے کتب خانے میں موجود ہے،
میرزا کے لطائف و ضرائف بہت مشہور ہیں، جس زمانے میں وہ کشمیر میں تھا، ایک
ن ظفر خان کے دربار میں اشعار پڑھ رہا تھا، اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صد ملند تھی،
اُن خیز نے حصہ کہا کہ یہ تمام مضمایں قدماء کے یہاں بندھوچکے ہیں موجودہ شاعر ذکا
کام رہ گیا ہے کہ صرف لفظوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں، صاحب نے برجستہ کہا، -

دُلش، جملہ مضمون ہے نگین بستہ اور ہست مضمون نہ بستہ شما

چونکہ اتفاقاً شعر حسب حال تھا ظفر خان بے اختیار نہیں پڑا اور میرزا کو انعام دیا
میرزا نے ایک غزل لکھی تھی جسکا مطلع تھا،

سر و من طرح نو اندختہ یعنی چہ جامہ رافاقتہ سا ختہ ہے یعنی چہ
ایک ولدی صاحب نے سننا تو فرمایا کہ روایت غلط ہے یعنی چہ غارب کا صيفہ
او رخا طلب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، میرزا کے سامنے کسی نے تذکرہ کیا، اُس نے کہ
شعر مراد بر سہ کہ بُردا،

ایک صاحب محمد امداد خلص بہ لائق جو نیویر کے رہنے والے تھے، غالباً لیکر کے ناز
میں لا ہوئی سوانح نگاری پر مامور تھے، آغاز شباب میں انکو شاعری کا شوق پیدا ہوا، پس
صاحب کی شہرت سنکرایاں کا قصہ کیا، اور جوش اعتماد میں جو نیوی سے اصفہان تک
پا پیا دے گئے، میرزا نے بھی انکے خلوص دار ادب کی ٹہری قدر کی، خود اپنے گھر میں جہاں
آتا رہا اور ہر طرح کی جہاں نوازی کی، ان کا بیان ہجھ کر میں نے بھی میرزا کو شعر کے لیے غور
و ذکر کرتے نہیں دیکھا، لیکن ایک دن خلاف عادت باغ کی روشنی پر متقدراً نہ مل سکتے
تھے، میں نے سبب پوچھا فرمایا کہ فردوسی کا مشہور شعر ہے،

بغمود تاریش رازین کنند دُغم اندر دِم نے زرین کنند
شفائی نے اس شعر کا جواب لکھا ہے،

بغمود تازین بابریش نہند چہ زین تیمسہ بالاۓ آتش نہند
یہ بھی سکا جواب لکھنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ جائز ہو تو میں اس کا م

بام دوں، تمام رات کی غور و فکر کے بعد صبح کو شعر لکھ کر میرزا کی خدمت ہیں پیش کیا،

بغمود تازین برآڈ ہم نہند ہ پشت صبا، مندِ جنم نہند

میرزا نے بہت تعریف کی، یہ واقعہ علام علی آزاد نے یہ بیضا میں خود لائے
پنپوری کی زبان سے نقل کیا ہے، لیکن قیاس میں نہیں آتا کہ صاحب شفافی کے شعرو
دوسری کے مقابلہ میں لائے، اور پھر خود جواب لکھنے کا ارادہ کرے،

ام پرست میرزا صاحب کا خاص اندیشیل ہے، تمثیل کا طریقہ پہلے بھی تھا، لیکن صائب
اس کثرت سے اسکو بردا کہ اسکی خاص چیزیں ہو گئی، اسکے علاوہ اور شعر، عام مضامیں
تمثیل سے کام لیتے تھے، صاحب نے اخلاقی معنایں کے لیے خاص کر دیا،

جابر جا خیال بندی، اور مضمون آفرینی بھی پائی جاتی ہے، اور خاص متأخرین کا اذنا
اگرچہ صاحب کے ہان وہ لطیف خیالات اور عشق و محبت کے اسرار نہیں پائے جاتے
عنی و نظیری کے ہان نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، تمام زبان کی فصاحت
یہ کی بندش، حاورات کا استعمال، ہاتھ سے نہیں جانے پاتا، بخلاف و متأخرین
جن کے کلام کو پڑھ کر زبان کی خوبیوں کی طرف مطلق ذہن متوجہ نہیں ہوتا،
اشعارِ ذیل ملاحظہ ہوں،

دگل از در الفصفاف در آئی درست جذب شوق، حریفیں خود کام تو نیست

در زیکر و درین باعث، اندام تو نیست زبان پاس غلط کردہ خود می دا زند

یعنی قمریون کو اپنی غلط ابادت کی تھی آن پری ہر درد نیک سخنی بھی تیرے قد و قامت کا ہے
 شب، کہ صحبت بحمدیش سرزاعن تو گذشت

یاد گار جگر سوختہ مجنون است
 دشمنست چمن را برفے آتشناک

عق زیف تو کردہ است گل بدمان پاک
 تو فکر نامہ خود کن کہ می پرستان را

لالہ چند کہ از دمین صحراء برخاست
 دلم بپا کی دامان غنچہ می لرزد

سیاہ نامہ نخواهد گذاشت گریه تاک
 چشم عاشق زماشک تو چون سیر شود

کہ بلسان، بہمہ سنتہ با غیان ہنا
 کر گذشت ستازین باری دیگر کامروں

ہر گنگہ سلسلہ جنبیانِ نگاہِ دگرست
 طوفان گل جوش بہارت پسینید

بغض رہ جی طپیڈ سیمہ صحراء کرم
 عالم بخبری طرفہ بستے بودہ است

انکوں کہ جہان بر سر کارست پسینید
 ہم این جاصلح کن باماچہ لازم

حیف صد حیفت کہ مادر خبر ارشدیم
 درین دو هفتہ کر چون گلن یعنی گلستانی

کہ در محشر زماش مر مندہ باشی
 تیز نیک دیدر دوزگار کار تو نیست

کشادہ روئے تراز راز ہائے مستان باش
 دروں فائۂ خود ہر گدا شنستاہ است

چو پشم آئینہ در خوب و رشت حیران باش
 میان نور و ظلمت عالمے دامن نئے دامن

قدم پون منا ز خد خویش سلطان باش
 این قدر کر تو نے چند شود شاد بس است

کہ شامم صحیح، یا صحیح امیدم، شامم می گرد
 صائب کے تمثیلیہ شعار چونکہ عام طور پر زبانو پرہیں ایسے ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں

ابو طالب کلیم

مک اشعا سے شاہ بھانی

یہ بیگانہ فن، صحیفہ شاعری کا اخیر درق ہوا اور اسی کی نام پر شعر ایم جم حصہ سوم، کاغذ
ہمان میں پیدا ہوا، لیکن کاشان میں زیادہ قیام رہا، آغاز جوانی میں شیراز جا کر
علوم درسیے کی تحصیل کی۔

جہاں گیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا، امر لے جہاں گیر میں شاہ نواز خا صفوی
ابن مرزار تم صفوی ایک شہرتو امیر تھا، عالمگیر اور مرز اشجاع اسکے داماد تھے بلکہ نے اول
امس کے دربار میں رسائی پیدا کی، لیکن شستہ بھری ہیں وطن کی یاد نے بچین کیا، ہنر مانے
کا ہندوستان وہ چیز تھی کہ کلیم گودن کو جاتا تھا، لیکن حسرتو نکا انباریے جاتا تھا، اسی حالت
میں غزل لکھی جسکے چند شعر یہ ہیں۔

زشو ق ہند زان سان چشم حضرت قیاد ام کرو ہم گر براد آرم نے بینم مقابل را
ہندوستان کی شق میں میری آنکھیں سطح پر شکی طرف لگی ہوئی ہیں کہانے کرنے پر نظر بھی ذات ہون تسلیت کا آدمی نہیں
اسیہ ہند م دزین رفتان یہجا پشیما نم کجا خواہ درساند پر فتنی مرغ بسل را
بیران میر دنال ان گلہم زشو ق ہنر ہان بپاے دیگران ہچون جرس ٹرکر دہ منزل را

لئے شاہ بھانی نام جلد شانی عفو ۳۵۲ ملے خزانہ عامرہ و مرو آزاد،

اس حالت کے ساتھ وطن میں کیا جی لگتا، دو برس بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ پھر
 ہندوستان واپس آیا، اب کی اسنے میر جملہ شہرتانی کا دمن پکڑا، میر جملہ کو جماں گیر نے
 دست خاص سے خط لکھ کر اصفہان سے بلا یا تھا چنانچہ ۱۷۲۷ء میں باریا ب ہوا، اور
 دو دنیم ہزاری کام نصب ملا، شاہ جہان کے زمانے میں پنجزاری تک پہنچا کلیم کی شاعری کا
 اگرچہ سکھ جوتا جاتا تھا، اسکے سر پرست بھی دربارشاہی میں خاص عہد رکھتے تھے، لیکن جماں گیر
 تک اسکی رسائی نہ سکی جیکی وجہ غالباً یہ تھی کہ دربار کا ملک اشاعت طالب آمی تھا اور اسکے سامنے
 کلیم کا فرع پانا ممکن نہ تھا، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی کہنے کے قابل ہو کر جس سال العینی ۱۷۲۸ء
 میں طالب آمی کو ملک اشاعت کا خطاب ملا ہوا، اسی سال کلیم ایران کو واپس گیا ہوا، اس سے
 بدگمان طبعتیں متوجہ بکال سکتی ہیں کہ کلیم کو رشک نے ہندوستان چھوٹنے پر مجبور کیا ہوا گا،
 کلیم کی ناکامیا بی کی ایک اور دجه یہ تھی کہ نور جہان سیکم اسکی شاعری کی مقصودت تھی
 اور اکثر اسکے اشعار پر حرف گیری کیا کرتی تھی، ایک فوکہ کلیم نے ایک شعر کہا اور خوب کیا ہوا
 کہ کہیں حرف سکھنے کی جگہ نہیں، شعر یہ تھا،

ز شرم آب شدم کا پا شکستی نیست ب محترم کہ عراوز گارچون شکست
 میں شرم سر پانی ہو گیا، حرمت ہو کر زمانہ مجکو کینہ نکر توڑ سکا، پانی توٹنے کی چیز نہیں،
 کلیم نے یہ شعر نور جہان سیکم کے پاس بھیجا، نور جہان فوارابول افہمی کہ دفعہ بست
 واپس شکست، یعنی پانی کو پہنچنے سخ بنادیا پھر توڑا،
 لہ خزانہ عامرہ، لہ مزار اذ تذکرہ طالب آمی ملے ملے مرآ انجیال بعض تنگروں میں دیاقو طالب آمی کی طرف منسوخ

علوم ہوتا ہو کہ کلیم نے دربار میں پوچھنے سے پہلے جا بجا خاک چھانی، شاہ جہان نام
میں لکھا ہو کر وہ دکن میں امارا بچرا، اس کی تصدیق اس سبھی ہوتی ہو کہ کلیم کا ایک قصیدہ
ابراهیم عادل شاہ کی سیخ میں بھی ہو ایک درقصیدہ سے معلوم ہوتا ہو کہ بیجا پوئی کے رادہ سے
چلا تھا کہ راہ میں جاسوسی کے شبهہ میں پڑا گیا اور قلعہ شاہ پر کیتین قید رکھا گیا،
چنانچہ کہتا ہے،

فلک قدر اپنے پرسی کے گردون	چرا آزُرد مارا بے محا با
چرا آزُرد بیما رغنم را	کہے آمد پدر گاہ میسا
بغرم سیر بیجا پوچشم	ہے با اختی چون دشت پیما
پنگاک را ہزار ان او فقادیم	چہ گویم تا چا کر دندبر ما
ہمہ اندر چجیس موشگا فان	ہمہ در گنج کاوے ذہن دانا
یکے گوید کم ڈز دانند باشد	بزندان چند گہ ز سبیر فربا
دگر گوید کہ جاسوس فلاں	ک از تفیش مأگشند بینا
یکے می گوید اینان را بکاوید	ک شاید نامہ گردد ہویدا
زبس تفیش از ہم می کشو دند	اگر در بار ما بودے معا
کنون در چنگا ایشان بتلامیم	نمی دانیم چارہ جز مدارا
زبر پاس، ہندوہاے با تنی	چو مو استادہ دایم بر سر ما
عجب دارم کہ با این منع جادہ	چان بے خواستا متابا بینجا

یہ قصیدہ شاہ نواز خان کے نام لکھا ہے اور اخیر میں لکھا ہو،

اشارت کن کر جوں اقبال گردیم بنا کب آستانت جبھ فرمایا

بہ حال رفتہ رفتہ شاہ بھمان کے دربار میں رسائی ہوئی، اور ملک الشعرا کا خطاب بل

شکنہ اسے میں جب شاہ بھمان نے کر در روپے کی لاگت سے تخت طاؤ سی طیار کرایا اور

آگرہ میں جشن نوروز کے دن اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو کلیم نے قصیدہ لکھا،

خمستہ مقدم نوروز دغرة شوال فشاندہ اندر چھ گھما عیش بر سرال

شاہ بھمان نے اسکے صلے میں روپے کے برابر تلوایا چنانچہ ۵۵۰ روپے وزن میں

اکے اور اسکو عنطا کیے،

کلیم شاہ بھمان کے ساتھ شیرگیا تو وہاں کی نگینی اور آب ہوا کی دلا دیزی کا

اس قدر شفیقتہ ہوا کہ دہن کا ہور ہا، با دشاد سے درخواست کی کہ محکومیں رہنے کی

اجازت دیجائے، میں یہاں بیکر اٹیمناں سے فتوحات شاہی نظم کر دیا، یہ درخواست

منظور ہوئی شستہ بھری میں جب شاہ بھمان بھر شیرگیا تو کلیم نے قصیدہ تہذیت لکھکر

پیش کیا اور خلعت اور دسو اشر فیان انعام میں پائیں، ششتم بھری میں دفات پائی

غنی نے سال تاریخ لکھا ع

طور معنی بود روشن از کلیم

عام حالات کلیم سجنیات اور شعر کے نہایت صاف نلیں ہیں، فیاض طبع تھا

معاصر اور لیفٹ شعرا کی عزت کرتا تھا اور گرم جوشی سے ملتا تھا، ہیز راصابد و میرقصوم

(ابن نیر حیدر رحمائی) سے خاص محبت تھی، چنانچہ میرزا صائب نے ایک غزل ہیں
اس کا ذکر کیا ہے،

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج کلیم دُگر کہ زاہل سخن هر بان یکٹ گراندہ
جالل آئیر کا بہت معتقد تھا، چنانچہ کہتا ہے،

میرزا کی باجلال الدین بست	از سخن سخان طلبگار سخن،
راستی طبعش ستاد من است	کچ ننم بر فرق دستار سخن
ملک قمی نے جب انتقال کیا تو کلیم نے قطعہ تاریخ لکھا جسکے چند شعر ہیں	
ملک آن بادشاہ ملک معنی	کرنا مش کر نقد سخن بود
چنان آفاق گیرا زملک معنی	که حملکش از قم تا دکن بود
بجتہ سال تاریخیں رایا م	بگفتا او سر اہل سخن بود

اکثر شعراء ایران باوجود اسکے کہ ہندوستان میں آ کر خاک سر آمان پر پونچے
لیکن ہندوستان کو گالیاں دیتے ہیں، بخلاف ان کے کلیم ہندوستان کا مذاہ
او راسانہ خوان ہے، ایک قصیدہ کی پوری تحریک ہندوستان کی من بھروسہ اس کا
ایک شعر ہے،

تو ان بخشش مگفتش بایں معنی	کہ ہر کہ رفت ازین بوستان پیمانہ شد
کلیم نہایت حاضر جواباً و مضمون یا ب تھا، قیصر و م نے شاہ جان کو خط لکھا	
لہ سرد آزاد تذکرہ میر معصوم،	لہ سرد آزاد تذکرہ جلال آئیر،

کہ آپ صرف ہندوستان کے بادشاہ ہیں، شاہ جہان کا لقب کیون اختیار کیا ہے؟
 شاہ جہان کو بھی خیال ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے، میں الدوّلہ سر کہا کہ کوئی اور خطاب اختیار کرنا
 چاہیے، کیم کو خبر ہوئی، اُسی وقت قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس میں لقب کی یہ توجیہ کی گئی۔
 ہندو جہان نے عدو ہر دوچون بھیست شہزاد خطاب شاہ جہانی مبرہن است
 یعنی ہندو اور جہان دو نون لفظ کے عدو ایک ہیں (۵۹) اسیلے شاہ جہان اور
 شاہ ہند دو نون کہہ سکتے ہیں،

خان جہان بودی نے جکا اصلی نام پیر تھا جب بناوت کی اور شکست کھا کر
 مقتول ہوا تو اُسکا اور اُس کے شرکیں بناوت دریا خان کا سر ایک ساتھ دربار میں آیا
 کیم نے برجستہ رباعی کہی۔

ایں مرد کہ فتح از پے ہم زیبا بود	ایں کیفت دو بالاچہ نشاط افزایا بود
اڑکشتن دریا سر پیرا ہم رفت	گویا سرراو جا ب این دریا بود

شاعری | کیم نے شاعری کی تمام صنفوں کو لیا ہے، قصائد کثرت ہیں کہ شنوں ان
 ہیں، غزل نکاد دیوان الگ ہر، شنوی مرت سے اپنے پا یہ سے گر جکی تھی کیم کی شنوں ان
 بھی کم تر تبہ بلکہ عامیا نہ ہیں، اتنی بات ہو کہ وہ نہایت چھوٹی چھوٹی چیزوں پر نظم لکھتا ہے
 داکتر شرعا کے نزدیک یہ بھی ابتدال میں داخل ہی، مثلاً انگوٹھی، قلدان کشتی، بندوق
 ملعکات، شعرا سرخوش، لیکن سرخوش نے درمیان جس طرح نقل کیا ہو دیوان میں نہیں اسلیے
 میں نے دیوان کے مطابق نقل کیا ہو،

غیرہ وغیرہ، سب کی شان میں قطعات اور ربا عیان لکھی ہیں،
 ایک دفعہ گرمی والے نکلے، اس پر ایک بڑا قطعہ لکھا، تپ آگئی، اس پر بھی
 فلم لکھدی، اسی جزوی داقعہ نگاری کا اثر ہز کہ اور ایرانیوں کے برخلاف ہندستان کے
 بہت سے پیشون، صنعتوں، بھولوں اور بچلوں کے نام لکھدی ہے ہیں جن کا نام بھی
 بان قلم پر لانا اور شعر اگناہ سمجھتے تھے، عرفی عمر بھر ہندوستان میں ہا، لیکن عمر بھر من میں
 یاں ہندی لفظاً جھکٹڑ زبان سے نکلا، وہ بھی اس طرح بدکر کہ گویا فارسی ہے، طالبہ می
 نے رام رنجی ایک شعر میں باندھ دیا، اسکو لوگوں نے تجھ سو دیکھا، لیکن کل پھر سیکڑوں
 ہندی الفاظاً بولتا چلا جاتا ہے، مثلاً

کہ جز خون خور دن زدنی یست حائل	من بر وعدہ <u>تبیولیا</u> ں دل
از ان بے پردہ محبو بی چکویم	ز حسن شستہ دھوی می <u>چسکیم</u>
چو گرد جمع نتو ان زندگانی	غدر حسن با جمل <u>بھانی</u>
شکیب عاشقان برباد داد د	ہتان را <u>چپوت</u> دشخزادہ
کہ آتش می زند در خر من عود	چ چنیہ شعلہ شمع سست بے دود
کہ وصف موسری را بز نگارم	ز موز دنا ن لظر دریوزہ دارم
شگفتہ چون رُخ یار سست دائم	گل گدھل ز نہیست موسم
دل طوبی ز شکان د نہیست	ہمال نہیش ز بس خوش نہیست
جو قابل ذکر واقعات اسکے زمانے میں پہنچ آئے، سب پرانے کچھ نہ کچھ لکھا ہے،	

عالیگیر شہزادگی کے زمانے میں جب اس کی عمر ۱۳ برس کی تھی، مست ہاتھی سر لڑا تھا، جس کی کیفیت یہ ہے کہ شاہ جہان ہاتھوں کی رُوانی کا تماشا دیکھ رہا تھا، شہزاد بھی لکھوڑ دن پر سوار تماشے میں صرف تھے، عالیگیر قریب سے دیکھنے کے لیے جوش شجاعت میں گھوٹے کر آگے بڑھائے جاتا تھا، ایک ہاتھی حریف کو چھوڑ کر عالیگیر بڑھکا، عالیگیر نے پیشانی کوتاک کر بچھا مارا ہاتھی نے غصہ میں آگر گھوٹے کو دانتوں میں بالیا، عالیگیر نے پڑا یا، لیکن جوست پشت اٹھکر ہاتھی پر حملہ آور ہوا، اور ہرا جس بھرمنگہ نے بڑھکر پڑ دی پر بچھے کے داریکے، ساتھ ہی مقابل کا ہاتھی آپسونچا، اور ہر ہاتھی بجاگ بخلا شاہ جہان نے عالیگیر کو گود میں لیکر پیار کیا اور اشرفیوں میں ٹلوکر اشرفتیان خیرات کیئے، کلیم بھی اس واقعہ میں موجود تھا، چنانچہ ایک قطعہ اور ایک ثنوی میں اس واقعہ کی پوری کیفیت لکھی، ثنوی یہ ہے،

بہانی گوش ارباب ہوش	لیکے قصہ دارم من دار گوش
حدیثے سراسر بیان و قوع	گوئیم بتو از زبان و قوع
نمدم من این نقل نشیده ام	من از دل شنیدم دل از دیده ام
اہنگی و اتعات لکھ کر کہتا ہے،	
دو یہا ز قضا آکن دو فیل میسیب	لیکے سوسے شہزادہ اوزنگن میسیب
بڑدی ز جا، ایک سرموند شد	زراہ چین میں ایک سو دشند

لہ شاہ جہان نامہ، واقعات الشہدہ بھری نا

نظر از رگ غیر لش باخته
 کیک نیزه برق سان تافته
 ز قدرت چنان زد پیشانیش
 دران کوه پیکر نهان شدنان
 ز خروم انداخت، پیچان مکند
 گرفت اسپ شهزاده بر فے سوار
 چودرا اسپ سامانِ جولان نمید
 همان دم که برخاک پار افسرد
 علم کرد شمشیر برو دوید
 درین سک اگر بوف افزاییاب
 در آغاز و اجام آن گیر دار
 ازان شیل چون بیدان جگر
 نظر کردہ شاه آفاق شد

خمامد اقصیدہ ہن حاجی محمد جان قدسی کا انداز ہے، یعنی عرفی اور نظری کی بیچدار
 در شکل بندین صاف کر دین، اور مبایغہ اور حسن تعیل کو دست دی، بلکن سکرت
 سیدہ کی متنانت، زور اور بندی کم ہو گئی اور غزلیت کا رنگ غالب آگیا،
 جس پیش کو رگ مضمون آفرینی کرتے ہیں، مکالم کے یہاں سکلی سقدربتات ہو کہ ہر قصیدہ
 یا مصنایں کا ایک نبارہ قصائد کی تہیہ اکثر اصلی داقعات کو شروع کرتا ہے، مثلًاً موسم کی

گرمی، اور سردی، یا سفر کی سختی پہاڑوں کی دشوارگزاری، لیکن خیالی صنومن آفرینیان
کر کے ایک ٹلسہم بنادیتا ہی، جسکو دفعیہ سمجھ علاقہ نہیں ہوتا، تاہم جستہ جستہ انھیں میں
ایسے شعر بھی کھل آتے ہیں جو شاعری کی جان ہیں، مثلاً ابر و بھار،

صحاب از تیر باران بھاری	بستان جملہ گلہما راشان کرد
بنو عَ آتش گل در گرفت سـت	که بلـل رفت و در آب آشـان کـرد

د گر بھار جـان را چـان گـلتـان کـرد	کـشـوق سـیر چـپـن سـر لـخـراـمان کـرد
بـنـقـوفـن دـاـرـتـیدـسـتـاـزـجـالـاتـ اـبـرـ	بـنـرـبـزـرـهـ زـینـ روـیـ خـوشـنـهـانـ کـوـ
دـنـازـکـیـ نـتوـانـ غـنـچـہـ رـاـزـ گـلـبـنـ چـیدـ	گـلـ حـبـابـ بـیـارـ دـکـسـےـ بـدـماـنـ کـردـ
نـاـذـکـیـ کـیـوـ جـہـنـ کـوـیـ شخصـ کـلـیـ کـوـزـنـیـنـ سـکـتاـ	جـسـ طـحـ جـابـکـاـ بـچـوـلـ آـنـ مـیـنـیـنـ بـیـجاـ
چـرـاغـ روـزـ بـگـوـبـےـ فـرـغـمـیـ باـشـدـ	بـہـبـیـنـ کـرـ لـالـ دـرـوـدـشتـ رـفـوـذـانـ کـردـ
یـنـ کـوـکـوـدـنـ کـےـ چـرـاغـ مـیـنـ رـہـنـیـ بـیـعـتـیـ	دـیـکـھـوـ لـاـنـےـ کـسـ طـحـ صـحـاـ کـوـ رـوـشـنـ کـرـدـیـاـہـرـ

اـگـرـ عـالـمـ بـالـاـنـوـیدـ رـحـمـتـ نـیـتـ	بـخـاـکـلـیـنـ ہـمـ بـارـانـ چـمـیـ نـبـرـیـقـامـ
سـرـوـ دـمـنـلـ مـسـتـانـ مـگـرـ دـمـیـ بـشـنـدـ	ہـنـادـہـ اـبـرـ بـہـرـخـانـ، سـیـسـہـ بـلـبـ بـامـ
شـلـگـوـفـ، پـسـرـہـنـ تـرـبـشـاخـ اـگـرـچـےـ فـکـنـدـ	نـدـیـ پـرـ توـ خـوـرـشـیدـ رـاـدـرـیـنـ یـاـمـ
سـرـدـیـ کـیـ کـشـدـتـ،	

ای چنگیل، معشوق در کنارست
 خود شید گز نقاپ دارست
 تسبیح خلاًق از شرارست
 محراب جهانیان بخاری است
 دل از دم سرد سنگ سارست
 چون آئینه بسته شد نفسها
 نخ بر سر کو چه بندی آمد
 گوئی تو، که پنجه اش زبرفلست
 پوشش بر تن اگر هزارست
 مرغابی همچو نقش ابرے
 بر کا غذ تخم ہیک قرارست
 ماہی در سخ میان جدول
 چون موج به تخته چنارست
 اس زمانے میں قصائد کا کمال صرف مبالغہ، تشبیه، حسن تعلیل و زیارات شعری پر
 محدود تھا اور اس میں شہم نہیں کہ یاد صفات گلیم کے قصیدوں میں بنا یافت افراد، اور نہایت
 دوست کے ساتھ پائے جاتے ہیں اسکے یہاں ترکیبیں کا سلحفاؤ، رد مزہ کی صفائی
 محادرات کی جربتگی، شستگی اور روانی بھی اس حد تک ہو کہ اسکے ہم عصر میں نہیں
 ہے، طالب آملی سے وہ جدت استعارات اور شوخی میں کم ہے، لیکن یاد صفات میں
 اس سے بہت آگے ہی بعض بعض قصیدوں کے مسلسل اشعار ہم اس موقع پر نقل
 کرتے ہیں، جس سے اسکا اندازہ ہو گا،
 فلک ز سدرہ رضوان ر شاخ طوبی داد
 درستان جلاش عصای دربان را
 سحاب ہر چہ بدریا فشا ند بیجا داد
 لف سخا ش غلط بخش نیست ہمچو سحاب
 چ ر بازگشت خبر ز آشیان عنقا داد
 فراش سنجیر گیری مالک رفت

پتیر امرش حکم نفاذ داد آن کس
که دلبری بجهان ابرو ان رعنادار
نود خاک درس را که تو تیا اینست
خدا نخست بہر کس که پشم بینا داد
چو خسروان که اسیر غنیم باز دهنده
کفت عطا شش گهر را دگر بد ریا داد
یعنی جس طرح با دشنه، دشمن کے قیدیوں کو داپس کر دستیتی هیں، محمد حنفی دیکو داپس کر دستیتی هیں

گردون نشاط کر کے از سرخان گرفت
کانگشت کو اکبیش، از سرتوان گرفت
آستان اس قدر طفلانه خوشی میں صروف ہے کہ چاہیں تو اس کے انتہا سے ستاروں کے چھلے
اُستار لین اور اسکو خبر نہو،

از شیشه، استفا صنه الوارحی کند
اکنون ہجوم کام بود مانع وصال
اب مقصد کا ہجوم ہی وصال کا مانع ہے
زین سان کر روزگار جو اندر خوش او است
این رو سے تازہ کہ جهان را نمودرو
در حیثیت مصنایین ہزاروں دفعہ پا مال ہو چکے ہیں ایلے کسی شاعر کی زور طبع اور جد
آفرینی کا اندازہ کرنا ہو تو خاص ان موقعوں کو پیش نظر کھانا چاہیے کلیم اگرچہ بمحض سے بختیا
یعنی طبیعت کا اصلی زور بہار وغیرہ کی تمدید میں صرف کردیتا ہے تاہم اسکی جدت آفرینیاں

استعجماب کے قابل ہیں،

بعد شر آپنے ناں درخواست سن رہت
 کہ با یہ پا بانے پا بان را
 اسکے زمانہ میں لوگ اس قدر چین سے پتے سوتے ہیں کہ غزوہ پا بان کیلئے ایک بان در کارہ
بلکش راہ زن مانند جادہ
 بنزل می رساند کار و ان را
 اس کی سلطنت میں خود را ہزن، راستہ کی طرح قافلہ کو منزل تک پہنچا دیتا ہے
 بعد عدل اوپس ستاند
 چمن از خاک زرہائے خزان را
 کفش پرداخت کا ان گوہرو در
 فلاک بر جید آخراں دکان را
 درون شنیش افلاؤک بیند
 بسان می، فضائے آسمان را
 زحر فحست شانش قلمبند جو لزد
 بہ احتیاط، قدم می خند در گھسار
 نگیر د آئینہ آفتاب را زنگار
 سخن بگفت اول بہ نزد فطرت او
 بروز گارش، نار آتی ارتقا دہست
 گناہ عالمیان گرہنہ صد اگرد
 غزل **کلیم کا اصلی کمال** غزل گئی ہے، غزل میں اسکے پیش، دون نے خاص خاصنات پیش
 کی تھیں مثلاً، عرنی نے فلسفہ نظری نے تغزیل طالب آمی نے شوخی ہتھارات
 وخشی اور میلی نے معاملہ بندی کلیم کے ہاں گر تغزیل کے سوا اور سب کچھ ہیکل کا خام
 رنگ منہموں بندی اور خیال آفرینی ہو، مشالیہ جو صائیں کا خاص نہاد ہو، اسکی ابتدا بھی
 کلیم ہی نے کی، فلسفہ میں وہ بہت قیق باتیں پیدا نہیں کرتا، لیکن اس عنوان پر اُس نے جو کچھ لکھا ہے،

جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ فسقہ ہو جائے گا غزل میں اسکے خصوصیات کو تم آگے لے
عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ضمون آفرینی اور خیال بندی [جس چیز کو لوگ مضمون آفرینی کہتے ہیں اسکی تخلیل کیجائے تو وہ
یا کوئی نیا استعارہ یا تشبیہ ہوتی ہو، یا کوئی انوکھا مبالغہ ہوتا ہو، یا کوئی شاعرانہ دعویٰ ہوتا ہو
جود صلح صحیح نہیں ہوتا، لیکن شاعر اس کا مدعی ہوتا ہو اور شاعرانہ استدلال سُرثابت کرتا ہے
اُسی کو حسن تعییل بھی کہتے ہیں یہ سب باتیں کلیم کے ہان نہایت اعلیٰ درج پر پائی جاتی ہیں مثلاً
بسلکہ زدیدہ ریتم خون ل خواب را گری گرفت درخوا پنجہ آفتاب را
یہ نے اسقد خون آنکھوں سو بھایا کہ میرے آنسوؤں نے آفتاب کے پنجہ میں نہمدی لگادی
میں ہم در زیر پل فکر کر سی از سپھر تابعف می آدم یک معنی برجستہ ما
فکر کے پاؤں کے یونچے آسمان کی کرسی رکھ لیتا ہوں تسبیک بر جستہ مضمون ہاتھ میں آتا ہو
پھر ڈول فرض آپناں بست د عالم کسی لاب بھاری سری ہزار بُجورا
آسمان نے فیض کا دروازہ اٹھا بند کر دیا ہو، کہ بھار کا سیا بُش نہ کے لپک بھی تر نہیں کر سکتا،
حدیث بحر فراموش شد کہ دور از تو زبس گریتہ ام، آب برد در یارا
لوگ دریا کی کھانی بھول گئے اس لیے کہ میں اس قدر رویا کہ دریا کو پانی بھائے گیا،
شعلہ برمی نوہ ستان بیطا قتی و می من چنیدم ز جاتا جا بہ گلخن د مشتم
شعلہ بے صبری کی وجہ سے اٹھا اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، لیکن میں جب تک آگ میں رہا ذرا
جنہش نہیں کی،

خون مج اردو بکی کر دی سوز تپ بھر
 آن قد نیست کریک آب در آب دہ
 شراب کہندی نو شم پنجم او جو بشیخنم
 بن تا نوبت آئید دختر نہ پیری می گرد
 زان بر ق حسن کافش ہر گوشنہ گیر شد
 آتش در آشیائے عنقا گرفتہ است
 یک هر بم درین شب ایک نجود
 چون آفتاب است بدیواری کشم
 اس شب ایک مین بچو کوئی رہنا نہیں ملا، آفتاب کی طرح میں دیوار پکڑ کر چلتا ہوں،
 مثالیہ مثالیہ مضا میں پلے بھی خال خال پائے جاتے تھے امیر خسر و کامشہور قصیدہ، مرتا پا
 اسی صنعت میں ہیں لیکن کلیم میرزا صائب و غنی نے گویا اسکو ایک خاص فن بنادیا ہے کہ
 یہ تینوں شاعر کشمیر میں مد تک ساختہ ہدم و ہم قلم سہے تھے اور باہم شاعرے رہتے تھے،
 اس لیے قیاس یہ ہر کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جو لانگاہ بنادیا، علی قلی سعید بھی مثلاً
 میں کمال رکھتا ہوا اور اسکی بھی وجہ شاید یہی ہو کہ سعید بھی یہیں کشمیر میں مروف ہیں،
 بحال کلیم نے اس صنف کو بہت ترقی دی، اسکے اکثر دعے فی نفسہ صحیح ہوتے
 ہیں لیکن استلال شاعرانہ ہوتا ہیں بعض جگہ دعوے اور دلیل دونوں خیالی ہوتے ہیں
 اور دہان شاعرانہ تھیل نیادہ پائی جاتی ہے مثلاً،

چو شمع یک سخن گذر و بربازان ما	مجوز سوز عشق نیست لسر بیان ما
چون خس تمام شو شعلہ ہم ز پا افتدر	مرا مسوکہ نازت زکریا افتدر
مجکونہ جلا و در نہ تھا راغور بھی جاتا رہ گیا۔ جب خس جل چکتا ہے تو شعلہ بھی بچھ جاتا ہو	ردن لائن خوشابد شاہان نگفتہ اندر
آئینہ عیب پوش سکندر نہی شود	

مدعی گر طرف انشود، صرف او است
زشت آن ہے کہ آئینہ بابر نشود
و شمن گر ہا را مقابلہ نہ کرے تو اس میں اسی کافایت نہ ہے، بد صورت سکتے تھی میں یہی بہتر کہ
آئینہ کے سامنے نہ آئے ہے

مقبول روز گلزار نگاشتیم و انیم
ما را کہ بر زندان شسته، پول بزرگین زند
در محض کہ تازہ در آمدی گرفتہ باش
اوہل ہے باش، غنچہ گرد بہبین زند
در روز رنگارہ یوم از راستی نشان نیست
صحیح کہ صادق آمد و شیر آب ارد
رمائیں پچائی کمین نہیں پائی جاتی، صح صادق کہتے ہیں، لیکن وہ بھی دو دو
میں پانی ملا تا ہجہ، صح کی روشنی کو پانی سے تشبیہ دی جو
قطع امید کر دہ، سخوا پو فیم و ہر
شانخ بر یده رانظر بر بنا نیت
روز لان جا ب صفت ییدہ بستہ نہ
روشن لان جا ب صفت ییدہ بستہ نہ
ر دزگا راند رکمین بخش ماست
ر دز دالیم در پی خوا بیدہ است
پا مال حداد شا نتو انم که نبا شنم
چون نقش قدم، خانہ من بہر را ها
دار دا گر صفائی دل ز شراب ارد
دل میں صفائی آتی ہے تو شراب سے آتی ہے، خیشہ میں جب پانی ہوتا ہے تو زیادہ چکنکا ہو
صبر گو ادا کندہ ہر چہ ترانا خوش است
ساعتے اذکفہ بنہ آب گل آلو د را
ما گوارچیزی سمجھ کرنے کو ادا ہو جاتی ہو، پانی گرد آلو د ہو تو زد اٹھر جا کو گرفتیجے پیٹھ جائے گی

لہ گرفتہ یعنی اپنے آپ کیلے ہوے جس سے بظاہر مز کھائی محسوس ہو،

خفته گر در خواب حرفی گفت ازان آن گاه فیست
 شمع را فانوس پندر د که بہمان کرد هاست
 گدایک لحظه بے نام خلائق است
 رشته را پس نموده آن که گرمی گیرد
 پا بدش را بهتر دایم منزل میروم
 ہمکو سلااب کے خس و خاشاک کی طرح گم ہی کا ذہنسن، اس یئے کہ ہم خود بہمان کے کندھ پر
 سوار ہو کر سفر کرتے ہیں؛ یہ ظاہر ہے کہ خسن خاشاک کا رہنمای سلااب ہی ہوا خس و خاشاک
 سلااب ہی کے کاندھ پر سوار ہیں،
 نام دشان ز عشق لپیز ہوں نامند
 از خاک برگرفته دلوان چونے سوار
 از ہنر، حال خرام نشد صلاح پذیر
 پسزاد علم نے میری حالت کی صلاح نہ کی، جس طرح دیرانہ کہ خزانہ نے اس کو آباد کیا،
 اقیم دل ہر زور مسخر نمی شود
 چرخ از بھر تو در کار بود حرص تو پیست
 سفلہ ز قرب بزرگان بخند کشیف
 دست ہر کرسی ایمان بمحبوبیم پسود
 یعنی کس نکشود آخر عقدہ کا رمرا

لکھ پس دادنی و اپس دینا، لکھ یعنی جس کو زمانہ نے بلند کیا ہو،

با من آمیزش او الفت بوج سست دکنار
 چو هاست قدست دست دل تو انگر نیست
 وضع زمانه قابل دیدن دوباره نیست
 بخفرم احتیاج بخیرت گراین هست مگاهی
 نه هر که صدر شین شد عزیز شد که غبار
 داصل ز حرف چون چراسته است لب
 شیطان چمتع برداز اهل تجسرد
 تمام نسل بزرگان اگر نکو باشدند
 گر قسمت قانونی بیش و کم دنیا یکی است
 پست فطرت ہوس گوشہ عزلت نکند
 ا مرود چسرا غ اهل فقرم
 خاکساران بیشتر از فیض قسمت می برند
 چشم از جهان به بتم نور دلم فرود
 اکثر لوگوں کے نزدیک اشعاری صرف وقت تخييل کا نام ہے، اور اگر یہ صحیح ہے تو کلیم
 ہمہ تن شاعری ہے، اس کا ہر شعر وقت تخييل کا ایک منظر ہے، شاعر کو تمام عالم اور عالم کے تمام
 واقعات وقت تخييل کی وجہ سے ایک اور ہی صورت یعنی نظر آتے ہیں، مثلًا ہو کے زوستے
 لہ یعنی جو شخص مارچ مرفت ملک کے منزل تک پہنچ گیا ہو لہ یہاں گرفتن کے معنی بند کرنیکے ہیں

بول کا ایک پتہ ٹھنپ سے نوٹ کر پانی میں گز پڑا۔ یہ ایک معقولی واقعہ ہے لیکن شایع کوت تھیں
ہے نظر آتا ہز کہ یہ بھار کے حُسن کا دفتر ہے اور جو نکلے معمشوق کے حُسن کے سامنے اسکی قدر
میں ہو سکتی اس لیے بھار نے اس دفتر کو پانی سے دھوڈالنا چاہا ہے،
میر حُسن بھارت کو در عمدہ تو نہ سست برگ گل نیت کا زباد، در آب قادہ است
کلیم کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہز کہ مناظر عالم کی ایک ایک چیز پر اسکی نظر
تی رہتی ہے اور قوت تھیں سے یہ چیز میں اسکے سامنے نہ نہ نگ میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہیں
وہ اندھیری راتوں میں گھبرا تا ہے اور اس کو نظر آتا ہے کہ ستاروں کے چراغ
ن رو غن نہیں رہا،

نداز میں تاریکی بہما بخود خوش کن کلیم شکوہ کم کم درج اغ اختران رو غن نامد
حکما کہتے ہیں کہ عالم کا آغاز اور انجام معلوم نہیں کلیم کی نظر میں قوت تھیں سے عالم
ب پرانی کتاب بن کر نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اول آخے کے
رق گر گئے ہیں،

ماز آغاز و ز انجام جان بخیرم اول و آخر میں کہنے کتاب نقادہ است
محتب کی دار و گیر نے میخانے بر باد کر دیے، لیکن کلیم یہ کہتا ہز کہ معمشوق کی نکھن
یکدہ ہیں اور اسکی مستی کے آگے شراب کی قد نہیں اس لیے کوئی شخص میخانوں
ح طرف گرخ نہیں کرتا اور وہاں خاک اٹرنے لگی، اس کے نزدیک محبوب کی کارگزاری
ہیں، بلکہ محبوب معمشوق کی آنکھ کا نمنون ہے،

شکر چشم تو کند، محتسب شہر کرد ہر کجا میکدہ تھا خراب اُقتادہ است
 بمارین ہر شخص چاہتا ہے کہ سب سے پہلے پوچھ کر جو پر قبضہ کرے کلیم کی دعوت
 تھیں دیکھو وہ بزرہ سے بھی پہلے، اب جو پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،
 درہاران جانی افتد بدت کس باغ پیشتر از بزرہ می با یہ کنا رجو گرفت
 بمارین کسی کو مجھے باغ میں نہیں ملتی، اس لیے بزرہ سے بھی پہلے کر جو پر قبضہ کر لیتا چاہے
 صح کے وقت کلیون کی شلگفتگی ہر شخص کا لطف دیتی ہے، لیکن دیکھو کلیم س کو
 کس نظر سے دیکھتا ہے،

شیر یعنی تمسم ہر غنچہ را مپرس در شیر صح، خندہ گل ہاشکر گذاشت
 کلیون کی خیریتی عبسم کا لطف نہ پوچھو، پھون کی ہنسی نے صح کے دودھ میں شکر گھول دی
 سب لوگ کہتے آئے ہیں کہ آسان قابل آدمیوں کا دشمن ہو کلیم کو اس پر تعجب
 ہوتا ہو کہ آسان کو قابل اور ناقابل کی تولیز، ہی نہیں، قابل آدمیوں کو بچاتا کیونکہ ہی
 کہ خاص اُنہی کو ستاتا ہی،

حیرتے دارم کہ گرد وون چوبدنایاں بدت اُد کہ نتواند میان نیک و بد تیز کرد
 آگ کی نواکشاد پھی ہو ہو کر کم ہو جاتی ہو کلیم کو نظر آتا ہو کہ شعلہ میں ضبط کی طاقت
 نہیں اس لیے بیقاری کی وجہ سے اٹھا اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں پنیر سکون
 اور استقلال پر فخر کرتا ہے،
 شعلہ بر می خواست ازبے طاقتی و نیشت من نہ جنسیدم ز جاتا جا ہ گلخن داشتم

مرکر کوئی زندہ نہیں ہوتا، کلیم کو اس سے خیال پیدا نہ ہے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ
کوئی شخص دوبارہ اسکے دیکھنے کی طرف رخ نہیں کرتا،

وضع زمانہ قابل نیدن دوبارہ نہیں تھا۔ رُوس نہ کرد، ہر کہ ازین خالکان گذشت
روہ نور دی میں پاؤں میں چھائے پڑ گئے ہیں، انھیں میں کانٹے بھی چھجھتے
جاتے ہیں کلیم سمجھتا ہے کہ یہ انگلیاں ہیں۔ اور راستہ، ان انگلیوں سے میرے
چھالوں کا حساب لے رہا ہے،

دارم رہے پہیں کو انگشت خاربا۔ از من حساب آپر پا گر فتہ است
کلیم اُن مضامیں میں جو مدنوں سے جوانگاہ خیال ہیں ایسے نکتے پیدا کرتا ہے
جن کی طرف کسی کا خیال نہیں کیا،

مثلایہ عام اعتقد ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیرستہ ہوتا ہو، کلیم کہتا ہے،
این قدر فرق میان خطایک کا تبیت سرزنشت ہے مگر از قلم تقدیرست
اگر بکی سرزنشت تقدیر ہی نے لکھی ہے تو ایک کاتب کے خط میں اس قدر فرق کیون ہو کہ
ہر شخص کی تقدیر الگ الگ ہو،

جنوں اور صحراء نور دی کا مضمون سب بازدھتے آتے ہیں کلیم باوجود ادعائے
جنوں کے صحراء نور دی اختیار نہیں کرتا اور اس سے جنوں کا زیادہ زور ثابت کرتا ہے،

اگر بادی گردی ملی روم، چہرے عجب جنوں میں نہ شناشد ز شهر صحراء را
میں اگر صحراء میں نہیں جاتا تو تعجب کیا ہو، میں اگر صحراء میں نہیں کر سکتا

اس میں صحرانور دلن پر چوتھی ہو کر کوپرا جنون ہوتا تو نکو شہزاد رصحرا کی تیز
کیونکر ہوتی کہ جب بھاگتے تو صحراء کی طرف بجاگتے،
عنقا کا تجہد اور ترک تعلقات عام مضمون ہو کلیم کے تجہذ کونا تمام سمجھتا ہے،
درکش ما تجہد عنقا تسامیت در فکر نام ماند، اگر از نشان گذشت
زمان کے انقلاب پسندی کے سب مدعی ہیں، کلیم کو اس پر تعجب ہے کہ پھر
میری حالت کیوں نہیں بدلتی،

زانقلاب سپرد درد، عجیب ارم کہ بیقراری مارا بیک قرار گذاشت
باغبان اور کچین ہمیشہ پھول توڑتے ہیں، کلیم کلیوں کا توڑنا ثابت کرتا ہے
اور اس کی کس قدر عمدہ توجیہ کرتا ہے،

در گلستان، بہ یاد دہانِ تو غنچہ را اسال باغبان ہمہ نشکفتہ چیدہ بود
باغبان کو تیراد ہن یاد آیا تو اس نے ابکی سال تمام پھول بن کھلے توڑیے
محسنِ خلاق کی طبی دلیل، لوگوں کے زدیک قبول عام ہو، یعنی جب دمی کے
اخلاق عمدہ ہوتے ہیں جب ہی قبول عام ہوتا ہو، کلیم کہتا ہے نہیں بلکہ نفاق سریا در جه حاصل
ہوتا ہو کوئی نکاظہ برداری کے بغیر حسن قبول نہیں حاصل ہو سکتا، اور ظاہر بری و حقیقت نفاق ہوئی
پسند خاطر کیک تن نیم چہ چارہ کنم کہ بے نفاق ہیک دل غمی تو ان جا کرو
جو لوگ بیقاد عمدہ کام کرتے ہیں اُنکی بے قاعدگی اس قدر پختہ ہوتی ہے کہ کبھی
سبھول کر بھی کوئی کام باقاد عمدہ نہیں کرتے، کلیم اس سنتیج پر میکرتا ہو کر وہ بیقاد عمدہ نہیں کہونکہ

ان کی بے قاعدگی باقاعدہ ہے، اس خیال کو ایک شاعر ان پر ایہ مین دا کرتا ہے،
 گلے، بے غلط ہم سوے مقصود نہ رفتیرم گویا رہ آوار گیم، راہ بہرے داشت
 ہم بھول کر بھی کجھی مقصد کی طرف ایک قدم نہیں گئے معلوم ہوتا ہے کہ آوارگی کے استثنی تھے کوئی تھے
 زاہد کی صدد ان تسبیح پر شعراً اعتراض کیا کرتے ہیں، لیکن کلیم اس کی ضرورت
 ثابت کرتا ہے،

دائیں بسیار در کارست، بہر صید خلق حق بدرست زاہدست اس سمجھ راصدزاد ساخت
 راہ طلب میں منزل مقصود کے رخ پر چلا جانا اور ادھر اُو ادھر مڑکرنے دیکھنا تحسن خیال
 کیا جاتا ہے لیکن کلیم کہتا ہے،

طلب شاہد مقصود زہر و شرط است ہر قدم در رہوا، رو تلقفا با پید کرد
 شاہد مقصود کو ہر رخ سے ڈھونڈنا ضروری ہے اسی سے اس راہ میں ہر قدم پر مڑ کر بھی دیکھنا چلتا ہے،
 اس زمانہ میں اگرچہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کا استیلانہ زبان و محاورہ بندی
 روزمرہ اور
 محاورہ کی طرف سے شعر اکو غافل کر دیا تھا، چنانچہ ناصر علی، غنی، بیدل، اسی چکر میں پر کر لطف
 زبان سے بیگانہ ہو گئے، لیکن کلیم با وجود انتہا درجہ کی نازک خیالی کے یہ سر شستہ ہاتھ
 سے نہیں چھوڑتا وہ ہمیشہ نئے مضمون میں پیدا کرنے کی فکر میں مصروف رہتا ہے لیکن نہیں
 بھولتا کہ وہ ایرانی ہے، ہندی نہیں، اسی سے رذمہ کے علاوہ، اکثر ٹھیک محاورے بتاتا ہے
 جن کو عام آدمی فرہنگ کے بغیر سمجھ لئی نہیں سکتے، مثلاً

باعارض تو چھرہ شدن حد شمع نیست چہو شدن مقابل نہیں، مذیت یعنی مجال نہیں،

گریان نبزم رفت و سرخویشتن گرفت
 از دلستان برو ده هر که سبق روش کرد
 ع، دشمن خود را چرا کس این تدریپ بلو دهد
 رونخواهیم ساخت هر صورت که خواهد برو دهد
 امید پرسات چه نمک اشت اے کلیم
 این شربت کم ببرد بیا رن باشد
 که کاه هم طرف که ربانی گیرد
 طرف کسے گرفتن، اس کی جانب داری گزنا،
 پشم روشنی، مبارک باد،
 روزه واکردن، روزه کھولنا،
 دام واپس ادن، قرضه ادا کر دینا،
 مالیدن، پچھاڑنا،
 پشت درود شتن سخن، بینه
 دوسرخی بات،
 چشم تو روئی دعا کے موقع پر تھمال کرتے ہیں،
 اب ہم کلیم کی دو تین غزلیں پوری پوری اس موقع پر درج کرتے ہیں جس سے
 اندازہ ہو گا کہ اسکا اکثر کلام یا نست اور ہمارہ ہوتا ہے، اسکے ساتھ اسکے عام طف بند

که کاه هم طرف که ربانی گیرد
 ع، پشم روشنی داغمای کھنہ روم
 ع، شام خود شد روزه امید رادی کنم
 چون جباب ردام، سی لیس دہم خندل شوم
 عجب پیرے کہ می مالد جوان را
 یک زبانم من دنی گویم سخن را ک
 پشت درود ارد،
 پیالہ چشم تو روشن کے با ده پیدا شد

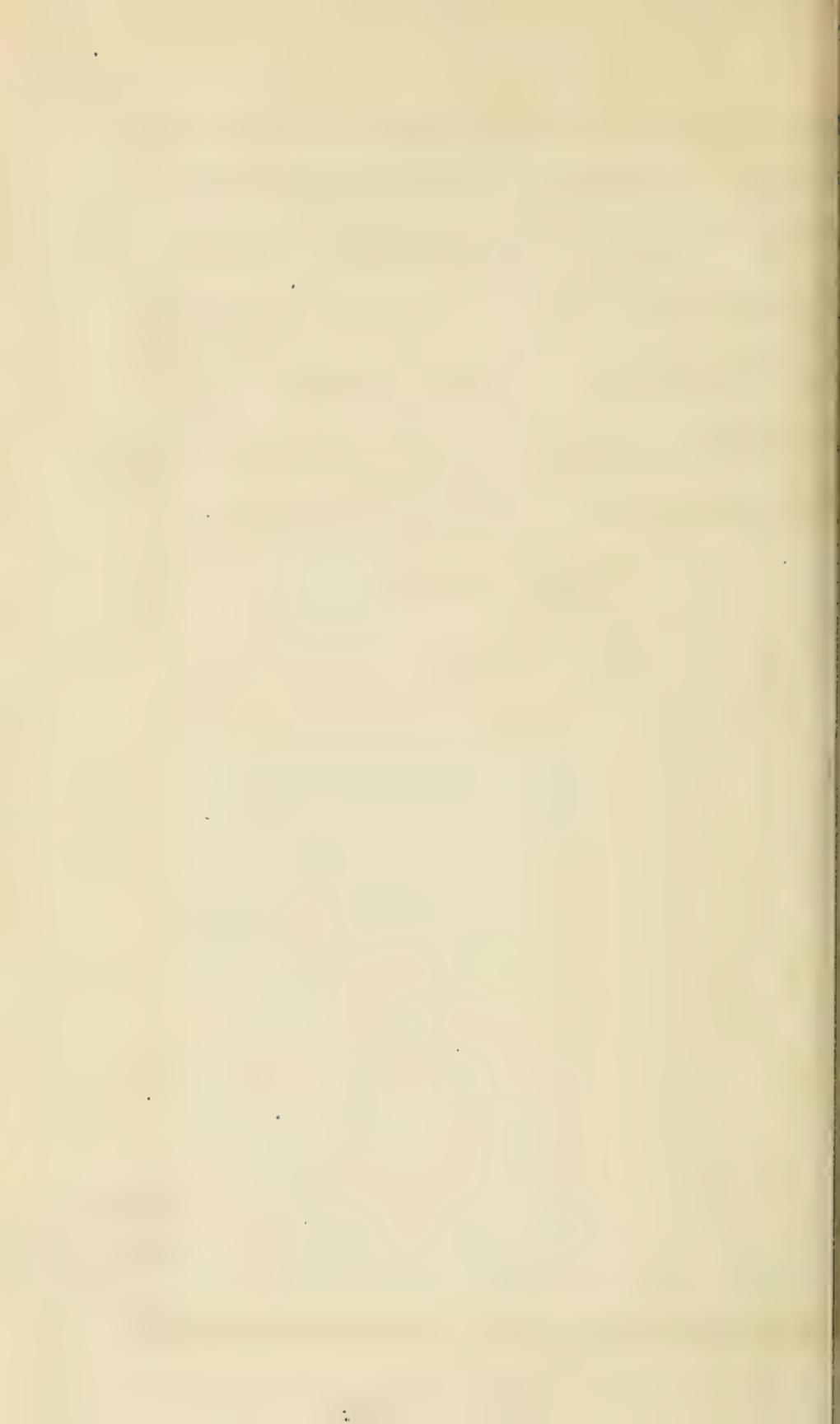
اب ہم کلیم کی دو تین غزلیں پوری پوری اس موقع پر درج کرتے ہیں جس سے
 اندازہ ہو گا کہ اسکا اکثر کلام یا نست اور ہمارہ ہوتا ہے، اسکے ساتھ اسکے عام طف بند

جدت ادوا در خوبی زبان کا اندازہ ہوگا،

پیری رسید، وستی طبع جوان گذشت	ضعفِ تن از تھلیلِ طلگران گذشت
وضع زمان، قابلِ یاد دوباره نیست	روپس نکرد، هر کہ ازین کدان گذشت
از دستِ بُرُدِ حُسنِ تو بر شکر بہار	یک نیزه خونِ گل، زسرِ غوان گذشت
طبع بہم رسان کے سازی بعاۓ	یا ہبته کے سرِ عالم، تو ان گذشت
در کشش ما تجربہ دُعْنقاۓ مام نیست	در فکرِ نام ماند اگر از نشان گذشت
بے دیدہ راه اگر نتوان رفت، پس چڑا	چشم از جہان چوستی از دمی آن گذشت
بدنا می حیات، دور دزی نبود بیش	ان ہم کلیم با تو گوییم، چسان گذشت
یک روز، صرف بستق مل شد پین آن	روزخنے دگر، پکندن ل زین آن گذشت

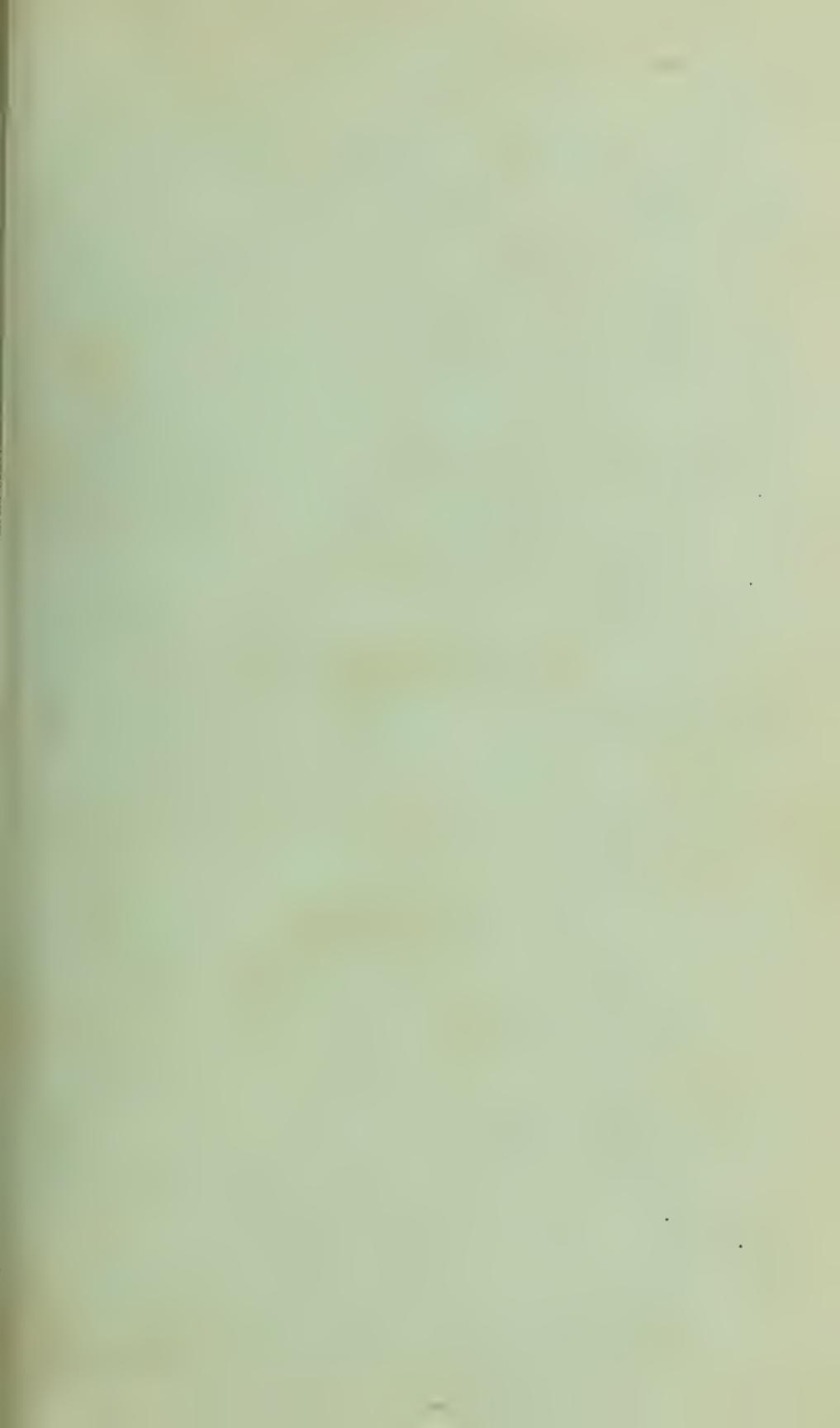
نہ بین می مذاں نوگل خنلان من	می کشد خار، درین بادیہ ایان از من
با من آ دریش او، الفت موج نکار	دمبدم با من و ہر خطگز زینان از من
گچچ مورم فی آن حوصلہ با خود ام	ک پختیم بودار ملک سیلان از من
ہ تکلم، سخوشی اپشارت، ہ نگاہ	می تو ان بر دہشیوہ ایان از من
قری، ریختہ بالم، ہ پناو کہ روم؟	تاپ کے سرخی اے سر خیان از من
نیست پرہیز من از زید ک خالکم بسر	ترسم آلو ده شنو، دمن عصیان از من
اشک بیٹو وہ مر زین ہم زدید کلیم	گرد غم رانتوان شست طوفان از من

از ثبات عشق، دایم پا بد امن داشتم
 شعلم بر می خاست از هیطا قتی و می نشد
 که بہرنا محترم، چاک گجر خواهم نمود
 هنچ گه، ذوق طلب از جستجو بازم نداشت
 روشنی از زرم من در لوزه می کرد آفتاب
 پنج ماہی غیر داغم، پوشش دیگر نبود
 داغ راجز بر کنار زخم نهادم کلیم
 دیده را بر رخته دیوار گلشن داشتم









جلد چہارم

لشیعہ ۱۳۴۵ھ

اس جو حصہ میں پہلے کے ساتھ تباہیا ہو کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن اور دیگر سباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، اور کیا کیا تغیرات پیدا کیے، اسکے ساتھ ہر دو کے خصوصیات کی ترجیح اور شاعری کے تمام انواع پر مفصل تقریب اور تعریف ہے۔

مؤلفہ

مولانا بی نعیم احمد رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام مولوی سودھی نبی

مخطوطہ معارف بریس اعظم کردہ

تیرکانہ پریس ۱۹۲۳ء علی نبود
طبع دوم

کتبخانہ مصنفوں عظام گلدار

علامہ شبی نعماں

مضامین عالمگیر، شدناہ اور نگز زب عالمگیر پا غیر رضا

اور اون کے جوابات، عہر، عمر، ار ۱۲

رسائل شبی، مولانا کے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہر

الفاروق، حضرت فاروق غلام کی لائٹ و بڑی حکومت، سے

مجموعہ کلام شبی، اردو، ار ۱۳

شذوی صحیح امید، اردو، ار ۱۴

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورہ تحریم، بعدی طرز پر عربی میں زرآن حمید کی تفسیر اور

تفسیر سورہ قیامہ، ار ۱۵

تفسیر سورہ لشمس، ار ۱۶

تفسیر سورہ الکفرون، ار ۱۷

تفسیر سورہ والاعصر، ار ۱۸

الرأی اصحیح فی من ہو الذبح، عربی میں حضرت امیل

کے ذبح ہونے پر ایک مدل اور پر زور رسالہ، ار ۱۹

اسباب النحو، سهل طرز پر عربی گرامر، اردو، ار ۲۰

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ار ۲۱

الاستقاؤ علی التمدان الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن

کا ترجمہ، ار ۲۲

تحفة الاعراب، عربی کی خو جدید اردو تقطیم، ار ۲۳

دواں ان لفیض، بند، مستان کے مایہ ناز اسٹاد ادب

سیرہ ابنی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع خرد سے للعمر،

الیضا حصہ دوم طبع اول تقطیع کلان عتم سحر

الفاروق، حضرت فاروق غلام کی لائٹ و بڑی حکومت، سے

الغزالی، امام غزالی کی سو نظری اور اپنی نفسہ، عہر

سیرہ النہمان، امام عظیم کے حالات و راذنی نقیر پتھرہ عہر

الماامون، خلیفہ امون رشید کے حالات اور اپنی سلطنت

دریا در علی کارناموں کی تفصیل، عہر

التعجبیم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی عربی

کا آغاز اور قدما کا درود، صفحہ ۵۸۷،

الیضا حصہ دوم، خواجہ فرید الدین عطاء سے حافظ اور

بن میں اک صفحات، ۲۳۰، عہر

الیضا حصہ سوم، شعراء متاخرین صفحات، ۲۳۱، عہر

الیضا حصہ چہارم، فارسی شاعری پر بیویو

الیضا حصہ پنجم، اصناف شاعری پر بیویو، عہر

الاستقاؤ علی التمدان الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن

اسلامی پر عربی میں بیویو،

سفرنامہ مصر و شام، مطبوعہ معاشر، عہر

دواں ان لفیض، بند، مستان کے مایہ ناز اسٹاد ادب

فہرست مضمون

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نیشنل	نام مضمون
۹۲	واقعیت اور اصلیت	۱۷		باب اول
۱۰۱	شاعری کی حقیقت	۱۸	۱	
۱۰۸	شاعری کا استعمال	۱۹	۷	شاعری کے اصلی عناصر کیا ہیں
۱۰۹	شاعری اور شاعری کی عزت	۲۰	۹	شاعری اور شاعری کی تعریف
باب دوم				
۱۱۷	ایران میں شاعری کیون نکریا پڑی	۲۱	۱۵	نکیل کی تیقینت
۱۲۰	شاعری کی تدیجی رفتار	۲۲	۳۱	نکیل کی تفصیلی بحث
۱۲۶	قدار صحت الفاظ کی پروانہن کرتے تھے	۲۳	۷۹	نکیل کا مراد
۱۲۸	تشبیہات کی سادگی	۲۴	۵۳	نکیل کی بے اندال
۱۳۰	عائشانہ خیالات میں سادگی	۲۵	۶۱	تشبیہ اور استعارہ
۱۳۲	عربی شاعری کا اثر	۲۶	۹۸	جدت اور لطف ادا
۱۴۱	عرب کے مضمون کا ترجمہ اور سرقة	۲۷	۶۲	حسن الفاظ
۱۴۷	شاعری اثر عرب پر	۲۸	۶۶	الفاظ کی نوعیتیں اور ادون کا اثر
۱۵۱	نظام حکومت کا اثر شاعری پر	۲۹	۸۱	معنی کے معاذتے الفاظ کا اثر
۱۶۶	شاعری کی شکایت	۳۰	۸۵	ضیح اور انوس الفاظ
۱۶۱	پسلی کا اثر شاعری پر	۳۱	۹۶	سادگی ادا
۱۶۷	شخصی اور خود خوارانہ حکومت کا اثر	۳۲	۹۱	جلون کے اجزاء کی ترکیب

نام مصنون	نام مصنون	صفو	صفو	جیشمار	مصنون	نام
فوجی زندگی کا اثر	شامناہ سے پہلے کی مژو زبان	۵۱	۱۰۷		۲۵۰	۳۶
ترکون کے محتوق ہونے کا اثر	مژوی کے حسن کے مژرا اٹا	۵۲	۱۴۰		۲۵۲	۳۸
فوجی زندگی کا اثر زبان پر	شانہ نامہ پر تفصیلی روپیو	۵۳	۱۹۵		۷۵۶	۱۳۵
فوجی حالت کا تنزل اور اوس کا اثر	شانہ نامہ کی تاریخی جستیت				۵۹	۳۶
شاعری پر	شانہ نامہ ایران کی ایک جامع انساکلود پیدا ہے۔	۵۴	۱۹۹		۲۶۵	۴۶
اس تنزل کا اثر زبان پر	شانہ نامہ اور نظام حکومت	۵۵	۲۱۰		۱۱	۳۸
بندوستان کی خصوصیت	تہذیب و تمدن	۵۶	۲۱۲		۲۶۸	۴۹
آب و ہوا اور مناظر قدرت کا اثر	فن جنگ	۵۷	۲۱۵		۲۶۴	۴۰
باقی سوم						
فارسی شاعری پر اجنبی روپیو	شانہ نامہ اور کیر کڑ	۵۹	۲۲۵		۷۸۶	۴۲
عربی اور فارسی شاعری کا فرق	حکومت اور اخلاق	۶۰	۲۲۵		۲۹۲	۴۳
لطافت الفاظ۔	معوظت اور سیاست	۶۱	۲۲۶		۳۰۲	۴۷
حسن ترکیب الفاظ۔	آزادی رائے	۶۲	۲۳۱		۰۵	۴۵
لطافت خیال۔	عور توں کی قدر و منزلت۔	۶۳	۲۲۲		۳۱۱	۴۶
بدیع الاسلامی	شانہ نامہ اور زندہ بہ	۶۴	۲۲۱		۳۱۸	۴۶
فارسی شاعری پر تفصیلی روپیو	شانہ نامہ اور زن بلاغت	۶۵	۲۲۵		۳۲۳	۴۸
شاعری کی اوزاع	جدبات	۶۶	۲۲۵		۳۲۸	۴۹
مجنوی پر روپیو			۲۲۶			۵۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدیث دلکش دا فسانہ از افسانہ می خیزد
د گراز سرگر فتم قصمه ز لعہ پریشان را
(شبیل)

شعر العجم کا یہ چھتائی اخیر حصہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لگئے تینوں حصے اسی
 حصہ کے دیباچے اور تہیید سے، اس حصہ میں ایران کی عام شاعری پر تقدیر ہے
 اسلئے جو بھیں اسکے حصوں میں ناتمام رہ گئی تھیں، ان کو اب تقسیل سے لکھتا ہوں
 یہ حصہ تین فصلوں پر منقسم ہے،
 ۱۔ شاعری کی حقیقت اور ماہیت،

۲۔ فارسی شاعری کی عام تاریخ اور تمدن اور دیگر اسباب کا اثر،

۳۔ تقریظ و تقدیر،

شاعری کی حقیقت، شاعری چونکہ وجود اپنی اور ذوقی چیز ہے اسلئے اسکی جامع و مانع
 خوبیت چند الفاظ میں نہیں کی جاسکتی، اس بناء پر مختلف طریقوں سے اسکی حقیقت کا
 بحث اداز یادہ منفرد ہو گا کہ ان سبکے مجموع سے شاعری کا ایک صحیح نقشہ پیش نظر ہو جائے،

خدا نے انسان کو مختلف اعضا اور مختلف قسمیں دی ہیں، اور ان میں سے
ہر ایک کے فرائض اور تعلقات الگ ہیں، ان میں سے دو قسمیں تمام افعال اور
ارادات کا سرچشمہ ہیں، اور اک اور احساس، اور اک کا کام، اشیا، کام معلوم کرنا، اور
استدلال اور استنباط سے کام لینا ہے، ہر قسم کی ایجاد اس تحقیقات، اکشافات
اور تمام علوم و فنون اسی کے نتائج عمل ہیں،

احساس کا کام کسی پیغمبر کا اور اک کرنا، یا کسی مسئلہ کا حل کرنا، یا کسی بات پر غو
کرنا اور سوچنا ہیں ہے، اسکا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی موثر دائمہ پیش آتا
ہو وہ متاثر ہو جاتا ہے، نعم کی حالت میں صدمہ ہوتا ہے، خوشی میں سرور ہوتا ہے
یعنی اگریز بات پر تنجیب ہوتا ہے، یہی قوت جسکو احساس، افعال، یا فلینگ
تعوییر کر سکتے ہیں، سنتا عربی کا دوسرا نام ہے، یعنی یہی احساس جب الفاظ کا جا
پہن لینا ہے تو شعر بن جاتا ہے،

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آواز دن
حرکتوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتا ہے

شلاشیر گونجتا ہے، موہنگھاڑتے ہیں، کوئی کوئی ہے، طاؤس ناچتا ہے
سانپ لہراتے ہیں، انسان کے جذبات بھی حرکات کے ذریعے سے ادا ہو
ہیں، لیکن اسکو جانور دن سے بڑھ کر ایک اور قوت دی گئی ہے یعنی لطف اور گویا
اسے جب اسپر کوئی قوی جذبہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ اسکی زبان سے

وزون الفاظ نکلتے ہیں اسی کا نام شعر ہی
 اب منطقی پر ایسے میں شعر کی تعریف کرنا چاہیں قیوں کہ سکتے ہیں کہ جو جذبات
 الفاظ کے ذریعہ سے ازاہوں وہ شعر ہیں، اور پنکہ یہ الفاظ، سامدین کے جذبات
 بھی اثر کرتے ہیں یعنی سخنے والوں پر بھی وہی اثر طاری ہوتا ہے جو صاحب جذبات
 کے دل پر طاری ہوا ہے۔ اسلئے شعر کی تعریف یون بھی کہ سکتے ہیں کہ جو کلام
 ننانی جذبات کو بر انگیختہ کر سے اور ان کو سخریک میں لائے وہ شعر ہی،
 ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ "ہر چیز جو دل پر استعجاب یا حیرت، یا
 خوش یا درکسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے شعر ہے" اس بناء پر فلک نیلگوں، نجم
 رفتان، نیم سحر، گلگوٹہ شفق، تبسم گل، خرام صبا، نالا بلبل، دیرانی دشت، شادابی
 چین، غرض نام عالم شعر ہے، یہ آج کل کا خیال ہے لیکن عجیب بات ہے کہ
 نضرت خواجہ فرید الدین عطار نے آج سے چھ سو برس پہلے کہا تھا،
 پس جہاں شاعر بودچون میگان

جو چیزین دل پر اثر کرنی ہیں ابہت سی ہیں، موسیقی، مصوری، صفتگری غیرہ
 لیکن شاعری کی اثر انگیزی کی حساب سے زیادہ وسیع ہے، موسیقی صرف
 ذات سامنہ کو محظوظ کر سکتی ہے سامنہ نہ ہو تو وہ کچھ کام نہیں کر سکتی، تصویر سے
 تاثر ہونے کے لئے بینائی الشرط ہے، لیکن شاعری نام حواس پر اثر ڈال سکتی
 ہے، باصرہ، ذائقہ، نامہ، لامسہ سب اس سے لطف اٹھا سکتے ہیں فرض کرو

شراب انگھون کے سامنے نہیں ہے اسلئے انگھا اس وقت اس سے حظانہ نہیں اسکتی لیکن جب ایک شاعر اسکو آتش سیال سے تعمیر کرتا ہے تو ان الفاظ سے ایک موثر منظر انگھون کے سامنے آ جاتا ہے، اسی طرح بوسہ کو شاعر انہیں تنگ شد کہہ دیتے ہیں تو کامِ دزبان کو مزہ محسوس ہوتا ہے، کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کے نقین کرنے کا اسان علمی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسکا کوئی نایاب وصف لے لیا جائے پھر یہ دلکھا جائے کہ اس وصف میں اور کیا کیا چیزیں اسکے ساتھ شریک ہیں، پھر ان صفات کو ایک ایک کر متین کیا جائے جن کی وجہ سے یہ چیز اپنی اور ہم جنس چیزوں سے الگ اور نمٹتہ ہوئی گئی ہے،

اس قدر سب تسلیم کرتے ہیں کہ شعر کا نایاب وصف جذبات انسانی کا برائیگر رہا ہے یعنی اسکو سنکر دل میں رنج، یاخوشی، یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے، خصوصیت، شاعری کو سائنس اور علوم و فنون سے ممتاز کر دیتی ہے، شاعر کا تھا طلب جذبات سے ہے اور سائنس کا یقین سے، سائنس، استدلال کا کام دیتا ہے اور شاعری محکمات کو استعمال کرتی ہے، سائنس عقل کے سائنسی مسلم پیش کرتا ہے، لیکن شاعری احساسات کو دلکش مناظر دکھالیں لیکن یہ خاصیت، موسیقی، تصویری ملکہ مناظر قدرت میں بھی پالی جاتی ہے اس لئے یہ تمام لفڑیل صاحب، کے مضمون سے ماخوذ ہے،

کلام یا الفاظ کی قید لگانی چاہی کہ یہ چیزیں بھی اس دائرہ سے نکل جائیں، تا ہم خطبہ،
 (لکھر) تاریخ، افسانہ، اور دراما، شاعری کی حد میں داخل رہیں گی، ان میں اور
 شعر میں حد فاصل قائم کرتا مشکل ہے، زیادہ وقت اسلئے ہوتی ہے کہ اکثر اعلیٰ اظہرین
 انسانوں کی شکل میں ہوتی ہیں، اور اکثر افسانوں میں شاعری کی روح پائی جاتی
 ہے، اسلئے دلوں حیب با ہم مل جاتی ہیں تو ان میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے،
 لیکن حقیقت یہ ہے کہ افسانہ اسی حد تک افسانہ ہے جیسا تک اس میں خارجی
 واقعات اور زندگی کی تصویر ہوتی ہے، جہاں سے امر و لی جذبات اور احساسات
 شروع ہوتے ہیں، وہاں شاعری کی حد آجائی ہے، افسانہ نگار بیردنی اشیاء
 کا استقصا کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے، بخلاف اسکے شاعر اندر ولی جذبات اور
 احساسات کی نیزگیوں کا ماہر بلکہ تحریر کا رہتا ہے،

تاریخ اور شعر کا فرق ایک مثال کے ذریعہ سے اچھی طرح سمجھ میں اُسکتا ہے، تاریخ اور شعر
 کا فرق ایک شخص جنگل میں جا رہا ہے، کسی گرنٹ سے ایک ٹہیب شیر ڈکارتا ہوا نکلا، اسکی
 بر رُغب گوئی، بھیانک پھرہ خشکلیں آنکھوں نے اس شخص کے دل کو لرزادیا، یہ
 شخص کسی کے سامنے شیر کا حلیہ اور مشکل و صورت جن موڑ لفظوں میں بیان کر لیا
 دشمن ہے،

علم الحیوانات کا ایک عالم کی عجائب خانہ میں جاتا ہے، وہاں ایک شیر
 لکھر میں بند ہے، یہ عالم شیر کے ایک ایک عضو کو علمی حیثیت سے دیکھتا ہے،

اور علمی طریقہ سے کسی مجمع کے سامنے شیر پر لکھ دیتا ہے، یہ سامنے تاریخ یادداہ نگاری ہے،

شاعری کی اقسام میں ایک فرم واقعہ نگاری ہے یعنی شاعر، خارجی،
و اتفاقات کی تصویر کھینچتا ہے لیکن اس حیثیت سے ہمیں کہ فہمہ وہ کیا ہیں بلکہ
اس حیثیت سے کہ وہ ہمارے جذبات پر کیا اثر رکھتی ہیں، شاعر ان اشیاء کے سادے
خط و فعال کی تصویر نہیں کھینچتا بلکہ ان میں قوت تخلیل کا رنگ بھرتا ہے تاکہ
مودود بن جائے،

اس تقریر سے شاعری اور واقعہ نگاری کا فرق واضح ہو جاتا ہے، لیکن
خطاب اور شاعری کی حد فاصل اب بھی نہیں قائم ہوئی، خطابت میں بھی شاعر
کی طرح جذبات اور احساسات کا برائی گھنٹہ کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن حقیقت میں
شاعری اور خطابت بالکل جدا جد اچیزیں ہیں، خطابت کا مقصود حاضرین سے
خطاب کرنا ہوتا ہے، اس پیکر، حاضرین کے مذاق، معتقدات، اور میلان طبع
کی جستجو کرنا ہے تاکہ اسکے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے اسکے
جذبات کو برائی گھنٹہ کر سکے اور اپنے کام میں لائے، بخلاف اسکے شاعر کو دوسروں
سے غرض نہیں ہوتی وہ یہ نہیں جانتا کہ کوئی اسکے سامنے ہے بھی یا نہیں؟

اسکے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں، وہ بے اختیار ان جذبات کو ظاہر کرتا
ہے، حضور حمد کی حالت میں بے ساختہ آہ نگل جاتی ہے، بے شبہ یہ اشعار

شاعری اور واقعہ
نگاری کا فرق

خطابت اور
شاعری کا فرق

اور دن کے سامنے پڑھے جائیں تو ان کے دل پر اثر کریں گے، لیکن شاعر نے اس غرض کو پیش نظر نہیں دکھانچا، بطرح کوئی شخص اپنے عزیز کے مرے پر نو صد کرنا ہو تو اُسکی غرض یہ نہیں ہوتی کہ لوگوں کو سامنے لیکن اگر کوئی شخص مُن لے تو ضرور تراپ جائے گا،

اصلی شاعر دہی ہے جو لوگ سامعین سے کچھ غرض نہ ہو، لیکن جو لوگ بہکٹ شاعر بنتے ہیں ان کا بھی فرض ہے کہ ان کے انداز کلام سے یہ مطلق نہ پایا جائے لہ وہ سامعین کو منحاطب کرنا چاہتے ہیں، ایک ایکٹر کو خوب معلوم ہے کہ بہت سے حاضرین اس کے سامنے موجود ہیں لیکن اگر ایکٹ کی حالت میں، وہ اس علم کا اظہار کر دے تو سارا اپارٹ نارت ہو جائے گا، شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسروں سے خطاب کرتا ہے، دوسروں کے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے اپنے لئے نہیں، بلکہ دوسروں کے لئے کہتا ہے، تو شاعر نہیں بلکہ خطیب ہے، اس سے یہ واضح ہو گا کہ مستعاری تنہائی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے بخلاف اسکے خطاب، لوگوں سے ملنے جلنے اور رواہ و رسم رکھنے کا تمہرہ ہے، اگر ایک شخص کے اندر ولی احساسات تیز اور شتعل ہیں تو وہ شاعر ہو سکتا ہے لیکن خطیب کے لئے ضرور ہے کہ دوسروں کے جذبات، اور احساسات کا نیاض ہو شاعری کے اصلی عناصر کیا ہیں؟ ایک عمدہ شعر میں بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں اس میں دُرُن ہوتا ہے، محالات ہوتی ہے یعنی کسی چیز یا کسی حالت کی تصویر کی پیچی جاتی

ہے خیال بندی ہوتی ہے، الفاظ اسادہ اور چیزیں ہوئے ہیں بندش صاف ہوتی
ہے، طرزِ ادب میں جدت ہوتی ہے، لیکن کیا یہ سب چیزیں شاعری کے اجزاء ہیں
کیا ان میں سے ہر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو شعر شعر نہ ہوتا، اگر ایسا نہیں ہی
اور قطعاً نہیں ہے تو ان نام اوصاف میں خاص ان چیزوں کو منعین کر دینا چاہیے
جسکے بغیر شعر، شعر نہیں رہتا، عام لوگوں کے نزدیک یہ چیز ورنہ ہے اس لئے
عام لوگ کلام موزون کو شعر کہتے ہیں، لیکن محققین کی یہ رائے نہیں، وہ ورنہ کہ
شعر کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں تاہم انکے نزدیک وہ شاعری کا اصل غرض نہیں تھا
اُسطو کے نزدیک یہ چیز محاکات یعنی مصوری ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، اگر
کسی شعر میں تخیل ہوا اور محاکات نہ ہو تو کیا وہ شعر نہ ہو گا؟ سیکڑوں اشعار میں جسمیں
محاکات کے بجائے صرف تخیل ہیں اور باوجود اسکے وہ عمدہ اشعار خیال کئے جائیں
ہیں، شاید یہ کہا جائے کہ محاکات ایسا وسیع مفہوم ہے کہ تخیل اس کے دائرہ سے
باہر نہیں جاسکتی اسلئے تخیل بھی محاکات ہے لیکن یہ زبردستی ہے، اُنگے چلکر
جب ہم محاکات اور تخیل کی تعریف لکھیں گے تو واضح ہو جائے گا کہ دونوں اللگ
اللگ چیزیں ہیں، گویہ ممکن ہے کہ بعض مشالوں میں دونوں کی سرحدیں مل جائیں
حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل دو چیزوں کا نام ہے، محاکات اور تخیل
ان میں سے ایک بات بھی پائی جائے تو شعر، شعر کہلانے کا مستحق ہو گا، باقی اور اوصاف
یعنی سلاست، صفاتی اُحسن بندش وغیرہ وغیرہ شعر کے اجزاء اصلی نہیں بلکہ

ارض اور سخنات ہیں،

محاکات کی تعریف اس محاکات کے منی کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اُس شے کی تصویر انگھوں میں پھر جائے، تصویر اور محاکات میں یہ فرق ہے کہ تصویر ن اگرچہ ماڈی اشیاء کے علاوہ، حالات یا جذبات کی بھی تصویر کھینچ جاسکتی ہے جتنا سچ لی درجے کے مصور، انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتے ہیں کہ چہرہ سے جذبات انسانی نلائار نجح، خوشی، فکر، حرمت، استحقاب، پرینٹالی اور بیتا لی ظاہر ہو جہا نگیر کے سامنے س مصور نے ایک عورت کی تصویر پیش کی تھی، جبکہ تلوے سہلاسے جا رہے ہیں تلوں کے سہلاستے وقت چہرہ پر گدگدی کا جو اثر طاری ہوتا ہے وہ تصویر کے پھر و سے یا ان تھا، تاہم تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ نہیں دیکھی، سیکڑوں گونا گون واقعات، الات، اور واردات ہیں جو تصویر کی دسترس سے باہر ہیں، مثلاً قاؤں ایک موقع بیمار کا سماں دکھاتا ہے،

یک فریک نیسم زیر گلائی خیزند غبغب این می مکد، عارض آن می مزد
بل این می کشت اگر دن آن می گزو گہ چمن می چپسد، گہ بسم می وزد

گاہ بشارخ درخت گہ لب جو بدار

یعنی ملکی ملکی ہوا آئی، چھولوں میں گھسی کی چوں کا گال چوم لیا، کسی کی ٹھوڑی
بس لی، کسی کے بال کھینچی، کسی کی گردان دانت سے کاٹ، کیا ریوں میں کھیلتے کھیلتے
یعنی کے پاس بچپی، اور درخت کی ٹہنیوں میں سے ہوئی ہوئی نہر کے کنارے

پہنچاگی، اس سماں کو مصور تصویر میں کیونکر دکھا سکتا ہے؟

یہ تو مادی اشیا، تھین، خیالات، جذبات، اور کیفیات کا اداکرتا اور زیادہ

مشکل ہے، تصویر اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتی ہے مثلاً اس شعر میں،

نسب نامہ دولت کے قباد درق برداق، ہر سوئے بُردباد

یہ خیال ادا کیا گیا ہے کہ دادا کے مرے سے کیا نی خاندان بالکل بر باد ہو گی

یہ خیال تصویر کے ذریعہ سے کیونکر ادا ہو سکتا ہے،

یا مثلاً ہوس پیشہ عاشقون کو اکثر یہ وار دات پیش آتی ہے کہ کسی عشق سے

دل لگاتے ہیں، چند روز کے بعد اُسکی بے نہ بیون اور کچھ ادائیوں سے تنگ اکرا

چاہتے ہیں کہ اسکو چھوڑ دیں، اور کسی اور سے دل لگائیں، پھر ک جاتے ہیں کہ الیہ

دل فریب عشقوں کیاں ہاتھ آئے گا، اس طرح اپنی آپ روٹتے اور فتے رہتے ہیں

عشوق کو ان واقعات کی خبر تک نہیں ہوتی اس حالت کو شاعر یون ادا کرتا ہے،

صد بار جنگ کر دہ بہ اصلح کر دہ ایم اور خبر بنو دہ زصلح وزجنگ ما

اس حالت کو مصور تصویر کے ذریعہ سے کیونکر دکھا سکتا تھا، نخلاف اسکے

شاعرانہ مصوری، ہر خیال، ہر واقعہ، ہر کیفیت کی تصویر کچھ سلتی ہے،

ایک پڑا فرق عالم مصوری اور شاعرانہ مصوری میں یہ ہے، کہ اقتدار کی صلی

خوبی یہ ہے کہ جس چیز کی تصویر کچھ جائے اُسکا ایک ایک خال خطہ دکھا بایجا کے

درست تصویر نہ امام اور غیر مطابق ہوگی، نخلاف اسکے شاعرانہ مصوری میں یہ التزم

نہ روری نہیں، مثا عرا کثر صرف ان چیز دن کو لیتا ہے اور انکو نایاں کرتا ہی جن سے
ہمارے جذبات پر اثر پڑتا ہے، باقی چیز دن کو وہ نظر انداز کرتا ہے یا انکو دہند لا
رکھتا ہے کہ اندازی میں ان سے خلل نہ آئے، فرض کرو ایک بچوں کی تصویر
لے پہنچی ہو تو مصور کا کمال یہ ہے کہ ایک ایک پنکھہ می اور ایک ایک رگ ولیشہ دہنا کا،
لیکن شاعر کے لئے یہ ضروری نہیں، ممکن ہے کہ وہ ان چیز دن کو اجمالی اور غیر
نایاں صورت میں دکھائے تاہم مجموعہ سے وہ اثر پیدا کر دے جو اصلی بچوں کے
دیکھنے سے پیدا ہوتا،

ایک اور بڑا فرق مصوری اور محاکات میں یہ ہے کہ مصور کسی چیز کی تصویر
لے پہنچنے سے زیادہ سے زیادہ وہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو خود اس چیز کے دیکھنے سے پیدا
ہوتا لیکن شاعر باوجود اسکے کہ تصویر کا ہر جزو نایاں کر کے نہیں دکھاتا تاہم اس
سے زیادہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو اصل چیز کے دیکھنے سے پیدا ہو سکتا ہو، سبزہ پر
شبکم دیکھ کر وہ اثر نہیں پیدا ہو سکتا جو اس شعر سے ہو سکتا ہے۔

کہا کہا کے اوس اور بھی بزرگ ہلوا تھاموتیون سے دامن محاجر ہلوا
تصویر کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو اور اگر مصور اس امر میں
کا سیاب ہو گیا تو اسکو کامل فن کا خطاب مل سکتا ہے لیکن شاعر کو اکثر موقتوں پر
دو مشکل مرحلاوں کا سامنا ہوتا ہے یعنی نہ اصل کی پوری پوری تصویر پہنچ سکتا ہے
لیونکہ بعض جگہ اس قسم کی پوری مطابقت احساسات کو برانگیختہ نہیں کر سکتی نہ اصل

سے زیادہ دور ہو سکتا ہے ورنہ اسپر اعتراض ہو گا کہ صحیح تصویر نہیں کھینچی اس موقع پر
اسکو تختیل سے کام لینا پڑتا ہے، وہ ایسی تصویر کیونچتا ہے جو اصل سے اب تاب
اور حسن و جمال میں بڑھ جاتی ہے لیکن وہ قوت تختیل سے سامنے پر یہ اثر ڈالتا ہے
کہ یہ ہی چیز ہے، لوگوں نے اسکو امعان نظر سے نہیں دیکھا تھا اسلئے اسکا حسن

پورا نہیں ہوا تھا،

تختیل | تختیل کی تعریف ہر سی لوگوں نے یہ کی ہے۔ ”وہ قوت جو کایہ کام ہے
کہ ان اشیاء کو جو مری نہیں ہیں یا جو ہمارے دوسراں کی کمی کی وجہ سے ہم کو نظر نہیں
آئیں، ہماری نظر کے سامنے کر دے“ لیکن یہ تعریف پوری جامع اور مانع نہیں اور
حقیقت یہ ہے کہ اس فرم کی جیزیر دن کی منطقی جامع اور مانع تعریف ہو یعنی نہیں سکتی،
تختیل دراصل وقتِ اختراع کا نام ہے، عام لوگوں کے نزدیک منطق یا
فلسفہ کا موجہ صاحب تختیل نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اگر خود کسی فلسفہ داں کو اس لقب
سے خطاب کیا جائے تو اسکو عاراً گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ اور شاعری
میں وقت تختیل کی کیسان ضرورت ہے یہی وقت تختیل ہے جو ایک طرف فلسفہ
میں ایجاد اور اکتشاف سائل کا کام دیتی ہے اور دوسری طرف شاعری میں
شاعرانہ مضامین پیدا کرتی ہے، چونکہ اکثر سائلیں داں شاعری کامناق نہیں
رکھتے اور شاعر اور فلسفہ اور سائنس سے نا ماؤں ہوتے ہیں اسلئے یہ غلط نہیں
پسیدا ہوتی ہے کہ وقت تختیل کو فلسفہ اور سائنس سے تعلق نہیں، لیکن یہ صحیح

نہیں، بے شکہ عام سائنس یا فلسفہ جاننے والے جن میں قوت ایجاد نہیں قوت تخيیل
نہیں رکھتے، لیکن جو لوگ کسی مسئلہ یا فن کے موجد ہیں ان کی قوت تخيیل سے
وہ انکار کر سکتا ہے اپنی وطن اور ارضیہ میں اسی قدر زبردست قوت تخيیل تھی
وہ سقدر ہو مراد فردوی میں، البته دونوں کے اغراض و مقاصد مختلف ہیں اور
دونوں کی قوت تخيیل کے استعمال کا طریقہ الگ الگ ہے، فلسفہ اور سائنس میں
ذات تخيیل کا استعمال اس غرض سے ہوتا ہے کہ ایک علمی مسئلہ حل کر دیا
جاسے، لیکن شاعری میں تخيیل سے یہ کام لیا جاتا ہے کہ جذبات انسانی کو
خڑکیک ہو، فلسفی کو صرف اُن موجودات سے غرض ہو جو واقع میں موجود ہیں،
خلاف اسکے شاعر اُن موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہیں،
لفسفہ کے دربار میں، ہما، سیرخ، گاؤزین تخت سلیمان کی مطلق قدر نہیں، لیکن
لچیزیں ایوان شاعری کے نقش و نگار ہیں، فلسفی کی زبان سے اگر سیرخ نہیں
مالفظ نکل جائے تو ہر طرف سے ثبوت کا مطالبہ ہو گا، لیکن شاعر اس قسم کی
فرضی مخلوقات سے اپنا عالم خیال آباد کرتا ہے اور کوئی اس سے ثبوت کا طالب
نہیں ہوتا کیونکہ فلاسفہ کی طرح وہ کسی مسئلہ کی تعلیم کا دعوے نہیں کرتا بلکہ وہ
کم کو صرف خوش کرنا چاہتا ہے اور بے شہمہ وہ اسمیں کا میاب ہوتا ہے ایک
بیوں کو دیکھ کر سائنس دان تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ وہ نباتات کے کس خاندان
سے ہے، اسکے رنگ میں کن رنگوں کی آسیزش ہے، اسکی غذا زمین کے

کن اجزا سے ہے؟ اس میں نرمادہ دونوں کے اجزا ہیں یا صرف ایک کے
لیکن شاعر کو ان چیزوں سے غرض نہیں بچوں دیکھ کر بے اختیار اسکو یہ خیال
پیدا ہوتا ہے، ۶

ای گل بتو خرندم تو بوی کسے داری

پانسکی نسبت ایک ہیئت داں کو ان سائل سے غرض ہے کہ وہ کن عناء
سے بنائے ہے؟ آباد ہے یا دیران؟ روشن ہے یا تاریک؟ سمندر کے مد و جزر سے
اسکو کیا تعلق ہے؟ وغیرہ وغیرہ لیکن شاعر کو چاند سے صرف یہ غرض ہے کہ وہ
مشوق کاروئے روشن ہے،

شاعر کے سامنے (وقت تخيیل کی بدولت) تمام بے حس اشیا، جباندار
چیزوں بن جاتی ہیں، اسکے کافون میں ہر طرف سے خوش آیند صد الہیں آتی ہیں،
زمیں آسمان، ستارے، بلکہ ذرہ ذرہ داؤں سے باقیں کرتا ہے،

وقت تخيیل کے ذریعہ سے الکثر شاعر ایک نیادی کرتا ہے اور خیالی
دلائل پیش کرتا ہے، ممکن ہے کہ ایک منطقی اسکی دلیل نہ تسلیم کرے لیاں جن لوگوں
کو وہ وقت تخيیل کے ذریعہ سے معمول کر لیتا ہے وہ اسکے تسلیم کرنے میں مطلقاً
تامل نہیں کر سکتے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

دوش از رب عزم چبرفتی آنگشت قم ارسے عمرے ورقتن عمرہ آواز پانہ درا
یعنی مشوق جو لوگوں سے نکل کر علاج گیا تو مہکو خبر نہیں ہوئی، کیونکہ مشوق

عاشق کی زندگی ہے اور زندگی کے جانے کے وقت جانے کی آہست نہیں معلوم ہوتی، اس دلیل کے دو مقدمے ہیں۔ ۱- ممتنع عاشق کی زندگی ہی، زندگی کے جانے کی آہست نہیں معلوم ہوتی، "ان دونوں میں سے تم کس کا انکار کر سکتے ہو؟"

۲- محاذات جب موزوں کلام کے ذریعہ سے کی جائے تو سب پہلے دزن کا تناسب شرعاً ہے، یہ ظاہر ہے کہ درد، غم، بوش، غیظ، غضب، ہر ایک کے انہار کا ہجھ اور آواز مختلف ہے، اسلئے جس جذبہ کی محاذات مقصود ہو، شعر کا دزن بھی اُسی کے مناسب ہونا چاہئے تاکہ اُس جذبہ کی پوری حالت ادا ہو سکے، مثلاً ذاری میں بحر تفاصیب جمین شاہناہ سے ہے رزمیہ خیالات کے لئے موزوں ہے، چنانچہ فارسی میں جسد رزمیہ مشویان لکھی گئیں اسی بحر میں لکھی گئیں، اسی طرح غزل اور عشق و عاشقی کے خیالات کے لئے خاص بحریں ہیں، ان خیالات کو قصیدہ کی بحدود میں ادا کیا جائے تو تاثیر گھٹ جاتی ہے،

۳- محاذات کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو، یعنی جس چیز کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے کہ خود وہ شے الجسم ہو کر سامنے آجائے، شاعری کا اصلی مقصد طبیعت کا ابسطاط ہے، کسی پیزیر کی اصلی لقصوہ پہنچنا خود طبیعت میں ابسط پیدا کرتا ہے، (وہ شے اچھی یا بُری ہے اس سے بحث نہیں) مثلاً چھپکی ایک بد صورت جائز ہے جسکو دیکھ کر نفرت ہوتی ہے لیکن اگر ایک اُستاد مصور چھپکی

کی ایسی تصور کیجی پے کہ بال برابر فرق نہ ہو تو اُسکے دیکھنے سے خواہ نجواہ لطف آئے گا، اسکی بھی وجہ ہے کہ نقل کا اصل سے مطابق ہونا خود ایک موثر چیز ہے، اب اگر وہ چیزوں جن کی محاذات مقصود ہے، خود بھی دلادیز اور لطف انگیز ہوں تو میاں کا اثر بہت بڑھ جائے گا،

اصل کی مطابقت مختلف طریقوں سے ہوئی ہے،

(۱) جس شے کا بیان کرنا ہے اُسکی جزئیات کا سطح استقامت کیا جائے اک پوری شے کی تصور یا نظر کے سامنے آجائے، مثلاً اگر احباب کی مفارقت کا واقعہ لکھنا ہے تو ان تمام جزئی حالت اور کیفیات کا استقامت کرنا چاہتے جو استوت پیش آئی ہیں؛ یعنی اس حالت میں ایک دوسرے کی طرف کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس طرح گلے ملکر فتاہ ہے؟ کس قسم کی درد انگیز باتیں کرتا ہے؟ اکن باذن سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت کیا بے اختیار حرکات صاحب ہوتے ہیں؟ آغاز میں جو کیفیت تھی کس طرح بتدریج بڑھتی جاتی ہے؟ حاضرین پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے؟ ان باذن میں سے ایک بات بھی رہ گئی تو مطابقت میں کمی رہ گئی، فردوسی اور نظامی میں بڑا فرق یہ ہے کہ فردوسی نہایت چھوٹے چھوٹے جزوئے جزوئیات کو لیتا ہے اور نظامی عالم تخلیل کے زور میں جزوئیات پر تنظر نہیں ڈالتے، مثلاً فردوسی ایک موقع پر ایک دعوت کے جلسہ کا حال لکھتا ہے،

دوسری بار پیام ہات میں لیا اور زمین چوٹی
 اور کہا کہ یہ پیام طوس کی یادگار پیتا ہوں
 نام سردار کھڑے ہو گئے،
 اور ستم کی مرضی کی تبعت کی،
 اس زمانہ میں قاعدہ تحالہ کسی کی یادگار میں شراب پیتے تھے تو زمین کو چھٹتے
 تھے، پھر اس شخص کی طرف خطاب کر کے لکھتے تھے آبہ یاد، «فلان» اُسکے ساتھ اور
 حاضرین مجلس کھڑے ہو جاتے تھے، جیسا کہ آج کل بھی دستور ہے فردوسی نے
 ان تمام واقعات کو ادا کیا، اسی موقع کو اگر نظامی لکھتے تو شراب اور جام کی تشبیہ اور
 مستعار کا ظلم باندھتے، لیکن ان جُزئی واقعات کو نظر انداز کر جاتے، قاً آمی کا یاد
 باریہ قصیدہ ہے جسکے چند اشعار یہ ہیں،
 یکے بر لالہ پا کو بہ کہ ہے ہے رنگتے دارد
 بہاریں کوئی لاں پر یا لون دے دے مارتائے
 کہ آہا اس میں شراب کا رنگ یہ کوئی بچول کیکل
 جھوتا ہے کہ سجان اللہ مشرق کی خوبی آتی ہے
 کوئی بیان شراب اڑاہا ہے کوئی دہان با نسری
 بجا رہا ہے ہر طرف سے ہوا کی آوازین آہی
 ہیں، ہرگلی میں ارگن اور ستار بچ رہا ہے کوئی
 لالہ پر لوث رہا ہے، کوئی سبزہ پر تارج رہا ہے

دُگر بارہ بستہ زمین داد بوس
 چنین لفت کیں بادہ بروئے طوس،
 سران جہان دار برخاستند
 ابر پیلوان خواہش اگر استند
 یکے انجام اسارے یکے آنجاناواز دنتے
 مدد ای ہائے دھوئے دھی، زہر سوئے ہزا آید
 ہر کوئے صد ائے ارغون دچانگتے خیزد
 ہر سوئے صد ائے بربط وطن بور و تار آید
 یکے بر لالہ می غلطدر یکے در سبزہ می رقصد

کیے گا ہے روڈ اڑھو شیک گہرو شیار آید
 کوئی بے ہوش ہو جاتا ہے، کوئی ہوش میں آست
 لگا ہے، ہاں اسے ساتھ شراب دے اور براہ راست
 الایسا مقیابے دہ پہ جان من پیاپے دہ
 دادم ہے خور دہے داکہ می ترجم حمار آید
 جا، خود پی اور دمدم بلانا جا درمن جھکوڑ ہو کہ حمار آجائے
 ان اشعار میں بھار کی دچپی، اور لوگوں کی سرستی کی جو تصویر لفظی ہو محکات کا
 اعلیٰ درجہ ہے، ایک ایک جزئی حالت کا استقصا کر کے اس طرح ادا کیا ہے کہ
 پورا احسان آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے،

س۔ اکثر چیزین اس قسم کی ہیں کہ اُن کے مختلف الزار ہو ستے ہیں اور ہر
 نوع میں الگ خصوصیت ہوتی ہے، مثلاً ادا زایس عام چیز ہے اسکی مختلف نظریں
 ہیں، پست، بلند، شیرین، کرخت، سرطی، وغیرہ وغیرہ، ذوقی چیزیں دن میں یہ فرق اور
 نازک ہو جاتا ہے، مثلاً مشتوق کی ادا ایک عام چیز ہے لیکن الگ الگ
 خصوصیتوں کی بنا پر ان کے جدا جانا نام ہیں، یعنی نان، عنقرہ، غمزہ، شونخی، دیبا کی
 جوز، بامیں، و سبیع اور لطیغت ہیں اُن میں اُن دفیق فرقوں کی بنا پر ہر چیز کے لئے الگ
 الگ الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں،

اب جب کسی چیز کی محکات مقصود ہو تو ٹھیک وہی الفاظ استعمال کرنے
 چاہیے میں جوان خصوصیات پر دلالت کرتے ہیں، سعادوی نے ایک نظم لکھی
 لکھی جس کاشان نزول یہ ہے کہ اس سے اسکے کم سن بچے نے پوچھا، سیلا ب
 کیونکرا آتا ہے، سعادوی نے اسکے جواب میں یہ نظم لکھی اور دکھایا کہ سیلا ب کس طرح

آہستہ آہستہ شروع ہوتا ہے، اور کس طرح بڑھتا جاتا ہے، اس نظم میں تمام الفاظ اس قسم کے آئے ہیں کہ پالی کے بینے، گرنے، پھیلنے، بڑھنے (غیرہ غیرہ) کے وقت جو ادازین پرید اہولی میں الفاظ کے لہجہ سے انکا انہصار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خوش ادائی سے اس نظم کو پڑھ سے تو سننے والے کو معاذم ہو گا کہ ذریشور سے سیلاب بڑھتا ہو اچلا آتا ہے،

میر اطاب العلی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحیت میں کسی نے کلیم کا
یہ شعر پڑھا،

سر پہستان بچو دھیلو ایخاںی را
اول از سر و کنڈ جامدہ عناںی را
والد مر جوم بھی تشریف رکھتے تھے، میں نے کہا کپڑا آثار نے کو جامہ کشیدن
بھی کہتے ہیں، اسلئے شاعر اگر دکند، کے بجائے "کش" کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا،
جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں، سب چپ ہو گئے، والد مر جوم نے ذرا سوچ کر
کہا کم دینیں یہی لفظ (کنڈ) شعر کی جان ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں
جب غار تنگی کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سر دکی رعنائی کا لباس اُوتا لیتا ہے لیکے
آثار نے کے دو منی ہیں ایک یہ کہ مثلاً کوئی اشخاص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا
آثار کر کھدے یا اسکا نوکر آثار لے، دوسرا یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑا
آٹرو اسے جائیں یا پنجواںے جائیں، فارسی میں اُنکے لئے دو مختلف لفظ ہیں جامس
کشیدن، اور جامہ کندن، چونکہ یہاں مقصد یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر

سرد کا پیر اُنمیلتا ہے اسلئے یہاں جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ
مزون ہے تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ تحسین کی،
علیٰ قلی کاشم رہے۔

بَلَذْ شَتْ زِبْشِ منْ دُغْرِشْ بِهِ حَكَاهِيْتْ پیچید کہ ہرگز تواند بے قضا دید
شعر کا طلب یہ ہے کہ عشق سانے سے جارہا تھا، قیب بھی ساختہ تھا،
اُنسِ اس طرح اسکو بالتوں میں لگایا کہ مستحقِ مر کرچ پے نہ دیکھ سکا (ورنہ شاید میری
طرف بھی اسکی نگاہ پڑ جاتی) "پیچید" کے لفظ سے واقعہ کی صورت جustrح ذہن میں
آجائی ہے اور کسی لفظ سے نہیں آسکتی،

سکندر نے جب دارا کو برادری کے دعے سے خط لکھا ہے تو دارا
بخت رنج اور حیرت اولیٰ، اس موقع پر نظمی کہتے ہیں،

بَخْنَدِيد وَلَفْتَ انْدَرَانْ زِهْرِخَندْ کہ افسوس بر کار چرخ بلند
فلک بین چه ظلم آشکار اکنْدْ کہ اسکندر آہنگ دار اکنڈ
جب کوئی لمینہ شخص کی معزز آدمی سے برادری کا دعوئے کرتا ہے تو بعض
وقت اُسلو غصہ میں نہیں آجائی ہے، یہ نہیں رنج غصہ، اور عبرت کا گویا مجموعہ ہوئی
ہے، فارسی میں اس نہیں کو زہر خند کہتے ہیں، دارا پر اسکندر کے خط سے جو
حالت طاری ہوئی زہر خند کے لفظ کے سوا اور کسی طریقہ سے اسکی تصویر نہیں
کھینچ سکتی تھی، اسی طرح خاص خاص محاودے اور اصطلاحیں خاص خاص بضائع

کے لئے مخصوص ہیں، ان مصاہین کو انکے سوا اور طریقہ سے ادا کیا جائے تو پوری
محاکات نہیں ہو سکتی۔

۴۔ جب کسی قوم یا کسی ملک، یا کسی مرد، یا عورت، یا بچہ، کی حالت بیان کی جائے
تو ضرور ہے کہ ان کی تمام خصوصیات کا لحاظ کھا جائے، مثلاً اگر کسی بچے کی کسی بات کی
نقل کرنی مقصود ہو تو بچون کی زبان کا، طرزِ ادا کا، خیالات کا، لحاظ کھتنا چاہئے،
یعنی ان تمام باتوں کو بعینہ ادا کرنا چاہئے، مثلاً

چلاتی ہے سکینہ کہ ”اچھے میرے چچا“ محل میں گھٹ کی رسمجھے گودی میں نوڈا
بیا سے کھد واب آمین خیمہ کریں پا بھنڈی ہو امین لیکے چلو تم پر میں فدا
سایہ کی جگہ ہے نہ صحتہ نہ آب ہے
تم تو ہو امین ہو میری حالت خراب ہو۔

یہ وہ موقع ہے کہ اہل بیتِ اہمیت سخت گرسیوں میں کر ملا کو روادہ ہوئے
ہیں اور سکینہ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) اپنے چھائی حضرت
عباس سے گرمی کی شکایت کرتی ہیں، اس بند میں بچوں کی طرزِ لفتار اور خیالات
کی تمام خصوصیات کو لمحظہ کھا ہے، ”اچھے چچا“ خاص بچوں کی زبان ہے، گودی
میں بچوں کو خاص لطف آتا ہے، اسلئے گودی میں لینے کی فرمائش سے طفلا نہ
خواہش کا انہصار ہوتا ہے، بچے اپنے مقصد حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ
طمعہ دینا سمجھتے ہیں، اس لئے حضرت عباس کو طمعہ دیا ہے کہ آپ تو مزے سے

ہوا میں ہیں، آپ کو میری کیا فکر ہے، "آپ" کے بجائے "وَقْت" کہنا انتہا درجہ کا پیار
اور طفلا نہ تفوّق اور حکومت ہے، ان خصوصیات کے اجتماع نے محکماں کو
کمال کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور واقعہ کی پوری تصویر اُترائی ہے،
محکماں کے کمال کے لئے عام کائنات کی ہر قسم کی چیزوں کا مطالعہ کرنا
ضروری ہے، شاعر کبھی رضا یوں اور مسر کو نکا حال لکھتا ہے، کبھی قوموں کے
اخلاق و عادات کی تصویر کھینچتا ہے، کبھی جذبات انسانی کا عالم دکھاتا ہے، کبھی
شاہی دربانوں کا جاہ و شم بیان کرتا ہے، کبھی لوٹے پھوٹے ٹھوٹے پھوٹے ٹھوٹے ٹھوٹے ڈن کی سیر
کرتا ہے، اس حالت میں اگر اس نے عالم کائنات کا مشاہدہ نہ کیا ہوا اور ایک
ایک چیز کی خصوصیات اور قابل انتساب بازو نکوقت آفرینی سے نہ دیکھا ہوا تو
وہ ان مرحلوں کو کیونکر طے کر سکتا ہے، شکسپیر نام دنیا کا سب سے بڑا شاعر مانا
جاتا ہے، اسکی یہی وجہ ہے کہ اس نے ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے اخلاق و
عادات کی تصویر کھینچی ہے اور اس طرح کھینچی ہے کہ اس سے بڑھکر ملن نہیں
اس شرط کی کی کی وجہ سے بڑے بڑے شعراء کے کلام میں علائیہ رخ نظر آتے ہیں،
نظمی خداۓ خن ہیں تاہم داراء کے خط میں جو سکندر کے نام بھا، لکھتے ہیں،

دُگر نہ چنانت ہم گوش چیج در نہیں تیرے ایسے کان مونگا

کہ دانی ٹوپی و مکر زیسچ کہ تو جان جائے نہ ناپیز سے بھی ناجیز ہو
نظمی گوشہ نشین شخص رکتے، شاہی دربانوں میں آنے جانے کا کم آغا

ہوا تھا، شاہزادہ آداب اور طرق لفتگو سے واقف نہ تھے، ارسلنے دہی عام بازاری فقط «گوش پنج» (کان اولیٹھنا) لکھے گئے، اس نقص کی وجہ سے واقف کی صحیح تصویر نہ اتر سکی، بخلاف اسکے قدوسی نے سیکڑوں ہزاروں مختلف واقعات لکھے، یہ لیکن کہیں اس فرض کا سرشنہت ہاتھ سے نہیں جانتے پتا، متعدد اور غصیل منالیں آگے آئیں گی یہاں صرف طلب کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم ایک مثالی
التفاکرستے ہیں۔

ایرانیون کی روایت ہے کہ فریدون نے اپنے بیٹوں کی وحدت شاہ بن کی لڑکوں سے کرنی چاہی، چنانچہ قاصد کو بینام دیکر شاہ بن کے پاس بھجا، شاہ بن نے اپنے درباریوں سے کہا کہ دین صورتیں ہیں، اگر قبول کرلوں تو مجھکو سخت صدمہ ہو گا، اگر رجھوت وعدہ کرلوں تو یہ شان سلطنت کے خلاف ہو انکار کروں تو فریدون کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، فردوسی مجوہی المثل تھا اور قویت کا اسکو سخت تعصب تھا چنانچہ جہاں جہاں عرب کا نام آتا ہے ان لوحقیر کرنا چاہتا ہے، تاہم چونکہ شاعری کے فرض کا خیال عقا اور عرب کے کیر کظر (انداز طبیعت) سے واقف تھا، اس لئے درباریوں کی زبان سے کہتا ہے،

کہ ماہلنا ان این نہ بینیم اے	ہم لوگوں کی یورائی نہیں
کہ ہر پادر ا تو بجنی ز جائے	کہ جو ہوا پلے آپ کو ہلا دے

اگر شد فریدون پنین شہر بار
 فریدون بادشاہ بے تو بود
 نہ مابن گانیم بالو شدار
 ہم بھی کچھ اسکے حلقہ بگوش غلام نہیں ہیں
 سخن گفتہ و نجش آئین ما است
 گویا اور جعل اہست بھاری نظرت ہے
 عنان و سنان باقتضان دین ما است
 لھوڑا اور انما اور برچھی چلانا بھارا دین ہے
 بخیز زمین، ایستان کنیم
 ہم تو ادون سے زمین لال کردیئے
 بخیزہ ہوار ایستان کنیم
 اور برچھیوں سے ہوا کو ایستان تاریئے،
 یہ بائیں عرب کا خاص کیر کڑہن، عرب کی دوسری قوم کو گولی درج کا ہو، بیٹی
 دینا عار سمجھتے ہتھے، اسلے لو بادشاہ نے مصلحت ملکی سے فریدون کی درخواست کا
 رد کرنا مناسب نہ سمجھا، لیکن دربار یون نے وہی آزادانہ جواب دیا جو عرب کی طیعت
 اور اُنکا جو ہر ہے،

دقيق خصوصیات | محاکات میں نہایت فرق مراتب ہے اور اسی فرق مراتب کی نیائے
 کی محاکات، شاعری کے مدارج میں نہایت تفاوت ہے اسکو پہلے محسوسات
 کے ذریعہ سے ذہن نشین کر و مثلاً اگر سو تو ہوئے شخص کی تصویر کی پیچی جائے تو ایسا
 معمولی مصور تصویر میں صرف اسقدر دکھائے گا کہ آنکھیں بند ہیں جس سے ظاہر
 ہو کہ وہ شخص سورہ ہا ہے، لیکن ایسا دقيقہ رس تصوران خصوصیتوں کا بھی حافظ
 رکھے گا کہ کس نتسم کی نیند ہے؟ لگھری ہے یا معمولی؟ یا نجرا بی؟ اس سے بڑھل
 اس بات کو بھی لمحظہ رکھے گا کہ سونے کی حالت میں اعصار کی جو حالت ہوتی ہے

وہ بھی نایاں کیجا سے، بخیری میں لباس اور اعضا کی ہیئت میں جو یہ ڈھنگاں پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی ظاہر ہو، بچون، جوانوں، عورتوں اور مردوں کی نیند میں جو فرق ہے اسکی خصوصیات بھی نظر آئیں، اسی طرح جس قدر زیادہ فن تصویر میں کمال ہو گا اسیقدر تصویر میں بار بار یکیاں پیدا ہوتی جائیں گی،

یوتان میں ایک دفعہ ایک مصور نے ایک آدمی کی جستہ ہاتھ میں انگوڑ کا خوشہ ہے تصویر بنایا کہ موقع عام پر آؤیزان کی تصویر اسقدر اصل کے مطابق تھی کہ پرند انگور کو اصلی سمجھ کر اس پر گرتے تھے اور چونج مارتے تھے تام نائشکا میں غل پڑ گیا اور لوگ ہر طرف سے آگز کھنڈ کو مبارکباد دینے لگا لیکن صورت روتا تھا کہ تصویر میں نقص رہ گیا، لوگوں نے حیرت سے پوچھا، اس سے بڑھک در کیا کمال ہو سکتا تھا، مصور نے کہا ہے شیخ انگور کی تصویر اچھی نبی ہے لیکن جس آدمی کے ہاتھ میں انگور ہے اسکی تصویر اچھی نہیں درستہ پرند انگور پر لٹوٹتے کی جسرا ات نہ کرتے،

اس قسم کے دقائق اور بار بار یکیاں محاذات میں پائی جاتی ہیں اور یہی نکتہ ہیں جنکی بتا پر شعر میں فرق مرتب ہوتا ہے، محاذات کے یہ دقائق ہر چیز کی محاذات میں پائے جاتے ہیں یعنی خواہ کسی دافعہ کا بیان کیا جائے یا کسی نظر کا، یا جذبات انسانی کا یا کسی حالت پاکیفیت کا ہم ہر قسم کی مثالیں ذیل میں لکھتے ہیں،

دودن سے بے زبان یہ جو تھا اُپنے دانہ پر
دریا کو نہنا کے رگا دیکھنے سمن
ہر بار کا نپتا تھا سمدنا تھا بند بند
چکار لئے تھے حضرت عباس ارجمن

ترپاتا تھا جگ کو جو شور آبشار کا
گردن پھر اکے دیکھتا تھا مونہ سوار کا

یہ وہ موقع ہے کہ کر بلا میں حضرت عباس اہل بیت کے لئے پالی لینے گے
ہیں، اور نہر کے کنارے پہنچ ہیں، لیکن نہ خود پالی پہنچے ہیں نہ گھوڑے کو پالے ہیں،
صرف مشکل بھر لی ہے کہ اہل بیت کو لا کر پالائیں گے گھوڑا حضرت عباس ح
اس ارادے سے واقع تھا کہ اسکو پالی پلانا نہیں چاہتے، اب خیال کر دئیا کہ جان
کی دن کا پیاسا پالی کے پاس پہنچ جائے تو اسکی لیا حالت ہو گی، ایک طرف پیاس
اسکو بے اختیار کرنی ہے دوسری طرف آفائن ہے، اس دو طرفہ کشمکش میں با
بار کا نپنا اور بند بند کا بھٹنا اصلی پھرل اور فطری حالت ہے،

زلفیں ہوا میں اڑلی تھیں ہاتھوںیں لاتھی
لڑکے بھی بند کھو لے ہوئے ساختہ ساتھ
یہ وہ موقع ہے کہ اہل بیت کر بلا کے میدان میں اترے ہیں اور نجوما
اور بچے ساختہ ساتھ پھل قدمی کر رہے ہیں، کوئی اسمولی شاعر اس نظر کیما تا تو بچوں کا
ہمیلتہ کو دستے چلنابیان کر دیتا، لیکن نکتہ سخ شاعر کی نگاہ اپر پڑتی ہے کہ بچے تھنا
نہیں ہیں بلکہ اپنے سے بڑی عمر والوں کے ساختہ ہیں، اسیلے کھل کیل نہیں سکے
تامہم بچے ہیں اور بچوں کی خصوصیات نہ کہائی جائے تو داقہ کی اصلی اقصویں نہیں لکھیج

اسلئے اہتا ہے کہ "بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ رکھئے"

بعض جگہ صرف جزیئات کے ادا لیکن ہر جگہ سی شے یا واقعہ کے نام اجزا کی محاکات کرنے سے محاکات ہوتی ہے ضروری نہیں، فن تصویر کے ماہر جانتے ہیں کہ المثل صاحب کمال تصویر کے بعض حصے خالی چھوڑ دیتا ہے، لیکن اور اخفاہ یا اجزا کی تصویر اس خوبی کے ساتھ لکھنچتا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر چھوٹے ہوئے حصہ کو خود پورا کر لیتی ہے، اسکو مثال میں یون سمجھو کر کاغذ پر جو تصویر ہوتی ہے اُس میں عمق نہیں ہو سکتا کیونکہ کاغذ میں خود عمق نہیں یا وجود اسکے کاغذ پر نہایت موئے آدمی کی تصویر بنا سکتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ پونکھ تصویر میں عرض و طول موجود ہوتا ہے، اسلئے اسکی مناسبت سے قوت تھیلہ خود دبازت اور موٹا پن پیا کر لیتی ہے، اور ہم کو تصویر میں اسی طرح موٹا پا محسوس ہوتا ہے، جب طرح عرض طول محسوس ہوتے ہیں، شاعر اکثر کوئی واقعہ یا کوئی سماں یا نہیں اور تمام حالات کا استقصا نہیں کرتا لیکن چند ایسی نایاب خصوصیات ادا کر دیتا ہے کہ پورا واقعہ یا پورا سماں انکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

بنفسہ طرہ مفتوں خود گردہ میزد
 صبا حکایت زلف تو در میان انداخت
شعر کا اصل مطلب صرف اسقدر ہے کہ بنفسہ میشوق کی زلفت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اسکو شاعر اور اندرا زمین اس طرح ادا کیا ہے کہ گویا بقشہ ایسا
مشوق ہے، وہ اپنی زلفین آرائستہ کر رہی تھی اور اپنی ادا کوں پر تازان تھی،

لہ اتفاقاً کسی طرف سے صبا (جیکو ایک تاشا میں عورت فرض کیا جاتا ہے) اُنکلی
اُستے مشوق کی زلفون کا ذکر چھپ دیا ہے "بغشہ شرمگرہ گئی،
بغشہ کا شرم جانا شعر میں مذکور نہیں اور اس تمام منظیر میں وہی واقعہ کی جا
ہے، لیکن حالت کا سماں اس طرح کہنی چاہے کہ شرم جانا خود بخود لازمی نتیجہ کے طور پر
پیش نظر ہو جاتا ہے،

مان وہ نہیں وفا پرست جاؤ دہ بیو فاہی جیکو ہو جان ددل عزیزاً اسکی گھنی میں دل یو
اس شعر میں اس حالت کی تصویر کہنی ہے کہ عاشق عشق میں سرشار ہے
لوگ اسکے پاس جا کر اسکو سمجھا تے ہین کہ مشوق بیو فا ہے، اس سے دل لگانا
بیفائدہ ہے، عاشق جھلائ رکھتا ہے؛ "احپا ہے تو ہے جس کو اپنی جان عزیز ہو
وہ اس سے دل ہی کیوں لگاتا ہے" یعنی میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس سے
دل لگایا ہے میرا عشق اسکی وفا پر خصر نہیں، اس شعر میں یہ الفاظ کہ لوگ عاشق
تو سمجھاتے ہیں، "عشق مشوق کی وفا کا پابند نہیں" بالکل متردک ہیں، لیکن اور
واقعات اس طرح اور اس انداز سے ادا کئے ہیں کہ متردک جملے خود بخود سمجھ میں آجائے
ہیں اور تصویر کا چھوٹا ہوا حصہ نظر کے سامنے آ جاتا ہے،

تبلیغہ یہاں یہ نکتہ نہایت توجہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان موقوں پر
غلطی کا سخت احتمال ہے، اکثر اشعار جو چھپ دہ اور ناقابل فہم ہو جاتے ہیں اسکی وجہ
اے یہی ہوتی ہے کہ شاعر مضمون کا بعض حصہ ہیوڑ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ گرد پیش کا

صاحب اس خلوکو بھر دے گا، حالانکہ وہ اسکو نہیں بھر سکا اسی قسم کے اشعار بعض جگہ ہم
جا ستے ہیں،

الف محاکات کی تکمیل بعض اوقات مختلف پہلو دکھانے سے ہوتی ہے
ب سفید چیز کے سامنے سیاہ چیز رکھ دی جائے تو سفیدی اور زیادہ نمایاں ہو جائیگی
خالص طرح انگریزی حالت کے زیادہ نمایاں کرنے میں یہ طریقہ کام آتا ہے کہ اس کا
پہلو دکھایا جائے شلاً

برہمنہ دوان، دخت افراسیاب افراسیاب کی بینی ننگی
برستم کے پاس دروٹی اور روٹی آئی۔
منیرہ افراسیاب کی بیٹی تھی جو بیرون پر عاشق ہو گئی تھی اور اس جرم پر افراسیاب
نے اسکو لگھرتے نکال دیا تھا جب اس نے رستم کا آنسا ندا سکے پاس رہتی ہوئی تھی،
اس موقع پر فردوسی کو منیرہ کی بلکی اور غربت کی تصویر دکھانی ہے، اسلئے ایک طرف
مکو دخت افراسیاب کے لفظ سے تعمیر کرتا ہے تاکہ اسکی عزت اور حرمت کا تصویر
منے آئے دسری طرف کہتا ہے کہ وہ ننگی دروٹی ہوئی آئی جس سے اس کی
تنابت ہوتی ہے، ان دونوں پہلو کے دکھانے سے منیرہ کا بلکیں اور قابلِ حم
اجنم بنکر سامنے آ جاتا ہے،

منیرہ نہم دخت افراسیاب
برہمنہ ندیدہ تنم آفتاں

میں افراسیاب کی بیٹی منیرہ ہوں،

براجم آفاتاں نے بھی برہمنہ نہیں دیتا

برائے کیے بیشرن شور بخت
کم بخت بیشرن کے لئے،
فائدہ مزاج دفت ادم مزجت
سیرا ماج اور تخت سب جاتا ہے۔

یہ دونوں شعر بھی اسی صور سے مؤثر ہیں کہ مقابل حالین پیش کی ہیں یعنی جسکو افتاب نے برہنہ نہیں دیکھا وہ ایک بد بخت کی وجہ سے اس حالت میں گرفتار ہے،
تسبیح کے ذریعہ سے محکمات | محکمات کا ایک بڑا آلہ التسبیح، اکثر اوقات ایک چیز کی اصلاح
لصویر یہ سطح تسبیح سے دکھانی جاسکتی ہے دوسرے طریقہ سے ادا نہیں ہو سکتی لیکن
چونکہ تسبیح کی بحث آگے تفصیل سے آئیگی اس لئے اس موقع پر ہم اسکو قلم انداز کرتے ہیں
بہم طریقہ سے محکمات | الگ چیزیں جیسا کہ ہم اور لکھاؤ کے ہیں محکمات کا کمال یہی ہے کہ اس
چیز کی پوری تصویر یہ پیچی جائے جسکا طریقہ یہ ہے کہ تمام جزویات کا استقصا کیا جائے
یا بعض جزویات کو نایاں کر کے دکھایا جائے، لیکن بعض جگہ محکمات کے سور شہر نے
کے لئے یہ ضرور ہے کہ تصویر ایسی دہندی کھنچی پیچی جائے لہ اکثر حصہ اچھی طرح
نظر نہ آئیں،

عالم ارواح یا ملا کلمہ کی جو فرضی تصویر کھنچی جاتی ہے، اس میں صور تو نکوادر بار
کو نایاں نہیں کرتے، کیونکہ انسان پر ایک شے کی عظمت کا اثر اسوقت زیادہ پڑتا ہے
جب وہ اچھی طرح نظر نہ آئے، ذخیرہ مندر کی تصویر اس طرح کھنچے ہیں کہ موجودین، اور
آسمان کی فضادہندی نظر آئے، اندھیری را لوں میں دور سے خیال میں کوئی چشم
نا علّس نظر آتا ہو تو انسان ہیبت زدہ ہو جاتا ہے کہ علم نہیں کس درجہ کی ہویں چیز ہے

بہم طریقہ سے
محکمات

اُسی طرح بعض اوقات جب کسی چیز کی غلطت کی تصویر لکھنے مقصود ہوئی ہے تو تصویر کے حصے نایاں نہیں کئے جائے اور واقعہ کے قام اجزا ذکر نہیں کرے، برکت الہمہا ہے کہ ملٹن کی پریڈیا ایز لاست (کم ستدہ فردوس) میں سب سے زیادہ شاعری اس موقع پر صرف کیئی ہے جہاں شیطان کی تعریف ہے اور وہاں اسی طریقہ سے کام لیا گیا ہے، فارسی میں اسلکی مثال حسب ذیل ہے،

کیا بادشاہ نہیں جانتا کہ رواں کے دن	ملگر شہزادہ اندکم در روز جنگ
جنس میں میں نے کتنے سر کاٹے ٹائیں	چہ سرا بریدم در اقصائے زنگ
حمد میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا	پہیک تا ختن تا کج اما ختم
کتنے گردن کشون کے سرماڑا دیے،	چہ گردن کشان راس ان ختم

یہ وہ موقع ہے جہاں سکندر نے دارالخط الہا ہے اور اپنے کارنا میں بیان میتا ہے اگر اس موقع پر یہ بتا دیتا کہ وہ کہاں سے کہاں تک گیا تھا تو وہ بات پہیدا ہوئی جو اس اجمال سے ہوئی ہے، ۶

پہیک تا ختن تا کج اما ختم

تکیل کی تفصیلی بحث | اگرچہ محاکات اور تکیل دونوں شعر کے غرض ہیں، لیکن حقیقت ہے کہ شاعری دراصل تکیل کا نام ہے محاکات میں جو جان اُتی ہے تکیل ہی سے آتی ہے ورنہ خالی محاکات نفاذی سے زیادہ نہیں، قوت محاکات کا یہ کام ہے جو کچھ دیکھیے یا سُنئے اسلکوال فاظ کے ذریعہ سے بینے ادا کر دے، لیکن ان چیزوں میں

یہ دوں ترتیب یہ کہ زندگی سب دو قسم کا ہم ہیں ملکہ ترتیب و نئے چڑھانا
 قوت تحریکی کا ہے قوت تحریکی تعلقات صورتیں ہیں اس کرنے ہے
 ۱۰۷ عزیز غیرین مالک ہائیت قوت تحریکی سے ایک دوسری خانہ ہے جو
 ہائیات کی دو تحریکیں اور ہیں حساس اور خبر حساس بیکن شاعر دم تحریکیں کا ہندہ
 قوت دوستیں ایک دوسریں سے لے رہے ہیں ایک ایسا تاریخ صبح
 قوت دوستیں ایک دوسریں پیٹے سب اس سے ہمزاں کرنے ہیں سب سکے زندہ
 ہیں سب سے ایک تعلقات ہیں وہ شب دوں ایک صبح دوں تعلقات ہیں خواب کرنا تو
 شب دوں ہیں ایک ایسا ہے جو ہمیں بینی ہے
 دوست تحریکی ملکی سب ملکی ہے ایک ایسا ہے جو ہمیں بینی ہے
 شب دوں سب ایک ایسا ہے جو ہمیں بینی ہے ایک ایسا ہے جو ہمیں بینی ہے
 مالک دوست شاعر کے شریں ہے وہ شب دوں گوست رائے اور دوست
 ۱۰۸ ایسا ہے ملکا پتہ دوست کے ناقچہ ہوئی مانگنے کی نہ بہت بیش آئی
 سب ایک ایسا ہے جو ہم جیکا دوں دوں گراہے
 ملک بیکھی سے ایسا ہے ایک ایسا ہے
 خرامان شدیاں ایک سنتیں ہیں ایک ایسا ہے باول چپل

بیدار می خواه اب
کسی حدت نماین که نماید
بز خود خوب است قل
بتوانست که نای برازد
که بگفت اس سے عجیب نجیب داشت بن شا
لئے خوشبعت در دام در دست
قدار دست محبوب در سنم
بدل خود را کشی بگیری
که از دام اس نماید و سنم
پس اس کی ای بسته در دام
دیگر نداشت با این نشسته
چون خشی بین دین شکر
در دام بین دین فرماده
کی نام کاید در دخوبه
کی قطعه بار از زبر جسب
خل شد بورپن اس در دنیه
که بخانه مهدیه است اس کی میخ

ایک خاص ترتیب پیدا کرنا، تناسب اور توافق کو کام میں لانا، ان پر آب درنگ چڑھانا،
وقت تخيیل کا کام ہے، وقت تخيیل مختلف صورتوں میں عمل کرتی ہے،

(۱) شاعر کی نظر میں عالم کائنات، وقت تخيیل سے ایک اور عالم بخاتا ہے، ہم
کائنات کی دو قسمیں کرتے ہیں، حساس اور غیر حساس لیکن شاعر کے عالم تخيیل کا ذرہ

ذرہ جاندے اور ہوش و عقل و جذبات سے بہرپور ہے، آفتاب، اہناب، ستارے، صبح،
شام، شفق، باغ، بچوں، پتے، سب اس سے ہم زبانی کرنے ہیں، سب اسکے رازدار
ہیں، سبے اُسکے تعلقات ہیں، وہ شب و صل اور صبح و صل سے یون خطاب کرتا ہی

اسے شب؛ الگرت ہزار کار است مرد اس رات تھللو آج ہزار دون کام ہی لیکن جا

وے صبح لگرت ہزار شادی است مخدن اسے صبح اپنہ ہزار دون خوشیاں ہی لیکن ٹھنڈے

شب و صل میں وہ آسمان سے کہتا ہے،

نہ گویم اے نلک کز کچھ وی ہیت لبرگردی اے آسمان میں بھجی یہ توہین دیتا کہ توپی کچھ وی
شب و صل است، خواہم این قدر ہے سہر گردی لیکن نثار کم آج شب و صل ہے، ذرا آبستہ چل کر پلینی صل

عالم فطرت شاعر کے اثر میں ہے، وہ سب پر حکومت کرتا ہے اور ان سے
کام لیتا ہے، اسکو اپنے مدد و حکم کے تاج پر مولیٰ ٹانکنے کی ضرورت بیش آئی
ہے تو کارکنانِ فطرت کے نام احکام صادر کرتا ہے،

علم برکش اے آناب بلند اے آناب بلند ہو

خر امان شو، اے ابر مشکین پزد اے بادل چسل،

وقت تخيیل
ایک عالم
پیدا کرتی ہے

ببارے ہوا، قطرہ ناب را
 بگیرے صدف، درکن آن آب دا
 برآئے دراز قدر دریائے خوش
 پتاج سر شاہ کن جائے خوش
 افرادِ کائنات، اس سے عجیب عجیب راز کہتے ہیں، مثلاً
 گلے خوشبوئے در حامِ روزے
 فتا دار دستِ محبوبے بدستم
 بد و گفتگم کہ مشکلی یا عسری
 کہ از بوئے دل آدمیز تو ستم
 بگفتام گلے ناچیز بودم
 ولیکن مدتے باگل نشتم
 جمالِ عتشین در من اثر کرد
 و گرہ من ہمان خاکم کہ هستم
 اہی عالم کا ایک اور دو افہم ہے،
 یکے قطرہ باران زابس چکید
 خجل شد چوپناۓ دریا بدید
 کہ جائے کہ دریاست من کیستم

اے ہوا پانی برسا،
 اے سیب اُس پانی کے قطرہ کو موتی بنا،
 اے مولی دریا کی تھے نہل
 اور بادشاہ کے تاج پر جا کر جلھے لے،
 بھکلو ایک دن، ایک دوست
 نے، خوشبو دار مٹی دی،
 میں نے اُس سے کہا تو مشکل ہیا عیز
 کہ میں تیری خوشبو سے ست ہوا جاتا ہوں
 بولی کہ میں ایک ناچیز مٹی تھی،
 لیکن چند روز بھول کی صحبت میں ہی
 ہنسنیں کا جمال مجھ میں اڑ کر گیا،
 درستہ میں تو اب بھی دھی مٹی ہوں جو پہاڑ تھی
 پانی کا ایک قطرہ بادل سے ٹپکا،
 دریا کا پاٹ دکھکر شرمایا،
 کہ دریا کے ہوتے میں کیا چیز ہوں،

گر او ہست حقالہ من نیستم،

اگر در بنا نہ ہے تو زین نہیں ہون۔

چون خود را ج پشم حقارت بدیدہ

چون کما سنتے اپنے اپ کو تھیر تھجا

صدوف در کثار شہ جان پر دیدہ

اسکے سیدیب نے اسکو انی گود بین پلا

اہ عالم میں شاعر کی تاریخ زندگی عجب دیج پسیوں سے بھری ہوتی ہے بلیل۔

ای عالم میں اس سے زمزمه سنجی کی تعلیم پائی ہے، پر وانے اسکے ساتھ کے کمیہ
ہوئے ہیں، اُن شمع سے رات بھر دہ سوز دل کھتار ہے، نیم سحری کو اکثر اُنے
قادِ بنا کر محظوظ کے یہاں بھیجا ہے، بارہا اُنسنے فپٹہ کی عین اُسوقت پر دہ دری کی جب
وہ معشوق کا عشم چڑھا رہا تھا،

شاعر کا احساس، نہایت لطیف، تیز اور مشتعل ہوا تھا ہے، عالم لوگوں کے جذبات

بھی خاص خاص عالیوں میں مشتعل ہو جائے ہیں اور اس وقت وہ بھی بظاہر قدرستہ

ای طرح خطاب کرنے لگتے ہیں، خیال کر دیکھ عورت جس کا جوان بیٹا مر گیا ہے

اُس کس طرح موست کو، اسماں کو، زمین کو کوئے دیتی ہے، اس طرح ان سے خطاب

کرنی ہے، اسکو صفات لظرف آتا ہے کہ یہ سب اسکے دشمن ہیں، انہی نے اسکے پیارے

بیٹے کو اس سے چھین لیا ہے، الحنون نے دانستہ اپنے ظلم کیا ہی،

لیکن شاعر کے نام احساسات اور جذبات، سرجن الاغنیاں، سریع الحس۔

اور زد اشتعال ہوتے ہیں، وہ مشرق کی گلی زین جاتا ہے، تو اسکو علائیہ درودیوار

سے ایک لذت محسوس ہوتی ہے، اسکو درہ ایک خاص علامت قرار دیا ہے

کہ عشق و گھر میں موجود ہے، کیونکہ جب کبھی مشوق گھر میں نہیں ہوتا تو اسکو یہ لذت نہیں محسوس ہوئی اسی بنا پر شاعر کہتا ہے،

لگراز خانہ بردن بود کہ شب در کو لش
شاید وہ کل گھر میں نہ تھا، کیونکہ کل مجھ کو
پیچ دو تسمیہ زنگا، درودیوار نہ بود
درودیوار کے دیکھنے سے کچھ لذت نہیں بلیقی
داقعات عالم پر حب و عبرت کی نظر ڈالتا ہے تو ایک یہ فرہ ناصح بن کر اسکو اخلاق اور
علم کی تعلیم دیتا ہے، اس عالم میں وہ گورنر بیان میں جانکلتا ہے تو پوسیدہ ہے بیان
علانیہ اُس سے خطاب کرتی ہیں،

کہ زہمار، الگ مردے، آہستہ تر،
بھائی! اذر ا دیکھ کر چل،
کہ چشم دینا گوش دروے استغمر،
یہاں انکھیں ہیں چہرے ہیں سرہیں
عالم شوقی میں وہ بچوں بات یہن انھالیتا ہے تو اسکو صاف مشوق کی خوبیوں
آئی ہے اور بچوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،
اسے گل بہ تو فر سندم تو بے کسے داری

یہ باتیں کسی اور کی زبان سے ادا ہوں تو ہم اسکو مجنون تمجھیں گے، لیکن شاعر
اس انداز سے کہتا ہے کہ سننے والوں پر اثر ہوتا ہے، کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اثر
میں ٹوپا ہوتا ہے اور حقیقی حالت کی تصویر ہوتا ہے،

شاعر بعض وقت خود افرا رکرتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے ممکن ہے کہ وہ واقعی
لبخواصہ ف اسی کو ایسا نظر آتا ہے، لیکن اس بات کو بھی وہ اس انداز سے کہتا ہے کہ

سکے متاثر ہوئے سے سب متاثر ہو جاتے ہیں، مثلاً

دار دجال روئے تو، امشب ناٹنے دگر
تیرخن ہی آج کی رات کچھ بڑم گیا ہے،
باآن کمنے بدنیش، بہتر زبھائے دگر
یا کچھ محبوب کو اور اونکی بہ نسبت زیاد خوشنام عالم ہوتا ہے

(۲) یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ تخيیل صرف خیالی اور سیماوی صورتوں کا نام ہے
جو جذبات کے طاری ہونے کے وقت نظر آتی ہیں، تخيیل نے اکثر وہ راز کھولے ہیں
جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی بخوبی نظر، وقت آفرینی اور حقیقت بخی جو
فلسفہ کی بنیا ہے تخيیل ہی کام ہے، اسی بنا پر شاعری اور فلسفہ دوبارہ
درجہ کی چیزیں تسلیم کی گئی ہیں، کیونکہ دل ان میں تخيیل یکسان کام کرتی ہے، ہومروزان
کام شہور شاعر اس زمانہ میں تھا جب یونان میں فلسفہ کا وجود بھی نہ تھا اور اس وجہ
وہ فلسفہ وغیرہ سے نا آشنا تھا، تاہم اس طور نے اپنی کتاب النقط میں شاعری کے جو
علمی اصول منضبط کئے اسی کے کلام سے کہ ہیں، چنانچہ ہر جگہ اسکے حوالے دیتا
ہے، گیزرو جو فرانش کام شہور مصنف ہو لکھتا ہے،

ہوم کے شعر میں جو ہے باہمی نظر آتی ہیں کہ وہ خیر اور شر، غصت اور قوت، افکار اور
جذبات کو ساختہ ساختہ دیکھتا ہے، اور غیارات اور اقوال کا تنویر اور فطرت کے
حالات کو اس دست اور رنگ برناگ طریقون سے لکھتا ہے کہ شاعر ان
جذبات کو اشتعال ہوتا ہے جسکی نظر میں نہیں مل سکتی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے
کلام میں ہر اصل کی صنعت اور انسان اور عظام کائنات کی حقیقت

مندرج ہے،

اسٹو نے علم الاحلاق پر جو کتاب لکھی اور جو تحقیق طوی اور جلال الدین روایی کے ذریعہ سے فارسی زبان میں لگئی ہے، ہمارے سامنے ہو، لیکن شاعری نے فلسفہ اخلاق کے جو نکتے ادا کئے اسٹو کی کتاب میں نہیں ملتے، نہ صرف اخلاق بلکہ داردات قلبی، فطرت انسانی، عام معاشرت کے متعلق، شعراء نے جو فلسفیات نکلپیدا کے، فلسفہ کی کتابیں ان سے خالی ہیں۔

تحکیمیں سلم اور طبقہ شدہ بالون کو سرسری نظر سے نہیں دیکھی بلکہ دوبارہ اُن تضیید کی نظر ڈالتی ہے اور بات میں بات پیدا کرتی ہے، مثلًا اہل منطق نے تمام چیز وون کی دو قسمیں کی ہیں، پیری اور نظری، پیری اُن چیز وون کو کہتے ہیں جو غور اور فکر کی محتاج نہیں اس بنا پر وہ پدھیات کے متعلق عوروفکر کو ضروری نہیں سمجھتے لیکن شاعر کہتا ہے،

ہر کس نہ شناسندہ راز است و گرنہ	ہر شخص راز کا شناسانہ نہیں درد
این ہاہمہ راز است کہ مفہوم عوام است	یہ چیز ہیں جو عوام کی معلومات ہیں جسے سب انہیں
سیکڑوں سائل کو لوگ لقینی اور پیری سمجھتے تھے لیکن آج جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ وہ غلط تھے ایسے غور و فکر کے محتاج تھے،	جسے سائنس نے آج ثابت کیا کہ ہر شے متحرک ہے، جن چیزوں کو ہم ساکن سمجھتے

جید سائنس نے آج ثابت کیا کہ ہر شے متحرک ہے، جن چیزوں کو ہم ساکن سمجھتے

ہیں ان کے بھی ذات متحرک ہیں گوہم کو محسوس نہیں ہوتے، ہمارے شاعر نے اُج سے دو برس پہلے شاعر اتم انداز میں کہا تھا،

بوجیم کہ آسودگیِ عاصدِ م ماست
بهم سوچیں، جمارِ الہب جانا ہمارا فنا بجا نا بے
زندہ یہ آنکھ کہ آرام نہ گیر سرم
ہماری زندگی بھی بے کہم چین سے نہ بیٹھیں
فلسفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم میں متفاہ چیزوں ہیں اور ان میں مقابلہ اور
مزاجست ہے، مثلاً حرارت و برودت، سکون و حرکت، انخلال و ترکیب، پہار و خزان
ظللت و لوز، عزت و ذلت، صبر و غضب، عفت و فسق، جود و بخل، الحنی کی باہمی کشمکش
اور موازنہ سے یہ عالم فائیم ہے، درست اگر ان میں صلح ہو جائے یعنی صرف ایک نوع کی
چیزوں رہ جائیں تو عالم پر یاد ہو جائے، اس نکتہ کو مولا ایثار و حم نے ان مختصر لفظوں
میں ادا کر دیا، ۴

ایں جہان، جنگ است کل چون بنگری

عام طور پر مسلم ہے کہ بحث و تقریر اور مناظرہ و مکالمہ کے لئے بڑی لیاقت درکار
ہے لیکن خواجہ عطار فرماتے ہیں،

باز باید فهم و عقل بے قیاس تاشود خاموش یک ہلکت شناس

یعنی بولنے کے لئے جو قدر عقل درکار ہے چپ رہنے کیلئے اس سے بھی زیادہ
عقل درکار ہے، یونہجہب الشان تحقیق اور تحریب کے تمام مراحل طے کر جلتا ہے
اُسوقت اسکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ انسے اب تک جانا سب بچ ہتا ہے جنما چم

سفر اطے جب لوگون سے پوچھا کم اپ کو اتنے دن کی خود فکر کے بعد کیا
علوم ہوا ہوتا ہے کہا، یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہیں معلوم ہوا“

اور جس بیہ مرتبہ حاصل ہو گا تو خواہ تجوہ انسان جب ہو جائے گا، اسے چب
ہونے کے لئے بولنے سے زیادہ عقل اور تجربہ درکار ہے،

جیروقدار کے سسلہ میں یہی خور اور فکر کے بعد اریاب اختیار نے یہ استدلال
یا حکماں ہمارا ارادہ ہمارا اختیاری فعل ہے، اسلہ ہم مجبور نہیں بلکہ مختار ہیں، لیکن
عابی نے اس استدلال کی غلطی کا پردہ اس طرح فاش کیا،

یہ حکشن نیست ہر چیز زدا زما مانورہ ادست نفس امارہ ما
لینی یہ ہمارا اختیار بھی مجبوری ہے ہمارا نفس ہمکو یہ شک حکم دیتا ہے لیکن
اس حکم دینے بن وہ خود کسی اور کا محاکوم ہے غرض اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں نکتے
بن جو قوت تخلیل سے حل کے ہیں، فلسفیانہ شاعری پر جہان رو یو آئے گا دن اسکی
شاندین کثرت سے ملیں گی،

قوت تخلیل کی استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے وہ ان
توں کو جو اور طرح سے ثابت ہو چکی ہیں نئے طریقے سے ثابت کرتی ہے، یہ طریقہ
استدلال کو ایک فتح کا منطقی مذاہطہ ہوتا ہے، یا خطابیات پر بنی ہوتا ہے لیکن قوت
تخلیل کے عمل سے شاعر اسکو اس انداز میں بیان کرتا ہے کہ سامنے اسکی صحت و نطلی
کی طرف متوجہ ہیں جو ساختا، بلکہ اسکی دلفری سے مستحور ہو جاتا ہے اور بے ساختا امنا

بول اٹھتا ہے،

مشائیں بات کم جو لوگ "رسیدہ اور صاحب کمال ہوتے ہیں وہ خاکسار ہوتے ہیں
اسکو شاعر اس طرح ثابت کرتا ہے،

۱ فروتنی است دلیل رسیدگان کمال

کم چون سوار یہ منزل رسید پیادہ شود

۲ عزت شاہ ولگہ ازیز میں یکسان ہے

قبر ہن جا کر بادشاہ اور فقیر سب برا بر ہو جاتے ہیں اور سب کی عزت یکسان

رہ جاتی ہے اس دعوے کو شاعر یون ثابت کرتا ہے کہ دیکھو زمین سب کے لئے

جلگھ خالی کر دیتی ہے (جلگھ خالی کرنا تعظیم کو کہتے ہیں،)

۳ رد شندلان خوشامد شاہان نکر دہاند آمنیہ عیب پوش سکندر بنی شود

یعنی جو لوگ ارشندل اور صاف طینت ہیں وہ بادشاہوں اور امیروں کی

خوشامد نہیں کرتے اسکا بہوت یہ ہے کہ آمنیہ نے سکندر کی عیب پوشی نہیں

کی حالانکہ (بقول شاعر) آمنیہ سکندر ہی کی ایجاد ہے،

۴ قطع امید کردہ سخا ہنسیم ہر شاخ بُریدہ راظہ بے براہی ایست

یعنی جس نے امید قطع کر لی اسکو بچرہ دنیا کے عیش اور ارام کی پروانیں تھیں

جو شاخ درخت سے کاٹ لی جاتی تھے اسکو بیمار کا انتظار نہیں ہوتا،

۵ رد شندلان حباب صفت دیدہ بستاند روزن چہ احتیاج اگر خانہ تازیست

یعنی جو لوگ روشن دل ہیں وہ ظاہری انکھیں بند کر لیتے ہیں، اور دل کی انکھوں سے دیکھتے ہیں اچانچہ حضرات صوفیہ کے نام اور آنکھیں قلبی دار دلات ہوتے ہیں جنکو ظاہری بنیائی سے کوئی تعلق نہیں، اسکو شاعر اس طرح ثابت کرتا ہے کہ گھر اگر خود روشن ہو تو موکھے اور دریچے کی کیا ضرورت ہے جس طرح جواب کا گھم کہ خود روشن ہے اسلئے اسیں روشن اور موکھا نہیں ہوتا،

علت و معلول اور اسباب و نتائج کا عام طرح پر جو سلسلہ سیلم کیا جاتا ہے شاعر تخلیل کا سلسلہ اس سے بالکل الگ ہے وہ عام اشیاء کو اپنے نقطہ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ عام جزیرین اسکو ایک اور سلسلہ میں مرتب نظر آتی ہے ہر جزیر کی غرض، غایت، اسباب، حرکات، نتائج اسکے نزدیک وہ نہیں جو عام لوگ سمجھتے ہیں، مثلاً در عدم، ہم ز عشق شور سے بست گل گریبان دریدہ می آید بھول جو کھلتا ہے اسکو گریبان دریدہ کہتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ عدم میں بھی عشق کا چرچا ہے اور وہاں بھی لوگ عشق اور محبت کے جوش میں کپڑے پہاڑا دالتے ہیں، چنانچہ بھول جو عالم عدم سے آیا ہے گریبان دریدہ آیا ہے،

بُرْقَ بِرْخَ الْفَنَدَه بِرْ نَازَبَه بِاغْشَ تَنَكَّتَ گُلَ بَجِيَه آيِدَه وَمَا غَشَ مَشْوَقَ جَالِيَ كَانْفَابَ پَهْنَكَرَ بَاغَ كَسِيرَ كَونَكَلا، شَاعَرُ كَوْتَ تَخْنِيلَ سَيِّرَ نَظَرَ آتا ہے، کم عشووق چونکہ نہایت نازک اور لطیف الطبع ہے اسے جا ہتا ہے کہ بچھوٹکی خوشبو دماغ میں آئے تو چہ نہ کر آئے اسلئے اسے جالی کانفاب پین لیا ہے،

ز اہنگ خدا رام ب دعوے طلبید شدَّادِ ہمانا، پسرے داشتہ است

شاعر کو معلوم ہے کہ شحداد ایک شخص تھا جس نے ایک بہشت بنالی تھی اور اُسکا نام احمد رکھا تھا، فرشتے خدا کے حکم سے اب بہشت کو اڑانے لگے اور اب وہ اور بیشتوں کے ساتھ شامل ہے۔ شاعر کو یہ بھی معلوم ہے کہ زاہدِ دن کو دھوکہ ہوتا ہے کہ انگو جنت ضرور ملے گی، اب شاعر کی قوت تخلیق یعنی پیدا کرنی ہے کہ کہ غالب آزاد شداد کے چاندِ ان میں ہے اسلئے اسکو دعویٰ ہے کہ بہشت چونکہ اُسکے مورث (شدَّاد) کا ترکم ہے اس لئے اسکو درافت میں ضرور ملے گی،

وضع زمانہ قابل دیدن ز دبارہ دیست زمانہ کی وضع دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں رولپس نہ کرد ہر کم ازین خالکداز نہ لگشت اسی لئے جو یہاں سے جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا یہ سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص مرکر زندہ نہیں ہو تاکہ شاعر کے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے مکروہات اس قابل نہیں کہ کوئی شخص اسکو ایک دفعہ دیکھ کر دوبارہ دیکھتا چاہے، اسلئے جو شخص دنیا سے جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا، پھر مردم دو زن را کشف دخیریداری بخیل سوے متاع رو دکار زان است اکثر نالائق لوگ بڑے مرتبہ پڑھنچ جاتے ہیں، شاعر کے نزدیک اسی یہ وجہ ہے کہ بخیل جب کوئی اچھیر خریدے نے کو بازار میں چاتا ہے تو سستی ہی چیزوں کی طرف جھکتا ہے، اسلئے زمانہ بھی کہنے اور نالائق اور میونگی طرف تو ہم کرتا ہو، اب یہ کہ خون ناچ پر دانہ مشمع را تم نے دیکھا! پر دانہ کے خون نے مشمع کو

چندان امان ندا کہ شب را سحر کند
اتنی بھی مدت نہ دی کہ ایک رات بھی زندہ نہ رہے
پردا نہ شمع پر گر کر جل جاتا ہے شمع صحیح کے وقت بسجھا دی جاتی ہے اب شاعر کی
وقت تخلیل ان واقعات سے یعنی پیدا کرنے کے یہ وہی پردا نہ کا انتقام ہے
کہ شمع ایک رات بھی زندہ نہ رہنے پائی،

وقت تخلیل ایک چیز کو سوسودھ دیکھتی ہے اور ہر دفعہ اسکو اُسمیں ایک
نیا کر شمہ نظر آتا ہے، پھول کو تین سیکڑ دن بار دیکھا ہو گا اور ہر دفعہ تین صرف
اسکی رنگ و بوت لطف اٹھایا ہو گا، لیکن شاعر وقت تخلیل کے ذریعہ سے ہر بار
تنے نئے پہلو سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ اسکو نیا عالم نظر آتا ہے، وہ اسکی
خوبی سے لطف اٹھاتا ہو تو بے ساختہ معشوق کی بوئے خوش باد آجائی ہے اور

استا ہے، ۶

ے گل بتو خرسندم تو بولے کسے داری اے پھول میں تجھے خوش ہوں تجھے کسی کی خوبیوں اہی ہی
وہ دیکھتا ہے کہ دوہی چار دروز کے عرصہ میں پھول کا درخت گلا کلی پھولی،
پھول کہلا اور پھر خشک ہو کر گر پڑا، اس سے اسکو زمانہ کی بیرقاںی کا خیال آتا ہے
وہ دیکھتا ہے،

بے ہری دہر زین کہ دریک ہفتہ زمانہ کی سرد مری دیکھو کہ ایک ہی ہفتہ میں
ل سرز دو خپڑ کر دو پشکفت و برخیت پھول نے سرناکلا غصہ ہوا، کہلا اور پھر گر پڑا،
پھول پر شکم دیکھتا ہے تو لہتا ہے،

نہ شبیم است چمن را بردے ائشناک عرق زردے لے تو کردا است گل بدمان کی
 یعنی شبیم نہیں ہے بلکہ بچول نے اپنے دامن سے مشوق کے چہرہ کا پسند
 پوچھا ہے، ہر ہی بھری ٹھنی میں بچول دیکھے تو خیال پیدا ہوا کہ شراب کے لال لال
 کلاس میں بھرپور شک ہوا کہ کاش میں بھی ایک ہاتھ میں اسقدر کلاس لے سکدے
 اس خیال کو یون ادا کرتا ہے،
 دیدہ ام شاخ گلے بر فویش مے پچم کے کاش میں لے ایک بچول کی شاخ دیکھی مجھکو شکنہ کیا
 می تو انتم بیک دست این قدر ساغر گرفت کاش میں بھی ایک ہات میں اتنے پیالے لے سکا
 بچول میں جو ریزے ہوئے ہیں، انکو زرگل کہتے ہیں، کلی جب کھلتی ہے تو یہ محل
 ہوتا ہے کہ گڑہ کھل رہی ہے ان دونوں باتوں کے مجموعہ سے شاعر نے یہ
 خیال پیدا کیا،

در چمن باد حکم بوسے لے تو سودا می کرد
 گل بکفت داشت زر غنچہ گردہ دامی کرد
 او چھے اور کھڑف لوگون کا قاعدہ ہے کہ ہر شخص سے پہلی ہی ملاقات میں
 بے تکلف ہو جاتے ہیں اور کھل کہیتے ہیں، لیکن با وقار لوگ جب کسی مجلس میں پہلے
 پہل شریک ہوئے ہیں تو رُکے رُکے رہتے ہیں، شاعر نے دیکھا کہ بچول جب
 نکلتا ہے تو غنچہ ہوتا ہے پھر کھل کر بچول بن جاتا ہے، اس سے اسکو خیال پیدا
 ہوا کہ یہ دھی اصول ہی چنانچہ کہتا ہے،

در مجلس کے نازدہ در آئی گرفتہ بہش اذل ببا شغ غنچہ، گرد برجیں زند
 گرفتہ کے معنی "در کے رہنے" کے ہیں، اگر جبین ردن بھی اسیکے قریب ہے اشعر کا طلب
 ہے کہ جس مجلس میں پہلے پہل جاؤ تو خود داری کے ساتھ بیٹھو، غنچہ جب باش میں آتا
 ہے تو اسکی پیشانی پر گرد ہوتی ہے،
 بچوں کے پتہ کو ہو امین اڑتے دیکھا، تو خیال پیدا ہوا کہ باع نے خط دیکھ میں مشوق
 کے پاس قاصد بھیجا ہے،

برگِ گل را بکھت باد صبا میں بیتم باد صبا کے ات میں بچوں کا پتہ نظر آہی غایباً
 باع ہم جانب اونا مہ برسے پیدا کرد باع نے مشوق کے ان قاصد بھیجا ہے،
 سُرخ سُرخ بچوں دیکھے، تو خیال ہوا کہ باع میں چرا غان کیا گیا ہے، اور پر
 بارل نظر پر تو سمجھا کہ یہ اسیکا دھوان ہے،

اب در حسن حمپ دودو چرا غان گل است
 اگلے زمانہ میں دستورِ تھاکم جب کوئی کتاب یا کاغذیے کا رہو جانا تھا تو اسکو
 ای سے دھوڈلتے لئے، شاعر نے بچوں کا پتہ پالی میں تیرتا ہوا دیکھا تو خیال
 پیدا ہوا کہ

فتر حُسن بہار است کم در جهد تو شست برگِ گل نیست کہ از باد دب اب فتاده بہت
 یعنی یہ بچوں کا پتہ نہیں جو بانی میں نظر آ رہا ہے، بلکہ بہار نے مشوق کا حُسن
 بیکھرا پئے حُسن کا دفتر پانی سے دھوڈلا،

کی خوش روشنین کے ہاتھ میں بچوں دلکھا تو اُس سے زیادہ خوشنام معلوم ہو
جنما اُسوقت مسلم ہوتا تھا جب وہ ہنی میں تھا، اس بنایا کرتا ہے،
زخارتِ چینت، بر بہار منت ہاست
تو نے باغ کو لو بہار پر احسان کی کیونکہ تیرے باز
کہ گل پرست نواز شاخ تازہ تر ماند
بچوں سے زیادہ خوشنام جتنا پہلے تھا یعنی جب ہنی
پوچھنے تو جور و شنی پھیل جاتی ہے، اسلوک شیر صح کہتے ہیں، تبسم اور ہنی کو شیرین
باند ہتھے ہیں، صح کے وقت بچوں کا کہلانا نہایت خوشنگوار ہوتا ہے، ان بالوں سے
شاعر کی قوت تھنیل نے یہ خیال پیدا کیا،
شیر ہنی تبسم ہر غنج پر امپرس در شیر صح خندہ گل اشکر گذشت
لینی غنج کے تبسم میں جو شیر ہنی ہے اسکا بیان نہیں ہو سکتا یہ معلوم ہوتا
ہے کہ شیر صح میں خندہ گل نے شکر گھوں دی ہے،
اس قسم کے سیکڑوں خیالات ہیں، جو قوت تھنیل نے صرف ایک بچوں سے
پیدا کئے اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ قوت تھنیل کی موشنگا فیان اور دقیقہ آفرینیاں
کس حد تک ہیں،

شاعر قوت تھنیل سے نام انتیا، کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتا ہے وہ
ہر جیز کی ایک ایک خاصیت ایک ایک وصف پر نظر ڈالتا ہے، پھر اور اور
چیز دن سے انکا مقابلہ کرتا ہے، انکے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتا ہے، انکے مشترک
اوصدانت کوڈ ہونڈھ کر ان سبکو ایک سلسلہ میں مرپوٹ کرتا ہے، کبھی اسکے برخلاف

جو جیزین بیسان اور متی خیال کی جاتی ہیں ان کو زیادہ نکتہ سنجی کی نگاہ سے دیکھتا ہو
اور ان میں فرق اور امتیاز پیدا کرتا ہے،

ذلیل کی شانوں سے اسکا اندازہ ہو گا،

چنان باد وست آمیزم ہدای گرمی جان ہوئی یعنی مشوق سے سطح شوق میں لپٹا ہوں
کہ درینگام جانبازی ہدشمن دشمن آمیزد جب طرح لڑائی میں دشمن سے دشمن لپٹ جائے
دشمن کا دشمن سے اور عاشق کا مشترق سے ملنا مستضاد حالاتین ہیں، لیکن
دو لذتیں شاعر نے قدر مشترک پیدا کیں، عاشق مرت کے بعد مشوق سے جب ملا
ہے تو جس بخش اور رُب سے ملتا ہے، اسلئی ظاہری ہیئت اُس سے مشابہ
ہوتی ہے جب دشمن دشمن سے غصہ میں لپٹتا ہے،

اسے برہن بچہ زلتی طمعہ کہ در بعد ما سچے میست کہ آن غیرت زندگی نیست
برہن طمعہ دیتا تھا کہ مسلمانوں کے پاس زنا نہیں، شاعر کہتا ہے کہ آج ہل
مسلمانوں کے افعال اور اقوال وہی ہیں جو کافر دن کے ہیں، اسلئے ان میں
اور کافر دن میں فرق نہیں، اس بنابر انکی تسبیح زنا ر سے کم نہیں زنا اور تسبیح
بالکل مختلف بلکہ مستضاد جیزین ہیں، لیکن شاعر نے دو لذت کو قدر مشترک کے
لحاظ سے دیکھا تو ایک نکلے،

مالم کے کشم از در دتو گا ہے لیکن تابہ ب میر سد از ضعف نظر ہیگرد
مسلمات شاعری میں ہے کہ مشوق عاشقون کی فریاد اور نالم سے خوش

ہوتے ہیں۔ شاعر اس شعر میں مشوق سے خطاب کرتا ہے کہ تو مجھکو جپ دیکھ کر
یہ سمجھتا ہے کہ میں نالہ نہیں کرتا، لیکن یہ صحیح نہیں، میں نالہ کرتا ہوں لیکن ضعف ہے قد
ہے کہ لب تک آتے آتے وہی نالہ سانس بنکر بجا تاہم اس میں حمنا یہ بھی ثابت
کرنا ہے کہ میں ہر وقت نالہ کرتا ہوں کیونکہ میرا ہر سانس نالہ ہی ہے جو صفت کی
 وجہ سے سانس بن گیا ہے،

من ان نیم کھرام از حلال نشنا سم شراب بالحلال است دائمی تحرام
شراب اور پانی مختلف الحکم چیزیں ہیں، یعنی شراب حرام ہو اور پانی حلال،
شاعر کہتا ہے کہ دراصل دونوں کا ایک ہی حکم ہے، مشوق کے ساتھ پی جائے
تو شراب اور پانی دونوں حلال ہیں، اور مشوق کے بغیر پی جائے تو دونوں
حرام ہیں، اس مضمون کو نہایت لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے، پہلے مصرعہ میں
کہتا ہے، کہ میں ایسا شخص نہیں کھرام اور حلال کی محکموں تیز نہ ہو، یعنی میں فقہ
کے مسائل سے باخبر ہوں، اور فقیہ ہوں، پھر مشوق سے خطاب کر کے کہتا
ہے تیرے ساتھ شراب پی جائے تو حلال ہے اور پانی تیرے بغیر پیا جائے
تحرام ہے، دونوں حالتوں میں دعوے کے ایک ایک جزو کو جھوڑ دیا ہے
کہ کہنے کی حاجت نہیں،

پہنچلم بخوشی پہ تسمیہ نگاہ می لو ان بُرُد بہ ہر شیوه اول سان اننس
لگنگلو اور سکوت بالکل متنضا درجیزین ہیں، لیکن پونکہ مشوق کا سکوت اور

لُفْتَگُور و لُون دل ریا ہیں، اسی دل ریا کے وصف کے لحاظ سے دو لون بیسان ہیں، اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔ اول تو مننا قصہ چیزوں کو اثر کے لحاظ سے بیسان تابت کیا حالانکہ مختلف چیزوں کا اثر مختلف ہونا چاہئے اسکے ساتھ "بہ ہر شیوہ" سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ تکم اور خوشی کی تخصیص نہیں بلکہ مشوق کی جوادا ہے دل کے چھیننے کے لئے کافی ہے، "آسان" کے لفظ سے یہ تابت کرنا ہے کہ دل فطرة در داشنا ہے کہ ہر ادا پر فوراً لوٹ جاتا ہے، تختیل کے لئے مراد اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ تختیل کے لئے معلومات و مشاہدات کی ضرورت نہیں، یا ہے تو بہت کم کیونکہ تختیل کا عمل واقعی موجودات پر موقوف نہیں وہ خیالی بالوں سے ہر قسم کا کام لے سکتی ہے، اسکی عمارت کے لئے محالاً کا مصالحہ اسی طرح کام آ سکتا ہے، جب طرح ممکنات کا، وہ ایک چھوٹی سی چیز سے سیکھوں ہزاروں خیالات پیدا کر سکتی ہے، چنانچہ ان شعراء نے بخوبی نے واقعات یا مشاہدات کو ہاتھ نہیں لگایا خیالات کا گوناگون عالم پیدا کر دیا جلال اسیر ز لالی، شوکت بخاری، بیدل ناصر علی ذعیرہ نے صرف گل وبلیس سے دیوان طیار کر دئے اور شاعری کو چنستان خیال بنادیا،

لیکن یہ خیال نہایت غلط ہے اور اسی غلطی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کر دیا، اولاً کوئی خیال مشاہدات اور واقعات کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا جن چیزوں کو ناممکن کہتے ہیں اُنکا خیال بھی درحقیقت ممکن ہی کے مشاہدے سے

پیدا ہوا ہے شلاہم کہتے ہیں کہ: "نامکن ہے کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں موجود ہی
اور معدوم ہی ہو۔" موجود اور معدوم اللگ ممکن ہیں ان دونوں کو ترکیب دیکھ موجود
معدوم ایسا فرضی مفہوم بنایا تو محال ہو گیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس مرکبے دونوں اج
الگ اللگ ممکن ہیں،

شاعر میں اکثر ناممکنات یا غیر موجود چیزوں سے کام لیتے ہیں مثلاً عروج
کی تیز روی کی تعریف کرتے ہیں تو دریائے آتش کہتے ہیں، ۶
آتش می دو دیا اب چکان

شراب کو یاقوت سیال سے تشبیہ دیتے ہیں ابوالواس شراب کے بلبلوں کی تعریف
میں کہتا ہے،

حصباء در على ارض من الذهب سونے کی زمین پر موئی کے خوف ریز ہیں،
یہ سب بیزین فرضی ہیں، لیکن انکا خیال واقعی ہی چیزوں سے پیدا ہوا ہے
مثلاً اگ اور دریا اللگ واقعی اور خارجی چیزیں ہیں انھیں دونوں کو ملا کر دریا
آتش، ایک خیالی مفہوم پیدا کر دیا گیا اور اس سے تیز گھوڑے کو تشبیہ دیکھی
اس سے ثابت ہو گا کہ کوئی خیال مشاهدات کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اس سے تخيیل
کی وسعت کیلئے واقعات کا کفرت سے ملاحظہ کرنا خواہ مخواہ لازمی ہے،

ابن الرومی غرب کا مشہور شاعر تھا، ایک دفعہ اسکو کسی نے طعنہ دیا کہم ابن
المعز سے بڑھ کر ہو، پھر ابن المعز کی تشبیہ میں کیوں نہیں پیدا کر سکتے؟ ابن الرومی

لے کہا کہ ابن المترز کی کوئی تشبیہ سنا جسکا جواب مجھ سے نہ ہو سکا ہوا، اسے یہ شعر پڑا،

فَانظِرَا إِلَيْهِ كُنْ وَرِقٌ مِّنْ فِضَّةٍ قَدْ أَثْقَلْتَهُ حِمْوَالَ مِنْ عَبْرِ

شیعر ماہ لذ کی تعریف میں ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رات کا چاند ایسا ہے جو طرح
چاندی کی کشتی جپڑا سقد عابر لاد پالگیا ہے کہ وہ دب گئی ہے کشتی پر جب بازیادہ
جاتا ہو تو اسکا زیادہ حصہ پانی میں اتر جاتا ہے، اور صرف کنارے دکھلائی دیتے ہیں اس لئے
ان کو کشتی کے کنارے سے تشبیہ دی ہے، اور جو نکہ آسمان کا رنگ نیلوں ہوتا ہے
بلے قرار دیا کم کشتی پر عابر لدا ہوا ہے، ابن الرومی یہ سنکر چخ اکٹا کہ "لا بکلف
نَّاً إِلَّا وَسَعَهَا،"

ند اکسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) ابن المتر با دشاد اور با دشاد
ادھ ہے، گھر میں جو دیکھتا ہو دی کہ دیتا ہی میں یہ خیالات کہاں سے لا دیں۔

چاندی اور عابر کوئی نایاب چیز نہیں لیکن چونکہ ابن الرومی نے چاندی سوتے
کے ظروف نہیں دیکھے تھے اسلئے وہ چاندی کی کشتی کا خیال پیدا نہ کر سکا،
یعنی الدوام کا وہ مشہور قطعہ حسبیں اُس نے قوس قزح کی تشبیہ دی ہے، اسکی
سبت عام اہل ادب لکھتے ہیں کہ یہ با دشاد تشبیہ ہے جو ہر ایک کے خیال میں
میں اسکتی ہیں جب تک شاہزادہ ساز و سامان نظر سے نہ گزرے ہوں اس قسم کا
خیال نہیں پیدا ہو سکتا،

۱۷) عمرہ ابن رشیق جلد دوم صفحہ ۱۸۲،

ہلوں سے انکار نہیں کہ ایک معمولی سے معمولی چیز پر قوت تھیل مددوں صرف
 کی جا سکتی ہے اور سیکڑوں مصنایں پیدا کئے جا سکتے ہیں جسکی محسوس مثال شعراء
 متاخرین کی نکتہ آفرینیاں ہیں، لیکن اس کی مثال سرس کے ٹھوڑے کی ہے جو
 ایک خیمہ کے اندر طرح طرح کے تاشے دکھا سکتا ہے، لیکن طے منازل میں، میدان
 جنگ میں، ٹھوڑے دوڑ میں کام نہیں اسکتا، اس طرح تھیل کا عمل بھی ایک محدود
 دائرہ میں جاری رہ سکتا ہے، لیکن اسکی دست کیا ہوگی؟ اور ایسی شاعری کس
 کام آئیگی؟ وہ شاعری جو ہر قسم کے جذبات کا آئینہ بن سکتی ہو، جو فطرت انسانی
 کا راز کھوں سکتی ہو، جو تاریخی واقعات کو رچپی کے منظر پر لا سکتی ہو، جو فلسفہ اخلاق کے
 دقائیق بتا سکتی ہو، اسکے لئے ایسا محدود تھیل کیا کام اسکتا ہے، تھیل جقدر قوی
 بریک، متنوع اور کثیر العمل ہوگی اسیقدر، اسکے لئے شاہراست کی زیادہ ضرورت ہوگی، جسیکہ
 بلند پر واڑ طاڑ ہو گا اسی قدر اسکے لئے فضائی و سمعت اضافہ درکار ہوگی، فرد و سی
 شاہنامہ لکھنا تو سیکڑوں ہزاروں مختلف واقعات لہنے پرے، اسکے قوت تھیل کو
 پورا موقع طلا، یہی سبب ہو کہ شاہنامہ میں شاعری کے تمام اذاع موجود ہیں،
 مثلاً شاعری کا ایک بڑا میدان جذبات انسانی کا انхиبار ہے، جذبات کے بہت
 سے اذاع ہیں، مثلاً محبت، وعداوت، غیظ و غضب، حیرت و استجواب، رنج
 غم، بھرنا میں سے ایک ایک کے مختلف اذاع ہیں، مثلاً باپ بیٹے کی محبت،
 بھائی بھائی کی محبت، ماں بیٹے کی محبت، زوجہ اور شوہر کی محبت، اہل وطن کی محبت

فسر دو سی کوہ قام موافق ہاتھ آئے، اور ہر موقع پر وہ تخلیل سے کام لے سکا، چنانچہ اس نے جس جذبہ کا جہاں پر انہمار کیا ہے، تخلیل کے عمل سے موثر اور جانگل ازکر دیا مے تفصیل ان باتوں کی آگے آئے گی،

تخلیل کی بے اعتدالی | شعر کی اس سے زیادہ کوئی قسمی نہیں کہ تخلیل کا بجا استعمال کیا جائے، بیعتیات کے متعلق جس طرح یونانی حکما، کی قوتیں بیکار لگیں اور اجتنک ائمہ پیر، ہیوئی اور صورۃ کی فضول بخون میں اُبھکر کائنات کا ایک عقدہ ہمیں حل نکر سکے، بعینہ ہمارے متاخرین شعر را کایہی حال ہوا۔ ان کی قوت تخلیل، قدما سے زیادہ ہے، لیکن افسوس بالکل را یکان صرف کی گئی، ایک شاعر لہتا ہے،
گوشہار اشیانِ مرغ آتشخوارہ کرد بر ق عالم سوزینی شعلہ غفارے سن
اس شعر کے سمجھنے کے لئے اسور ذیل کو پہلے ذہن نشین کر لینا چاہتے ہیں۔

- (۱) مرغ آتشخوارہ ایک پرندہ ہے جو آگ کہتا ہے،
(۲) آگ اور فرباد میں چونکہ گرمی ہوئی تو اس لئے آہ اور فریاد کو شعلہ سے تشبیہ

دیتے ہیں،

(۳) مرغ آتشخوارہ دہان رہتا ہے جہاں آگ ہوئی ہے شاعر لہتا ہے، میری فرباد میں اس قدر گرمی ہے کہ کافوں میں بیونچی تو دہان آگ پیدا ہو گئی، اس بناء پر مرغ آتشخوار نے لوگوں کے کافوں میں جا کر گھوٹنے بنالے ہیں کہ جہاں آگ نصیب ہو گئی،
متاخرین کی اثر بحثہ آفرینیاں اسی قسم کی ہیں، جسکی وجہ یہ ہے کہ قوت تخلیل کا

استھان بجا طور سے ہوا ہی، وقت تھیل کی بے اعتدالی کی تیز اگرچہ صرف مذاق صحیح کر سکتا ہے، تاہم صرف مذاق صحیح کا دوالم کافی نہیں، اسلئے جہاں تک ممکن ہے، ہم کسی قدر اس کی نشریج کرتے ہیں،

(۱) وقت تھیل کو سبب زیادہ بے اعتدالی کا موقع مبالغہ میں ملتا ہے، یہ تسلیم کر دیا گیا ہے کہ مبالغہ کے لئے اصلیت اور واقعیت کی ضرورت نہیں، اس بنابر قوت تھیل صحیح کھول کر بلند پردازی دکھاتی ہے اور کجر و می اور بیراہہ روی کی اسکو پردازی نہیں ہوتی۔ شلاً ایک شاعر گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے،

پکشوار یکہ درونام تازیانہ برند بلوح سنگ نگیر دغبیہ او رام
یعنی اگر کسی پتھر پر اس گھوڑے کی تصویر کند، کراں جائے، اور اُس ملک میں جہاں یہ پتھر ہو، کوڑے کا نام لے لیا جائے تو تصویر پتھر سے اڑ جائے گی، اصل بات اس قدر تھی کہ گھوڑا اسقدر تیز ہے کہ کوڑے کے اشادے سے قابو میں نہیں رہتا، اب مبالغہ کے مدارج دیکھو،

(۱) گھوڑے کی تیز روی کا اثر تصویر یک میں آیا ہے،

(۲) تازیانہ لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ تازیانہ کا نام لینا کافی ہے،

(۳) تصویر کے سامنے تازیانہ کا نام لینے کی ضرورت نہیں بلکہ اُس ملک میں نام لے لینا کافی ہے،

(۴) پتھر پکنہ ہونے کی حالت میں بھی تصویر میں یہ افر ہے،

شاعر کو جو نکہ ایک محل پر قناعت نہیں اسلئے وہ حالات کی تہ پرستہ قائم کرتا جائے ہو
لیکن یہ قوت تھیل کی خخت بے اختہ الی ہے، قوت تھیل کی خوبی یہ ہے کہ محل بات اس ندانے
ادا کی جائے کہ بظاہر مکن بن جائے، مثلاً میر امیں اس موقع پر جان حضرت عباس کا نہر کے
پاس پہونچنا لکھا ہے، لکھتے ہیں،

اُبھرین درود پڑھتی ہوئیں مجھلیاں بھم بولے جاب آنکھوں پر شاہزادے قدم
دریا میں روشنی ہوئی جسم حضور سے لے لین بلا میں بچہ مر جان نے درد سے
مجھلیوں کا درود پڑھ کر اُبھرنا، جباب کا بولنا بچہ مر جان کا بلا میں لینا، سب نامہ نہ
سے ہیں، لیکن تھیل کی طسم سازی نے ایک واقعی تصویر پیش نظر کر دی ہے، شاعر
نے اول تو ان دافتات کو اُس شخص کے متصل لکھا ہے جسکے معجزہ کی بدلت (اُسکے
نزدیک) سب کچھ ہو سکتا ہے، درسرے، واقعہ کے بعض اجزاء صحیح یا صحیح کے مثابہ ہیں،
مجھلیاں پالی میں اُبھری ہیں، جباب آنکھ کے شاہزادہ ہوتا ہے، مر جان کی شکل بچہ کی ہوئی
ہے، ان بالوں کی مجموعی حالت اور اسپر شاعر کی لطافت بیان کیوجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ واقعی حالت کی تصویر ہے،

(۲) وہ تھیل اکثر بیکار اور بے اثر ہوتی ہے جس میں تمام عمارت کی بنیاد صرف
کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہے، متأخرین کی اکثر نکتہ آفرینیاں اسی فرم کی ہیں مشلاً
ایک شاعر کہتا ہے،

ستاد کشتگانِ تہرسونت ادھ اندر
تیغ ترا مگر کہ بے اب دادہ اندر

شمر کا مطلب یہ ہے کہ "معشق کی تلوار کے مارے ہوئے ہر طرف سست پڑے
ہوئے ہیں، ستر کی وجہ یہ ہے کہ معشق نے جس تلوار سے قتل کیا ہے اُسپر شراب
کی باٹھ درکھی لگی تھی"۔

اس خیال کی تامتر بنیاد "آب" کے لفظ پر ہے، آب تلوار کی چاک دیک اور
باڑھ کو کہتے ہیں، آب کے معنی پانی کے بھی ہیں، شراب بھی پانی کی طرح سیال ہے، تلوار
کی باڑھ کو پانی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ پانی سے تلوار کو زنگالگ جاتا ہے، لیکن
چونکہ باڑھ کو فارسی میں آب کہتے ہیں اس لئے یہ قرار دیا کہ تلوار میں پانی ہے اور جہاں
پانی مستعمل ہو سکتا ہے شراب بھی ہو سکتی ہے اس لئے تلوار میں شراب کی باڑھ ہے، اس لئے
مقتولین نشہ میں چور ہیں، اس تام عمارت کی بنیاد آج کے لفظ پر ہے، اس لفظ کے
اگر وہ سنبھل نہوتے تو یہ لور کہ دہندا قائم نہیں رہ سکتا تھا،

سیکڑوں لہر اور دن اشعا بوجناہ ک خیالی کے نوٹے سمجھے جائے ہیں انکی تام
بنیاد اسی قسم کی لطفی خصوصیتوں پر ہے، چنانچہ انکا اگر لسی اور زبان میں ترجمہ کر دیا جائے
تو تھیل بالکل باطل ہو جاتی ہے۔

هرزادہ بیر تلوار کی تعریف میں فرماتے ہیں:

تلوار دن پر دہ سیفت جو شعلہ فشاں ہوئی بل ہم کے آب تینوں کی رن میں ہواں کچھ
تلوار کی آب کو پہلے پانی فرض کیا، پھر اسکا جلنا، بھتنا اور دہوان ہو جانا جو کچھ
پاہانثابت کرتے چلے گے،

(۳) تخييل کی بے اعتدالی کا بڑا موقع استعارات اور شبیهات ہیں، استعارے اور شبیهین جب تک لطیف، قریب المأخذ اور اصلیت سے ملتی جاتی ہوتی ہیں، شاعری میں حسن پیدا کرنی ہیں، لیکن جب تخييل کو بے اعتدالی کا موقع ملتا ہے تو وہ دوراز کار اور فرضی استعارات اور شبیهین پیدا کرتی ہے اور یہاں پر اور بنیادین قائم کرتی جاتی ہے مثلاً مزابیدل کہتے ہیں،

تبسم کہ! بخون بھار تنگ کشید کھنڈہ برب گل نیم بسل فنا دست
اصل خیال اسقد مقاکم مشوق کا تسم چول کے نیم شگفتہ ہونے کی حالت
سے زیادہ هو شما ہے،

اس مضمون کو یون ادا کیا ہو کہ تسم ایک قائل ہے اس نے بھار کی خوزنیزی کے لئے تلوار کجھ بھی ہے اس کا وارختہ گل پر پڑا، خندہ گل نیم بسل ہو کر رہ گیا،
اس تخييل میں جو بے اعتدالی ہے استعارات کی وجہ سے ہے بھار کا فون تسم کی تلوار، خندہ گل کا بسل ہونا دوراز کار استعار است ہیں،

(۴) تخييل کی ایک بے اعتدالی یہ ہے کہ کسی جزیر کو کسی چیز سے تشبیہ دیتی ہیں پھر اس شے کے جسدرا و صفات اور لوازم ہیں سب اس میں ثابت کرتے ہیں حالانکہ اس کسی فرم کی مناسبت نہیں ہوتی، مثلاً کم کو بال سے تشبیہ دیتے ہیں، اب اسکے بعد بال کے جتنے اوصاف ہیں کمر میں ثابت کرتے ہیں مثلاً نا سخ کہتے ہیں، ابھی ہر چند وہ بت نوجوان ہے سفید اسکا مگر موئے سیان ہے

یعنی بال بڑھاپے میں سفید ہوتے ہیں لیکن تعجب یہ ہے کہ مشوق کی کمر کا بال
جو انہی میں سفید ہو گیا ہے ایکم بدن ہونے کے لحاظ سے کمر کو سفید کہا ہے،

یا مشلاً عنی فرماتے ہیں

دیدم سیان یار وندیدم رہان یار میں نے مشوق کی کمر دیکھی اور منہ نہ دیکھ سکا،
نتوان پیچ دید چور در دیده موفت د کیونکہ جب آنکھ میں بال بڑھا تاہم تو چھبتا ہے اور پھر آنکھیں لکھوئی نہیں آتیں
قاعدہ ہے کہ آنکھوں میں جب بال بڑھتا ہے تو چھبتا ہے اور پھر آنکھیں لکھوئی نہیں
جاتیں، شاعر کہتا ہے کہ میں نے مشوق کی کمر دیکھی لیکن اسکا منہ نہ دیکھ سکا کیونکہ
جب آنکھوں نہیں بال الگیا تو کوئی چیز نظر نہیں آتی،

یا مشلاً ایک شاعر نے ٹاف کی نسبت لکھا ہے کہ ”موسے کر مین گرہ بڑائی، یا
مشلاً ابر و کوئوار باندھوا، تو قوار کے تمام لوازم آب و تاب، دم خم، جوہر، ناب، ڈاب،
قصہ، سیان، سب کچھ اسکے لثابت کرتے جاتے ہیں،“

۵۔ تخلیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تخلیل ہے یعنی شاعر قوت تخلیل سے
ایک چیز کو ایک چیز کی علت قرار دیتا ہے حالانکہ دراصل وہ اس کی علت نہیں ہوتی
مشلاً شاعر لہتا ہے،

کسی کے آگے کوئی ہات پسارے کیا دل مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تو لد کر دک
بچے جب مان کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں تو انکی مٹھی بندھی ہوتی ہے،
اب شاعر اسلی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ مددوح نے تمام لوگوں کو اس قدر مالا مال کر دیا ہے

کہ کسی کو کسی چیز کی حاجت نہیں رہی، اس لئے بچ پیدا ہوتا ہے تو اسکی مہیاں بندھی
ہوتی ہیں۔

اکثر شاعرانہ مضامین اسی حسن تعلیل پر بنی ہیں، لیکن جب قوت تغییل سے اعتدال
کے ساتھ کام نہیں لیا جاتا تو اسیں اگر شبے اعتدالیان ہو جاتی ہیں شلاً ایک شاعر
ہمکے عشقوں کی تعریف میں کہتا ہے،

لگن تم سخت شکستہ دش اچون آید
بماں کہ ہم چو درِ مکنون آید

لگنا کہ بایں دہان تشنگ کہ مرہت
گر شکنش چلو نہ بیرون آید

یعنی میں نے عشق سے کہا کہ تیری زبان سے جو لفظ ادا ہوتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کر
کیوں ادا ہوتے ہیں، اُس نے کہا کہ میرا دہن اتنا چھوٹا ہے کہ جب تک بات توڑ کر
ریزہ ریزہ نہ کر لی جائے مئھ سے کیونکہ باہر نکل سکتی ہے، ان چند مثالوں سے تغییل
کی بے اعتدالی کاسی قدر تم نے اندازہ لیا ہو گا،

تغییل کے استعمال کی غلطی | تغییل اور محیا کات اگرچہ دونوں شاعری کے عنصر ہیں لیکن

بلحاظ اکثر دونوں کے استعمال کے موقع اللگ اللگ ہیں، سخت غلطی ہے کہ ایک
کے بجائے دوسرے کا استعمال کیا جائے، مثلاً مناظر قدرت کا بیان محیا کات میں داخل
ہے، یعنی شلاً الگ بیهار، خزان، باغ، سبزہ، مرغزار، آب رو دان کا بیان کیا جائے تو
محیا کات سے کام لینا چاہئے، یعنی اس طرح بیان کرنا چاہئے کہ ان چیزوں کا اصلی
سمان اگھوں کے سامنے پھر جائے، متاخرین کی سخت غلطی جس سے انکی شاعری

بالکل بر باد ہو گئی یہ ہے کہ وہ ان موتون پر محاکات کے بجائے تخلیل سے کام لیتے ہیں
مشلا بہار کی تعریف میں یہ کلمہ کہتا ہے،
بزونعِ آتشِ گل در گرفت است کہ بلبل رفت و در آب آشیان کر
یعنی پھولوں کی وجہ سے باغ میں اس طرح اگ لگ گئی ہے کہ بلبل نے جاک
پالی میں گھومنسلانا یا،

بصورت بید مجنون آبشار است رطوبت برگ را لبس و ان کرد
بید مجنون ایک درخت ہوتا ہے جسکی شاخیں زین تک لٹکتی رہتی ہیں شاعر
کہتا ہے کہ بہار کی وجہ سے اس قدر رطوبت بڑھ گئی ہے کہ بید مجنون ایک آبشار یعنی
پالی کا جھننا معلوم ہوتا ہے،

زمانہ است کہ بر قفل اگر نیم وزیر بسان غنجہ اشنس از افساط خندان کرد
یعنی آب دہوا کا یہ اثر ہے کہ قفل کو اگر ہوا لگ جائی ہو تو کلی کی طرح کھل جاتا ہے،
غور کر و ان اشعار سے بہار کی کسی قسم کی کیفیت دل پر طاری ہو سکتی ہے؛ افسوس
یہ ہے کہ متاخرین کا کلام تمام ترا سی قسم کی شاعری سے بھرا پڑا ہم ظہوری کا سانچی نامہ
جسکی اس قدر دھوم ہے انہیں فسم کے خیالات دور از کار کا مخزن ہے،

اسی طرح مدحیہ شاعری محاکات میں داخل ہی یعنی کسی شخص کی محض کی جائے
تو اُس کے دائمی اوصاف بیان کرنے چاہیں جس سے اس شخص کی عزت اور
عظمت دلوں میں پیدا ہو، لیکن اکثر شعر اور مرح میں تخلیل سے کام لیتے ہیں اور اس قسم کے

خيالي مضمومين پيدا کرتے ہیں جنکو محکمات اور اصلاحیت سے کچھ داسطہ نہیں ہوتا،
تشبيه واستعارہ یہ چیزیں شاعری بلکہ عام زبان اور ادبی کی خط و فعال ہیں جنکے بغیر الشایر و ادی
کا مجال قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک عامی سے عامی بھی جب جوش یا غیظ و غضب میں لبریز
ہو جاتا ہر تو جو کچھ اسکی زبان سے نکلتا ہو استعارات کا قالب بدلت کر نکلتا ہے، غم اور رنج
کی طالع میں الشایر و ادی اور تکلف کا سکون خیال ہو سکتا ہے، لیکن اس حالت میں
بھی بے اختیار استعارات زبان سے ادا ہوتے ہیں، مثلاً کسی کاغذ مرجاتا ہے تو کہتا ہو ”
سینہ پھٹ گیا“ دل میں چھید ہو گئے“ آسمان لوث پڑا“ جو کوئی نظر کہا گئی“ یہ سب استعارے
ہیں، اس سے ظاہر ہو گا کہ استعارہ دراصل فطری طرز ادا ہے لوگوں نے بے اعتدال
ستکلف کی عتنک پہنچا دیا، اس بنابر جم تشبیہ اور استعارے کی بحث تفصیل سے لکھتا
جا ہے ہیں، جس سے ظاہر ہو کہ انکی حقیقت کیا ہے؟ کہاں اور کیون کھر کام آتے ہیں؟ انہیں
ندرت اور رطافت کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ کس طرح ایک بڑے سے بڑا دسیع خیال
ان کے ذریعے سے ایک لفظ میں ادا ہو جاتا ہے۔

تشبيه کی تعریف اگر ہم یہ کہنا چاہیں کہ فلاں شخص نہایت شجاع و بہادر ہے، تو اگر انہیں
لفظون میں اس مضمون کو ادا کریں تو یہ سہولی طریقہ ادا ہے، اسی بات کو اگر یون
لہیں کہ“ وہ شخص شیر کے مثل ہے“ تو یہ تشبیہ ہو گی اور سہولی طریقہ کی بوسیت کلام
میں کچھ زیادہ تزویر پیدا ہو جائے گا، اگر یون ہمیں کہ“ وہ شخص شیر ہے“ تو زور اور بیجنا
لیکن اگر اس شخص کا مطلق ذکر نہ کیا جائے اور یون کہا جائے کہ“ میں نے ایک شیر

دیکھا" اور اس سے مراد وہی شخص ہو تو استعارہ ہے اسی مطلب کے اداکرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ شیر کا نام بھی نہ لیا جائے بلکہ شیر کے جو خصائص ہیں اس شخص کی نسبت استعمال کئے جائیں مثلاً یون کما جائے کہ توہ جب میدان جنگ میں ڈکارتا ہو انکلا توہ
ہل چل پرگزی" (ڈکارنا خاص شیری آواز کو کہتے ہیں) یہ بھی استعارہ ہے اور پہلے طریقہ کی
نسبت زیادہ لطیف ہے۔

تشبیہ داستانہ کی مدد و رت اور انکا اثر ۱۔ اکثر موقعوں پر تشبیہ یا استعارہ سے کلام میں جو دعست
و ذر پیدا ہوتا ہے وہ اور کسی طریقے سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ مثلاً اگر اس مضمون کو کم
فللان موقع پر بہایت کثرت سے ادمی تھے یون ادا کیا جائے کہ "وہاں آدمیوں کا
جنگل تھا تو کلام کا ذرور بڑھ لے گا، یہاں کلام کا اصلی مقصد آدمیوں کی کثرت کا
بیان کرنا ہے جنگل کی تشبیہ کی وجہ سے کثرت کا خیال متعدد و جھوٹ سے زیادہ وسیع
ہو جاتا ہے، جنگل کی زمین میں قوت نامیہ بہت ہوتی ہے اسے اس میں گھاٹن،
پودے اور درخت کثرت سے پاس پاس اُلتے ہیں، اسکے ساتھ نو کا سلسلہ برابر قائم
رہتا ہے، یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز جہاں کثرت سے پیدا ہوتی ہے بے قدر ہو جاتی ہے اسی
بناء پر جنگل میں درخت اور گھاٹن کی کچھ قدر نہیں ہوتی، مثال مذکورہ میں تشبیہ یعنی
یہ تمام باتیں پیش نظر کر دین لیتی ادمی اس کثرت سے تھے جب تک جنگل میں گھاٹن
ہوتی ہے، آدمیوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا بلکہ بھرپور بہتی جاتی تھی، ایک جانا تھا
تو دس آجائتے تھے کثرت کی وجہ سے آدمیوں کی کچھ قدر نہ تھی، یہ تمام باتیں جنل

وجہ سے کثرت کے مفہوم میں دست پیدا ہو گئی ایک جنگل کے لفظ میں بضم بین اور پونکہ یہ نام بتیں صرف ایک لفظ نے ادا کر دین اسلئے اخود بخود کلام میں زور آگیا، فادی میں اس قسم کے خیال ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے۔

بُرْقِعَ مَهْكُمَانَ كَهْ بُودْ حُسْنَ آبَادَ
ماہنگان کی نقاب کی قسم جو رہ حسن آباد تھا
بَحْجَلَهْ گَاهْ زَيْنَجَاهْ بُودْ يُوسُفَ زَارَ
بچھلہ گاہ زینجاہ بود یوسف زار

پہلے مصرع میں حضرت یوسفؑ کے چہرہ کا حسن بیان کرنا تھا، اسکو یون ادا کیا لے اور کانقاب حسن آباد تھا، حسن آباد کے منی وہ بستی جہاں حسن کی آبادی ہو گویا
حضرت یوسفؑ کا نقاب ایک بستی ہے جہاں حسن نے سکونت اختیار کی ہے، دوسرے
مصرع میں یہ ضمنون ادا کرنا تھا کہ حضرت یوسفؑ کی وجہ سے زینجاہ کا خلوت کردہ مردش
ہو گیا تھا، اسکو یون ادا کیا لے وہ یوسف زار ہو گیا تھا، گویا سیکڑوں ہزاروں یوسفؑ
پھر گئے تھے،

۲۔ بعض موقعوں پر حب شاعر کو اُغیر معمولی دعوے اکرتا ہے تو اسکے مکن الوقوع
ثابت کرنے کے لئے تشبیہ کی ضرورت پڑتی ہے،

بَسُوزِ عَشْقٍ شَاہَانْ رَاجِهْ كَلَاستَ
کَسَنْگَ لَعْلَ، خَالِي از شرار است
شاعر دعوے اکرتا ہے کہ بادشاہوں میں عشق اور محبت کی جملہ نہیں ہوتی یہ
بطاہر ایک غلط دعوے ہے کیونکہ بادشاہت اور عشق و محبت میں کوئی اممالقت
نہیں، اسلئے شاعر اسکو تشبیہ کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کے پتھر میں شر

ہوتے ہیں لینی لب پر چڑھتے تو جگاریان جھٹے ملکی ہیں، لیکن الماس اور علی میں شرنہیں
ہوتے اور یہ ظاہر ہے کہ پھر کے اقسام میں الماس گویا بادشاہ ہے،

اسی دعوے کا دروس راثبوت یہ ہے،

زورِ عشق شہ بیگانہ باشد کہ جائے کج در دریانہ باشد

عربی میں اسکی نہایت عمدہ مثاں متنبی کا یہ شعر ہے،

فان فی الحُمَرِ مَعْنَیٌ لِسُونِ الْعَنْبِ جوبات، شراب میں ہے، وہ انگور میں نہیں

دعوے یہ ہے کہ بادشاہ تمام انسانوں سے مرتبہ میں بڑھ کر ہے، اسکو تشبیہ کے

ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے کہ شراب انگور سے نہیں ہے لیکن جوبات شراب میں ہے
انگور میں نہیں،

مثالیہ شاعری جس نے متاخرین کے زمانہ میں نہایت وسعت اقتدار کی تشبیہ

و تمثیل ہی پڑھنی ہے،

سم۔ جب کسی نہایت نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور عبارت کام نہیں دیتی اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے اگر انکو چھپا تو انکو صدمہ پہنچ جائیکے جس طرح جباب چھوئے سے نوٹ جاتا ہے، ایسے سو قوون پر شاعر کو تشبیہ ہے کام لینا پڑتا ہے اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈ کر پیدا کرتا ہے اور پہنچ نظر کر دیتا ہے

مثال انظری کہتا ہے،

ہمہ شب بر لب و رخسار و گیسو نیز غم بوسہ

میں مشوق کے لب و رخسار اور گیسو کو نام بنا پڑتے

میں ونسرین دشنبل را اصلہا درخواست مشب
آج گل و نسرین دشنبل کے خون میں ہو احسائی ہے
لب و خسار کی نرکت اور انکا نام اور طبیعت بوسے، الفاظ اُنکی براشست کے قابل
نمبتا، اسے استعارے اسکو اس حالت سے تشبيهیہ دی کہ گریا ملکی ملکی ہوا پھر اون کو چھوکر
لند جاتی ہے اور بار بار اگرچھوئی اور نکل جاتی ہے،

یاشلا یہ شعر

نَلَفْتَ وَمِنْ بِشِيدِيمْ هَرَبْنَجْ غَفتَنْ دَشت
اس نے کچھ نہیں کہا اور میں نے اسکی بات اسوجہ
سُنْ لَيْ كَهْ سَكَنْگاه نے زبان سے پیشہ تی کی
لہ در بیان نگہش کر در زبان لقت دیم
لبش چونزب خوش از نگاہ بازگرفت
نَادْ سَامِعَه در موج کو ثر و تَسْيِيم
یہ اسوقت کا بیان ہے جب عرقی مددوح کے دربار میں لیا ہے اور مددوح
نے پہنچنگاہ لطف سے اسکو دیکھا بے پھر باتیں کی ہیں، کہتا ہو کہ "مددوح نے کچھ نہیں
کہا اور میں نے وہ سب باتیں سُنْ لیں جو وہ کہنا چاہتا تھا، لیونکہ اسکی نگاہوں نے ادا کی
طلب میں زبان سے میشیدتی کی، پھر جب اسکے ہونٹوں کی باری آئی تو سامسہ کوثر کی
موج میں ڈوب لیا" محبوب کی بالوں سے قوت سامعہ جو لطف اٹھاتی ہے اسکو اس
طریقہ کے سوا اور کیونکر ادا کیا جا سکتا تھا، مل سامعہ کوثر کی موج میں ڈوب لیا،

تشبیہ میں حن کیوں بخ تشبیہ ایک ایسی عام چیز ہے کہ ہر شخص اس سے کام لیتا ہے اسے
جب تک تشبیہ میں کوئی ندرست اور غاصن خوبی نہ ہو وہ کوئی اثر
ہے ابرا ہے،

پیدا نہیں کر سکتی، تشبیہ میں ہن جن اسباب سے فوایان پیدا ہوتی ہیں اگرچہ انہا احمد
نہیں ہو سکتا اما ہم چند صورتیں مثال کے طور پر ہم لکھتے ہیں جن سے ایک عام خیال
قامِ ہو سکے گا،

(۱) ہر تشبیہ ابتداء میں نادر اور پر لطف ہوتی ہے، لیکن بار بار کے استعمال
اسکی نازگی اور ندرت جاتی رہتی اور سے اثر ہو جاتی ہے اسلئے شاعر کا فرض یہ ہے کہ نا
اور جدید تشبیہ میں اور استعارے میں ہونڈنکر پیدا کرے، پڑے پڑے شعر کا معیار کمال
یہی ہے کہ انکے کلام میں اچھوٹی تشبیہیں اور نئے نئے استعارے پائے جاتے ہیں
مثلًا پوسھ کو ایشیا ای شتر، اشیرین شکرین گلوسوڑ، کھٹا آتے ہیں، لیکن یورپ کا جاد
طران کہتا ہے کہ ”رہ ایک بیان وفا ہے جو محجم بن جاتا ہے“ ایک راز پھان ہے جو سام
کے بجائے ذائقہ سے کہا جاتا ہے، ایک قسم ہے جو دل کی خوبیوں لائی ہے، ”لذتِ الکو
نگا ہیں ہیں جو سمع کرنے قطرہ بن گئی ہیں“ اس قسم کے نازک اور لطیف استعارے فارسی
زبان میں عربی اور طالب علمی کے ہانل سکتے ہیں، عربی نے ایک قصیدہ میں
بہت سی چیزوں کی قسم کہائی ہے اس میں ایک موقع پر کہتا ہے ۶

پر شگفتمن امر ورز، غنچہ گشتمن دی

کل کا دن جو گزر گیا اور آج کا دن جو شروع ہو رہا ہے اسکو کھلنے والے بچوں
اور مر جھائے دالی فلی سے تشبیہ دی ہے،
جہاں کیس ایک دفعہ طالبِ علمی سے تاراض ہو گیا تھا اور اسکو دربار سے الگ کر

سی امیر نے اسکو اپنے یہاں بلا لیا اور دربار میں جو بڑا شاعر تھا اُس سے مقابلہ کرایا طالب غالب
 ۱۴ امیر نے یہ دیکھ کر چبا نگیر سے طالب کی تقریب کی اور وہ دربار میں بار بار یاد ہوا ان
 راقفات کو طالب نے نہایت لطیف استغفار اور تشییع کے پیرا یہ میں ادا کیا ہے
 ۱۵ شبست گھر م، دادہ بودی از گفت خوش
 تو نے مجھ کو مولیٰ تجویز کر پھینک دیا تھا، تو نے
 خادت کی وجہ سے اپنے بہت سے غصان اٹھائے ہیں
 زانجہ دازیا نے چینیں ہزار افتار
 چور دشدم زلفت، چرخم از ہڈا ببر بود
 جب تو نے مجھ کو پھینکدیا تو آسمان سے ہٹکا لیکے لیا
 ہ گرمی کہ زبانم بزینہ ہار افتار
 اس قیزی کیسا تھا کہ میں الامان بول اٹھا،
 آسمان نے تھوڑی دیر میرے آئینہ کو اٹھا کجھ سامنی
 کیے، مقابل خور شید داشت آنکھ ام
 بید کز عرقش، موچ بر عذر افتار
 ازین نشاط، مگر دست اسماں لرزید
 لمباز در گفت خا قانِ کامگار افتاد
 کہ میں پھر نہا بنا شاہ کے ہات میں اگر گرا،
 ۱۶) تشبیہ مرکب عموماً زیادہ لطیف ہوتی ہے، مرکب سے یہ مراد ہے کہ کسی پیروں
 کے ملنے سے جو مجموعی حالت پیدا ہوتی ہے وہ تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کی جائے، مثلاً
 اسکا مشاراث نقق فرقہ رؤسنا
 داسیا تایلیں تھا دی کو اکیہ
 یعنی میدان جنگ میں جیگر دنڑتی ہے اور اُس میں تواریں جکتی ہیں تو یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ راست کو تارے توڑتا رہے ہیں،
 یہاں انگل اگل تپڑوں کی تشبیہ مقصود نہیں بلکہ ایک مجموعی حالت کو ادا کرنے ہی

جسکے اجزاء ہیں، گردو جو فضا میں چھائی ہے، اس میں تلواریں، تلواروں کا چلنا اور چلنا
تلواروں کے چلنے میں بے ترتیبی اور اختلاف چہت، ان سب باتوں سے جو محبوی سما
پید اہوتا ہے اسکی تشیبیہ ستاروں سے دی ہے جو رات کی تاریخی میں سید سے ترجیح آئی،
ہر طرف لوٹتے ہیں،

یا مشلاً

ڈوز لف تابد اوہ ہچشم اشکبد من چھپہ کہ اندر دست ناکشند مارہ
ینی سیری پر اشک انگھوں میں، معشووق کی زلفوں کا مغلس اس طرح پڑتا ہی
گویا چشمہ میں سانپ لمار ہے ہیں،
باد در گھسار، جام لالہ را بر سنگ زد
گل پہ خنده لفت، ارسے این چین یا یہی
ہوا جب تیر چلتی ہے تو نازک ٹھنڈاں اور بھول زمین پر گر گر پڑتے ہیں اس
حالت کو یون ادا کیا ہے کہ گویا ہوا نے لالہ کا پیالہ اٹھا کر زمین پر پٹک دیا
زگس کے شب نہ خفت ز فرید مبلدان زگس کورات بلبلوں کے شور و غل سی نیند نہیں
بنہاد سر پہ بالشِ گل میل خواب کرد آئی تی اسلئے بھول کے تکمیہ پر سر کھکر سو گئی،
جدت واطف ادا شاعری کے لئے یہ سب سبق مقدم چیز ہے بلکہ بعض اہل فن کے نزدیک
جدت ادا ہی کا نام شاعری ہے، ایک بات سید ہی طرح سے کہی جائے ادا یک
سموں بات ہے اسیکو اگر جدید اندازا اور نئے اسلوبیں ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے،

ایک دفعہ حاجج نے ایک بدو سے پوچھا کہ تم سے کوئی راز کی بات کہی جائے تو تم
اُسلوچپا سکتے ہو یا نہیں، اس نے کہا لہ "سیر اسینہ راز کا مفنن ہے" راز اسینہ میں مرکر بجا تا ہے
اسینہ سے بھل کیونکر سکتا ہے، اس بات کو وہ اگر یون ادا کرتا لہ "میں راز کو کسی حالت میں
کبھی ظاہر نہیں کرتا" تو معمولی بات ہوئی، لیکن طزا دا کے بدل دینے نے ایک خاص
لطف پیدا کر دیا اور اب وہی بات شعرِ بلگی، شاعری، انشا پر داری، بلاغت، ان تمام چیزوں
کی جادو گری اسی جدت ادا پر موقوف ہے، جدت ادا کی منطقی تعریف اور اسکے اصول اور
قواعد کا انصباب اسخت مشکل بلکہ ناممکن ہے، وہ ایک ذوقی چیز ہے جس کا صحیح اور اک صرف
ذوق صحیح سے ہو سکتا ہے اسکا پیرایہ ہر جگہ الگ ہے اور اس قدر غیر محصور ہے کہ نہ ان سب کا
شمار ہو سکتا ہے نہ انہیں کوئی خاص قدر مشترک پیدا کیا جا سکتا ہے، اس لئے جدت ادا
کے مفہوم کے ذہن نشین کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کو متعدد مثالیں
پیش کر کے بتایا جائے اک اصل خیال یا تھا، اسکو کس جدید انداز سے ادا کیا جائی؟ اور جدت
نے کیا اثر پیدا کیا؟ ہم چند مثالیں ذیل میں لکھتے ہیں،

زخم ہا بردا شیقہم و فتح ہا لردیم لیک ہم نے بہت زخم لہائے اور فتحیں لیں لیں ہر گز از خون کسے رنگیں نشد دامان با کیسے خون سے جمار ادا من رنگیں نہیں بڑا اصل خیال یہ تھا کہ "ہم کو حلقاں فن سے مقابلہ کا اکثر اتفاق ہو" لوگوں نے ہمکو بُر اہملا کیا، پذربانیاں لیں، لیکن ہم نے صبر و سلوت سے کام لیا، رفتہ رفتہ ہمارے	جن لوگوں کے نزدیک شعر میں وزن ضروری نہیں وہ ہر شاعر انداز بیان کو شرکت کرتے ہیں،
---	--

علم و فضل کا سکھ لوگوں کے دلوں پر بیٹھتا گیا، یہاں تک کہ حریف ابھی قابل ہو گئے اور سب نے
ہماری غلبت تسلیم کر لی۔ اس خیال کو یوں ادا کیا ہے کہ میدان جنگ میں ہم نے زخم
انھا کر فتحیں حاصل کیں، لیکن ہمارا دامن کسی کے خون سے زنگیں نہیں ہوا، اس طرز
ادامی علاوه ادا سے کہ تشییہ میں نادرست ہے یہ تعجب انگیز بات ثابت کی ہے کہ میدان
جنگ میں کوئی زخمی نہیں ہوا اور معزکہ فتح ہو گیا،

ساتی توں دسادہ دلی ہیں کہ شیخ شہر باور نہیں کند کہ ملک می گساد شد
شہر کا مطلب یہ ہے کہ مشتوق جب ساتی بنا تو فرشتوں یعنی فرشتہ خلوگوں نے
بھی شراب پینی شروع کر دی، اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے کہ مشتوق کو منحاطب کر کے
کہتا ہے: ”واعظ کی حماقت دیکھتے ہو، تم ساتی ہو اور اسکو یقین نہیں آتا کہ فرشتہ سے شراب
خواری اختیار کی“ جدت کے علاوہ اس طریقہ ادا میں بلا غصت یہ ہے کہ جب کوئی واقع
واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے تو اسکے صحیح ہونے میں شبد ہو سکتا ہے، اسلام
شہر اسکو واقعہ کی حیثیت سے نہیں بیان کرتا بلکہ ایک مسلسلہ واقعہ قرار دیکھ داعظ
کی حماقت پر تعجب کرتا ہے گویا اسکو فرشتہ کی بخواری بیان کرنی مقصود نہیں نہ اسکے
نزدیک یہ کوئی تعجب انگیز واقعہ ہے جو بیان کرنے کے قابل ہوا، البتہ داعظ کی حماقت
حریت انگیز ہے کہ اسکو ایسے بڑی واقعہ کا یقین نہیں آتا،

شاعر نے خود داعظ کو منحاطب نہیں کیا، اور نہ خیال ہوتا کہ شاید یوں بھی واعظ
وچھپہ نے کے لئے اکھا ہے، مشتوق سے خطاب کرنے میں یہ بلا غصت بھی ہے کہ اسکی

ملک فرنگی کی تعریف اس اندازے کی ہے کہ تعریف مقصود نہیں، صرف واعظی کی حماقت پر حیرت کا انہار ہے۔

اے کہ ہمراہ موافق ہبھاں مر طبی
اگر تم سچا دوست، دنیا میں ڈپنڈت ہے ہو

آن قدرباش کعفناز سفر باز آید
تو اتنا بھر جاؤ کعفنا سفرت والپل جائے

یہ ایک پامال مضمون ہے کہ جب کسی چیز کو نایاب کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”عفنا ہے“
شعر کا اصلی مطلب اسقدر ہے کہ ہمراہ موافق یعنی سچا دوست ملنا محال اور عفنا ہے، اس کو
یوں کہتا ہیں کہ اگر تکوچے دوست کی تلاش ہے تو اتنا بھر جاؤ کعفنا جو سفر میں گیا ہے وہ واپس
آجائے۔ یعنی نہ عفنا دا پس اسکتا ہے نہ سچا دوست مل سکتا ہے، اسی میں بلاغت کا یہ پہلو ہے
کہ پانچ امید دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دوست مل سکتا ہے، البتہ ذرا انتظار کرنا
پڑے گا پھر بس بات پر بخول کیا ہے وہ بھی نظر اہم نہیں کیونکہ کسی کا سفر سے واپس
آجانا کوئی ناممکن بات نہیں، اس حالت کے بعد جب نہ امیدی طاری ہوئی ہے تو نہ امیدی
کا اثر زیادہ سخت اور رنج دہ ہوتا ہے گویا یہ دکھانا ہے کہ پچے دوست کی تلاش میں امید
بھی ہو گی تو اسی قسم کی ہو گی کہ خاتمة ناکامی پر ہو،

نہ باندرازہ باز دوست کندم ہمیات ورنہ بالکوشہ بایم سر دکارے ہست

لے یہ پانچ شعر (نحو ۷) طبع اول صفحہ ۴۶۰ صفحہ ۳۲۳ میں غیر مفہوم عبارت ہے اصل دیکھنے کو معلوم ہوا کہ یہ ہر یہ عبارت تھی کا تب
غلطی سے اسکو لکھا یا نقاہ اہمدا وہ سواد و سطین مخفف کر کے طبقی صل کر دی گئیں وہ مخطو عبارت یہ ہے:-
”اتفاق سے کوئی مدقائقی نہ تھی، اسٹلے بہر حال نہیں پر لوگوں کی نظر پڑی اور زیادہ دام لگا، اسلئے انسوں
کے طور پر کہتا ہے کہ ”کیا کہتے اس سال بھی انکی قیمت زیادہ ہی رہی“

شعر کا مطاب اس قدر ہے کہ "میں مشوق تک پہنچنا تھا ہون لین رسانی کا کرنی
سامان نہیں، اسکو ہون ادا کیا تو مجھکو لیک گوشہ بام سے کچھ کام تو ہے لیکن یا کہیں جتنی
قوت میرے بازو میں ہے اسکے موافق کہنے نہیں ہے، باسے اور سرد کارے کی تکیر نے ایک خاص
لطف پیدا کیا ہے"

حسن الفاظ | یہ ایک ہنایت ضروری بحث ہے، اسلئے ہم اس کا تفصیل سے لکھتے ہیں، آنکھ بالعمده
میں باب فی اللفظ والمعنى ایک خاص عنوان قائم کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے دلوں کا ارتبا طب اہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتبا

کہ وہ کمزور ہو گا تو یہ بھی کمزور ہو گی پس اگر منی میں نفس ہو تو اور لفظ میں ہو تو شو میں عیب سمجھا

جائیکا پس طرح لٹکرے یا نپھے میں روح موجود ہوتی ہے لیکن بد میں عیب ہوتا ہے

اسی طرح اگر لفظ اچھے ہوں لیکن مضمون اچھا ہونا بھی شعر خراب ہو گا اور مضمون کی

خرابی، الفاظ پر بھی افرکرگی اگر مضمون بالکل انغمود ہو اور الفاظ اچھے ہوں تو الفاظ بھی

بیکار ہوں گے، جس طرح مردہ کا جسم ایوں دیکھنے میں سب کچھ سلامت ہے لیکن یہ حقیقت

کچھ بھی نہیں، اسی طرح مضمون کو اچھا ہو لیکن الفاظ اگر بُرے ہیں تو بھی شعر بیکار ہو گا کیونکہ

روح بغیر جسم کے یا نہیں جا سکتی،

"اہل فن کے دو گروہ بن گئے ہیں ایک لفظ کو ترجیح دیتا ہے اور اسلئے تامتر کو شمش

الفاظ کے حسن رخوبی پر مبنی دل ہوتی ہے، عرب کا اصلی انداز بھی ہے، بعض لوگ مضمون

کو ترجیح دستے ہیں اور الفاظ کی پرداہیں کرتے ہیں این الرومي او متعني کا مسلک ہے

لیکن زیادہ تراہل فن کا یہی مذہب ہے کہ لفظ کو مضمون پر ترجیح ہے وہ کہتے ہیں کہ
ضمون تو سب پسید اگر سکتے ہیں لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون اداگن
غاظ میں کیا گیا ہے؟ اور بندش کیسی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا اشتاپردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر گلستان
بن جو مضا میں اور خیالات ہیں، ایسے اچھوتے اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی نصاحت اور
نیب اور تناسبت ان میں حصر پیدا کر دیا ہے، انھیں مضا میں اور خیالات کو عمولی الفاظ
ن ادا کیا جائے تو سارا اثر جامار ہے گا، ظہور ہی کا ساتی نامہ نازک خیالی، موشگانی،
ضمون بند ہی کا طلسہ ہے لیکن سکندر نامہ کا ایک شعر پورے ساتی نامہ پر بھاری ہے۔
لیکن وجہ یہی ہے کہ ساتی نامہ میں الفاظ کی وہ میانت، اور شان و شوکت، اور بندش

اوہ بختی نہیں جو سکندر نامہ کا عام جو ہر ہے، حافظہ کا شعر ہے،

تم این جا مہم جہان میں بتر کے داد حکیم گفت آن روز کہ این گنبد میں امیر کرد
جو خیال اس شعر میں ادا کیا گیا ہے اسکو الفاظ بدل کر ادا کرو، شعر خاک میں بجا بیکا
لیں کے دلائل مصروعن میں،

عَمَّا مُبَلِّلٌ خُوَشْكُوكَهْ چِهْكَتا ہے چن میں،

عَبْلِلٌ چِیکَ رَهَبَرِیا ضِسْوَل میں:

ضمون بلکہ بعض الفاظ انک مشترک ہیں بچھدی زمین آسمان کا فرق ہے،
حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزیدؑ کی فوج کے سامنے تمام محنت کیا ہے،

تو پنے اسلخ اور لباس کو جو رسول اللہ علیٰ اللہ علیہ وسلم سے درستہ میں پائے تھے، وہاں پر لوچ چھپے کر کے کسکے تبرکات ہیں؟ اس داقعہ کو میر حضیر نے یون ادا کیا ہے،

بیچانتے ہو، کسکی مرے سر پر ہر دستار دیکھو تو ہے عبا کسکی ہر کانہ ہے پر نمودار
یہ کسکی زردہ، کسکی سر، کسکی ہر تلوہ؟ میں جس پہ سوار آیا ہوں، کسکا ہے، یہ ہوا
باندھا ہے، کمر جس سے یہ کس کی ردا ہے؟
کیا فاطمہ ہر انہیں اسکو سیا ہے؟

بعینہ اسی داقعہ کی میر امیس ادا کرتے ہیں،

یہ قبا کسکی ہے، بتلا دی یہ کس کی دستار یہ زردہ کسکی ہے، پہنچنے ہوں جو میں یہ نگاہ
بر میں کسکا ہے؟ یہ چاراً مکینہ جو ہر دار کسکا ہو ارہی ہے، یہ آج میں جس پر ہوں گلاد
کسکا ہے خود ہے یہ تینی دوسرے کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ پر کسکی ہے

دو لون بندوں میں مضمون اور معنی بالکل مشترک ہیں الفاظ کے اُدل بَدَل اور

الْثُّلْثُلَتُ لے کلام کو کہاں سے آہان تک پہنچا دیا ہے،

اس تقریب کا یہ مطلب ہے کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہئے اور معنی۔

بالکل بے پرواہ جانا چاہئے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون لکھنا ہی بلند اور نازک ہو لیں اگر

الفاظ مناسب ہیں ہیں تو شعر میں کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی، اسلئے شاعر کو یہ سورج لینا چاہیے جو مضمون اسکے خیال میں آیا ہے، اُسی درجہ کے الفاظ اسکو میر اسکین گے یا نہیں

فرند آسکین تو اسکو بند مضاہین چھوڑ کر انھیں سادہ اور سموی مضاہین پر تناعث کرنی چاہئے
واسکے بس کے ہیں، اور جنکو وہ عمدہ پیرایہ اور عمدہ الفاظ میں ادا کر سکتا ہے کسی نے
نایات سچ کہا ہے،

برائے پاکی لفظ شے بروز آرد کمرغ دمہی باشند خفتہ او بیدار
یعنی "شاعر ایک ایک لفظ کی تلاش میں رات رات بھر جا گتارہ جاتا ہے جبکہ مرغ اور
پھلیاں تک سوتی ہوتی ہیں" یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک عمدہ سے عمدہ خیال، عمدہ سے عمدہ
ضفون، عمدہ سے عمدہ نظم، اسوجہ سے برباد ہو جائے کہ اس میں صرف لفظ اپنے وجہ سے
رگیا،

جن بڑی شہر شعر اکی شبست کہا جاتا ہے کہ ان کے کلام میں خای ہے، اسکی زیادتہ
جہی ہے کہ ان کے ہان الفاظ کی متاثر، وقار، اور بندشیں کی درستی میں نقص پائی
جاتا ہے متوسطین اور متأخرین نے جو شاہنامے لکھے مضاہین اور خیالات میں فردوسی
کے شاہنامہ سے کم نہیں ہیں، لیکن فردوسی کے شاہنامہ کے سامنے انکا نام لینا بھی
معاہدت ہے، اسکی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ فردوسی جن الفاظ میں اپنے خیالات
و ادا کرتا ہے اسکے سامنے اور عدن کے الفاظ بالکل کم مرتبہ اور بے وقت معلوم ہوتے ہیں،
شاپریہ اعتراض کیا جائے کہ الفاظ کا اندر بھی سی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ایک
نظم اسی بناء پر عظمت ہوتا ہے کہ اس کے سی میں عظمت ہوتی ہے،
شلال الفلامی کا یہ شعر

دَأْنِ دَجَلَهُ خُونِ بَلَدَهُ آنَّابَ

چونیلو فرَنْگِنَدْ زَورَقَ بَرَّابَ

اس شعر میں اگرچہ لفظاً ہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر دجلہ کے بجائے چشمہ، اور زورق کے بجائے اکشی کر دیا جائے تو گوئی وہی رہیں گے لیکن شعر کم رتبہ ہو جائے گا، لیکن زیادہ غورتہ دیکھا جائے تو اسکی وجہ لفظ کی خصوصیت انتہیں بلکہ معنی کا اثر ہے، دجلہ کے معنی میں چشمہ زیادہ وسعت ہے کیونکہ چشمہ چھوٹی سی نالی کو بھی کہہ سکتے ہیں بخلاف اسکے دجلہ ایک بڑے دریا کا نام ہے، اسی طرح زورق اور کشتمی کی حقیقت میں فرق ہے، اس بنابر دجلہ اور زورق میں پختہ ہے وہ معنی کے لحاظ سے ہے لفظ کی حیثیت سے، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہو لیکن اولاً توبہت سے ایسے لفظ میں جبکہ معنی میں انتہیں بلکہ صوت اور آواز میں رفت اور شان ہوئی ہے، ضیغم، اور شیرمعنی بالکل ایک ہیں لیکن لفظوں کے شکوہ میں صفات فرق ہے، اسکے علاوہ اس قسم کے الفاظ میں لفظی حیثیت اسقدر غالب ہی کہ گودہ رفتہ معنی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تاہم سامع ہی سمجھتا ہے کہ یہ لفظ ہی کا اثر ہے، اسلئے ایسے الفاظ کا افریبی الفاظ ہی کی طرف منسوب کرنا چاہتے،

الفاظ کے اذاع اور ایک منہج اثر | اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ شاعری کا مدراز زیادہ تر الفاظ پر ہے ہم کو کسی قدر تفصیل سے بتانا چاہتے کہ الفاظ کے کیا اذاع ہیں اور ہر نوع کا کیا خاص اثر ہے؟ اور کون الفاظ کیاں کام آتے ہیں؟

الفاظ مسند قسم کے ہوتے ہیں بعض نازک، لطیف، شستہ، صاف، روان اور

شیر یا نہ بعن پر شوکت متین بلند پہلی قسم کے الفاظ اعشق و محبت کے معنا میں کے ادا کرنے کی
لئے موزو دن ہیں، عشق اور محبت، انسان کے لطیف اور نازک جذبات ہیں، اسلئے اُنکے
ادا کرنے کے لئے افظع بھی اُسی قسم کے ہونے چاہیں یہی بات ہے کہ قدم اکی بہ نسبت متاخرین
کی غزل اچھی ہوتی ہے، قدم اکے زمانے تک فوجی تمن باقی تھا اسٹے اسکا اثر تمام
چیزوں میں پایا جاتا تھا، یہاں تک کہ الفاظ بھی بلند تین پر زد ہوتے تھے، فردوسی نے
شاہنامہ کے بعد زینی اللہی تو اسکا پر انداز ہے،

بِرَادِيْ جَوَابِيْ كَمِرِبِسْتَهِ بُودَ	بَلْغَتِيْ حَدِيْثَيْ كَمِكَبْسَتَهِ بُودَ
بِرَبِّيْوَدَهِ گُوْيِمِ نِسْبَ سَاخَتَيْ	سَخَنَهَا ئَنَا خُوشِ مِرِلَانِدَهِيْ
زَهَرِ گُونَهِ گَفْتِ سَخَمَهَا ئَسْتَ	سَرِاجِمَشِ اِينَ گَفْتِي اِنْكِبْجَتَ
كَگْرَأَزَمَالِيْ مَرَا، أَزَمَالِيْ	كَمِ دَارِدَلِمِ، پَا ئَدَنْشِ بَجَائَ
كُنُونِ دِلْبَرِ اِيْلَفْتِ مِنْ كَلَرْكَنِ	دَلْسَتِ دِرِابِينِ بَهْرَبَانِ يَارِكَنِ

اس موقع سے بڑھ کر قت اور درد اور سوز دگدرا کا کیا موقع ہو سکتا تھا فردوسی
نے خیالات وہی ادا کے جو ایک عاشق متعشق سے کر سکتا ہے لیکن الفاظ اور طرز ادا
ایسا ہے کہ میدان جنگ کا جز معلوم ہوتا ہے،

نظمی نے جہان اس قسم کے معنا میں ادا کئے ہیں ایسے لب ولہج میں ادا
کئے ہیں کہ پھر کا دل پالی ہو جاتا ہے،

سعدی جغزیل کے بانی خیال کئے جاتے ہیں اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ

الْفُونَ نَغْزِلَ مِنْ رَقْنَنَ نَازِكَ شِيرِنَ اور پُر در الفاظ استعمال کئے، اسپر بھی کمین کیوں
پر انس روکے اور سخت الفاظ آجائے ہیں تو وہ بات جاتی رہتی ہے، شملہ

لَهِيَرِدِي خَبَرِ زَمَارِي وَانْدِعَقْبَتْ قُلُوبَ دَالْبَصَارَ

اَيْنَ قَاتِعَدَهَا خَلَافَ بَمْذَارِ دِينِ خُوَّلَ مَعَانِدَتَهَا كَنَّ

أَرْبَابَنِي نَزُودَ، دَرْدَبَازَ أَيْدَ نَاهِيَرِ اَسْتَمْسَ دَكَّهُ حَلَوَى رَأَ

مَبْلَغَتِيَّ كَكَلَامَ پَرْعَلَامَهُ تَعَبِيَّ نَعْجَنَكَمَهُ جَنِيَانَ کَہیں اُخْنَنَ بَسَیَہُ یَبْحِی ہُجَّ کَوَهُ غَزَلَ اور

تَشَبِّيَّہُ مِنْ اِیْسَےِ الْفَاظَ لَا تَمَہِی جَوْعَاشَقَانَ خَيَالَاتَ کَے لَئے سَرْزَوَنَ اَنْنَنَ،

بَلْندَ اور پُر شَوَّکَتْ الْفَاظَ اور زَمَیَّہِ مَضَامِینَ اور قَصَالَدَهُ وَغَیرَهُ کے لَئے مَوزُونَ مِنْ تَنَاهِیَنَ

یَعْنَیْ كَلِيمَ وَصَاحَبَ وَغَیرَهُ کَیِّنَتْ یَهْتَسِیْلِمَ کَیا جَاتَا ہے کَہْ قَصِیدَہ اچْحَاہِنِینَ کَہتَے، اسکا سبب

یَہِیَ ہے کَہْ کُنَکَهُ زَمانِ مِنْ، تَدَنَ اور مَعَاشرَتَ مِنْ نَهَايَتَ نَزَاكَتَ پَرْسَتِ آگَئِیْ تَعَقِّی او عَشَقِیَّہ

جَزْ بَاتَ عَامَ ہو گئے تھے، اسکا اثر زبان پر بھی پڑا منی زبان زیادہ نازک اور لطیف ہو گئی جو غزل

گُوئی کے لئے مَوزُونَ تھی لَیْکَنْ قَصَالَدَیَ دَهْوَمَ دَحَامَ اور شَانَ وَشَوَّکَتْ کَہْ قَابِلَ نَعْتَقِی،

عَرْفِیْ قَصِیدَہ مِنْ عَيْدَ کَعِيشَ وَعَشَرَتْ کَابِیَانَ کَرْتَاهِیْ لَوْ اسکا یہ اِمَادَہ ہے

صَبَاجِ عَيْدَ کَہْ در تَکِیَہ کَادَنَازَدَلِیْمَ گَدَکَلاَهَ نَسْجَ کَنْهَادَوَشَرَدَلِیْمَ

کَلِیْمَ نَعْلَیْکَ ایَکَ قَصِیدَہ کَیِّہِیدَ مِنْ هَنْدَوَسْتَانَ کَیِّعِيشَ انْجِیزَ می کاسماں باَنْدَھَا

ہے، اُس کا مطلع ہے،

اسِرَ کَشُورَہِشَدَمَ لَمَ ازو فَوَرَ سَرَدَ گَدَابِسَتَ گَرْفَتَ سَتَ کَاسَهَ طَنَبَوَ

ان دونوں شعروں میں جو فرق ہے اسی بنا پر ہے کہ عربی کے وقت تک عیش و عشرت کے خیالات، اور اسکا اثر چند انعام نہیں ہوا تھا، انطیری نیشاپوری الگر کے ہمدرد کا شاعر ہے لیکن غزل کا مذاق غالب تھا، اور زبان میں نہایت گلواہ و اور زمانات آگئی تھی، اسلئے اسکے قصیدہ دن میں زور نہیں ہے اور تشہیب تو صفات غزل معلوم ہوتی ہے، قصیدہ کی ابتداء میں جمع عشقیہ مضایں لکھتے ہیں اسلام تو شہیب کہتے ہیں اور وہ گویا غزل ہوتی ہے تاہم نکتہ دنماں فتن جمیشہ لحاظ کر لینے ہیں، کہ وہ چونکہ قصیدہ کا جزو ہے اسلئے اسلئے زبان غزل کی زبان سے نہ ملنے پائے، اسی بنا پر عربی تشہیب لکھتا ہے تو اس اندان سے لکھتا ہے،

نم اُن سیز جان لشته کہ باشیغ و کفن	میں ایسا جان سے سیر ہو چکا ہوں کہ تیخ و کفن
تادری خامہ جلا دغزل خوان فتم،	لیل جبار کے لئے تک غزل پڑھتا ہوا کسی،
کعنان لیلہ شد و رہ من انبیت حم	کسی نے زوک نوک نہ کی ورنہ میں تو کبیے
تادری تکدہ در سایہ ایمان فرسم	تکدہ تک، ایمان کے سایہ میں گسی،
زان شکستم کہ بدن بال دل خوشی مام	میں نے اس وجہ سے شکست ایمانی لے پنڈ کے
در شہیب شکنِ زلف پر لشیان فتم	چھے پچھے رُف کی شکنون میں رُتا گیا،

قصیدہ کے علاوہ مثنوی میں بھی اس قسم کی زبان پسندیدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ متأخرین مثنوی اچھی نہیں لکھ سکتے، انکی زبان بالکل غزل کی زبان بن گئی ہے، اس لئے جو کچھ لکھتے ہیں غزل بجا تی ہے، البتہ عشقیہ مثنویاں اس سے سنتنی ہیں لیکن ان میں وہی غزل کی زبان استعمال کرنی چاہئے ملدم من اور نوعی کے سوز و گد از پونکہ عشقیہ مثنویاں ہیں

اس لئے ان میں یہی زبان موزوں تھی لیکن فیضی نے یہاں بھی وہ نکتہ محفوظ رکھا ہے کہ جہاں اپنا خیریہ لکھا ہے زبان بدل کر قصیدہ کی شان و شوکت آگئی ہے، ملا حظہ ہے،

امروز نہ شاعرِ حکیم
مین آج شاعرِ نہیں بلکہ فلسفی ہوں،
وانشدہ حادث و قدحیم،
بائکِ تسلیم درین شب تار
حد معنی خفته کر دبیدار
ردِ بہ منشانِ بن حسہ دار
پیشائی شیر راجہ خارند
آنماںکہ بمن نظر فگنڈ ند
در معمر کرام سپر فگنڈ ند
لورڈ ہون کو مجھ سے کیا کام؟ پیشیر کی
پیشائی کیون کھلاتی ہیں؟ جن لوگوں
نے میسری طرف نظر انعامی میرے
مفت اپنے بمن سپر ڈال دی؟

یہ غامر بحث، الفاظ کی الفرادیِ حیثیت سے تھی، لیکن اس سے زیادہ مقدم الفاظ کا باہمی تلقی اور تناسب ہے، یہ ممکن ہے کہ ایک شعر میں جس قدر لفظ اُبین الگ الگ دیکھا جائے تو سب موزوں اور فوج ہوں لیکن ترکیبیِ حیثیت سے نامہواری پیدا ہو جائے، اس لئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ جو الفاظ ایک ساختہ کسی کلام میں اُمیں اُن میں باہم ایسا توافق، تناسب، موزوں لئی اور ہم آدازی ہو کہ سب ملکر گویا ایک لفظ یا ایک ہی جسم کے اعتبار میں جائیں یہی بات ہے جسکی وجہ سے شعر میں وہ بات پیدا ہوتی ہے جسکو عربی میں انسجام کہتے ہیں اور جسکا نام ہماری زبان میں سلاستِ صفائی

برداں ہے یہی چیز ہے جس پر خواجہ حافظ کو ناز ہے اور جسکی تباہ پر اپنے حریف کی شان
بن لئتے ہیں ۶

صنعتِ اشعار برداں نڈا ردو

یہی وصف ہے جسکی وجہ سے شعر میں موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے اور شاعری اور
موسیقی کی صردین بجالتی ہیں۔
علیٰ حزین کا ایک شعر ہے۔

جب میں مشوق کے لب کی بات خرد عزیزاً ہوں	چون سرکم حدیثِ لبِ اعلیٰ یار را
لچشمِ حیوان سے گردائی گئی ہے۔	گرداز ہنا حشمتِ حیوان برآ درم
خان آرزو نے پسلے مصروع میں یون اصلاح دی۔	
چون سرکم حدیثِ ازان خط پشتِ لب	

آرزو کے مصروع میں جس قدر الفاظ میں یعنی حدیث، خط، پشت، لب، سب بجائے
وہ فصح ہیں لیکن ان کے ملائے سے یہ حالت پیدا ہوئی ہر کہ مصروع پڑھنے کی وقت معلوم ہوتا
ہے کہ ہر قدم پر ٹھوکر لگاتی جاتی ہے انجلات اس کے حزین کا مصروع سوئی کی طرح ڈھکتا آتا
ہے میں کے لحاظ سے الفاظ کا اثر یہاں تک الفاظ کی نسبت بوجھ تھی وہ زیادہ تر اظہر کی حیثیت
میں آداز اور صورت اور لامبے کے لحاظ سے تھی، لیکن شاعری کا اصلی مدار، الفاظ کی منوی
حالت پر ہے یعنی معنی کے لحاظ سے الفاظ کا کیا اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان میں
نیوں کا اختلاف مراتب ہوتا ہے۔

ہر زبان میں مترادف الفاظ ہوتے ہیں جو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو ان الفاظ میں باہم فرق ہوتا ہے لیکن ہر لفظ کے معنیوں اور معنیوں میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی، مثلاً خدا کو فارسی میں خدا، پروردگار، اور دادا، ایزد، آفریدگار، سب کہتے ہیں، بطاح را سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں لیکن درحقیقت ہر لفظ میں ایک خاص بات اور خاص اثر جو اسے ساخت مخصوص ہے، اسلئے شاعر کی نکتہ دالی یہ ہے کہ جس مضمون کے ادارے کیلئے خانز جو لفظ موزوں اور موثر ہے، وہی استعمال کیا جائے درمیشہ شعر میں وہ اثر پسیدا ہو گا، یہ ایک دقیق نکتہ ہے، اور بغیر اسکے کہ ایک خاص مثال میں ایک ایک لفظ پر بحث کر کے نہ سمجھایا جائے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

فیضی کا شعر ہے،

بانگِ تسلیم درین شب تار بس منی خفتہ کرد بیدار

”شعر کا اصل مضمون یہ ہے کہ ”شاعری میں میں نے بہت سے نئے مضمون پیدا کئے“ اسکو استعارہ کے پیرایہ میں یون ادا کیا ہے کہ ”میرے قلم کی آواز نے بہت سے سوئے ہوئے مضمونوں کو جگایا، اب اسکے ایک ایک لفظ پر خیال کرو۔“

بانگ خاص اس آواز کو کہتے ہیں جیسیں بلندی اور فحامت ہو جو جگائے کیلئے

مزدود ہے، بانگ اور آواز اور صریر ہم معنی ہیں اسلئے بانگ قلم کی بجائے آواز قلم اور صریر قلم یہی کہہ سکتے ہیں اس موقع کے لئے صرف بانگ، موزوں ہے۔

قلم کو فارسی میں خاصہ اور کلکاٹ بھی کہتے ہیں لیکن قلم کے لفظ میں جو فحامت اور عربی اور لفظیون میں نہیں، بلکہ میم نے ملکر اس فحامت کو اور بڑا دیا ہے بانگ اور قلم کی ترکیب نے لفظ کو زیادہ پُر وزن کر دیا ہے،
تارہ کو تیرہ اور تاریک بھی کہتے ہیں لیکن اس مصروع میں سُن صوت کے لحاظ سے تارہ موزون ہے،

بس کے ہم سی فہیت سے الفاظ ہیں شنلاً بسیار نجت، خیلے، وغیرہ لیکن اس کے لفظ میں کثرت کی جو تو سیع ہے اور لفظیون میں نہیں ہے،
ان تمام بالوں پر غور کر دتب یہ نکتہ حل ہو گا کہ اس شعر میں جواز ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مضمون کی ایک ایک خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے جو الفاظ اور کار نجت اور جن کے بغیر دو خصوصیت ادا نہیں ہو سکتی تھی سب شاعر نے جمع کر دئے اور ان بالوں کے ساتھ اصل مضمون میں اصلیت، اور طراز ادا میں جدت اور ندرت پیدا کی،
بڑے بڑے خیالات اور جذبہ باستلفظ کے تابع ہوتے ہیں، ایک لفظ ایک بہت بڑے خیال یا بہت بڑے جذبہ کو محیم کر کے دکھاسکتا ہے، ایک بہت بڑا معمور ایک مرقع کے ذریعہ سے غیظاً و غضب، جوش اور تمہر عظمت اور شان کا جو منظر دکھاسکتا ہے، شاعر صرف ایک لفظ سے دھی اپنی پیدا کر سکتا ہے مثلاً فردوسی نے جہان رسم و سہرا باب کی داستان شروع کی ہے لکھتا ہے،
کنون جنگ سہرا بب رسم شنو
اب سہرا بب رسم کی لڑائی سنو بہت ہو داقا

دگر با شنیدستی این تم شنید سخن
 سن پکے ہو اب ذرا اسکو بھی سخن
 اس شعر میں یہ ظاہر کرنا تھا کہ سہرا ب کادا قعہ تام لذت شستہ و افعت سے زیادہ و بلوڑا
 زیادہ عجیب زیادہ پر درد اور زیادہ عبرت ناک ہے شاعر نے صرف این ہم کے لفظ سے
 جو خیال ادا کر دیا ہے وہ ان سب بالوں کو شامل ہے اور یہ ان پر محدود نہیں بلکہ اور
 آئے گے بڑھتا ہے لیکن معلوم نہیں اس داستان میں اور کیا اثر ہو گا؟!
 سکندر حب دار کے پاس عالم زرع میں گیا ہے تو دار اس سے کہتا ہے
 زمین رام تاریخ تاریخ نشین میں زمین کے سرکار چ جوں بھجو
 بھجنیاں مرانا بھنسپد زمین دہلا، درد زمین بی جائے گی ،
 دوسرے مصروع سے وہ اثر پیدا کیا ہے جو ایک لشکر چڑا رہنیں پیدا کر سکتا
 بہت سے لفڑا لیتے ہوتے ہیں جنکے معنی گو منفرد ہوتے ہیں لیکن اس میں مختلف
 چیزیں ہوتی ہیں اور اس لحاظ سے وہ لفڑا لو یا مستعد دخیالات کا بھوکھ ہوتا ہے اس
 قسم کا ایک لفڑا ایک دسیع خیال ادا کر سکتا ہے اور اس لئے اسکے بجائے اگر اسکے مراد ف
 لفڑا استعمال کئے جائیں تو مضمون کا اثر اور دست کلم بوجاتی، مثلاً کعبہ کو حرم ہم بھی کہتے
 ہیں لیکن کعبہ کے لفڑا سے ایک حصہ عمارت مفہوم ہوئی ہے، بخلاف اسکے حرم کے لفڑا
 میں مستعد مفہوم شامل ہیں، عمارت خاص یہ خیال کردہ ایک محترم جگہ ہے، یہ خیال کہ
 وہاں تک وقاص ناجائز ہے، یہ خیالات اس بنی پرہیں کہ حرم کے لغوی معنی یہی لئے
 اسی مناسبت سے اس عمارت کا یہ نام پڑا اور اسکے لفڑا لغوی لفڑا علم بیٹا گیا ہے تاہم لغوی

منی کی جھلک اب تک موجود ہے اس بنابر حرم کا لفظ جن موقوں پر جو اثر پیدا کر سکتا ہے
لبھ کا لفظ انہیں پیدا کر سکتا، خانہ ان بیوت کو بھی حرم کہتے ہیں اور ربان بھی عزت اور
حرست کی خصوصیت محو ہے،

ان بالوں کو پیش نظر لئے معلوم ہو گا کہ ذیل کے شعر میں حرم کا لفظ لیا اور پیدا
کرتا ہے اور اگر یہ لفظ بدلا جائے تو شعر کا درجہ کیا رہ جائے گا،

از صاحب حرم چ توچ لندباز آن ناسان کہ دست برال حرم زند
پہ شراریں بیت کی سناں میں ہے اور اس میں قی کی طرف اشارہ ہے جبکہ زینہ کی
وجہ نے اہل بیت کے خیون میں گھسکر انکے زیر اور کپڑے لوٹنے شروع کئے ہیں شرکا
مطلوب یہ ہے کہ جو لوگ اہل بیت پر ہاتھ ڈالتے ہیں انہوں صاحب حرم یعنی خدا سے مغفرت
کی کیا تو قع ہو سکتی ہے۔

فضح اور انوس الفاظ کا انتقام شاعر کے لئے نہایت ضرر ہے کہ فصح اور انوس الفاظ کا
تفصیل کرے اور کوئی شکش کرے کہ کوئی لغایہ فصاحت کے خلاف نہ آئے پائے فحشات
کی تعریف اگرچہ اہل فن نے سطقی طور پر جنس و فصل کے ذریعہ سے کی ہے یعنی سحر فون
میں تنافر نہیں، لفظ نادر الاستعمال نہیں، قیاس لغوی کے مخالف نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ
فصاحت کا معیار صرف نہ زوی اور وجہ ان صحیح ہے، ملکن ہے کہ ایک لفظ میں تنافر
حدوف نہ رہت استعمال، مخالفت قیاس کچھ نہیں، باد جرد اسکے وہ فصح نہیں یعنی ملکن ہو کہ
ایک لفظ بالکل نادر الاستعمال ہو اور پھر فصح ہو، زبان کے الفاظ جو کبھی جسم نے استعمال

نہیں کئے تھے بلکہ ہمارے کا لوزن میں نہیں پڑے تھے، اول اول جب ہم سنتے ہیں تو انہیں سے بعض ہم کو صحیح معلوم ہوتے ہیں، اور بعض نامالاؤس اور کروہ، حالانکہ نہ راست استعمال میں دولوز برابر ہیں،

ایک نکتہ خاص طور پر یہاں لحاظدار کرنے کے قابل ہے، اکثر الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں لفظ ہوتا ہے لیکن ابتدائی زمانہ میں جب لوگون کا احساس نازک نہیں ہوتا اونکے لفظ محسوس نہیں ہوتا، کثرت استعمال اس لفظ کو اور کم کر دیتی ہے لیکن بالآخر جب حسارتازک ہو جاتا ہے تو وہ الفاظ صاف کشکلنے لگتے ہیں اور وقت رفتہ متrodک ہو جاتے ہیں، لیکن نکتہ داں اور لطیف المذاق شاعر فتویٰ عام سے پہلے اس قسم کے الفاظ ترک کر دیتی ہے اور اسکا چھوٹا نالو یہاں الفاظ کے متrodک کرنے کا اعلان ہوتا ہے یہی شعر اہم جملی شاعری زبان کا ایں اور قالوز بجا لات ہے، اسکی مثال اردو میں شیخ امام بنخش ناسخ ہیں بہت سے بد مزہ اور ناگوار الفاظ مثلاً ”دُو“ ہے ”جائے ہے“ ”کہو ہے“ یا ”اوہ الفاظ کی فارسی جمعین مثلًا ”خوبان“، ”غیرہ“ ”غیرہ الفاظ ناسخ“ کے زمانہ میں عموماً مردرج تھے اور اور تمام شعراء ہی اور لکھنوا نکو درست تھے، لیکن ناسخ کے مذاق صحیح نے برسوں کے بعد انسے دلی حالت کا پہلے اندازہ کر لیا اور یہ تمام الفاظ ترک کر دئے جو بالآخر دلی والوں کو بھی ترک کرنے پڑے، خواجہ حافظ نے معلوم نہیں کے سورس کے آئندہ احساسات کا اندازہ کر لیا تھا کہ آج تک انگی زبان کا ایک لفظ امرودک نہیں ہوا، غرض یہ ہے کہ شاعر جس طرح مفہماں کی جستجو میں رہتا ہے، اسکو ہر وقت الفاظ کی

بیانی پر طال، اور نابِ قول میں بھی مصروف ہے تا جا ہے اسکو نہایت وقت لظر سے دیکھنا چاہئے
لہ کوں سے الفاظ میں دوختنی اور دور از شگاہ ناؤاری موجود ہے جو آیندہ چلکر سب کو
محسوس ہونے لگے گی۔

یہ بات بھی بتادینے کے قابل ہے کہ بعض الفاظ کو فی نفسہ تقلیل ہوتے ہیں لیکن
رد پیش کے الفاظ کا تناسب اُنکے فلسفہ کو مٹا دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے اسلئے شاعر کو
مجموعی حالت پر نظر رکھنی چاہئے، اگر سنی کے لحاظ سے اس قسم کا لفظ اسکو کسی موقع پر مجبوأ
ستعمال کرنا ہے تو کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے موقع پر اسکے بعد ڈھونڈنے کے
لیے بجا تارہ یا کم ہو جائے۔

سادگی ادا سادگی ادا کے یہ معنی ہیں کہ جو معمون شرمیں ادا کیا گیا ہے اب نکھلنے سمجھ
بن آجائے یہ بات اسبابِ ذیل سے حاصل ہوتی ہے،

جیسا کہ اوپر نہ کوہ مہاجلوں کے اجزاء کی دو ترتیب قائم رکھی جائے جو عموماً اصلی حالت
ن ہوتی ہے، وزن اور بحر و قافیہ کی ضرورت سے اجزاء کے کلام اپنی اپنی مقرر و جگہ
سے زیادہ نہ ہٹنے پائیں،

۱ معمون کے جس قدر اجزاء اہیں ان کا کوئی جزو درست جاے جسکی وجہ سے یہ علوم ہو کر
جیں خلورہ گیا ہے جس طرح زینہ سے کوئی پایہ الگ کر لیا جاتا ہے، مثلًا انوری کا پیشہ،
تاخاک کھٹ پائے ترانقش بستند اسباب تپ لرزہ نداوند قسم را
اس شعر کا مطلب سمجھنا امورِ ذیل کے ذہن نشین کرنے پر موقوف ہے، مجموعی قسم

کہانے سے تپ لزدہ آ جاتا ہی مددوح کے خاک پاک لوگ قسم کہاتے ہیں، شعر کا مطلب یہ
ہے کہ قسم میں جو تاثیر لکھی گئی ہی کو ای جھوٹی قسم کہا یا گناہ اسکو تپ چڑھا دیں گی یہ بات ہوتی
ہے تو یہ جبے مددوح کے کفت پا کا نقش زمین پر تباہ، اب الگ کوئی شخص مددوح
کے کفت پا کی قسم جھوٹ کہتا ہے تو اسکو لزدہ چڑھا آتا ہے، درنہ پہلے جھوٹ قسم کہانے سے
کچھ نقصان نہیں ہوتا ہے۔

اس مضمون میں یہ جزا کہ ”جھوٹی قسم سے تپ آ جاتی ہے“، مذکور نہیں نہ اسقدر یہ
مشہور ہے کہ تپے ذر سے اسکا خیال آ جائے، اثر اشعار میں جو تعقید اور چیز پیدا گی
مرد جاتی ہو اسکی بھی وجہ ہوتی ہے کہ مضمون کا لوئی ضروری جزو جھوٹ جاتا ہے۔
ا سے ساتھ یہ بھی لمحظہ رکھنا چاہئے کہ اگر موقوں پر بعض اجزاء میں کا چھوڑ
خاص لطف پیدا کرتا ہے یہ دہ موقع ہوئے ہیں جہاں سننے والوں کا ذہن خود بخود اس
جز دکیطرت منتقل ہو سکتا ہے مثلاً یہ شعر۔

خت شرمائی میں اتنا نہ بھتا تھا انہیں چھپڑنا تھا لوئی شکایت ہے جا رتا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں عشقوں کو بخوبی لاحا لامبھتا تھا اس لئے میں نے اسکو چھپڑا چاہا
تو سچی شکایتیں کیں کہ وہ اس سے ناراض یا شرمندہ نہ ہو گا لیکن وہ سمجھ لیا اور بہت شرما یا
اب محکلو افسوس ہے فقط چھپڑنا مقصود تھا اس لئے جھوٹی شکایت کرنی چاہئے تھی کہ وہ
شرمندہ بھی نہوتا اور چھپڑا کا لطفت بھی قائم رہتا، اس مضمون میں سے یہ حصے کہ میں نے
”دو ان لوچھپڑا“ اور سچی شکایتیں کیں، ”چھوڑ دے“ لئے ابھی لیکن مضمون کے بقیہ حصے انکو

پور اکر دیتے ہیں، یہ شاعری کا ایک خاص نازک پہلو ہے اور مرزا غائب علیب کا یہ خاص انداز ہے۔ استدارے اور تشبیہ میں دور از فہم ہنوں، اسکی قفصیل استعارہ اور تشبیہ کی بحث میں آئے گی۔

۴۔ اکثر اشعار میں قصہ طلب و اے ہوتے ہیں اور اپنے اکثر اشعار میں مضاہین کی بنیاد قائم ہوتی ہے انکو تبلیغات ہے ہیں، تبلیغات ایسی ہمیں ہوتی چاہیں جو کسی کو معلوم ہونے خاقدانی کی قاصرت اسی قسم کی غیر متعارف تبلیغات پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے اسکے اکثر اشعار لوگوں کے سمجھے ہیں ہمیں آتے، مثلاً

پر دیز د ترخ زر کسرے د ترہ زرین، زرین ترہ کو برخوان، رذکم ترکو ابرخوان
پر دیز کا ترخ زر تو خیر لوگوں کو معلوم بھی ہو گا لیکن کسرے کے ترہ زرین کو لوں
جانتا ہے، اور کم ترکو اکی طرف تو بجز نہایت جید حافظت کے جو عالم بھی بوسی کا خیال بھی
نہیں منتقل ہو سکتا۔

۵۔ سادگی ادا میں اس بات کو بہت دخل ہے کہ روزمرہ اور بول چال کا زیادہ لحاظ رکھا جائے اور روزمرہ چونکہ عام زبان میں پڑھتا ہوتا ہے، اسلئے ایک لفظ ادا ہونے کے ساتھ فوراً پورا جملہ درہن میں آ جاتا ہے اور اسکے سماਰے سے مشکل سے مشکل مضمون کے سمجھنے میں اُسانی ہوتی ہے، بڑے بڑے نامور شعر اکا اصلی کمال بھی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ خیال روزمرہ اور بول چال میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ گویا معمولی بات ہو، مثلاً حضرات صوفیہ کے ہاں، منازلِ سلوک میں بعض مرحلے میں توکل، رضائیں خودی دشوار

گزارہیں۔

واغ نے اس مسئلہ کو کس سادگی سے ادا کیا ہے،

لہر دراء محبت کا خدا حافظہ ہی اس میں دو چار بہت سخت مقام ہیں
یہاں شاید کسی کو یہ خیال پیدا ہوگے کہ سادگی کوئی عام چیز نہیں فراہم پاسکتی ہو اعم
کے لئے سمعوںی خیالات بھی عسیر الفهم ہیں اور خواص مشکل مفہماں کو بھی آسانی سے
سمجھ سکتے ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں سادگی یہی ہے کہ عام و خاص دونوں بے شکل
سمجھ سکیں، فرق جو ہو گا کہ عام آدمی شعر کا ظاہری اور سرسری مطلب سمجھ لیں گے
لیکن خواص کی نظر سے نکات، لطائف اور دقائق تک پہنچنے کی اور ان پر
شعر کا اثر عام سے زیادہ ہو گا، مثلاً یہ شعر

ما در پیا اہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبز لذت شراب ماما

اس کا مطابق ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے، البتہ اس میں صوف کا جو مسئلہ
بیان کیا گیا ہے وہ خاص ارباب حال کے سمجھنے کی چیز ہے۔

شاعری کی بڑی خوبی جدت ادا ہے، جدت ادا میں بات کو خواہ مخواہ
اسی تدریجی پیرایہ سے بدلت کر اور اصلی راستہ سے بہت کرہیان کرنا ہوتا ہے اسلئے شاعر
تو اس درج پر سخت مشکل کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں سادگی ادا کو
انکھوں کی انتباہ انتظفین ہوتا ہے لیکن حقیقت میں شاعری کے کمال کا یہی
موقع ہے اسکی یہ صورت ہے کہ جدت کے سوا سادگی کی اور تمام باتیں موجود

ہون یعنی الفاظ سہل ہوں، تشبیہاں ب قریب الفہم ہوں، ترکیب میں پچیدگی نہ ہو و زمزد
اور محاورہ موجود ہو، ان سب بالذن کے ساتھ جدت ادا میں اعتدال سے تجاوز
نہ کیا جائے، اس صورت میں جدت کی وجہ سے سادگی میں کسی قدر فرق پیدا ہو کا،
تو اور باتیں اسلکی تلافی کر دینیں۔

جلون کے اجزاء کی ترکیب یہ شعر کی خوبی کا بڑا ضروری جزو ہے، ہر زبان میں الفاظ
کے تقدم و تاخر کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ اس سے تجاوز جائز نہیں، جب
اسی ترتیب سے یہ اجزا، کلام میں آتے ہیں تو مضمون پر تکلف سمجھ میں آ جاتا ہے
جب یہ اجزا، اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں تو مطلب میں پچیدگی پیدا ہو جاتی
ہے اور جس قدر یہ تبدیلی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر کلام پچیدہ ہوتا جاتا ہے۔
لیکن شعر میں وزن اور بھرا درقاویہ کی ضرورت سے، اصلی ترتیب پوری پوری قائم
نہیں رہ سکتی تاہم شاعر کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ کل کے
پرز و نک کو اپنی اپنی علگہ قائم رکھئے اور کم سے کم یہ زیادہ نہ ہٹ جانے پا میں جس قدر
یہ وصف شاعر کے کلام میں زیادہ ہو گا اسی قدر شعر میں زیادہ رد و ادائی اور سلاست
ہو گی، یہی وصف ہے جس نے سعدی کے کلام کو تاہم شعر اسے ممتاز کر دیا ہے
ان کے متعدد اشعار ایسے ہیں کہ انکو نہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں جملہ
کے اجزاء کی دہی ترتیب ہے جو نہ میں ہو سکتی ہے اور ایسے تو بہت ہیں جنکی
قطعہ دشمن خفیت سافر ق ہے۔

شلا

خط سبز و لب لعلت بچ مانہ دانی
من گویم اس سر پس سر جیوان ماند

چکنہ کشنہ عشقت کنگوی غم دل
تو پندار کم خولی نیری نپناہ لاند

اسے تاشا گاہ عالم روئے تو
تو جبا بہر تاشا مے روئی

بسیار نلامت دستہ کر دی
آخر بغلط یکے دفائن،

برخیز و در سرائے بر بند

نبشین و قبائے بستہ واکن

داقیت فن ادب کا یہ ایک معرکہ الارا اور مغالطہ انگلیز مسئلہ ہے، ایک فرقیں کا خیال ہے کہ داقیت، شعر کی ضروری شرط ہے، دوسرا گرد کہتا ہے کہ محاسن شعری میں مبالغہ ہی ہے، اور ظاہر ہے کہ مبالغہ اور داقیت، متناقض چیزوں میں یہ مسئلہ مدت سے زیر بحث ہے اور فیصلہ اسوجہ سے نہیں ہوتا کہ ہر فرقی صرف اپنے دلائل پیش کرتا ہے اور مخالفت کا استدلال دہندا لے کر کہا تا ہے اسٹلے ضرورت ہے کہ دونوں طرف کے دلائل پورے زدر کے ساتھ بیان کرے افشا فیصلہ کیا جائے ساتھ ہی سمجھی جائی جائے کہ فرقی بر سر غلط کو جعلی پیدا ہوئی ہے اسکے اسباب کیا ہیں؟

مبالغہ کا طرفدار کہتا ہے کہ الم شتر نے تصریح کی ہے کہ لذب اور مبالغہ شاعری کا ذریعہ نہیں ذیبا فی سے لوگوں سے پوچھا تم اشعر الناس کون ہی؟ اُ سنے آہا،
من استجدید کذا بہ - یعنی "جسکا جھوٹ پسندیدہ ہو"

لذب
ذریعہ
مبالغہ
ذکر
بلدوم

نظمی فرماتے ہیں۔

در شعسر پنج در فنِ اد، چون الذب اوست احسن اد۔
تام بڑے بڑے شعر اجنب کی شاعری سلسلہ عامم ہے، ان کے کلام میں عموماً مبالغہ
او غلو موجود ہے اسکے علاوہ اکثر وہی اشعار کا رنامہ شاعری خیال کئے جاتے ہیں جن
میں کذب اور مبالغہ ہے۔ مثلاً فردوسی کے یہ اشعار،

فر دشده ما ہی و برشد ب ما	<u>بن نیزہ و قتبہ بارگاہ</u>
ذلیں گرد میدان کہ برشد ب شت	زین شش شد و آسمان لشت بہشت
کی خیمه راشت افرا سیاب	زمشرق په مغرب تندیده طناب

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض ایہ فن نے کذب اور مبالغہ کو حسن شاعری
قرار دیا ہے لیکن زیادہ تر ائمہ فن اسکے خلاف ہیں۔

حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

وان شعر بیت انت قائلہ بیت بقال اذا الشد نه صدق ا

اچھا شعر دہ ہے کہ جب پڑا جائے تو لوگ پول اٹھیں کہ پچ کہا۔

ابن رشیقی نے کتاب العمدہ میں اساتذہ کے بہترین سے اقول اسکے
موافق لفظ کئے ہیں۔

جو شعر ابلاغت کے نکتہ شناس ہیں، وہ زور طبیعت کی وجہ سے مبالغہ کرنا چاہتے
ہیں تو ساختہ ہی کوئی اشرط لگا دیتے ہیں جس سے مبالغہ نہیں رہتا، مثلاً مجرمی نے ستوكل کی

درج میں ایک نہایت پر زور قصیدہ لکھا ہے جس میں متوكل کے نازعین میں جانے کا ذکر کیا ہے اس قصیدہ کا مشہور شعر یہ ہے۔

فِلَوْانَ مُشْتَاقًا يَكْلُفُ فَوْقَ مَا
فِي وَسْعِ الْمَشْيِ إِلَيْكَ الْمُنْبَرُ

یعنی اگر کوئی شخص اپنے امکان سے زیادہ کام کر سکتا تو اسے مارو ج،
منیر تیری طرف بڑا کہر ملا آتا، چونکہ منیر کا حرکت کرنا عال بات تھی اسیلے شاعر نے قید
لگا دی کہ "اگر ایسا ممکن ہوتا تو یہ ہوتا" یہاں ایک خاص نکتہ پیش نظر کہنا چاہئے،
شاعری اور انشا پردازی نہدن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے یعنی جس قسم کا تدبیح ہوتا ہے
اسی قسم کی شاعری بھی ہوتی ہے، قوم کی ابتدائی ترقی کا جوزمان ہوتا ہے اسوقت
شاعرانہ خیالات سادہ ہوتے ہیں، جب ترقی کرتی ہے اور نام شریف ایجاد جذبات
شتعل ہو جاتے ہیں، تو گفتاعری میں جوش اور زور پیدا ہو جاتا ہے لیکن اب
بھی سچائی اور راستی کے مرکز سے نہیں ہٹتی، کیونکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب قوم
ہمہ تن عمل ہوتی ہے، اسکے بعد جب عیش اور ناز و نعمت کی نوبت آتی ہے تو ہر
ہربات میں تکلف، ساخت، اور اور دپیلا ہو جاتی تھی اسی زمانہ ہے جب شاعری
میں مبالغہ شروع ہوتا ہے، اسیکا نتیجہ ہے کہ قدماۓ اولین کے کلام میں بالکل
مبالغہ نہیں، جب عباسیہ کا دور آیا اور عیش پرستی کی ہوا جلی تو مبالغہ کا زور ہوا۔
اس تقریر سے یہ غرض ہے کہ جن شعر کے کلام سے مبالغہ کی خوبی پر استدلال
کیا جاتا ہے ان کی نسبت یہ دیکھو کہ کس زمانہ کے ہیں؟ اگر متاخرین میں ہیں

تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قدن کی خرابی ہے جسکا اثر مذاق پر بھی پڑا ہے کہ لوگ مبالغہ کو پسند کر رہے ہیں؟ اسلئے نہ شاعرِ سند کے قابل ہے نہ پسند کر سئے؛ الون کے مذاق سے استدلال ہو سکتا ہے، بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قدن کی خرابی نے شاعراً و رسماءین، دونوں نکے مذاق کو خراب کر دیا ہے۔

جن لوگوں نے کذب و مبالغہ کو شعر کا زیور قرار دیا ہے، ان کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ کذب و مبالغہ میں تخلیل کا استعمال کرنا پڑتا ہے، مثلاً اگر گھوڑے کی نسبت یہ کہا جائے کہ دو ایک منٹ میں ایک کروڑ کوں طے کر دیتا ہے، تو شعر بالکل بے مزہ اور تہل ہو گا، اسلئے جب کوئی شاعر اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہے گا تو ضرور ہے کہ تخلیل سے کام لے مثلاً ایک شاعر کہتا ہے۔

روبو سے اگر آئینہ کے اس گلگلوں کو پہنچ کر دے لیا کبھی شرق اور غرب
استئن عرصہ میں پھر آئے تو اسے با درکار ق عکس بھی آئینہ سے بولنا چاہئے
اس سے ظاہر ہو گا کہ مبالغہ میں اگر کوئی حسن پیدا ہوتا ہے تو تخلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے، نہ اسلئے کہ دھجوب اور مبالغہ ہے؛ بعض مبالغوں میں تخلیل کی بجائے اور کوئی شاعر انہی حسن ہوتا ہے،

مثلاً کمر دوری اور لا غری کے مبالغہ میں یہ شعر۔

شم ارض صفت چنان شد کہ اجل جست نیا فت نالہ ہر چند نشان داد کہ دریں است
یعنی "میرا جسم ایسا گھبل گیا کہ موت نے اکر رہت ڈھونڈ رکین نہ پایا یا جو دیکھ

نالم نے پتہ بھی دیا کہ پیرا ہن میں ہے "اس شعر میں مبالغہ نے حسن نہیں پیدا کیا ہے بلکہ حسُن ادا کی خوبی ہے، اس بات کو کہ نالہ سے جسم کا وجود معلوم ہو سکتا تھا، یوں ادا کیا ہے کہ گویا نالہ کوئی جاندار چیز ہے اور اسی نے پتہ بتایا،

غرض جب زیاد غور اور کاوش کر دے گے تو معلوم ہو گا کہ مبالغہ کے جس قدر اشعار مقبول ہیں، ان میں مبالغہ کے سوا اور خوبیاں ہیں اور دراصل یہ اہنی کا اثر ہے۔

اس بحث میں ایک بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ شاعری کے مختلف اذاع اور ان کی خصوصیات کا لاحاظہ نہیں کیا جاتا، شعر کی دو قسمیں ہیں تکمیلی اور غیر تکمیلی تکمیل میں دو قسم سے غرض نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تر یہ مطلع نظر ہوتا ہے کہ وقت تکمیل کس قدر پر زدہ اور وسیع ہے، اس بنابر اس قسم کی شاعری میں مبالغہ سے کام لیا جائے تو بد نہیں، لیکن دہان بھی سامعین کی طبیعت پر استجواب کا جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ مبالغہ کی وجہ سے نہیں بلکہ وقت تکمیل کی بنابر ہوتا ہے، لیکن اور اقسام شاعری مثلاً فلسفیاً، اخلاقی تاریخی، عشقیہ، بیچول، ان میں مبالغہ بالکل لفوج چیز ہے، اسلئے اگر شعر میں مبالغہ جائز نہیں ہو، تو صرف شعر کی ایک خاص نوع (تکمیل) میں ہو گا، اس سے عام خوبی نہیں ثابت ہو سکتی۔

شاعری سے اگر صرف تفریج خاطر مقصود ہو تو مبالغہ کا مسئلہ آئتا ہے لیکن وہ شاعری جو ایک طاقت ہے، جو قومون کو زیر وزبر کر سکتی ہے، جو ملک میں ہل چل ڈال سکتی ہے، جس سے عرب قبائل میں آگ لگادیتے تھے جس سے نوحہ کیوقت

درو دیوار سے آنسو نکل پڑتے تھے وہ واقعیت اور اصلاحیت سے خالی ہو تو کچھ کام نہیں کر سکتی
تم نے تاریخ میں پڑا ہو گا کہ جاہلیت میں ایک شعر ایک معمولی آدمی کو نام عرب میں بخشنا
کر دیتا تھا، انجلاط اسکے ایران کے غیر اے جن مدد و حون کی تعریف میں دفتر کے دفتر
سیاہ کر دیئے، ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا، اسکی یہی وجہ ہے کہ شعر اے جاہلیت،
کے کلام میں واقعیت ہوئی تھی اسلئے اسکا واقعی اثر بوتا تھا، ایرانی شعر اب اتوں کے
ٹوٹے میانا باتے تھے جس سے دم بھر کی تفریج ہو سکتی تھی، باقی پچ۔

یہ اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب شعر میں واقعیت ہو، در ز خالی اتوں کی
شبude کاری سے کیا ہو سکتا ہے، عرب کی شاعری میں جو یہ اثر تھا کہ قبیلہ کے قبیلہ میں
ایک شرارگ لگا دیتا تھا اسی وقت تک تھا جب تک شاعری میں واقعیت تھی کہ جو
کچھ کہتے تھے سراسر سچ ہوتا تھا، جب عبا رسیم کے دور میں مبالغہ شروع ہو گیا تو شاعری
ایک بانگ بے اثر ہو گئی، شعر ادیوان کے دیوالن لکھ ڈالتے تھے اور کوئی خبر
نہیں ہوتا تھا۔

یہ ضرور نہیں کہ شعر میں جو کچھ کہا جائے وہ سرتاپا واقعیت ہو بلکہ غرض یہ ہے
کہ اصلاحیت کے اثر سے خالی نہ ہو، مثلاً ایک واقعہ واقع میں نہیں ہوں گے شاید کو
اسکا پورا القین ہے یہ واقعہ شعر میں ادا ہو گا تو اثر سے خالی نہ ہو گا۔

میر انگلیس کہتے ہیں۔

لنگر نہ لوت جائے زمین کے جہاز کا
حمل غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا

اس شعر میں ظاہر سب الہ ہے، اسی انسان کے حملتے زمین اپنی بلگہ سے نہیں
بل سکتی لیکن جس یہ صورت کیا جائے کہ یہ کلام کسلی زبان سے بکلاہے تو کلام میں داقیہ
کا اثر آ جاتا ہے، درجہ پر بہا الغہ نہیں رہتا، دوسری صورت واقعیت کی یہ ہے کہ گود
واقعہ سبکی طرف منسوب کیا گیا ہے اسکی طرف یہ بہت صحیح نہیں لیکن فی نفسہ واقعہ
محکم ہے اور پایا جا سکتا ہے، اس صورت میں شعر کا اثر باطل نہیں ہوتا۔

عرفی نے خوب کہا۔

سنکر توان گشت اگر دم زخم از عشق این نشہ بمن گر بندو بادگرے هست
”یعنی میں اگر عشق کا دخواست کر دن تو انکار نہیں کرنا چاہئے، یہ نشہ مجھ میں نہ ہی
کسی نہ کسی میں تو ہے“ خشقیہ اشعر میں مبالغہ اسلئے چن۔ ان بخواہ معلوم نہیں ہوتے
کہ شاعرین گودہ باتیں نہ ہوں لیکن عشق و محبت کے جوش میں اس قسم کے واقعہا
نا ممکن نہیں

شعر میں مبالغہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہوا کہ شاعر کا احساس عام لوگوں کی
بہ نسبت زیادہ قوی اور مشتعل ہوتا ہے، اسلئے ہر واقعہ اسپر اور دون کی بہ نسبت زیاد
اثر کرتا ہے، شاعر اسی اثر کو ادا کرتا ہے لیکن چونکہ عام لوگ اس درجہ کا احساس
نہیں رکھتے، ان کو وہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور اب جو لوگ دراصل شاعر نہیں ہیں
اور شاعر بنا چاہتے ہیں، وہ بتلکفت مبالغہ شروع کرتے ہیں، اور اصلی حدتے
تلک جاتے ہیں،

قدما اسی جائز حد تک مبالغہ کرتے تھے لیکن متاخرین میں وجودِ اصل قطرہ شاعر نہ تھے
بـ قصد و ارادہ اپنے احساس کو قوی تر بنانا چاہا اور چونکہ اسکا انکو خود تجربہ نہ تھا اسلئے کہیں سچے
لکھنے نکل گئے یہاں تک کہ جس قدر زیادہ ناممکن بات کا انہمار کیا جائے اسی قدر مبالغہ کا
حسن سمجھا جانے لگا۔

کلام کے لئے واقعیت ایسی ضروری چز ہے کہ بلا غست کے بہت سے اسالیب میں
صرف اسی وجہ سے حسن اور اثر پیدا ہوتا ہے کہ اسیں واقعیت کا پہلو ہوتا ہے مثلاً وہ موقع
جہاں شاعر کسی بات کو شک اور اشتبہ، کے طور پر بیان کرتا ہے، مثلاً

دارِ جمالِ روئے تو اشتبہ مثا لو دگر یا ان کو من مذمیش بہتر نہ شہماً دگر

بـ حقیقی دل عشق کے چہرہ میں آج زیادہ جلوہ گری ہے، یا یہ کہ محبی کو ایسا نظر آتا ہے، اس
شرط میں تعریف کا اقتضا یہ ہتا کہ شاعر قطعی طور سے دعوے کرتا کہ ملعوق کا حسن بڑھ گیا ہے لیکن
اسے شک ظاہر کیا اور کہا کہ یا تو حسن میں ترقی ہوئی، یا فی نفسہ ترقی ہی نہیں ہوئی لیکن محب پر
خاص اثر ہے، چونکہ بات زیادہ قرین قیاس ہے، اور اسلئے اس میں واقعیت کا زیادہ پہلو
ہے، اسلئے یہ طرزِ ادا زیادہ پر لطف معلوم ہوتا ہے، یا مثلاً

یا مگر کا دش آن لشترِ مژگان کم شد یا کہ خود ختم مرالذتِ آزار میں نہ
یا شلاچجان کسی چیز کو کچھ اگھنا کر بیان کیا جاتا ہے وہاں ایک خاص لطف پیدا ہوتا
ہے یہ اسی واقعیت کا اثر ہے، مثلاً

پاسِ دشی رہ گئی فریاد کچھ ادصر میں کیا کہوں کہ چرخ بریں کتنی دُنیا

غرض شعر اس وقت تک کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتا جب تک اس میں واقعیت نہ ہو، عرب
میں شاعر می کا اور جناب جاہلیت کا ذرا نہ خیال کیا جاتا ہے، اس زمانہ میں شعر اج کچھ
کہتے تھے سرتاپا داقعہ ہوتا ہے، میں۔ ان جنگ سے شاعر اگر بہاگ کیا ہے تو اسکو بھی ظاہر کر
تھا ایک ہیئت شاعر نے اپنا اور زہنوں کا معمر کر لکھا ہے، چونکہ لڑائی برابر ہی تھی، اسے
ایک ایک بات میں مسادات کا پلہ برابر کہا ہے، یہاں تک کہتا ہے۔

فَآبُوا بِالْمَاءِ مَاجِ مُكْثَرًا ت
وَهُوَ لُوكَ ثُوبَنَ لِيَزِدَنَ كَسَّاتِهِ دَالِبِ
ادِرِ هَمَ بَلَى تَوَهَّارِي تَلَوَارِي خَمَ هَرَگَيْتِي سِيرِ
کسی نہیں، یا با دشائے کی تعریف کرتے تھے، تو واقعیت سے تجاوز نہیں کرتے تھے
سلامت بن جنسل سے ایک نہیں نے کہا کہ "سیری مدح لکھو" چونکہ آسمیں کوئی وصف نہیں
کے قابل نہ تھا، شاعر نے انکار کیا اور کہا افضل حقیقت اقوال، تم کچھ کر کے دکھا تو زیر کیم
تحمیل میں بظاہر واقعیت کی ضرورت نہیں معلوم جوئی ایکن دھیقت تحملیل ہے
اسی وقت پُر لطف اور پُر اثر ہوتی ہے جب اس کی تین واقعیت ہو، مثلاً یہ شعر
کے بہرنا محترم، چاک جگر فاهم نہود مذکورہ سخت رانہاں از چشم سوزن داشتم
شعر کا ترجیح ہے کہ اے عشقوں! امین نامحرم کو اپنے جگر کا چاک بھلا کیونکہ دکھا سکا
ہوں میں نے تو تیر سے زخمون کو سوئی کی آنکھوں سے بھی چھپا رکھا ہے۔

اس شعر میں سوئی کو ایک جاندرا چیز قرار دینا اور اس سے زخم کا چھپانا تحدیل
لیکن مضمون کی اصل بنیاد واقعیت پہنچی ہو اصل مضمون یہ ہے کہ میں عام آدمیوں کے

سامنے معاشر کے گئے نہیں کرتا، بلکہ اپنے خاص ہمدرد لوگوں سے بھی اپنے راز کو جھپٹاتا ہے
شعر کریں اور کرتا ہے۔ یہ امر بسیار ہے کہ شرایک مuthor چیز ہے لیکن یہ بحث طلب ہے کہ اس افراد کا

اصلی سبب کیا ہے؟ اسطوئے کتاب الشعرين اسکی جو دلچشمی ہے اسکا حاصل یہ ہے۔

”الشان میں نقائی اور محکمات کا فطری مادہ ہے جانور دینیں یا تو یہ مادہ مطلق نہیں ہوتا،

یا جو تاہم تو کم ہوتا ہے، شلائق طبی صرف آواز کی نقائی کر سکتا ہے، حرکات، سکنات کی نقل نہیں

کر سکتا، بعد حرکات، سکنات کی نقل اپناتا ہے لیکن آواز سے کام نہیں لے سکتا انہلدن

اسکے انسان آواز سے، شارہ سے، حرکات سے، سکنات سے، اور اور مختلف طریقوں

سے ہر چیز کی نقل اپناتا ہے“ وہی بھی انسان کی نظرت ہے کہ اسکو محکمات سے ایک

خاص لطف حاصل ہوتا ہے، فرض کر دیکر ایک بد صورت جانور کی ہو یہ لقوں کی پیشی

جائے تو یہ شخص کو لطف ایک گاہلانکر خودا سے جانور کے دیکھنے سے طبیعت کو درستی تک پہنچا سکے

سے معادم ہوا کہ کسی شے کی محکمات خود لطف انجیز ہے، فی نفسہ وہ شہری ہو یا بہلی

اور چونکہ شعر بھی ایک قسم کی نقائی اور مصوری ہے اس سلسلے خواہ مخواہ اس طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔

”وسری وجہ یہ ہے کہ موسیقی اور رائے بالطبع موثر چیز ہے اور شعر میں موسیقی کا جزو ا

شامل ہے اس سلسلے جس شعر میں زیادہ موسیقیست ہوئی ہے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

اسطوئے نجود جوہ بیان کئے گوئیاے خود صحیح ہیں، لیکن شعر کی تاثیر انہی باقاعدہ پر
موقوف نہیں، شعر میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جنکی دلچشمی سے وہ دلوں کو متاثر کرتا ہے، اس
ضمنوں کے دلنشیں ہونے کیلئے پہلے یہ نکتہ سمجھنا چاہئے کہ انسانی معاشرت کی کل فلسفہ اور

سائنس سے نہیں بلکہ جذبات سے جل سبی ہو فرض کرو ایک مذہب شخص کامیابی ہو اور لاش
سامنے پڑی ہو، شخص اگر سائنس سے رائے لے تو جواب ملے کا کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے انجھی
دیجتے دردان خولن، بادل کی حرکت بند ہو گئی، اسیکا دوسرا نام مرزا ہو، ایک مکانک واقعہ ہے
جونا گزیر دفعہ میں آیا، اور چونکہ دوبارہ زندہ ہونے کی کوئی تمدین نہیں اسلئے رونا دہونا بیکا
بلکہ ایک حیات کا کام ہو، لیکن کیا نام عالم میں ایک شخص کا بھی اسپریل ہو، کیا خود سائنس
دان اسی حصول سے کام لے سکتا ہے؟ بچوں کا پیار، مان کی مامتا، محبت کا جوش، غم کا ہنگامہ
موت کا رنج، ولادت کی خوشی، کیا ان چیزوں کو سائنس سے کوئی تعلق ہو؟ لیکن یہ چیزوں
الگست جائیں تو دفعہ "ستاٹ چھا جائیگا" در دنیا قالب بیجان، شراب بے کیف، اگلہ ہی زندگی، کوہر
بے آب ہو کرہ جائیگی، دنیا کی چیل بیل، رنگینی، دلادیزی، دلفری، سائنس کی وجہ نہیں بلکہ
السانی جذبات کی وجہ سے ہو جو عقل کی حکومت سے قریباً آزاد ہے۔

شاعری کو جذبات ہی سے تعلق ہے اسلئے تاثیر اسکا عنصر ہے شاعری ہر قسم کے
جذبات کو برائی گھستہ کرتی ہے اسلئے رنج، خوشی، جوش، استجواب، صیرت میں جواہر ہے شعر
میں بھی وہی اثر ہوتا ہے، مصور از شاعری اسلئے دل پر افرکرتی ہے کہ جو مناظر اثر انگیز
ہیں، شاعری ان کو پیش نظر کر دیتی ہے۔

باد بحر کے جھونکے، آب دران کی رفتار، بچوں نکی شفتنگی، غنچوں، تائبسم سبزہ کی لمبائی
خوبصورتی پسٹ، بادل کی پہاڑ بھلی کی چکاں، یہ منظر انکھ کے سامنے ہو تو دلپر جد کی کیفیت
طاری ہو جائیگی، شاعری ان مناظر کو بعدن پیش کر دیتی ہو اسلئے اسکی تاثیر سے کیونکہ ان کا درجہ ساکتی

شاعری، صرف محسوسات کی تصویر ہنین گھنچی بلکہ جذبات اور احساسات کو بھی پیش نظر کر دیتی ہے، اکثر ہم خود اپنے نازک، اور پوشیدہ جذبات سے واقف ہنین ہوتے یا ہوتے ہیں تو صرف ایک دہندہ اور دہندہ لاسان نقش نظر آتا ہے، شاعری، ان پس پر وہ چیزیں نکوئی نظر کر دیتی ہے، دہندہ لی چیزیں چاکِ الٹی ہیں، مٹا ہوں نقش اُجاگر ہو جاتا ہے، کہہ لی ہوئی اچز بات آجاتی ہے، خود ہماری روحانی تصویر، عکسی آئینہ کے ذریعہ سے ہم ہنین دیکھ سکتے، شعر تکوڑا کہا دیتا ہے۔

دنیا کا کاروبار سب طرح چل رہا ہے اسکا اصل فلسفہ، خود غرضی اور اصولِ معادن ہے، اور جب اسکو زیادہ دست دست دیجاءے، تو ہمارے تمام اعمال اور افعال، ایک سلسلہ دادستہ بن جاتے ہیں، بچوں کی محبت اور پرداخت اسلئے ہے کہ وہ آئندہ و پلکر ہمارے کام آئینگے باپ کی اطاعت، اسکے کچھ پلے احسانات، کامعاوضہ ہے، ہمان لذائی اس اصول پر ہے کہ ہم کو کبھی کبھی بھاں ہونے کی ضرورت پیش رہے گی، قومی کام اسلئے کئے جاتے ہیں کہ واسطہ درد اس طبق خود کرنے والے کو اس سے فائدہ اپنپتا ہے۔

اس فلسفہ سے بے شرط عمل کی قوت بڑھ جاتی ہے، تجارت کو ترقی ہوتی ہے کاروبار میں ہو جاتے ہیں، دولت کی بہتان ہو جاتی ہے لیکن تمام جذبات مر جاتے ہیں دل مردہ ہو جاتا ہے، الطیف اور نازک احساسات فنا ہو جاتے ہیں، عشق و بحث پر باد ہو جاتے ہیں، اور تمام دنیا ایک ہیں کل بن جاتی ہے، جو خود غرضی کی قوت سے چل رہی ہے، اسی حالت میں شعر شریفانہ بندبات کو ترویز کرتا ہے وہ محسوسات کے

دائرہ سے نکال کر ہجکار ایک اور وسیع اور دلفریب عالم میں لے جاتا ہو، وہ ہجکو بے لگاں بے غرض
دوستی کی تعلیم کرتا ہو، وہ ہجکو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے، جب کہ کار و بار کے ہجوم،
 مقابلہ کی کشمکش، معاملات کی الجھن، تروفات کی دار و گیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہو
تو شعر محجم سکون اور اطمینان بنکر ہمارے سامنے آتا ہو، اور لکھتا ہو۔

شراب تلخ دہ ساقی کمر دا لگن بود زورش کہ تائختے بیسا یم، ز دنیاد از شر دشوش
جب کہ سائنس اور مشاہدات کی مہارت ہجکو سخت دل اور کف بنا دیتی ہو اور تمام
معقدات اور مسلمات عامہ کے دلین حقارت پیدا ہو جاتی ہو، کسی بات پر اعتبار نہیں
آتا، کسی چیز کا اثر نہیں رہتا، مادہ کے سواتام چیز دن کی حکومت دل سے اٹھ جاتی ہو۔
اس وقت شاعری ہمارے دلکور تیقی اور نرم کرتی ہے، جس سے تسلیم، اثر پر یمنی اور اعتقاد پر
ہوتا ہے، مادتیت کے بجائے روحانیت قائم ہوتی ہو، وہ ہجکو عالم تخلیل میں لے جاتی ہے
جہاں تھوڑی دری کے لئے مشاہدات کی بے رحم حکومت سے ہجکو بجات مجاتی ہو۔
جب کہ دولت اور امارت کی سحر کاریاں ہمارے دلکور شک اور حسرت سے بھروسی
ہیں، سلاطین اور امرا، کی نظر فروز زندگی ہمارے دلپر شک کے چر کے لگاتی ہے،
اس وقت بالغ غیب کی یہ آواز۔

بس کن زکر دنا زکر دید، است روزگار چین قبائے قیصر د طرف کلاہ کے
شاعری کا استعمال | شرعاً یک قوت ہے جس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں، بغیر طیار کا سکا
استعمال صحیح طور سے کیا جائے، عرب میں شاعری کی ابتداء رجسٹر سے ہوئی ہے، غنی میدان جگ

میں دو مرین جب مقابلہ کیلئے بڑھتے تھے تو جوش میں فخر یہ موزوں فقرے انکی زبان سے نکلتے تھے یہ دو چار شعر سے زیادہ نہیں ہوتے تھے لیکن طبل جنگ کا کام دیتے تھے اسکے بعد مرثیہ شروع ہوا اپنی جب کوئی عزیز یا دوست مر جاتا ہتا تو اسکی لاش پر نو صورتے تھے عجز بعض شر اسے تمام عمر مرثیہ کے سوا کچھ نہ کہا خدنسا، ایک حورت تھی وہ اپنے بھائی سے نہایت محبت رکھتی تھی، وہ مر گیا تو اسکو اسقدار صدر صدر ہوا اور تمام عمر دیا کی چنانچہ اسکے سیکڑوں پر زارون اشداد ایسے مرثیہ میں ہیں تھم میں نویرہ کا بھی بھائی کے مرے پر بھی حال ہوا تھہشہر بالا اپر ہتا ہنا جہاں پہنچ جاتا مرد عورت اسکے پاس جمع ہو جاتے بھائی کا مرثیہ پڑھتا خود روتا اور لوگونکو در دلا ما۔ مرثیہ کے بعد قصیدہ شروع ہوا۔

شعراء عرب اکثر صاحبِ ریغ و علم ہوتے، اسلئے قصائد میں اپنے مرکے لکھتے تھے، عمر بن ہند عرب کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، جب اس کا سلطنت نام ملک پر ہو گیا تو اس نے ایک دن دربار میں کہا کہ کیا عرب میں اُج کوئی ہے؟ جو میرے سامنے گردن رہیہ کائے۔ درباریوں نے کہا عمر و کلثوم شاعر، اگر آپ کا سطیح ہو جائے تو پھر کوئی شخص آپ کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا، بادشاہ نے عمر و کلثوم کو مع مستورات کے بلا بھیجا، عمر و کلثوم کی بان شاہی حرم میں گئی، اور وہ خود دربار میں بیٹھا، بادشاہ کی بان نے عمر و کلثوم کی بان سے کسی چیز کی طرف اشارة کر کے کہا کہ اٹھا دینا، اس نے کہا کہ تم خود اٹھا لو، بادشاہ کی بان نے دوبارہ حکم دیا، اور پھر یہ جواب ملا، تیرسی دفعہ جب فرمائیں کی تو عمر و کلثوم کی بان چیخ اٹھی کہ والغلباء قبیلہ قلب کی دبائی، عمر و کلثوم نے آواز سنی سمجھا کہ اسکی بان کی تحریر کی گئی فوراً آلمواہیاں

دائرہ سے نکال کر ہکادیک اور وسیع اور دلفریب عالم میں لے جاتا ہو، وہ ہکوبے لگانے بے غرض
دوستی کی تعلیم کرتا ہو، وہ ہکو پچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے، جب کہ کار و بار کے ہجوم،
 مقابلہ کی کشمکش، معاملات کی الجھن، تروفات کی دار دیگر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہو
تو شعر محجم سکون اور اطمینان بنکرتا ہے سامنے آتا ہو، اور کہتا ہو۔

شراب تلخ دہ ساقی ک مردانگ بودز دش کہتا نجتے بیسا یم ز دنیا د از شر د شور ش
جب کہ سائنس اور مشاہدات کی محاذیت ہکو سخت دل اور کف بنا دیتی ہو اور تمام
معتقدات اور مسلمات عامہ کے دلین حقارت پیدا ہو جاتی ہو، کسی بات پر اعتبار نہیں
آتا، کسی چیز کا اثر نہیں رہتا، مادہ کے سواتام چیز دن کی حکومت دل سے اٹھ جاتی ہو۔
اس وقت شاعری ہمارے دلکور تیقی اور نرم کرتی ہے، جس سے تسلیم اثر پر یہی اور اعتقاد پیدا
ہوتا ہے، مادتیت کے بجائے روحانیت قائم ہوتی ہو، وہ ہکو عالم تھیل میں لے جاتی ہے
جہاں تھوڑی دیر کے لئے مشاہدات کی بے رحم حکومت سے ہکو بجات مجاتی ہو۔
جب کہ دولت اور امارت کی سحر کاریاں ہمارے دلکور شک اور حسرت سے بھروسی
ہیں، سلاطین اور امرا کی نظر فروز زندگی ہمارے دلپر شک کے چر کے لگاتی ہے،
اس وقت بالغ خیب کی یہ آواز۔

بس کن زکر دنا زکر دید، است روزگار چین قبائے قیصر د طرف کلاہ کے
شاعری کا استعمال شرعاً یک قوت ہے جس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں، بغیر طیکار اسکا
استعمال صحیح طور سے کیا جائے، عرب میں شاعری کی ابتداء ارجمند سے ہوئی ہے، یعنی سید ان جنگ

میں دو حریف جب مقابلہ کیلئے بڑھتے تھے تو جوش میں فخر یہ موزوں فقرے انکی زبان سے نکلتے تھے یہ دو چار شعر سے زیادہ نہیں ہوتے تھے لیکن طبل جنگ کا کام دیتے تھے اسکے بعد مرثیہ شروع ہوا اینیں جب کوئی عزیز یا دوست مر جاتا ہتا تو اسکی لاش پر نو صر کرتے تھے لیکن بعض شعر اسے تمام عمر مرثیہ کے سوا کچھ نہ کہا اُخنسا، ایک حورت تھی وہ اپنے بھائی سے نہایت محبت رکھتی تھی، وہ مر گیا تو اسکو اسقدار صدر صدر ہوا اُن تمام عمر دیا کی چنانچہ اسکے سیکڑوں پر زاروں اشغال ایسے مرثیہ میں ہیں تھم میں نویرہ کا بھی بھائی کے مرے پر بھی حال ہوا تھہشہر بالامار اپر ہتا ہتا جہاں پہنچ جاتا مرد و عورت اسکے پاس جمع ہو جاتے بھائی کا مرثیہ پڑھتا خود روتا اور لوگونکو در دلا ما۔

مرثیہ کے بعد قصیدہ شروع ہوا۔

شعراء عرب اکثر صاحبِ ریغ و علم ہوتے، اسلئے قصائد میں اپنے مرے کے لکھتے تھے، عمر و بن ہند عرب کا مشہور بادشاہ گنڈرا ہے، جب اس کا سلطنت نام ملک پر ہو گیا تو اس نے ایک دن دربار میں کہا کہ کیا عرب میں اُج کوئی ہے؟ جو میرے سامنے گردن رہ جیکائے۔ درباریوں نے کہا، عمر و کلثوم شاعر، اگر آپ کا سطیع ہو جائے تو پھر کوئی شخص آپ کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا، بادشاہ نے عمر و کلثوم کو مع مستورات کے بلا بھیجا، عمر و کلثوم کی بان شاہی حرم میں گئی، اور وہ خود دربار میں بیٹھا، بادشاہ کی بان نے عمر و کلثوم کی بان سے کسی چیز کی طرف اشدارہ کر کے کہا کہ اٹھا دینا، اس نے کہا کہ تم خود اٹھا لو، بادشاہ کی بان نے دوبارہ حکم دیا، اور پھر یہ جواب ملا، تیرسی دفعہ جب فرمائیں کی تو عمر و کلثوم کی بان چیخ اُٹھی کہ والغلباء (قبيله قلب) کی دبائی، عمر و کلثوم نے آواز سنی سمجھا کہ اسکی بان کی تحریر کی گئی فوراً آموال ایمان

گھسیٹ، بادشاہ کا سر اٹا دیا، اور دبار نے کل آیا، پھر رہار ان پڑا جسین دلوں طرف کے
 ہزاروں ادمی بارے گئے عکاظ کے میل کا دلن آیا تو عمر و کلثوم نے مجھے عام میں کھڑے ہو کر
 قصیدہ پڑا جسین اس واقعہ کی تفصیل تھی، اس قصیدہ میں تمام و اتعات، اور اپنی حمیت
 و غیرت کو اس جوش سے لکھا ہے کہ دسوبر س تک قبیلہ لفاب کا ہر کچھ اسکے اشعار بچپن ہی سے
 سیکھتا اور یاد کرتا تھا، اہل تاریخ کا بیان ہو کر اس قصیدہ کی بدلت کئی سو بر س تک اس
 قبیلہ میں شجاعت اور دلیری کے اوصاف قائم رہے، آج بھی یہ اشعار افسردار دلوں کو
 گرم دیتے ہیں، یہ قصیدہ در کعبہ پر آدینہ ان کیا گیا تھا اور اسوجہ سے سب سے متعلقہ میں داخل ہو
 یہ شاعری کا صحیح استعمال تھا اور اسید کا اثر تھا کہ عرب میں قوم کی باغ شعر کے ہات
 تین تھی، وہ قوم کو جدہ پر چاہتے تھے جو نوک دیتے تھے، اور جدہ پر چاہتے تھے روک
 لیتے تھے، افسوس ہو کر ایران نے کبھی یہ خواب نہیں دیکھا، یہاں کے شعراء، ابتداء سے
 غلامی میں پڑے اور ہنسنے غلام مر ہے وہ اپنے لئے انہیں بلکہ دوسروں کیلئے پیدا ہوئے تھے،
 خرینہ نہ اخلاق پیدا کر سکا، شاعری سے بہتر کوئی الہ انہیں ہو سکتا، علم اخلاق
 ایک مستقل فن ہے، اور فلسفہ کا ایک جزو، عظم ہے، ہر زبان میں اس فن پر بہت سی کتابیں
 لکھی گئی ہیں لیکن اخلاقی تعلیم کیلئے ایک ایک شعر ایک منیخ کتاب جیسا یا کام دیکھتا ہو،
 شاعری ایک موثر چیز ہے اس لئے جو خیال سکے ذریعہ سے ادا کیا جاتا ہے، دلیں ارجمند ہے
 اور جذبات کو برائی گھنٹہ کرتا ہے اس بنابر اگر شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی مضامین سایں
 کئے جائیں اور شر لغائن جذبات مثلاً شجاعت، ہمت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے

ذریعہ سے انجصار اجائے تو کوئی اور طریقہ اسکی برابری نہیں کر سکتا، اسلام سے پہلے عرب یا کسی
نخت جاہل اور مغلس قوم تھی، گوئے اور افغانی کے دودھ کے سوا، اور کچھ ایکو بیس نہیں آسکتا
اتہام کا ان کے بد لے جھوپیرے یا کبل کے تبنوئے امانت دلن اپس میں لڑتے اور کھلتے رہتے
تھے با اپنے ہمہ انہی وحشیوں میں سچائی، ایفا کے عہد، ہمان نوازی، جو روشنی اہم وغیرت
کے جو اوصاف پائے جاتے تھے آج شایستہ قوموں کو فیض نہیں، نہایت پُج کہا جو۔
بیسے رہن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباً رہناوں میں نہیں پاٹھ ہم آج انکی نظر
میدان جنگ میں جنگی باجے، وہ کام نہیں دیسلتے جو جزو کا ایک ایک مصروف
و دیستہ ہی، حضرت عالیشہ صدیقہ جب حضرت عثمان کے فرن کے دعوے سے جتاب امیر
علیہ السلام سے سعر کہ آسا ہوئیں اور انکی فوج پر شکست کے تاثار پیدا ہوئے تو قبیلہ ضبطہ کے
ایک شخص نے بڑکر ان کے اوٹ کی ہمار کپڑلی اور یہ اشعار پڑھتے۔

<p>نَحْنُ بِنِو حَبْنَةٍ أَصْحَابُ الْجَمْلِ</p> <p>هُمْ قَبْيلَهُ مَنْتَهَى لَوْلَى هُنْ هَكُومُوتُ شَهْدَى سَيْرَادَه</p> <p>الْمَوْاتِ أَحْلَى عِنْدَنَا مِنَ الْعَسْلِ</p> <p>شِيرِينْ مَلُومْ بُرْلَى ہُوْ، هُمْ عَثَانٌ گُلْ کَمْ رَنْكَيْ خَبْرِيْ جَمِيْ</p> <p>تَعْنِي ابْنَ عَفَانَ بِالْأَطْرَافِ الْأَسْلِ</p> <p>کَنْ زَبَانَ سَنَاهَى هَيْنَ، ہَمَارَے شَخْجَ (عَثَانَ)</p> <p>رَدْ وَاعْلَيْتَ اَشْيَخَنَ اَثْمَ بَحْلَلِ</p> <p>کَوْدَ اَپَسَ دِيدَ، بَچْرَ کَچْ جَبَلَادَانَیْنَ.</p>	<p>يَشْخُصُ خُودَ لَوْلَرَكْرَ مَدَأْلَيْلِيْکِنْ، يَحَالَتْ ہُولَى کَرْ پَے دَبَپَے، بَرْ بَرَے سَرَدَارَ، آَگَے</p> <p>بَرْ بَتَتْ تَھَ، حَضْرَتْ عَالِيَّشَهَ کَ اوْنَتْ کَیْ ہَمَارَتْ مَکْرَلَادَتْ تَھَ، اَدْرَ بَارَے جَاتَتْ تَھَ،</p> <p>قَرْسَيْلَرَدَرَ، سَوَادَسِیْوَنَ لَے اسْطَرَحَ جَانِیْنَ دِیدَیْنَ۔</p>
--	--

استقلال اور پاروسی کی نیام، الساطو کی کتاب الأخلاق سے استفادہ نہیں ہو سکتی جس قدر
اس شعر سے ہو سکتی ہے۔

من آنکھ عنان بازچیپم زراہ میں اُسوقت، میدان سے ہٹوں گاہ؛
کیا سر دھم یا ستام کلاہ کیا نسر دیدن، یا تاج چھین لوں؟
اخلاق کی کتابوں میں ریا کاری کی براہی کے دفتر کے دفتر ہیں، لیکن یہ ایک
رباعی ان سب سے زیاد واژہ رکھتی ہے۔

نمہ ہبوزن فاحشہ گفت استی کن خیرگستی دبہ شر پویتی
نلن گفت چنان کرے نایم ہستم تو نیز چنان کرے نایم ہستی
لیعنی زادہ ہے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بڑی نالائق ہے عورت کے کہا میں
جیسا اپنے اپنا کو ظاہر کرتی ہوں، باطن میں بھی دیسی ہی جوں (یعنی سیر اظاہر باطن
یکسان ہے، ہکیا حضور مجھی باطن میں ایسے ہی ہیں جیسا ظاہر میں نظر اسے ہے ہیں، اخلاق
جلالی، اور اخلاق ناصری، علم اخلاق کی نہایت مستند کتا ہیں ہیں، لیکن یہ بیہی بات ہو کر ایک نئی
اخلاق و حادات پر گلستان اور بوستان نے ان سے کہیں زیادہ اثر کیا ہے)

شاعری کے حس قدر اقسام ہیں، یعنی فلسفیات، اخلاقی، عشقیہ، تجھیلی، سمجھ مفید
کام لئے جاسکتے ہیں، فلسفیات شاعری دقیق خیالات کو اساسی کیسا تھہ ذہن لشکن کسکتی
ہے، اخلاقی شاعری، اخلاق کو سنبھالتی ہے، عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور تازگی وحی
پیدا ہوتی ہے تجھیل سے طبیعت کو اہترانا اور انساٹ ہوتا ہے لیکن افسوس ہو کر اکثر

شیراۓ ایران نے شاعری کا صحیح استعمال نہیں کیا ہے لحاظ غالب، شاعری، صرف دو کام
کیلئے مخصوص ہو گئی، سلاطین اور امراء کی مذاہی جسمیں کذب و اندر اکاٹوں پر باندھ جاتا تھا اور
عشق و عاشقی جو دراز کار میں بالغون اور فضول گیوں سے محروم تھی۔

متاخرین نے تختیل کو البتہ بہت وسعت دی، لیکن اس میں اس قدر اعتدال
سے تجاوز کر کے کہ تختیل نہیں ہی بلکہ معابنگی۔

شعر اور شاعری کی عظمت، عرب میں جب کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا تو ہر طرف سے مبارکباد کی
سفار تین آٹی تین، خوشی کے جلے کئے جاتے تھے، قبیلہ کی عورتیں سچھ جو کفر خزیرہ گیست
گائی تین، قبیلہ کی عرمت اور شان دفعتہ بلند ہو جاتی تھی، ایک ایک شعر ایک قبیلہ یا
ایک شخص کا نام قیامت تک کئے زندہ کر دیتا تھا شاخ بن خوارزمه عرب اپوسی کی شاعریں پھر کھڑکیا
اذا صراحتہ دفعتہ لجیں

جب عظمت اور بڑائی کا حصہ اکیں بلند کیا جانا

تلقاہ اعلیٰ بابت جالیمین

تو عرب کا نام نام عرب میں مشہور ہو گیا اور اجتنک یہ مصروف ضرب المثل ہو۔

عرب میں محلق ایک گنائم شخص تھا، اسکے تین بیٹیاں اور ان کو بنصیب نہیں
ہوتا تھا،اتفاق سے اعشی شاعر کا استطرف لگزد ہوا، محلق کی بیوی نے اسکی امرمنی تو محلق سے
کہا کہ یہ شخص ہر کہ جسکی مدح کر دیتا ہے تمام ملک میں معزز ہو جاتا ہے، محلق نے اعشی کی بعثت
کی کہانے کے بعد شراب کا در جبلہ تو اعشی نے محلق سے اسکے اہل و عیال کا حال پوچھا، محلق
بیٹیوں کا ذکر کیا کہ جو ان ہو گئی ہیں اور کہیں سے شادی کا پیغام نہیں آتا، اعشی نے کہا اسکا

انظام کر دیا گیا، تم مطمئن رہو گا فاظ کے سید کا زمانہ آیا تو اعشا نے مجمع عام میں قصیدہ پڑھا۔
تمہید کے بعد یہ شعر تھے۔

لهم سی لقدر لاحت عیوان کثیرة
الى صفاء نادِ بالبقاء تحرق
تشب لمقرورین يصطليانها
وبات لدی البناء الندى والملحق
قصیدہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ مخلق کے گرد بیمار لگ گئی، شرافے عربی آکر
اس سے قربت کی خواہش کی اور تینوں لاکیاں معزز گھر انون میں پہنچ گئیں۔
نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، انکو اپنے حسب و شب کا سقدار غرور تھا اور جب اس
قبیلہ کے کسی آدمی سے کوئی شخص پوچھتا تھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو تو خود کے الجہیں بھاری اداں
سے نمیر کا نام لیتا تھا، جریءہ جو مشہور شاعر تھا اسکو اس قبیلہ کے ایک آدمی سے رنج پہنچا جیسے
گھر میں آیا۔ بیٹھے سے کھا اج چراغ میں تیل زیادہ ڈالنا، قبیلہ مذکور کی ہجوں اشعار لکھنے
شروع کئے جب یہ شعر زبان سے نکلا۔

غضض الطف اند من نیسی
فلا کعبا بلغت ولا سلا با
تو اچھل پڑا، اور کہا واڈہ اخنیتہ اخراں دھر لیعنی ”خدائی کی قسم میں نے اس کو اب
تک کیلئے رسوا کر دیا“ تمام عرب میں یہ غیر مشہور ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلہ کے
کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا نام پوچھتے تھے تو نمیر کا نام چھوڑ کر اپر کی لپشتیوں کا نام بتاتا
تھا، یہاں تک کہ سرے سے قبیلہ کا نام ہی مست گیا۔
سلطان مجود کی عظمت و شان، اور جبروت و اقتدار محترم انہما نہیں، لیکن

فردوسی نے ہجو کے جو شرکیدے اے محمود کسی طرح الکوم شاہ مسکا، تام ملک میں منادی تھی کہ جسکے پاس یہ ہجو نکلے گئے فرقان ہو گا، فردوسی خود شہر بہر دپوش ہیا کا پھر تاہما لیکن اُسکے اشغال پر کچھ کی زبان پر تھے اور آج شاہ نامہ کے جبقدر نسخے دنیا میں موجود ہیں کوئی اس ہجوسے خالی نہیں، عرب میں شاعر کا یہ رتبہ ہاڑک شاہ کیسیکی مرح اور تعریف لکھنا عادم صحبتا ہتا، ابتداء لشاعر سے ایک مرتاتک مدحیہ قصائد نہیں لکھے گئے، شاعر پر کوئی کچھ احسان کرتا تھا اور شکری کے طور پر اسکا ذکر کر دیتا تھا لیکن احسان کرنے والا بادشاہ بھی ہوتا بھی مرح کا لفظ اسکی زبان سے نہیں نکلتا تھا، سبب پہلا شخص جسے مرح لکھی نا بغہہ ذیلی ہے، اگرچہ اس مرح کی بدولت نا بغہہ اس قدر دولت مند ہو گیا کہ سونے چاندی کے برتنوں نہیں کہاں کھاتا تھا، لیکن عرب میں اسکی عزت بمالی رہی، نا بغہہ کے بعد اغشی نے شاعری کو پیشہ بنالیا جا بجا مرح لہتا اور النام لیتا پھر تاہما، رفتہ رفتہ یہ عام رواج ہو گیا اور اب ایک مرت سے قصیدہ، اور کاسہ لگائی، مراد فن الفاظ میں، تاہم اسلام کے زمانہ میں بھی بعض بعض شعر اور مرح سے عار رکھتے تھے، عمر بن ابی بیعت القرشی جو خزل گوشاعر تھا اسے کبھی کسیکی مرح نہیں کی، اور جب خلیفہ عبد الملک نے اس سے مرح کی فرمایش کی تو اس نے کہا کہ میں مرد و نکی نہیں بلکہ عورتوں کی مرح کرتا ہوں، "جیل یک دفعہ ولید بن عبد الملک کا ہم سفر ہوا ولید نے جیل کہا کہ شعر سناؤ اسکو خیال ہتا کہ جیل اسکی مرح کے گا، جیل نے اپنی شان میں یہ فخر نہ ہمڑا ہے،

انا جیل فی النروۃ العلیاً والرکن الاشد

اس موقع پر یہ ملحوظ کہ مانا چاہئے کہ ولید و شخص ہی جس نے ایک طرف اپین اور دوسری طرف سن و صحیح کیا تھا اور بنو امیہ میں اس سے بڑا کہر کوئی با دشنا نہیں لگدا تاہم جیل سے کچھ لغرض نہ کر سکا۔

مروان بن ابی حفصہ کہتا ہے:-

ماذلت انف ان اولف مدحت
الاصاح منبر و سریر

یعنی محکم مرح سے ہمیشہ عارہا اور مرح کرتا ہوں تو صاحب تاریخ و تخت کی کرتا ہوں
ابن میادہ نے خلیفہ منصور کی مرح میں قصیدہ لکھا اور بند ادجانے کا ارادہ کیا کہ
دربار میں سنائے تھوڑی دیر کے بعد لوز کر دودھ لیکر آیا، ابن میادہ نے دودھ پیکر پیٹ پر
هاڑھ پھیرا اور کہا جبتک یہ میسر ہے محکم منصور کی کیا غرض ہے۔

سیف الدولہ کی جاہ و جلالات مشہور ہے تبّنی اسکے دربار کا شاعر تھا سیف الدولہ
اسکو اور درباری شاعر دن کے ساتھ برابر بھٹا تاختا تبّنی نے جملک قصیدہ لکھا، اور دربار
میں سنایا سیف الدولہ سے مناطب ہو کر کہتا ہے۔

ومَا أتَقْعِدُ أَخْرَى الْدِيَنِ بِنَاظِرٍ
إِذَا سْتَوَاتْ عَنْهُ كَلَافِنَادِرِ الظُّلْمِ

یعنی انسان کو آنکھ سے کیا حاصل جب اسکو روشنی اور تاریکی کیسان نظر آتی ہے
یا اعدل الناس الاف معاملتی فیک الحصام وانت الحضم والحكم
یعنی اسے سب سے زیادہ الفضالت کرنیوالے (بجز نمیرے معاملہ کے) تیری ہی
بابت جھکڑا ہے اور توہی فرقی مخالفت ہے اور توہی پیچ ہے

یہ قصیدہ سنائکر، در بار سے چلا کیا اور صدر میں آیا، صدر سے بنہ ادھوتا ہوا شیراز کا رادہ کیا
شیراز میں عضد الدوام حکمران تھا جو شاہنشاہ کا لقب رکھتا تھا اور جس کا ہمسراں زمانہ میں کئی
باوشاہ نہ تھا، عضد الدوام کو خبر ہوئی تو اسکے استقبال کے لئے در بانوں کو بھیجا، تب نی در بار میں
آیا، لیکن ان شرائط پر کم در بار میں شہر کے ساتھ نہیں بٹھیے گا، اور قصیدہ کھڑے ہو کر نہیں
پڑھے گا، عضد الدوام نے یہ شرطین منظور کیں، ایک موقع پر عضد الدوام نے کسی سے کہا کہ
تب نی نے جو قصیدے شام میں لکھے یہ قصیدے اس رتبہ کے نہیں بلتنی نے کہا کہ جس درجہ کا
شخص ہوتا ہے اُسی کے موافق شعر کہا جانا ہے،

بابہ ۶۹

تاریخ

ایران میں شاعری کی ابتداء کی تکمیلی

یہ بحث پہلے حصہ میں گذشتی ہے لیکن یہاں اسکا اعادہ، اس غرض سے ضرور ہو کر اگے کے واقعات کا سلسلہ مربوط ہو جائے، اس میں گذشتہ باتون کے متعلق بھی نئی معلومات کا اضافہ ہو جائے گا۔

اسلام سے پہلے ایران میں اگرچہ اور قام علوم و فنون کمال کے درج تک پہنچ چکے تھے لیکن شاعری کا یہ است کم پتہ چلتا ہے، ستر راول جو اسکے وجود کے دعی میں اس سے افرید کوئی ثبوت نہ پڑیں کر سکے کہ پار پد کے رائے ابتداء کے زبان پر تھے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

لوازے بار پار ماندہ است اروستان

لیکن بار بار کے رائے بارل تھے شعر تھے عجمی فی زیدی الباب میں لکھتا ہے،
و محمد پر ویز نوا سے خسر دانی کر آئنا بار بار در صورت اور درست بسیار است فاما ذذن شعرو
قافیت در اعلانات نظر آن درست، بدان سب لغرض بیان آن کردہ تیاد۔

سلسلہ الbab الbab عجمی فی زیدی جلد اول مطبوع یورپ صفحہ - ۱۹

ترجمہ پر دیز کے رمانہ میں، خسروانی بول جسین بار بدرے راگ باندھے تھے، بہت پیدا ہو گئے۔ لیکن ان میں ورن، قافیہ اور لوازم شاعری نہیں ہیں، اسکے مقابلہ بیان میں نہیں کیا۔ ہماری زبان کے ایک مشہور صحف نے ایران کی قدیم شاعری پر، ان اشعار سے استدلال کیا ہے۔

ہٹریا، بیکہان لوزشہ پردی جہان را به دیدار تو شتمہ بدی

نم آن پیل وال ونم آن شیریله نام ہبڑا تم ترا پورت بوجبلہ

زن شاه است در دا کور گردا گز گر دوز دار دبیم از کس

ان اشعار کے ساتھ یہ استدلال بھی پیش کیا ہے کہ "ایران اس قدر شایستہ اور ترقی یافتہ لکھنے میں گزار آب دہو افرست الگیز، دلو رخیر، کیوں نکر نہ کر دہان دلوں کے جوش، شعر کی صوت میں موزوں ہو کر نہ بخکھتا، اسکے علاوہ، فلسفی کی خاص بھروسے نہیں ملتیں اہل عروض نے ان کو خواہ نخواہ ز حافظون کے تراش دیکر عربی بھروسے نہیں میں داخل کر لیا ہے۔ اس استدلال کے عقلی حصہ کا جواب یہ ہے کہ ایران کی آب دہوں کی فرحت انگریزی میں شہہر نہیں۔

لیکن یہ بھی بینی واقعات ہیں کہ ایران کی سیکڑوں تیجات اور روائیوں میں اج موجود ہیں ایران کا فلسفہ اور علوم نہیں، بلکہ ایران کے نام اور انکے اقوال، آجتک کتابوں نقل ہوئے چلے آتے ہیں، یورپ کے محققوں نے پہلوی زبان کی بہت سی کتابیں ڈھونڈ دھوڈنے کا لیکن چار شعبجی بات نہ آئے، فارسی کے قدیم اشعار نہ ملتے تو ز ملتے لیکن شعر اکا

نام زبان پر موتا جب یہ کچھ نہیں تو صرف زمین کی دولانہ خیزی کی شہادت کیا تاک کام دیکتی ہے
شر لقل کئے ہیں ان میں سے پہلا شعر تو دعا یہ فقرہ ہے جو اتفاقاً موزون ہو گیا ہے
شاہ نامہ میں جب کوئی درباری بادشاہ سے کچھ عرض مسودہ کرنی چاہتا ہے تو پہلے یہی
شعر پڑتا ہے۔

در سے شعر کی یہ کیفیت ہے کہ بہرام گور اتفاق سے عرب باری نشینوں میں پلانک ساخت
رسنے ہنے سے عربی زبان اسکی مادری زبان ہو گئی عرب میں شاعری عام تھی اسلئے اسکو
بھی مذاق پیدا ہوا عومنی یزدی نے لکھا ہو گئی میں نے بخارا کے کتب خانہ سرپل میں اسکا
عربی دیوان دیکھاتا اور اس میں سے چند اشعار لقل کر لئے تھے جنہیں سے چند شعروں ہیں۔

یرو صعات تزویجی من الکفر طالباً
دلوگ پا ہتھیں کہیری شادی برابر کے لوگوں میں
وصالی من حبس الماؤت عدیل
ای ان مثلی کا محل و جادہ
کہیری نظریہ محل ہے اور محل چیز کے
فلیس الی بیل المحال سبیل
ملنے کی کوئی تہذیب نہیں۔

اگرچہ ان اشعار کی زبان ہرگز اُس زمانہ کی زبان نہیں، زمانہ جامہیت میں محل کا
لفظ کمان پیدا ہوا تھا، تاہم عومنی کے اس بیان سے ہمکو انکار نہیں کہ بہرام حریقی زبان میں
کچھ کہتا ہو گا بہرام چونکہ عربی زبان کے ذریعہ سے شعر دشاعری سے اتفاق ہو گیا تھا اس لئے
کبھی کبھی فارسی میں بھی اسکی زبان سے موزون فقرے نکل جاتے تھے، عومنی یزدی لکھتا ہو۔

”وَتَحْتَ آنِ بَادِ شَاهِ وَعَنْمَانِ نَشَاطٌ وَمُوقَفٌ ابْسَاطٌ إِنْ چَندَ كَلْمَهِ مُزْدَوْنَ لِبَغْطَرِ آنَدْ“

منم کان شیر گلہ، سنم آن پلی یہ نام من بہرام گور دکنیم بوجبلہ

یہاں چند باتیں لحاظ کے قابل ہیں، اولًاً تعلق اس شعر کو ”چند کلمہ موزدن“ سے تعبیر کرتا ہے
حرنپین کہتا، دوسرا کی روایتوں کی تحریک و تفسیر کی یہ حالت ہے کہ تمام فارسی تذکرہ نویس اس
نثر کو بہرام گور کے نام سے نقل کرتے ہیں اور ان کا مأخذ یہی عوفی یزدی کی روایت ہے یا میکن
اسکے الفاظ اس طرح اٹ پلٹ کر دیتے ہیں کہ خفر کی بھر اور دوزن بالکل بدل گیا ہے جو فی
لے جس طرح لکھا ہے وہ نشرتے ملتی جلتی بھر ہے، جو عرب کا نہاد ہے، بخلاف اسکے اور تذکرہ
ویسون لے اسکو اجکل کی مرتبہ فارسی بھر دن کے موافق کر دیا ہے۔

غرض بہرام گور کے چند موزدن کلمات کو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہ سکتے۔
میر اختم بھی ایسے بڑے تاریخی مسلسلہ کا جواب نہیں ہو سکتا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام جب ایران میں آیا تو ایک دست تک عرب برادر است حکمران
ہے، یہاں تک کہ بزمیتہ کے زمانہ تک صوبوں اور اضلاع کے حاکم بھی عرب ہی ہوتے تھے
جاسیوں کے دور میں در ارت عجم کے ہاتھ میں آئی اور بر اکمہ کے مشہور خاندان نے اس قدر
تمدار حاصل کر لیا کہ عنان سلطنت بھی گویا ایسیکے قبضہ میں آگئی، نامون الرشید ایک طرف سے
بھی تھا اسلام ایرانی اسکو اپنا بھا بجا کہتے تھے، مامول کا ابتداء ای زمانہ زیادہ تر عجمی ہیں گذا
فصی سلطنتوں میں علوم و فنون بھی سلطنت ہی کے زیر اخڑہ رہتے ہیں، اسلام جب تک
بیان میں خالص عرب کی حکومت ہی، فارسی شاعری نے زبان نہیں کھوئی، اس زمانے

میں عجم میں ہزار دن شعر اپیدا ہوئے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی میں کہتے تھے چنانچہ علامہ شاعری
نے کتاب تہمتہ الدہر میں اسکے نام استقصاء کے ساتھ لکھ ہیں لیکن مامول چونکہ تحفہ کا
طرف سے عجمی تھا اسکی زبان مادری فارسی تھی درباری بھی عموماً عجمی تھے ان اسبابے ملکی شعر کو
خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان کی قدر دلی کا بھی وقت آگیا چنانچہ عباس مردزی نے یہ تعصیہ کہ کہا تو شاعر کے

اسے رسانیدہ بدولت فرق خود برقرار قدمیں

گستاخانیدہ بفضل وجود در عالم، بدین

مرخلافت را تو شایستہ چور درم دید و را

دین زیوان تو باستہ چور خ را هر فعیز

کسین زین مزاں پیش نہ من ہن شیر نگفت

مرزاں پارسی اہست باز نفع بین

لیکن اگفتم من این محنت ترا امین لفت

گیرداز مرح و شناس حضرت افسر فین

تیری مرح سے زینت پا جاۓ۔

مامول نے ہزار دن اشرفیان صلح میں دین، ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ ابھی تک

فارسی اور عربی زبان میں امیزش نہیں ہوئی تھی، اسلئے دونوں زبانیں ایسیں ملنے پر

بھی سُکی رُکی معلوم ہوتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مامول چونکہ چور دز کے بعد بغدا دین چلا آیا، فارسی شاعری اپنے

نیپالی اسلئے ایک دست تک، فارسی شعر کا پتہ نہیں چلتا، عونی یزدی عباس مردزی کے

شمارہ مذکورہ بالا نقل کر کے کہتا ہے، تا دے کے کس شعر پارسی مگفت“

امولن الرشید کے بعد جب خلافت عباسیہ کے اقتدار میں صنعت کے آثار شروع ہوئے تو اسرائیلی خود مختاری کا غواب دیکھنے لگے، اس سلسلہ میں سمجھ مقدم خاندان طاہریہ تا جسکا بانی طاہر زد الیمنین ہتا ہے، خاندان ۷۵۰ ہجری تا کے حکمران رہا ۷۵۹ میں اسکا خاتمه ہو گیا، یہ خاندان اگرچہ عربی النسل تھا، دربار کی زبان بھی عربی تھی، فارسی بیکاف انکو غربت بھی نہ تھی، تا ہم چونکہ مستقر مکومت خراسان تھا اسلئے شاعری نے ترقی کی اور حضطله محمود درّاق، فیروز مشرقی بہت سے شعر اپیدا ہو گئے،

و اتفاقات مذکورہ سے ظاہر ہو گا کہ ایران میں شاعری کی ابتداء قدری ت طور سے نہیں بلکہ اکتسابی طور سے ہوئی، عرب میں شاعری اس طریقہ سے شروع ہوئی کہ جب دو مریعن اڑائی کیلئے بڑھتے تھے تو پہلے فخر یہ اپنا حسب و نسب بیان کرتے تھے، یہ فقرے پہلے نہیں ہوتے تھے، پھر موزدن ہونے لگے اور رجز بنگلے، جنا بچہ اہل ادب نکھا کر رب میں اقسام شاعری میں سمجھا جائے، اور رجز شروع ہوا مجنہ کے بعد قصیدہ کا آغاز ہوا، لیکن انہیں کسی کی مرح و ذم نہیں ہوتی تھی بلکہ جو جذبات دلمیں پیدا ہوتے تھے، نہیں کو ادا کر دیتے تھے، اور مجمع عام میں سنائے تھے، مستحکم لکھنا پڑھنا کچھ نہ تھا، نہ راد اور رواۃ کو نام اشعار زبانی یاد ہوتے تھے، خلافت اسکے ایران میں شاعری کی ابتداء تکم اور تعلیم کے ذریعہ سے ہوئی، یعنی جو لوگ عربی زبان کے ماہر تھے اور عرب کی نہر و شاعری انکھی پیش نظر تھی، انہوں نے اپنی زبان کی ترقی کیلئے بلکہ زیادہ تر

مداحی اور ز طلبی کیلئے شاعری شروع کی، اس سے مفصلہ ذیل نتائج پیدا ہوئے۔

- ۱۔ ایران میں شاعری کی ابتداء مداحی اور قصیدہ گولی سے ہوئی۔
- ۲۔ جو شخص شاعر ہونا چاہتا ہے اکتابوں کے ذریعہ سے اسکی تعلیم حاصل کرتا ہے۔

نظامی عرضی چہار مقامات میں لکھتا ہے۔

اما شاعر پذیرین درجہ زسد۔ الا کہ در غنوں شباب دروز گارجو ایں ابستہ ہزار شعر از اشخاص متقدیں
یاد گیرد، ہزار کلمہ از آثار متاخرین در بیش حشم کند، دیوبستہ دادیں استادان خواند و عرضی خلند
در گرد نصانیف استاد ابوالحسن بہرامی سحری گرد و مانند غایۃ العرب ضمیں دکنڑا الفاقیرہ و نقد
معانی و نقد الفاظ در سرفرازات و تراجم والذاع این علوم خواند۔

نظامی عرضی شاعری کیلئے متقدیں کے بیس ہزار، اور متاخرین کے ہزار شعر کا
یاد رکھنا، استادوں کے دیوالوں کا ہمیشہ دیکھتے رہنا، فن عرض پڑھنا، بہرامی سحری کی
تصنیفات کا زیادہ نظر رکھنا، غایۃ العرب ضمیں وغیرہ کا مطالعہ کرنا ضروری قرار دیتا ہے لیکن
عرب کا شاعر صرف صحیفہ فطرت پڑھ کر شاعر بننا ہے۔

شاعری کی تدریجی رفتار [استقدار] ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ فارسی شاعری کے مختلف درجہ میں اور
ہر دور کا جدید انداز ہے، اب ایک نکتہ سچ کا یہ فرض ہے کہ ہر دور کی تمام خصوصیتوں کا پہتہ
لگائے نہ صرف انکا جو سطح پر نظر آتے ہیں بلکہ انکا بھی جو تھے میں ہیں اور جیسے عام نگاہ ہیں
اہمیں پُرسکتیں، اسکے ساتھ ان خصوصیتوں کے وجہ اور اسباب ابتدائی یعنی کیونکر پیدا
ہوئیں؟ اور کس طرح ایک رنگ دوسرے رنگ سے بدلتا گیا؟

شعر اگرچہ غیر مادی چیز ہے، لیکن وہ مادیات کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے، تو ابتداء میں تمام چیزوں خدا کا، پوشش کا، مکان، اسباب، آرالیش، وضع، قطع، بے تکلف اور سادہ ہوتی ہیں، رفتار فتح، نفاست، لطافت، اور تکلفنا پیدا ہوتا ہے اور دزدی ترقی کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ حد سے پڑھتا ہے اور اس وقت ترقی ٹرک کر قوم برپا ہو جاتی ہے۔

مثلاً ابتداء میں رہنے سہنے کے لئے بچوں کے جھوپپرے اور خس پوش کھجور دیواریں ہوتی ہیں، پھر ان میں مختلف حصے، شہنشہین، والان، صحنجیان، بالاخانے قائم کے جاتے ہیں، کمرے فرش فروش سے سجاتے ہیں، جہاڑا فانوس دیوار گیریاں لگاتے ہیں، تمام اعتدال سے اگے نہیں بڑھتے۔

پھر سنگ مرکی عمارتیں بنی شروع ہوتی ہیں، جواہرات کی پچکے کاری ہوتی ہے، دیواروں پر طلائی نقش دنگار بنتے ہیں، اطلس و کھواب کا فرش بھپتا ہے، دروازوں پر گورنگار پر دے آؤیں ان کریمین، کافوری شہین جلاتے ہیں، یہ ترقی کا آخر درجہ اسکے بعد تنزل شروع ہوتا ہے اور قوم تباہ ہو جاتی شاعری کی بھی یہی حالت ہے، ابتداء میں سیدھے سادے صفات اور بے تکلف خیالات ہوتے ہیں، تشبیہات اور استعارے کہیں کہیں آجائے ہیں، الفاظ میں تراشر خراش نہیں ہوتی، جس مضمون کو ادا کرنا چاہتے ہیں بغیر کسی ایسی پیچ کے بے تکلف ادا کر دیتے ہیں، اس سے تدم اگے بڑھتا ہے تو خیالات میں بلندی شروع ہوتی ہے، استعارے زنگین ہجاتے ہیں، تشبیہوں میں نزاکت آجاتی ہے، مبالغوں میں زور پیدا ہو جاتا ہے، الفاظ میں

تراث خراش شروع ہوتی ہے جس مضمون کو ادا کرتے ہیں استعاروں کے رنگ میں ادا کرتے ہیں، اسکے بعد وقت آفرینی اور باریک بنی شروع ہوتی ہو سانچے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، بال کی کھال نکالی جاتی ہو، استعارة میں استعارہ پیدا کرتے ہیں محسوسات سے گزر کر صرف خیالی چیزوں پر مدد ارجمند ہے، یہ ترقی کی اخیر میں زل ہے جو تنزل سے چمدش اور ہم آغوش ہے، اس اصول کی بنابر فارسی شاعری کے دور اول کی سب سے پہلی خصوصیت سادگی اور سب تکلفی ہے، ایران میں جب شاعری شروع ہوئی تو قلن اور معاشر کا وچ شباب بھا، شاعری کا جو نو نہ سامنے تھا وہ تنبی، ابو لؤاس، ابن المعتز، بختی، ابو قاسم کی زنگینی بیان اور طسم کاریان تھیں، باوجود اسکے فارسی شاعری میں ابتداء ایسے سادے ہے تکلف اور سرسری خیالات نظر آتے ہیں کہ گویا قوم میں کسی طرح کا تدن پیدا نہیں ہوا ہے، یہ وہی بات ہے کہ ہر چیز ابتداء میں نہایت سادہ اور سب تکلف ہوتی ہے، ہماری زبان دیکھو دلی دکنی نے اور دشاعری کی بنیاد ڈالی، وہ ناصر علی، اور میرل کامعاصر تھا جو مضمون شندی اور خیال آفرینی میں بال کی کھال نکالتے تھے، دلی ان لوگوں سے راہ در سرم ار کھتا ہتا، اسکے ساتھ فارسی شاعری کا ماہر تھا تاہم اردو میں شاعری شروع کی تسلیم اندراز ہے جسے عشق کا ذخیرہ کاری لگاتے ہے تو پھر زندگی اسکو بیاری لگاتے ہے سادگی کا یہ دصفت قدما کے اخیر درستک قائم رہا لیکن مدارج میں فرق آتا گیا کیونکہ جس قدر زمانہ گذرتا ہوا، سادگی کے بجائے اور دو اور تکلف آتا جاتا ہتا، دو کھتا ہے،

اس مضمون کو کہیں ادمی تربیت سے شریعت نہیں ہو سکتا لیو شکور ملجنی نے مطروح ادا کیا۔
 درخت کے تلخش بود گوہ سرا جس درخت کی اصل تلخش ہے،
 اگر چوب دشیرین دہی مردرا اگر سکو چوب اور دشیرین غذا دادوا
 ہمان میوہ تلخست آرد پدید، تباہی دہی کڑا اپہل پیدا کریگا
 از چوب دشیرین نخواہی مزید اس سے دشیرین بہل نہیں پیدا ہو سکتا۔
 اسی مضمون کو فردوسی یولن ادا کرتا ہے۔
 درخت کے تلخست دیر اسرشت گرش بر نشانی برباغ بیشست
 دراز جوئے خلدوش پہنگام آب بہنچش شکر ریزی دشہندا ناب
 سرانجام گوہر بہ کار آورد، ہمان میوہ تلخ بار آورد،
 بات وہی ہے، لیکن بندش کی حصتی از تلخست الفاظ اے مضمون کو کہاں سے
 کہاں پہنچا دیا ہے، شعرا "دل کو اگ سے مشاہدہ دیتے ہیں اور یہ عام مضمون ہے،
 لیکن اول جب یہ خیال ادا کیا گیا تو اسکی یہ صورت تھی۔
 احوال دلم پرس کان بھی پارہ سیرے دل کا حال نہ پوچھ دو، ایک
 چوبے است درفتارہ تاشن انس است کڑی ہے جس میں اگ لگ گئی ہے
 اسی خیال کو متاخرین نے یولن ادا کیا، ۶
 یک پارہ آتھے است، دلش نام کردہ انہ
 ایک ذرا سے تنیر سے مصروف چسبت ہو گیا چوب کا لفظ بہد اہمادہ نکل گیا اسکے بجائے

پارہ آتش" نے لطافت پیدا کر دی، "نام کردہ اندھہ" نے لطافت کو اور بڑھا دیا یہ مضمون کہ
"مشوق گوناہ بر بان اور دشمن ہوتا ہم اسکی محبت دل سے نہیں جاتی" اول اول فرخی
لے اسکو یون ادا کیا تھا۔

ہمہ دشمنی از تو دیدم ولیکن
مگویم کہ تو دوستی را الشانی
اس خیال کو سعدی ادا کرتے ہیں۔

بلطف و غربی اور کہہ سان نایم کس
کہ دشمنی کشند دوستی بفیض زاید
شیرا مشوق کی کمر اور عاشق کے جسم کو لا خرکتہ ہیں، اسی طرح مشوق کے دہن
اور عاشق کے دلکوتنگ باندھتے ہیں، یہ مضمون قدر ما کے ان ابتدائی حالت سے ادا
ہوا تھا، متأخرین نے اسکو صرف بندش سے نہایت خوبصورت کر دیا۔
فرخی کا شعر ہے۔

گفتہ بتائیں دل من چیست ہا مر ترا
لفتا یکے سیان من است، ویکے دہن
اسی بات کو سعدی یون کہتے ہیں۔

دہان تنگ تو ام وخت تنگی از دل من
وجود من زمیان ترلا غری ام خت
سعدی کا مشہور شعر ہے۔

زندہ ست نام فرخ نو شیر دان بعدل گرچہ بے گذشت کہ نو شیر دان نام
 سعدی سے پڑے قدما کے عہد میں یہ خیال یون ادا ہوا تھا،
 آن خسروان کہ نام نکو کسب کردہ اند نتند دیا درگار اذایشان جزاں نامد
 نو شیر دان اگر جسمہ ادا نش گنج بود جز نام نیک اپس نو شیر دان نامد
 ان مشالوں سے اندازہ کر سکتے ہو کہ ابتدائیں ہر خیال کس قدر سادہ بہدا، اور انگھٹ
 ہوتا ہے پھر فتحہ طیعت، شوخ اور نگین ہو جاتا ہے، یہ ایک قدرتی بات ہے،
 امین غارجی اسباب کو دخل نہیں،

سادگی کا اثر نہ صرف طراز ادا اور بندش میں ہوتا ہے، بلکہ نام چیزوں سادہ ہو لیتی ہیں،
 متاخرین "مددوح کے جاہ و حشم کا ذکر کرتے ہیں، تو سواری کے لئے اسپ نلک اور البق
 یام" کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن قدما معمولی ہاتھی گھوڑوں کا بیان کرتے تھے اور اس سے
 بڑھکر سادگی یتھی کہ مددوح کے دولت اور مال کی تعریف میں ہوشی خانہ اور گائے بیل کا
 بھی تذکرہ کرتے تھے۔

فرالادی اس پایہ کا شاعر گندرا ہو کر روڈ کی ناسکی مدح کی ہے،
 وہ ایک قصیدہ لکھتا ہے۔

مادہ گاوان گلہ است ہریک شاہ پرورد چوب رہا یون
 بر ما یون اس گائے کا نام ہے جسکے دودھ سے فریروں نے پرورش پائی تھی،

شاعر کہتا ہے کہ تیرے گلے میں جب قدر گائیں ہیں سب "بر ما یون" ہیں۔

عشقی نیالات میں ہیں اکثر نہایت سادگی پائی جاتی ہے، چہرہ پر لفون کا ہواست اڑنا
ایک دلکش منظر ہے اور متاخرین شرارے اسکے لئے نہایت طفیل تشبیھیں بیداری ہیں
لیکن محمد بن صالح مرزوqi جو سلطان محمود کے زمانے سے قبل کاشاعر ہے کہتا ہے۔

آن سیز لفظ، بر آن عاذن او گولی است
بپر زاغ کسے آتش را باد کند
یعنی چہرہ پر لفین اسی معلوم ہوتی ہیں گویا کوئی شخص کوتے کے پردن سے الگ
بھر کا رہا ہے۔

اگرچہ تشبیہ درحقیقت ایجاد تشبیہ ہے، لیکن آج کا مذاق، اسکو کہاں گوارا کر سکتا ہے
یہ ایک اجمالی بیان تہاب ہم تفصیل سے ابتدائی حالت کا اٹا ایک ایک چیز کے
ستعلق لکھتے ہیں۔

صحبت الفاظ کی پروانگی ابتدائی حالت کا پہلا اثر یہ ہے کہ لفظون کی تراش خراش اور
صحبت الفاظ کا چند ان خیال ہیں ہوتا، قدما کے ہاں اس کثرت سے غلط الفاظ پائے
جاتے ہیں کہ آج کسی کے کلام میں ایک دلفاظ بھی ایسے پائے جائیں تو استاد می کے

رتہ سے گر جائے، چند مثالین ^{لہ} ملاحظہ ہوں۔

صحیح غلط ملاحظہ
بیرامی - نہ بست اکنون نے باشد و نہ بودہت ہرگز ہرگز

ناخن ناخون ناخون ناخون ناخون ناخون ناخون ناخون

لہ یمثالین اکثر الجم فی صائر اشعار الحجم اور دیوان مندرجہی سے ماخوذ ہیں

نیزدشتری - سخنوار ان جہاں پاک پیش ادا	بلاہ	بلاہ
بیزتی - چو فور شید براز و آید ترا	براڈ	براڈ
" کدام دل کنگشت ازغم زماد سقم	سقم	سقم
" نگر دنیز ہچو تو دا گیسر د	نگر	نگر
" چون خواجہ ابوالعباس آمد	ابوالعباس	ابوالعباس
فرخی - راے موافق ذیست داعتقاد او	ذیست	ذیست
" تا تو گبریتی بھیسلہ دچار	چار	چار
کسانی - اے میر ابو حمد کہ ہمہ محدث ہمی	ابو محمد	ابو محمد
معروفی - اب انگر و آب نسلوف	نیلوفل	نیلوفل

منوجہری - قوامعاشر ب الصیح یا ایہا النائمین -

فارس میں تشدید یہ نہیں ہے قدما، تے کلفت جس لفظ کو جاہتے ہے مُشد دباندھ دیتے تھے، روکی کا ایک قصیدہ ہے اسکے چند اشعارِ محض میں نقل کئے ہیں۔

خڑج کے لمب خسر گاہ	بُل باع و بوستان آمد .
مور د بجاۓ سوسن آمد باز	تے بجاۓ ارغوان آمد
ان اشعارِ بیان بجاۓ خزا اور مے کُمشدد دباندھا ہے۔	

قافیہ کی ضرورت سے جس لفظ کو جاہتے تھے اس میں اشباع کا الف بڑا دیتے
تفہ شلاً ع نوبہار آمد و آرد دگل دیا سنا

عدم کے قاعدکا تافیہ میں اب جو قیدیں ضروری ترا رہا گئی ہیں، ابتداء میں ان کا چندان
چندان لحاظہ رہتا لمانا نہیں ہتا، یہاں تک کہ ابتداء میں حرف کا اتحاد بھی ضروری نہ ہتا،

قریب المخرج حروف کو ہم تافیہ کر دیتے تھے، مثلاً

روجایے اُر، اندرین کار احتیاط
زان کے جز بر تو نہ ارم اتحاد
اس میں طا اور د کو ہم تافیہ کیا ہو۔

گفت کہ با مختلف تو زین سپس مرا
بندوبسی پڑھی حاصلے بے امر تو حدیث،
وان کس کے گوش دار تو بود را نہ سشنید
اس میں شاہ اور د کو ہم تافیہ کیا ہے۔

زندگانی اور گزینی کا تافیہ جائز سمجھتے تھے،

کنی تاخوش بے ما بر زندگانی اگر از ما دے دوری گزینی

الیاءے جلی آج سخت، معیرب ہے، قدما کے ہاں عام طور پر شائع ہے۔
تشبیہ کی سادگی ارشاد میں ہنایت سادہ اور نیچرل ہوتی تھیں، مثلاً انگلی کو قائم کی
دم سے تشبیہ دیتے تھے۔

پشت دستش بہشل چون شکم قائم نزم چون دُم قائم کر دہ سہ رنگشت سیاہ
چہرہ اور زلف کی تشبیہ میں کہتے تھے کہ برف پر کالا کوٹا بیٹھا ہے

بردے برف، زاغ سید رانگاہ کن چون زلف بروخ بتم آن شمسہ سیاہ
ہوا میں جو برف کے گالے اڑتے ہیں، اُسکی تشبیہ میں ایک شاعر کہتا ہے۔

بہ ہو اور نگر کے شکر بر فض

ہو اکو دیکھو کہ بین کا شکر کس طرح

اس میں اڑتا جبارا ہے ،

لیکھ اس طرح، جس طرح سفید کبوتر

راہ گم کر دگان، زیست باز

چہرہ اور سبزہ اخطل کی تشبیہ میں، کسانی مردی کاہتا ہو۔

روے دموے لٹنامہ خوبی است

تیرا ہبہ اور زلف خوبصورتی کی کتاب ہے

کتاب میں کالے اجلے کے سوا اور کیا ہے

اس زمانہ میں دہن کو غنچہ پستہ دغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، متاخرین نے پہلے
ڈاسکو زرہ، نقطہ، جوہر فرد بنا یا بھر سرے سے غائب کر دیا، لفٹ کو سنبل، صلیب خوشہ
لکور، کند کہتے تھے، متاخرین نے، دام نظر اسلسل دغیرہ تشبیہیں بیجا دیکھن، کھر کو قدار
شاخ گل، کہتے تھے، پھر یاں کہتے لگے تھے، متاخرین نے رُسگل، تار نظر دغیرہ کہتے
کہتے مدد و مکر دیا۔

دح میں سادگی مل جی خیال است میں بھی سادگی اور داقیت تھی ابو الفرج بادشاہ کی حی میں کہتا

جنت بلند باید کر دل کر تو ہنوز

تجھکو مست بند کرنی چاہے کیونکہ تو اب می

بر پائی سستین از زربانیا

زینہ کی پہلی سیریہ پر ہے،

متاخرین کے دور میں کسی بادشاہ کی مدح میں الگی کہا جائے کہ آپ ابھی ترقی کے
پہلے دین پر ہیں، تو صدر کے بجائے نقل کا حکم ہو گا۔

لیکن اُس زمانہ میں اس قسم کے خیالات میورب نہ تھے، قدما کے دور کا ایک شاعر
بادشاہ کی بڑی میں کہتا ہے، ۶۔

امر غکان گرسنه ایم و تو خرمی

یعنی ہم بھوکے مرغ ہیں اور تو خرمی ہو۔

اس زمانہ میں شعر اجہان بادشاہ سے اور اور حیرین صلیمیں مانگتے تھے، خوبصورت
غلام ہمی مانگتے تھے اور یہ گستاخی نہیں سمجھی جاتی تھی ایک شاعر کہتا ہے۔

عیدی دلو روزی از شہر پیچ نستالم مگر بارگیر خاص دوڑ کے درج گوہر بیان
محیرہ قصائد میں بادشاہ کے منظور لنظر حسینوں کی بھی تعریف کرتے تھے اور بادشاہ
اس سے ناخوش نہیں ہوتا ہما بلکہ انعام دیتا ہما غضاری نے ایک قصیدہ میں سلطان
محمد کے ایاڑ سے ایاڑ کے حسن کی تعریف کی اور دوڑ کے انعام میں پائے۔

فرخی ایاڑ کے متعلق علانیہ کہتا ہے۔

دبر خیرہ پرد دل داد محمدود دل محمدود را باڑی می پندر
یعنی محمدوجو ایاڑ پر مرتا ہے، تو یون ہی نہیں مرتا، محمد کا دل کوئی معمولی چیز نہیں
ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ اسوقت تک اسقدر داقعیت اور سادگی تھی کہ سو سائی
کی جو حالات تھیں بے مکلف صاف صاف کہدیتے تھے، یہ بات دل تھی کہ بادشاہ یون تپڑا
رندوں کا ایک رند ہے لیکن قصائد میں خلی سمجھانی اور خدا کا ادب تھا۔
عاشقانہ خیالات میں سادگی اسوقت تک اعشقانہ خیالات بھی ہنا یہ سادہ اور شیخوں سے تھے،

محبت اور عشق کی دلیل اداوں اور دارالاون سے واقع نہ تھے پیار اور محبت کے جو خیالات پیدا ہوتے، صاف صاف کہدیتے تھے اس زمانہ کی غزل کا یہ انداز ہے،

ہم بھر قصہ رجفا میں نکنی
حاج تم پیچ رو اے نکنی
نکنی برم بھی پارہ سلام
درکنی حب نہ بسیا میں نکنی

اس سادگی کو دیکھو کہ معشوق سے کہتا ہے ”تو تو کبھی مجھکو سلام نہیں کرتا اور کرتا
بھی ہے تو ریا کاری سے کرتا ہے“

مشوہ پھری کہتا ہے

پڑعا کر دی جانان کہ چین خوب شدی
کہ چین چاکر تو نیز دعاۓ تو کند
یعنی ”ای سوشوق توئے ایسی کیا دعا کی کہ اسقدر حسین ہو گیا، مجھکو بھی بتادے تو
میں بھی دعا کر کے حسین ہو جاؤں“

ان بھولی بھولی با توں پر متاخرین کی ہزاروں رنگیں بیانیاں شمار میں،

فتوحی مروری

دو تین ہمینہ میں بھی ایک بوسہ نہیں دیتا	شدہی ہر دو سہ ماہے یا کب بوس
اور دیتا بھی ہے تو سیکڑوں نماز سے دیتا ہو	دردہی نیز رصد نماز دردی
بندہ نوازی کے لحاظ سے یہ کوئی بڑی ہائیں	از سر بندہ نوازی ح پر شود
گرم را یک شبے اداز دہی	کسی رات بھکارا دا ز دیدرو (یعنی بالو)
غزل میں ضعف اور ناتوانی کا مفہوم، عام مفہوم ہے، اس میں متاخرین کی	

نازک خیالیاں تو یہ میں کر

تئماز ضعف چنان شد کہ اصل جست نیافت

نالہ ہر چند نشان داد کر در پیرین است

لیعنی میرا جسم ایسا دبلا ہو گیا کہ موت لئے ڈھونڈتا اور نپا یا ہر چند نال پکارا کیا کہ پیر

میں ہے۔

لیکن قدم، کایاہ انداز ہے،

منصور رازی

یک موئے بدر دیدم از زلفت، -

چون زلف زدی اے صنم بنشاد

چونالش بختی ہمی کشیدم

چون سور کگن دم کشدہ بخانہ

بامسٹے بخانہ درشدہم پدر گفت

منصور کدام است اذین دوگانہ

کہا کہاں دو فون میں سے منصور کوں ہو

غرض، ابتداء میں ایک ایک بات سمع پھین کا اثر محسوس ہوتا ہے اج سقدر فرانہ

گذر تاجا تا تا، اصول ارتقا کے موافق، شاعری کا قدم آگے بڑھتا تھا۔

تیمور کے حملوں نے ملک کوتہ دبلا کر کھا تھا، اسلئے خواجہ حافظ کے بعد، ایک مدت

تک شاعری کی ترقی رکی رہی، جب سلاطین صفویہ کا دور شروع ہوا، اور عامہ امن د

ابان قائم ہوا، تو شاعری کا چشم بچرا بلہ اور مختلف، شفافی، عرفی، نظری دغیرہ پیدا ہوئے

اس دور میں اگرچہ صرف غزل کو ترقی ہوئی لیکن غزل ہی میں سب کچھ اگیا۔ رزم کے سوا نلسپہ، اخلاق، پن و عفت، تجھیل، غرض شاعری کی ہر نوع کمال کے درجہ تک پہنچ گئی، اور غزل کے دائروں نے اس پر بھی تفہیل نہ کی۔

شاعری کی جن اصناف کو عہد بعہد جسطرح ترقی ہوئی، ہر قسم کی شاعری کے روپوں میں اس کی تفضیل آئی گی، اسلئے یہاں اسکی تفصیل کی ضرورت نہیں،
شاعری پر اسباب خارجی نے جو اثر کئے انکا بیان الگ الگ عنوان میں آگے آتا ہے،

عربی شاعری کا اثر اہل عجم ہر موقع پر اعتراض کرتے ہیں کہ شاعری میں اُن کے استاد فارسی شاعری پر عرب ہیں التوری کہتا ہے۔

شاعری دانی کے ای قوم کر دند آنکہ بود تم جانتے ہو، شاعری کس قوم نے کی، اول شان امرا القیس اخر شان لو فراس دہ جسکا پہلا شاعر امام القیس، دہ آخر بوزیر بن شنا منوچہری دانی اپنے ایک ہمصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

من بے دیوان شر تازیان دارم زبر تو ندانی خواند لاہی بمحنت فاصبحین یعنی محکلو عرب کے میسیون دیوان زبان یا دہیں اور تو سبھے متعلقہ کا یہ تصدیدہ بھی نہیں پڑھ سکتا جسکا مطلع لاہی بمحنت فاصبحینا، ہے

منوچہری نے ایک تصدیدہ عنصری کی سرخ میں لکھا ہے اسیں عنصری کا مقابلہ قدمیم شعر اس سے کیا ہے کہ دہ اسکی برابر می نہیں کر سکتے لیکن صرف عرب شعر، کامام لیا ہو۔

کو جریدہ کو فرزوں کو دلیل دکوبیسید ادیب عجائب الجن و سیف ذوی زل
روایت اور استشہاد کی حاجت نہیں خود عجم کی شاعری شہادت دے رہی ہے
کہ انسن عرب کی انگلی پاڑ کر جاننا سیکھا ہے۔

با وجود دیکھ عربی کی بھرپور فارسی سے بہت الگ ہیں تاہم قدماً ایران اکثر
عربی قصیدوں پر قصیدے لکھتے تھے اور خود قصیدہ میں اس بات کا اشارہ کرتے تھے
منوجہہ مری نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔

چہانا بچہ بدہر و بد خجہ سانی چہانا بچہ بدہر و بد خجہ سانی
قصیدہ کے خاتمه میں کہتا ہے۔

الباقشیص اعرابی باتانی
بدالان و ذلن این شعر گفتگو گفتہست
غراٹ بینع علی غصن بان

عربی شعر، ابو الشیص کا ہے جسکے جواب میں یہ قصیدہ لکھا ہو۔
اکثر شعر اعربی مشہور قصیدوں کے مشہور فقرے یا مصروع کے فکر طے لاتے ہیں
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی قصیدے اتنے پیش اظر ہتھے تھے۔

طنثی کا ایک قصیدہ ہے۔
احادام سدا سُ فِ احَادِ
یلیلیتی المنقطة بالتنا کاد
النوری ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

بے سپیدہ دم شب خذلان بخواست چنانہ تابعچ شریکو یہ احادیث ام سُد اس
یہ اسی ملبئی کے شمر کی طرف اشارہ ہے۔

عربی جملے اور امثال اور محاورات اس کثرت سے لدھیں کہ انکو جمع کیا جائے تو ایک
دفتر بن جائے، نمونہ کے طور پر صرف ایک الزرمی کے کلام سے جو عرب کے تمعیج میں چنانہ
مشہور نہیں ہم چند مثالیں نقل کرتے ہیں، لیکن متسلطین اور متاخرین کے ہان اسکی
مثالیں کلمیں گی جسکی وجہ ہے کہ انکے عمد میں فارسی شاعری عرب کی حکومت
سے آزاد ہو گئی تھی،

الزرمی

چہ ردنی را ترد و قضی الامر فقدم	چکشی نقش تحفیل بلغ السیل زباء
فیا لیتہ کان فی غنی لة	ویا لیتھا کانت القاضیة
چون غنیمت را مقابل می سکنم با اینی	عقل سی رفدا و طمع ما ہے بود را سبردسا
در لباس سایر لوز زمان عقلش بدیر	گشت با خود اے عجب نعم البدیع لله لام
الظوفرونا فقتبس من ذکر کے گفت چرخ	کانتاب از آفتاب بہشت کردا قتباس
دین کہ من خادم تی پردازم لکنون ساختی	سامری کوتا بیا به گوشمال کا اس
تاکہ باشد این مثل کلیساں احمد الراحتین	بادی اندر راحت، کانز انساشد یهم دیاس
بر نو شتر بر کران ناں او حظی سیاہ	لم تکو فنا بالغیہ لا بشق الانفس
زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم	زلزلۃ القہر تو شان کر دلپست

سیرا بست و حبیبی گوید،
و من الماء کل شی ح
گفتہ بودم بخدمت پرسم
خود گفت اننا من این

بعد ازین من چه بربان آرم،
چکم آخر الدّوائے لکه،

تلیحات جن سے سیکڑوں شاعرانہ مضا میں پیدا ہوتے ہیں اکثر عرب کی ہیں
شلاً عشق و عاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہیں ایمان میں ہزاروں پر می پیکر ملعوق گذرے
لیکن شاعری نے بیلی کرتا تھا کیا اور اسکو اس حد تک دعستادی کے ملعوق اور
لیل مراد لفظ بخیلے چنان پہ کہتے ہیں "لیلا کے من" یعنی ملعوق من لیلی کے علاوہ کہیں
کہیں اور کسی کا ذکر آ جاتا ہے تو سلمی، عذر، وعد، رباب کا آتا ہے کہیں بھی عرب کے ملعوق
نے اسی طرح عاشقی کا سلسلہ بیت، محبوں تک منتھی بوتا ہے جن کے لئے حضرت
یوسف کا هم ائمہ ہیں اور انکے متعلق سے سیکڑوں الفاظ اور تلیحات پیدا ہو گئے ہیں جن پر
برادران شرودیں کی بنیاد پہ مثلاً دیدہ یعقوب، چاک بیرا ہن، چاہ کشان، خواب
زینجا، زندان، یوسف، برادران یوسف،

ابنیا کے بنی اسرائیل سے سیکڑوں قصے متعلق ہیں اور ان سے شاعری کا بڑا سریع
تیار ہوا ہے، مثلاً، آدم بپشت، آنہ م طوفانِ ذرع، قربانی اسماعیل، تغیر کعبہ بت شکنی
خلیل، صبر الیوب، تخت سلطان، بلقیس، بدہد، موسیٰ، پیر بھیان، عصا مسی، داد بی
امین، شمع طور، اعجباً عجیسی وغیرہ وغیرہ۔

لغمہ اور سرود میں الگ بھر زیادہ تر اپنے ہی ملک کے لوگوں کا نام درشن کیا ہو مثلاً

تلیحات اکثر عرب
کی ہیں۔

بار بید نکیسا لیکن عرب کے مغلیوں کا نام بھی خالی خال آ جاتا ہے معبد کا اکثر ذکر کرتے ہیں جو بنو امیہ کے دربار کا مشہور گاؤں یا تھا۔

منوجہ پھر می ۴ مرغ حدیں روایت معبد کند ہی
سخاوت میں سبائف کی حد حاصل ہے، جو عرب کا ایک مشہور سخی تھا، کہیں کہیں معن کا نام بھی آ جاتا ہو جو بارون الرشید کے زمانہ میں تھا۔
سلمان ساوجی، ۴

حاکم معن بر در شہر دو گداۓ راستین
عقل اور حکمت اور تدبیر ہیں ارسٹو، فلاطین، بقراط اسقراط وغیرہ کا حام آتے ہیں لشکر
کرداری اور جہان ستانی میں سکندر راناور ہے،
ذوق الفرنین اگرچہ عرب کا کوئی بادشاہ ہو گا لیکن غلطی سے وہ سکندر کے ساتھ نہم
کر دیا گیا یہ سب اگرچہ پرانی تھے نیکن الشیان میں عرب نے انکو روشناس کیا ختم فلاطین جو
مشہور ہے، اس میں وہ اسی غلطی ہو گئی ہے، دیوبالنس حکیم ایک حکیم تھا جو ایک پیسہ پس پس
رکھتا تھا، اور راست کو اسی میں سرو رہتا تھا، فارسی میں پیسہ کو ختم کہتے ہیں غلطی سے دیوبالنس
کے بجاء سیخ افلاطین مشہور ہو گیا۔

ذہبی اعتقادات اور خیال ازات کے متغلق جبقدر احاطہ احاجات اور تبلیغات ہیں سب
عربی سے ماخوذ ہیں جن پر سیکڑوں رضا میں کی بنیاد ہے مثلاً شراب طہیر، حور، غسلن
چشمہ کو فراہبشت، آتش دوزخ، نامہ اعمال، محشر، مہنگا مہر، محشر صبح محشر فرشتہ،

رود الحقدس وغیره وغيره۔

اس قسم کے الفاظ اس لکھت سے فارسی شاعری میں داخل ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا
صنا لع وبدال لع جبقدر ہیں قریباً سب عرب سے لئے ہیں، قدما میں فرخی
ان تکلفات سے آزاد ہے لیکن صنا لع وبدال لع پر فارسی میں سب بیلے جو کتاب لکھی گئی،
اسی نے لکھی جسکا نام ترجمان البلاغۃ ہے، استطافت زیادہ توجہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اسی زمانہ کے
قریب صنا لع وبدال لع پر عبد الدین المعتز نے ایک کتاب لکھی اور یہ اس فن کی سب سے
پہلی تصنیفت تھی، اسکے بعد قدامہ نے اسپر اضافہ کیا، یہ تابین تمام ملک میں پھیل گئیں
اور نہایت مقابل ہوئیں، فرخی نے فارسی زبان میں اسکو نقل کیا تو اور بھی یہ
صنا لع عام ہوئے اسی کا یہ اثر ہے کہ تدویم شعر اکی بساطت میں لفظی صنا لع کے سوا اور کچھ
انہیں غور کرو عبد الدویع جبلی، ادیب صابر، فتح الدی، سیر معززی، رشید الدین و طراط انڈقی
ہر دی کے کلام سے یہ تکلفات بکال دے جائیں تو انکے پاس کیا رہ جاتا ہے، کمال سعیل
کا یہ احسان ہے کہ اُس نے اس بعاست کو کم کیا اور فترتہ رفتہ، شاعری کا دامن اس طالع
سے پاک ہو گیا۔

تشبیہ ہاتھ میں عرب کا کم اثر ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایران کا شوخ اور زیگیں شاعر
جو عیش و نعمت کے دامن میں پلا ہے، عشقوں کی زلف کو رسی سے زلف کو کولون سے
کمر کو زینبر کی سے، عشقوں کی نگلی کو مسوک سے تشبیہ نہیں دے سکتا، یہ چیزیں عرب
ہی کے لئے موزوں تھیں، جنگل کے صحرا ای اور پہاڑوں کے خیکاری تھے، بخششہ سنبھل

یا سمن نرگس یہ چیزیں عرب نے خواب میں بھی نہیں دیکھیں تشبیہ کہاں سے آتی البتہ جب سلطنت بغداد میں آئی اور دنیا کا چمن زار نظر وطن میں رہنے لگا تو عربی شاعری میں بھی یہ سب باتیں آگئیں لیکن ہم اس دور کی شاعری کو عربی شاعری نہیں کہتے یہ دری فارسی شاعری ہے صرف نہ بان کافر قہی

تا ہم عرب کی تقلید کا یہ اثر ہے کہ قدماۓ ایران کے ہاں وہ تشبیہ میں غال خال نظر آجائی ہیں جو عرب کے ساتھ مخصوص ہیں شاعر عرب لگو نگہدا لے بال کو انگور کے خواہ سے تشبیہ دیتے ہیں 'میر معززی کہتے ہیں'

گرفتہ زلف گرہ گیر دریان دلب چ خوشہ عنب اندر میان عناب

زلف کو صلیب سے تشبیہ دینا بھی عرب ہی کا اثر ہے

زلف بکشنا تاکم در گراہب نگوید کاصلیب محمود

اہل عرب کا عام اندراز تھا کہ تشبیہ میں نہایت سادہ اور محسوس اور مادی چیزوں کو سمجھ دیتے تھے، قدماء عجم کے ہاں بھی عموماً اس قسم کی تشبیہ میں پالی جاتی ہیں اور یہ دی ہی عرب کا اثر ہے

ابوزحہر قاسمی جو سلطان محمود کے امراء میں سے تھا پستہ کی تشبیہ دیتا ہے۔

مانند ہاں ما ہی خرد آنکہ کمند زشنگی باز

یعنی پستہ کی یہ صورت ہے جو سطح چھوٹی بیچھلی کامنہ پیاس میں کھل جاتا ہے،

منوچہری کی تشبیہات اسی قسم کی سادہ اور محسوس ہوئی ہیں چونکہ منوچہری پر

عرب کا اثر نہایت غالب تھا اسلئے خیال صحت اسیں زیادہ پائی جاتی ہے،

شروعے عرب اکثر قصیدہ دون میں مدد و ح کے فتوحات اور ملکی سرکار کے نظم کرتے تھے تبّنی کے اکثر قصائد اسی قسم کے ہیں، البر نام کا قصیدہ جس میں عموریہ کی فتح تفصیل سے لکھی ہے، مشہور قصیدہ ہے، فارسی میں اگرچہ متاخرین نے یہ طریقہ بالکل ترک کر دیا لیکن قدما جن پر عرب کا رنگ غالب تھا، اکثر قصائد میں بادشاہ کے فتوحات کا، شکار کا، شیر مارنے کا، اور اس قسم کی باتوں کا ذکر کرتے تھے جنانچہ عصری، عسجدی اور فخری کے متعدد قصائد تاریخی قصائد ہیں،

عربی قصائد کی تہذیب میں اکثر مدد و ح، یا عشق و عشق کے ملنے کیلئے سفر کرنے کا حال لکھتے ہیں، اور راستہ کی سختی، پہاڑوں کی چڑھائی، گھوڑوں کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکر سے اسکو طول دیتے ہیں، فارسی میں بھی قدیم شعر، کا یہ خاص اندراز تھا جو آخر متrodک ہو گیا، منوجہری دامغائی اور عمق بخاری نے متعدد قصیدے اس طرز پر لکھے ہیں اور نہایت خوبی سے واقعات کو ادا کیا ہے، منوجہری کا قصیدہ پہلے حصہ میں ہم درج کرچکے ہیں، عمق کا پورا قصیدہ مجمع الفضیلی میں نقل کیا ہے، امر القیس نے لے اپنا مشہور قصیدہ متعلقہ اس تہذید سے شروع کیا ہے،

ساتھیوں اپنے جاؤ، یہ عشق و عشق کا اجڑا اہو اگڑا ہی، اس عشق و عشق کی یاد میں دو آنسو ہیں، یہ اندراز اسقدر مقبول ہوا کہ ایک دست تک شعر، قصیدہ کی ابتداء اپنی لفظوں سے کرتے تھے، فارسی شعر اسے بھی اسکی تقیید کی، لامی جو جانی کہتا ہے۔

ہست این دیاریا، اگر شاید فرد آرم حس
یعنی قون کے مکانات ہیں، بیان اذن بھانا چاہے
پُرسکم رباب و دعدر احوال از رسوم و از طلل
که باب ادر و عد کا حال کہنڈار دن اوٹیلوں سے پوچھوئے
اخذ مضا میں از عرب | اول اول ایرانی شعراء عربی شاعری سا نے کہکشہ کہتے تھے مشق
کی ابتداء یعنی کہ عربی اشعار کا ترجیح لفظی کرتے تھے، آج بہت سے فارسی قطعے، فرد، بلکہ
قصیدے موجود ہیں جنکو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار
کے ترجیح ہیں اور ترجیبوں نے دانستہ ترجیب کیا ہے کہ شعر کے لئے نوٹے ہاتھ آئیں،
سیف الدولہ کا ایک مشہور قطعہ ہے جس میں ابتدائی مضا میں کے بعد قوس قزح
کی ایک عجیب اطیفہ تشبيہ بیان کی ہے،

ہوا نے انق پر ایک چادر پیلا دی ہے جسکے کنارے زمین نکاں لٹک آئے ہیں چادر
کے کنارے پر قدرت نے سرخ اسفید سبز رنگ کی بلین ہاک دی ہیں گویا
یہ معلوم ہتا ہے کہ ایک عروس ناز نین نے اور تسلی مختلف رنگ کے پیر اہن
پین لئے ہیں جنکے دامن بر تریب ایک درسے سے چھوٹے ہوتے پلے گئے ہیں
اس تشبيہ کی نسبت عرب میں مشہور تر تاکہ شاہزاد تشبيہ ہے، عام ادمی کا خیال اس
طرف نہیں جا سکتا، یہ قطعہ زیادہ مشہور ہو تو امیر ابو المظفر طاہر بن الفضل نے جسکی درج
میں فخری کا مشہور قصیدہ ہم نقل کرائے ہیں، اسکا لفظی ترجیب کیا چنانچہ باب الباب
عونی یزدی میں بتصریح لکھا ہو کہ "این ابیات بہ امیر طاہر بن الفضل رسید ہر بیتے را
پنطم ترجیب کر دے پارسی داں نیست"۔

ہم اصل قطعہ اور ترجمہ دونوں اس مقام پر درج کرتے ہیں لیکن عومنی نے عربی کے اشعار نہایت غلط انقل کئے ہیں، اس لئے ہم نے تیمتہ الدبر وغیرہ سے مکو صحیح کر لیا ہے،

وساق صحیح للصیحہ دعاتہ

فَقَامَ وَقِنَاجِفَانَهُ سَنَةَ الْعَمَضِ	بِطِيفِ بَكَاسَادَتِ الْعَقَادِ كَأَنْجَمِ
فَنَبَيْنَ مِنْ قَضَنِ عَلَيْنَا وَمِنْ قَضَنِ	وَقَدْ نَشَرَتِ يَدِيَ الْجَنَابَ دَرَفَا
عَلَى الْجَمَادِ كَنَا وَالْحَوَشِيَ عَلَى الْأَرْضِ	بِطِينَهَا قَسَ السَّحَابَ بِأَصْفَرٍ
عَلَى الْأَحْمَرِ فِي أَخْضَرِ سَتَّتِ بَيْضِ	كَأَذِيَالِ خَوَدِ اِبْقَلَتِ فِي غَلَائِلِ
مَصْبِقَةِ وَالْبَعْضِ أَقْصَمِ مِنْ بَعْضِ	تَرْجِمَهُ دَرَغَابٌ حَشِيشَنِيَّ مِنْ خَرَجَ
نَاخُورَدَهُ كَيْكِيَ جَامِمَ دَرَگَرَادَهُ دَارَمَ	وَانِ جَامِمَ كَيْنَدَرَكَنِ اِدَهَچِسَتَرَهُ
دَاسِنِ بَزَنِ بَرَزَدَهُ بَجَوَنِ شَبَادَهُ هَمَ	دَالِ مَيْقَ جَنَبِلِيَّ بَچِيَّكِمَطَرَخَوَشَ بَودَ
إِذَا صَفَرَدَ إِذَا أَحْمَرَدَ إِذَا بَيْضَ مُسْلِمَ	بِرَسَبَتَهُ مَوَاجِدَنِ كَرَهَ قَسَ قَرْحَ رَاهَ
وَزَدَاسِنِ هَرِيَكَ زَدَگَرَادَهُ كَلَمَ	گَوَنِيَ كَرَدَهُ سَبِيرَنِ هَسَتَ اِزَدَوَگَونَهَ

نے دیانت سے ترجمہ کیا اور یہ کوئی عیب نہیں، لیکن امیر معزی جو سلطان سخنگاہ مک الشعرا ہے اس نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا کہ گویا اسیکا ہو چاہئے کہ تباہی نایخوشنی توں قریح چون چنبر نگین کے باشد درزین بہمان شدہ یک نینہ ان جنہیں
چوپوشیدہ سبیر ہیں کہ ہر یک لبود پیدا بن داسن کیے احمد کیے اصفر کیے اخضر
ابلو نا اس کا ایک مشہور قطعہ ہے جس کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر دن نئی نہ

شبستان عیش میں ایک کنیز شراب سے مغمور نظر آئی، جسکے سرستے بدستی زین ڈپٹر گر گیا
نقما اور نظر فریب حالت پسیدا ہو گئی بعثتی، ہر دن نے پچھا اور تقاضا کیا، کنیز نے کہا "مکل"
دوسرے دن ہر دن نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا تو اس نے کہا "ع کلام اللیل بحود النہار
یعنی" رات گئی رات کی بات گئی" ہر دن نے دبار میں اکر شفرا کو بلا یا اور حکم دیا کہ سب
اس صرع پر صرع لگائیں الیواس نے برجستہ کہا،

و لكن زین السكر العقاد	و خудا اقبلت في القصر سكري
و غصنا فيه رمان صغار	وهذا لم يجع ارد افا ثقا لا
من التجليس واستغنى الا زاد	و قد سقط الاراد عن منكبيه
كلام الليل يسعاه النهار	فقلت الى عد سيد في فقات

نظام الملک محمود نے اسکا فارسی میں ترجمہ کیا،

از خرد و استغل گفتی که هست اد ہوشیار	ست آمد پیش مدن د کوشکان زیبانگار
وزیر چون عاج او، آنچشمته سین دنار	از سرین او نموده با دازن سرین دوبل
سجر شس از سرتاد و ست شد بند از اس	آستینش را اگر قم در کشید از دست من
گفت لش نشیدی، کلام اللیل بحود النہار	ل قم اے جان وعدہ دوشین خود را کن دقا

الرا الفتح لستی کا ایک مشہور قصیدہ ہے جبکا یہ مطلع ہے۔

زيادة المرء في دنيا لا نقصان	و ربجه غير محضر الخبر خسنان
بدر جابری نے پورے قصیدہ کا ترجمہ فارسی میں کیا اور تقاضیہ وہی رکھا مطلع ہے ہرگز	

ہر کا لیکر دنیا سست ہمہ نقصان سست سو دکان غش بکوئی بند خسراں سست
 اس پر دھن سوتھ بخ ہو گیا عنصری۔ سردی، کسامی، غضادی کے ان
 ہستہ سے مضاہین ہیں جو طعم عرب سے لئے ہیں لیکن چونکہ لوگوں کی نظر کام عرب پر
 نہیں ہے اس لئے اکسی نے سرقہ یا رسمہ نہیں خیال کیا، *تَبَعَ الصَّنَاعَةِ وَغَيْرَهُ مِنْ سِرْقَةِ*
 کی شاپلین کثرت سے نقل کرتے ہیں لیکن ان اشعار کا ذکر نہیں نہیں آتا، اس شعر کے
 سرقات میں سے ہم چند شاپلین نقل کرتے ہیں یہ لمحو نظر کہنا چاہئے کہ مضاہین شرعاً
 عرب کے مخصوص اور ممتاز مضاہین ہیں جن سے کوئی عربی دال ناداقت نہیں
 رہ سکتا۔ اس لئے تواریخ کا خیال صحیح نہیں ہو سکتا،
 ۱۔ البوواس کا شعر ہے،

لیس من اللہ مستنکر ان یجمع العالم فی واحد
 خدا کی قدرت سے کیا بیدے ہے کروہ تمام عالم کو ایک شخص میں کھپا دے،
 پھر دعوے اکیا ہے کہ مددوح کی ذات میں تمام دنیا کے اوصاف جمع ہیں، پھر اس کا
 اسکان اس طرح ثابت کیا ہے کہ خدا اگر تمام عالم کو ایک ذات واحد میں کھپا دے تو اسکی
 قدرت سے یہ بات خالص ہے،
 جب البوواس نے یہ شعر کہا تو تمام بیغد اور میں اسکا چرچا پھیل گیا یا نکل کر لوگوں
 نے البوواس سے اگر پوچھا کہ یہ مضمون بالکل اپنی ایجاد ہے یا کہیں سے اخذ کیا ہے؟
 البوواس نے اوصاف پرستی سے کہا کہ نہیں جریہ کے شعر سے ماخوذ ہے۔

عضری نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا،

گوش تو ان دیدن ہم جہا نستاد
برین سخن ہنر فضل و بس سنا گوا
کس از خدا می ندار عجب، اگر راد
متلبی قصیدہ میمیں لکھتا ہے
اذار آیت شیواب الیث بارذۃ

فلان قلن ان اللیث مبتسما
لین "سیری خندروی پریسے حر لینون کوٹھن نہیں ہونا چاہئے شیر دانت
نکالے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ نہیں رہا ہے"

اسدی طوسی نے گرشاپ نامہ میں اس مضمون سے یوں کام لیا،
نبایشہ از خندہ شہہ دیسر
خندہ است اندان نہودن شیر
۳۔ صاحب بن عباد کا مشہور شعر ہے،

فتشابھا فشا کل الاما
وق الزجاج و رقت الحنس
فا کان ما فتح و لا حس
لینی شراب اور جام شراب دلوں اسقدر لطیف ہیں کہ شبہ سے ہو گئے ہیں،
سلے دھوکا ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے جام نہیں ہے، یا یہ کہ صرف جام ہے شراب نہیں
کوئی مرزوی کا یہ قطعہ انہیں عربی اشعار کا ترجیح ہے،

قدح دبادہ ہر دواز صفوت،
ہچ ماہ دو ہفتہ دار داثر
بے قدح در ہوا شلگفت نگر

لیکن غفاری رازی نے اس مضمون کو زیادہ صفات اور زیادہ طفیل کر دیا ہے

بادہ بن دادواز لطافت گفت جام بدن دادلیک بادہ مدادہ ہے

م برسات میں جو کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں، عربی میں ان کو "ولاد نہ" کہتے ہیں، مشہور ہے کہ جب سہیل ستارہ نکلتا ہے تو یہ حشرات الارض نما ہو جاتے ہیں، تنبیہ نے اس سے یہ مضمون پیدا کیا،

اتنکرمی تھم فنا ناس سہیل طلعت بھوات اعا کالن ناء

یعنی میں سہیل ہوں اور میرے دشمن حشرات الارض ہیں جب میں نایاں ہو تو وہ فنا ہو گئے،

نظم امی نے بعد میں اس مضمون کو لے لیا چنانچہ قصیدہ فخریہ میں فرماتے ہیں،
ولد الزناست حاسد مغم آنک طالع من ولد الزنا کش آمدچہ ستارہ بیان

شاگرد کا اثر بیان پونچ کر یہ بتا دینا بھی ضروری ہو کہ کوئی عجم نے عرب کے آگے زانوی شاگردی اُستاد پر تکیا لیکن بیان تک ترقی کی کر خود عرب کو بھی ان سے استفادہ کرنا پڑتا،

چوتھی صدی کے آغاز میں جو فارسی شاعری کا اول شباب تھا، عربی شعر اکثر فارسی کی ضرب المثلین، مشہور جملے اور نادر مضامین، ترجمہ کی صورت میں ادا کرتے تھے اور بعض بعض عربی شعر اکا خاص یہ فن بن گیا تھا۔

ابالفضل سکری مردزی نے ایک مثنوی میں فارسی ضرب المثلین کا ترجمہ کیا

تیہہ الدہر میں اسکے بیت سے اشعار نقل کئے ہیں اور ترجمہ ہو کہ اکثر ضرب المشلين وہ ہیں
جو آج بھی مشہور ہیں، مثلاً

عربی	فارسی
الشمس بالتطييين لا تعطى	آناتاب برگل انودون نتوان
الليل جبلى ليس يدرى مايلد	شب ست آبستنى نبمچ زايد

تیہہ میں اس قسم کے متعدد اشعار نقل کر کے لکھا ہے،

”وَكَانَ مَوَالِعًا بِنَقْلِ الْأَمْثَالِ الْفَارسِيَّةِ إِلَى الْعَرَبِيَّةِ“

یعنی ابو الفضل، کوفارس ضرب المشلين کے ترجمہ کرنے کا چسکا تھا۔

پھر چند شعر نقل کئے ہیں جنہیں سے بعض ہم اصل فارسی کے ساتھ نقل کرتے ہیں،

عربی	فارسی
إذا وضعت على الناس الرتاب فضم	ناک از توده کلان بردار
من اعظم التل ان القمم منه يقع	
إذا ماء فوق عنديت طما	دآب از سرگذشت چریک نیزه چمکیدست

فقاپ قناآة والفت سعا اع

اسی زمانہ میں ایک اور شاعر ابو عبد اللہ ابیر دی تھا، اس نے ایک قصیدہ بن ایران کی ضرب المشلين کا ترجمہ کیا تیہہ میں اس قصیدہ کے چند شعر نقل کئے
لئے تیہہ الدہر مطبوعہ بیروت حصہ چارم صفحہ ۲۲۔ گلہ کتاب مذکور حصہ ہم صفحہ ۲۵،

ہیں جنہیں سے ایک یہ ہے،

و من عقق قددا و مشیدة قبحة

یہ دشل ہے جس کو نظامی نے یون نظم کر دیا ہے،

کلا غتگ بکب را گوش کرد تگ خلیشتن را فرماد کرد

معروفی سامانیوں کے زمانے کا شاعر تھا، اسکا ایک شعر ہے،

خون سپید بارم بر دور خان نزدم اُرے سپید باشد خون دل مُعَدّ

ابالحسن علی بن محمد بیہی نے بعد اینہ اس مضمون کو لیا چنانچہ کہتا ہے،

و کان دما فابیض منه احمر ارہ بنار التقبابی حین فاض مصعد

علامہ الشعلبی نے تیتہ الدہر میں جہاں یہ شعر قل کیا ہے، بالتصريح للہدیا یا کوئی مغمدن

معروفی کے ہاں یون بند روچکا ہے اور یہ فارسی شعر بھی نقل کر دیا ہے،

عرب کی اصلی شاعری اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہو، کچھ نے شاعری میں عرب کی جو تقليید

کی تقلید نہیں کی، کی وہ دراصل عرب کی اصلی شاعری نہ تھی عرب کی اصلی شاعری

اسلام سے بہت پہلے شروع ہو کر ہنوا اپنے کے زمانہ تک ختم ہو چکی تھی، اس کے بعد عربی

حکومت کا مرکز بغداد قرار پایا یہاں تک سے اسقدر اختلاط ہوا کہ عرب کا سار ادب میں بدلتا

لیا اور اسکے ساتھ انکی شاعری بھی سرے سے پر لگئی، «خیالات» طرز ادا، استعارات، تشبیہات

نویعت مضامین، قصائد اور غزل کا سر ما یہ خیر سب کا سب بدل گیا، عرب کی اصلی شاعری

لے تیتہ الدہر حصہ ۲ صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴۔ لیکن نسخہ مطبوعہ،

یہ تھی کہ پہاڑوں کی بلندی اچھوٹوں کی روائی، باڈلوں کی جھبڑی، لوڈوں کی لپٹ، سوموں کے جوئے اور نئوں کے ڈیل ڈول، گھوڑوں کی رفتار، سفر کی دشوارگز ادیان، گھروں کی ویرانی، مکانوں کے کھنڈر وغیرہ وغیرہ کا سماں دکھاتے تھے، قصائد میں پہلے مرح بالکل نہیں کہتے تھے، زہیر نے ابتداء کی، اور بنو امیہ کے زمانہ میں صرف مداحی ہی رہگئی، پہلے شعر اغا ص اپنے داقعات جنگ اشعار میں لکھتے تھے، اور انکی شاعری کا بڑا حصہ یہی ہوتا تھا، بنو امیہ سے لیکر اج تک پھر کسی شاعر نے کبھی اپنے داقعات نہیں لکھے اور نہ انکو کبھی کوئی معركہ پیش آیا۔

عجم کی شاعری نے انکھیں کھولیں تو عربی شاعری خود عجمی بن چکی تھی، صرف زبان کافر قہتا، اسلئے ایران کی شاعری نے بظاہر عرب کی تعلیید کی لیکن وحیقت وہ اپنی ہی تعلیید تھی، کیونکہ عربی شاعری کا تینیز عجم ہی کا اثر تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری ن نام اوصاف سے محروم ہوئی جو عرب کی اصل شاعری کا غاصہ تھا، مساوات، آزادی، زفع، بلند حوصلگی، بہادری، جنگ آزمائی، مہماں لوزازی، فیاضدلي کے معنا میں فارسی شاعری میں ڈھونڈنے ہنا چاہیں تو نہیں مل سکتے اور ملتے ہیں تو وہ خود شاعر کے ذاتی داقعات نہیں ہوتے، بلکہ وہ اور ورنکے داقعات بیان کرتا ہے، فخر اور ادعاء ایرانی شاعری میں بھی ہے، لیکن یہ ادعاء شاعری، بعضوں طرزی، امتیاز علمی پر محدود ہے، بخلاف اسکے عرب کا شاعر ایک فاتح، ایک سپہ سالار، ایک جنگ آزمائی کی حیثیت سے فخر کا اٹھتا کرتا ہے اور ذکچہ کرتا ہو، دہی کہتا ہے جو خود کرچکا ہے،

تمہم بعض بعض شعر اقلیہ ایہ انداز اختیار کرتے تھے، مثلاً عرب کا یہ خاص طرز تھا کہ قصیدہ کی پتھریں اس طرح شروع کرتے تھے کہ شاعر رہ نور دیور، راہ میں وہ مقام آگے ہے جہاں معشوق کچھ دلنوں رہا تھا اور وہاں اب کچھ لوٹے پھر نے آہنڈر باتی میں شاء یہاں پہنچ کر ساختیوں سے کہتا ہے "نور الہر جاؤ معشوق کی یاد گار پر دو آنسو بھالین" پھر گدشتہ آبادی اور موجودہ دیرانی کا مذکورہ کرتا ہے اور اس داستان کو خوب پہلہ ہواں انداز پر فارسی شاعروں نے بھی بعض بعض بعض قصیدے لکھے ہیں چنانچہ لامی کا قصیدہ ہے

پر ستم باب دعادر احوال از سوم دز طبلہ
ہست این دیاریار، اگر شایم فرد دارم جل

جائے ہمی میخم خراب، اندر میان او سحاب
در خاون مسجدی دمے اکل زکفت آن ہر فتنے
بانگ پلنگا یہ ہمی، فریادرنگ آید ہے
گوئی کجا رفت آن صنم کر بود در عالم عسلم
بر داز دلم صبر و خرد چون بانگت آن ناقزد
دیکھو چونکہ یہ خیالات، ملکی حالات کے خلاف ہیں، اسلئے بالکل ناماؤس اور انہی معلوم
ہوتے ہیں، ایران میں وعد در باب کو کون جانتا ہے؟ نا تم پر کون سفر کرتا ہو؟ تیم وہنل
سے کوئں واقف ہے؟ انقلاب حالت اور آبادی کے بعد دیرانی کا بیان کرنا ہو تو
دیرانی شاعری کے مطابق اسکا یہ انداز ہے۔

۱۔ عرب کے مشرقوں کے نام ہیں۔ ۲۔ دلنوں عرب کے مشرقوں کے نام ہیں۔

جاییکہ بوداں ولستان ایادوستان بولستان
شذارغ و کرگس رامکان شدموره داہی اٹلن
بر جائے چنگ نتائے فتنے او از زارع سفت فتن
بر جائے طل دجامنے اگور انہنا دستندہ

نظم حکومت کا اثر

ایشیا میں علم و فن صفت اور ہنر سب چیزیں سلطنت کی تابع ہوتی ہیں سلطنت
کا جو مذاق ہوتا ہے تمام چیزوں میں اثر کر جاتا ہے اسے اشعاری کی ترقی و ترقی و نویت
اور مذاق کی تحقیقات میں سب سے پہلے حکومت کے مذاق کا پتہ لگانا چاہئے،
اور پڑھ آئے ہو کہ ایران میں شاعری حکومت کی بدولت پیدا ہوئی "عام لوگوں
اور سلاطین اور امرا اکا خیال تھا کہ شرباقا لے نام کا سبجا بڑا ذریعہ ہو،

از ان چندیں نیسم جادوانی	کمانداز آل سماں دال سماں
شای رو دکی ماندہ است بر جا	لو ای پار بد ماندہ است ولستان

یعنی خدا نے سامانی بادشاہوں کو ہر طرح کے ناز و نعمت کے سامان دیے لیکن
ان میں سے صرف دو چیزوں یادگار رکھیں، رو دکی کے مدحیہ قصیدے اور پار بد کے
راگ اور گیت، نظامی عروضی فرماتے میں

بس اکا غاکہ محمد دشیں بن اکر د	نہودے بہت سے محل بنائے،
کہ از رفتہ ہمی با سامنہ ندا کر د	چلبندی میں چاند کے برابر تھے،
ڈینی زان ہمیکی خشت بر جا	ان میں سے ایک اینٹ بھی قائم نہیں یا

درج عنصری ماندہ است برجا صرف عنصری کی مدح باتی رکھی ہے،

اگرچہ یہ خیال بعض لغو ہے سعدی، فاقانی، تھیر فارسی ایلی، انوری اور ماہین مشہور ہیں لیکن ان کے مدد و میں کوکون جانتا ہے ہتاہم یہ خیال شعرا کی قدر دانی اور ترقی کا بڑا ذریعہ بن گیا، تمام بڑے بڑے مشہور سلاطین کے دربدون میں ملک الشعرا ای کا عہدہ قائم تھا جسکی بہت بڑی تخلصہ ہوتی تھی،

ملک الشعرا کے علاوہ اور بہت سے شعرا اور بار میں رہتے تھے جو حشیش وغیرہ کے موقعوں پر خصیدے پیش کرتے تھے اور بڑے بڑے صلے پاتے تھے،
بڑے بڑے شاہنشاہ شہر کو تخت پر اپنے برابر بٹھاتے تھے۔ سلجوقیوں کا سب سے بڑا امجد ار سخراج انوری سے اسکے گھر ملنے جاتا تھا، عباس صفوی نے شفافی کی تنظیم کے لئے عین کوکہہ سواری کے دقت گھوڑے سے اُتر جانا چاہا تھا، یہ تو ظاہری قدر اور تنظیم تھی بشرطی
پر زر و جواہر کی جو بارش ہوتی تھی، اسکی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب در کار ہے،
عنصری کو سلطان محمود نے اس رتبہ تک پہونچایا کہ چار سو زرین کمر غلام اسکے رکاب میں چلتے تھے اور جب سفر کرتا تھا تو اس کا ساز دسماں چار سو اونٹوں پر بار کیا جائے تھا، فاقانی
کہتا ہے،

شنیدم کہ از نعمت سرہ ز دیگان نز ساخت آلات خواں عنصری

جب سلطان محمود کا دلی عہد سلطنت یعنی سعو و خراسان سے غزنین آیا تو

لئے مجیع الفضائل درلت شاہ۔

اُز شمرا نے تہذیت کے قصائیں کے جسکے صلے میں ایک ایک شاعر کو میں بیس ہزار اور
عشرہ میں اور زندگی کو ۵۰-۵۰ ہزار درہم دلوالے ناصر الدین چنانی نے ایک قصیدہ پر
فرخی کو ۲۰ گھوڑے انعام میں دئے، غضار می رازی کو اپنے وطن میں سلطان جو خوا
کے دربار سے ہر قصیدہ پر ہزار اشتر فیلان مقرر تھیں اور جب دربار میں آیا اور ربانی
پیش کی تو اشرفیون کے دو توڑے انعام میں ملے چنانچہ خود کہتا ہے،

بلے دو بدرہ دنیا ریا فتم برقام حلال دیا کتر از شیر دایا اطفال

احمد شاہ بہمنی والی دکن نے جب ایوان امارت تعمیر کرایا تو آذری نے یہ قطعہ لکھا۔

جند اقصر شید کز فرط غلطت، آسمان پایا از سدہ این کاہ است

آسمان ہم نتوان گفت کر ترکل دست، قصر سلطان جہان احمد بمن شاست

ملاد شریعت الدین ماثندرانی جو شہر خوش نہیں تھا، اس نے اس قطعہ کو خوش خط لکھا

اور سنگ تراشون سے کندہ کرائے عمارت کے صدر دروازہ پر لگایا، سلطان احمد کی نظر

اس پر پڑی تو پوچھا کس کے شعر ہیں؟ شہزادہ علاء الدین نے آذری کا نام لیا اور لہا کم انکو

اپنے وطن جانے کی آزادی، سلطان نے اسی وقت ۲۰ ہزار روپیے منگو اکر آذری کے سامنے

رکھوائے آذری نے کہا لا تخل عطا یا کم الا سطا یا کم، سلطان نے ۲۰ ہزار روپیے اور دلوٹ

مولانا جمال الدین سلطان محمد تغلق کی مدرس میں قصیدہ لکھ کر لیکے مطلع تھا،

اہم تاجہان باشد نگہدا را این جہان بنا، محمد شاہ لائق ابن تغلق ابن سلطان را

سلہ مجھ الفصی اور دلت خاتا گا، حسراء نامہ،

مطلع پڑا تھا کہ سلطان نے روک دیا اور کہا میں باقی اشعار کے صلہ دینے سے عاجز ہوں
یہ کہکر اشرفیان منگولیں، اور حکم دیا کہ مولا نام کے قدم سے سرتک ڈھیر لگا دیا جائے، اشرفیان
سرتک پر بچین تو مولا ناکھرے ہو گئے اسلطان کو یہ ادائیت پسند آئی دوبارہ اشرفیان
منگو اکر حکم دیا کہ قدر ادم ڈھیر لگا دیا جائے،

امید رازی کو امیر گم کے دربار سے ہر قصیدہ پر ۳۰ تو ان ملئے تھے خاقانی شریعت
شاہ کاغذ الشعرا تھا اور ہر قصیدہ کا ہزار دینار علم و مورثہ امیر خسر دہلوی نے جب سپہر
لکھی تو قطب الدین (بن علاء الدین غلبی) نے ہاتھی کے برابر دی پیے توں کر دلو اٹھے،
چانپ خود نہ سپہر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، خانخانان نے حیالی گیلانی کو خدا نہیں
لیجا کر حکم دیا کہ جس قدر اشرفیان اپ کے اٹھائے اٹھ سکیں آپکی ہیں، دارا شکوه نے
اس شعر پر داشت مشہد می کو لا کر درپیے دلو اٹھے،

تاکہ اسر بزر کن اے ابر نیسان بہار قطہ تامے میتواند شد حیر اگو ہر شود
خانخانان نے جب سندھ فتح کیا اور وہاں کے حاکم مرزا جاتی کو گرفتار کر کے دربار
میں لا یا تو شکبی نے متنوی لکھی جسکا ایک شعر یہ ہے،

ہماۓ کہ برج رخ کر دے خرام گرفتی واکزاد کرد می زدام
خانخانان نے پندرہ ہزار درپیے انعام دے لطفہ یہ کہ مرزا جاتی نے بھی

۱۔ خزانہ عامرہ تذکرہ جمال الدین دہلوی، ۲۔ خزانہ عامرہ، ایک تو ان مسو کا ہوتا ہے، ۳۔ خزانہ
خزانہ عامرہ، ۴۔ خزانہ عامرہ -

ایک ہزار اشرفی دی اور شلکبی سے کما کہ تہار احسان ہو کر تم نے مجکو ہما کہا اور زن
اگر شفال کہتے تو میں تہار اکیا کر لیتا۔

شاد عباس ماضی نے شانی خلکلو کو اس شعر کے صد میں چاندی میں تلوادیا۔

اگر دشمن کشد ساغرد گر دست بہ طاق ابر دے مستاذ اوسست

هزرا صائب نے اصفہان سے نواب جعفر خان (وزیر عالمگیر) کو لکھ بھیجا تھا۔

دور دستان رہا بحسان یاد کردن ہم است در نہ ہر خلے بپا نے خود فرمی انگند

نواب موصوف نے پا پہزادار اشرفیان بھجوائیں،

جهان اور ابیم (دختر شاہ بہمان) ایک دن با غ کی سیر کو نکلی، با غ کے چاروں

طرف پر دہ کرادیا، صیدی طہرانی بالاخانہ سے چھپکر تاشاد کیوں رہا تھا، سواری سا منے

اک تو بسیاختہ یہ مطلع پڑھا۔

بر ق بر خ افگاندہ بردناز باغش تا نکہت گل بخیت آ کید بہ ما غش

با غ میں بر ق پنکڑ اس لئے جاتی ہے کہ پولوں کی خوشبو جپنکڑ دا غ میں آئے،

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو سامنے لائیں صیدی سامنے آیا تو یہ شر بار بار پڑھوایا اور حکم دیا

کہ پا پہزادار و سپہ دیکر اس کو شہر سے نکال لے۔

اکبر آنتاب پرستی کرتا تھا فاطمی کشیری نے اسپر یہ شعر لکھے،

قہست انگر کے درخواہ چہری عطا آمینہ با سکندر دیا اکبر آنتاب

لے غزانہ عامرہ۔ ۳۷ یہ داقہ نام تذکرہ میں با خلاف روایات منقول ہے۔

اوکر و اگر مشاهدہ حق دیا یعنی
این سیکنڈ مشاہدہ حق در آفتاب
اکبر نے بارہ ہزار روپے دلوائے،

ظہور می کو سانی نامہ کے صلی میں برہان نظام شاہے کی باتی نقدی اور
جنس سے لدے ہوئے انعام میں دے اس قسم کے ہزاروں دا تھات ہیں جن کی
تفصیل کیجاۓ تو عزیزی کا یہ طمعہ سننا پڑے گا،

بیاپ ملک تناعت کو در دستہ کشی زقصہ اکہ بہت فروشنے پستند

یرنیاضیان اصول سلطنت کے لحاظ سے جائز تھیں یا ناجائز اسکا فیصلہ شاعری
کی تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا، لیکن اس سے کون امکار کر سکتا ہے کہ کائنے شاعری کی
ترقی اور رسمت یہن اب حیات کا کام دیا تمام ملک میں شاعری کا مذاق بھیل گیا ہے
بڑے حکماء اور علماء علوم و فنون جھوڑ کر شاعر بن گئے، یہ نیاضیان ہنڑتھیں تو افخم سخن کو خیال اور
نظمی، تا خصر خسر و قیضی کھان سے احتراز ہے لیکن شاعری کی ترقی ہن نیاضی سے پڑھ کر
جس چیز نے کام کیا وہ سلطنتیں اور امرا کی قابلیت، اور نکتہ سمجھی تھی، اچکل تو امیر ہنڑا جاہل
اور سادہ لوح ہونے کے مراد فتنہ لیکن جب اسلام اسلام تھا تو دولت دنیا اور دولت علم
ہمانہ ساتھ پس کر کی تھیں، عبد اللہ بن المعتز دور اسلام کا سبب بڑا شاعر ہے لیکن وہ
بنہاد کے تختہ خلافت پر جلوہ افروزہ چکا ہو، ابو فراس حسکی نسبت الورمی کہتا ہو،

شاعری دانی کدامی قوم کردنہ آئندہ بود اول شان امراء القیس اخشنان بوفوس

لئے خزانہ امارہ تجیب ہے اور یہ اشعار فیضی کی طرف بھی منسوب ہیں،

ایک مشہور شاہی خاندان کا نمبر تھا،

بوعلی سیدنا جو سلانوں میں اس طوکا ہمسرا ناگیا ہے، وزارت کے عہدے پر امور
تھا، جعفر بر بکی کو تئے وزارت کے لباس میں دیکھا ہے لیکن فن بلا غلط کی پہلی کتاب
اُسی کے دست و قلم کی نہ نہون ہم محقق طوسی ہلاکو خان کا وزیر تھا،

سلطان اور امراء کی نکتہ سنجی اور قابلیت علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کا ہر قدم اُگے
بڑھتا گیا، یہ لوگ اچھی اچھی فرمائشیں کرتے تھے اور شاعری کے عمدہ عمدہ صرفت ڈھونڈنے کے
مکالے تھے، سماں یوں نے دقیقی سے شہناز کی بنیاد رکھوائی، سلطان محمود نے
شاہنامہ کی تحریک کروائی، نظامی نے مخزن اسرار بہرام شاہ کے اشارے سے لکھی منوجہ
شردانی جو سلطانین شرданیہ میں سب سے متاز تھا اس نے خواجه نظامی کو اپنے ہاتھ سے
خط الکھکر لیلی مجنون کی فرمائش کی،

سلطان غیاث الدین افسنقری نے نظامی سے ہفت پیکر لکھوائی۔

محتشم کاشی نے جب عباس صفوی کی درح میں قصیدہ لکھا تو اُسے کمال بھیجا کر میری
درح سے کیا فائدہ جلگو شدہ رسول کی شان میں کچھ لکھو تو دین دنیا دلوں احتکائیں محتشم
نے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ لکھا جسکی انسیت عام اتفاق ہے کہ فارسی شاعری
اسکی نظر سے خالی ہے، سلطان سنجھ کی لڑکی ماہ ملک نے جب انتقال کیا تو سنجھ کی نہایت
صد مدد ہوا، اسکا مرثیہ لکھو ناچا، دربار میں اگرچہ بڑے بڑے نامور شعراء تھے، لیکن وہ
جانشناختا کہ اس فن میں کسلو کمال ہے؟ عمر بخاری کو طلب کیا، وہ پیر فرقت ہو چکا تھا،

سندھر کی کوئی الہبی چوڑی نظم نہیں لکھ سکتا، مختصر قصیدہ لکھا جسکے دو شعر دلت شاہ
نے نقل کئے ہیں،

قابل سلاطین اور امراء موعود بوقت تقدیم ان رأیں ظاہر کرتے تھے جن سے شعر اپنے
کلام کی اصلاح کرتے تھے اور اسکو ترقی دیتے تھے،

یہ سلم مسلم ہے کہ اکبری دور میں شاعری نے جو نیا ولکش اسباب اختیار کیا اور
جسکے نتائج فیضی عربی نظری غیرہ کی سحر آفرینیاں ہیں، وہ حکیم البا فتح گیلانی کی نکتہ آموزی
تھی، ماڈر صحیحی میں ہے،

مستعد ان دو شعر بخان این زمان را اعتقاد آن سست کہ تازہ گولی کہ درین زمان
در میانہ شعر احسن سنت دشیخ فیضی دمواناً عربی شیرازی غیرہ باکن دوسری حروف
زدہ اند باشارہ و تعلیم الشان (حکیم البا فتح) بودہ (امان شر صحیح تذکرہ حکیم صادق)
ظفر خاں سوبہ دار شیر کی تقدیر دن سے مزا اصار کے کلام میں جس طرح ترقی
ہوئی اسکو فرد صاحب ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

تو بجان ز دخل بجا مضرع مردادی تو در فصاحت دادی خطاب سمجھا
ایک دفعہ خاقانی نے شردار شاہ کو یہ شعر لکھ بھیجا،

و شقے دہ کہ در برم گیسرد یاد شاتے کہ در بر شگر سرم

شردار شاہ نے کہلا بھیجا کہ "چرا ہر دو خواست" یعنی دو چیزوں میں سے ایک کیون
بانگی فاقاں نے ایک کمی کے بال و پر نوچ کر بھیجا کہ میں نے "بادشاہ" لکھا تھا کمی نے

ایک نقطہ دیکر با کوہا بنا دیا،

شاہ جہان نے ایک دن دربار میں کھالہ مجہلو سکندر پر دو اعتراض ہیں ایک

یہ کہ نوشابہ کے ہان خود قاصد بنکر کیوں گیا، دوسرے یہ کہ اپنے باپ کو مرغی کہا ہے

شد آن مرغ کو خایر نہیں بنا داد

بہانگی کے دربار میں کسی نے مولانا جامی کا یہ مصرع پڑھا ہے

پھر کیک گل زحمت صد خار میباشد کشید

بہانگی کو مصرع کی جستگی سے خیال ہوا کہ پوری غزل عمدہ ہو گی، دیوان نکلو اکر

دیکھا چونکہ صرف یہی مصرع غزل کی کائنات بھی اسیلے ترک میں لکھتا ہے،

”غیر ازان مصرع کو بطریق مثل زبان نہ روز گار شدہ دیگر کارے نساختہ“

بہانگی کے اس طرح میں خود جو مطلع کمادہ جامی کے مطلع سے بڑھا ہوا ہے،

ساغرے بردخ گلدازے باید کشید اب بسیار است مے بسیار می باید کشید

بابر شاہ سپاہیا ز حیثیت سے مشہور ہے، لیکن ترک میں اپنے زمانہ کے تمام شعرو

اذکر کیا ہے اور ہر ایک کی نسبت اسقدر صحیح فقاد ان رائیں ہی ہیں کہ کوئی ماہر فن اس سے

بھی تقدیم نہیں کر سکتا اسلام و فارسی کے ذکر میں لکھتا ہے ”صاحب دیوان بود شعر او بدنور“

عل شیر ع جامی کا مرتبی تھا اس کی تُرکی شاعری کی نسبت لکھتا ہے کہ آجتنک اسکا

لی انظیر نہیں ہوا لیکن فارسی کی نسبت لکھتا ہے ”دیوان فارسی ہم ترتیب کر دہ و در و فارسی“

ملص کر دے بعضی ایات او بدنیست، وے اکثر سحسست و فرو داند،

آصفی کی نسبت لکھتا ہو، «شعر اوزنگ و منی غالی نیست، اگرچہ از عشق و حال بی
بہرہ است» کامی کی نسبت لکھتا ہے، «اگرچہ بعضی ایسیات اور طورے واقع شدہ، اما
معنوں این شنوی و استخوان بندی اول بسیار کا وک و خراب است»

اسی طرح بنالی، سیفی، میر حسن، ممتازی، یوسف بیانی، آہی، محمد صالح سب کی نسبت
نہایت صحیح اور ماہراشر ایکن دی ہیں، اس سے تیاس کر سکتے ہو کہ ان سلاطین کے
دربار میں محفوظ سعی، سفارش نہیں اور خوشابد سے شاعر فرعی نہیں پاسکتا ہے بلکہ کامل
العن ہونا ضروری ہتا، ان باقون کے ساتھ امرا اور سلاطین اکثر خود موزوں طبع اور
شاعر ہوتے تھے تفریج طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ توصیب کرتے تھے لیکن متعدد سلاطین اور اکثر
امر اون سخن میں کمال رکھتے تھے،

آتشکدہ آذر میں پلابا ب الحفین سلاطین اور امراء کے حال میں ہجو شاعر تھے البا۔
الالبا ب کی پہلی جلد کا بڑا حصہ انہیں کے حالات میں ہے، بابر شاہ شجاع، خان غانمان،
ابوالمنظفر چنانی، سام مرزا، سہیلی چفتانی، امیر قابوس، غالی درجے کے خوش مقاص اور سخن گو
لتھے ان کے کلام میں ایک خاص ادا ہے جو عام لوگوں کو لفظیں نہیں ہو سکتی، اشتاہ
سجاع کا یہ فخر دیکھو،

زانہ گفتہ ام لے روزگار بجا صل کمن زهر تو وکین تو نرام باک
اے زمانہ میں نے تجھ سے کہ نہیں دیا کہ مخلوک تیری محبت اور عدادت کی کچھ پردا نہیں
بچھو در در خشک خود چمی نائزی تو می وقطرہ از آب شور و مشتی غال

تو اپنے بھر در پر کیا ناز کرتا ہے تو ہے اور اب شور کا ایک قطرہ اور مٹھی بھر خاک،
 شاہ شجاع اور اسکے بھائی محمود مین سلطنت کے لے جنگ رہتی تھی اتفاق یہ کہ
 محمود اپنی موت سے مر گیا شجاع نے رباعی لکھی،
 محمود برادر م شہ شیر کیں میکر دخسو مت از پلے آج نگین
 میرا بھائی محمود بھروسے تخت کے لے اڑتا تھا
 کردیم دو خش تابیا ساید ملک او زیر زمین گرفت دم رومنی مین
 مین نے ملک کے دھنسے کردے کہ جھکلا راجھا اسے زمین کے بیچے کا حصہ لیا، اور مین اپنے کا
 خانہ مان کے ایک مشاعرہ کی غزل تیسرے حصہ میں درج ہو چکی ہے، یہ شعر
 بھی اُنسی کا ہے۔
 بحروم عشق تو ام میکشند و غوغائیست تو نیز بر سر یام اگر خوش تماشا یمیست
 سا هم هرزا کا یہ مطلع یا در کھنے کے قابل ہے
 ماحصل عمر شارہ یارے کرم شادم از زندگی خوشنیش کو کارے کرم
 وزیر احمد کے اس قطعہ کا جواب انہیں ہو سکتا،
 این جوانی مر انگر کر چہ گفت گفت اے پیر من چہ فرمائی
 گفتمن رفسم و توز دوائی گفت اے دوست ساعتی سلشیں
 پہ شراب و کباب ورنگ خفتاب بازناید گذشتہ بر نالی
 خواجہ رشید کے پاس کسی نے نرگس اور گلاب کے گلدنستے بھیجے، خواجہ موصوف نے بھرستہ کہا،

شانگلے چند زرگس رعن
گلے چند تازہ پیدہ

اکن ہمسہ دیدیا سے بی جپڑہ
وین ہمہ چھر بائے بی دیدہ

بات میں بات پیدا ہوئی گئی اور سلسلہ سخن دراز ہو گیا، ماحصل یہ ہے کہ ایران میں شاعری سلاطین اور امراء کی بدولت انہوں میں آئی اور سلاطین اور امراء اکثر نکتہ سنج اور موزوں طبع تھے اس لئے اس نے بہت ترقی کی،

قد دالی کے اور اسباب مذاہجی اور شناگستری کے علاوہ اور بھی اسباب تھے جنکی وجہ سے شاعری کی قدر ہوتی تھی، سلاطین اور امراء بدیہیہ گوئی کے بڑے شائق تھے، اس ضرورت سے اکثر شعر ابديہ گوئی کی مشق کرتے تھے نظامی عروضی چار مقالہ میں لکھتے ہیں،
اما باید دلست کہ بدبیہ لفظ نہ کتن رکن اعلیٰ سنت در شاعری، وہ شاعر فرنگیہ است کہ طبع خوبیش، ابیر یا غشت بدان درجہ رساند کہ در بدبیہ معانی انگریز کلمہ سیم از خزینہ بہ بدبیہ بیرون آیدا، و با دشاد راحسب حال ہ طبع آورد، و شعر ابھر چیزیں فتنہ دار صلات معظم بدبیہ یا فنقد،

نظامی نے اسکے بعد بدبیہ گوئی کے چند واقعات لکھے ہیں جو میں بدبیہ گوئی کی بدولت شعر اکو بڑے بڑے نام اٹے، اکثر شعر ابديہ گوئی کی مشق کرتے تھے قطبہ الدین نے امیر علی شیر کے دربار میں امیر حسر و کی، غزلوں کا جواب ایک جلسہ میں لکھا کر مشیش کیا، ان غزلوں کا نام ارجمند نہ امیر علی شیر نے فرمائی، بلکہ دینا چاہا لیکن شاعر نے نکار کیا،

لئے تذکرہ مقرر ان الغرائب،

حاجی رفیع نے نظری کے پورے دیوان کا جواب آٹھ دن میں لکھا۔
 حیدری تبریزی نے الگر کی درج میں تحسیدہ لکھا لیکن میشیر نہ کر سکا، مجبوراً یہ قطعہ لکھ کر
 درباریوں کے ذریعہ سے حضور میں بھجوایا۔

لفظ تحسیدہ کا پسندیدہ ہے کہ دید زان شاخ گل بپائی لم خانم ظاہد کو غیب این ترا نا گوش دلم رسید حافظاً وظیفہ تو دعا گفتہ سست بر	در درج بادشاہ سخن سخ ملکہ ہند اما چوروز گار مددگار من نہ بود بود مذاب دیدہ تر غرق بحر غم در بنده میان مباشک نشید یا شنید
---	---

الگر نے حکم دیا کہ دس ہزار روپے اور خلعت عطا کیا جائے لیکن حکم کی تعمیل میں حسب
 معمول دیدہ ہوئی حیدری نے یہ قطعہ گذرانا اور فوراً تعمیل حکم ہوئی۔

مشکلے دارم شہا اخواہم کنم پیش تو عرض زانکہ زین مشکل مرصد دار حشر بر دلست	اے بادشاہ! مکلا یک مشکل پیش آئی ہے جسکو آپ کی خدمت میں پیش کرنا ہے، یہم وزر انعام کردی یا کساز مفازن مرا
---	---

آپ نے جلو سیم وزر عطا کیا لیکن خزانی سے لینا بھی مشکل ہے اور نہ لینا بھی مشکل:
 سلطان ملکش نے ایک دفعہ ناراض ہو کر حکم دیا کہ لفڑہ الدین کا سر کاٹ کر
 لامیں اُسنے رباعی لکھ کر بھجدی جس کا دوسرا شعر یہ ہے،

سرخو استہ بدرست کس نتوانی اد یہی ایم دبر گردن خود می ارم	می ایم دبر گردن خود می ارم
---	----------------------------

یعنی آپ نے سر ماگا تھا، یہ اور کسی کے انتہی بھیجنے کی چیز نہیں اسلئے آپ لا تاہون

اور اپنی گردن پر کھکڑاتا ہوں، با دشاد نے معاف کر دیا،

شیخ سعید فرشی ایک دفعہ عید کے دن شہزادہ مراد کے دربار میں گئے اتفاق
سے تمنیت کا خیال نہیں رہا تھا، شہزادہ نے کہا کچھ لکھ کر نہیں لائے؟ شیخ نے سادہ
کاغذ چیب سے نکال کر پڑھنا شروع کیا،

چارہ خوشیت بنے خشک لبان زد کنید	روز عید است لب خشک می آلو دکنید
زود باشید بکفت جام زر اندر دکنید	دیر گاہست کم از دیر سنان دوزیسم
گوش بزم زمہ اچنگ دلے دعو دکنید	حرف نبے صرف اد اعظم تو ان کرد گوش
ہست بہبود شابندگی شاہ مراد	بہتر آنسست کم اندازی شاہ بہبود کنید
غزل پڑھو چکے تو شاہزادہ نے غزل طلب کی، شیخ نے دہی سادہ کاغذ حوالہ کیا اور کیا تو بالکل سادہ تھا،	

ایک اور بہت بڑی غرض شاعر سے یہ متعلق ہوتی تھی کہ جب حریف سلاطین
اپس میں نامہ پیاسا م کر رہے تھے تو تھید اور مفاخرت شمر کے ذریعہ سے کرتے تھے کہ شرعاً
اثر زیارہ ہوتا تھا، اس موقع پر شعراء سے کام لیتے تھے، اور اسکے سلسلے میں النامات ملے
تھے سلاطین اپنے حریف کے مقابلہ میں ہجان اور جیزدگان کی بنابر مفاخرت کرتے تھے
دربار کا شاعر بھی اسباب فخر میں شمار ہوتا تھا، اس بنابر کسی دربار میں جب کوئی مشہور
شاعر پیش جاتا تھا تو حریف بھی اسی درجہ کا شاعر ڈھونڈ کر پیدا کرتا تھا اور اسکو بڑا تھا
چڑھتا تھا، خلیفہ فاریابی جب تزلیل ارسلان سے ناراض ہو کر انابک کے پاس جلا گیا

توفیل اسلام نے ظہیر کے توڑ پر مجر الدین سلیمانی کو بڑا یادچنانچہ ہر مفتک خواب اور اطلس کا خلعت غایت کرتا تھا،

شعراء سے واقعہ نگاری کا بھی کام لیا جاتا تھا، سلاطین کے ہان شاہی تاریخ لکھنے کا بھی دستور تھا لینی خود بادشاہ کے حکم سے اور بادشاہ کے زیر نگرانی سلطنت کے تنا فتوحات اور واقعات لکھنے جاتے تھے شلاش شاہ جہان نامہ اور اقبال نامہ وغیرہ اس قسم کی تاریخیں شعراء سے نظم میں لکھوائی جاتی تھیں اور انکو شاہنامہ کہتے تھے یا کبھی خود اسکے نام موسوم کرتے تھے، شلاش تلقی نے تیمور کے حال میں تیمور نامہ لکھا قاسمی گونا بادی نے عباس صفوی کے واقعات نظم کے، کلیم نے شاہ جہان نامہ لکھا، اذر می نے ہمیں یون کے حالات تلبینہ کئے جو ہمیں نامہ کے نام سے مشہور ہی، وہ ناتامہ رکھیا تھا، نظری اور سامنی نے پورا کیا، فیضی نے اکبر نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور کچھ لکھا بھی لیکن پورا نہ ہو سکا، حضرت امیر خرد نے تلقن نامہ لکھا تھا، جہانگیر کو یہ کتاب بہت پسند تھی لیکن اسکی ایک داستان گم ہو گئی تھی^{۱۹} میں حکم دیا کہ دربار کے شرعاً گم شدہ داستان کو نظم کر کے پیش کریں، سب سے نکر کی لیکن حیات کاشی کی نظم ہبھا نگیر کو سب سے زیادہ پسند آئی، اسکے صاحبین چنانیلے نے اشرفیوں میں تلوایا، سعیداے گیلانی نے اس واقعہ کو نظم کیا،

پول حیاتی را بزر سجید شاہنشاہ عصر بادشاہ عدل گستر شاہ گردون اقتدار

بہر تاریخیں بربادے کفہ میزان چرخ «شاعر سجیدہ شاہی»، رقم زور و زگار

لے تذکرہ دولت شاہ تذکرہ ظہیر فاریابی ۳۷ خداوند عاصمہ ذکر حیات کاشی،

باینہمہ قدر دانی درباروں میں بڑی شکل سے رسائی ہوتی تھی، برسرِ ایمید و ایک
اور دربار والوں کی خوشامدگری نے پڑتی تھی امیر عزیزی سنجرا کا ملک الشعرا تھا اور اس رتبہ پر
پہنچا تھا کہ سنجرا نے حکم دیا تھا کہ اسکا القب میر لقب پر کھا جائے، سنجرا کا القب معز الدین
والدین تھا اس بنابر اسکا تخلص عزیزی تراپا یا ایونہ جس طریقہ سے وہ دربار میں پہنچا
ہوا اس سے اندازہ ہو گا کہ قصیدہ گولیوں کو دربار تک پہنچنے میں کم طرح عمر بن جحبلیٰ پڑتی
مُقْدَسِيْن عزیزی کا خوبیاں ہو کر سیرے والد کا نام امیر الشعرا برہانِ تھامک شاہ کی حکومت
کا آغاز تھا کہ والد نے وفات پائی، مرنے سے پہلے مجکو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا
تھا جسکی بنابر اکار در زینہ اور منصب در افہم مجکو ملا، لیکن پورے سال بھر گزرے نے پر بھی
ایک حصہ وصول نہیں ہوا میں مفردش ہو گیا، روزے آئے تو زین علاءِ الدولہ کے پاس
گیا، وہ سلطان سنجرا کا زادا سخن فهم اور قدر دان تھا، میں نے اُس سے اپنی حالت بیان
کی، علاءِ الدولہ نے کہا ہاں تھہارے سماں میں بے پرواں ہوں گے لیکن اب نہوں گی
آج بادشاہِ رمضان کا چاندِ یکھنے کیلئے تکلیف کا تم بھی موجود رہنا، خدا کو لی سامان پیدا
کر دیگا، یہ کہکشانِ شرمنیان دلوں میں کریرِ رمضان کا خرچ ہے، شام کے قریب میں بارگاہ
سلطانی کے قریب پہنچا تو امیر علاءِ الدولہ پہنچ سے موجود تھا مجکو دیکھ کر بادشاہ کے پاس
گیا میں بھی ساتھ ملے سلطان سنجرا تھے، میں کمان لئے ہوئے چاندِ یکھنے کیلئے باہر کلا، الفاق
یہ کہ سب پہنچ اُسی نے چاندِ دیکھا اور خوشی سے اچھل پڑا، علاءِ الدولہ نے سیری طرف
دیکھا کہ مو رقع کے مناسب کہکچے سناؤ میں نے برجستہ پڑھا،

اسی ماہ چو ابر و ان یاری گولی
 نے ہجوم کمان شہر سیریاری گولی
 اے چاہدہ تو بردے معشوق ہے
 نہیں بلکہ بادشاہ کی کمان ہے
 نہیں بروش سپہر گوشہ شواری گولی
 نہیں زدہ از زیر عیارے گولی
 یا گالص سونے کی نسل ہے
 یا آسمان کے کان کا بالا ہے
 بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کہا کہ اصل بیل میں جا کر جو گھوڑا اپنداۓ لے لو امیر
 علاء الدولہ نے ایک گھوڑا اتحاب کیا جسکی قیمت تین سوا شر فیان تھیں
 نظامی عرضی کا بیان ہے کہ میں شاہزادہ میں ہرات سے سنجھ کے دربار میں
 گیا تو نہایت شکستہ حال تھا ملک الشہر، امیر معزی سے ملا، اور اپنی پریشان حالی
 بیان کی، اُس نے سیرا اتحان لیا اور مختلف مضامین کے اشعار پڑھو اکر سننے پھر کہا کہ
 تمنے اس فن میں بڑی محنت اٹھائی ہے یہ ضائع نہ جائیگی لیکن جلد میں نکرو، مددوں
 میں کام بنتا ہے پھر اپنا واقعہ (نمکوڑہ بالا) بیان کیا،
 خلیفہ فاریابی نے متعدد قصیدہ دن میں شکایت کی ہے کہ مدتوں سے ڈیوبھی
 پر پڑا ہوں کوئی خبر نہیں ہوتا اور دربار میں نہیں پہنچتا، ایک قصیدہ میں کہتا ہو،
 درین سہ سال کم از درگم تو بودم درو بیچ صنعت و شاختم کسی نہاد رام
 ایک اور قصیدہ میں کہتا ہے کہ سال بھر ہو گیا کوئی خبر نہیں ہوتا، بس اب اتنی
 اجازت دیجئے اک قصیدہ ستا کر چلا جاؤں،
 ۱۔ چہار مقال مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۶

ن شستہ منتظر انکفر مختے یا بم اگر بسیع مبارک رسامم دریم

در بار مین پوچھ جائے اور تقصیدہ پیش کرنے پر صد اور انعام کام مرحلہ پیش آتا تھا اور توہ توں میں حکم صادر ہوتا تھا اور ہوا تو تمیل میں اس قدر دیر ہوتی تھی کہ بیچارے مغلس شاعر کی جان پر بجا تھی، تھیرِ الوری سلطان کے دیوان ان شکایتوں سے سرتاپا بربر ہیں، بالآخر شعر کوی صیتیں جعلیے جعلیے احساس ہوا کہ ماہی اور طلبی نہایت بُرا طریقہ ہی، اور شاعر می اگر اسی کا نام ہے تو نہایت بیکار چیزیں اشیرالدین اور مالی نے ایک بُرا تقصیدہ لکھا،

یارب این قاعدہ اشعر بگتی کہ نہاد کہ چو جمع شعر اخیر دو گیتیش مباد
ای خدا! شعر کا دستور دنیا میں کئے خلا خداد دین و دنیا میں کہیں اسکا بہزاد کرے
ای بیاد بہچہاں بہتر ازین کار نہیست ہاں دہاں تانکنی تکیہ بین لی بنیاد

رجھائی جان! اس سے برادنیا میں کوئی کام نہیں، خبردار اس پر کبھی بھروسہ نہ کرنا
خود از انکس چہ بکا ہر کہ تو گوشیں بخیل یارب انکس چہ فرازید کہ تو اشکوئی راد
کسی کو اگر قم بخیل کہد و گے تو اس کا کیا بل جو بیگا اور اسکو فیاض کہد و گے تو اسکی کیا ترقی بھی
کاغذ می پکنی از حشو و فرستی مکبے لبس برجی کہ مر اکاغذ زر افرستا د
ایک کاغذ لغوبیات سے بھر کر کسی کے پاس بھیجی اور پھر شکایت کرتے ہو کہ جگہ نہ کیوں نہیں
آن نہ خود حجت شرعی نہ خط ایوانی پس ازان خط بتو حیر لیش چرا باید دا د
وہ کاغذ نہ کوئی انتہی خسادیز ہے اور سکاری تحریر بھروہ تکوا سکی وجہ سے کوئی پیڑ کیوں دیتا

دین چہڑا نہ است و گر بارہ کے بیات میچ گر بود ہفت، فرستی تباخا ہفتاد
 اور یہ کیا ہبودہ پن ہے کہ دھ کے سات شمرتے تو تقاضا کے ستر شر لکھ کر بھیجتے ہو
 پس بدین ہم نشوی قالع و ذپیازی لبسوی خانہ احمد در حچوتیر نے کشاد
 پھر اسپر بھی قناعت نہیں کرتے اور قصیدہ کے پیچے خود درز سے جائے ہو نہیں تیر جاتا ہو
 ہچو آئی سنه نہی بدر او پیشانی اذ تو او شرم کند ہچو عروس از داد
 آئینہ کی طرح اسکے روزاہ پر پیشانی رکھتے ہو اور وہ تم سے اس طرح شرما تا ہج بطرح شوہزادہن
 اپنے مقصود شعرت چو گلتی نہیست شاعر انرا ہم زین کا خدا الوہ داد
 جو شر کا مقصد ہے جب وہ حاصل نہیں ہوتا تو خدا تام شاعر دن کو توہر کی توفیق دے
 ظہیر فاریابی نے شاعری کی ناقرداں کا مرثیہ اس سرو و گذار سے لکھا اک بچہ کا دل پانی ہوتا ہے
 مزادست ہنر ہای خوشنی فریاد کہ ہر کی بدر گر گونہ دار و م ناشاد
 میں اپنے سہروں سے نالان ہوں کہ ہر ہنر نئی نئی طرح سے جوستا ہے
 بزر گرزہ نہ سر در زمانہ علی نہیست ز من بپرس کہ این عیب بر تھوڑن افقار
 ہنر سے بڑھ کر دنیا میں کوئی عیب نہیں، مجھ سے پوچھو کر عیب کیوں کریں یہی تھت میں ہے
 میلنہ پایہ من شاعری سست خود بنگر کہ چند بارز دستش کشیدہ ام بیدار
 شاعری میرا دلے اکمال ہے، خیال کرو کئی دفعہ اسکی بدولت میں خاصیت جیلی ہے
 اُی لقب نہم آش فتنہ زنگی راحور کی خطاب کنم مست سفلہ اگر اراد
 میں کبھی ایک جنسی کو خور بناتا ہوں کبھی ایک کیسہ نہ کو نیاض کتا ہوں

رجسٹر شعر غزل پر میرست و انہمیت بصنعتی کہ تو ان ساختن برداشت
 شعر کے اقسام میں سے غزل اچھی جیز ہے لیکن وہ بھی کوئی ایسی چیز نہیں کہ ان پر کوئی بنیاد قائم کیجا
 مرداز اپنے کہ شیرین بی سست در کشیر مرداز اپنے کہ نوشین بی سست در دوش
 مخلوق اس سے کیا فائدہ کہ شیرین میں کوئی مشتوق ہو، یا نشاد میں کوئی اشیرین اب ہو
 اگلی کہ بشکرداو شعر حاصل شنس نیت کہ بندہ خواہم خود راوسرو را، آزاد
 شعر کا کوئی نتیجہ ہے تو یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو غلام اہتا ہوں اور سرد کو آزاد
 درین زمانہ چرفرا یا درس نہی یا بجم مرار سد کہ رسانم برآسمان فریاد
 چونکہ اس دنیا میں کوئی فریاد درس نہیں ملتا تو مخلوق ہے کہ میں آسمان تک فریاد بینچا اُن
 انوری نے شاعری اور شعر کے بے صرف ہونے پر کچھ لکھا ہے پہلے حصہ میں گذر چکا ہے
 ان سب لوگوں نے شاعری کی براہی کی وجہ پر بیان کی ہے کہ اس سے کوئی مالی نفع
 نہیں ہوتا، افسوس انکو معلوم نہ تھا کہ شاعری اُسی چیز کا نام ہے جسکو صلد اور انعام سے تعلق
 نہیں ہے ایک آگ ہے جو خود مشتعل ہوتی ہے ایک چشمہ ہے جو خود ابلتا ہے ایک برق
 ہے جو خود کو نہیں ہے، صلد و انعام، داد و داش تحسین و افرين سے اس کو کوئی تعلق نہیں
 اس ناکامی پر بدحیہ شاعری سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہئے تھا، لیکن
 سفل طبعی نے بجائے اسکے ایک اور بدتر طریقہ پیدا کیا یعنی جب انعام نہیں ملتا تھا تو
 پہلے شعر کے ذریعہ سے تقاضا کرتے تھے، اس پر بھی انعام نہ ملا تو تجوہ کہتے تھے چنانچہ انوری
 اپنے نمودج سے کہتا ہے،

سہ بیت، رسم بود شاعر ان طاری را
 کی مریج دو مقطعر تھا خاصاً لی
 اگر بداد، سوم شکر و نہ داد، بجا
 ازان دو بیت بگفت، دگرچہ فرمائی
 یعنی شاعر دن کا قاعدہ ہے کہ تین نظمیں کہتے ہیں، پہلے مدح، پھر تقاضا، اب اگر
 سلسلگیا تو شکر و نہ ہجو، ان تین نظموں میں سے دو تو میں کہہ چکا (یعنی مدح اور تقاضا)
 سیری کی نسبت فرمائیے کیا ارشاد ہے؟
 کمال اعمیل، ہجو کو کامیابی کا الگ قرار دیتا ہے، چنانچہ کہتا ہے،
 ہر آن شاعری کو بنا شد ہجا گو چو شیریست چنگال دندان نداز
 جو شاعر جو نہ کہ سکتا ہو، ایک شیر ہے جسکے دانت اور پنجہن سین ہیں،
 اول اول ہجوج شوئی اور ظرفیت تک محدود تھی مثلاً ایک شاعر ایک حکم کی ہجو میں
 کہتا ہے کہ ملک الموت خدا کے پاس گئے، کہ میں ایک شخص کی جان تعین کرتا ہوں تو
 حکم صاحب دس اوسیوں کا فیصلہ کرتے ہیں، اسلئے،
 یا مراعzel کن ازین ندت یا در حسد متی دگرف را
 لیکن دفتر نفہ یہ لے اس قدر بڑھی کنجاشی اور بزرگی اتنک پھوپھ لگی اور اسوس
 یہ ہے کہ ایزان کے بہت سے نامور شعر اسی فن کی بدولت نامور ہیں انہوںی اور
 سوچنی کی شاعری کا اصلی زور یہیں نظر آتا ہے،
 شاعری جب شروع ہوئی تو اچھے اچھے غاندراوزن اور دہات اور قصبات کے
 لوگ جو عموماً پاکیزہ اخلاقی اور سادہ مزاج ہوتے ہیں، اس کا ممکن مصروف ہونے

صلہ کی توقع سے جب شاعری کا مذاق عام ہو گیا تو ہم طبقہ اور ہمدرد جس کے لوگ اسمیں شامل ہو گئے انہیں کینہ خانہ انون کے لوگ بھی تھے، انکو حب النام صلیہ نہیں ملتا تھا تو انکی زبان کہتی تھی اور چونکہ شرافت کا جو ہر زن تھا اس لئے اخنو سے جو کلتا تھا اگالیاں ہوتی تھیں انہیں الوری سوزنی، خاقانی، اسی قسم کے لوگ تھے، اور اسی وجہ سے انکو فحاشی میں کمال تھا، خاقانی کا باپ بڑھی تھا، سوزنی کی نسبت لوگوں کا بیان ہوا کہ اسکا عشق ایک درزی بچتا تھا اس لئے اس نے یہ تخلص رکھا، سیکن چار اخیاں ہو کر وہ خود درزی بچیے ہو گا، اگرچہ ایران میں کسی پیشہ کے اختیار کرنے سے ذات نہیں بدلتی جیسا ہمارے ہندستان میں رواج ہوتا ہم اولی سوسائٹی کا اثر ضرور اخلاق پر پڑتا ہوا اور اگر یہ مطلق ذات کی بات ہنری تو ابوالعلاء خاقانی کی یہ جو میں یہ کہتا ہے،

در گر سپر پو دن است لشرون
بہ خاقانیست من اقبی بر بنا دم

ہجو کا مذاق رفتہ رفتہ اسقد بڑا کہ جہاں کسی سے رخش ہو لی ہجو شروع ہو گئی ادیں سے گزر کر جانور دن تک کی ہجوں لکھتے تھے، پانچوں اوچھی صدی میں چونکہ ملکی تہران خراب ہو گیا تھا اس لئے زبان میں فخش الفاظ آپلے تھے، ہجو لے اسکو اور ترقی دی ایہا نہ کہ ملک کی عاصمہ بان خراب ہو گئی، اب ہندب سے ہندب حضرات بھی شاعری فخش سے نہیں بچا سکتے، گلستان کا باس پنجہم اور ششمی مولانا روم کی بعض بعض ٹکلیتیں اسی حالت کے نتائج ہیں، یہ حالت اسوقت تک قائم رہی جب تک صوفیانہ شاعری نے ملک پر پورا قبضہ نہیں کر لیا، ساتویں صدی میں القوف کا مذاق عام ہوا اور نادی

انگی، اوحدی کر مانی، مغربی حضرت امیر خسرو وغیرہ کی بدولت یہ نگ تام ملک پر چھا گیا،
سوقت زبان اور خیالات صاف شالستہ اور مہذب ہو گئے،

مرا کے باہمی رشک و حسد ایک عام خاصہ ہو شعر ابھی اس سے بری نہیں ہو سکے
مرد کے لئے جب کوئی شاعر کسی دربار میں زیادہ کامیاب ہو جاتا تھا تو اور شعر اور رشک ہوتا تھا، یہ رشک اشعار میں ظاہر ہوتا تھا اور اس طرح شاعرانہ سفر کر اور ایمان
برد ع ہو جاتی تھیں، عنصری سلطان محمود کے دربار کاملک الشعرا اور تمام شاعر و نکا
شر تھا تاہم انی بات پر کہ غضاری رازی کے دو شعر پر محمود غزلوی نے دو تورے
لواز میں غضاری نے غضاری کے قصیدہ کار دلکھا، غضاری نے قصیدہ ہی میں
دلار دلکھا، ان قصیدوں میں اس تفصیل سے اعتراض و جواب ہیں کہ گویا علمی سائنس
قدسی کا ایک قصیدہ ہے،

الم از جلوه احسن تو جنان نگ فضاست کہ پسند از سر آتش نتواند بر خاست
شیدا نے اس قصیدہ کے ایک ایک شعر کار دلکھا اور اسی بھرا درقا نیہ میں لکھا، منیر
ہوری نے محالکہ کیا اور وہ بھی انہی قافیوں میں ہے، نظیری نیشاپوری نے عرفی
کے اس قصیدہ پر،

بیا کہ پا دلم آن میکن در پر لیشانی

اعتراضات کئے ہیں اور قصیدہ ہی میں اعتراضات کواد کیا ہی، اکثر یہ باہمی
تمام شاعری کی ترقی کا سبب ہوتی تھی، ایک شاعر کو لی نظم زد رکی لکھتا تھا تو

حریت شعر اقصیدہ و کاجو اب لکھتے تھے اور نہ زیاد و زور طبیعت صرف کرتے تھے، اکثر مشکل
مشکل طعون میں اس غرض سے قصیدے لکھتے تھے کہ حریت سے جواب بن نہ آئے
ٹہیف فاریابی نے ایک قصیدہ لکھا ہے جسکی روایت گوہر ہے اسیں کہتا ہے،

درین دیارِ سی شاعران پر سہر نہ	کہ نورِ نظر استشان دم بکان گوہر
قصیدہ کہ بدر ح تو گفت بندہ چوزر	روایت ساختش ایہ راستجان گوہر

جُر کتاب، یا جو قصائد اور جو غزلیں زیادہ مقبول اور مشہور ہو جاتی تھیں شعر اعموناً
ان کا جواب لکھتے تھے اور زور طبع دکھاتے تھے، شیخ سعدی جیسے بزرگ بھی اس دلوام
سے نفع نہ سکے، کسی نے کہا ہے یا تھا کہ وہ روزِ عینِ نظامی کی برابری نہیں کر سکتے، اسپر
بوستان میں ایک رزمیہ لکھ کر شامل کیا حالانکہ بوستان کو رزم سے کسی قسم کا لگاؤ نہ ہتا،
ٹہیف فاریابی کے جو قدرِ ممتاز اور مشہور قصیدے ہیں، متاخرین شعراً نے سب کا

جواب لکھا اور بہت کچھ زور طبع صرف کیا، ٹہیف کا یہ قصیدہ ۶
ذکرِ لب توطم شکر در دہان درہ

نہایت زور کا قصیدہ ہے کمالِ اسمبل نے اس کا جواب لکھا اور اخیر میں کہتے ہیں،
روحِ ٹہیف لگ شنو دا ان قصیدہ ۶
صد بار بیش بوسہ مراد دہان درہ
محاصر شعر ا کی معز کہ آر ایان اگرچہ کبھی کبھی بدنیانی اور چو گولی کی طرف بخوبی
تھیں جنا پنہ فوتی یزدی، شفافی، دھنی وغیرہ کی بحوث و ایں کی یہی بنیاد ہے لیکن ضر کا
حضرت فالمد سے کہ رہا ہے اس شعر ا نے اس عذر و جوہر کو برمی طرح استعمال کیا، انگلی تعداد

پندان زیادہ نہیں،

سلاطین اکثر مطلق العنوان اور خود سر ہوتے تھے، کبھی بیگناہ بے قصور لوگوں کو
بیانی کا حکم دیا جائے۔ مگر مون کے جرم معاف کر دے، اس لئے یہ
تین بھی شاہزاد اوصاف میں داخل ہو گئیں، بیانیک کہ شمرا اخدا کے اوصاف
مال بھی یہی بیان کرتے ہیں، شیخ سعدی فرماتے ہیں،

بہ تجدید الگر کشد شیخ حکم بیاند کرو بیان صم و بکم

دگر دردہ بیک صلاۓ کرم عسرا ذلیل گوید نصیبے برم

شیخ نے اپنی دانست میں خدا کے اعلیٰ ترین اوصاف بیان کئے لیکن غور کرو
پسی عادل شخص کے اوصاف ہیں، یا چنگیز خان، اور ہلاکو کے،

اگر شیخ سعدی یورپ کی طرز حکومت کو دریکھتے تو خدا کی یہ تعریف کرتے کہ

کی حالت میں بھی کسی بیگناہ کو اسلام مواضعہ کا خوف نہیں ہو سکتا، لیو نکرس ب
بانتے ہیں کہ اسکے ہان کوئی بات اخلاف اصول نہیں ہو سکتی،

سلاطین کی تغیر مسئلہ اور تباہ طرز حکومت نے اخلاقی شاعری پر نہایت

زراب اشر ڈالا، شمرا نے اخلاقی مبنی یورپ میں دربارداری اور تقرب طلبی کے

اعد اور اصول جہاں بیان کئے ہیں، ہر جگہ یہ تلقین کی ہے کہ بادشاہ اگر دن

برات کے تو تم کہو کرو اقیٰ تارے نظر آ رہے ہیں

اگر شہر روز را گوید شب است این بیانید گفت اینکاب ماہ دپر دین

اسعدی طوسی نے بادشاہون کے دربار کے یہ اصول بتائے ہیں:

دم بادشاہان ایسا است و یہم	کیے راسوم دیکھ رانیم
چورستی بر شہ پر سندھ باش	کمر بستہ فرمانش رائیدہ باش
اگرچہ نداری گنہ پیش شاہ	چان باش پیشیش کمر دگناہ
اگر سینڈگ ستارخ دار دت پیش	چان ترس ازو کز بندان لش خوش
ہمہ خوی و کردار اور استائے	چان شمنش رانکو شر فزانے

یعنی بادشاہ کی ایک ایک بات کی تعریف کرو اسی طرح اس کے دشمن کی بات

کی برائی بیان کرو

شباید شد از خنده، شہ، دلیر	نه خنده است ذمہ ان ہنون شیر
س قسم کی غلامانہ تعلیم اسی طرز حکومت کا اثر ہے کہ اس قسم کی حکومتوں میں	ان باتوں نے بغیر زندگی دشوار بھی

یہ اثر شاعر میں ہیں ایک اور ذریعہ سے آیا۔ بیو امیدے نے جب افلامازہ حکومت شروع کی تو عربیا کی خود مطلب یعنی گواراہ کر سکیں اور بغاوت میں برپا ہوئیں اس کیلئے ایک عرف توجہ ارج وغیرہ جیسے ظالم ہو یا کئے گئے کہ آزادی اور خود سری کو پا مال کر دیں دوسری طرف مذہبی لوگوں کو روشنیں دی گئیں کہ قضا و قدر کا مسئلہ پھیلائیں یعنی یہ کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے اسکی شکایت خدا کی شکایت ہو، اسکے مقابلہ میں مقنول نے عدل کا مسئلہ شائع کیا یعنی یہ کہ خدا عادل ہے اور وہ کبھی عدل کے خلاف

نہیں کرتا یہ دونوں خیالات، ساختہ ساختہ رقمیاں پھیلے، لیکن ادھر تو حکومت کا زور ادھر جو چیز
صدی کے آغاز سے آفتاب علم کا دوال شروع ہوا، اور اشاعرہ کے خیالات تمام دنیا پر
چھپا گئے جسے خیالات پھیلادے کہ خدا کے لئے عدل ضروری نہیں، بادشاہ خدا کا
سایہ ہے، بادشاہ کی عزت خدا کی عزت اور اسکی توبین خدا کی توبین ہے ان خیالات
نے طبیعتوں کی آزادی، دلیری، راستگوی، بلند ہمت کا بالکل خاتمه کر دیا، اغلان پر
نهایت اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی گئیں، لیکن اخلاقی مسائل کے عنوان یہ ہیں،
احسان، تواضع، حلم، عفو، سخاوت، توبہ وغیرہ، وغیرہ، آزادی اور حق گوئی
کا عنوان اخلاقی کتابوں میں نہیں مل سکتا، پند و معظت کے سیگڑوں ہزاروں
اشعار میں لیکن دلیری اور آزادی کے مضامین خال خال ہیں۔

یہ حالت ایک مت تک قائم رہی لیکن جب تا تاری حملہ نے مسلمانوں کے شیرازہ
سلطنت کو اپنکر دیا اور اس وقت سے آج تک مسلمانوں کوئی عالمگیر حکومت نہ قائم
ہو سکی، تو سلطنت کی شان جباری میں فرق آیا، اور شعراء کسی قدر حکومت کے اثر
سے آزاد ہو گئے، ادھر تصوف نے تقدیر پکڑا،اتفاق یہ کہ بڑے بڑے اکابر صوفیہ مثلًا
سعدی، مولانا روم حسینی، اوحدی، جامی وغیرہ، شعراء کے حلقوں میں شال
تھے، اسلئے صوفیاء شاہری نے کسی تقدیر اس حالت میں تبدیلی کی، اور اس
قسم کے خیالات زبان نیز رئے لگے،

اگر دو گاہ بسم اوری و فرمائے
یکے امیر دیکھ او زینام کن

بین تدریچ کناف معاش ٹونشو
روی ونان جوے از یہود و ام کنی
هزار بار ازان بر که از پے قدست
کمر بندی و بر در کے سلام کنی
لیکن اس بحث کے پھیلانے کا یہ موقع نہیں، لصوف کے اثر کا عنوان آگے
آتا ہے وہاں اسلئے تفصیل ملیگی۔

فارسی شاعری میں اخلاق اور عظمت و حکمت کے جواہم مصنایں ہیں یہ میں
دنیا کی بے شانی، زمانے کا انقلاب، اور بے اعتباری، انسان کی شکایت، نیک و
بد اور قابل و ناقابل میں عدم تمیز کا گلہ، قناعت، زہد اور توکل کی ترغیب، تمام اکابر
اوخر صو صوفی نوش شعر اکا کلام ان مصنایں سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ
اخلاقی اور اعظامانہ شاعری کا فائز سر ما یہی ہی، یہ تمام مصنایں طرز حکومت اور حالات
حکومت کے اثر کے نتائج ہیں۔

ایران بلکہ تمام ایشیا میں چونکہ سلطنت کے اصول اور امین منصب طرفے کے اسلئے
ہمیشہ سخت انقلابات ہوتے رہتے تھے، آج ایک شخص تخت شاہی پر ہے کل اس کا
سر کشک دربار میں اسہا ہو، آج خدم و خشم، طبل و علم، رایت و پرچم، کے ساتھ کوکہ شاہی
جاری ہو، کل ہاتھوں بڑیاں ہیں، ایک خاندان بنتا ہے دوسرا بگڑتا ہو، جو کل تک سرکر
لکڑی کا بوجھ لئے بیچتے پھرتے تھے، آج مالک تاج و تخت ہیں، دلیم و سلوچ جنگی نام
سے زمانہ واقف ہے، اسی حالت سے بندی پر پونچتے تھے، کافور جس کا خطبہ ہے میں
اور شام و مصروف پڑھا گیا بازار سے دور پیدا پڑھید کر آیا لقا، العقوب صغار جس کے سر کے

مشہور ہیں، ایک ادنی درجہ کا ٹھیٹر اتحا، ان واقعات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دولن پر زمانہ کی ہے،
اعتباری اور بے شانی کا اثر چھا جائے یہی اثر ہے جو ان شعروں میں ادا ہوتا ہے،

گفت خوابی است یا خیالے چند	چیست این زندگانی دنیا
گفت در درسر دو بالے چند	گفتم از دے چه حاصل است بگو
گفت گرگ رسگ و شغافل چند	گفت ام ستم په طایفہ اند

گرہ باد مزن اُرچ پسہ م ادد
کہ این سخن بِشل بار بامان است

بِ باغ دہر بہار و خزان ایم آغوش است
زمانہ جام بست و جنازہ بردوش است

بس کہن ذکر و نازک دریده است روزگار
چین قیاۓ قیصر و طرف کلاہ کے

اعتماد نیست بر درجه بان
بلکہ بر گر دولن گردان نیزد ہم

شکوه تاج سلطانی کہیم جان فوج است
کلاہ دلکش است اما بر در درمنی ارز و

پرده داری می کند بر قصر سری عنایت
چند نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

ایک ہی واقعہ کا اثر مختلف طبائع پر مختلف ہوتا ہے، اس بے شایت اور بے اعتباری کا اثر بعض طبائع پر توبہ ہو اکہ جب کسی حالت کا اعتبار نہیں، تو باہ د دولت کی طلب سو وہی اسلئے تھات، گوشہ گیری، توکل، زہد و عبارت اختیار کرنی چاہئے، حضرات صوفیہ کا کلام اسی اثر سے لہر رہا ہے، انہمہ رفتہ یہ ایک عام روشن قرار پاگئی اور وہ شعر ای بھی جو دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھر لئے تھے وہ بھی شاعری کا فرض ادا کرنے کے لئے پند و موعظت میں یہی معنا میں باذہتے تھے،
 لیکن بعض طبیعتوں پر یہ اثر ہوا کہ جب زندگی اور حالات زندگی کا اعتبار نہیں تو جدوجہد، فکر و تلاش سے محنت، تگ و دو کی کیا ضرورت ہو، چار دن کی زندگی ہے اسکو میش دعشرت، نہمہ دہر دو، زندگی اور شام پرستی میں سب سر کر دنیا چاہئے، اس خیال سے خیام اور حافظ پیدا کئے،

جنان نالہ، حبیبین نیز ہم نخواہ ماند	بنوش بادہ کہ ایامِ غسم نخواہ ماند
کہ جام بادہ بیا در کہ جسم نخواہ ماند	سر و محلب حبیشید گفتہ اندائن بود

اور نلک و نگ ندارد مشتاب کن	ابراست ساقیا قدسے پر شراب کن
لہان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب	دران

کہ تائجہ میسا یا سایم دنیا در شر و سورش	شراب تلخ دہ ساقی کرم دنگن بود روشن
---	------------------------------------

کسند صید بہر ای بیگن، جام مے در گیر
کہ من بیو دم این صحراء بہرامست نہ گوش

فلاں راسقف اشکانیم و طرح نور اندازیم
بیانگل بر انشایم و دساعزاندازیم

حاصل کارگ کون و مکان این چہرست
بادہ پیش اور کے اسباب جہاں این نہست

غم دنیا سے دنی چند خوری بادہ بخورد
حیث باشد دلِ دنا کہ مشوش باشد

کہ بہ کوئی فروشان، دوہر احمد بہ جائے
کہ بر دب بزد شاہان نہ من گد اپیاۓ

چونکہ سلاطین کے دربار میں کامیابی کا مدار زیادہ تر سعی و سفارش پر ہوتا
تھا جس کا نتیجہ یہ تو تھا کہ اکثر ارباب کمال محروم رہ جاتے تھے اور ناقابلی اور کمیا یہ
لوگ، بڑے بڑے رتبہ تک پہنچ جاتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ ایرانیون اور یونان کے
مققدمات کے موافق اجرام فلکی کے موثر ہونے کا خیال عام طور سے پھیلا ہوا تھا،
سلسلے لازمی طور پر خیال پیدا ہوا کہ آسمان کو نیک و بد کی تیزی نہیں، اس سے آسمان
کی شکایت کا ایک وسیع مضمون پیدا ہو گیا چنانچہ شاعری کا ایک بڑا حصہ انہی مضمون
کے متعلق ہے اور اس میں خوب خوب نکتہ افرینیاں کی گئیں،

پیغمبر مسلم دلن را کند حسره دارد
بچیل سوے متاعی رو و که ارزان است

آخر دور نلک شد، به که درست خون
با ده صاف دُرگ در ته این مینا نیست

بعد ازین تاریکی شبها بخود خوش کن کلیم
شکوه کم کن، در چراغ اختران رغنم نام

آسمان ها را شکست، ماکر هاست اند
چون نگم دارم من از نه آسیا، یک دانزرا

اخلاقی شاعری، مین توکل، تناعوت اور گوشگیری کی تعلیم اہنی داقعات
کی بدولت وجود میں آئی، غیور طبیعتون نے جب دیکا کم سلاطین کے دربار میں، خوشابه جو طریقہ
توڑ اور سازش کے بغیر فرد غ انہیں ہو سکتا تو ان لوگوں نے ترک دنیا ہی مناسب سمجھا
اور لوگوں کو بھی اسکی تعلیم دینی شروع کی، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ، تناعوت اور توکل، شاعری
کا سب سے بڑا موضوع بن گیا اور چونکہ شاعرانہ تخیل کیلئے ایک اچھا میدان ہاتھ
آگیا ان لوگوں نے بھی اس میں طبع آزمایاں کیں جنکو تناعوت کی ہوا بھی نہ لگی
لکھی شلام ز احباب اور علی قلی سلیم وغیرہ،

تمدن اور فوجی ایران نے جس زمانہ میں شاعری شروع کی، تو می زندگی تمام تر فوجی
زندگی کا افر زندگی بحقیقت افتخارات کا ذر شور تھا، ہر طرف لڑائیاں برپا تھیں، ترک

دیلم سلوچ، نئی نئی قومیں اسلام کے حلقوہ میں آتی جاتی تھیں، اور اس لئے ہر حکومت
کو اپنے بقا کیلئے ہمہ وقت اتنی بکفت رہنا پڑتا تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ بچہ سپا ہیں بلگیا، سلاطین
اور امراء کا گروہ جدیش علیش پسند ہوتا ہے لیکن اس وقت یہ حالت تھی کہ منصور ساماںی
بجود دوست ساماںیہ کا اخیر تاجدار تھا، اس سے جب نہیں ہوئے کہا کہ آپ زندگی کے مرے
اٹھا ہیے، شاہزادہ عمارتیں بنوائیے، نعمہ و سرود سے جی پہلا ہیے، تو اس نے یہ قطعہ کہا جو
خود اسکی تصنیف ہے،

ما وی اگہہ اُر استہ فرش ملوں	گویند مر اچون سلخ ب نہ سازی؟
سجا ہو امکان رنگیں فرش کیں نہیں نہیں	لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم عمدہ کپڑے
با پوری اسپان حکیم مجلس گلشن	بانفرہ گردان چہ کغم محن منستی
پہلو انوکھے نزد نکے ہوتے میں بختی کاراگ لیکر کیا کرد تکالموڑ دنکے مقابلہ میں با غ کیا چیزوں	جو شہ نی دنوشِ لب ساقی بچہ کارت
جو شید ان خون باید بر عذر بچوشن	شراب اور معشوق کا لب شیرین کیا ہوگا
چوشن پر خون کا جوشن در کارہ،	اس پہ سست و سلاح سست ابر نہ کڈ مانغ
تیرست دکمان سست مرالا در سوسن	میرا باغِ اگھوڑا اور تھیمار ہے

اسی زمانہ میں شمس المعالی قابوس بن شہلیم مشہور فرمانزدہ الگزرا ہوا وہ اگرچہ
تلکین طبع اور عدیش پسند تھا تاہم کہتا ہے،

لہ لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۲۳۔ ۲۷ لباب الالباب صفحہ ۳۰۰۔

من بیست چیز را نجہان برگزیده ام
 شطرنج فرد و صیدگم دلیزد بازرا
 مین نے دنیا سے بیش چیزین انتخاب کر لی ہیں۔
 شطرنج فرد، شکار جتنا، شیر،
 میدان و گوئی و بارگه و زرم و زرم را
 اسپ و سلاح وجود و دعا و نماز را
 میدان۔ گلیند، بارگاہ، سر کہ جنگ،
 گھوڑا۔ مہمیار، سفراحت۔ دعا در نماز

وقیقی جسنه شاہنامہ کا سنگ بنیا رکھا تھا، اسکے زمانہ میں امیر ابوالحسن اغا جی
 لیک ممتاز رئیس بخادہ شاعر عربی تھا چنانچہ کہتا ہے،

اے آنکہ مداری خبرے از هنرمن
 خواہی کہ بدانی کہ نیم نعمت پر درد
 تم کو میرے ہنر کی خبر نہیں،
 مین ناز پر دردہ انسین ہون،
 اسپ ار و کند ار، و کتاب ار و کان ار
 شعرو قلم دبر بلط و شطرنج فرد نزد
 میرے لئے گھوڑا، اکٹ، رکتاب،
 شعر قلم۔ شطرنج، شراب برباط فرد چیزین لائے

سلطان علاء الدین غوری فاتح اور حکمران ہوئے کہ شاعر عربی تھا، عویٰ یزدی
 نے لکھا ہوا کہ اسکا دیوان بھی مذوون کیا گیا تھا اسکے شعوار کا نمونہ یہ ہے،

بہان داند کہ من شاہ جہانم
 چراغ دودہ اسماں یا نم
 دنیا یہ جانتی ہے کہ میں بادشاہ ہوں
 اور سماں نی غانہ ان کا چراغ نہ ہوں
 چور گلگوں دولت بر نشیم
 کیے باشد زمین و اسماں نم
 جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں
 تو زمین اور اسماں میرے لئے دولوں بربٹن

الیشیا ای سلطنتوں میں جس چیز کی طرف، بادشاہ وقت کا سیلان ہوتا ہو وہی روانج

پاہی تھے اُسوقت رزمیہ مذاق کے پھیلنے کے مختلف اسباب جمیں ہو گئے تھے (۱) وہی ملکی حالت جسکو ہم بھی لکھا اے ہیں (۲) سلاطین دقت کا شجاع دہبا در ہونا، اور اشعار میں اسی قسم کے خیالات کا ظاہر کرنا (۳) ان سب پر مستعار دریہ کہ اس زمانے میں شاعری کے جو پانچت تھے، یعنی سخار، غریبین، بلخ، سمر قدر، خوارزم یہاں کی آب و بہا سپرگری بہادری، مانبازی کا اثر کھنی تھی، اور یہاں کے لوگ عموماً دیوبیکر، قومی تزمینڈ بالا بلند ہوتے تھے، اور اس بھی ہوتے ہیں، شعر، بھی اکثر اخنیں مالک کے اور انہی نسلوں کے تھے، ان مجموعی باتوں کا شاعری پر جو اثر پڑا، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) شاعری کے اصناف میں سے صرف وضنفین پیدا ہوئیں یعنی قصیدہ و مثنوی، قصیدہ تو گویا معاش کا ذریعہ تھا، جیسیں سلاطین کی مدح کرتے تھے اور انعام لیتے تھے، مثنوی میں واقعات ہوتے تھے اور زیادہ تر رزمیہ ہوتے تھے غزل کی طرف لوگوں نے توجہ نہ کی، اور نہ کسی شاعر نے اسکو اپنا ذریعہ امتیاز سمجھا،

(۲) قصیدہ میں اکثر سلاطین کے ملکی فتوحات کا ذکر کرتے تھے سلطان محمود غزنوی کی تفصیل لکھی، فرخی کا تعمیدہ ہم پہلے حصہ میں لکھا اسے ہیں، عسجدی کے چند شعروں میں تاشا خاں سفر سومنات کرد کردار خویش را علم سعیہ ات کرد

جب سے شاہنشاہ نے سومنات کا سوکیا اپنے کام کو مجزہ کا نوٹ بنادیا

لکھ عوٰنی یزدی تذکرہ عسجدی،

کو ہر سفر کر دیب و میگھات کرد

اُسنے جو جملے کئے اور طریقے سے کئے

اوکارا ہا بحیلہ اُکلک دودات کرد

اور سکندر نے حیلہ اور قلم دودات سے

شاخات تو از سکندر میشیں بدال جہت

اسے بار شاہ تو سکندر سے بڑھ کر کیونکر

تو کارا ہا بہ نیزہ دیتیر و کمان کنی

اور سکندر نے فتوحات کل

محمد غزالی نے جس قدر ممالک فتح کئے ایک ایک کے متعلق عنصری اور

فرخی وغیرہ کے فتحیہ مقاصد موجود ہیں جنہیں رزم کی پوری تصویر کھینچی ہی، ہم دو دو چار چار

شعر بعض تھاں کے نقل کرتے ہیں۔

بفال نیک دگرہ بسوی غازہ نہاد

ایمن ملستہ محمود شاہ باول شاد

نیک فالی کے ساتھ لگھ کارخ کیا

محمد نے پھر

درین مراد بہ پیور دشرا لے ہشتاد

پہ سو منات شد امسال سو منات کشند

اس غرض سے اسی منزلیں طکین

سو منات گیا اور اسکو بر باد کر دیا

یہیں دولت محمد قاہر کفار

قوی کشندہ دین محمد مختار

منظرو و نظر و فتح بر یہیں ولیسار

چرباڑا گشتہ بفیر و زی از در قنوج

(۴۳) مدد و روح کے اوصاف میں سپاہیاں سہر دل یعنی تیر انگلی، شمشیر بازی، اسپ

تازی کا ذکر بھی کرتے تھے فرخی سلطان محمد غزالی کی مدد میں لکھتا ہے،

زماں چوراں پائے بیدلن نہائے

کمان بر لرنی و تر دبین و خنجر

نیزہ

تو نے جب لہوارہ سے پاؤں نکالا تو
 کمان ایزہ اور تلوار ہاتھ میں لی
 بجائے قبادع بستی دجوشن
 بجائے کارنڈ حبسی و مغفر
 قبادکے بجائے تو نہ اور جوشن پینا
 اسی کے ساتھ مدد و حکی جفالشی، محنت طلبی، دشت نور دی کی تعریف کرتے
 تھے فرخی محمود غزنوی کی تعریف میں لکھتا ہے،
 نشستگاہ شہان باغ دراغ دخان بود
 لیپنی اور سلاطین باغ سبزہ زار اور محل میں رہتے ہیں، اور تو میدان میں اجلاس
 کرتا ہے اور خیریہ میں سوتا ہے،
 ہمہ رہستان در پیش سرگرفتہ بود
 یعنی جاڑے خبر، یاد شاہ بھی لمبی راہیں اور کالی کالی راتیں سفر میں کاٹتا ہے
 تو بکندا کا دریاے سبز خیرہ ذرہ
 شہان شراب ذرہ بکنائے شہر
 جبلکا اور سلاطین تالابوں کے کنارے شراب پل رہے تھے تو مندر کے ساحل پر خیرہ دلپڑتا
 بوقت آنکھ بھی خلق سیر خواب شنون
 تو دشتاب سفر بودہ اور نج سفر
 جب اور لوگ پڑے سوتے ہیں
 تو سفر کی تکالیف میں اہٹا پھرتا ہے،
 چونکہ اسباب پہنگری میں شکار بھی ہے اسلئے مدد و حکی کی تعریف میں شکار کا
 ذکر اکثر کرتے تھے اور کبھی کبھی قصیدہ کا قصیدہ شکار کے حال میں لکھتے تھے، ایک دفعہ
 ایک ہمینے میں سلطان محمود نے ۵۵۰ ہاتھی اور ۳۴۳ بھیڑی یہ شکار کے تھے فرخی اسرا

ذکر قصیدہ میں کرتا ہے،

زبادشاہان نگرفت جزو دیک مہ زگر سی و سه وزیلین بالضد و پنجاہ
بادشاہ نے تیر سے شیرمارا، اس پر ارزقی نے ایک قصیدہ لکھا، دیکھو کس خوبصورت
سے پورے واقعہ کی تصویر کھینچی ہے،

بامدادے زپے صید بروں رفت بدست
ایک دن شکار کونکلا۔

ئے ہمی خود دبشارادی، اکبیار دوسراں
شراب پی رہا تاکہ دو تین آدمی

شہ سوے شیر پی چید پی دبروں آمد شیر
بادشاہ شیر کی طرف بڑا شیر

از بلندی دزپیٹا دبزلگ کم نمود
اس قدما و پنچا، اور حیم و خسیم تاکہ بڑا گھوڑا معلوم ہوتا تھا،

راست چون بخیہ تصاب پڑا زخون مستش
قصاب کی طرح اسکا بخیہ خون میں بھرا ہوا تھا اور ہر بخپی میں پانچ انگڑے تھے،

مردہ سوے پر اگنڈہ دبر آمد بہ پھر
اڑ دلیر ان شفیب المغرا از شیر فرمان
لوگ ہر طرف بھاگ نکلے اور بھاڑ و نکال فرہ، اور شیر کی ٹوکار اسماں تک بچی،

شہزادوں پیوست و کمان بر بکشید
ای گنگن بردیو پیوست

پادشاه نے تیرکمان میں جوڑا اور شیر پر شیر کی طرح جیپتا
 شیر اگر چند ہمی سخت بکوشید دے خوردان زخم ہمان بود و شدن سُست ہماں
 شیر نے اگرچہ بہت زور لگایا، لیکن حشم کھاتے ہی سُست ہیکا
 برس دست فرد خفت زمانے کے مگر گرد و آسودہ و باز آیدو ساند جولان
 ہاتھ سر پر رکھا کسی گیا کہ ور ادم لیکر پھر حملہ کرے،
 پیلے شاہ برآ اور دو بہ پیوست او بزر در بن گوشش در جاے بینگندستان
 پادشاه نے تیرکمان میں جوڑا کر شیر کی کنٹی میں مار کچت ہو کر گرد پڑا
 لطف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شعر اپنے مام کا سرو سامان کرتے تھے تو اس میں
 بھی لڑائی کا سامان دکھاتے تھے اسلطان محمود غزنوی ایک دفعہ میدان مار کر
 ایسا نیتی (در بار کاشت اغتر) تصدید انتیتیست لیکر در بار میں آیا اور اسلطان کو ترغیب
 دی کہ "حضردار ب فر اگرام فرمائیں، اور مطراب و ساقی سے جی بھائیں، لیکن مطراب
 ساقی کو بھی رزم کی صورت میں پیش کرتا ہے، یعنی مطربوں کا میسرہ، احباب کا میمن
 مشوقوں کے قد کا علم زلفون کا پھریا، گلدستو بخاتر کش،
 میسرہ، مطریان خوش سازیم
 علم از ساقیان پیا کے کشیم
 تار بخوبیها از لفعت سیاہ
 اذگل و سبل شکفتہ پگاہ
 خان قیصر زر زخم شاہ بختیاہ
 عہشم گرین دزپیش پاچتالیم

بزم میں بزم کا انداز ایک اور خاص وجہ سے پیدا ہوا جسکی تفصیل حسب ذیل ہے
معشق انسان کی اصل فطرت کے مطابق، ام دعا شن اور عورت معشوق ہو، ہندی
 زبان میں، مرد کو معشوق قرار دیا ہے، لیکن چونکہ عاشق عورت ہو، اسلئے یہ بھی فطرت کے
 قریب قریب ہو، لیکن ایران کی یہ اُپیچ کر عاشق اور معشوق دلوں مردخت تعجب لگائیں
 ہے اور الفاظ یہ ہے کہ اس تبریدگی نے ایران کی عاشقانہ شاعری کو جو تمام
 دنیا سے بالاتر اور لطیف تر تھی خاک میں ملا دیا، ہم اس اعتراض کی تاویل نہیں
 کرنی چاہتے اور نہ کر سکتے ہیں، البتہ واقع نگاری کا فرض یہ ہے کہ اسکے اور اس باب
 اور وجہ بتائیں،

البهلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے، «عرب مطلقاً، امرد پرستی سے
 تاویل فتنے لیکن جب پہلی صدی ہین نتوحات کا سیلا بخرا سان تک آیا، اور ایل
 فوج مدت تک وطن اور اہل و عیال سے دور رہے، اسکے ساتھ لڑائیوں ہین سادہ
 نوجوان گرفتار ہو کر آئے، اور غلام بنکر، جلوت و خلوت میں ساختہ رہنے لگے تو امرد
 پرستی اور شاہدیازی کا مذاق پیدا ہوا۔»

تاہم پہلی اور دوسری صدی تک، عرب کی شاعری اس داغ سے پاک رہی،
 تیسرا صدی میں اسکی ابتداء ہوئی، اور چوتھی صدی میں یہ مذاق عام ہو گیا چنانچہ
 ابن المعتز کا رائیہ قصیدہ، اسکی مفصل داستان ہے، تاہم بلجاطاً اغلب، وہی قدیم
 مذاق قائم تھا، اسلئے عرب کی شاعری میں امرد پرستی نے یہ حیثیت نہیں حاصل کی

کہ اسکی نایاں صفت بجا ہے،

ایران میں شاعری شروع ہونے کا وہی زمانہ ہے جب عرب میں یہ مذاق پیدا ہو چلا تھا، اسپر طور پر ہوا کہ جن اسباب نے عرب میں یہ مذاق پیدا کیا تھا اور ایرانیوں کو بہت زیاد وسعت اور افراط کے ساتھ میسر رائے، ترک غلام جو عموماً حسین ہوتے تھے انہر گھر پہلی لگتے، اور مجالس عاشق میں ساقی گری، اور بزم آرائی کی خدمت انہیں سے متعلق تھی، وہ جاودت و خلوت، سفر و حضرتین ساختہ ہتھے تھے اور پیشی دستی کے ساتھ ہدم و عمر از بجا تھے، اس وقت کے نیل جوں میں نظر بازی تازی ہوتی تھی، رفتہ رفتہ وہ غلام اور خادم ہونے کے بجائے انجوب اور نظور نظر بنگئے، قیقی، فرخی وغیرہ کے کلام میں جا بجا اسکے اشارے نہیں بلکہ تصریحیں پالی جاتی ہیں، حکیم سنانی کہتے ہیں،

خادمان دا ز بجہ آن بخزند تابر خدا شان ہیں گے نہ زند

بڑے بڑے سلاطین، اور امر الاحین، اور خردی غلاموں کے غلام تھے،

معتصم باللہ نے عرب کو فوج سے نکالکر، ترک بھرہ دیئے تھے، اس وقت سے ایران خراسان اور عراق عجم میں، ہر جگہ فوجی صیفون میں ترک ہی ترک نظر آتے تھے، یہ نوجوان سپاہی حسین اور خوشرو ہوتے تھے، اسیلے انکی چال ڈھال، رفتار لفتار، بات چیت، ایک ایک ادا، طنازی اور شوخی کے لباس میں جلوہ گر ہوتی تھی، چنانچہ اکثر اشعار سے معلوم ہوتا تھا کہی سپاہی بچے مکتب عشق کے معلم تھے، فرخی کہتا ہے،

برکش لے ترک دیکیسوں فگن این جامہ جنگ خلگ برگیر و بنہ در قہ او شمشیر از جنگ

ستارہ نہ لے اور تلوار اور رُنگ کہہ
 شکر از جنگ برآسو، برآسے از جنگ
 فوج نے آرام لیا، تو بھی آرام لے
 زلف مشکین تو پر کرد سیہ مشک پرنگ
 لڑائی میں کم جا کیونکہ لڑائی کی گرد سے تیری زلف است گئی ہے،
 کمرخ روشن خود را ہزارہ خود پر شش
 قیرا پہنچنے کے نیچے ننگاً لو دیو جاتا
 تافر و ریز دبر گرد سوار دسر ننگ
 تاکہ اس گرد پر سوار اور سپاہی ٹوٹ پین
 ابوالمعالی رازی کہتا ہے، (بڑا تصدید ہے،) ہم نے صرف دو شعر قتل کے لیے ہیں،
 یا رب این بچپہ ترکان چہ بتان ہند کہ ہست
 کر دیکھنے والی کی آنکھ میں انکو دیکھا بیدار ہائی
 بکھر رزم نداشند مگر بوس دکنار
 لڑائی کے وقت گھوڑے اور ہتھیار کے سوا کسی چیز نہ دیکھنے میں بوس کیلئے سوچوں نہیں ہوتے
 کافی ہمدانی کہنا ہے،
 گولی زکھنداز م؟ دب بخوبی بھکر منڈا
 تم پوچھتے ہو کہ کس نسل میں ہیں ایک سخن شاید ہیں
 اس تک اب لڑائی کے پہرے آثار طوال
 دشمن از کیستہ کم آمد بہ کمیں گاہ مرد
 دشمن لڑائی سے عاجز گیا اب لڑائی ہیں جا
 بہ مصافت اندر کم گرد کہ از گرد مصافت
 لڑائی میں کم جا کیونکہ لڑائی کی گرد سے تیری زلف است گئی ہے،
 تو رُخ روشن خود را ہزارہ خود پر شش
 تو اپنے روشن چیرہ کو زرہ میں نہ چھپا
 لزک از گرد سیہ زلف سیہ را بفشنان
 آہستہ سے زلف کی گرد جہاڑے
 ابوالمعالی رازی کہتا ہے، (بڑا تصدید ہے،) ہم نے صرف دو شعر قتل کے لیے ہیں،
 یا رب این بچپہ ترکان چہ بتان ہند کہ ہست
 خدا یا، یہ توک بچے کیسے مسشو ق ہیں
 بکھر رزم نداشند مگر بوس دکنار
 این شوخ سوار ان کر دل خلق تنا
 یہ شوخ سوار جو لوگونکا دل چینتے ہیں

ترک اندر اصل اندر و شک نیست بلکہ
 اصل میں یہ ترک ہیں
 شیر اندر بزور و بہتر، گرچہ غزال انہ
 گودہ ہرن میں لیکن زور میں شیر ہیں
 در معمر کے سوزندہ ترازان نار جمیں مسند
 میر کہ میں آتش دوزخ سے بڑھ کر میں
 با قحطہ رومی ہمچوں پر شیر انہ
 رومنی کر رہین میں توحہ پانہ میں
 در رزم بجز دل ست دل کا زندہ
 لڑائی میں صرف تلوار چلانا جانتے ہیں
 ایا زکا نام تھے محمد کے عشق و عشق بونیکی حیثیت سے سنا ہو گا لیکن وہ فوجی افسوسی
 تھا اور بڑے بڑے میدان مارے تھے، فرجی نے ایک قصیدہ میں اسکی میر کہ آرائی
 کا حال لکھا ہے،

بروز روشن از غرب میں بروں فست
 ناز شام راخنداں بخوا بسید
 ترکونکی عشقوتی نے یہاں تک وسعت حاصل کی کہ ترک کے معنی عشقوں کے ہو گئے
 جملہ ترکان جہاں ہندوے تو

یہ مذاقِ اسقدرِ عام ہوا کہ سلاطین اور رؤسائیں امر پرستی کرتے تھے اور
دربار میں انکے عشوق، انکی نظر فروذی کا کام دیتے تھے، شعر ॥ سے ان عشوتوں کی تعریف
تو صیغت میں سر دربار اشعار لکھوادے جاتے تھے اور شعر ॥ مددوح کی عشق پرستی کا علایم
ذکر کرتے تھے،

فرخی ایک قصیدہ میں جو اباز کی مدح میں ہے، ایا ز کے حسن و جمال اور جاہ و
جلال کی تعریف لکھ کر لکھتا ہے کہ محمود نے بیوجہ، اسکو دل نہیں دیا،
یہ گوید کہ آن سر دلیست بر کوہ دگر گوید لگے تازہ است پر بار
کوئی کہتا جو کہ وہ پہاڑ پر سر د ہے دل محمود را بازی پسندar
شہر خیسرہ بد دل داد محمود دل محمود کا دل کچھ ہنسی کہیں نہیں
محمود نے اسکو یونہی دل نہیں دیا محمود کا دل کچھ ہنسی کہیں نہیں
عورتیں جب تک عشوق تھیں، عشق پرستی اسقدرِ عام ہے تھی اور نہ ہو سکتی تھی،
ایشیا میں کبھی عورتیں بے پرده ہو کر نہیں رہیں، اور یہی بھی تومر دون سے ہر وقت ملنا
جلنا امکن نہ تھا لیکن جب لخط مسید ان میں آئے تو گھر گھر آگ لگ کری، بڑے بڑے مقدس
در دلشیں اور اربابِ حال مکتبو نہیں بچوں کو گھر نے جاتے ہیں اور بے تکلف کہتے ہیں
من بتی مشغول دلبای عذر دزید
خوشنود طبیب علاج کو آیا، مریض دعا کرتا ہے خدا یا میر امر رض کبھی اجھا نہ ہوئے پائے
نہی خواستم تند رسی خدیش

در بار شاہی میں کوئی سادہ رو طبیب آ جاتا ہو تو خود صاحب تاج و تخت کی زبان
سے نکل جاتا ہے ۶ خوش طبیبیست بیان آہمہ بیان رشومیم۔

آقا غلام، استاد نشاگر (پیر دمرید)، ایسے نازک اور قابل ادب تعلقات بھی عشق
پرستی سے خالی نہیں ہوتے تھے، اس حالت نے ملک اور قوم کی سیاسی اور اخلاقی
حالت پر جواہر لیا، اور جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ مٹھی بھرتا تاریون نے خراسان سے لیکر کنڈا تک
کی خاک اڑادی، اس کا پھیلانا ہمارا کام نہیں، البتہ شاعری اور انشا پردازی کی سمعت
اور نوعیت پر اسکا جواہر پڑا، اسکی تفصیل لکھنا، شعر العجم کا فرض ہے،
اس واقعہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کی زبان بالکل فوجی زبان نگئی یعنی جو کچھ لکھنا
چاہتے ہیں رسمیہ انداز میں کہتے ہیں،
مشعر چہرہ می بیمار کی آمد لکھتا ہے، لیکن اس انداز میں لکھتا ہو کر دو جنگجو بادشاہ باہم
سر کر کے اڑاہیں،

این باع درانع ملکت لوز روز ماہ بود لکلت پہن پول دید کو لواں زمستان کرد سفر جاندی چڑوان کامہشیز اندر دوید و ملکت او بقار شید برداشت تاجہا نے ہمہ تارک سمن جنگی حالت کا زبان پر یا اثر ہوا کم اکثر محاورات اور مصلحات انہیں الفاظ سے بنے جو لڑنے تک بھڑے، مرلنے نارلنے کے لئے موضوع ہیں،

ہر زبان میں قاعدہ ہے کہ لفظ کے اصل معنی ایک ہوتے ہیں، پھر اور اُن میں سے اُسکے اور اور سمنی بنتے جاتے ہیں، اور ان معنوں کو اصطلاحی معنی کہتے ہیں فارسی میں یہ اصطلاحی معنی اکثر اغین الفاظ سے پیدا ہوئے ہیں، جنکو مرلنے مارے تعلق ہے مثلاً زدن کے اصل معنی مارنے کے ہیں اب اس سے بسیروں صورتیں پیدا ہو گئے مثلاً

بجانا	نوازدن	بولنا	حرف زدن
قدم رکھنا	گام زدن	مثل کہنا	مثل زدن
دم لینا	دم زدن	پینا	می زدن، ساغزدن، جرم زدن
فال نکانا	گرہ زدن	گرہ لگانا	فال زدن

اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ ہر چیز میں جنگی تھنی پہلے آتا ہے، پھر اس سے اور اور باقی میں پیدا ہوئی تھیں،

اور دو میں چراخ کے گل کرنے کو بجانا اور عربی میں اطفا کہتے ہیں لیکن فارسی میں چراخ کشتن کہتے ہیں، تھڑی دور کا فاصلہ بتانا ہوتا ہم اپنی زبان میں بیگی یا فرانگی سے بتایاں گے لیکن ایرانی تیر پتاب کہیگا، یہ وہی جنگی خیالات کا اثر ہو رہا ہے میں کو پیالش بھی تیر سے کرتا ہے، پھر اڑ کی چولٹ کو عربی میں قارہ کہتے ہیں لیکن ایرانی کوہ کہتا ہے، تحریر یا التقریر یا دعوے میں عاجز آجائے کو اردو اور عربی میں اور اور الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن فارسی میں سپر انداختن کہتے ہیں ناز میں لوگ جو کندھ

کن رخا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں، اسکو عربی میں صفت کہتے ہیں جو دراصل صفت جنگ سے
ماخذ ہے، فارسی نے اس لفظ کو لے لیا کہ ان کے خیالات کے مطابق تھا،

۵ تفرقة بخش صفت طاعت

لے بھاگنے کو زد و برد کہتے ہیں، باقر کاشتائی کرتا ہے،

نفسے واشد لئی داشت زمِ گلن دو برد صرع نالِ زم بود کل ببل زد و برد
راسستہ ط کر لے کو راہ برمیدن کہتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ پانی جو خشکلوار اور
باقم ہو، اسکو بزندہ کہتے ہیں۔

احشای دشمنت ز حسد دار و ابتلاء آب بر زندہ از دم تنی چوآب خواه

۶ پُر زندہ بود بلے آب اشتہا اور د

اس قسم کے بیسیوں محا درے اور اصطلاحیں ہیں،

خیالات پر اسکیا اثر ہوا کہ عشقیہ شاعری پر بھی یہی رنگ چڑھ گیا، عشقوں کے
او صفات اور سرایا کی تشبیہات اور استعارات میں تامتر، فوجی سامان ہے یہاں تک

کہ حسن کا مرقع میدان جنگ لظر آتا ہے،

زلفین کندہ ہیں، ابر و خجر، پلکین تیر، آنکھیں قاتل وغیرہ وغیرہ،

حَسْنَيْن

صید از حرم کشید، خم بعد بلند تو فریاد از تطاول مشکین کندہ تو

ظہیْر

خود از براے سر زرہ از بهترن بود تو جنگوے عادت دیگر نہاده
در برگرفته ادل چون خود آہشین والان زلف چون نرہ را بر نہاده

سترن

محسک عنان مژہ کافرت شوم زنگین نشد برخون دو عالم منان تر
ان خیالات نے رفتہ رفتہ یہ وسعت حاصل کی کاغزل کا بڑا حصہ سامان جنگ
اور قتل اور خون کے لوازمات ہیں،
قاتل من حشم می بند دو مسلم بل مر
تابا نہ حسرت دید اور دل مر

زخون خویش بران قطہ می برم غیرت کہ گاہ قتل بد امان قاتل فنا ده است

چکورنہ جان بسلامت بر مز سفا کے کہ بر درش ملک الموت سجل فنا دا

تاقیامت دگران کشتہ نگیر دارام کہ دلش زخم دگر خواهد و قاتل برد

یک نادک کاری زکان تو خودم ہر زخم تو محتاب جزخم دگرم کرد

برغم غیر چان گشتہ مہربان با من کہ حرف قتل من اور در میان بل من

خون ترا چه قدر نظیر می خوش باش این بس که دعوی از طرف قاتل تنبیت

منکرنی شود کمن اور ان کشته ام باقرا کسے به خیر گی قاتل تنبیت

طنلی دایہ دست او گرفت فریب سگیت که این سرخیہ از خون کسان گندین شو بے

اے خوش آدم کمن کشته بخون می گشم او زردہ تکیہ بشمشیر تاشامیکر د

اے بت ارتیز لی بر جرم هر بارے از جلد رکشم و باز بدست تو دهم

ایشیانی شاعری کے لئے اُرچ صحبت اور واقعیت کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یہ
بدفالی، غالی نہ گئی، بعض بعض شعر ادھر حقیقت، اپنے معشوقوں کے ہاتھ سے مارے گئے،
حقیقی کو جسمے شاہنامہ کی بنیاد ڈالی، اسکے معشوق نے قتل کیا تھا، اسی طرح بعض اور
شعر اکے متعلق ارباب تذکرہ نے لکھا ہو کہ معشوقوں کے ہاتھ سے مارے گے،

جی جذبات کا چھٹی صدمی ہین فوجی جذبات میں تنزل شروع ہوا یہاں تک کہ جنگلیز خان
لے ایران و عراق کو بالکل بے چراخ کر دیا، اس واقعہ نے شاعری پر
ناگوں اثر ڈالا، شعر اتواس سے پہلے بھی یعنی عین جنگی جوش کے زمانے میں عشقیم

جدبات سے خالی نہ تھے، اور موقع بہ موقع اسکا انہصار کرتے تر ہتے تھے، فرنخی کا وہ قصیدہ پڑھو جو اجنبی ہم اور نقل کرائے ہیں اور جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اسے ترک بالڑائی کا لباس اب آثارِ ڈال	ستارہاتھ میں لے اور تلوڑا و رُہاں رکھہن
و شمن شکست کہا چکا اب میدان میں نہ جا	فوج اڑا چکی اب تو بھی دم —

لڑائی میں نہ جاتیری زلفین لڑائی کے غبار سے اٹ جاتی ہیں،	
تو اپنے چلکتے ہوئے چہرہ کونڈہ سے نہ چھپا	اس سے تیرے چہرہ کونڈگ لگ جاتا۔
اپنی زلفون سے گرد جھاؤ دے	دیکھ کس طرح لوگ اسپر ڈٹ پڑتے ہیں

ملک شاہ سلجوقي نے جب سمر قند فتح کیا تو دربار کے ملک الشر، معزی نے قصہ	
پیش کیا جسین فوج کی حملہ اوری اور معرکہ اُرائی کا حال لکھا، اس میں جہاں سپا	

کی تصویر یہ پیشی ہے اس طرح کہیجی ہے۔	
ہمدرکان کش ورزم ازماں دیتے انداز	
یک بسا عدیمین درون فکنندہ کمان	
یک شکوفہ اوس من گرفتہ در جوشن	

سلطان محمد ذخر نزی کا بیان محمد شکار کیلئے گیا ہو فرنخی بھی ساخت ہو، محمد نے بہت	
ہرن شکار کے، فرنخی نے ایک ہرن کی آنکھیں اور اُسکے خدار سینگ دیکھے تو	
مشوق کی آنکھیں اور زلفین یاد آئیں، وہیں بیٹھ گیا، اور غرب رہ دیا، کسی نے محمد سے	
واقعہ بیان کیا اس نے ایک نہایت خوبصورت ہرن زندہ اُسکے پاس بھیجا یا جانپنہ فرنخی	

قصیدہ وہ جیسے ہیں تام حالات کئے ممکن ہے کہ یہ سب شاعری ہو اصلیت کچھ نہ ملکیں
اس سے خیالات کی رفتار کا اندازہ ہو سکتا ہے

فر دشستم دیگر یستم بزاری زار	مرا ج پشم دیہ لافت یار یاد مرد
بصید گاہ تو ج پشم آہوے الپیار	کی بگفت ملک را کہ فخری بگرسیت
زماہوے چونکارے ز تکدہ فرنار	ملک چنانکہ ازادگی سزیدا گرند
سیاہ شاخ دیہ دیدہ ذکریار	در ازگردن و کوتاہ پشت دگر دین
بمن فرستاد ان را وتنی ان پن دست	کرشاد مان شوز اندر و دلن زین گیا

سلطین بھی اس مشغلو سے خالی نہ تھے سلطان محمود کو ایا زے جو شفیقی تھی شہرت
عام رکھتی تھی یہاں تک کہ شرار اقصام میں اسکا ذکر کرتے تھے سلجوقیوں میں سلطان سجزیر
بڑی عظمت و جبروت کا بارشاہ تھا عماد الدین اصفہانی نے تاریخ سلجوقیوں میں اسکی
نسبت ایک عنوان قائم کیا ہے جسیں لکھتا ہے

کان من عادۃ بجز ان پیشتر، عن لاما اختاره ثم

سلطان سجزیر کی خادت تھی اک جنگل اپنے آتا تھا اسکو خریدنا تھا،

یعنی شقہ ویشہ بمحبہ والیشہر لقرہ بوسی میذل مالہ و در وحہ ایز

پھر اُس سے عشق کرتا تھا اور اسکی عام شہرت ہوتی تھی اور جان نال پر صادر تھا

(مورخ ذکور نے ان غلاموں کے نام اور عشقیہ حالات بھی لکھے ہیں لیکن اسکی تفصیل

کی فرودت نہیں)

تاہم اس زمانہ تک چونکہ فوجی قوت باقی تھی اسلئے ان باقیوں کا اثر عام نہیں ہوا
لختا۔ بالکل اس طرح جس طرح آج یورپ ہر قسم کی عیش پستی اور سخواری میں مبتلا ہے تاہم
وہی شخص جو رات کو ہال میں لیڈریز کے ساتھ ناچلتا ہو، دن کو اس طرح مردانہ اشغال میں
مصروف رہتا ہو کہ گویا نغمہ درود سے گوش آشنا بھی نہیں، لیکن جب تاکہ یوں نے فوجی
طااقت کا استعمال کر دیا تو عشقیہ جذبات کے سوا، اور کچھ نہ ہا، اب یہ حالت ہو گئی کہ درود
دیوار سے یہی صدا آئے لگی، مولانا جامی، کبار صوفیہ میں ہیں تحفۃ الاحرار خاص تصوف
میں لکھی ہے اسیں ستر ہواں باب حسن و جمال کی تعریف کا باندھ ہے، اگر حسن کی
تعریف ہوتی تو مصالحتہ تھا، حسن ایک ذرہ ذرہ میں پایا جاسکتا ہے، لیکن مولانا مدوح
نے خاص فخطوٹی مرح میں گویا قصیدہ لکھا ہوا، تمہید اس شعر سے شروع کرتے ہیں،

نقش سرا پر داشت اسی حسن
لمعہ خورشید اکھی سست حسن
حسن کے در پر دا آب و گل ست
تازہ کن عهد قدیم دل ست

بمر نخطوٹون کو نی اطب کر کے فر ملتے ہیں،

روے تو شمعی سست بہرا نہیں	قد تو سرسے سست، ایشی چین
بر لب آن حشمسہ فرود آمدہ	حضر خطت خرفتہ کبود آمدہ
ایک ایک عفنو کی تعریف کر کے کہتے ہیں،	
جلدہ حسن تو در ان سفر دل نہیں	
آمیشہ چلن دیچوئی است	

قبلہ ہر دیدہ درین آمینہ است منظر اہل نظر ایں آمینہ است
لطف یہ ہے کہ ان سب باتوں کے بعد فرماتے ہیں

چہرہ نہ سان دار کہ الودگان جس نزدہ بہرورہ نہ پہنچو گان
چون بہ جسمال تو نظر و اکندہ

ایک طرف تو فرماتے ہیں، کہ تیرا چہرہ، نور الہی کا آمینہ ہے، دوسرا طرف یہ بھی کہتے
ہیں کہ اپنا چہرہ چھپائے رہو رہ خطرات پیش آئیں گے، لیکن کیا عورتوں سے گذر کر
مردوں نیں بھی پر دہ راجح کیا جاسکتا ہے، حقیقت یہ ہو کہ اس بہبودہ شاہد پرستی نے تمام
ملک کو برپا کر دیا، جب اکابر صوفیہ، اس قسم کی حسن پرستی کی تعلیم دین اور فرمائیں کہ عشق
محاذی عشقِ حقیقی کا زینہ ہو تو ملک کے ملک کا بلاء کے عام میں مبتلا ہونا یقینی تھا اور ہوا،
بہر حال اس اتفاق کے نتائج نیک و بد جو ہوئے حسب ذیل ہیں۔

(۱) رزمیہ شاعری گویا نہ ہو گئی، ساتوین صدی سے آج تک ہزاروں جنگی معز کے ہوئے
اور با دشہاں وقت کے بہت سے شاہنہاے لکھے گئے لیکن وہ صرف ان با دشہاں کی
فرماںش بھی ملک میں مطلق انکور و ارج ہوا، آج امکاناتم و نشان بھی عام لوگوں کو
معلوم نہیں، اسکی وجہ یہ بھی کہ جنگی جذبات نہ ہو چکے تھے اور لوگوں کے دلوں پر ان خیالات
کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا،

(۲) رزم بھی کہتے تھے، تو زنگین الفاظ اور استعارات میں کہتے تھے، قدسی، کلیم، قاسم
گُونابادی، علی قاسم سلیم، مستحب چھوٹی بڑی رزمیہ مثنویات لکھی ہیں انکا یہ اندراز ہے،

قاسم گونابادی

شدان رزگه جامگئی نا
نزرین کلاہان آهن قبا
پلائے بدست آفتابے بسر
تبرزین آهن سپرہائے زر
چور حلقة دیده نور بصیر
ہنان درندہ شاه فرخنہ فر

تَسْدِیْسٌ

سر انگشت آهن تنان بے ہراس
چو مقصراض امّل لقطع لیاس
یلان راجون شمع الشکین پر
دویدے دران بزم پر شور و شر

کلیمَ

بے کشتی عمر ہاشد فرد
زبس باد شمشیر او تند بود
جانب سرازو شہماں ببود
زبس باد شمشیر او تند بود
لب لشنمر اباب جوست کار
بهم شمع وز حشم ان پیوستیار
بچپنا نے سورج برآب گیر
زده را به تن دوخت خیا طیر

زلالی خواسار می فرماتے ہیں:

چنان دست یلان ناک فشنندی کہ چشم زخم بے مژگان ناندے
لینی پہلوان جو تیر بساتے تھے تو دوزخم کی آنکھوں کیلئے بن جاتے تھے،

یونگ اسقدر غالب اگیا تھا کہ مکان سجائتے تھے تو اسکے محراب دراز میں
مشغوفون کے ابرد بنتے تھے زلالی سیلان نامہ میں جو سکندر نامہ کے جواب میں لکھی

گئی ہے مکان کی آرالش یون کرتے ہیں، ۶

ہمہ طاق بندی ابرد شدہ

طاق کے بجائے مشروتون کے ابرو جڑ دیتے گئے تھے،

(۳) قصائد میں مددح کی معزکارائی، لشکر کشی، سپہ سالاری، قلعہ کشانی، تبغ بازمی، قدر اندازی کا جوڈ رکھتے تھے سڑک ہو گیا، قصیدہ میں ایک اور جگہ شجاعت کا ذکر آجاتا ہے، لیکن واقعیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف اس غرض سے کہ بالف کی دعوت کے لئے ایک اور موقع ہاتھ آگیا ہے مثلاً

اگر صحون حب پن فی المثل شجاعت او	دہ نہیں کہ میں یا سمین ادھان فرگس
چو علکس لالہ زند یا سمین در آب آتش	چو شاخ بیدکش خجا راز میان فرگس

(۴) ملکی حالت کے پہنچنے ملک کی زبان بدل دی یہ ایک دقیقہ راز ہے کہ ملک کی جو مادی حالت ہوتی ہے زبان پر بھی اسکا اثر پڑتا ہے جس ملک میں زیادہ تر لڑائیاں برپا رہتی ہوں ہر وقت جنگ و جدل کا چرچا رہتا ہوا، انکھیں کھولنے کے ساتھ بچوں کی نظر تبغ و خجرا پر پڑتی ہو، وہاں کی زیان بھی اسی قسم کی بجا تی ہے، لفظوں میں سنگینی و قار اور غلطت ہوتی ہے، فقر و لون میں جوش ہوتا ہے، طرز ادا میں متانت پائی جاتی ہے اسکا اثر قصیدہ اور شنو می پر پڑا ہے ایں ان دونوں صنفوں میں تنزل گیا، قصیدہ کیلئے الفاظ کاشان و شکوہ، ترکیبون کی حصتی، طرز ادا کا وقار لازمی چیز ہے، متاخرین کی زبان پونکہ غزل کی زبان بنگئی، اسلئے قصیدہ کی وہ شان قائم نہ رہی، شنو می پر بھی یہی اثر پڑا

اسی کا نتیجہ یہ ہو کہ آٹھویں صدی سے اس وقت تک سیکڑوں ہزاروں شنویاں لکھی گئیں لیکن ایک شنوی بھی نایاں نہیں، جو شنویاں اس عہد میں مشہور ہوئیں وہ عشقیہ شنویاں تھیں اور انہیں اسی قسم کی زبان برائی کی ہے،

(۵) تشبيهات اور استعارات ابد لگئے، مثلاً پہلی زلف کو کندہ اور چوگان سے تشبيه دیتے تھے اب سنبل، تارنظر، دام، خوشہ انگور، رشته عمر، کفر وغیرہ سے تشبيہ دینے لگے

معترضی

گرفتہ زلف گر گہیر در میان دولب چو خوشہ عنب اندر میا زعناب
قاؤنی

دو زلف تابدار او بحشم اشکبارن چو پشمه کر اندر دشنا کندہ مارہ

گفتہ دعای زلف تو تحصیل حاصل با خضر کس نگفت کہ عمرت در از باد

سلمان

بعد ازین از گزہ زلف بتان کس تسبیح بعد ازین از خم ابردی منان کس محرب

خرسرو

بگفتمش کہ بخور شید چون توان رفتہ کشود کا کل خود را کہ نزد بان ایست

شیدا

فسو گر دانداں غا کے کل زو ہر بوئے ماریاں شنا سهم پوئے زلفت را اگر در مشکر پیچی

ابرو کو پہلے کان تلوار، چوگان دغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، اب ماہ نو توں قرآن
طاقِ محراب، طفرا وغیرہ سے تشبیہ دینے لگا)

درست راقِ توانا دم دین دل ہر دو پر طاقِ حشم ابرو کے تو

۶

بعد اذین از حشم ابرو سے بتان کن محراب

طفرا سے ابرو سے تو با خمل نیکو مر براں قاطع مست کر کان خطہ درست

آنکھوں کو پھٹے قاتل اور سفاک کہتے تھے، اب جام شیش نرگس، بادام وغیرہ کہتے ہیں

چشم چون پر عشو کردا اول سبوئے خوشید پارہ خود خورد، ساقی، ساغر لبریز را

سرشار برد سکر زے چشم مست یار گرفتھا لایں پایا

ہر کس کے بدید چشم او گفت کو مختسب کرہ مست گیرد

کردش چشم تو ہم مست مست در ہم پایا چشم گریاے تو ہم خواست دھم انساد است

ضبط انگلہ مکن کہ بچشم تو وادہ اند بیماری کہ نیست پر سیز شریعتیاں

شکر چشم تو کند محتسب شہر کرز ہر کجا سیکدہ بہست شراب انتادہ است

(۴) یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک میں تدن کا جوش شباب ہوتا ہو تو ہر قسم کی

تو تین نہایت زدروشور سے اُبھرتی ہیں، فرانش میں آج جہاں ہر قسم کے علم و فن

کا عوچ جو ہے کاری اور عیاشی کا بھی یہ زد رہے کہیاں کے قابل نہیں، پانچوں میں اور

چھپی صدی ہجری فارسی شاعری کا چھدہ شباب ہے، اس زمانہ میں اور ہر قسم کی

لہ یہ شبیہین پہلے بھی خال خال ہتھیں، لیکن اب عام ہو لیں،

شاعری کے ساتھ جو اورہزار گولی سے بھی خوب کیا چنانچہ مورثی، اوری غیرہ کی جوں
اجنک مشہور مین بدستی یہ کہ ساتوں صدی کے آغاز ہی میں اسلامی طاقت گویا بر باد
ہو گئی، اور اس وجہ سے قوم کا اخلاقی شیرازہ بالکل کھرگیا، اس نے یہ اثر پیدا کیا امک - کے
ملک کی زبان پختش اور بدعتی چیزائی، شیخ سعدی اس زمانہ کے اخلاقی رفادر
ہیں لیکن گلستان کے باب بخیم میں خود ایسی حکایتیں لکھی ہیں جو اج کسی مہذب
آدمی کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتیں، مولانا روم کی مثنوی ۶

ہست قرآن در زبان پہلوی

لیکن کنیزک اور خانوں کا فقصہ جعفر زٹل کے نامہ اعمال میں داخل کرنے کی چیزیں
سلمان ساؤ جی جیسے بذب شاعر پخش گولی سے غالی نہیں جامی۔ نے یوسف نہیں
کے ہفتہ خانہ میں اخیر موقع پر جو کچھ لکھا ہے، کون بذب آدمی اسکو گوارا کر سکتا ہے
یہ لوگ خود دنیا یت بذب اور پاک باطن لوگ تھے، لیکن سوسائٹی کے اثر سے زبان
یسی خراب ہو گئی تھی کہ اس قسم کے الفاظ عام زبان پر حروف گئے تھے، اور لوگوں کا ناگوار
نہیں معلوم ہوتے تھے قریباً تین سو سو سو تک یہ حالت رہی، جب سلاطین صفویہ
کی حکمرت قائم ہوئی اور تہذیب شاکستگی نے دبارہ ترقی کی تباہ بارکر یہ عیوب دور ہوا
اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہو کہ سندھ و سستان کی شاعری اس
داغ سے پاک رہی سندھ و سستان میں شاعری کی ابتداؤ یا سعد سلمان سے ہوئی
پھر حسرہ اور حسن دہلوی ہوئی، اُنکے بعد تمیور یہ کا دور ہوا ۱۴۳۰ء شتر ایران سے اُنکے

در بار میں بار بیاب ہوئے اور بیہن رہ گئے، اس گروہ میں کسی کی زبان ہجو اور فجش سے
اکو دہ نہیں ہر لی عرفی غصہ سے بے قابو ہو جاتا ہوتا ہم اس سے آگئے نہیں بڑھتا،
بامن از ہل معارض شدہ نام منفعہ کرگش ہج کنم او بودش بمحظیم
ایک شخص نے عرفی کو بدھپن کیا تھا، اسکے جواب میں ایک قطعہ لکھا ہر جسکا
پہلا شعر یہ ہے،

تھت فشق میں کردیکے دور انڈش کا یزد از صورت اوسنی ادم بردشت
لطفت یہ ہو کہ ایران کے شعر اجب تک ایران میں رہتے تھے خش د
خو گوئی سے در لئے نہیں کرتے تھے، لیکن ہندوستان میں اُکر انگلی زبان ہندب ہو جاتی
تھی، وحشی یزدی جب تک ہندوستان میں رہا، ہجو سے الگ رہا، ایران پنجا تپڑی
بے نقطہ بولنے لگا، حکیم شفای اس رتبہ کا شخص تھا کہ شاه عباس صفوی نے اسکی تعلیم
کیلئے عین جلوس سواری کی وقت گھوڑے سے اُتر آنما چاہا، لیکن انگلی ہجوں پڑھو تو چفر
و در گر کیں کاد ہو کہ ہوتا ہے اہندوستان کے شوا میں بسے زیادہ زبان از اور ہجو گوشیدہ اور
ملاشیری ہیں لیکن انگلی ہجوں ظرافت کی حد سے نہیں پڑھیں امشلاً شید اطالب ملی
لی ہجوں نہیں آتا ہے،

شب دروز محنت و مناط طالب پچھے جیفا دنیوی درستگ است
مگر قول پنیبر شش یاد نیست کہ دنیاست مردار و طالب سگست
شیری ۔۔۔۔۔ اکبر با دشائ کی ہجوں نہیں کہا،

شہاں مامسال دعویٰ نبوت کردہ ہست گرخد اخواہ پس ان سالے، خدا خواہ بشدہ
 اختلاف معاشرت کا اثر شہزاد در دیبات کی معاشرت اور حالت بالکل جدا ہو، دیبات میں

ہب طرف قدرت کے اصلی مناظر نظر آتے تھے جیسا کہ انسانی ہاتھ نے دست تصرف دراز
 نہیں کیا ہے، دیبات کی زندگی بالکل سادہ اور بے تکلف ہوتی ہے، ان واقعات کا اثر
 شاعری پر استقلال تو نہیں ہوا جبقدر ہونا چاہئے تھا جسکی وجہ یہ یقینی کہ دیبات کے شعرا
 قلد داری کی تلاش میں شہزاد میں جا رہے تھے اور شہزادی بجا تھے تھے تاہم در قیق اور
 شخص سے دونوں معاشرتوں کے اثر کا فرق صاف نظر آتا ہے،

فردوسی کے کلام میں جو سادگی بے تکلفی اور دلیر انداز ہے، اسی زندگی کا اثر
 ہے غور کرو فردوسی سلطان محمود کے دربار میں ہو سمجھتا ہوں الوان نعمت اور تکلفات کی
 جنت آباد میں سبر کرتا ہو لیکن جب بہار کی یاد آئی ہے تو کہتا ہے،

کنون خود باید مے خوشگوار کہے بوسے مشک اید از جیمار
 ہوا پر خروش وزیں پر زجوش خنک آنکہ دل شاددار و بہنوش
 درم دار دو نعل و نان و بنیید سر لگاسندے تو ان بر پر
 غور کرو شاہزاد الوان نعمت کے ہوتے ہوئے اسکو مشک آتا ہو تو اس شخص
 پر آتا ہو جو ایک بکرا فوج کر سکتا ہو، حالانکہ شہر کے تکلفات اور اسراف کے مقابلہ میں
 ایک بکری کی بساط کیا ہے،

عبد الواسع جملی کے حال میں اُتشکدہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ سلطان سخراجب

اُرجنستان گیا تو دیکھا کہ جنگل میں ایک شخص اونٹ چراہا ہو، سامنے پہنچے زار ہوا اونٹ کے سطح
اُردن بڑا ہی تو اس شخص نے انکور و کا اور یہ موزوں فقرے اسکی زبان سے نکلے،

اشتر صراحی گردنا دامن چپ خواہی کر دنا

گردن درازی سیکنی پنسہبہ بخواہی خور دنا

سبخیر جو ہر قابل سمجھ کر ساتھ لایا، چند روز کے بعد یہی شخص عبد الواسع جبلی بن گیا،

عبد الواسع الْجَچِ دربار میں پہنچکر اور شعراء کے قالب میں ڈھل گیا تاہم اسکے

کلام میں ہمیشہ ایک خاص قسم کی سادگی اور خودداری قائم رہی اسکے معاصرین

النوری اور سوزنی دغیرہ بھجو کو فخر سمجھتے ہیں، لیکن وہ فخریہ کہتا ہے،

این فخر بس مرآکہ ندیدہ ہست اپچ کس در شرم من نہست در لظم من بجا

ہرگز ندیدہ وہ مشنو دہست لکس من کردار نا مستودہ و گفتار نا سزا

یہ فرق مختلف مالک کے اختلاف حالت کے لحاظ سے بھی محسوس ہوتا ہے فارسی

شاعری فارس اور ایران کے سوا، ان مالک میں بھی پسلی جہاں کی اصلی زبان

فارسی بنتی، مثلاً غزہ میں، سیستان، بدخش، سمرقند، دغیرہ دغیرہ، ان مالک میں بڑے

برے نامور شعراء پیدا ہوئے، مثلاً فرخی سیستانی، حکیم سنائی غزلوی، حسن غزلوی،

معزی سمرقندی عنصری بختی، الشید الدین و طواط بختی، ان مالک کے شعراء اور غیرہ اور

اصفہان کے شعراء کے کلام میں صفات فرق نظر آتا ہے، غزہ میں اور بدخش دغیرہ میں افغانستان

اور ترکو نگی ابادی بنتی، جو بالطبع جنگجو قومیں تھیں اور جہاں کی معاشرت کسی زمانہ میں،

تکلف اور نفاست کی حد تک اہمیت پوچھی، بخلاف اسکے اصفہان، شیراز، بیز وغیرہ کی آبادیوں میں لطافت اور نزاکت بحق، دہان کے رہنے والے نماز انداز اور طیف المزاج ہوتے تھے، معاشرت کے لحاظ سے یہ شہر گویا اُس زمانے کے پیرس یا لکھنؤ تھے، یہ اختلاف اثر دونوں مالک کی شاعری میں صاف محسوس ہوتا ہے، غزنیں اور سرقدار غیرہ کے شعر، پختہ گواہ در سادہ گوہین، بخلاف کاشیراز وغیرہ کے شعر اور کلام لطافت اور نزاکت سے گویا عروس رعناء ہو، اس اختلاف حالت کو قومی اختلاف کی طرف ہی منتظر سکتے ہیں، یعنی ترکی اور ایرانی قوموں کا اختلاف، یہ ظاہر ہے کہ ترک سادہ وضع سپاہی، نفس، دل کے سخت، طبیعت کے بطور ہے، یہ سرقدار بخار اور غیرہ میں ترکی ہی قومیں آباد تھیں، اور شعراً عموماً ترک تھے، اسلئے انکا کلام کبھی نزاکت اور تخلیل کی حد تک اہمیت پوچھی، بخلاف اسکے ایرانی پیشہ سے نمازک، طبیعت، زندگی، طبع فرافت پسند تھے، میں، اسلئے انکے کلام میں نزاکت، ولطافت، باریک خیالی، اور نکتہ سنجی کا ہونا ضرور ہتا، یہ اثر صرف خیالات پر محدود نہ تھا، بلکہ الفاظ میں یہ فرق صاف نہیاں ہے، شیراز و اصفہان کی زبان میں جو نفاست، شیرنی، روانی، لطافت، لوح، پایا جاتا ہے، غزنیں اور غزنیں کو کہاں نصیب ہو سکتا ہو، البتہ اخیر اخیر میں جب ترکی قومیں ایران کے صدر مقام، یہاں میں آکر اباد ہو گئیں، چنانچہ علی قلی میلی، نمیسی، حاتی، ذوقی، عرشی کے کلام سے اسکی نقد ہے، یہ سب ترکیا اور ایران میں یہیں پرورش ایران میں پائی ہے، ہندوستان کی خصوصیت اس موقع پر ایک عجیب نکتہ خیال دلانے کے قابل ہے،

بعنی یہ کہ فارسی شاعری ہندوستان میں اگر جو لطافت پیدا کی ایران میں سکونتیں
میں ہوئی، چونکہ نظاہر یہ نہایت تجھب انگریز بات ہے اسلئے ہم کسی قدر تفصیل سے
س کو ذہن نہیں کرنا چاہتے ہیں،

پہلے مادیات سے لو ان خوب غور کر کے دکھو، ہندوستان کی آبادیوں میں یہ
اصیت ہو کہ جو چیزیاں باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اسیں اسی موزوںی اور
طاافت آجائی ہو کہ خود اس کے وطن میں نہ تھی، کشمیری، ترک، ایرانی ہر ایک کے
میں کچھ دوچھہ ناموزوںی ہوتی ہے، کشمیریوں کی ناک کچھ ہوتی ہے، چہرہ کی ساخت
موزوں انسین ہوتی ہے، ترکوں کے چہرہ پر صاف خشونت اور سختی محسوس ہوتی ہے،
انیوں میں بھی پورا تناسب (اعضا انہیں) ہوتا، لیکن یہی قومیں جب ایک دلپشت
ہندوستانیں رہ جاتی ہیں تو ان کا چہرہ، مہرہ، ہاتھ، پاؤں، ڈیل ڈول، قد و قامت، نگ
پ، ترش کر اور نکھر کر عجیب جادو نابن جاتا ہے یہی بات ہے کہ یو شین انگریزوں
باد، خواص بورت ہوتے ہیں، ایک خالص کشمیری کو ہندوستان کے کشمیریوں سے
ذوق فرق صاف نظر آئے گا،

اسی طرح اور چیز و نکلوں، ہندوستانی کھانے مثلاً قورمه، قلیہ، پلاو وغیرہ ایران
کے میں لیکن انہی کھانوں میں ہندوستانی رکابداروں نے جو مزہ اور نگ دل پیدا
کی ایران کو تفصیل انہیں کھواب اور مشجر ایران سے آئے تھے، یا ان بنارس کے کھواب
شجر سے ٹکوکیا شسبت، تاج گنج کی سی ایک عمارت، ایران میں نہیں مل سکتی، بعدینہ

یہی فرق شاعری میں بھی ہے، ایران کے ان شعراء کو لو جو ایران سے ہندوستان نہیں لے
اور یہاں کی آب و ہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، انکا کلام ان شعراء کے ایران سے
ٹلاو جو ایران ہی میں رہے، دلوں کے کلام میں صاف یہ فرق نظر آیا کہ عربی،
لطیری، طالب امی، کلیم، قدسی، غزالی کے کلام میں جو لطافت، نزاکت اور باریک
خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفافی اور محتشم کاشی میں کہاں پائی جاسکتی ہے
حالانکہ یہ دلوں اسی زمانہ کے شاعر، اور شعراء کے ایران کے سرتاج اور دربارشاہی
کے انتخاب ہیں، اس نکتہ کی زیادہ تفصیل غزل میں آئے گی، جہاں ہم غزل گوئی کے
مدارج اور طبقات کا موزعہ کریں گے،

ایرانیوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ فقائقی کے بعد، ایک طرز خاص پیدا
ہوا، عبد الباقی رحیمی جو ایرانی ہے اسکو تازہ گولی سے تغیر کرتا ہے اور عالمیہ تسلیم کرتا ہے
اک اسکا بابی اور رہنمای حکیم ابو الفتح گیلانی رہتا، حکیم موصوف گو ایرانی تھا لیکن اسکا نشووند
ناہندوستان میں ہوا، خان خانان کی نکتہ سنجی بھی نام شعراء کے تسلیم کی ہے،
ظفر خان کے متعلق صائب نے لکھا۔ ۶

تو جان ز د غلِ بجا مصیعِ مراد اوری

اور اس سے زیادہ صفات یہ کہ ۶

ز وقت تو بہمن، چنان شدم باریک

ا لیسے لطافت آفرین هر بیان سخن، ایران میں کہاں لئے؟

آب و ہوا اور مناظر قدرت کا اثر

یہ بڑی بات ہے کہ ملک کی آب و ہوا، سرسبزی، اور شادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہے اور سڑیے سے انشا پردازی اور شاعری تک پہنچتا ہے، عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو پہاڑ، صحراء، گل، بیان، دشوار لگزار راستے ہوئے لکھنڈر، بولوں کے چینڈا یا ریڑی بھاڑیاں، چیزیں انکی شاعری کا سرمایہ ہیں، لیکن یہی عرب جب بغداد میں پہنچے تو انکا لام چمنستان اور سنبھلستان بن گیا ایران ایک قدرتی چمن زار ہے، ملک پھولنے پڑا پڑا ہجہ، قدم پر آب روائی، سبزہ دار آبشاریں ہیں، بہار اُلیٰ اور تمام سرزیں غنیہ نہ مردیں نہیں، باد سحر کے جھونکے، خوشبو و نکلی لپٹ، سیزہ کی لہک، بلبلوں کی چپاں، اوس کی جھنگار، آبشاروں کا شور، وہ سماں ہو جو ایران کے سوا اور کہیں نظر میں آسکتا،

اس حالت کا یہ اثر ہوا کہ ایران کی تمام انشا پردازی پر زنگینی چھاگئی، کسی چیز ن خوبی یا کمال کو بیان کرنا چاہیں تو زنگ و بو کے ذریعہ سے کام لیئے، فردوسی مکی زبان سے پہلوانی اصطلاحات اور الفاظ کے سوا کوئی لفظ نہیں نکل سکتا، ج کی تعریف میں لہتا ہے،

سوئے شہر ایران بہادر دے سپاہی بران گون بارنگ بوسے
اسی بنا پر زنگین سختی، زنگین نذالی، زنگین ادائی کے محاذرات پیدا ہوئے،

اس لفظ نے بہت سی اصطلاحیں پیدا کر دیں۔ رنگ برداۓ کار آور دن کسی کام کو
آب و قاب سے کرنا، رنگ رخین، رنگ زدن، ورنگ بستن، تعمیر کرنا۔

ع زرنگ چہرۂ مارخت رنگ خانہ مارا۔

”رنگ برآب رخین“ منصوبہ بازدھنا۔

ع ساقی ما باز رنگ تازۂ برآب رخیت۔

”رنگ داشتن از چیزے“ کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔

ع سلیم از ما کسی رنگے ندارد۔

رنگ کے استعمالات کو دیکھو۔ رنگ گرفتن، رنگ گذاشت، رنگ ہنادن، رنگ
ماندن، رنگ چپیدن، رنگ مالیدن، رنگ پوشیدن، رنگ خندیدن، رنگ پھاستن
رنگ شکستن، رنگ گسختن، رنگ گرداندن، رنگ جستن، رنگ بردن۔

غرض جس مصدر کوچاہیں، رنگ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں، اس سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ رنگیں کا خیال کس قدر طبیعتون پر چاہا یا ہوا ہے کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے
رنگیں جو کر نکلتی ہیں، اتنی طرح پہلوں کی افراط نے گل کے لفظ کو اس قدر عام نیا کوئی چیز
گل سے خالی نہیں، چرانگ میں گل، آنکھ میں گل، شراب میں گل، بیکان میں گل، صح کا
گل، چاند کا گل۔

فیضے عجب درین گل صحیح از صبار سید
بیر دن کشیم رخت کدو دیت صفار سید
مات دل را بند وزنگ زد ایں
گل متسابجنی گرد دشک

صاف دل آدم کو زوال کا زنگ نہیں لاتا، چاند کا چول شک نہیں ہے تا۔

خوش آنستی کے از خسارہ بیانیت نقاب افتاد

بجائے پرده برداۓ تو گھبائے شراب افتاد

دو چار قدم ٹلانا ہو تو گلگشت کہیں گے، گویا ہر قدم پر چول بچھے ہوئے ہیں کہ جو
قدم پڑتا ہو چولون پر پڑتا ہو، زمین کا چھوٹا سا مکرا ہو تو گل زمین کہیں گے۔

یاں دل ہزار خم نایاں نہ داشت اہت یک گل زمین ہزار خیابان نہ داشت اہت

کسی چیز کے ظاہر ہونے یا راز کے فاش ہوئے تو گل کہتے ہیں۔ ع

عاقبت را بلبلان گل کرد

نساد کر شکو گل در آب کردن“ کہتے ہیں، ع

بادہ لوشان گل در آب د مائتاب انداختم

جب کسی مو ق پر کوئی شخص کوئی عمدہ بات کہتا ہے تو سب بول اُنتہے ہیں کہ
گل گفتی، یعنی خوب گفتی۔ پہلوان جب حریف سے کشتنی کا پیغام دیتے ہیں تو چوں بھیپڑا

درین بہار نشد کس حریف فریادم ہے بلبلان جن ہم گلے فرستادم

چھوٹے جمال کو گدرا م کہتے ہیں،

ان باتوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ ملک میں لا رہ گل کی کس قدر بہتات ہے

کہ بات بات میں پیدا جھپڑتے ہیں، اسی طرح ملک کے سبزہ زار ہونے نے سیکڑوں محاذ
پیدا کئے سبز پیشیاںی سبز جیرہ، سبز پیش، سبز کردن، سبز شدن، سبز شدن آفتاب،

سیزشدن بخت، سیزشدن اختر، سیزگردان حرث۔

اسے خوش آن روز کر آن سیدبے قن سیزشود ہرچہ گئی گنتت اے عہد شکن سیزبود

وہ دل کیا اچھا ہو گا کہ تیر اسیب ذقن سیز ہو جائے گا، اور جو بات میں کھاتا ہے سیز بزوگی

آسمان جُز ازدر افتادگی سیز نبو اندر شدن دلکوئی یار

آسمان تیری گلی میں صرف ناگساری سے سیز ہو سکتا ہو

آنقدر مایہ نامدہ است از چشم ترما کزم گریہ ما سیزشود اخسترا

ہماری آنکھ میں اتنی پوچھی بھی نہیں رہی کہ ہمارے انسان کی بھی سے ہمارا فیض سیز بزوہ

شاعری پر اسکا یہ اثر ہوا کہ:

(۱) ہر قسم کے تشبیہات، استعارات، مجازات۔ محاورات میں باعث اور بہار کے لواز میں داخل ہو گئے۔

(۲) عرب کا اندازیہ تھا کہ قصائد کی ابتداء الشیب (عشقیہ شاعری) سے کرتے تھے، لیکن ایران میں قصائد کے مطلع اکثر بہاریہ ہوتے ہیں۔ ہم مثال کے لئے صرف چند مطلع نقل کر دیتے ہیں۔

ابوالفرج رولی۔

لوز دوجوان کر دبدل پر دجال کرد ایام جوانی است زمین را وزمان را

لوز دن بروئے اور جوان کے دل جوان کر دیئے، آج زمین او زمان کی جوانی کا دبجو ارزقی۔

بار دیکھ پرستاں گلben بے برگ بار
افسر زندین بر آر دا بر مر وارید بار
چپول کی خشک ہٹنی کو موئی برسانے والے بادل نے پھرتا جز دین پہنادیا۔
النوری۔

روز عیش و طرب استان است
روز باز ار گل دریجان است
گل دریجان کی آج گرم بازاری ہے
با غ کے عیش و طرب کا دن ہے
خیر فاریابی۔

سپیدہ دم کر زندہ بخیہ در گلزار
گل از سراچہ خلوت رو دب صفائی بار
صح کے وقت بجب بادل، با غ میں خیہ لگاتا ہے تو چپول خلوتگاہ سے نکلرہ باریں آتا ہے
فَسَرْخِی۔

برآمد نیلگوں ابرے زردے نیلگوں ریا
چورا سے عاشقان، اگر دان، چو طبع بیدل لان
نیلگوں بادل، نیلگوں دریا سے املا۔ عاشقون کے خیال کی طرح رنگ بدلتا ہوا، اور بیدل کی طبیعت کی طرح
فَسَرْخِی

ببارید وزہم بگست و گردان گشت گردن
چو پیلان پر آنده میان آب گوں محرا
برسا در پھٹ گیا، اور آسان پر چکر لگانے لگا جس طرح صحرائیں ہی تھیں بھرتے میں
قطران۔

نبوئے بادل نوروزی جوان گشت این جهان سر
بنفس شہزاد و نگس حشم دلال رو ڈنسرین بر
نوروز کی ہو اسے، دنیا پھر جوان ہو گئی، بنفس شہزادی زلف ہی، ترکس نکھڑو، لالہ پھرہ ہر چیلی سینہ ہے

مسعود سعد سلمان۔

پاہ ابر نیسانی بھر ارفت از در یا شا لولو سے لا لابھ صحراء دار دیریا

ابر نیسان کی فوج دریا سے نکل کر صحرائیں آئیں اور حکت ہوئے موتی شاکر نیکیلے لا لائیں

منوچہری

اب آذاری بر آمد از کنار کوه سار با فروردین بجنید از میان مغزار

پاڑ کے کونے سے بادل انھٹا سبزہ نار سے ہو اسپلی

اب زیستی فوج فوج اندہ ہوا ہا خستہ سے آب بینی موج موج اندہ میان و دبار

بادل دل کے دل ہوا میں دوڑتے پھرتے ہیں پانی نہر میں موج در موج پردہ ہے

اب رہیا وزر دیسا دوز قائد بستان با عنبر سوزه عنبر سوز داندلا نزار

بادل باغ میں کخواجہ کپڑے طیار کر ہا ہو ہوا الازار میں اگر جلا رہی ہے

ستادی۔

بامداد ان کے تفاوت نہ کن لیا و نہار خوش بود دامن صحراء تماشا ہیا

اس سمجھو جبا۔ اس اور دن، دلوان برا برا ہو جاتے ہیں، دامن صحراء اور بیمار کاما شا، لطف دیتا ہے

(۳) اسی کا اثر ہے کہ مدعشوق کا سراپا تامن چین زار ہے، قد سر مہے بال سنبل نہیں

چہرہ پھول ہے، آنکھیں زرگس ہیں، دہن فیض ہے، خط سبز ہے، دانت شبتم ہیں، ذقن سیب

ہے، ہمینہ تختہ اسوسن ہے، کمرگ گل ہے۔

نمکتہ۔ آنکھیں کی تشبیہ زرگس سے عام ہو لیکن زرگس کو دیکھا تو اسکا چھول یعنی لسی

اکٹھر می ہوتی ہے، جسکو آنکھ سے مناسیت نہیں لفظ سے معلوم ہوا کہ ابتداء شاعری
میں ترک عشوق تھے، انکی آنکھیں جپولی اور گول ہوتی ہیں، اسی بنا پر قدماً آنکھوں کے
چھوٹے ہونے کی تعریف کرتے ہیں، ع

بت تنگ چشم اندر آغوش تنگ

اسی بنا پر کر بھی آنکھوں کی بھی تعریف ملتی - ع

زگس نیلو فری مژگان فرین باہمیں

مذکون سید رجھی کر اسماں گولن است

ع

(۴) ترک بچوں کے بعد جب بیچے اور ایرانی عشوق بنے تو بادام، آہو وغیرہ تشبیہیں
پیدا ہوئیں لیکن زگس بھی پرانی یادگار کے طور پر بھی،

(۵) ہر زبان میں انسان کے علاوہ بے جان حیز و نکو بھی عاشق اور عشوق بالذمت
ہیں اور اس سے گونالوں متناہیں کا ایک سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے، ہندی زبان
میں سرخاب کے جوڑے کا عشق ضرب المثل ہو، یا جو زر الہ نیلو فری عاشق ہو، ایرانیوں
نے پرندوں میں سے بلبل و گل اور قمری اور سرو کو انتخاب کیا۔

قرمی رخیستہ بالمر بپناہ کرم تاکجا سرکشی اے سرد خراماں اُن من

یہ بھی دھی سرز میں کا اثر ہے

(۶) عشوق کے پاس سلام و پایام بھیجنے کے لئے ہر زبان میں اصلی قادر کے سوا
فرضی قادر ہے تھیں، مثلاً ہندی زبان میں یہ خدمت کوئے سے متعلق، یعنی فارسی میں

یہ کام کبوتر کے سوایا دنیم سے بھی لیتے ہیں، یہ وہی ملک کی آب و ہوا کا اثر ہے،
صبا پر طفت بلوں غزالِ عمارا کسر کپوہ دبیا باں تودارہ مارا

اسے صبا گرد بجو انان حین باز رسی خدمت مابر سان سرو گل مریخان را
حسن کا اثر ایران کی شاعری میں عشقیہ شاعری، تمام اصنانِ حسن پر عتاب ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ ملکِ حسن سے لمبڑی ہو، ایرانی خود حسین تھے نہایوں کے
زمانہ میں ترکی خون کی آمیزش ہوئی، غلامی کے روایج نے دور دور ممالک
کی نسلیں ایران میں لاکر جمع کر دیں، انکے اختلاط سے شرابِ حسن،
دو آتش، سہ آتش بندگی، ہر ملک میں کوئی خاص زنگ پسند کیا جاتا ہے،
لیکن ایران چونکہ تمام حسینوں کا مجموعہ تھا اسکے ہر زنگ مقبول ہے، اور ہر
ایک کے الگ الگ نام ہیں، حسن گندم گون، حسن سبز، حسن یہوں،
حسن ہتا بی، حسن سندلی، حسن شستہ، حسن یہم زنگ، حسن زنگ، حسن برشته، حسن تنک
معز نظرت

کہ مو رخ طالقرف کر حسن گندمیش را
اشرف ۶ حسن یہوں اُن آمینہ رو ہم بنیست
صاحب۔

ماہ ہر چند خوش آئندہ نہ باشد در نو حسن ہتا بی دلدار تماشا دارد

چاند۔ گودن کو خوشناہیں معلوم ہوتا، لیکن، مشرق کا اہتا بی حسن، دیکھنے کے قابل ہے
سالاک۔

ایں حُسْنِ شستہ کر تو داری مداشت صحیح
ہر چند گرد چہرہ ادا فتاب بُشست
تیر ابھیاً دھلا ہوا حُسْن، صحیح کو کہاں نصیب
گوا سکے چہرہ کی گرد آناب نے دہری ہوئی
فطرت۔ ۶

گلستان لالہ زارے گشت از حُسْنِ فرنگ

حُسْن کی عالمگیری نے تمام ملک میں عشق کی آگ لگادی، اور ذرہ ذرہ
عشق سے مشتعل ہو گیا، انسان پر موقوت ہیں تمام کائنات عاشق اور معشوق ہو ہندوستان
عرب اور دیگر ممالک میں ایک آدمی چیز کو عاشق مانتے ہیں، ایران کی تعمیم دیکھو ذرہ و
آناب، کاہ و لہر بیا، بک و آتش، سرو و قمری، گل و بیل، پر و آنہ و شمع، نیلو فر و آناب
ماہ و کستان،

یہ وہی جذبہ محبت کا تخلیل ہے کہ خود عاشق میں تو تمام عالم عشق زار نظر آتا ہے
اس حالت میں عشقیہ شاعری کو جو دسعت ہوئی لازمی اور ضروری بھی اسپر مزید یہ
کہ اور تمام ممالک میں مرد و عورت عاشق و معشوق ہوتے ہیں، اور چونکہ ان دونوں نین
پر دہ کیوجہ سے مہد وقت اختلاط مکن نہیں، اس لئے عشقیہ جذبات ہر وقت تحریک
میں نہیں اسکتے، لیکن ایران میں امار دا اور لون خط معشوق لئے، جن سے ہر وقت
کام لنا جلنار ہتا تھا، اس نئے ملک کا ملک پا گل ہو گیا، دیندار بزرگوں سے نو قع

ہو سکتی تھی کہ انکا دامن اس آگ سے محفوظ رہے گا، لیکن وہ عشقِ مجازی کی قدر دالی
لئے یہ حکم دیا۔

متاب: عشق روگرچہ مجازی است کہ آن بہر حقیقت کارسازی است
نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہوں میں اس جنس کی اور زیادہ مانگ ہوئی اور سعدی کو کہنا پڑا
محتسب در قفارے زندان است غافل از صوفیان شاہد باز
محتسب، زندوں کی علاش میں پھرتا ہے، اور شاہد باز صوفیوں کے حال کی اسکو خوبی بین۔
یہ بُرا ہوا، یا اچھا، اس سے غرض نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ایک ان میں عشقیہ
شاعری اور غزل گولی کو جو یہ ترقی ہوئی اُسکے زمانگزیر اُسے باب تھے۔

باقہ سوم

فارسی شاعری پر جامی رویو

فارسی شاعری کے محاسن و مثالب سے بحث کرنے کے لئے عرب کی شاعری کو
پیش نظر آہنا اور اس سے موازنہ کرنا چاہئے جس سے ہمایت و فضاحت کے ساتھ
نظر آیا گا کہ فارسی شاعری میں کیا کیا الفقح اور کیا کیا محاسن ہیں۔

عربی شاعری کے خصوصیات جن سے فارسی شاعری غالی ہو حسب میں میں

- ۱- عرب میں شجاعت، بہادری، جانبازی، بیان نفس، اتحاد حرب، آزادی، بیان کی،
ہمان نوازی، ایثار وغیرہ مضامین کثرت سے ہیں، فارسی میں یہ مضامین ہمایت کم ہیں
درجہ میں وہ اور دن کی داستان میں، عرب کا شاعر خود ان اوصاف سے منعف
وتا ہے اور اپنے ہی واقعات بیان کرتا ہے، اس لئے اسکا خاص اثر ہوتا ہے، یہ بات
یرانی شعر کو نصیب نہیں، ایران میں شخصی حکومت رہی اور ہمایت جباری اور سلطنت
کے ساتھ رہی، اسلئے قوم میں آزادانہ جذبات بیدالنہیں ہو سکتے تھے،

- ۲- عرب کی شاعری سے ملک کا تدن، معاشرت، خانگی حالات رہنے، سہنے کے
ریق، پوشش، اور بیاس، اور ضمغ قطع، اسباب خانہ داری، طریق ماند و بوداں قسم

کی باتین اس تفصیل سے معلوم ہو سکتی ہیں کہ تاریخ سے بھی انہیں معلوم ہو سکتیں فارسی
میں یہ باتیں نامیدہ ہیں۔

۳۔ عرب میں عورت سے عشق کرتے ہیں، اسلئے ہر قسم کے پچے جذبات ادا ہو سکتے
ہیں، ایران میں عورت کے بجائے اماں دہیں، اسلئے بہت سے ناموز دن مضا میں
پیدا ہو گئے، انہیں میں ایک رقابت بھی ہے، رقیب عربی لفظ ہے، لیکن عرب میں
رقیب کے معنی محافظ کے ہیں، عرب میں عورتوں کی محافظت کا بہت انتظام کرتے تھے اور
محافظ کو رتیب کہتے تھے، ایران میں امر دعشق تھے، وہ بازار دن اور مجموعوں میں
نکلتے تھے، سیکڑا دن کی نظریں ان پر پڑتی تھیں، ایک ایک عاشق کے کمی کوئی
عاشق ہوتے تھے، انہیں کشمکش اور منافست رہتی تھی، انہیں میں سے ایک درست کیوں
رقیب کہتا ہوا، عرب میں اس قسم کی بہیڑہ رقابت نہ تھی، فالسی شاعری میں رقابت
کے مضامیں کا انبالہ ہو اور طرح طرح کے اچھوڑتے خیالات ہیں، عربی اس سے
خالی ہو، متاخرین عرب بخوبی فارسی کی تقليد کی، لیکن اس دور کی شاعری کو عرب
کی شاعری نہیں کہہ سکتے۔

۴۔ ہرشیہ کا جوش خردش جو عرب میں ہے، ایران میں نہیں، اسی بنابر ایران
میں ہرشیہ، شاعری کی کوئی مستقل نوع نہیں۔

فارسی شاعری کی خصوصیات جو عرب میں نہیں مل سکتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فارسی میں تاریخی نظیمن کثرت سے ہیں، عربی میں ایک بھی نہیں، جسکی وجہ یہ ہے۔

کہ تاریخی واقعات مثنوی کے بغیر ادنین ہو سکتے، اور عربی میں مثنوی سرے سے
ادنین، یا ہے تو براۓ نام ہے۔

۲۔ بھار اور برسات وغیرہ کے مناظر جو ایران نے ادا کئے، عرب ادنین کر سکتا تھا،
عربی یہ سماں انگھوں سے ادنین دیکھا تھا،

۳۔ عشق و محبت کے خیالات میں ایران عرب سے بڑا ہوا ہی عشق و عاشقی کی
جنوازک اور لطیف دار دلیل این ایران نے ادا کیں عرب ان کو سمجھ بھی ادنین سکتا، اور
یہ دلوں بلکوں کے اختلاف تدن کا اثر ہے،

۴۔ فلسفہ اور لغویں جو سقدر فارسی میں ہو عربی میں ادنین مولانا روم، فرمید الدین
عطوار، سنای، سحابی، عاقی، اوحصی، ائمہ مقابلہ میں عرب لاکون شاعر پیش کیا جا سکتا ہو؟
هم ابن الفارض اور شیخ حجی الدین اکبر سے نادا قفت ادنین لیکن ان کی شاعری کو ان
بزرگوں سے کیا نسبت،

۵۔ اخلاقی نظیمن بھی جو سقدر فارسی میں ہیں عرب میں ادنین سیکڑا دن مثناں خاص فن
اخلاق پر میں عربی میں ایک بھی ادنین،

۶۔ ریا کا رذ اہدون اور واعظوں نے قوم کی اخلاقی حالت کو نہایت نقصان پہنچا یا
تھا، لیکن فرمبی عام غلطیت کی وجہ سے ان کی پر وہ دری ادنین کی جا سکتی تھی، ایرانی شعر
نے اس فرض کو نہایت آزادی سے ادا کیا، خیام اور سعدی نے ابتداء کی اور خواجہ
حافظ نے ریاضتی کا سار اطلسم توڑ دیا، شاعری کی یہ صفت عرب میں ادنین،

۔ فارسی شاعری کی یہ ممتاز خصوصیست، ہو کہ صرف ایک شعر بلکہ ایک مجموعہ میں ایک دسیخ خیال، ایک ہتھ بالشان ملکہ، ایک دقيق نکتہ ادا کر دیا جاتا ہے، یورپ کی شاعری میں کوئی خیال ایک آدمی شعر میں ادا نہیں ہو سکتا اس لئے انگریزی وغیرہ میں فرد اور متفرق شعر کم ملتے ہیں، زبان کو ای مضمون سلسلہ اشعار کے بغیر ادا نہیں کر سکتے۔

۸۔ لطافت۔ عام خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا دوسرا زبان کے الفاظ سے زیادہ شیرین اور لطیف ہونا وہ اہم کی خلافی ہے، ہر شخص کو فارسی سے زیادہ شیرین سمجھتا ہے اہل عرب عربی کے سو اقسام دنیا کی زبانوں کو غیر فصح کہتے ہیں، یورپ میں فرنگی زبان نہایت فصح اور شیرین خیال کی جاتی ہے لیکن ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص تاک میں بول رہا ہے، ترکوں کو میں نے دیکھا کہ جب تک پس پار ہتھے ہیں فرنگی معلوم ہوتے ہیں، زبان کیلی اور ان سے لفڑت سی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ترکی زبان کو افسح الالسنہ کہتے ہیں۔

اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ پیازی اور وحشی ادمیوں کے ہاتھ پاؤں سے دل اور نازک نہیں ہوتے، جلدیوں میں جسم بهدنا، اور لبڑہ میں کر خلگی ہوتی ہے اسی طرح اکھ صورت اور مخارج حروف بھی سخت ہوتے ہیں، الفاظ حروفون ہی سے بنتے ہیں، اس لئے اکھ صورت اور مخارج حروف کا اثر ادا میں اور ادازے الفاظ میں بھی آتا ہے جو ملکہ ایک سماں میں نہیں پڑا ہوا، زبان کے لوگوں کے جسم میں نہیں اکھ حسن، اور

لورج ہو گا، اسی طرح ضرور ہے کہ اتنے الفاظ میں لطافت تازگی، اور شیرینی ہو اور فرق مراتب خود ایک قوم کے مدارج تدن کے مختلف درودوں میں نظر آتا ہے ہشلا ایران میں پہلے فرشتہ، چنان، ناخون، ہشیوار ایک دغیرہ الفاظ استعمال ہے، جس قدر طبیعتوں میں نفاست اور لطافت اُلیٰ گئی، زایداً اور ثقلی حرف عہڑتے گئے اور فرشتہ، چنان، ناخون، ہشیار، بیچ زبانوں پر رہ گئے،

ایران ہزاروں برس سے آباد اور تدن چلا آتا ہے، اور جس طرح اُلمی کو صورتی رونم کو حکومت سے، یہ وہ کوئی نہ ہے، مصر کو صنعت سے خاص مناسبت بھی، ایران نفاست پسندی، تکلفت، اور نزاکت میں ضرب المثل تھا، شان و شوکت کے انہار کے لئے آج تک کلاہ کیلانی، تاج خسردی، مسند جم، ورش کاویانی سے زیادہ پر شان الفاظ کسی زبان نے نہیں پیدا کئے، اس بنابری قطبی ہو کہ فارسی زبان کے الفاظ اور شیائی کی اور زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ طبیعت، زیادہ نازک، زیادہ پر شوکت، زیادہ شیرین ہیں یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہو کہ فارسی ایک مدستاک تamarیوں اور ترکوں کا جوانگاہ رہا، بلکہ سے لیکر سلطان حسین سیز اٹک ترک فرمائزہ رہے، ہندوستان کے سلاطین چیوریہ ترک نہ ہے، اور ان کی مادری زبان ترکی بھی، اس کا انتصار ہتھا کہ فارسی زبان میں نہایت کثرت سے ترکی الفاظ داخل ہو جاتے لیکن غصہ دی، الغط بھی مشکل سے نکلیں گے، اس کی یہی وجہ ہے کہ فارسی کی نزاکت اور لطافت ترکی الفاظ کی تحمل نہیں، ہوسکتی بھی، خلافاً اسکے عربی زبان کے الفاظ پیکر، لون ہزاروں بہر گئے

حالانکہ ایران میں عرب کی حکومت اپت کم رہی، اور جب تھی بھی تو فرم فارسی ہی میں تھا، اسکی وجہ پر ہے کہ عربی زبان کی نصاحت، فارسی سے پیوند کہا سکتی تھی، اس لئے فارسی کو ایسے ہمان طفیل کی پذیرائی میں کچھ عذر نہیں ہو سکتا تھا،

فارسی کی لطافت پسندی کو اس سے قیاس کرنا چاہئے کہ اس نے خود اپنی زبان کے شفیل اور گران الفاظ چھوڑ دئے، ان کے بجائے عربی الفاظ اختیار کر لئے چنانچہ جس قدر زبان زیادہ صاف ہوتی گئی، عربی الفاظ زیادہ آتے گے اور دو کی سے لیکر فردوسی تک جوز بان تھی، زمانہ تابعہ میں وہ بالکل بدل گئی،

قاعدہ ہے جس ملک میں جس چیز کی بیبات اور کثرت ہوئی ہے، اسکے متعلق ایک ایک جزوی خصوصیتوں کے لئے الگ الگ لفظ بنجاتے ہیں، عرب میں اونٹ تدن اور معاشرت کا جزو اعظم ہے اسلئے اونٹ اور اسکے متعلقات کیلئے ہزاروں الفاظ ہیں لیکن چراغ کے لئے جو اسباب تدن میں ایک ادنیٰ چیز ہے، ایک لفظ بھی نہیں پہلے تو اسی فارسی لفظ چراغ کو سر اج کر لیا تھا، پھر ایک مصنوعی لفظ مصباح بنایا، جس کے معنی "الاصبح کردن" کے ہیں لینی چراغ ایک ایسی چیز ہے جو صحیح بنائے کا آہ ہے،

ایران کا تدن و تنخ نہایت قدیم زمانہ کا ہے اسلئے نمازک جذبات اور طفیل معاملات کے ادا کے لئے اس زبان میں جو پیرا لے سیدا ہوئے اور زبان نہیں نہیں مل سکتے۔ مشرق کی خاص غاص ادا کرنے کے لئے بہت سے الفاظ پیدا ہوئے، ششادفعہ

تاز، ادا، غمزہ، کم نگاہی، لیکن ایران کے شاعر کو اس پر بھی تسلی نہیں، اُسکی نکتہ بین
عاشقانہ تکا ہوں کو اور بھی بہت سی ادا میں نظر آتی ہیں جنکے لئے الفاظ نہیں ملتے اسی
کہتا ہے،

خوبی میں کر شندہ و ناز و خرام غیست بسیار شیوہ است بتانزدہ اکہ نام غیست
۹۔ حسن ترکیب الفاظ۔ موجودہ فارسی زبان مفردات کے لحاظ سے دسیع نہیں
یعنی مفرد اسم اور افعال اس زبان میں بہت کم ہیں لیکن ترکیب کی یہ خوبی ہے کہ
دو لفظوں کو ملا کر اس سے گوتالوں عالم پیدا کر دیتے ہیں، دسیع سے دسیع خیال صرف
دولفظوں میں ادا ہو جاتا ہے، ان دلائل میں ترکیبوں سے نہایت گہری اور نازک
ادائیں جواہر کے دسترس سے باہر تھیں ادا ہو جاتی ہیں، مثالوں سے اسکا اندازہ
ہو گا، یہ بات عربی زبان میں نہیں۔

۱۔ ارباب ہوس اکثر کسی ملعوق سے دل لگاتے ہیں تاہم بہت ربط نہیں ہاتے
کہ دنیا کے کار و بار سے جاتے نہ رہیں لیکن ملعوق دلفری کے غدریہں مطمئن ہے کہ
بچکر کہاں جا سکتا ہو؟ اس داردات کو ایک شاعر ادا کرتا ہے،
بِ ذُورِ گَرْدِیِّ مِنْ، ازْغُورْمِیِ خَنْدَرْ حلیف سخت کمانے کے درکمین دارم
”ذور گردی“ کے معنی الگ الگ کرتا ہے پھر نے کے ہیں،

”سخت کمان“ وہ شخص جبکہ انشانہ دور تک جاتا ہے، ”درکمین بودن“ کے معنی گلات
میں بٹھنے کے ہیں، شتر کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کتر ایسا پھر تا ہوں تو ملعوق ہنستا ہوئے

کہ مجھ سے پچکر کمان جا سکتا ہو، اس شعر میں "دور گردی" اور "سخت کمان" نے ایک
و سیع خیال کو اس اختصار کے ساتھ ادا کر دیا۔

ہلاک طرزِ آن بیگانہ خوبی آشنا رویم کہ با این بیوقایہ و قادر است پندرہی
آشنا رو" وہ شخص جسکے دل میں محبت کا کچھ اثر ہو گیکن ہبھرے سے محبت ظاہر ہوئی
ہوا شعر کا مطلب یہ ہو کہ میں اس معشوق پر مرتا ہوں جسکی آشنا روی کا اخزی ہے کوئا قع
میں بیونا ہے لیکن دھوکا ہوتا ہو کہ با دقا ہے اس خیال کو "بیگانہ خوبی" اور آشنا رو"
ان دو الفاظ نے کس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

فنان از قاصدان بے تصرف ز خود یاک پار، پیغامے نہ ساز نہ
"بے اصرف" وہ قاصد بع اپنی طرف سے کچھ لٹھاتے بڑھاتے نہیں، بلکہ جو کچھ
سنا اسکو بے کم دکاست اگر ادا کر دیا، مطلب یہ ہے کہ میں بے لصرف قاصد سے
نالان ہوں، معشوق نے کوئی تسلی بخش بات نہیں کبھی لختی تو قاصد کو جا ہئے تھا کہ
اپنے دل سے لکھ رکر کوئی بات بناتا کہ کسی طرح سے میرا دل خوش تو ہو جاتا۔

۴۔ چرخش سست با دیاک دل، سر ہر رن باز کر دل

کلار گذشتہ گفتہ سخن دراز کر دل

اڑعتاب بر دل ز دل ہم، انڈک انڈک

پہ پہ بیسہ آفر پیان، بہ بہ ساز کر دل

اعتراف کے جواب میں جو بسا پہلے بات گھر لینے کو "بڑیہ آفزیدن" کہتے ہیں،

شعر کا مطلب یہ ہے، کہ ”وہ بھی کیا لطف کامو قع ہوتا ہو جب دو دست اکٹھے ہوتے ہیں۔
ایک پڑانے لگے کر رہا ہے، اور بات کو طول دیتا جاتا ہے دوسرا اس ناراضی کا سلسلہ
آہستہ آہستہ دل سے مٹاتا جاتا ہے کہ ہنگامیت کے جواب میں جبٹ پٹ کو لی
معقول عذر لھرنا جاتا ہو۔

۷۔ قریان پاس غلط کردہ خدمی دارند در نیک سر درین باغ بہ انداز تو نیست
”پاس غلط کردہ داشتن“ کے سخنی یہ ہیں کہ کوئی شخص ناداقیت سے کوئی
غلط بات کہ جائے اور داقیت ہوئے کے بعد بھی اپنی بابت کی پچ کرتا رہے، شعر کا
مطلوب یہ ہو کہ قریان نے غلطی سے کہدا تھا کہ سر و مشترق کے قد کا ہے، اب انکو
اپنی غلطی معلوم ہو گئی، لیکن بات کی پچ کرتی ہیں؛ در نیز ظاہر ہے کہ کوئی سر و مشترق کے
انداز کی ہمسری نہیں کر سکتا، اس شعر میں پاس کردہ خود داشتن، نئے ایک
دستیغ مصنفوں کو مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

اس قسم کی سیکڑوں ترکیبیں ہیں، جنکی بدلت فارسی زبان بہت بڑے
و سیع اور نازک اور نگین خیالات ہنایت لطافت سے ادا کر سکتی ہے، ہم چند نمونے
یکجا درج کرتے ہیں،

بام کم سخن دش، مے تو ان ساخت این است بلکہ کم نہ کاہ است
شراب تنج دہ ساتی ک مردا فگن بوز درد کرتا نجتی بیساکم ز دنیا دا ز شر دشود ش
مصرع۔

ہر چند بے نقاب تراز افتاب بود

بُرْ قع مه کعنان کر بود حَسْنَ آباد بُحبلہ گاہ زینا کہ بود یوسف زار
 ۱۰۔ لطافت خیال، ایران کا ندن اور تنخ نہایت قدیم زمانہ کا ہے، اس لیے ہزاروں
 برس کی سبق ناز و نعمت کی وجہ سے ہر قسم کے خیالات نہایت نازک اور لطیف ہو گئے تھے
 اور چونکہ زبان بھی متحججتے متحججتے نہایت صاف اور لطیف ہو گئی تھی اس لئے اسی لطافت سے
 وہ خیالات ادا بھی ہو سکتے تھے۔ عربی بلکہ شاید کسی اور زبان کو یہ لطافت خیال نصیب
 نہیں ہو سکتی، مثالوں سے اسکا اندازہ ہو گا،

چشم پُن پر عشوہ کر داول بسوی خلیش دیہ پارہ خود خورد ساقی ساغل بسر زرد را
 اس شعر میں جو مضمون ادا کیا ہو، مشکل سے کسی اور زبان میں ادا ہو سکتا تھا،
 اکثر ایسا ہوتا ہو کہ معشوق جب بن ٹھنکر طیار ہوتے ہیں تو مزے میں اگر خود اپنی
 سچ دلچسپی کیتے گئے ہیں، شاعر اس حالت کی لقصویر یعنی چلتا ہوا درکھستا ہے کہ، «جب
 معشوق کی آنکھوں میں کرشمہ بھر گیا تو اس نے پہلے خود اپنے آپ پر نظر ڈالی گویا ساقی نے
 جب پیالہ بھرا تو پہلے ہتوڑی سی خود بھی پی لی۔

جائے مشام دیدہ کشودم بے گل پنداشتم کہ گر درہ یار می رسد
 یعنی، پھولوئی جو خوشبو آئی تو میں نے بجائے اس کے کرشماہ سے کام لیتا
 انکھیں کھوں دین، میں سمجھا کہ معشوق کے راستے کی گرد ہے، اس لطافت خیال کو
 دیکھو، کوچہ معشوق کی گرد، لطافت کی وجہ سے بڑے گل ہے، اسلئے پھولوں کی جو

خوشبوائی تو دھوکا ہوا کہ کوئے یار کی گرد ہے، ای خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ تاب انہمار
نہیں لاسکتے، گویا حباب ہیں کہ چھوٹے سے لٹٹے جاتے ہیں، میں اردو میں ترجمہ کرتا
ہوں اور افسوس آتا ہے کہ نام لطافت خاک میں بجانی ہے،
صحبتِ حباب کے لطف کو ایک شاعر اس لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے،
عادتِ تجمع بودنِ احباب کر دہ ایم مابونی کنیم گلُر کہ دستہ نیست
یعنی جب تک احباب کا جمگھنا ہو مجھکو صحبت کا لطف نہیں آتا، پھر ل جب تک
گلد سنتے میں انہوں میں اسکو نہیں سو نگھتا۔

پری خ ب شکر خندہ قتل مردم کرد چو گفتہش کہ مر اہم بکش تسم کرد
شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک پرمی روئے خندہ شیرین سے ہزار دن آدمیوں کو
قتل کر دیا میں نے کہا کہ مجھکو عبی، یہ ستر مسکرا دیا، اس مضمون کو کس لطافت سے ادا
لیا ہے، عاشق کے قتل کی درخواست پر مسکرا دینا، متعدد پلپو پیدا کرتا ہو جمین ایک
بھی ہے اور یہ سب کم لطیف ہے کہ عشق کے شکر خندہ سے ہزار دن آدمی کو
قتل کیا تھا، اب جو عاشق نے قتل کی درخواست کی تو وہ مسکرا دیا کہ ایک آدمی کے
لئے اسی قدر کافی ہے،

لہ اسیر اب دار اے ابر نیسان دہلار قطرہ تائے تو اندر شد چس اگو ہر شرود
تاک انگور کی بیل کو کہتے ہیں، ابر نیسان کی نسبت خیال ہے کہ اسکے قطرے سیپ
بن گرتے ہیں تو مولیٰ بن جاتے ہیں، شاعر، ابر نیسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

تو انگور کی بیل کو سیراب رکھ کیونکہ جب تک قطرہ شراب بن سکتا ہے مولیٰ بننے کی کیا
ضرورت ہے، لیکن شراب کا قطرہ مولیٰ سے زیادہ قمپتی ہے، اس لئے بجائے اس کے
کہاب نیسان مولیٰ طیار کر کے یہ بہتر ہے کہ انگور پر پر سے کہ شراب طیار ہوا
فیضے عجیب یافتہ اے صحیح پرہیزید این جادہ روشن رہ مینا زندنا شد
”جادہ روشن“ وہ راستہ جو صفات ہو اور بتکلف منزل تک پہنچا دے،
اصل خیال یہ تھا کہ صحیح کے سہانے وقت میں شراب زیادہ لطف دیتی ہو اسے
صحیح کے آثار دیکھ کر شراب کو زیادہ جی چاہتا ہے اس کو یون ادا کیا ہے کہ صحیح سے عجیب
فیض حاصل ہو رہا ہے دیکھنا یہ جادہ روشن، شراب خانہ کار استہ تو نہیں ہے۔
در بستان، اپر یادو ہاں تو غنچہ را اسال پا غبان بهم نشانگیہ چینو
غنچہ کو دہن سے تشویہ دیتے ہیں اس قدر کا مطلب یہ ہے کہ باخبان کو جو مشوق کا
دہن یاد کیا تو اس نے ابکی سال بچوں کے بجائے بن ہیلی ہی کیا جن لیں،
روئے نکو معاجمہ عمر کوتہ است این لشکہ از بیاض میجانو شتمہ ام
لبخی خوبصورت پھرہ کا دیکھنا کم عمری کا علاج ہے، میں سنے یہ نہیں حضرت علیؑ کی
سیاض سے نقل کیا ہے،

لبگزیدی دمن از ذوق فتادم مہوش بالو کیفیت این بادہ نداخ کر چر کر د
محبوب نے اپنے ہونٹ دانتو نہیں دبا لئے تھے، عاشق کو اس کیفیت نے بنتا یاب
کر دیا اور خیال ہے کہ کاش اسکو مشوق کے ہونٹوں پر یہ ستر سو ہو، امشوق سے

ہتا ہے کہ جب تصور سے میرا یہ حال ہوا تو خدا جانے تجویز پر اس شراب کا کیا اثر ہوا ہو گا
رتونے کیا لطف حاصل کیا ہو گا۔

رابع لمحت پر درج امام میر زینی و می ترسم کہ زود آخر شو دایں با وہ و من در خوار انتم
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محوب بعض وقت حد سے زیادہ مہربان ہو جاتا ہو لیکن یہ
ربانی درستک نہیں قائم رہتی، اس خیال کو یوں ادا کیا ہو کہ محوب کو مخاطب کر کے
نا ہے "تو لطف و عنایت کی شراب لباب دے رہا ہے لیکن مجھکو ڈر رہتے کہ یہ شراب
ند ختم ہو چکی گی، اور مجھکو خار کی تکلیف اٹھانی پڑی گی،

از خلیل زنبیاد کعبہ نیست شہر رشد ازان کہ در آتش نکو شست
یعنی حضرت ابراہیم کی شہرت اس و بھ سے نہیں ہے کہ انہوں نے کعبہ کی بنیاد
لی بلکہ اسوجہ سے ہو کہ آگ میں استقلال کے ساتھ جنم کر بیٹھی،

برزو سے تو چشم باز کردن خمسیزادہ دیدن و گر بود
شمر کا یہ مطلب ہو کہ معشوق کے چہرہ کی طرف اُنکھا اُنھانا و دسری بار دیکھنے کی
اُنھی بیعنی ایک دفعہ کے دیدار سے نسلی نہیں ہوئی، بلکہ ہر بار کا دیکھنا دوبارہ
بچنے کے لئے بے چین کرتا ہو۔

ام توب فرز، و شیم را تواردہ این کار تسبیب کا مرد و افتاب نیست
اس خیال کو کہ معشوق کے بغیر عاشق کی انگوہوں میں سب اندھیرا ہو یوں اکیا جا
لائق سمجھتا ہے میر سے دلکو اور دشمن کر اد دیسری راستہ کو نور دے کے، یہ ترا کام ہو۔

آنتاب و ماہتاب کے لبکی چیز نہیں، نظامہ زبان الفہر کہ آنتاب و ماہتاب بھی دن کو روشن نہیں کر سکتے بلکن دفعہ میں بالکل سچ ہے، دل خوش ہنرو تون بھی اندر یہ معلوم ہوتا ہے، ”تو“ اور ”کار“ کی تکرار نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے،
 ماؤگستاخی است گفتہ ترک بخونے نا۔ باطل خود گفتہ ام آئینہ را بنے زنگ ساز
 کہنا یہ تھا کہ عشق تو بخوبی سے باز نہیں آسکتا ہو اس لئے اپنے ہی دلکوا لیسا
 بنالینا چاہئے کہ عشق کی بخوبی سے رنج ہنوا سکو یون ادا کرتا ہے کہ عشق سے یہ کہنا
 تو گستاخی ہے کہ تو بخوبی اچھوڑ دے، اس لئے میں نے اپنے دل سے کہ دیا ہے کہ اب کی
 آئینہ ایسا بانا کہ اس میں زنگ آئے ہی نہ پائے اصیغہ غائب کے بجائے خطاب نے اور
 زیادہ لطف پیدا کر دیا ہے۔

ہر چند غیرِ لافتِ محبتِ ذمہ برت مارا میدہ بدل بدگان تست

کہنا یہ مقصود ہے کہ قریب گو عشق کے سامنے اپنے عشق اور جانبازی کے بڑے
 دھوکے کر رہا ہو لیکن عشق اسقدر بدگان ہے کہ اسلوک بیقین آسکتا ہو اس خیال
 یون ادا کیا ہے کہ عشق سے خطاب کر کے گتا ہے کہ ”اوْ قریب تیرے سامنے محبت
 کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے لیکن مجھلوکو تیری بدگانی سے بڑی بڑی اسیدین ہیں“
 اتنی دہ رقیب کی محبت کا لقین ذکر نہ دینگی۔

غچہ ہمای دل من گشته شکارت شکرا اذایں صید، تھی کن قفسے چند

کہنا یہ مقصود ہے کہ اسے عشق، جب مجھے سما عاشق تجلو ہاتھ آگی، تو اور تمام عاشق

تکلو بے تعلق ہو جانا چا ہئے، اور ان کو چھوڑ دینا چا ہئے، اس مضمون کو یوں ادا کیا ہر
لے اے معشوق، میرا دل ہما ہے، جب اسکرتو نے شکار کرایا تو اس کے شکرانے میں
بچرے کے پچرے خالی کر دینے چاہئیں۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی خوشی حاصل ہوئی
ہے تو لوگ صدیق کے طور پر نہ جانوز چھوڑ دیتے ہیں،

نیست ملکن کہ گزیم ز غزالان خیال در نہ مجنون تو تہنا ترا زین می باسی۔
عاشق سب سے الگ رہتا ہے اور عالم خیال میں اسپر کرتا ہو شاعر کہتا ہو کہ
لیا کروں غزالان خیال سے بھاگنا ملکن نہیں، در نہ تیرے مجنون کو تو اس سے بھی زیادہ
تہنا رہنا چا ہے، یعنی خیالات بھی نہ آنے پائیں۔

فنان کہ بند قبائے تو باز خواہ شد کہ بادہ بے ادب فنادہ وہاگستانخ
کہنا یہ تھا کہ معشوق شراب کی سرستی میں بے تکلف ہو جائے گا اس کو یوں ادا
کرتا ہے کہاے تیری بیا کے بند کھل جائیں گے، کیونکہ شراب بے ادب اور ہاگستانخ ہو
زبس زیم خوئے تو دز دیدہ ام نفس یک پردہ پست تر زخمی ستنالا مام
جب سردی اسقدر بڑھا لی ہو کہ مقیاس الحرارۃ کا پارہ مطلق نہیں چڑھتا تو اس
در جہ کو صفر کہتے ہیں اس سے بھی سردی بڑھ جائے تو اس کے بھی مدرج ہیں اور
سلکو یوں ادا کرے ہیں کہ صفر سے ایک درجہ بیچے اس سے بھی بڑھتے تو صفر کے
درجہ نئے عدد بڑھاتے جاتے ہیں، اس دیڑح ادا نکی پستی و ملندی کے درجے ہیں
یہیں جب مطلق اور اینہوں سکوت ہو گا، شاعر چنیل سے سکوت کے بھی مدرج قائم کرتا ہیں

رکھتا ہو کہ اے عشوق میں نے تیرے ڈر سے استدر خاموشی اختیار کی ہے کہ میر انالہ
مودت سے بھی بقدر ایک پردہ کے پست ہے، اس قدر باریک خیال دوسری زبان میں
نیافت کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا،

میں شایستگی پون محروم را نت قائم شد زبس با غوش گفت را لغماز گردید م
رازداری کی یہ تعریف ہو کہ کسی سے بھیدن کہا جائے پہاٹ کر خود بھی بھول
جائے اور اس کا خیال دل میں نہ لائے، عاشق عشوق کا راز سب سے مخفی رکھنا
چاہتا ہے لیکن دل سے تو نہیں بھلا سکتا، اس پر اس کو خیال آتا ہے اور
عشوق سے کہتا ہے کہ میں تیرا محروم را لکین بھکر سکتا ہوں، میں نے تو تیرا راز اپنے
دل سے کھدیا۔

زخم زین کر باہر عاشق میل سخن دادی کر تو حُسْنے زیاد، از کار و بار عشق من داری
عشق کا اگرچہ یہی اتفاقنا ہے کہ عشوق کسی اور کی طرف منتظر ہوئے پائے لیکن
بعض وقت دل میں الفاظ آتا ہے کہ آخر ساری دنیا کو اسکے حسن کے تمعن سے کیوں
روکا جائے، اس خیال کو شعراء نے مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے، ایک شاعر کہتا ہے
مسرع۔

ببلی نتوان دادیک ملستان ۱

میں سدا باغ، ایک ببلی کو نہیں دیا جاسکتا، اس شعر میں اس خیال کو نہایت
سے ادا کیا ہے، عشوق سے کہتا ہو کہ اگر تو باہر عشق سے مٹا چاہتا ہو تو میں اسکا

رنج نہیں کرتا، کیونکہ تیرے حسن کی وسعت میرے عشق کے پھیلاؤ سے بہت زیادہ ہے، ایسی
 تیرے دسیع حسن کے لئے صرف ایک شخص کا عشق کافی نہیں ہو سکتا،
 اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ملعوق نازک کے لشکر میں جب چور ہوتا ہے، اور اس وقت کوئی ناز
 بردار نہیں ہوتا تو خود اپنے آپ سے لڑتا ہے، اپنی کسی بات کو خود تاپسند کرتا ہے اور اپنے
 آپ پر جھلاتا ہے، اس حالت کی تصویر ایک شاعر کھینچتا ہو،
 نگان زغمزمہ اشرون خ ک وقت تہنائی بیانہ بخود آغاز کر دہ در جنگ است
 ان چند مثالوں سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ فارسی نے جو طبع خیالات ادا کئے عربی
 وغیرہ زبانوں کے درست سے باہر ہیں،
 بیانی الاصلوبی بدریع الاصلوبی کے منی کسی خیال کو بعد میدا اور اعمجہ براپیرایہ میں ادا کرنے والی
 یہ وہ صفت ہے، جو بہت سے الی فن کے نزدیک اسی کا نام شاعری ہے، فارسی اسی صفت
 میں علاویہ متاثر ہے،
 بیانی الاصلوبی کی مثالیں اگرچہ متعدد و شعرا کے ذکر میں گرد چکی ہیں لیکن موقع کے
 حقناء سے چند مثالیں بیان بھی لکھی جانی ہیں کہ بدریع الاصلوبی کی حقیقت اپنی طرح
 ذہن لشکن ہو جائے۔
 سچے نمیست کہ اکن غیرت زنار تو نمیست
 کہنا یہ تھا کہ زادہ اور عابد اس قدر یا کام ہیں کہ ان کی تسلیح زنار سے بھی بدرتے ہے، اس
 ضھر کا پیرایہ استقدار بدل دیا کہ ظاہر ہیں اسکی طرف خیال بھی نہیں جاتا، اختر کاظم اپنے

ماحصل یہ ہے کہ بہن طعنہ دے رہا تھا کہ اسلام ہندو نکے ذمہب کی برابری نہیں کر سکتا لاش
جو مسلمان ہو جواب دیتا ہے کہ یہ طعنہ ہیجا ہو ہماری عبادتگاریوں تو ہبتوں تسبیحیں ہیں ایسی ہیں کہ زنار
کو ان پر شک آتا ہے،

اسیں بلاغت یہ ہے کہ یہ بات اگر مسلمانوں سے کہی جاتی تو برآمدتے اسلئے بہن سے
کہا ہے اور وہ بھی اس پر ایمین کہ اسلام کی توہین پیش لظر نہیں بلکہ کفر کے مقابلہ میں اسکی
ترنجع مقصود ہے۔

در میان کافر لان ہم بودہ ام یک کمر شال ملزمان نہیں تھے
کہنا یہ مقصود ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص کسی فن میں کمال نہیں، یہاں تک کہ کافر
اپنے کفر میں بھی پورا نہیں، اس مضمون کو یوں ادا کرتا ہے کہ میں کافروں میں بھی مت نہ ک
رہ چکا ہوں، ایک کمر بھی زنار کے قابل نہیں، لیکن ان میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ اپنے
ذمہب میں کامل بہار زنار پہننے کا مستحق ہو،

ایک ہمراہ موافق جہاں می طلبی آن قدر باش کہ عنقا ز سفر بذا آید
کہنا یہ ہے کہ سچا دست دنیا میں ناپید ہے، اس کو یوں ادا کیا جو کہ گویا ایک شخص
سچا دست تلاش کر رہا ہے، شاعر اس سے کہتا ہے کہ زر الہر جا د عنقا سفر میں گیا ہو اسکو
آ لینے والے طلب یہ ہے کہ سچا دست عنقا کی طرح ناپید ہے،

عرفی بجال نزع رسید می پیش دی شرمت نیا مازدہ ایسید دار دست
اہل طلب یہ ہے کہ عرفی بیمار ہو کر نزع کے قریب ہو گیا تھا، مشرق کو خبر بدئی

تو خوش ہوا کہ مر جائے تو قصہ پاک ہو، سو،اتفاق کئی نجی اچھا ہو گیا، اور معشوق کی امید جاتی رہی،
اس مضمون کو یوں ادا کیا ہو، کہ خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ بخت تو زع عتک
پنجھکرا چھا ہو گیا تھکلو معشوق سے بھی شرم نہ آئی کہ وہ تیرے مر نے کا انتظار کر رہا تھا،
اے اجل! جان نہ بہن دال فاسی کمن یا بر و رخصت آن غمز اخون خوارہ بسیار
مقصود یہ تھا کہ عاشق پر صرف معشوق کی ادائیں اثر کر سکتی ہیں، اسکو یوں ادا کیا
ہے کہ بوت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، کہ عاشق یوں نہ مر نیگے، بے فائدہ کوشش نہ، مارنا
ہے تو پہلے جا، اور معشوق کے غمہ سے، اجازت لے آ،

باقاب ازان ذرہ را در انداز ندر کہ عندر مردم کامل بنا کسی نہ بہن د
در انداز حقتن لڑادینا، عندر بہنا دن، معدود رکھنا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ فطرت ذرہ نکو
اس لئے آفتاب سے لڑ دلتی ہے کہ کوئی کامل آدمی یعندر نہ پیش کرے کہ "میں" سچ
آدمی ہوں کیا کر سکتا ہوں، کیونکہ ذرہ سے بڑھ کر کون پیچ جو گا لیکن وہ آفتاب سے
نشستی لڑتا ہے، ذرے جو آفتاب کی روشنی میں چمک اٹھتے ہیں، اسکر آفتاب سے لڑانا
قرار دیا ہے، گویا دہ آفتاب کو اپنی چمک دیک دکھاتے ہیں، اور درخشندگی میں آفتاب
کا مقابلہ کرتے ہیں،

ہزار بار قسم خوردہ ام کہ نام ترا بہب نیا درم الا قسم بنام تو بود
یخیال اکثر شعراء نے ظاہر کیا ہے، کہ عاشق، معشوق کی رسوائی اور بدنای کے
درستے لوگوں کے سامنے اس کا نام نہیں لیتا چاہتا لیکن بے اختیار اسکا نام زبان پر

آہی جاتا ہے، اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے، معشوق سے مناطب ہو کر کہتا ہے، کہ میں نے سیکڑا دن دفعہ قسم کھائی، کہ تیرناام نہ لو بگا، لیکن قسم تیرے ہی نام کی بھی، (یعنی یوں تیرناام آگیا)، اس مضمون کو نظریہ نے اور طلیف پیرا یہ میں ادا کیا، اس طرزِ ادایمیں یہ عیوب تھا کہ تصدیٰ نام لینا ثابت ہوتا ہو، نظریہ کی کتنا ہے،

گرچہ می دا نم قسم خود دن بجانت خوب نیست ہم بجان تو کریا دم نیست سو گندے دگر
یعنی وہ گوئیں جانتا ہوں، کہ تیری جان کی قسم کھانا کچھا بھی بات نہیں، لیکن تیری ہی جانکی قسم کہ جھکو اور کوئی قسم یا دنیں، اس میں یہ خوبی ہے کہ معشوق کا نام لے لیا ہو،
لیکن جا بکھر نہیں، یعنی خود اسکو یہ نہیں خبر کہ معشوق کا نام زبان پر آگیا ہو،

مرادِ خضر عنان گیر باید از چپ در است کہ کچھ دی نکنم در رہ قدر را خطا ساست
کہنا یہ ہے کہ ہر کام میں دو طرح کی غلطیاں انسان سے ہو سکتی ہیں، افراط اور
لذت، جس طرت زیادہ جنگل کار استہ سے ہٹ گیا، اس مضمون کو یوں ادا کرتا ہے، کہ جنگل و خضر و نکی ضرورت ہے کہ دائیں بائیں دلوں طرف سے میرے ہاتھ تھا نے رہیں، اور ادھر ادھر
محکمہ نہ دین، رہبری کے لئے اخضرا فی سمجھا جاتا تھا، شاعر نے دو خضروں کی ضرورت ثابت کی

بعض اکسیر ب تاثیر محبت نہ سد کفر اور دم و رعشت تو ایاں کر دم
کہنا یہ ہے، کہ اگر طلب صادق ہو تو کفر و اسلام سب ایک ہیں، اسکو یوں ادا
کرتا ہے، کہ محبت ایک اکسیر ہے، چنانچہ میں کفر لایا تھا، اور عشق کے اثر نے اسکو سونا کر دیا،
تاسے باغ وصل تو از یم مد عی گلہا نے ناشنگفتہ بجیب ولبل کغم

مجلس میں جس بخیر دن اور قیوب نکا مجمع ہوتا ہے، تو ان کے لحاظ سے عاشق اپنے
مشوق کی طرف بھی بھر کر نہیں دیکھ سکتا، بلکہ کبھی درد دیدہ نگاہ ہی سے کام لیتا ہو، کبھی اچھی
ہوئی لظر ڈال لیتا ہے، اس مضمون کو شاعر غیاث ادا کرتا ہے کہ دصلِ مشوق ایک بانج
ہے جس میں غیر دنکے ڈر سے میں کچھ کلیاں چنتا ہوں،

فارسی شاعر می

پر تفصیلی ریلویو

شاعری کے اذاع ہمارے اہل ادب نے شعر کی تقسیم، وزن، تافیہ، ردیف وغیرہ کے لحاظ
سے کی ہے اور اس بنابر، شعر کے اقسام تصدیق، غزل، ثنوی، وغیرہ قرار دے ہیں انکیں
یہ تقسیم علمی تقسیم نہیں، شعر کے اذاع قرار دینے میں یہ لحاظ ہونا چاہئے کہ شعر کی جو حقیقت ہو،
اور جو اسکے ذاتیات ہیں ان کے لحاظ سے شعر کے کیا اذاع پیدا ہوتے ہیں؟ شعر کی
اصل حقیقت مصوری یا تخیل ہے، اسلئے اہنی دلنوں چیزوں کے تنوعات اور اختلاف
خصوصیات سے شعر کے اقسام پیدا ہوتے ہیں،

مصوری کے لحاظ سے شعر کے اقسام عالم میں جو کچھ ہے ان کی دو قسمیں کھا سکتی ہیں، مادیات مثلاً
زمین، آسمان، چاند، ستارے، باغ، جنگل، کوه، بیابان، گرمی، سردی، بہار، خزان وغیرہ
وغیرہ، لکھیات باطنی، یعنی انسان کے دل میں جو گوناگون جذبات و دلیلت کئے گئے ہیں،

مشلاً۔ رنج و مسرت۔ محبت و غبض۔ حسرت و غم، غیظ و غضب وغیرہ۔ اس تقسیم کے لحاظ سے شعر کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جسمیں مادیات اور اس کے متعلقات کی تصویر کھینچی جائے از زمیں مشنویاں، تاریخی افسانے، مناطر قدرت کے متعلق اشعار، سب اسی قسم کے تھت میں داخل ہیں، ان سب میں مادیات کی یا اُن چیزوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے جنکو ماڈیاں سے تعلق ہے، اس شاعری کو انگریزی میں ایسا پاک کہہ سکتے ہیں، ایسا پاک اگرچہ اصل میں صرف شجاعا نہ شاعری کا نام معاالیکن اب یہ لفظ ایادہ و سلیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، دوسری قسم جذبات کی شاعری ہر جس میں جذباتِ انسانی کی تصویر کھینچی جاتی ہے اسکے ذیل نیں حسب ذیل چیزوں داخل ہیں۔

غزل جسمیں محبت کے جذبات کا بیان ہوتا ہے۔

عشاقیہ مشنویاں۔

مشترکہ۔

وہ اشعار جسمیں نہ فخر، غرور، استقامہ مسرت، غم، شکر، صبر، حسرت، ندامت، حب وطن اس قسم کے جذبات کا انہصار کیا جائے،

تحلیلی۔ شاعری میں کسی چیز کی تصویر ہنپیں کھینچی جاتی بلکہ شاعر کوئی دعویٰ کرتا ہے اور اسکی کوئی خطابی دلیل پیش کرتا ہے یا کسی بالکل معمولی طریقے کے بجا سے عمدہ طریقے سے ادا کرتا ہے یا کسی چیز کی مرح یا ذم میں کوئی اعجوہہ امیر مبالغہ تلاش کرتا ہے، یا کوئی نادر اور اچھوٹی اور درد کا از جگاہ تشیہ ایجاد کرتا ہے، اس قسم کی شاعری کو واقعیت سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے، تا خرین

کی شاعری زیادہ تر اسی قسم میں داخل ہے،
 شاعری کے جو مشہور اقسام ہیں یعنی غزل، قصیدہ، مشنوی، ذکورہ بالا اصول
 کے حافظ سے انکی نوعیت یہ ہے کہ قصیدہ اور غزل، جذباتی شاعری میں داخل ہیں اور
 مشنوی مظاہر قدرت کی معموری ہے، لیکن ہمارے شعراء نے، ان میں سے کسی کو اپنے
 حدود میں محدود نہیں رکھا، غزل میں بجائے اسکے کہ جذبات محبت کا انہصار کیا جاتا، ہر قسم
 کے فلسفیانہ اور تخلیلی مصنایم داخل کر دیئے، قصیدے ہمہ تن تخلیل بنگئے، مشنوی نے واقعہ
 نگاری کی صد سے متباہ و زہب کر کر، ہر قسم کی شاعری پر لصرف کر لیا،
 اب ہم فارسی شاعری کے اذاع پر الگ الگ رویو کرتے ہیں، لیکن ان اذاع کے
 قرار دینے میں مجبوراً افلطع مجحت سے کام لینا پڑتا ہے، یعنی بعض نوعیں علمی تقسیم کے حافظ
 سے قائم کی گئیں اور بعض میں اسی قدیم اصطلاح کو فائدہ رکھا ہے،
 مشنوی اذاع شاعری میں یہ صنف، تمام اذاع شاعری کی پہبندیت زیادہ مفید، زیادہ
 دیسیں، زیادہ ہمگیر ہے، شاعری کے جس قدر اذاع میں سب اسمیں نہایت خوبی سے ادا
 ہو سکتے ہیں، مذیباتِ انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخلیل، ان تمام پیزروں کے لئے
 مشنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ اٹھیں اسکتا، مشنوی میں اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا
 لوگی قصہ بیان کیا جاتا ہے، اس بتا پر زندگی اور معاشرت کے جس قدر ہم لوگوں میں سب اسمیں
 جاتے ہیں، عشق و محبت، رنج و سرست، غم و غضب، کیثہ و انعام، غرض جس قدر انسانی
 مذیبات ہیں سبکے سماں دکھائے کاموں قع مل سکتا ہے، تاریخ میں مختلف اور گوناگون واقعات

پیش آتے۔ اس لئے ہر قسم کی واقعہ نگاری کا کمال دکھایا جاسکتا ہو، مناظر قدرت، بہار و خزان، گرمی و سردی، صبح و شام، یا جنگل، بیان، کوہ صحراء، سبز زار وغیرہ کی تصویر کھنچی جاسکتی ہے، اخلاق، فلسفہ، لصوف کے سائل نہایت تفضیل سے ادا کئے جاسکتے ہیں، اس اسلامی اور وسعت کی وجہ یہ ہے کہ مشنوی کا ہر شعر علیحدہ ہوتا ہے اس لئے یہ پابندی نہیں ہوتی کہ پوری نظم ایک ہی قافیہ میں ادا کیجاے جیسا کہ غزل اور قصیدہ میں لازمی ہے، مشنوی کے لئے اشعار کی نعمت ادبی محدود نہیں، اس لئے احتمال وسعت دینا چاہیں دیسکتے ہیں، مضمون کی بھی کوئی تخصیص نہیں، ارزیب، عشقیہ، لصوف، فلسفہ، واقعہ نگاری جو مضمون چاہیں مشنوی میں ادا کر سکتے ہیں،

یہ بتائیں مشکل ہوئے مشنوی کی ابتداء ایران میں کیونکہ ہوئی، یعنی خود ایران کی ایجاد ہو یا عرب کا کوئی نمونہ پیش نظر نہ تھا، یہ ظاہر ہے کہ عرب میں اس زمانہ تک مشنوی کوئی چیزہ نہیں البتہ رجز کو مشنوی کہ سکتے ہیں کیونکہ اسکا بھی ہر شعر الگ ہوتا ہے، اس میں مسلسل واقعہ بیان کئے جاتے ہیں، بنو امیہ کے زمانہ میں رجزے اس قدر ترقی کر لی بھی کہ سوسو شعر کے رجز پائے جاتے ہیں۔ روایتہ التجاج کے طویل الذیل رجز آج بھی موجود ہیں، عباسیوں کے زمانے میں عبد الدّر بن المعزز نے مشکار کے حالات رجز میں لکھے ہیں اور وہ مختصری مشنوی کی جاسکتی ہو غرض یا تو ایران نے خود مشنوی ایجاد کی یا رجز کا نمونہ ان کے سامنے تھا لیکن الگ رجز کی تعلیم بھی کی تو تعلیم اجتہاد سے بڑھ کر بھی عرب میں کوئی ابسط مشنوی آج تک شاعرانہ انداز میں نہیں لکھی گئی ایران میں سیداد ن،

ہزار دن اعلیٰ درجہ کی مشتیاں موجود ہیں،

شتو می کا سب سے پہلا موجہ بھی متین نہیں ہو سکتا لیکن اگر روڈ کی کوشکا آدم
تسلیم کیا جائے تو شتو می کا موجہ بھی اسی کو کہنا چاہئے، کیونکہ اسکے قبل کسی شتو می کا پتہ نہیں
لگتا، روڈ کی نظر بن احمد سانانی کی فرمائش سے کلیلہ و منہ کا ترجمہ شتو می میں کیا در شہور
ہے کہ ۱۰۰ ہزار روپیہ العام میں ملے، یہ شتو می آج ناپید ہے لیکن اسدی طوسی لے ۱۰ پنے
لغت میں اسکے اکثر شعر سند میں نقل کئے ہیں یہ لغت ہمارے پیش نظر ہے اور ہم اس سے
چند شعر نقل کرتے ہیں کہ اسوقت کی شتو می گولی کا اندازہ ہو سکے۔

گفت با خ ر گوش، خان، خان من، خیز و خاشاک ازو بیر یز ن فلن،

شو بیدان کنچ اندر و خنے بجوے، زیر او سچی اسٹ بیر دن شوبیدوی

چونکہ ما سیدہ بد و گستاخ شد، کار ما سیدہ بد و در و اخ شد

آن فریدہ مردان، مرد نجرا، پیشہ کردہ در بیچ جان، آنج را

علوم ہوتا ہے کہ روڈ کی نے تمام مشہور بجردن میں شتو می گولی کی بنیاد ڈال دی

لئی، شہنامہ کے وزن میں بھی اسکی ایک شتو می ہے اسکا ایک شعر ہے،

نکو گفت مز دور با آن خدیش، کمن بد کبس گرخواہی بخویش

ہفت پیکر کی بجر میں یہ اشعار ہیں،

گفت نقاش چونکہ نشنا سم، کرنہ دیوانہ دنہ فر نا سم

فراشیشن پاک دار دبی پر غاش، پیچ کس را مباش عاشق غاش

رووی کے بعد اکثر شعراء مثنویاں لکھیں اور فردوسی سے پہلے مثنویوں کا
ایک بڑا ذیرہ طیار ہو گیا،

اسدی نے اپنے لغت میں لیتی ہی: ابوالشکور طیان عنصری کی مثنویوں کے
است سے اشعد فعل کئے ہیں، عنصری نے اکثر بحروف میں مثنویاں لکھیں، و امتن و عذر را
جو اسکی شہادت مثنوی ہے (گواج ناپید ہے) اسکے چند اشعار یہ ہیں،

مرا ہر چیلک دسپاہ است و لغج ہمہ ان تست و تراز و است لجج

بتجید عذر را چو مردان جنگ ترجیحید بربار گی تنگ تنگ

چورانی نیاب ستر دن بجام بود راند ن تعییہ بے نظام

پریزادگان رزم را دل پسند پولاد پوشیدہ چینی پر نہ

ان مثنویوں کی جزو بان ہے کی سوب رس سے بالکل متذکر ہے اسلئے ان کا ناپید

ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن واقعی ہے کہ وہ کچھ بھی ہوتیں شاہ نامہ کے طارع
ہونے کے بعد ان ستاروں کا فروع کیونکر قائم رہ سکتا تھا،

فرووی کے بعد سب کو علانیہ نظر آیا کہ سورج کو چراغ دکھانے بے فائدہ ہوا اس لئے

مزسمیہ مثنویاں بند ہو گئیں، نظامی کا ذور طبع، قالب کا ذخیرا، اس لئے انھوں نے ہمت نہیں

بازی، اور سکندر نامہ لکھا، اور اس میں شبہہ نہیں کہ اپنے طرز میں لا جواب لکھا، لیکن پھر

بھی قطرہ و دریا کا فرق ہے، نظامی کی تقلید میں اور وہ نے بھی سکندر نامے اور شبہہ نامے

لکھے لیکن وہ مزرمی نقایلی تھی۔

غرض رزمیہ یا راقعہ نگاری تو شاہنا مسہ پختہ ہو گئی، لیکن جو نکر دائرہ نہایت و سیع تھا، اس لئے اور شاخصین پیدا ہوئیں اور شنوی نے نہایت وسعت حاصل کی اور بیشمار شنویان الکمی گئیں، مضامین کے اعتبار سے اگر انکی تقیم کی جائے تو تمام شنویان ذیل کے عنوان یعنی داخل ہو سکتی ہیں۔

رزمیہ یا تاریخ - مشلاً شاہنا مسہ و سکندر نامہ وغیرہ،

عشقیہ - شیرین خسر وغیرہ۔

اخلاقی - صدیقہ سنانی و بوستان وغیرہ،

قصہ و افسانہ - ہفت پیکر و مشہت بہشت وغیرہ،

قصوٹ و فلسقہ، شذی مولانا روم و جام جہم اوحدی وغیرہ،

ان ہیں سے رزمیہ کے سوا باقی اقسام کا ذکر فلسفہ کے عنوان میں آئے گا،
یہاں صرف رزمیہ یا تاریخی شنوی کا لیو یو مقصود ہے،

رزمیہ کو انگریزی میں ایسا کہتے ہیں، اور یورپ میں وہ اقسام نظم میں سب سے زیادہ تہم بالشان اور وسیع ہی، ہومر کی الیڈ جسلکوتا م یورپ مذہب شاعری کی کتاب اسلامی سمجھتا ہے، رزمیہ ہی ہے، اس بنابریم اسی صنف پر تفصیل سے بحث کرنی پڑتے ہیں کہ فارسی شاعری کے کمال کا اندازہ ہو سکے،

رزمیہ شنویان اگرچہ بہت ہی الکمی گئیں مشلاً لکھتا اس پ نامہ اسدی، شہنا مرد قیمی

سکندر نامہ نظامی، سکندر نامہ خسر و تیمور نامہ ہاتھی، وغیرہ وغیرہ لیکن ان میں صرف یہ تین

قابل ذکر ہیں، شاہ نامہ، گشنا سپ نامہ اسدی۔ اور سکندر نامہ نظامی، لیکن انہیں بھی شنوی کا معیار کمال صرف شاہ نامہ ہے، اس لئے ہم شاہ نامہ پر تفصیلی روایوں لکھتے ہیں، مثاہنامہ کا ریویو پہلے حصہ میں گذر چکا ہے لیکن دوسری طور پر تقدیم وہاں اصل مقصد فردوسی کے حالات تھے، لیکن قبل اسکے کہ ہم شاہ نامہ پر روایوں میں، ضرور ہر کو متنتوں کے کمال کا معیار اور اسکے اصول بتا دئے جائیں،

کسی شنوی کی خوبی کا اندازہ کرنا ہوتا ہے دیکھنا چاہئے کہ امور ذیل کامانشک لحاظ رکھائی ہے، اور شاعر کو اُن سے چہدہ برآ ہونے میں کامانشک کامیابی ہوئی ہو،

حسن ترتیب سب سے مقدم یہ شرط ہو کہ جس داستان یا جس واقعہ کو لکھا ہو اس میں حسن ترتیب کامانشک پایا جاتا ہے، شاعر کو کسی تاریخی واقعہ میں جو مصالحہ ہاتھ آتا ہے وہ صرف چند اجمالی خام اور غیر مرتب واقعات ہوتے ہیں اب دیکھنا چاہئے کہ اس نے داستان کا خالک کیونکر قائم کیا ہے واقعات میں کیونکر ترتیب پیدا کی ہے کس داقعہ سے آغاز کیا ہے جن ضمنی واقعات سے گذرتا ہوا اصل واقعہ تک پہنچا ان میں کس قسم کا تناسب اور ترتیب ہے؟ کس طرح انکی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں؟ کن کن واقعات پر اس نے زور دیا ہے؟ کن کو انجمار ہو؟ کن کو دیند ارکھا ہے؟ موقع بوقوع تخلی سے کس طرح کام پایا ہے؟ اخلاقی ناتائج پیدا کرنے کے لئے جو فرضی باتیں پیدا کر لی ہیں انہیں کس طرح تناسب پیدا کیا ہو؟ جس سے یہ معلوم ہو کہ قصداً ایسا نہیں کیا بلکہ بات میں بات پیدا ہو گئی ہو، جذبات پر کس طرح موقع بوقوع اثر دala ہو؟ اگر ان تمام مطلوں سے شاعر عہدہ برآ ہو

تودہ حسن ترتیب میں کامیاب تجھا جائیگا،

کیرکٹر مثنوی میں سیکڑا دن اشخاص کا ذکر آتا ہے، مرد کا، عورت کا، آقا کا، نوکر کا، بچہ کا، جوان کا، امیر کا، غریب کا، سوداگر کا، پیشہ ور کا، عالم کا، جاہل کا، دغیرہ وغیرہ، ان مختلف اشخاص کے اخلاق، خوبی، طرز انداز، مزاج، طبیعت، گفتگو، بول چال، مختلف ہوتی ہے؛ شاعر کا یہ کمال ہو کہ اس شخص کا بیان کرے اسکے تمام امتیازی خصوصیات کو قائم رکھے، بچہ کا بیان اس طرح کرنا چاہئے کہ اسکی بات بات میں پیپن کی ادائیں پالی جائیں، نوکر کا واقعہ لکھا جائے تو گویا یہ معلوم ہو کہ شاعر باعتصد اس کے نوکر ہونے کا انہار کرنا چاہتا ہو، تاہم اسکے اخلاق و عادات، بول چال، طرز انداز سے نوکری اور محکومی کی بوائی ہو، ایک شریف کا بیان ہو تو سخت سے سخت حادث میں مبتلا ہونے پر بھی اسکی شرافت کے جو ہر نظر آئیں، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ہر شخص کے خاص اخلاق و عادات میں بعض باتیں نایاں ہوتی ہیں، عمومی شاعر صرف ان بالوں کو دکھاتا ہو، یعنی اسکی نظر وہیں تک پہنچ سکتی ہے لیکن ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر کی نگاہ ان باریک اور گہری خصوصیات تک پہنچتی ہو، جو عام نگاہوں سے بالکل ادھمل ہوتے ہیں،

الشیانی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے، کہ اس قسم کی خصوصیات کا امتیاز نہیں کیا جاتا،

کیرکٹر کا اتحاد مثنوی میں اس کا ماحظہ نہایت ضرور ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص کیرکٹر قائم کیا جائے اور جیان کی میں اس شخص کا ذکر آئے یہ کیرکٹر بدلتے نہ پائے، کم سے کم یہ کہ ایسی کوئی

بات لفظہ آئے جو قائم کردہ کیرکٹر کے خلاف ہو ہمارے ہاں کے اکٹھر اس نکتہ کو میش نظر نہیں رکھتے، وہ جس موقع کا بیان کرتے ہیں، وہاں کے خاص لوازم کا اثر اس قدر اُن پر غالب آجاتا ہو کہ پھیلے کر کر کا خیال نہیں رہتا اور اس لئے بعض اوقات تناقض بیانی ہو جاتا ہے اردو میں میرا نہیں اس دعویٰ میں متاز ہیں، مثلاً انگلوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا جو خاص لکر کر قرار دیا ہے، وہ صبر، حلم، برداشت، تکمیل اور قادر ہے، مرثیہ نہیں امام موصوف کا ذکر سو سو طرح سے آیا ہے اور ہر قسم کی حالتیں پیش کی ہیں لیکن کسی جگہ، کسی موقع، کسی حالت میں یہ اوصاف بد لئے نہیں پاتے،

داقعہ نگاری مشنوی کا اہم الادعاء واقعہ نگاری ہے، واقعہ نگاری میں جو نقش عموماً اکثر شعراء کے کلام میں پائے جاتے ہیں، انکی تفصیل ہم اس لئے لکھتے ہیں، کہ ان سے واقعہ نگاری کی اصلی حقیقت سمجھ میں آیا گی، یعنی صحیح واقعہ نگاری دہ ہے جسین یہ نقش نہ بول،

۱۔ اکٹھر شرایب کسی چیز کا بیان کرتے ہیں تو اسکے ایسے عام اور مہم اوصاف بیان کرتے ہیں جو فریباً ہر چیز کی نسبت منسوب کئے جا سکتے ہیں اور جنکو ہر عالمی سمجھ سکتا اور بیان کر سکتا ہے، دقیق اور ناذاک باتیں نہیں بیان کرتے، مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کے خوشنویس کے تقطیع کی تعریف کی جائے تو یہ کہاں کہ نہایت عمدہ ہے، لا جواب ہے، بے نظر ہے، نظر فروز ہے، انگلوں میں کھا جاتا ہے، دیکھ کر چیرت چھا جاتی ہے، عام اوصاف ہیں لیکن ہر عمدہ چیز کی نسبت یہ اوصاف استعمال کےجا سکتے ہیں، اور جو شخص فن خوشنویسی سے سلطنت واقع نہ ہو، وہ بھی ال الفاظ میں حسن خط کی تعریف کر سکتا ہے، لیکن ایک

ماہرفن، داروں کی باقاعدگی، حرفونی کی شش، کرسیوں کی نشست، نقطوں کی موزوں، تلم کے زور کی تعریف کریگا اور اس علمی طریقہ سے کریگا جو فن خطاطی کا اصول ہے۔ ایک برجستہ شعر سنکریاک عالمی بھی میساختم سچان اللہ کہ اٹھتا ہو، اور عام الفاظ میں تعریف کرتا ہے لیکن یہ تعریف عامیانہ تعریف ہوئی ہے، بخلاف اسکے ایک ماہرفن مضمون کی جدت، بندش کی صفائی، طنز ادا کی خوبی الفاظ کی شستگی، جلوں کی دروست، بلاغت کے اسلوب کا ذکر کرتا ہے، واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے جس طرح ایک ماہرفن کرتا ہے، یعنی اس کے تمام اصلی خصوصیات اور جزویات بیان کی جائیں، ہمارے شرایح و پبلو انسٹی لڑائی باندھتے ہیں، تو زمین آسمان کو ہلا دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بیان کرتے کہ دو نو انحراف کس طرح ہے، کیونکہ دارکیا، کیا کیا دالوں پیچ کے تباوار کے کیا کیا ہے، کا لے، بیزے کے بند کیونکہ باندھے، کمان کیونکہ جڑا ہے؟ تیر کیونکہ جڑا ہے، ڈھال کیونکہ ریلی؟ وغیرہ وغیرہ،

چونکہ شاعری درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہے، اصلی جبتک واقعہ نگاری میں اس قسم کی خصوصیات نہ کہاں جائیں، کسی واقعہ کی اصلی اور صحیح تصورِ ذہن میں نہیں اسکتی،

۲۔ واقعہ نگاری کا ایک بڑا نقش یہ ہے کہ جو لوگوں نے مچھر لے داتھات نظر انہا اُزکر دیکھا، ہمارے شرعاً صحیح ہیں لہجے ای باتوں کا بیان کرنا عامیانہ پن ہے، لیکن دو یہ یہ میں خیال کر رہے کہ اُنہوں نے ایک خیفت اور لہجے ای بات سے واقعہ کی تصوری اس طرح

لکھ جاتی ہو کہ بڑے بڑے واقعات کے او اکرنے سے نہیں لکھ سکتی تھی چنانچہ اس کی تفصیل
ہمغا عربی کی بحث میں محاکمات کے عنوان میں لکھ آئے ہیں،
سر شاعر جب کسی بات کو واقعہ کی حیثیت سے لکھتا ہے تو وہ گو弗رضی ہو لیکن اسکا
فرض ہو کہ بیان میں ایسی کوئی بات نہ آئے جس سے واقعہ ناممکن یا مشکل ہو جائے یہ
نقض مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، کبھی توجہ اقدم بیان کیا جاتا ہوئی نفس ناممکن ہوتا
ہے، مثلاً یہ داقعہ کہ جب رسم پڑتا ہوا تو گھٹنون تک زمین میں دھنس جاتا ہے، کبھی
ناممکن نہیں ہوتا لیکن موقع و وقت اور حالات کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتا ہے، مثلاً
یہ داقعہ کہ کیکاؤس نے عقابوں کے ذریعہ سے انسان پر چڑھنا چاہتا گی کیا کاؤس کے جو
حالات اور واقعات شاہ نامہ میں مذکور ہیں ان سے وہ اس قدر احمد نہیں ثابت ہوتا کہ
لیسی بہیودہ کو شش کارادہ کرے،

غرض واقعہ نگاری کا یہ سب سے مقدم فرض ہے کہ واقعہ کو اس صورت میں
ظاہر کیا جائے کہ دل میں اُتر جائے،

ان اصول کے بعد ہم شاہ نامہ پر تفصیلی روایوں لکھتے ہیں،
شاہ نامہ کی تاریخی حیثیت شاہ نامہ ایک تاریخی نظم ہے اس لئے سب سے پہلے اس پر
اس حیثیت سے نظر ڈالنی چاہئے کہ وہ تاریخی اعتبار سے کیا درجہ رکھتا ہو،
اس امر کے متعلق ہم پہلی حصہ میں جیاں شاہ نامہ پر روایوں، تفصیل سے بحث
کر چکے ہیں جبکہ ہم لئے ان روایوں مختصہ کے احوال نقل کئے ہیں جو ایران کی متعدد

زبانوں سے واقف ہیں اور جنہوں نے تسلیم کیا ہوئہ "فردوسی" کا بیان قدیم ایرانی تاریخوں سے حرف حرف مطابق ہو، لیکن اس موقع پر ہم اور مختلف حیثیتوں سے بحث کرنی چاہتے ہیں افرادوسی کو اپنی تاریخی ذمہ داری کا اس قدر کھاڑا ہے کہ واقعات کے بیان میں سب سے پہلے وہ اپنا مأخذ بیان کرتا ضروری سمجھتا ہو جیسا کہ عام قاعدہ ہے، شاہ نامہ کے تمام ماخذ بیسان درجے نہیں رکھتے یعنی بعض زیادہ مستند ہیں، بعض کم بعض اس سے بھی کم، اس سے وہ ہر موقع پر اس فرق مرتب کی تصریح کر دیتا ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ شاہ نامہ کی عام بنیاد ایک قدیم ایرانی تاریخ ہے، جسکی تصنیف کردہ ہزار برس گزر چکے تھے جناب پختا ہے۔

گذشتہ برو سالیاں؟ وہزار

وہ عام واقعات اسی کتاب سے لیتا ہو، اسکے لئے ہر جگہ حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھتا ان سے الگ جو واقعات لکھتا ہے اسکے مأخذ کی تصریح کرتا ہے شفاذ کی داستان اس نے فردوسی خاندان کی ایک زندہ یادگار سے حاصل کی تھی چنانچہ لکھتا ہے،

یک پیر بدنابش آزاد سرہ	کربا احمد سہل بودے بہر د
بس ام زیلان کشیدش نژاد	لبی داشتہ رزم رستم بیاد
اس کا نسب سام تک پوچھتا،	مکور ستم کی لڑائیاں بہت یاد رہیں،
بگویم سخن اخپسہ دیا نستم	سخن را ایک اندر دگریا فتم
میں نے اس سچو کچو سننا سکی بیان کرتا بن	میں نے اس سچو کچو سننا کو دسرمی باستی جو

بیرون کی داستان کی تہیہ میں تصریح کی ہے کہ اسکے واقعات، اسکے ایک منظور
نظر نے بیا کہے تھے چنانچہ کہتا ہو،
بدان سر دین، لفتم اے ماہ فری
مرا مشب این داستان بذگوئے
میں نے اس سے کہا کہ اے ماہ دوا
آج کی رات، مجھ سے یہ داستان بیان کر
مر آگفت کر من سخن بشنوی
بہ شر ارے از فرہ پسلوی
اس نے کہا مجھ سے جو سنو، اسکو
پلدوی زبان میں نظم کر ڈالو
طخندر اور گوکی داستان، اصلی ماخذ میں نہ تھی اسلئے اس کے روایتی کا نام
نصریح سے بتا دیا ہے،

چین گفت فراز از شاہ عوی پیر دشا ہوئے پیر این سخن یا دیگیر
جس حجد کی اس کو تفصیلی تاریخ نہیں تی دہان صاف تصریح کر دی ہے سکندر نے
جب ایران فتح کیا تو اس غرض سے کہ ایران کی قوت تقسیم ہو کر کم و درہ جائے، ہر ہر
صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا جس سے طائف الملک کی قائم ہو گئی، دوسو برس تک یہ
حالت رہی اس حجد کے حالات قلبند نہیں کئے گئے، فر دو سی اسکا اجمالی تذکرہ کر کے
لکھتا ہے،

ازین گونہ بگذشت سالے دویست تو گفتی کہ اندر جہان شاہ نیست
اب طرح دو سو برس لگد رے گویا دنیا میں کوئی بادشاہ نہ تھا
چوکوتاہ شد شاخ و هم نج شان ٹکوی جہان دیدہ تاریخ شان

چونکہ انکی شاخ اور جوگ کی اس لئے تجربہ کار، ان کی تاریخ بخوبی بیان کرتا
 از ایشان جستہ از نام نشیدہ ام نہ در نامہ خسر و ان دیدہ ام
 جو واقعات اسلوب پری تفضیل کے ساتھ ملے ہیں انکو تبادہ ادا کیا ہے اور اس کی
 تصریح کروی ہو کاموس کی داستان ختم کر کے لکھتا ہو۔

دراز است دل فتا دان و یک لپیزیر لمبی داستان تھی اور ایک سو محبو سکا نہیں چھوٹا روانی مراجاۓ ماتم بدے تو میری جان کو صدمہ ہوتا۔	سر اور دم این رزم کاموس نیز میں نے کاموس کی داستان بھی ختم کی گراز داستان، یک سخن کمبے اگر داستان کا ایک جملہ بھی رہ جاتا
---	--

۲۔ فن تاریخ کی ابتداء تھے اور فسانہ سے ہوئی ہے، یعنی خاندان کے لوگ اپنے
 باپ دادا کے قصہ بیان کیا کرتے تھے، جب تہذیب و تدران آیا تو یہی قصہ قلبند ہو کر تاریخ
 بنگئے، اس بنا پر جس قدر قدیم تاریخیں ہیں ان میں لڑائی اور جنگ و جبل کے علاوہ
 ملکی نظم و نسق کے واقعات کم ملتے ہیں، فردوسی چونکہ جو کچھ لکھتا ہے قدیم تاریخوں سے
 لکھتا ہو اس بنابر شاہ نامہ میں یہ فرق صاف نظر آتا ہے، گیکا اوس اور خسر و کے زمانہ
 اور حوالات ہیں ان میں رزم و جنگ کے سوا اور کچھ بخوبی، جس قدر زمانہ لگزتا گیا اور اور
 حوالات کی امیریش ہوئی تھی ہے، لوشیر وال چونکہ قریب الہد تھا اس لئے اس کے ہر قسم
 کے ملکی انتظامات کی تفصیل بھی پوچھی ہو اور فردوسی نے انکو مفصل لکھا ہے یہاں تک کہ
 لوشیر وال نے مختلط اوقا میں سالمونی دخواست پر جواحکام لکھے ہیں اور جنگوں

توقیعات کہتے ہیں انکو ایک ایک کے لکھتا ہو اور اسکا ایک الگ باب باندھتا ہو۔
 ۳۔ تاریخوں میں جہاں دو حرفیوں کی لڑائی اور انکے سپاہیاں کرتبوں اور دلوں پنج کا
 ذکر آتا ہو عموماً یہ شہرہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعات کیونکر معلوم ہوئے جبکہ بعض اوقات دو حرفیوں میں سے کوئی میدان جنگ سے واپس نہیں آتا تھا، فردوسی نے ذہن پر کہہ رہا ہے
 لگایا کہ عام لڑائی اور پہلوانوں کی معکر کارائی کے حالات کے محفوظار کھنکے لئے خاص
 اشخاص مقرر تھے جنکو ترجمان کہتے تھے، فردوسی نے مختلف موقعوں پر انکا ذکر کیا ہے،

نہادزد پیمان کربلا ترجمان باشدند برخیرگی بدگمان

اپس میں یہ اقرار کیا کہ ترجمان سے بدگمان نہ ہوں گے،

برالن تا بد دنیا کا باشہر یا ر گوید اذین گردشی روزگار

تا کہ بری محبلی، سب اگر بادشاہ سے بیان کریں۔

ک کردار چون بود؟ و پکار چون؟ بر زم اندر و کارو کردار چون؟

ک کیونکر لڑائی ہوئی، کیا کام ہوا، کس طریقے ہوا۔

۴۔ فردوسی کا ہیر درستم ہے شاہ نامہ کا مقصد گویا رستم کا کارنامہ ہو، فردوسی کی رستم سے اسقدر محبت ہے کہ جہاں اسکا نام آتا ہو وہ محبت کے جوش سے لبریز ہو جاتا ہے ایقیاد کے جهد سے اشتاسپ تک، ایران کی سلطنت گویا رستم کے دست و باز پر قائم رہی، رستم کی شجاعت، پامردی اور بہادری فردوسی کا قومی رجز ہے جسکو سوسوار پڑھا جائے، اسکو سلسلہ نہیں ہوتی، با این ہمہ فردوسی نے رستم کے کسی عیب پر پرده ٹالنا نہیں چاہیے۔

سہراب کے مقابلہ میں رسم نے جس طرح دروغ گوئی سے کام بیا اسکواں نے صاف صاف
آہدیا، سیاوش کے انتقام کے لئے جب رسم نے توران پر حملہ کیا ہے تو قتل عام کا حکم دیا اور
اور تمام ملک کو برپا کر کر ادیا یہ واقعات ا سننے باصریج لکھے ہیں چنانچہ کہتا ہی،

ہم غارت و کشتی اندر گرفت ہمہ بوم، بر دست و بر سر گرفت

بالکل لوٹنا اور رات شروع کیا سارے ملک کو سرپر اکھٹا ایسا

ز توران زمین تاہ سقلاب دردم نہ دیندیک مرزا باد بوم

توران زمین سے یکر دم تک ایک شہر بھی آباد نہ رہا،

ہمہ سر بر دیند بربنا و پسیر زن و کو دک و خرد کر فدا سیر

بوجو جوان سبک سر کاٹ ڈالے اور عجیتوں اور بچوں کو قید کر لیا

اس فذ یار نے جب رسم کو تیردن سے چھلنی کر دیا تو رسم بھاگ کر پھاڑ پر چڑھ گیا،

فردوسی نے اس واقعہ کو بے کم و کاست اللہ ہا، ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ کوئی پیغام
اسکوا پنے فرض کے ادا کرنے سے مانع نہیں ہو سکتی،

۴۔ فردوسی نے شاہنماہ کو اس حدیث سے لکھا ہو کر وہ پائے تخت کا سورخ ہو،

اور تمام واقعات شاہی تاریخ ہیں، اس لئے تمام کتاب میں یہ حدیث نایاں ہے، اچکل جو قومی
تلخیں یورپ میں لکھی جاتی ہیں، انکا یہ انداز ہے کہ ہر بات میں اپنی غلطیت ثابت کی جاتی ہو جریت

سلطنتوں کے مقابلہ میں جہان فتح ہوتی ہے اسکو نہایت آب ورنگ سے لکھتے ہیں،

شکست کی تاویل کی جاتی ہے اور اسکو ماذکر کے دکھایا جاتا ہے، ہر موقع اور محل پر

اپنا فخر عظمت، برتری ثابت کی جاتی ہے، مورضین اسلام کا اگرچہ یہ طرز نہیں، انکو صرف واقعیت
 سے غرض ہوتی ہے، لیکن فردوسی اس سے مستثنی ہے، اسکی یا تو یہ وجہ ہے کہ اس نے جس
 تاریخ کو نظم کیا اس کا خود یہ انداز تھا اور اس لئے فردوسی نے اپنی طرف سے کوئی تصریح
 کرنے نہیں چاہا یا یہ وجہ ہے کہ فردوسی خود مجوسی تھا اور قومی حیثیت کا اثر اس کے دل
 سے نہیں لیا تھا، بہر حال واقعیت یہ ہے کہ شاہنامہ سرتبا پا قومی پاسداری کے رنگ میں
 ڈوبا ہوا ہے، ایران کا اصل مقابله قرآن سے ہے اسلئے ہر جگہ قرآنی یا مغلوب ہوتے ہیں
 یا اتفاقی فتح پاتے ہیں تو یہ گردش زمانہ کا اثر ہوتا ہے، لڑائیوں میں چھیشہ قرآنی ہی
 زیادتی کے مجرم ہیں، ایرانی صرف دفاع کرتا ہے، گشا سپ جب آتش پرست ہو گیا،
 قرآن کے بادشاہ ارجاسپ نے اسکو ملامت آمیز خط لکھا کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے
 دین کو چھوڑ کر یہ ذہب کیوں اختیار کیا، فردوسی سلمان تھا اور یہاں اسکو موقع حاصل
 تھا کام الفصال سے کام لیتا، لیکن اب بھی ارجاسپ ہی ملزم ہے، اور اس لئے
 گشا سپ اپر فتح پاتا ہے اور اسفندیار کے ہاتھ سے اسکو قتل کرا دیتا ہے، عرب
 کا ذکر شاہنامہ میں اکثر آیا ہے لیکن ایک موقع بھی نہیں جو عرب کی تحریر سے غالی ہے
 فریدون - اپنے بیٹوں کی شاہیں کی لڑائیوں سے شادی کرنی چاہتا ہے شاہ
 میں کو دل سے منظور نہیں لیکن فریدون کے آگے سرتبا کی مجال نہیں، خود کہتا ہے
 اگر سری بھی زنگوار اودے ہر اسان شود دل ز آزاد اودے
 اگر میں اُس کی بات سے سرتبا کروں تو اس کے حلہ کا خطرہ ہو گا۔

کے کو بودھ سریار زمین
نہ بازی اسست، با اوس کا لیلکین
شیخ ص دنیا کا بادشاہ ہے
اس سے روانا کچھ کھیل نہیں ہے
فریدون کے بعد کیا اُس کے زمانہ میں عرب بنے ایران سے سرتاہی کی اور مصرو
نام کی سرحد سے علم بغاوت بلند ہوا،
کیا کاؤس نے شام پر حملہ کیا اور بالآخر عربون نے شکست کیا کر پناہ مانگی،
ہمیدون شہ برابر مصروف نام
بدرین گونہ داد نہ شر اپیام
کیا کاؤس نے انکی جان خوشی کی اور کھلا بھیجا، کہ یکسر شما درپناہ نمید،
سکندر کی نسبت خود یونانیوں کو یہ دعوے نہیں کہ اس نے عرب فتح کیا تھا لیکن
فردوسی کا بیان ہوئے سکندر عرب پر پڑھا، حکمران عرب نے جس کا نام الفرقہ قریب تھا بڑھ کر
استقبال کیا، سکندر نے جا کر خانہ کعبہ کی زیارت کی، حضرت ابراہیم کے خاندان کو سردار
بنایا اور ان کے حریف خرزاعہم کو بر باد کر دیا،

از ان جائے بالج و دلیم رفت	ب دیدار خالی براہیم کرفت
دہان سے خزانہ اور تاج کے ساتھ	کعبہ کی زیارت کے لئے آیا
سکندر زلفصر این سعنہا شنید	زخم خرزاعہم ہر انکس کہ دید
سکندر لے الفرقہ یہ یا تین سین	چنانچہ خرزاعہم کے قبلی سے جسکو پایا
بکشت و بہ سرشان ایسخت لپست	تماندا ایچ از لیشان شمن دوست
قتل کر ڈالا، اور ان کے سرفا کارئے	اور انہیں کوئی باقی نہیں رہا

نژاد سعیل را برکشید کے کو ازان ہتری ماسزید
 سبے اخیر عرب کا ذکر اسلامی عہد میں آیا ہے جب حضرت سعد وقار
 نے یزد گرد کو دعوت اسلام کا خط بھیجا ہو بیان فردوسی اپنے اپنے سے باہر ہو کر
 ہمشتن مجوسی بن گیا ہے۔

ز شیر شتر خوردن ف سو سار عرب را بجاۓ رسیدست کار
 او نٹ کا گوشت اور لوہ کھاتے لہاتے
 اب عرب کو یہ دن لگے کہ
 تغور تو اے چرخ گردان لغزو
 کر تخت کیان را کنسند آرزد
 کیا نی تخت کی ہو سس ہے
 اور آسمان! تجھ پر لف ہو اد بپر لف ہے
 اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ فردوسی نے جس قوم کی تاریخِ الکھی، اسلکی روایات
 خیالات، پورے پورے ادا کئے اور وایات اور تاریخ کی حیثیت سے یہی اسکا فرض ہوا ایرانی
 اگر عرب کو تحریر سمجھتے ہے تو فردوسی کو بھی یہی کرنا چاہئے تھا،

شاہنامہ ایں اگرچہ قدیم زمانہ میں تاریخ صرف واقعات جگ کا نام تھا اور شہنامہ میں
 انا یکلو پیڈیا ہو، بھی یہی واقعات زیادہ تایاں نظر آتے ہیں تاہم شاہنامہ ایران کی ایک
 بسی طور پر جا مع النسا یکلو پیڈیا ہو، نہب، فلسفہ، اخلاق، نظام حکومت، ملکی انتظامات،
 فوجی اصول، مالی اکین، اخلاق، عادات، وضع، لباس، طور طریقہ۔ ایک ایک جیزیر کی
 تفصیل اس میں ملکتی ہو، ہم اس موقع پر صرف چند اہم اور ضروری باتیں درج کرتے ہیں۔
 نظام حکومت شاہنامہ سے معلوم ہوتا ہو کہ حکومت کا طریقہ گر شخصی تھا لیکن با دشائے خود نخوار

نہ تھا، مدتی مشیو اجنکو موبد کہتے تھے اُنکے مشورہ اور استراضا کے بغیر بادشاہ کوئی کام نہیں
کر سکتا تھا، موبد اور افسران دربار نہایت آزادی سے اپنا فرض ادا کرتے تھے اور ان موقوف پر
بادشاہ کے رعوب و داب کی کچھ پروانیں کرتے تھے، کھجرو نے جب ارادہ کیا کہ تخت سلطنت
چھوڑ کر کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائے تو قاتم افسرون نے مخالفت کی زال نے علانية کیا۔

مگر دیوباؤ دیم آذا گشت کہ از راه ہینہ وال، سرشن باز گشت

غالباً شیطان نے اسکو مگر اہ کر دیا ہے کہ خدا کے طریقہ سے پھر گیا ہے

زال نے خود کھجرو سے جائز کیا۔ گرائیں باشدادے شاہ سماں تو

نگردد کسے گرد من ران تو الراپ کا یہ ارادہ ہے

تو کوئی آپکی احاطت نہیں کر سکا

پشیمانی آید ترا زین سخن براندیش و فرمان دیوان مکن

اس بات سے اپکو اشوس کرنا پڑیا غور کر لیجتا، اور شیطان کے گھنیمن آئے

کھجرو نے نہایت حلم کے ساتھ زال کی بالوں کا جواب دیا اور اپنی مجبوری بیان کی اور
ظاہر کیا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں غیب کی ہدایت ہو، اُس وقت سب سے اپنا اعتراض دالپس لیا۔

کیا کاؤس نے جب ماژندر ان پر حمل کرنا چاہا تو درباری اس سے متفق نہ تھے،

اُنہوں نے ایک مجمع کیا، اور بالآخر یہ راستے کٹھہ ہی کہ زال سب کی طرف سے دکیل ہو کر کیا توں

کو اس ارادے کے نقصانات جتا ہے،

ذکفار اُو، دل پر راختند دزان لپس کیے انہیں ساختند

پسراں کیٹی کی
شستن و گفتند بایک دگر
کہ از جنت ماراچہ آمد بسر
کری کیا بستی ہے
لکھ بیٹھ اور یہ مشورہ کیا
کیے چارہ باید نمودن برین
کوئی علاج کرنا چاہے جس سے یہ بلبلک ایران سے درہوہ

بهرام کا باپ نہایت نالم اور سفاگ تھا جب وہ مر تو بہرام میں میں تھا یہ خبر سن کر
ایران روانہ ہوا کہ باپ کے بجا تھت نہیں ہوا لیکن لوگوں نے اس بنابر انکار کیا کہ ظالم کے
خاندان میں حکومت نہیں رہ سکتی، بہرام نے دلائل اور خلائق کا زمامون سے اپنا مقام ثابت
کیا تو بڑی مشکل سے لوگ راضی ہوئے،

جب بیبا و شاہ تخت حکومت پر پہنچتا تھا تو سب پہلے کھڑے ہو کرہ اپیچھے دیتا تھا،
جس میں اپنی پالیسی اور اصول حکومت کا اچھا رکھتا تھا، اس کے ساتھ محسن اخلاق اور پند و
معظمت کی باتیں کہتا تھا۔ فردوسی نے بہرام، یزد گرد، تو شیر وال، تحرسی وغیرہ
کے ذکر میں نہایت تفصیل سے انکی تقریر نقل کی ہیں،

خوبی خدمت بھری اور عام بھی حکم تھا کہ ہر کچھ جب ہوش سنبھالے تو لڑائی
کی تسلیم پائے،

سو اسی بیاموز درسم و جنگ
ہگز دکمان دیتیر دخنگ

سلیمان یہ انتظامات اور شیر کے عہد ہیں۔

سن بہونع کے بعد ہر شخص کو دربار میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ حسٹر مین اسکانا م اور مقام درج کیا جاتا تھا اور رہنے کے لئے مکان ملتا تھا ہزار سپاہیوں پر ایک موبد مقرر کیا جاتا تھا، لڑائی میں موبد ساختہ جاتا تھا، اور سپاہیوں کی لیاقت یا نایا قتی کی روپوٹ کرتا تھا اس طرح قائم ملک فوج بنگیا تھا،

چنین تاسپاہش بد آنجار سید کہ پہنے اے ایشان، ستارہ نہ دید
جو لوگ مغلسی کی وجہ سے ٹھہرے اور بے خان دمان ہوتے تھے اُنکے لئے سر کار کی طرف سے مکان بنوادے جاتے تھے، اور در زینہ مقرر کر دیا جاتا تھا،

جهان نہ میں پانی کم ہو جاتا تھا اور آب پاشی انہیں ہو سکتی تھی دہان کا ضرر جمع
کر دیا جاتا تھا، نا دار کاشتکار و نکو الات زراعت اور نقدی دیکھاتی تھی۔

گراید ون کہ دہقان بُدو نگ دست سو نیستی گشتہ کارشنز زہست
اگر زمیندار، دو لئندی کے بدمغلس ہو جاتا تھا،
بدادے زرخ، آلت و چارپائے نامنے کلپش بر فتنہ زجائے
تو اسکو سرکاری خزانہ سے سامان زراعت اور موشی دئے جاتے تھے۔

ہر محلہ میں مکتب اور مدرسے تھے جن میں مذہبی تعلیم بھی ہوتی تھی،
پہنچنے لئے برد بستان بُسے ہاں جائے آتش پرستان بُسے
تعلیم صرف شفافار کے لئے مخصوص تھی، لوشیر وال کے زمانہ میں ایک کفن گر
لئے لاکھوں روپے اپیش کئے کہ اس کے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت ملے لیکن لوشیر وال

منظور نہ کیا،

آرڈشیر اور نوشیروان کے ذکر میں انتظامات ملکی کو تباہی تفصیل سے لکھا ہے اور عرب سورخون نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے قانون مالگزاری میں زیادہ تر انہیں قواعد کی پیروی کی تھی،

تہذیب و قدن شاہنامہ ایران کے تذان اور تہذیب کا پورا آئینہ ہے اس سے عدد بہد کی تہذیب و شاستگی کی حالت معلوم ہو سکتی ہے، ہم بالشان واقعات کو فردوسی مستقل حیثیت سے رکرتے ہے اور جمیلی چھوٹی باقون کو ضمانتاً لکھ جاتا ہے، تہذیب کی ابتداء کی مردمت نے کی بحیرہ، اور بکری کے بالوں سے کپڑے بنائے، پہلے زمین پرسوت تھے، اس نے بستر اور خوش بینا دیکی، محوڑے پالے، خشی جا وردن میں سے سیہ گوش اور چیتے پڑا کران سے کام لیا، باز شامیں، مرغ، دغیرہ کو رام کیا، جمیلہ نے تہذیب کو اور زیادہ ترقی دی، لڑاکی کا باس شلاخود ازدھارہ چلے، پاکھر دغیرہ ایجاد کیا، متوكی طرح تمام لوگوں کو چار گرد بونین تقسیم کیا، جمیلہ نے عمارت کے فن کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے گارا بنا انہیں جانتے تھے، اس نے ایسٹ کے ساتھے طیار کرائے اور سنگی اور خشتی عمارتیں تیار کرائیں، چھاق سے الگ نکالا، خوبیوں کی چیزیں، دوا علاج، جہاز رانی وغیرہ سب اسی کی ایجاد ہیں، یہ تام تفصیل شاہنامہ میں مذکور ہے، رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ کا تدرن پیدا ہوتا گیا، جسکی تفصیل فردوسی
ہر موقع پر کرتا جاتا ہے،

دربار میں باورشا و طلاق ای تخت پر میٹھا جسکے پائے پاؤ، کچھ ہوتے تھے،

کی تخت زرین مبور نیش پائے نشستہ بر در جان لکھارا
 ایک شخص سالار پا نہ تھا جو لوگون کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا ۶
 برفت از در پر ده سالا سبار
 اُمر اجوب دربار میں تخت کے پاس آتے تھے تو زمین کو بوسد دیتے تھے اور در پر
 تک سجدے میں پڑے رہتے تھے،
 چونزدیک تخت اندر آمد زمین بوسید و برشاہ کر د آفرین
 جب تخت کے پاس آیا تو زمین جوئی اربادشاہ کی تعریف کی
 زمانے ہمی داشت بر خاک فے بد داد دل، شاہ آئرم جوے
 دربار کے سلام کا یہ طریقہ تھا کہ ہاتھ سینے پر کہتے تھے اور سر آگے کو جھکاتے تھے
 بیام پوگو در زر ادیا دوست بکش کر دو سر پیش نہاد و پست
 دربار میں حسپر نوازش ہوئی تھی، اسکے بھرہ اور داڑھی پر مشک چھپ کوئاتے تھے،
 بزمود تار و لیش از خاک خشک ستر دند، در دے پر اگند مشک
 جب کسی مرکہ پر فوجی افسر بھیجی جاتے تھے تو دربار میں بلاسے جاتے تھے جو اس
 کو خواب، اطلس، مشک، عین، غول بصورت غلام، کنیز میں دربار میں حاضر کی جاتی تھیں، بادشاہ
 افسروں سے مخاطب ہو کر کہتا تھا کہ جو شخص فلاں کام انجام دیگا یہ حصہ اسکا ہے، افسر
 اور ایلوان آگے بڑھتے اور اپنے اپنے حوصلہ کے لحاظ سے گام کریں کہاں کہاں: اُنھاں مت
 کی خسرو نے سیاوش کے انعام کے لئے جب فوجیں بھی ہیں تو اسی طرح تمام افسروں نکو

کام تقسیم کئے ہیں، فردوسی نے نہایت تفصیل سے ایک ایک کا نام اور انکے کام
گئے ہیں،

صلہ اور انعام کے مختلف پر طبق طریقے تھے، کبھی لعل و یاقوت سے مُنْجَبِ رِدَّاتِ
تھے، کبھی روپیوں اور اشرفیوں کا سرتک ابزار لگوائے تھے،

چوبِ خواند نام سے، خیز دبیر	زیاقوتِ خشان دہان ہجیر
بیانگنا، وزان پس بہ گنجور گفت	کہ دنیارو دینا بیار، از انفت
بیا در دبڑہ، چو فرمان شنید	ہمی رخیت تا خند سرشن نا پدیدہ
شادی اور استقبال دغیرہ کے موقعوں پر گھوڑوں کے یاں پر مشک اور شراب،	
اور سُم پر شکر چپڑ کئے تھے،	

ہی یاں اپان پر از مشک مے	شکر بادزم رخستہ زیر پے
خون کے انتقام میں جھڈ کرتے تھے، جب تک انتقام نہ لیناً بدن سے ہتھیار	
نہ آتا رینگے اور مُنْجَبِ پر پانی نہ ڈالینے کے سُم نے سیاوش کے قتل ہونے پر یہی عہد کیا تھا،	کہ گزتم بے سلیح نمبر د
بہ داد ابردار نہ سو گند خورد	کہ بھی قتل عام کا حکم دیتے تھے لیکن اس قسم کا داقہ بہت کم پیش آیا ہو سُم نے
سیاوش کے انتقام میں قتل عام کا حکم دیا تھا،	

ز توران زمین تا به سقلاب روم	ن دیدند یک مرزا باد بوم
ز ن و کو دکب خرد، کروند اسیر	ہمہ سر بر میدند بربنا ذ پسیر

نہ بھی آزادی نہ تھی۔ منوجہ کرتا ہو،
 برآن بکنش کو نہ بردین بود
 زیزدان و ازمش لفڑیں بود
 کنم سر بر کشوار از کنیہ پست
 مہراب نے زال سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اس نے
 اس بنابر امکار لیا کہ مہراب بُت پرست تھا،
 کہ ما مے گساریم دستان شویم!! سوے خانہ بُت پرستان شویم
 عرب میں عورتین و شمن کا کلیج کھاتی تھیں، ایران میں فول پی لیتھ گورڈ لے جب
 پیران ولیسم کی زخمی لاش پڑی دکھی تو خون چلو میں لیکر پیا اور چپڑ پر مل یا،
 فسر و برد چنگال و خون پر گرفت بخورد دیا الودوے اے شگفت
 تعلیم شرف امین عام تھی، امر اور فوجی افسر اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا لئے تھے، رسم کے باہر
 زال کو جب سام نے تعلیم دلائی چاہی اور تمام اطراف ملک سے نہ بھی علا، ہیئت دار،
 فن جنگ کے ماہر بلوائے اور اسکی تعلیم پر مقرر کئے،
 زہر کشور سے، موبدان راجخواند پڑو ہیسید ہر چیز دہر گو نہ راند
 ستارہ شناسان و دین آور ان سواران جنگی دکین اور ان
 موبدون نے مجندرس کے بعد جب زال کا امتحان لیا اور ریاضی وغیرہ کے متعلق
 سوال کئے تو زال نے نہایت قابلیت سے جواب دیئے فردوسی نے ان سب باقون کو
 تفصیل سے لکھا ہے تا ہم تعلیم عام نہ تھی، تو شیر و ان کے زمانے میں ایک نہایت دولتمند وجی

تھا، اس نے یہ درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیجائے تو شیر و ان نے
تمانظور کی اور کہا از تجارت پیشی رکار اذل پڑھکر نوکر ہونگے تو خاندانی آدمیوں کے ہاتھ میں
کیا رہ جائے گا،

سپاربد و چشم بنیادگوشن هنریابد ارم دموزه فردش

به دست خردمند مرد نژاد نانج جسراز حسرت و سرداد

لڑکیوں کو نغمہ موسیقی اور رقص کی تعلیم دی جاتی تھی، بہرام گور جو مشہور بادشاہ لگدہ، ہر اسکی عادت تھی کہ جیسے بلکہ دریہات اور قصبات میں پہنچتا اور زمینداروں اور کاشتکاروں کے گھر ہجھان ہوتا، ان موقوں کا فخر دوستی جہان ذکر کرتا ہے یہ داقم بھی ہمیشہ لکھتا ہوا صاحب خانہ، اپنی کنوواری لڑکیوں کو بلواتا ہتا اور وہ اگر جہان کے آگے گاتی اور ناجھی تھیں ایسے، یا غزال کو جامہ کہتے تھے اور انہیں پہلے مہان کا نام لیتے تھے تجھیز و تکفین کے یہ مراسم تھے کہ لاش کو الائش سے صاف کر کے مشک اور کافور بھرتے تھے تابوت میں تاج شاہی، گلابی شیشی، اور زعفران و کافور کہتے تھے، بھرتے تھے تابوت میں تاج شاہی، گلابی شیشی، اور زعفران و کافور کہتے تھے،

نام ایک اور یکار کر کہتا ہے،

بگوشش یک نام، گفته پدر،
ہنسانی دگر آشکارا دگر

هناکی بگفتش گوش اندون هی خواند می آشکار بزن

غیرات کا خاص پاس نھا۔ ۶

بہ پوشید نوجامہ بندگی

اگل کی پرستش جب کرنے تھے تو سفید کپڑے پہنے تھے، یخسرد کے حال میں
تصریح مذکور ہے،

عورتوں کی طرح مرد بھی زیر یعنی کالوں میں اور یزے، گلے میں طوق، ہاتھوں میں
تلگن پہنے تھے، شاہنامہ میں اکثر اسکا ذکر آتا ہے،

عورتوں میں پردہ کا عام رواج تھا، عورتوں کا جہان ذکر ہے ان کو "پوشیدہ رہ"
پردہ کار و اج سے تمیز کیا ہے،

ایک تاریخی رزمیہ نظم سے جسمیں سرتاپا لڑائیوں ہی کا تذکرہ ہو، ہم کو یہ امید ہو سکتی
تھی کہ اس سے اس زمانہ کا فن جنگ معلوم ہو گا، یعنی یہ کہ صفت بندی کے کیا اصول تھے
ورج کے حصوں کی کیا ترتیب تھی، حملہ کا کیا قاعدہ تھا، سپہ سالار کس طرح فوج کو لڑانا تھا،
و خینوں کا کیا انتظام تھا، لکسریٹ اور سفر میں کا کیا طریقہ تھا، لیکن جب ہم ایشیا کی بڑی بڑی
مارخینیں اس تقضیل سے خالی پائے تھیں تو ایک نظم کی نسبت جس میں شاعر کو شاعری
کا فرض بھی ادا کرنا ہے، اس قسم کی شکایت کا کیا موقع ہے؟ تاہم فردوسی نے ان بالوں
کی جبقدر تقضیل للہدی ہے اور کہیں بین مسلکتی چنانچہ ہم بعض امور کی تقضیل لکھتے ہیں،
ورج کو اکثر ایسے موقع پرست ائم کرنے تھے کہ دلیں ہائیں طرف پہنچا ہے، نہ
مولیٰ تھی ہصرف سامنا کہلا ہوتا تھا،

سپہر اسوے میمنہ کوہ بود زجنگ دلیران سبے اندوہ بود

سوے میسرہ، رو دا ب روان چنان درخور آمد کتن اروان
 فوج اس طرح جاتے تھے کہ سب سے پہلے پیدل فوجیں جنکے ہاتھوں میں برچھے
 ہوتے تھے، انکے پیچھے رسالے، رسالہ کے پیچھے ہاتھوں کی صفين،
 پیادہ کر بد درخود کارزار لبسندر مو د تامپش رو سے سوراء
 صفحہ بر کشید نہ نیز و دران سپردار، بابا د پایان سران
 پس لشیت ایشان، سوراء جنگ کزانش خجہ بحر بہر د نہ زنگ
 پس لشیت شان، نرنہ پیلان چوکہ زین از پے بیان گشته سنتو
 طلایہ یعنی حفاظتی فوج الگ ہوتی تھی جس کا کام ہر طرح کی دیکھ بیان نہ کننا تھا کہ شمن
 دفعتہ کسی اور طرف سے نہ آجائے، فوج کے گرد خدمق کھودتے تھے اور اس کو
 پانی سے بھرتے تھے،

بگرد سپہ بریکے کنڈہ کر د طلایہ ہر ہر سو پر آندرہ کر د
 سیدان میں لوہے کے گولہ د بھاتے تھے کہ دشمن قدم نہ بڑھانے پائے.
 خشک بہر آئندہ بر گرد دشت کہ دشمن نیار د بہان جا گذشت
 پہاڑ کی لشیت پر سواروں کی فوج ہوتی تھی کہ دشمن ادھر سے آئنے نہ پائے.
 ہمیدوں فرستاد برسو کوہ در فشنے دسی صد زگرداں گروہ
 ہنر کی حفاظت پر دستے متعین ہوئے تھے،
 نگہبان لشکر سوئے رو د بار در فشنے فرستاد دسی صد سوار

کسی او پنج مقام پر دیدہ بان معین ہوتا تھا کم مخالف فوجوں کی آمد اور نقل حرکت
با خبر دیتا ہے، اسکورات دین جا گئے رہنا پڑتا تھا،

یکے دیدہ بان بر سر کوہ سر	بڑا مدبر اور دا، از انبوہ سر
شب و روز گردیں بر افراد ختنہ	اذال دیدہ گہ دیدہ بر تا غستہ
بجستے ہمی راہ تو ران سپاہ	پے مر ر را لگر بیدی می بر اہ

جب دو حربیں لڑتے رہتے تو دل ان کے ساتھ ایک ایک ستر جہاں ہوتا تھا جو لڑائی
ایک ایک ادا کو ویقہ تھا، اور اگر بادشاہ کو مغلیل پیروٹ سنتا تھا، یہ قاعدہ تھا کہ ان
جنگوں کو کوئی لگن زدن بنیں پہنچا سکتا تھا جس طرح اجھل اخبار و نئے نامنگار جو فوج کے ساتھ
لئے ہیں ان کو کوئی شخص ضرر نہیں پہنچا سکتا،

ہنا دند پیان کہ با تر جہاں	نبا شند بر خیر گی بد گمان
بدان تا بدو نیک با شہر یار	گبود ازین گر کش روز گار
کم کردار چون بود ہبیکار چون	ہر زم اندر ون کارو کردار چون

مختلف زیالوں کے جانے والے تر جہاں کے کام پر مقرر رکھتے کہ دل ان طرف
کے پینا م کا ترجمہ پس کر کے سنائیں،

یک تر جہاں راز شکر بجست

ڈاک کا یہ انتظام تھا کہ ہر منزل پر گھوڑے طیور رہتے تھے جو خبر جب پہنچا لی
اپنی سوراں لے کر جانتے تھے اور ہر منزل میں گھوڑے پہلتے جاتے تھے،

طبیب ادھران

نیشنکر ز خوشیان دوتن را بخواند سبک شان بر اسپ تکاو نشاند
 بردن شدن پرده سرایے پدر به هر منزه لے بر همیون لے دگر
 فوج میں طبیب و جراح ساتھ ہوتے تھے،
 پر انندہ از لشکر خسته کان ز خوش و زیبوند و پیوستگان
 بمان تاشوند از پر شکان درست زمان حبتن آکنون بدن کارت
 دو عزیزین جب لڑتے لڑتے تھک جاتے تھے تو گھوڑے سے اتر کردم یعنی
 تھے اور ترجمان گھوڑے تھا میر رہتے تھے

لپس از اسپ ہر دو فرد امتد ز پکار یکبارہ دم بر زدند
 گرفته بہ دست اسپ شان ترجمان دو چلی بر کر دار شیر ٹریان
 بھی کبھی لپس کی رفانندی سے جا کر پانی پی آتے تھے،
 ذراں جابرہ دستوری یکدگر بر قلعہ لپیان سوے اسجا خور

مفید معلومات۔ ا- شاہنامہ کی ہر داستان ایک دلچسپ افسانہ (ناول) ہوا فسانہ نگار جب کوئی داقعہ لکھتا چاہتا ہو تو صرف واقعہ بیان کرنا اسکا مقصد نہیں ہوتا بلکہ وہ بہت سے مفید اور دلچسپ معلومات کو اس کے ذریعہ سے روشناس کرنا چاہتا ہو اور دیہت سے ادبی، اخلاقی، علمی، تاریخی، معاشرتی، تہذی، معلومات کا ذخیرہ ساز میں رکھ لیتا ہے اور موافقہ بزرگوں کی اتفاقیات میں اس طرح کھپاتا جاتا ہے کوئی شخص کو یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ عدم علمی بسائل بیان کئے گئے ہیں بلکہ وہ ان کو یہی دلچسپ طریقے سے بیان کرتا ہے کہ یہ بھی

نہیں معلوم ہوتا کہ علی مسائل میں شاہنامہ نہیں بہرداستان کا بھی انداز ہو، اور بہرداستان بجائے خود ایک علی نادل ہو، ہم صرف ایک مثال میونہ کے طور پر لکھتے ہیں، شاہنامہ میں زال (رستم کے باپ) کی شادی کی داستان ہے، یہ ایک معمولی واقعہ ہتا لیکن فردوسی نے اس کے ضمن میں ایران کے تدن، تہذیب، معاشرت، اخلاق، تعلیم، فنون جنگ، سیاست، آداب سلطنت، عشقی، جذبات، پدر اور محبت، فرزند اور ناز، سورات کی حالت اور اس قسم کی بہت سی مفید اور دلچسپ باتوں کو داکر دیا ہے اور اس طرح ادا کیا ہو، کہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے ان واقعات کو قصد دیکر کیا ہے، یہ واقعات گواہ ہم اجنبی میں لیکن اس طرح حسن ترتیب سے ادا کئے گئے میں کہ ایک دوسرے واقعہ سے پیدا ہو گیا ہے، شادی کی بنیاد حشق و محبت پر رکھی ہے، اور لوگوں یا اس مسئلہ پر توجہ دلائی ہو، کہ طرفین کی پسندیدگی کے بغیر ایک ایسے تعلق کا قائم ہو جانا جو تا حریت باقی رہے گا، پسندیدہ نہیں رو دا بھ جب زال پر عاشق نا دیدہ ہو گئی اور اس نے اپنی خواصوں سے اسکا انہمار کیا ہو، تو ان سبھوں نے سخت مخالفت کی کہ زال کے بال سفید ہیں، رو دا بھ نے لہا جیسا کچھ نہیں اُسی پر مر لی ہوں، وہی میرے دردگی دراہ ہے،

چکوہ تو ان شاد بودن باہ	دل من چو شد بر ستارہ تباہ
تو مجھ کو جاندے سے تسلی نہیں ہو سکتی	جب میں ستارہ پر مر لی ہوں
شو دز اُبیں در دا د بیشتر	کر اسر کر دار د بود جب جگ
شہد اسکو اور هزار کر رہا گا۔	جبلی دا بسرا کر ہے

بایں ہے اس بات کو پیش نظر کھا کر پسندید گی کامیار حسن صورت کے بجائے حسن بیڑا
ہوتا چاہئے اس لئے رودا بہ کی زبان سے کہتا ہے،

برڈہ سر بانم نہ بردے دھونکے بسوے ہنگتش مہرجے

مین اپر مرتی ہون نہ اسکے غال خلابر جھکو اسکے ہزست محبت ہے

شاہنا سہ میں ہر جگہ عورتوں کے رتبہ کامیار نہایت بلند قائم کیا ہو اس لئے

یہاں بھی رودا بہ کی نکستہ سنجی اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ خواصون نے رودا
کا سیلان طبع دیکھا تو اسکی ہم زبان ہو گئیں،

باؤز گفتند ما بندہ ایم بردل ہم بان دپستندہ ایم

پکار کر بولیں کہ ہم آپکی نوٹی یاں ہیں ادر دل سے خدمت گزار ہیں،

یہاں کنیزروں اور پیش خدمتوں کی وفاداری اور جان شاری کا کیرکڑ دکھایا ہو
چنانچہ انکی زبان سے کہتا ہو،

اگر جادوے یا بد امروختن پہنند و فسون چشم ہا دوختن

پوپیم تامرغ حباد شویم پوپیم در چارہ، آہشویم

یعنی اگر اس کام میں جادو گرمی کی ضرورت ہو تو ہم مرغ بنکر اڑیں گے، اور ہر ل
بنکر دُڑیں گے،

یہ کھرپا ہج کنیزین چوٹی میں چھوٹ، رکھکر گھر سے ٹکلین رال، ایک جیبل کے کنارے
محیسر ڈالے پڑا اتفاقا، یہ اسی پارچھوڑی پیٹھے لگیں، رال۔ لے انکو دیکھا تو غلام سے کہا کہ مکان لا

چشمہ میں مرغابیان بھین، غلام سے کہا کہ انکو آداز دیکر ملا ادے، اڑیں تو تیر مارا اور زخم کما کر
گریں، زال نے غلام کو انکے پکڑنے کے لئے بھیجا، یہیں کنیزین بچول چن رہی تھیں، اس
ضمن میں زال کی قدر اندازی، شکار کا طریقہ کم پرند کو اٹا کر مارتے ہیں، کنیزد نکو اپنا بوہر
دکھا کر فریفته کرنا، ان باتوں کو ادا کیا ہے، غلام کنیزد نکے پاس آیا تو کنیز دن نے پوچھا " یہ
لوں جوان ہے؟ ایسا تیر انداز ہم نے نہیں دیکھا" ، غلام نے نام دشمن بتایا اور کہا کہ آج
زمانے میں اس کا ہمسرنیں، کنیز دن نے کہا یہ نہ کہو ہماری ملکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے"
بیالا خرد نون فریق نے تسلیم کیا کہ اس سے بہتر جو رہنمیں ہو سکتا، غلام نے واپس اگر زال
سے تمام ماجرا کہا، سلام و پیام کے بعد زال خود کنیزد نکے پاس آیا اور وہ داہم تک
رسالی کی تدبیر پوچھی، اور یہ بھری کہ زال کمند کے سہارے بالاخانہ پر جائے چونکہ زال کا جو کچھ
جو بہر ہو سچھکری ہے اسیلے اسی موقع پر فردوسی نے اس کا لحاظ کیا ہے، زال کنیزد نکو
پناہ گفتون کرتا ہے تو شکار افغانی سے گرتا ہے، کوئی نہ پڑھتا ہو تو کمnd کے سہارے سے چڑھتا
ہے، کنیز دن سے اگر وہ سے زال کی مدد حیات کیں اسکے ساتھ اسکی رعنائی و خوبی
کی بھی تعریف کی، رو داہم نے محتشو قانہ شوخی سے کہا،

جان زال کو مرغ پر درد دیو و چنان پیر سحر برد و پر مردہ بود

بمرخ شد لکنوں پر بن گلن بخوان سہمی قد و زیبار خ د پیلوان

لینی و بھی زال جو سفید مو اور پیشہ سکل تھا اپنے گاریہ اور صور و قدیم گلیا، غرض زال

و داہم کے محل کے پاس اگر بالاخانہ کے نیچے بکھر اداہم و داہم بالاخانہ پر آئی، طالب سلطوب

کی پہلے پہل کی ملاقات، ہم صحبتی، ہم سخنی، راز دنیا ز، عشقیہ شاعری کے عمدہ ترین موقع
ہیں، فردوسی اگرچہ بالطبع متین اور خشک مزاج ہو، کتاب کا موضوع بھی اس کوچہ سے
الگ ہو، تاہم موقع پڑا تو شاعرانہ کمال کی وجہ سے اُس نے اس داستان کو نہایت زیکری اور
دلاؤیزی سے ادا کیا،

زال کو دیکھ کر رودابہ نے اپنی چوٹی لٹکا دی کہ اسکے سہارے سے چڑھا اؤ،

بُجیراں سر گیسو از یک سو یم زبہر تو باید بسمی گیسو یم

سیری چوٹی کا ایک سر پکڑو ی گیسو اسی کام کے ہیں،

بدان پر دران شیدم این تارا کہ تاد ستگیری کندیارا

اسی غرض سے میں نے یہ تاریخ لئی کہ دوست کی دستگیری کیلئے کام آئیں

زال نے چوٹی کو جما اور اس ذوق سے چو ما کو چو منے کی آدراز رودابہ تک پہنچی ۶

کلم بشنید آذربیجانی عروس

کمنڈا لکر بالا فانہ پر اُتر اور رُدابہ پر حکرتی یم کو جھکی اور ہاتھ میں ہاتھ دا لکر الیان

زنگار میں لالی،

اگرفت آن زمان دست دستان بدست بہ فتنہ دہر دہر کر دا رست

با این ہمدرودابہ نے شرم و حیا کا الحاظ قائم کر کھا، وہ دل کی ترٹپ سے بیقرار بھی،

تاہم آنکھ بھر کر انہیں دیکھ سکتی تھی، ۶

بہ دز دیہ ده دو سے ہمی سنگریہ

دز دیدہ نگاہی سے زال کو دیکھتی تھی
 ہم آغوشی، بوس و کنار، سب کچھ ہوا لیکن فردوسی شہادت دیتا ہو اور ہمکو اسکی شہادت
 پر اعتبار ہو کر یہی اخیر سرحد تھی،
 نگر شیر کو گوران شکر یہ
 ہمی بود بوس و کنار و نبیند
 لیکن شیر نے گور خر کو پیڑا نہیں،
 بوس و کنار اور شراب خواری رہی
 دولون نے وفاداری کا عہد باندھا رہا وہابہ نے ان مُؤْثِر لفظوں میں اس مضمون
 کو ادا کیا،
 جہاں آنسو دین پر زبانم گواہ
 کہ مر من نباشد کے سے بادشاہ
 حند امیر اگواہ ہے کہ
 مجھ پر تیر سرا کوئی احکام نہیں ہو سکتا
 اب صحیح ہونے کو آئی، دولون نے مشرق کی طرف دیکھ کر کہا کہ اسے آنکاب! آج
 اتعاجل نہیں آنا چاہئے تھا ۶

نیالیست آمیختین درستیز
 زال نے دربار کیا اور حاضرین کے سامنے ایک لپڑ دیا۔ پیٹھ خدا کی تعریف کی
 کہ اس نے دنیا پیدا کی، مختلف موسم پیدا کئے اور ہر ہر چیز کو پڑھے بنائے،
 ہر اچھے افریمیہ است جفت افریمیہ کشادہ، تر از لہفت آنسو ریمیہ

۷ اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اہم مسلطات میں سلاطین اور امراء دربار میں اسی طبق دیتے تھے، ۷ پرشادی اور نکاح کا
 نواسہ، ہر یعنی نکاح ایک قانون قبول ہو جو قائم کا نام نہیں تھا جلدی ہو اسی وجہ سے سلاطین اور بزرگوں کی تعلیمات سننے خوبست کر دیا کہ ہر ہر یعنی
 نزو و مادہ ہے، اور دولون کے امتزاج سے لازم اور جو درمیں اسٹھتی ہے، اغصہ یعنی اس شرم کے ہیں کہ ایک ہر یعنی

پھر نکاح کی ضرورت بیان کی کہ اسکے بغیر انسان کا نام زندگی نہیں رہ سکتا،
 بگیتی باندز فرنز زندگانی کہ این پورزاں است ماؤں پورسام
 تمہید اوزنکا ح کا فلسفہ بیان کرتے تکریت دفتہ آہتا ہو اور یہ کس قدر عمدہ گریز ہے،
 کنوں این ہمہ داستان میں ہے
 لیتی یہ جو کچھ میں کہہ گیا میرا ہی قصہ ہے
 رو دا بہ کاغذ ان صحاک سے تعلق رکتا تھا جس سے کیا نیون کو غاندھی عدالت
 تھی جب یہ خبر منوجہ پر کوپنجی تو اس نے سام کو لکھ بھیجا کہ کابل پر حملہ کرے اور اس خاندان
 کو بر باد کر دے سام ایک بڑی فوج لیکر کابل کی طرف بڑھاں اال کو یہ خبر بولی تو باپ
 کی خدمت میں حاضر ہوا، دربار کے قاعده کے موافق پہلے زمین چومی،
 زمین بسی کے بعد سام کی مرح و شاکی، پھر کہا کہ تمام دنیا اپکے عدل والفات سے
 بہرہ در ہے صرف میں محروم ہوں،
 نال نے اس موثر طریقے سے اپنی مظلومی بیان کی کہ سام نے سر جھکا لیا زال
 نے کہا:

”میں ایک بد قسمت مرغ پر درد ہوں۔ جب میں پیدا ہوا تو آجئی محبکو بہاڑ پر
 لیجا کر کیتیا گیا، جہکو نہ گھوار دفعیہ سب ہوا اہر مان کا دودھ، اسکے سوا میرا کوئی جرم

(تفصیل حاشیہ صفحہ ۲۸۱) میں ذکر ہی اور اسی لیڈو نوں مادے ہوئے تھیں اور دلوں کا امتزاج ہوتا ہے ابھی
 سخن ہے جسی نیت فردی میں امشارة بلکہ تصریح کی ہے، ۴
 ہر اپنے آخر یہ است جنت اُفرید

نہ تھا کہ یہ زادہ سام کا فرزند ہے، اب خدا سے لڑاتے تھے کہ اس نے کیوں جھکا
آپ کے یہاں پیدا کیا۔ خیر میں کسی طرح بلکہ بڑا، بو، ہر قسم کے ہنر سیکھے۔ قابلیت پیدا
کی، زور، قوت۔ تاج بُنگیں حلال کیا، تواب اپ اس ارادہ سے آئے ہیں کہ
میر می طلوبہ کا گھر بر باد کریں، یہ میر اسر حاضر ہے تکرار سے اڑا دیجے، لیکن
کابل کا کیا قصور ہے؟ اس کو کیوں اپ برباد کرنے آئے ہیں؟

زما در بند ادم بسیندا ساختی	کبود اندر وون جبالگه ساختی
نگہوارہ دیدم نہ پستان شیر	ڈاز، سچ خوشی، مرا بود ویر
تراب اجیان آفرین بود جنگ	کراچ پسپید و سیاہ صیلگ
زمائش ندرالن ہریں این ساختی	ہم از کرگ ساران بین ساختی
کہ دیران کنی کاخ آباد من	چنان داد خواہی بھی داد من
من اینک بپیش تو استادہ ام	تن زندہ خشم ترا دادہ ام
باداہ میسا تم پروشیم کن	زکابل پیا نے بایاسخن

سام کی خوبیں کابل کے قریب آگئیں تو مہر اب سخت پریشان ہوا اور اپنی بیوی
سین و خست کو بلا کہ کہا کہ میں سام کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے اس کے سو اکوئی تبریزیں
کہ تھکو اور رو دلوں کو قتل کر دوں کہ جھکتا است جائے اسیں و خست نے کہا میں خود

^۱ جذبات کا انہار اور یکی اور نظلوی کی تحریر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے، اسکے ساتھ باپکے آداب
اور ای اعut کا سرہ شتمہ اتفاق سنتیں جائے دیا ہے،
گے اس سے ظاہر کرنا سہ کمر دنکا بر تاد بھا اور نئے سال کا جو شہر بر جماعت رہا

سامن کے پاس جاتی ہوں اور اسکا بند و بست کر لی ہوں، یہ کہکھ اس نے پیش کش کامان
کیا جسکی تفصیل یہ ہوا کہ اشرفیان - دس گھوڑے سامنہ زرین کمر غلام خمین سے ایک ایک کے
ہاتھ میں نزدیں جام اور ہر جام میں مشک و یاقوت اور جواہرات تھے ایک جام میں شراب
اور ایک میں شکر تھی، چالیس کھوپ کے تہائی جنپر مولیٰ کلکے ہوئے تھے، دسوہنمدی تلواریں
اوٹنیان جنکے بال سرخ تھے سوارکش اونٹ، ایک لوہنگار تاج، ایک تخت زرین،
لبوچ کنگن، اور آدریت۔

سین دخت لکھوڑے پر سور سام کے محل کے پاس پہنچی اور در بalon سے
کما میرے آئے کی اطلاع کرو سام نے دربار میں بلا یا سین دخت پہلے آداب بجالائی،
پھر نزد ائے پیش کئے اور مدحیہ جلوں کے بعد کہا کہ " مجرم اگر ہے تو ہب اب ہو شہر اور اہل
شہر نے کیا قصور کیا ہے؟ آپ کابل کے بر باد کرنے کو آئے میں، ہمارا اور آپ کا خدا ایک ہے۔
لفڑو سی نے ہر جگہ عورتوں کی قابلیت اور ریاقت ثابت کی ہو، اس لئے ایمان بھی اس مشکل کو عورت
ہی حل کرتی ہے۔ فردوسی کو داقیر ترقاعت انہیں اسلئے صاف صافت کہتا ہے۔

کے چارہ اور دا ان دل ہے جائے
کہ اذ رفت میں بُدھہ بر تیر درائے
اس نے ایک تدبیر نکالی کیوں نہ کم
و عقل میں شوہر سے بڑھ کر نہیں،
اس ضمن میں یہ بھی دلہانیوں کے عورتین ہر قسم کے نہات میں شریک ہوتی تھیں اور نامہ وسلام انکے لئے
معیوب نہ تھا۔ ۳۷ پیش کش کی تفصیل میں متعدد نکتے پیش نظر رکھی ہیں،
اس رمانے کی رسم درواج کا انہمار، غلطی کاردا ج تھا، سلاطین میں اور امراء زیور پہنچنے ملے چنانچہ
ان تھوینیں طوق، لگن اور آدیزے ہیں، سوراہی کے یہ سرخ بال اذ نہیان لپند کی جاتی تھیں اس لئے
پہلے تعریج کہا ہے، ۴ دشتر بد نادہ و سرخ موٹے
شرابت اور شکر شگلول یعنیک کا کام دستیہ سمجھا۔

ہم بت کو پوچھتے ہیں لیکن اس کو خدا نہیں سمجھتے، بلکہ وہ قبلہ عبادت ہے سب طرح آپ الگ کو قبلہ سمجھتے ہیں۔

گذشتہ ان قبلہ مابت امت
چہ دعین دکابل چہ زند و بست
رو دا بہ نے اس خوبی سے طالب بیان کئے کہ سام بھی نہایت متاثر ہوا اور
اسکی سب باتیں قبول کیں،

سام نے زال کو عرضی کے ساتھ منوجہر کے پاس بھیجا عرضی میں پہلے اپنے حقوق
بیان کئے پھر یہ ظاہر کیا کہ اب میں بڑا ہے سے مدد در ہوتا جاتا ہوں اس لئے میری
خدمات زال انجام دے گا، اخیر ہیں یہ ذکر تھا کہ زال کو رو دا بہ سے محبت ہو گئی ہو اور
چونکہ وہ پہاڑ پر پلا اسلئے ایک ماہ روپر اسکا فریفہ ہو جانا محل تعجب نہیں حضور اس پہنچ
کی اجازت دین۔

زال منوجہر کے دربار میں آیا، تخت کے پاس آگز میں چومی، دیر تک سر بجہدہ رہا،
منوجہر نے حکم دیا کہ اسکے چہرہ کی گرد صاف کر کے مشک چھٹ کی جائے، دوسرے دن منوجہر
نے عام دربار کیا، نجمون سے رائے لی، پھر موبد دن کو حکم دیا کہ زال کا امتحان لیں ہو، بد و نوں
نے بہت سے علمی سوالات کے، زال نے سبکی متعول چواب دے تیسرے دن زال کی

لہ فردوسی نے اس تقریب سے بہت پرسی کی حقیقت اور نہیں تصور کی برائی بیان کی،
لہ سلاطین ایران جس سے خوش ہوتے تھے، اُسکی ذاتی پرشک چھٹ کو راست تھے، لہ اس ضمن میں فردوسی
کو یہ دکھانا تھا کہ تیلمُ اس زمانہ میں اسقدر عام بھی نہ فوجی خاندان، اور امراء بھی ہر قسم کے علمی سائل کی تفصیل
پاسے رکھتے۔

پہنچری کا استھان لیا، اور زال کی آنزو پوری کی
زال کا بائیں آیا اور دھوم دھام سے شادی ہو گئی

اس داستان کے ضمن میں فردوسی نے فاسنیانہ سماں، ذہبی اصول، اس زمان
کا تحدیں، معاشرت، رسم و رواج وغیرہ وغیرہ بہت سے مختفات اور گونائون معلومات ادا کر دیئے
کیکر کر دیے۔ شاہ نامہ میں سیکڑا دن ہزاروں مختلف اشخاص کا ذکر آیا ہے جنہیں عرب، عجم،
ترک، جاشی، بندهی، شاہ، لگد، امیر غریب، آقا، غلام، عالم، جاہل، ہشیعت، رذیل، تاجر، پیشہ و
رہنہ، رند، پورٹ میں جوان بچے غرض ہر جنس اور ہر قسم کے لوگ داخل ہیں، انہیں سے جس کا
جهان ذکر کرایا ہے اس کا امتیازی وصف ہے صاف اللگ نظر آتا ہو، ذیل کی شادی سے اس کا
اندازہ ہو گا۔

(۱) جبار سستم پژون کے چھڑا لے کے واسطے تو ان گیا ہو تو اس غرض سے کر
و گونکو اسکے نام و نشان کا پتہ نہ لگ جائے تو دارگ پنگری گیا ہے، بہت سماں اساب ساتھ
لیا ہو تو ان پہنچ پنگر دکان کھولی اور تو از "ن ہر طرف پھیلا دیئے بہت جلد اسکا شہر
پھیل گیا، دور دور سے لوگ اسکی دکان اور سماں دیکھنے کے لئے آئے ایشہ پیغمبر نکل کر کہ
ایران سے سوداگر آیا ہے دوڑی آئی، اور سستم سے کہا کہ ایران میں کسی کو پژون کی بھی خبر
ہے؟ دو غریب کوئی نہیں مرا جاتا ہے" سستم نے اس خیال سے کہ گھر پر وہ فاش ہو جا
شیخہ کو زور سے دیا تاکہ "میں پژون و پژون نہیں جانتا، بیگانہ کو کیوں ایران پر اس پیغمبر اتی، تو"
سلہ اس اسیاب کی بھی جو پژون پر عاقبت ہو گئی تھی اور جملی بد دلت پژون کو نہیں میں تید کیا گیا،

بد و گفت کز پشیں من در شو
 ن خسر دشتا سکم ن سالا بر لوز
 رستم نے اس سے کہا اپل ہٹ
 میں ن خسر دکو جاننا ہون اور ن کسی کو
 ک منسنه م ز لفشار کر دی تھی
 ندارم ز گودرز گیو آگھی،
 بچکو گودرز گیو کی خبر نہیں
 تو نے میرا سر بک بک سے غالی کر دیا
 منیشہ صدمہ سے بنتا ب ہو گئی اور و کر بولی کہ ”کیا ایران میں یہی دستور ہے کہ لوگ
 غریب نگی بات نہیں سنتے؟“

چنین باشد ائمہ ایران مگر
 ک در دشیں را کس نگوید خبر
 رستم کا دل در سے بھرا یا اور نرمی سے کھاکر داعی مجھکو گیردغیرہ کی کچھ خبر نہیں باقی
 مجھکو غصہ جو آیا تو اس وجہ سے کہ تو نے اگر میرے کار و بار میں ہرج ڈال دیا۔

بدین تندی از من میاز اڑیش
 ک دل بستہ بدم بazaar خوش
 اس غصہ پر تو مجھ سے ناراض نہ ہو
 نیزادل دکان میں لگا ہوا تھا۔

ہی در تو شتی تو بازار من
 انین روی بُد بال تو پیکار من،
 تو نے میرا کار و بار بر سہم کر دیا
 اس لئے میں بچھ پڑھتے لاؤٹھا

یہ خاص دکانداروں کا کیر کڑ رہے۔ دو کانڈا کسی چیز سے اسقدر بہم نہیں ہو سکتا،
 چنان خرید و فروخت میں ہرج ڈالنے سے ہو سکتا ہو چکر رستم سوداگری کے لباس میں ہو،
 ا سبیلے فردوسی نے سوداگر و نکا خاص کیا کیر دکھایا ہو، اسی فتحم کا موقع اسفندر یار کوتیش آیا
 ہے دہ بھی اپنی بہنوں کو بچھا اتنے کے لئے سوداگر بن کر لگا ہے اسکی بہنزوں نکو جب بیخ بوری

کہ اُنگے ملن سے ایک تاجر آیا ہے تو دوڑی ہوئی ایں اور پوچھا کہ آپ اسفندیار کو بھی جانتے ہیں؟ اسفندیار نے کہا مجھکو یاد شاہزادوں اور شاہزادوں کی کیا خبر، میں اپنے پیٹ کے دھنکے میں رہتا ہوں۔“

زہر خود خوش کو شدہ ام زہر خود خوش کو شدہ ام

(۲) فریدوں نے اپنے بیٹوں کی شادی شاہ میں کے خاندان میں کرنی چاہی ہو اور اس غرض کے لئے اس قارت بھیجی ہو شاہ میں کوتردد ہوا کہ اگر انکار کرتا ہوں تو فریدوں تلاض ہوتا ہو اور افرار کرتا ہوں تو خاندان کو بیٹہ لکھتا ہو ر عرب کسی اور قوم کو اپنا گھونین سمجھتے تھے اغراض اُس نے درباریوں سے مشورہ کیا اور یہ بتا دیا کہ فریدوں پرے زور و اقدار کا با دشاد ہے اسکا مقابلہ کچھ آسان بات نہیں، درباریوں نے جواب دیا۔

کہ ماہل ان این نہیں رائے کہہ بارا تو جہنمی زجائے

الریشد فریدوں چین شہریار نہ مابدگا فیم بالگوشوار

یعنی ہم لوگوں کی یہ رائے اینہن کہ جد ہر کی ہوا بدلے آپ اُدھر جبک جائیں فریدوں یا دشاد ہو تو ہو، ہم بھی حلقة بگوش غلام نہیں ہیں۔“

سخن گفتہ درخیش امین مامت عنان و سنان باختن دین ماست

زبان اُردی اور تند ماجی ہمارا شیوه ہے شہسواری اور نیزہ بازی ہمارا مہم ہے۔

عرب کے ہر قسم کے اوصاف اخلاق اور عادات کا سرچشمہ دو چیزوں ہیں فصاحت و

بلاغت اور حمیت و غیرت، ان دونوں صفت کو فردی سے سخن گفتہ اور درخیش سے تعبیر

کیا ہے، یہ دولفط عرب کے کیرکز کی پوری تصویر ہیں۔

(۳۳) رسم نے جب میرہ کو اپنی انگوٹھی دیکر بیرون کے پاس بھیجا تو بیرون پہچان گیا اور بساختہ ہنس پر امنیتہ چونکہ رسم سے واقع ذمہ اسلوکیت ہولی کا اس مصیبت میں خوشی کا کیا موقع ہو، بیرون نے کہا لے الگ تم اقرار کرو کر ازا فشا نہ کرو گی تو میں بتاؤں۔

یاد کہنا چاہئے کہ میرہ اسرد رجہ و فادر ہو کہ اُسے بیرون کے لئے شاہزاد عیش و آرام اور گھر بار چھوڑا، بیرون اسکی وفاداری سے واقع، اور اسکا مترضف ہو، یہ سب کچھ ہے تاہم رازداری عورت کا کیا کرنا نہیں اسلئے بیرون رکتا ہو، قسم لیتا ہے اور پھر اہتا ہے۔

اگر لب بدرزی زہب سر لزند زنان رازبان ہم نامد بہند
یعنی اگر عورت کے ہونٹھ سی دستے جائیں تب بھی اسکی زبان بند نہیں رہ سکتی بیرون
کی اس بدلگانی کا میرہ کو جو صدمہ ہونا چاہئے لھا ہوا، وہ چلا اخٹھی اور کہا۔

دریگاں سشد روز گاران من	دل خستہ و حشم گریان من
بدادم ہے بیرون دل و غانان	کنون گشت بر من چنین بدلگان
پدر گشتم بیزار و خولیشان من	برہن سر دوان بر سرا نجمن
ہجان گنج و دینار و تاج دلر	بتار اج دادم ہمہ سر بسر
پوشید ہمی راز بر من چنین،	تو اگم تری اے جہان آفرین
یعنی "ہائے میری عمر غم میں روئے تو نے کٹ لگی امین بیرون کو اپنا دل اور	
آخر بار سب کچھ دستے چلی بآپ ناراض ہے عزیز خفا ہیں، شنگے سر باہر ٹپی بھرتی ہون	

خواستے۔ روپے پیسے، سب لٹاچلی، اب بھی بیرون مجھسے بہید چھپا تا ہے، اے خدا اسکا
الفات تیرے ہاتھ ہو۔“

(۳) بہرام گور ایک شہر برداشتہ گزرا ہے، اس کے باپ نے معلوم نہیں کیں اس باب سے
اسکی پروردش عرب میں کراںی الحقی جب وہ پیدا ہوا تو میں سے منذر کو بلا کر لامکہ یہ کچھ میں تھا رہے
حوالہ کرتا ہوں، تم اسکی تعلیم و تربیت کا بند ولست کر دمنذر نے کہا۔

مہنگاۓ اشاہ و اندھہ
کہ ادچون شبان سستُ ماجون نہ
سوادِ یم و گردِ یم و اسپ انگُم
کسے را کردا تا پورہ بشکشم،
اسپا فُن میں اور پُس سنتے لکھوں کوتباہ لاریجیں
ہم سواریں پہلوان ہیں۔

اس بھالت کو دیکھو کہ شہسواری اور پہلوانی کے ساتھ اس بات پر بھی خزر کرتا ہو کہ
ہم لوگ پڑھے لکھے آدمی مارڈا لئتے ہیں، غرض منذر بہرام گور کو میں لے لے گی۔ اور اسکی
پروردش شروع کی، بہرام جب سات برس کا ہوا تو اس نے منذر سے کھاڑا اپ سیری
تعلیم کا انتظام کیجئے۔ منذر نے کھاڑا بھی پڑھنے کے دن نہیں، اسکا زمانہ آیا کہ تو میں خود
انتظام کر دیکھا۔

چوہنگاں فرنگ باشد ترا
بہ داتا لی آہنگ باشد ترا
بازی ہی سر فرمازی کنی
بہرام نے کہا۔

مرا جز درمی ہست اگر سال نیست

گومیری عمر زیادہ نہیں لیکن عقل ہے

پھر تیام کی ضرورت بیان کی اور منذر سے کہا۔

تراسال ہست و خرد مکتسرست

ہنا دم در اے تو دیگرست
تو سن رسیدہ ہو لیکن عقل کم ہے

میری اور تیری فطرت میں فرق ہے
نگہ کرد منذر بر خسیرہ ماند

منذر اسکی طرف دیکھ کر حیران رہ گیا
او جسد اکاتام لیا،

شاہ نامہ میں ہب اشخاص کا ذکر آیا، ہب انکا خاص خاص کیفر کفر ہے اور یہ کیفر ہجھ
محسوس ہوتا ہے مثلاً اشخاص ذیل کا کیفر حسب ذہل ہے،

کیکاوس جاہ عظمت و حوصلہ مند می کے ساتھ حماقت اور زدداشتی ای-

لیخسرو۔ علوہست، شجاعت، رحم، عدل و انصاف۔

رستم پیارا نی اور تخت کی وفاداری،

سہرا ب شجاعت کی بہستی اور البیلا پن۔

اسفندیار شجاعت کے ساتھ تخت جلوت کی سخت حرص۔

افراسیاب جود و ظلم و شجاعت،

بیرون۔ شجاعت اور دوستانہ وفاداری۔

اشخاص مذکورہ بالا کا جہاں جہاں ذکر آیا، یہ کیفر کہیں نہیں بدلتے اور فراؤ

مداد مہ ہو جاتا ہو کہ یہ وہی تصور ہے جو پہنچنے نظر سے لگز رچلی ہے مثلاً شناس پ نے جب

یہ چاہا کہ اپنے بیٹے اسفندیار کو کسی جیل سے قتل کر ادے تو اس سے کمالہ "میں نکوتا ج د
تحت اس شرط پر دنکار رسم کو گرفتار کر کے لاؤ،" اسفندیار سلطنت کا اس قدر حرص تھا کہ
اس نامکن اور نامناسب کام کے لئے آمادہ ہو گیا رسم زبان میں تھا دہان پہنچ کر رسم سے یہ
خواہش ظاہر کی، رسم وہ شخص تھا کہ کیقاباد سے لیکر اس زمانہ تک ایرانی سلطنت ایسکی بدلت
قام کر رہی، وہ اس ذلت کو کیونکر قبول کر سکتا تھا، اس نے کمالہ میں یون آپکے ساتھ چلتا ہوں،
وہاں گشتا سپ کا جو حکم ہو گا بجا لاؤں گا، اسفندیار نے نہ مانا، بالآخر لڑائی ہوئی، رسم زخمی
ہوا اور راست ہو جانے کی وجہ سے رُڑائی دوسرے دن پر اٹھا رکھی گئی، رسم نے سیمرغ سے
سے مرد طلب کی، اس نے ایک تیر دیا کہ یہ خطانہ کرے گا، دوسرے دن رسم مقابلہ کو
آیا، پہلے نہایت عاجزی سے دخواست کی کہ اس ارادہ سے بازاً اے اسفندیار نے
نہ مانا، اب رسم محور ہوا، تیرکان ہاتھ میں لی چاہے چڑھا یا رسم اگرچہ بالکل بے قصور تھا
اور اسفندیار چونکہ اس کو بے وجہ قتل کرنا چاہتا تھا اس لئے جان بچانا اس کا فرض تھا
تاہم چونکہ اسفندیار دلی عهد سلطنت تھا اور رسم اسی تحفہ کا نکوخار تھا اس لئے دن
شاری کے احساس سے اسکا دل کاپتا ہی، بار بار خوشامد کرتا ہے بالآخر اسفندیار کے بھائی

لپشتن کو بلاتا ہو کر گواہ رہنا میں بے قصور ہوں،

بد اندر کے ازم نہ بُدجگ دکین نہ لگ دیدم ازکیش د ایں دین

سن لوڑائی میری طرف سے نہ تھی، میں نے آدمیت اور مذہب سے منہ بھین موردا

اسفندیار ہنستا ہو کر یہ بہانہ ہے، لوڑائی سے جی چرتا ہے، "غرض لپشتن آئا ہے"

اد رسم اس سے کہتا ہو۔

چین لگت پس بالپشتن بر از
رستم نے پشوتن سے کہا
بے لایہ کردم ہے اسفندیار
میں نے اسفندیار کے آگے بہت
لودالی و دیدی زمن بندگی
تنے میری فرمان برداری دیکھی، لیکن
اگر ادشود کشته بر دست من
اگر دہ میرے ہاتھ سے مارا جائے
کہ رستم بے لایہ دراز کرد
کہ رستم نے بہت خوشاد اور عاجزی کی
اسفندیار نے دیکھ کر کہا کہ باب سے کیا فائدہ؟ لڑتا ہو تو لڑ،
بدوبانگ بر ز دیل اسفندیار
کہ بیار لگفت، نہ آید بکار
رستم کا دل اب بھی لرزتا ہو، وہ آسمان کی طرف رُخ کرتا ہے اور کہتا ہے
لے خدا !!

لودالی کہ بسید اد کو شد ہی
بر من جنگ د مردی فرد شد ہی
لو بانسا ہو کہ اسفندیار زیارتی کرتا ہو اور
مجھ سے زبردستی لڑتا، اور دون کی لیتا ہو

بہ باد انسرہ این گناہم مگیر
تو اے آفرینندہ ماہ تو سیر
اس گناہ میں محکونہ پکڑنا۔

رسم کی لکان کچھ چکی ہے لیکن تیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، یہاں تک کہ اسفد یار رسم پر
تیر جلاتا ہے جو اس کے سر پر اکر لگتا ہے اب رسم بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور حفاظت خود احتیاط
کا فرض بجالاتا ہے، اگر اور کوئی شاعر اس مرک کو لکھتا تو رسم کی عذرخواہی کا خالی بھی اسکے دل
میں نہ آتا، لیکن فردوسی ہر جگہ یہ پیش نظر کرتا ہے کہ اس نے رسم کا کیا کیہ کرٹ قائم کیا ہو؛ اور
ہر جگہ اس لیکر کامیابی اتنا ہو؛ اسفد یار کے مقابلہ میں رسم کا ہاتھ اٹھانا لگتی ہی مجبوری
کیوجہ سے ہو، پھر بھی دفاصاعدی کے خلاف ہے، اس لئے بار بار روکتا ہے خوشامدین کرتا
ہے، پشوتن گوگواہ بناتا ہے، اور باخر کس لجاجت، مجبوری اور عاجزی سے خدا کو
مخاطب کرتا ہے کہ "ت خوب جانتا ہے کہ اسفد یار ظلم پر آمادہ ہے، اے خالق زمین داسمان
س جرم میں محکونہ پکڑنا"۔

سہرا ب کیر کر، زد شجاعت، جوش شباب اور البیلاں ہے، یہ باتیں اسکی
ایک ایک ادا سے نایاں ہیں، پہلے مرکہ میں رسم کو جس شان سے دچھاڑتا ہو اسپر
نظر ڈالو،

بڑا در دش از جائے دنبہا دست	بہ رسم در آذخت چون پیلی مست
اور اسلو زمین پر انشار پیک دیا	ست ہاتھی کیطرن رسم سے پٹ لیا
پڑا خاک چنگاں مرے دہن	نشست از بر سینہ پیلی تن

رسم کے سینے پر پڑھ میٹھا

چنچے بہرہ سخن خاک میں بھر گئے تھے

رسم کے جب دیکھا کہ قتل ہوا چاہتا ہے تو سہرا ب سے کہا کہ ہمارے ملک کا یہ دستور
نہیں ہے بلی دفعہ حریف کو قتل نہیں کرتے بلکہ چھوڑ دیتے ہیں بھول اجھا لا بد سست لوجوان
اس فریب میں آ جاتا ہوا درج چھوڑ دیتا ہے کوئی اور ہوتا تو اتنا بڑا امر کہ سرکر کے مجلس جاتا
اور اپنے غرض کی داستان سناتا، لیکن بسست بھادر کو احساس تک نہیں رسم کے سینے سے
انھمکر جنگل کو نکلا جاتا ہے اور شکار کیلئے لگتا ہے۔

ہمی کرد نجیس ریادش بنود ازان کس کہ با ادیر د آن مود
شکار کہیئے لگا اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس سے لڑا کت۔

یورپ کے اہل نظر کا اعتراض ہے کہ ایشیا کے شرعاً مختلف اشخاص کی اللگ
اللگ خصوصیات نہیں دکھا سکتے، مثلاً ایک بوڑھے اور جوان کی لڑائی کا حال لکھتے ہیں تو
دو اذان کی لڑائی کا خلاصہ میکسان ہوتا ہے، بڑا پے اور جوانی کی تیز نہیں ہو سکتی، یہ
اعتراض عام شرعاً کی نسبت صحیح ہو لیکن فردوسی اس سے مستثنی ہے مثلاً سہرا ب نے
جب کیا کاؤس کے کاگے جا کر ہم بہر طلب کیا ہو تو کہتا ہے،

ازان پس خوشید سہرا ب گرد ہمی شاہ کاؤس را بر شمرد

چرا کرد نام کاؤس کے چور جنگ شیران نداری تو پے

جب کیمیں سے ادا نہیں آتی توجوش شجاعت سے کاؤس کے خیمه پر حملہ کرتا ہے
اور برچھے سے خیمه کی نیخین الہماڑا تا ہے۔

خُم اور دلپشت دستان سنج بز دند و بکن دہن تار بخ
 رستم کو جس طرح اُس نے پچھاڑا ہے اس کی ایک ایک ادایں جوانی کی شان
 پائی جاتی ہے۔

بز دست سہرا بچون ہیں ست چوشیر دمندہ زجاد بحسبت
 کی لغہ بز دپر از خشم دکین بز دستم شیر را برز میں
 بہ کردار شیرے کے برگو نفر دند دست و لوگ اندر آید لبر
 جب فوج پر حملہ کیا ہے تو یہ حالت تھی۔

سر نیزہ پر خون دخنان دست چوشیرے کے گرد دنچیز سست
 حکمت دوغفت عکت، مو غفت، اور اخلاق کے تمام ہمات اصول، شاہناہ مہمین مذکور
 ہیں اور انکو اس خوبی اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ شاعر نہ طرزِ ادا ہاتھ سے جانے انہیں
 پہنچا ہوئے، صحراء کی طرح فلسفیانہ مسائل خشک طریقے سے ادا کر دینا تو سب کے سکھتے ہیں
 (۱) انگریزی مثل ہے "نارج از پاؤ ور" یعنی "علم قوت ہے" یہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا،
 لیکن کہ عام خیال میں قوت زور و وزر، اور فوج و شکر کا نام ہے، لیکن زیادہ غور و فکر اور
 تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت حقیقت میں عقل کا نام ہے دنیا میں سیکڑوں قویں
 زور اور قوت میں تمام دنیا سے بڑا کھینچیں، لیکن شایستہ قوموں کی غلامی کوئی تھیں اور
 تمام دنیا ایک طرف اور یورپ کے مٹھی بھر آدمی ایک طرف، لیکن کل دنیا اپنی مٹھی بھر
 آدمیوں کی غلامی کر رہی ہے، یہ مری عقل کا زور ہے، اس نکتہ کو فردوسی نے

ان مختصر لفظ نہیں ادا کیا ۶

تو انابدھر کر داتا بود

جو شخص عقل رکھتا ہو زور استاد ہو

(۲) شخصی اور جمہوری کامون میں بڑا فرق یہ ہو کہ شخصی کامون میں صرف ایک شخص پر مدار ہوتا ہو اگر وہ عاقل اور صاحب الرائے ہو تو سب کچھ ہو ورنہ پھر اصلاح کی کوئی صورت نہیں تجلاں اس کے جمہوری کامون میں سیکڑوں ہزاروں عقليں شامل ہوتی ہیں اور وہ کام گویا ان ہزاروں عقول کے مجموعی قوت کا نتیجہ اور اخیر ہوتا ہو۔ اس سے کوئی شخص افکار نہیں کر سکتا کہ ایک ادنی سے ادنی ادمی کچھ عقل رکھتا ہو اور بارہال ایسا ہوتا ہے کہ ایک معمولی ادمی کو جوبات سوچھ جاتی ہو بڑے بڑوں کو نہیں سوچتی۔

شخصی کامون میں عام و قوانین سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ تجلاں اُسکے جمہوری کامون میں ایک بچہ کی عقل بھی رائکان نہیں جاتی، ہر شخص اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہو اسکی رائے سُنی جاسکتی ہے اور اسپر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ کو فرد و سی یون ادا کرنا ہے۔

شندیدم ز دان اک دانش بیس ہست دلکن پر اگنده باہر کے است
یعنی میں ملنے عاقل سے سنا کر دنیا میں عقل بہت ہے لیکن کسی ایک شخص کے پاس سب جمع نہیں، بلکہ تھوڑی تھوڑی سبکے پاس ہے، اس لئے سب کو کجا اڑل جا ہے۔
(۳) لوگ اس بات کے شاکی رہتے ہیں کہ دنیا میں وفادار دوست نہیں ملتے، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ دوست کا اچھا بہر اہونا خود اپنے طرزِ عمل پر موقوف ہو، اگر ہم میں خلوص راستی اور درد ہے تو ہر شخص ہمارا تخلص اور ہمدرد ہے اور اگر ہم خود کج خلق اور بیدار نہیں تو اچھے سے اچھاً آدمی بھی ہمارا دشمن ہو سکتا ہو، فردوسی شاعر انداز میں اس نتکتہ کو بیان کرتا ہے،

اگر بار خار است خود کشتم
وگر پر نیان است خود رشتم
اگر دوست کا نا ہو تو خود تمہارا ابویا ہو ہو
اور اگر کوئی ہو تو خود تمہارا بنا ہو ہو

(۱) سعادت اور فیاضی کے متعلق اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں یعنی یا تو اسراف اور فضول خرچی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں یا بخیل بجا تے ہیں، فردوسی نے اسکے اصول تالي:

چین لغت رستم خدا وند خش
کہ گر نام خواہی درم را به بخش
رستم کا قول ہے
کہ اگر نام پا ہتھ ہو تو سعادت افتخار کرو

نہ چندان کہ بے چیز گردی زیز
لیکن نہ اس قدر کہ نادار بجا د
دنیا کے لوگ مفلس سے عار کہتے ہیں

بنو سمش و بپوش و بخش و بدہ
برائے دلگرد زیزے بنہ
کہا، پھر دو، دلاد،
لیکن کل کے لئے بھی کچھ رکھ جوڑ د

(۵) جہانگیر ملکن ہو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی سے منافقت اور دشمنی نہ بیلدا جو اور تمام دنیا دوست بجا لے، یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ تھوڑے سے دوست کافی ہیں، فردوسی نے اس بات کو ایک تشییعی کے ذریعہ سے ادا کیا ۶

تو تاخاک یا بی ہمہ دوست کار

تم کو جہان تک زمین ٹا دوست بوتے جاؤ

(۱) تمام دنیا میں مکافات کا اصول جاری ہو یعنی ہم جو کچھ کرتے ہیں وہی بعینہ ہم لو
ایک دوسری صورت میں پیش آتا ہے، یہ بات بظاہر کلیتیہ صحیح نہیں معلوم ہوئی کیونکہ
بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اُدی ایک کام کرتا ہے اور اسکا بعد لم اسکواں دنیا
میں نہیں ملتا لیکن جب زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ عموماً دنیا میں رو عمل کا
اصول قائم ہے، قول عمل کا ہر فردہ اثر رکھتا ہے۔ ہر آزاد ہوا میں ایک تلوچ پیدا کرتی
ہے اور یہ مہرا اور تلوچ واسطہ دراسطہ وہیں پورخ جاتا ہے جہاں سے چلا ہتا، اس سے
ہم الگ سی کو ضرر پہنچانا چاہیں تو ہمکو اُسی درجے کے ضرر اٹھانے کیلئے طیار رہنا چاہئے
اس نکتہ کو فروضی یوں ادا کرتا ہے۔

چنین لگت پور گو پیل تن

کھپس را بہ اندازہ خلیش کن

زال کے بیٹے نے کہا

لکنوں جب بُود تو بُن انداز کے موافق کہو

(۲) ”کار امر دز بر فرد امگذار“ مشہود مقولہ ہے، فردوسی نے بِ اصول زیادہ خوشنما
اور مدل طریقہ سے ادا کیا ہے۔

گلستان کہ امر دز باشد بیار

توفر دا بچنی نیا یہ بکار

اگر باغ میں آج بھول آئے ہیں

تم کل بچوں چنڈے گے تو بیکار جا لینگے

(۳) فضل و کمال کا اصلی معیار عمل ہو علم نہیں۔ ۶

کہ صد گفتہ چون خیم کر دا نیست

سیکڑوں باتیں آؤتے عمل کے بر اپنیں

(۱) الخرچ امدلی کے انداز سے کرنا چاہئے پوشکل اکاذمی کا ایک اصول موضوع

آخر شیخ سعدی نے اسلوبیوں ادا کیا ہے۔

چود خلت نیست، خرچ آہستہ تر کن کہ مے گویند ملاحان سرد دے

اگر باران بہ تالبستان نباراد بہ سالے دجلہ گرد خشک دے

یعنی اگر امدلی نہیں ہو تو خرچ کم کرو، ملاح یہ گیت گاتے ہیں کہ اگر گرسیوں میں

بارش نہ ہو تو سال بھر میں دجلہ سوکھ کر نہ رہ جائے گا، فردوسمی اس اصول کو دو مصروعن
میں ادا کرتا ہے،

چور گیری از کوہ و خنی بجاۓ سرا نجام کوہ اندر آید ز جائے

یعنی اگر پہاڑ میں سے کچھ پتھر نکال لیا جائے کرے اور اس کے بجائے دہان کچھ
زد کیا جائے تو با خرچ پہاڑ ختم ہو جائے گا۔

یہ شعر سعدی کے شعر سے زیادہ بلیغ ہے، سعدی کے شرکا صرف اس قدر

غثہ ہے کہ اگر امدلی نہیں ہے تو خرچ کم کر دیکن امدلی پیدا کرنے کی تدبیر و تحریص

کا ذکر نہیں فردوسمی کے شرکا یہ مطلب ہو کہ جب خرچ کرو تو کچھ پیدا بھی کر دیں جیسی اشارہ

ہے کہ: افزانہ دختہ میں سے بہاءدمی کچھ خرچ کرتا ہے تو غلطی سے اعلیٰ کچھ پروانیں

کرتا جب خرچ پہاڑ سے ایک آہہ پتھر نکال لیا جائے تو کچھ کمی نظر نہیں آئی تیکن رفتہ

رفته ایک دن سارا ذیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

حکمت و معنویت کے بہت سے اصول جو اس طرح کیا کرائج بھی اسکا طرز ادا نیا
فردوسی نے ان کو بہت پہلے بیان کیا اور اس طرح کیا کرائج بھی اسکا طرز ادا نیا
معلوم ہوتا ہے، مثلاً

اسماں کبھی موافق ہوتا ہے کبھی مخالف،

یکے پر زکین و یکے پر زمہر	دودل دار دایں یا شگونہ سپہر
ایک دشمنی سے بھرا ہوا ہے اور ایک بھتی	آسمان کے دودل ہیں

دیر آئید درست آئید۔

پرشش روزگر دایں جہاں لیا	خداوند ما و اہر مسنا نے
--------------------------	-------------------------

عین کاعتاب دشمن کی محبت سے اچھا ہو،

پدر گر پسر را بزمان کند	ازان ہر کہ دشمن گل افشاں کند
بلند مرتبگی، جانبازی سے حاصل ہوتی ہے۔	پدر گر پسر را بزمان کند

نشیتن بخون بایدش دست	نشیتن بخون بایدش دست
جو شخص بڑا ہوتا چاہتا ہے	اسکو پہلے خون سے اقدامہ نہ کرنا ہم تو

دو دلش در گلے بخپندر۔	بے ملکے نہ گنبد دو بادشا
-----------------------	--------------------------

دوست نادان یہ از دشمن دانار	بے ملکے نہ گنبد دو بادشا
-----------------------------	--------------------------

چودا ناترا دشمن جبان بود
بہ از دوست مردے کی اداں بود
عزم سے مزاہ نامی کی زندگی سے بہتر ہے،

بنام مبتداً اربلطفی بخزان
بہ از زندگانی بہ ننگ اندر ون
دولت حقیقت میں خوشی کا نام ہے،

تو انگر شود ہر کروشنود لکشت
دل ارز و خانہ دو دلشت

ضیحت کی بات، بار بار سنا چاہئے، لیونہ نیجیت دہرانے سے پرانی نہیں ہوتی،
اگر داشتے ردر اندر سخن،

اخلاق دو عنایت دیاست شاہنہ امہ الرّحْمٰیک رزمیہ نظم ہو یکن شاعری کی خوش
قصتی ہے کہ فردوسی جس طرح فطرۃ رزم کا ماق ساقہ لیکر ایسا تھا جو ایک دہقان نژاد کے لئے
موز دن تھا اسی طرح فلسفہ اور اخلاق بھی اسکی فطرت کا عنصر اعظم ہے، عین مرکہ کی عالت
یہی وہ پند دو عنایت سے باز نہیں آتا۔ میدان جنگ کا سامان بن درہا ہو، ہر طرف
تمواریں چکس رہی ہیں، نفر ون سے عالم کا افق لوٹ اٹھا ہو۔ دل جوش سے لبریزیں
خاقان چین، پل سفید پر جلوہ گر ہے، چاروں طرف فوجوں کا حصار ہو، رسخو شیر
کی طرح در آتا ہو افوجوں کو چپڑتا پھاڑتا خاقان کے ہاتھی تک پہنچ جاتا ہے اور کندھ پہنکتا
ہے، خاقان کندھ میں گرفتار ہوتا ہو، ارسم اس کو زمین پر پیک دیتا ہو،
چراز دوست رسم رہا شد کندہ سرہ سریار اندر آمد ہبند
رسپیل اندر آور دوز بزمیں بہستہ بازو سے خاقان چین

رسم کو حق تھا کہ اس کا میابی پر ناز کرتا اور کچھ دیر تک اس کے سر سے یہ نش
ذات رتالیکن دفعہ فردوسی سامنے سے نمودار ہوتا ہے۔ اور آہتا ہو۔

چینیں است رسم سر اے فریب
گھے بر فراز و گھے برشیب

کجھی میٹن ہے کجھی پست
فریب دینے والی دنیا کا یہی طریقہ ہے

چینیں بود تا بود گر دان پہر
گھے جنگ، زہر است و لگوش مهر

جبے آسان ہو، یونہی ہوتا آیا ہے
لڑائی کجھی زہر ہے اور کجھی شہد

رسم فردوسی کا حاصل شاعری ہو، اس کے کارنا ماعظت پر ایک ذرا اسا

دار غبی فردوسی کھو ار انہیں ہو سکتا، تا ہم اخلاقی فرائض کے وقت وہ رسم کو بھول

بیا آہے۔ رسم دسہر اب کی داستان شاہنامہ کا مشہور منظر ہے، اس معركہ میں فردوسی

لے پورا از و صرف کیا ہے کیونکہ رسم اس کا ہیر داد رسم اب اسی کا فرزند ہے لڑائی

س حد تک پہنچ چکی ہو،

بہ شمشیر مہندی بر ادھیستند
ہمی ز آہن ان ش فریاد بخشنند

ہندی تلواریں یکر دلوzn لپٹ لگے
اور لو ہے سے آگ برسانے لگے

دفعہ فردوسی کو خیال آتا ہے کہ رسم کی یہ کوششیں کس کے مقابلہ میں ہیں؟

سکاحریف کون ہے؟ اس کا ہاتھ کس پر اٹھ رہا ہے؟ ایکسا جائز، پس بچے کو دیکھر

چیان لیتا ہے خون کی بوجھ سوس ہوتی ہے، رسم کا ادمی ہو کر بیٹی کو انہیں پیا سا صرف

س لئے کہ خود غرضی۔ نے اسکی انکھیں بند کر دی ہیں،

ہی بچپہ رہا ز داندستور
 چہ ماہی بہ دریا چہ در دشت لور
 بچھلی پائی زین اور گوہ نز جبل میں پنچھے پہیا زین
 کیکے دشمنے راز فرزند باز
 لھوڑا اپنے بچہ کو بچان لیتا ہے
 ندانہ ہمی مردم از رنج آز
 لیکن آدمی حرص دطبع کی وجہ سے
 شاہان ایران میں بہرام گور بڑی شان و شوکت اور عزم و استقلال
 بادشاہ گذر ہے فردوسی کو اس سے خاص محبت ہے، وہ اس کو عدل والفات
 اور شان و شوکت میں قام سلاطین ایران پر ترجیح دیتا ہو چاہنچہ کہتا ہو۔
 پچباہ خسر و زخت کیاں
 کہ سبستند بر تخت ایران میاں
 کیاں خاندان کے جو ۵۰
 بادشاہ گزرے
 نہ بد پیچ مانند بہرام لور
 بہداد و بزرگی و فرشناش زور
 انیں کوئی الفات عدل عقل، اور تبریز میں بہرام لور کے بر ایر زختا
 با این ہبہ بہرام گور کے مناسب کی نکتہ چینی ہنایت سختی سے کرتا ہو، بہرام
 یا وجود تمام محسن کے نفس پرست ہتا۔ اسکی عام عادت تھی کہ شہر سے وزن لکھتا، دیہاؤں
 میں پھرتا اور جہان کوئی دو شیزہ لٹا کی تنظر آجائی اس کو گھر میں ڈال لیتا، اصرار
 سکا شہستان عیش اندر کا الکھاڑہ بن گیا تھا، فردوسی ایک سردار کی زبان سے اس بیوی
 کی برائیان کرتا ہے، اور کہتا ہو کہ شادی کا مقصد بقاۓ النسل ہو اس غرض کے لئے
 ہمینہ میں ایک بار عورت سے ملنا جائز ہے، اس سے زیادہ تندرستی کے لئے مضر ہے

بیک ماہیک بارہ مختتن

گرفت زدن بود خون بود جین

ببا ید جوان حشر دمت را

بین مایه از هر نفر زند را

جب کسی سے کوئی بات اخلاق کے خلاف سرزد ہوتی ہو تو فرد و سی فرداً
لڑفت کرتا ہے اور اسکی بد نانی دکھاتا ہو شخصی سلطنتوں میں نام بدل اخلاقیوں کی بنیاد
دوچیزین ہیں ایک خود مختاری اور دوسرے عدم آزادی را، خود مختاری صرف
ادشا ہ اور فرمانزد اپر محمد و دینین ہو لی بلکہ درجه بدرجہ ہزارون فرمانزد اہوئے
ہیں اور کوئی شخص اپنے فرمانزد اکوسی بات پر ٹوک نہیں سکتا، اس بنا پر ہر قسم کی
راہیان جب کسی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں تو بڑھتی اور بھیلی جاتی ہیں کیونکہ اسکے
خلاف کہیں سے کوئی صدر ایمن نہیں ہوتی، لیکن شاہناہمہ میں ہر شخص آزاد
نظر آتا ہو بادشاہ کوئی انقلابی کرتا ہو تو درباری ہتایت آزادی سے نکتہ چینی کرتے ہیں اسی
طرح ہر طبقہ میں زیر دست اپنے بالا دست پر گرفت کرتا ہو اور اسکو بے اعتدالی
سر دکتا ہو کیا کاؤں نے سوداہ کی سازش میں اگر بیٹے کوہا تھے سے کہو دیا، رستم
و خبر ہوئی تو سر دبار کی کاؤں سے کہا۔

تراعشق سوداہ بود خونی

زسر بر گرفت آن کلاہ کی

سوداہ کے عشق لے

تیرا شاہی تاج اماریا

کسے کو بود مہتر اخیسن

کفن ابہتر اور از فرمان ن

جو شخص سردار جو اُس کوزن پرستی سے کفن ابہتر ہے۔

یہ کھلکھل ستم حرم میں جا کر سودا بہ کو پکڑ لایا اور اس کا سر اڑا دیا۔ لیکن وہ اس چپ پہنچا دیتا
 نہ خبر سہ دو نیمہ کردش براہ تجنبید بر تخت کا دوس شاہ
 گشتا سپھا اپتے میٹے اسفندیار کو تخت دینا ہمین چاہتا تھا لیکن اسف
 کا دباؤ اسقدر تھا کہ علائیہ انکار بھی ہمین کر سکتا تھا۔ بالآخر یہ تدبیر سوچی کہ اسلو ستم
 مقابلہ پر بھجا اور وہ بیچارہ جان سے مارا گیا پشوتوں جو اسفندیار کا بھائی تھا
 شاہ سپھ کے دربار میں گیا۔ شاہی ادب و احترام مطلق سے بجا لایا اور گشتا سپھ کے کہا
 اور سرکشون کے با دشاد، تو نے اسفندیار کو برباد کر دیا، تو بیٹے تو تخت پر قبایل چڑھاتے
 با دا ز لگفت اے سر رکشان ز بر تختن کارت آمدشان
 پکار کر کہا کہ اور سرکشون کے سردار اب تیری بخشتی کے دن آگئے
 پسرا بہ کشتن دہی بہ تخت کہا بہنی دجھمت دجھنت
 تو تخت کیلے اولاد کو قتل کر دیتا ہو خدا تجھکو تخت دتا ج یک صوت نہ دھلا کے
 بہرام گور کے باپنے لوگوں پر ظلم کئے تھے، جب وہ مر گیا تو بہرام گور
 تخت کا دعوے کیا لیکن رعایا نے کہا کہ ہم ظالم با دشاد کے خاندان میں حکومت ہمیں
 دکھ سکتے، نوشیروان کے باب قیاد نے اپنے مدار المہام کو بوجہ قتل کر دیا تھا
 اس پر رعایا نے قباد کے پالان میں زخمیوں ڈالی دین، اور اس کے بھائی کو
 تخت پر بٹھایا۔ نوشیروان نے بزر چھپر کو کسی بات پر ناراض ہو کر قید خانہ بھجو دیا اور
 پوچھ بھجا کر کیا حالت ہے؟ بزر چھپر نے کہا کہ ”اپسے اچھی حالت میں ہوں“ نوشیروان

بھم ہو کر اندر سے کنٹوں میں قید کرا دیا۔ بزر جہر نے اب بھی وہی پیغام کھلا بھیجا، نوشروڈا نے تو ہے کے تصور میں ڈلوادیا اور جو سچے دن پیغام بھیجا، کہ اب کیا حالات ہے؟
جہر نے کہا کہہ دینا۔

کہ روزِ مہر بہ از رو ز نوشیروان

بیسے دن، نوشیروان کے دن اچھی ہیں

تام شاہنا مہما اسی قسم کے آزادانہ خیالات اور آزادانہ طرزِ عمل سے بھرا
ہے شاید تم کو یہ خیال ہو کہ اس میں فردوسی کا کیا احسان ہے، ایران کی یہ دانی
لت بھی، فردوسی نے واقعہ نگاری کی حیثیت سے اس کو ادا کیا، اس سے خود
کے خیالات کا اندازہ نہیں ہو سکتا، لیکن ایران کی اور بہت سی تاریخیں موجود
ہیں، انہیں یہ واقعات کہاں ہیں؟ کم سے کم یہ کہ جن واقعات کو لوگون نے اہم نہ
بھجا اور نظر انداز کر دیا فرقہ و سی انکا ذکر ضروری سمجھتا ہو، اچھے افعال جن لوگوں سے
رزد ہوئے ہیں انکی تحسین کرتا ہو، انکو خوب پہیلا کر لکھتا ہو اور اس طرح لکھتا ہے کم
و سرد نشک لئے لمحوںہ قائم کرتا ہے، اور جہاں کسی سے معیار اخلاق کے خلاف کوئی
مل سرزد ہوتا ہے اپنی نکتہ چینی کرتا ہے، اُتر یہ خود فرض اور اکرتا ہے۔ وہ سرسری
فرضی موقعوں پر بھی اس فرض سے غافل نہیں ہوتا لگو ورز کو سیران ولیم سے
افراسیاب کا وزیر اعظم تھا اس بنابر سخت عدادوت ہتھی کہ سیران ولیم کے ہاتھ سے
کاتا نام خاندار ان بربار زہر لگایا تھا۔ لگو درستے جس بیران ولیم کو برچھے سے مارا تو

انتقام کے جوش میں جلوہ میں اسکا ہدو لیکار پستھ چہرے پر ملا۔ پھر پی گیا، اس داقعہ کو فتنہ ادا کیا۔ لیکن ساتھ ہی اس پیر حرمی اور خونخواری پر تحریت ظاہر کی۔

فرو برد چنگال و نون بر گرفت بخورد و بیال در وحی شلگفت

گودرز نے چاہکہ پر ان کا سر کاٹ لے نہیں پڑھاں ایا کہ آدمیت کے خلاف

فردوسی اسکی داد دیتا ہے۔

سرش را ہمی خواست از تن برید چین بخش خوشنیں اند وید

اس کے سر کو کاٹنا چاہا ہی سکن اس نے اپنے آپ کو ایسا ب نفس نہیں پیدا

فردوسی نے سلطان ایران میں سے لئی خسرو اور نو شیر وان کو عدل وال صاحب از

اور محاسن اخلاق کا ایڈیل قرار دیا ہے، اور اس تقریب سے محاسن اخلاق کا ایک از

بلند معیار قائم کیا ہوا۔ کیخسرو نے جب افراسیا بکے مقابلہ میں فوجیں رو انہیں تو حملہ از

کر دشمن کے ملک میں جو لوگ بر سر مقابلہ نہ ایمن انکو کسی قسم کا لزمنہ پہنچنے پائے۔

نیاز رد باید کسے را براہ چین است ایمن در سکم کلاہ

راستے میں کسی کو مستانا نہیں چاہئے۔ حکومت کا بھی دستور ہے

کشاور زیا مردم پیشہ ور کسے کو بزر مرستہ نہ بند و کمر

کاشتکار، یا پیشہ دا لے جو لڑائی میں شرک نہیں ہیں۔

نباید کم بر دے وزد با ذ سرد انکو شید جز بیا کسے ہم بر د

لڑکے والوں کے سوا کسی سے نہ لڑنا انکو کسی قسم کی تخلیق نہیں پہنچی چاہئے

افراسیاب جب شکست کہا رہا گیا اور اس کے حرم کنیسر دے سا نہیں
لہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہمکو گرفتار نہ کیا جائے تو کنیسر نے کہا کہ جو بات میں اپنے لئے
نہیں کرتا دوسروں کے لئے الگھی پسند نہیں کرتا، ہرچہ برخود نہ پسند ہی برداشگاران
خدر۔

چنین گفت کنیسر وہ شمند کہ ہر چیز کو نیست ماہ پسند
نیارم کسے را ہمان بدہ روے دگر چند باشد دلم کینہ جوئے
عام حکم دیتا کہ کوئی شخص قتل اور گرفتار نہ کیا جائے فوج کو حکم دیا کہ
زدل ہامسہ کینہ پرول کنید بہ شہر اندر میں کشور افسوس کنید
زخون رختن دست باید کشید سربیگنا ہاں نباید برید
صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ کوئی شخص کسی کے مال و اسباب کو عجیب
نگائے (حالانکہ مال غنیمت پر تصریف کرنا عام دستور تھا)

ز چیز کسان سرہ بیچنے نیسے کہ دشمن شود دست از یہ ہر چیز
افراسیاب نے بیخ درکے باپ کو نہایت ذات سے قتل کیا تھا اور کنیسر دکی
توہین کی بھتی اور برخود غیر دلو قتل کر دیتا چاہا تھا، اس انتقام میں کنیسر نے
سیاب کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا میں قتل کرنے کے بعد لوگوں سے کہا کہ یہ
یا اس قصاص تھا اور اس کی حد یہی تک ختم ہو گئی ایہ کہکر حکم دیا کہ مخواب کا کفن
جا سے اور زرین تابوت میں اسکی لاش دفن کی جائے۔

اخلاقی اوصاف میں ایسا رہبڑن اوصاف ہو اس لئے فردوسی نے اکثر مرد
پر اس دعفے کیہا یہ مورث طریقہ سے ادا کیا ہے بیشرن جب تکون کی فوج سے
لڑنے چلا ہے تو سکا باپ جوش محبت میں بیقرار ہو جاتا ہے اور روکتا ہے بیشرن
جو اب دیتا ہے،

مرانند گالی نہ اندر خور است گراز دیگر انم ہمز کتر است
گیواب بھی نہیں مانا گو ورز جو بیشرن کادا دا تھا گیو سے کہتا ہو۔

اگر بار دا ز منی پولاد، تنغ، نشا یہ کہ دارِ یم جان را در بیغ
گستہم ایک پہلوان تھا جس سے بیشرن کی جان بچائی تھی، ایک مرتبہ
الیلا دشمن کے تعاقب میں نکل کیا، بیشرن کو خبر ہوئی لھوڑا درڈ ایا لے گستہم کو فرمی اصدہ
نہ پوچھنے پاے بیشرن کے باپ گیو نے بیشرن کے پیچے لھوڑا اڑا لے بیشرن کو پھر لے اے
ایو بیشرن کو روکتا ہو کہ میرا بڑا پا ہے میں تجھکو جانے نہ دو نگاہ بیشرن کہتا ہو کہ یہ مردی
خلاف ہو کہ دوست دوست کے کام نہ آئے ایو کہتا ہو کہ تیرے بدلم میں جاتا ہوں
بیشرن کہتا ہو یعنی کے ہوتے باپ کا خطہ میں پڑنا بیٹھے کی ذلت، ہو دو نوں میں در
رد و دیدل ہوتی ہے بالآخر بیشرن جاتا ہو اور گستہم کو زخمی پڑا ہوا پاتا ہے، بیقرار ہو کر دو
ہو، گستہم انکھیں گھول دیتا ہے اور کہتا ہو بھائی! میرے لئے اپنی جان نہ لہو، لیں اتنا کا
کہ میں لکھر دتک پہنچ جاؤ اور بادشاہ کا دیدار کر لوں، بیشرن اسکو لکھر د کے پار
پوچھا تا ہے، گستہم لکھر د کے پاس پوچھ لے انکھیں کھوں دیتا ہو اور انکھو نے انسو جاری ہو جاتا

ان واقعات میں فردوسی نے جذبات انسانی کی بھی مؤثر قصہ رکھنی ہو گی کیونکہ بے شر ان اسکا ایک ہی الگوتا بیٹا ہے، یہی کوبار بار خطرہ میں ہڑتا ہوڑتے ہے باپ سے دیکھا جاتا، وہ اس کے لھوڑے کی باگ پڑا کر موڑتا ہوا درکشا ہو تو محکوم دم بہر کے لئے بھی م سے رہنے نہ ہے گا، اس طرح کہاں دوڑا جاتا ہو؟ بات بات میں میرا دل دھماتا، میرے بڑے بڑے پر تجھکو رحم نہیں آتا، میرا ایک تو ہی فرزند ہے، دس دن تک لڑتا رہا ہو، اپنی جان کیوں دلتے دیتا ہے،

بیرون رہتا ہے کہ آپ کو لاون کی رہائی یاد نہیں، گستم نے میرے ساتھ کیسا ان کیا میں لڑائی سے باز نہیں رہ سکتا،

جنس لطیف (عورتوں)، کی ہمیشہ حق تلقنی لگائی ہے، اور سوسائٹی میں انکا درجہ عورتوں کی قدر دالتی سپت رہا ہو، شعر ان الفاظ میں انکو یاد کرتے ہیں۔

اسپا وزن وشمیشید فادار کردیدہ

کس از زدن راستی ہرگز نہ دیدہ

فردوسی پہلا شخص ہوا اور پہلا بھی جس نے اس مظلوم گروہ کی قدر کی ہو، انکے

و سمجھا ہو، ان کو ملبد رتبہ ثابت کیا ہے، اہنام میں عذر میں، مرد و نن کے ہمسر ظراحتی میں

کے بڑے بھات میں انکی رائے لی جاتی ہے۔ سلاطین کی طرف سے سفیر بکر جاتی ہیں

زادے اور سلاطین ان سے مشورے لیتے ہیں، سا صم جب ذہین لیکر کابل پر چڑھ کر

کل امیر کابل سے اسکی صرف یہ تدبیر سوچی کہ اپنی بخت جگہ میں روڈا بہ کو قتل کر دے،

لیکن رودا بہ کی مان خود سفیر بن کر گئی، اس نے جس خبر بی اور عمدگی سے تقریر کی ہے اس سے عورتوں کے فہم و دانش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اسفند یار تخت کا نہایت حرص تھا وہ اپنے باپ گشاپ سے اسکی زندگی ہی میں تخت کا مطالبہ کرتا تھا، گشاپ کو انکار تھا، بالآخر اسی نے اسفند یار سے کمال رسماں کو گرفتار کر کے لا اوتھا تخت دیتا ہوں، اسفند یار آمادہ ہوا، اسکی مان نے سنا تو بلا کر نہایت عاقلانہ لفیحہت کی اور کہا۔

پدر پیر گشت است در بتاتی

بپ بوڑھا ہو چکا ہے اور توجوان ہے

پدر بگذر د، لجخ د تاجش تراہست

بپ گذر جائے گا، پھر خزانہ اور زاج،

مرا فاگ ار د گیستی مکن

مجلو دلوں ذیں این رسو انکر

اسفند یار نے کہا لیکن فرمان شاہی کے خلاف نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ ستم

سیری اطاعت قبول کر گیا تو میں اسکی کسی طرح توہین نہ کر دن گا، مان نے روکر کمال رسماں کسی سے دب نہیں سکتا، اسے کیا کاؤس کی پرداز کی لیقاد کو اسی نے تخت نہیں لیا تھا، کیا وہ اپنی ابہ در برا دکر ناپس کرے گا۔

ز مادر سخن در پذیر و مرد
براء و خرد اپنے مادر شفرو

شاد نامہ سے معلوم ہوتا ہو کہ اسری مقامات پر عورت ہی کے حسن تدبیر نے بہاں تاریخ
کیا ہے جن عورتوں کو اتفاق سے تاج و تخت ہاتھ آیا ہے انہوں نے نہایت قابلیت
سے حکومت کے فرائض انجام دئے ہیں،

بہمن نے اپنی لڑکی ہماں دلیعہ بیانٹ کیا تھا اس نے جس دل دماغ سے
حکومت کی اُسکے متعلق فردوسی لکھتا ہو،

زدشمن بہر سوکم بُدھترے فرستاد بہر سوئے لشکرے

جہاں جہاں دشمن تسب طرف تو جین خجین

زنجیرے کے رفتے پر گرد جہاں بدنیک برد سے بندوں بنناں

جو کچھ دینا میں بتا تھا، اُسی سے چھپ نسلنا تھا

جہا نے شدرہ ایں ازداد از جزا زیادا د

دنیا کے اغاثات سے مطمئن تھی دنیا میں اسکے اغاثات کے چرچے تھے

عورت کی اصلی عزمت اسکی عصمت و عزت ہو اور فردوسی خوش قسمت ہے کہ

اس کو کہیں شرمندہ ہونا نہیں پڑا ہے بلکہ وابہزادل پر عاشق ہوئی یکجا لی کامو قع ملا
شراب اور بوس دکنار تک نوبت آگئی، لیکن عصمت کے حدود محفوظ رہے، آئیں مہم ستم

پر عاشق ہو گئی اور اطاعت الحیل سے اسکو قابو میں لا لی ہے، لیکن قاضی اور شاہ طلب

ہوتے ہیں اور نکاح ہو جاتا ہے، سہرا بب جب ایران پر چلدا اور ہو تو پہلی سنزل

میں ایک خاتون جسکا نام دخت افرید تھا، امر دانہ لباس میں قلعہ سے نکلنے مقابل ہوئی،

دیر تک رو بدل رہی، بالآخر سہراب نے اسکو کپڑا اور بالوں کے کھلبا لئے سے معلوم ہوا کہ عورت ہے، سہراب اس پر عاشق ہو گیا، دخت آفرید نے کہا "مجھکو قلعہ میں جانے دیجئے، اور آپ وہیں آئیں میں آپکی ہوں" سہراب قلعہ کے پاس پہنچا تو دخت آفرید نے فصیل پر سے کہا، ۶

کہ ایران زر کان خواہند جفت

ایرانی اور ترکی کا جو زانیں،

شاہنامہ کے مقابلہ میں ہومر کی الیڈ پر نظر ڈالو، قصہ کی بنیاد میں پڑتے یونان اور ژری کی دہ سالہ قیامت انگیز جنگ اسی کے بعد لوت ہو لیکن وہ ایسی بیلن عورت ہے کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر انسنا کے ساتھ نکل گئی اور یونان والے اب بھی اسکو واپس لانا چاہتے ہیں، شاہنامہ میں صرف سو داہم ایک عورت ہے جس نے عصمتِ نو داع غرگان چاہا ہے (گو اسکی نسبت نہیں آئی) لیکن فردوسی اسکو ستم کے ہاتھ سے قتل کرا دیتا ہے کہ ایران کے دامن عزت پر داع غرگان اس سوال کا جواب کہ ۷
اس پر وزن و شمشیر و فادار کہ دید

فردوسی اثبات کے پہلو میں دیکھتا ہے،

شاہنامہ میں عورتوں کی دفادری اور ایثار کی مثالیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ اپنے بھیشہ دنیا کو ناز ہو گا، منیرہ شہنشاہ کی نظر ہے لیکن جب افسانہ لے اس کے مظلوب بیشان کو کنڑیں میں قید کر دیا تو اس نے بیشان کے لئے

سب کچھ چھوڑا دل بھرگی کوچون میں پھر کروٹی کے بلکہ مانگ لاتی تھی اور کنوئیں
میں جا کر ڈال آتی تھی،

خبر چون بگوش منیرہ رسید	شداز آب دیدہ خش نایدید
جب منیرہ کو خبر پوچھی تو	آنسوڈن سے اسکا پھر چھپا گیا
ہمسر گنج اور اپتاراج داد	از ان بدرہ بستبدیہ ان تاج داد
ستام خزانہ نثار دیا	
منیرہ بیا مدہ بیک چادر	بہمنہ دوپائے وکشا دہ سرا
صرت یاک چادر اوزڑہ کر آئی	دونون پاؤں بنگے تھے اور سکپلہ ہوا تھا
غزوہ ان ہمی گشت بر گرد دشت	چویک روزویک شہنشاہ ایساں گذشت
چنگل میں چلا تی چرتی تھی	جب ایک دن اور ایک رات گندگیا
بیام حسرہ شان ہنزہ دیکھا	یکے دستارا، اندر ڈکر درواہ
تو چھپی ہوئی کنوئیں کے پاس آئی	اور ایک طرف راستہ بنایا
چواز کوہ خورشید سر بر زدے	منیرہ زہر دراہی نان چڑے
جب سورج بختا ہسا تو	در درودی مانگتی تھی،
ہمیرن سپردے وگر لیتے	بین شور بخشتی ہمی ز لیتے
روٹیان لا کر بیڑن کو دیتی تھی، اور روٹی تھی، اور اس بخجی کے ساتھ سب کر تھی،	
جب رسم بیڑن کے چڑا نے کیلے سو دا گر بنکر تو ران گیا تو منیرہ اس کے ساتھ	

اس حالت میں آئی،

برہمنہ تنان دخت افرا سیا ب
برہمنہ ستم آمد و دیدہ پر اب

افرا سیا ب کی بیٹی ننگے بدن پر
ستم کے پاس روتی آئی

وہ اپنا حال ستم سے ان درد انگیز لفظوں میں کھتی ہے،

مشیرہ منم دخت افرا سیا ب
برہمنہ ندیدہ تم آفتا ب

میں افرا سیا ب کی بیٹی ہوں پر
آفتا ب نے سیرا جسم کہا مہا نین دیکا

کثون دیدہ پر خون دل پر زردہ
ازین دربد ان درد و خسارہ ذرہ

اب خون الود انکھوں کے ساتھ درد پر سرتی ہوں،

براے یکے بیڑن شور بخت
فadem ز تاج دقادم ز تخت

ل بخت بیڑن کے لئے پر
یں نے تاج و تخت سب کھو دیا

رخ میں بیڑن کو گالی دیتی ہے، لیکن گالی بھی بجست میں لبڑی ہو جب رستم

کے پاس سے بیڑن کے ہان گئی اور حالات بیان کے تو بیڑن مشیرہ کی وفاداری

پر بیتاب ہو گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا،

تو اے جفت رخ آزمودہ زم
فر اکر دہ جان دل فجز دتن

اے سیری رفیق، تو نے سیرے لئے رخ اٹھایا، اور جان دمال فدا کیا

بکروی رہا تاج و تخت دکمر
ہان رخ دخویشان دمام و پدر

تو سے تاج، تخت، خزانہ، عزیز، مان۔ باپ سب سیرے لئے اچھوڑ دیا،

اگر یا جم از جنگ این اثر ده
بین وزگار جو انسے رہا
اگر میں لے اس صیحت سے بجات پائی

بان پرستار بیش کیا
بپاداش نیکت پہنندم میان
تو غلاموں کی طرح تیری خدمت بجا لاؤ نکلا

فرو و (کینسر د کاسوتیلا بھائی) جب محصور ہو گیا ہے تو اپنی ماں اور خواصوں سے
کہا کہ تھوڑی دیر میں دشمن آئنگے اور تم لوگوں پر قبضہ کر لیں گے، یہ کہکھ مر گیا، تمام
خواصیں فوراً قلعہ کی فضیل پر چڑھ لئیں اور رگرگر کر جانشین دیدیں، فرد کی ماں اس
کی لاش کے پاس آئی، منہ پر منہ رکھا اور خبر سینے میں بھونک کر لاش کے
برابر گئی پڑی،

بیامربالین فرخ فرود
بر جامہ ادیکے دشنه بود

فرود کے سر ہائے آئی
اسکے پہر دن میں ایک خبر تھا

دورخ را بر دے پس زہنا د
شکم بر درید و بر شش جان بداد

بیٹے کے منہ پر گال رکھدے یا
اور پانشکم چاک کر کے رگی

سوہا اپہ بکار عورت بھی تا جم جب اس کے باپ نے کیکاوس کو قید کر دیا
اور سوہا بھم کو بلا بھجا تو سوہا بھی نے اپنے بال نورچ لئے اور کہا کہ یہ بالکل نامردی ہو
کیکاوس کو قید کرنا تھا تو رکھ کر کیا ہوتا، دھوکے سے کرن فار کرنا شرافت کے خلاف ہے
سلہ کیکاوس کی حرم تھی۔

میں کیکاوس کے ساتھ قید خانہ میں رہوں گی،
 جدا انہی خواہ سمن ز کا دس گفت اگرچہ درا خاک باشد نہ فت
 جب تک کیکاوس قید خانہ میں رہا، سو دا پشاہی محل چھوڑ کر اسکے ساتھ ہی اور
 اسکی خدمت کر لی ترہی،

اگر عورتوں کے واقعات کا حصہ الگ کر لیا جائے اور عورتوں کے اخلاق و
 عادات پر نظر ڈالی جائے تو ثابت ہو گا کہ شریعت النفسی کا بہتر سے بہتر معیار اُنہیں کے
 اخلاق و عادات سے قائم ہو سکتا ہے،

فردوسي نے بہرام کی زبان سے عورت کا جو مرتبہ قرار دیا ہے، یہ ہے،
 ہم از وے بود دین یزدان بپا۔ جوان را یہ نیکی بورہ نہماۓ
 خدا کا دین عورت ہی سے قائم ہے وہ مرد کو نیکی کا راستہ بناتی ہے

اس سے زیادہ عورت بلکہ مرد کی کیا تعریف ہو سکتی ہے؟

ذہب فردوسی نے مختلف تقریبون سے ذہب پر اسقدر لکھا ہو کہ ذہب کے مقابل
 ایک نہایت عمدہ اُرکل طیار ہو سکتا ہے، فردوسی ذہب کو تمام چیزوں سے زیادہ خردوری
 سمجھتا ہے، جب کوئی با دشائے کسی دشائے کو نام لکھتا ہے با ملک میں کوئی فرمان نافذ کرتا ہے
 یا دربار میں تقریر کرتا ہے تو سبے پہلے خدا کی حمد ہو لی ہے یہ مضمون اگرچہ بکثرت کر رہا گی
 ہے لیکن فردوسی کو اس قدر شفقت ہو کہ ہر دفعہ سننے جو شر سے لکھتا ہے
 ذہب کے مقابل اس نے جواہم باتیں بیان کی ہیں، حسب فیل ہیں،

(۱) مذہب اور سلطنت کا پس میں بھائی بھائی ہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا،

چنان دین شاہی یہ یکدیگر انہ تو گولی کہ در زیر ایک چادر انہ

مذہب اور بادشاہی استقرے جلیں کہ گویا دونوں ایک چادر کے بیچ ہیں،

نہ بے تخت شاہی بود دین بجا ٹھہریار می بپائے

حکومت کے بغیر مذہب، اور مذہب کے بغیر حکومت قائم نہیں رہ سکتی،

(۲) مذہب کی حقیقت عدل ہے، یعنی حقیقی عدل ہو تو وہی مذہب ہے،

چہ گفت آن سخنگوے با آفرین کچون بنگری، مغزدا دہستین

(۳) قائم مذاہب حق ہیں، اور جو باتیں اُرج بُری نظر آتی ہیں، انکی تبیر لوگوں نے

غلط کر دی ہے، خلابت پرستی اور اُرش پرستی بظاہر لغو ہیں لیکن بانیان مذہبیے اُگ

اور بست کی پرستش کا کبھی حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان چیزوں کو قبلہ قرار دیا تھا جعل حرم

کعبہ کو قبلہ سمجھتے ہیں، سین وخت (رسم کی نامی) بت پرست بھی اس لے نسام سے

جب لگنگوئی تو ہا کم۔

خداوند ما دشاخود یکے است بیز دان ما پیچ پیکار غیست

ہمارا اور مہارا اخذ ایک ہی ہے خدا کے باب میں کوئی اخلاق نہیں

گذشتہ اند و قبلہ اابت است چہ در حین و کابل چہ در ہند و سبت

ا سکے علاوہ ہمارا قبلہ بت ہے خواہ چین ہوا خواہ کابل خواہ ہند دشا

شمار آخر دا تشن پرنس ورغ
تودائی کزین بلکف ستم ورغ

تم بمحج سکتے ہو کہ میں نے جھوٹ نہیں کیا
تمارے لئے آگ موزدن ہے

پرستیدن ہر دور اہ بہست
آگ اور بت دد لیں کاپو خایرو اے

کیونچ و جب توران فتح کرے آیا ہے تو شاہزاد اُرستے کے لئے اُنشکدرہ میں گیا ہے
کیونچ و جب توران فتح کرے آیا ہے تو شاہزاد اُرستے کے لئے اُنشکدرہ میں گیا ہے

فردوسی اس واقعہ کو تفصیل لکھ کر لکھتا ہے

پہنچدار کا تشن پرستان بدند
ہمیک ہفتہ برپیش یزدان بدند

یہ نسبت نہیں رہو اتتشن پرست سکتے
ایک ہفتہ تک خدا کے ساتھ راضیو

کہ آتش بدان گاہ محراب بود
پرستندہ رادیدہ پر اب بود

عبدت کرنے والے کی انگلیں نہ ہی تھیں
بلکہ آگ اس زمانے میں قبلہ تھی

(۲۷) مدھی تھسب اور مدھی جبرناجا سڑھے تو شیر والی کو ایک شخص نے کہا کہ آپ
اللّٰہ میں پیدا ہی اور عیسائی بھی آباد ہیں یہ اب کے دشمن ہیں اور ان کا مذہب شیطانی
قدھرب ہے،

جو دان و ترس اتراد شمندر
دوروہ سیند و بالیش اہر مین اند

تو شیر والی نے جواب دیا کہ "جب آک جب آک مالک میں نام نداہ بکے لوگ آباد ہوں
باوشاہی میں عظمت نہیں پیدا ہو سکتی" تو شیر والی نے ایک اور شخص کی عرضی کے جواب
یہ کہا کہ ہر شخص مدھی خیالات میں آزاد ہے اپنے راستے قائم کرنی چاہئے،

یک بست پرست و دگر پاک میں یک گلہت لفڑیں بر از آفرین

زگفار، دیران نگر در جهان
بگوی انجیر رایت بود در بنا

(۵) خدا زمان و مکان سے پاک ہو، وہ کسی حاس سے محسوس نہیں ہو سکتا، کسی کی عقل میں نہیں آسکتا، تزییے کے خلاف کہیں کچھ شبہ پیدا ہوتا ہے تو فردویں لفڑی کے ساتھ ر دکرتا ہے ہسک در جب کعبہ کی زیارت کو گیا ہے تو چونکہ کعبہ کا عام اقب خاذندہ ہے اسئلہ فردوسی کو یہ کہنا پڑتا،

ازان جائے با گنج و دیہم رفت

به دیدار خانه برآمدیم رفت

دہان سے تاج و خزانہ کے ساتھ

بدشده تراراهیزدان نام

خداوند خواهد لیش بیت الحرام

اس سے خدا کا راستہ ملتا ہے

اس کا لقب بیت الحرام مخت

نیايش کنان را بد دشیز خوانم

زیکی در اخانه خویش خواند

خدا نے تقدیس کے لحاظ سے کعبہ کو اپنا گھر سمجھ کرہا

بجا کے خورد کام دار ام و ناز

خدا کے جہاں رانیا یہ نیاز

خدا کو مکان، اور کہاں نہ پہنچے اور آرام کی حاجت نہیں ہو سکتی،

(۴) اثبات باری کے سلسلہ فردوسی نے متعدد دلائل قائم کئے ہیں جن کی تفضیل

حسبیل ہے

۱۱) ہر چیز خدا کے وجود پر شہادت دیتی ہے اپنے موجودگی کی مورب بستی اُو گیا است

یہ وہ استدلال ہے جسکو فلسفہ کی اصطلاح میں آثارات سے موثر پر استدلال کرنے لکھتے ہیں
 (۲) عالم میں جس قدر چیزیں موجود ہیں کوئی خود مختار اور حاکم مطلق نظر نہیں آتی ایسا چیز جو دوسرے
 پر حکمران ہے خود کسی اور چیز کی حکومت نہیں کوئی اشیٰ ذی روح ہو یا غیر ذی روح آزاد محض اور
 خود مختار مطلق نظر نہیں آتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اور وجود سے جو اس تمام مسلسل
 کائنات کا موجود اور فرماز روائے عام ہے اور یہی خدا ہے اس استدلال کو فرد ذہنی نے
 ان مختصر نقطوں میں ادا کیا ہے۔

جہاں برشلگفت است الگ بنگری
نہ ارد کے آلتِ دادِ ری

(۳) با اینہہ فردو سی کا یہ فلسفہ ہے کہ خدا کے متعلق اس امر کے سوا کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ
 "ہے" اور "نہیں" اس سے زیادہ اسکی ذات و صفات کے متعلق جو کچھ لہا جائے سب
 قیاسات ہیں کیونکہ اسکی ذات و صفات فہم انسانی سے بالاتر ہیں ان مباحثت میں رد
 فلسفیوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتا۔ اور خود فلسفہ والوں کو مخالف طب کر کے کہتا ہے،

ایا فلسفہ داں بسیار گوے
تبیعیم بردا ہے کہ گوئی پوے
اے کو اسی فلسفہ داں،
میں اس، وہ پرند چلنگا جسپر تو چلنے کو کہتا ہو،

فردو سی کہتا ہے کہ جو کچھ ہمارے دل میں اور خیال میں آسکتا ہو اس جو کچھ ہم دیکھ سکتے
 ہیں، خدا وہ نہیں ہے،

تل اہر چھ برشم بر گلزار د
گلخب رہی در دلت یا خرد
یا جو کچھ تم دیکھتے ہو،

لہ یہ اشارہ اس موقع کے ہیں جہاں اس سے کو ان دیوکی تہذید شروع کی ہے۔

چنان دا ان کریز دا ان نئکی دہش جزاں است دزین برگردان ش

یہ دا ان لوک حضرا دا نہیں ہے بلکہ اسکے سوا ہے،

غافت ا ہمارے اہل ادب عدو بمالا بлагعت کا الحاظ، الفرادی حیثیت سے کرتے ہیں شلاً
ب خاص شریغ اغراض مضمون میں کیا بлагعت ہے، لیکن کسی کتاب کی نسبت کیجھی بحث
میں لگائی کر جزا کے تنااسب کے لحاظ سے اسمین بлагعت ہے یا نہیں؟ گلستان کی نسبت
ام اتفاق ہے کہ اسکا حرفت حرف بلخ ہے لیکن اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ اسکا اصلی موضوع
خلاف ہے تو پانچوں باب جمیں یہودہ عشقیہ حکایتین میں اس موضوع کے بالکل مخالف
س بنایا گو گلستان کی ایک ایک سطر فی نفسہ بلخ ہو لیکن تنااسب کے لحاظ سے پوری
باب کو بلخ نہیں کہہ سکتے،

شاہنہا میں ایک د سیع نظم ہے، اس میں سیکڑوں داستانیں سیکڑوں عنوان
سیکڑوں گوناگون واقعات اور حالات میں تاہم یہ کمال بлагعت ہے کہ شروع سے
غیر تک تنااسب اور ایجاد میں ذرہ بھر فرق نہیں آئے پایا، وہ ایک رزمیہ نظم
ایک قومی نظم ہے، ایک تاریخی نظم ہے، ایک شاعرانہ نظم ہے، ان سب حیثیتوں کے لحاظ سے بлагعت
کے عداجدا فرائض اس طرح ادا کے ہیں کہ حیثیت کافی ضلیل لگ کے ادا ہو اور پڑا ہم کسی قسم کا
رم تنااسب پیدا ہو نہیں پائی اور رزمیہ حیثیت اس کا عضر غالب ہو اس پر تمام کتاب کلؤں (لہجہ)، رزمیہ (الغاظین)
و ماشان (شوکت اور ذرہ بھیت) میں جائی ہے، تاریخی واقعیت یا دلچسپی پیدا ہونے کے لئے پنج پنج میں
تحقیقہ داستانیں بھی آجائی ہیں (شلاً منیرہ دیش، رو دا بہ دزال، سہرا بہ و مادہ افرید)

لیکن یہ اپنے کی بخت سنبھی اور بلاغت ہو کر عشق و عاشقی میں بھی رزمیہ لہجہ نہیں بدلتا اور با اینہمہ موزو دی
نہیں پیدا ہوتی، زال نے اپنی مشوقہ کو خلوت میں تہبا پا کر درست ہو س دراز نہیں کیا تو
اس واقعہ کو بیان ادا کیا ہے، ۶

نگر شیر کو گور ران شگر یہ

شیر کو دیکھو کہا سے نور خر کو تابوین پا کر تکار نہیں کیا

سہرا بابا ما، افرید پر عاشق ہو جاتا ہے تو ہومان اس سے کہتا ہو، فریب پری پیکر ان جوان	خواہ کے کو بودھ پسلوان
پہلوان لوگ پری پیکر دن کا زیر بنسین کاتے، تو لڑائی کا آدمی ہے	چہ کارت عشق پری پیکر ان
توئی مرد میدان این سرداران تجھ عشق سے کیا کامی،	تجھ عشق کی آدمی ہے

زال اور رو دا بہ کے عشق کا قصہ فردوسی نے اس قدر بیسلا کر لکھا ہو کہ ایک
عشقیہ شنوی نگاری عشق اور محبت کی جس قدر وارد ہیں میں سب با پیش آئی میں لیکن اب بھی
نظر آتا ہے کہ عاشق اور معشوق دو نون رزم کی گو گو دین پڑے ہیں ان کے ناز و نیاز میں
بھی دلیرانہ شان ہے، معشو قانہ ادا میں بھی جنگی پہلو سے غالی نہیں، زال نے جب
رو دا بہ کے بالاخانہ پر چڑھنا چاہا ہے تو رو دا بہ نے اپنی چوٹی لٹکا دی اور کہا کہ "اس کے سہارے
چڑھا دا، میں نے یہ تارا ج ہی کے دن کے لئے پائلے تھے کہ درست کے کام میں"
بدان پر دران شید م این تارا کرتا دستگیر می کندیار را

چوئی لہکار میں تاک تاک آتی ہے زال اس جوش اور محبت سے چوتا ہے کہ
چونے کی اداز معشوق کے کانوں تاک پونچتی ہے،

بساید شکین لمنڈش بوس کر شعید اداز بو شر عروس
زلف کو تشبیہ سب لکن کہتے آئے ہیں لیکن یہ شاہنامہ کے معشوق کا کام تھا،
کہ اس کو داقعی کنڈ بیارے۔ ان تمام موقوں پر جو الفاظ آئے ہیں ان میں عشقیہ انداز کے
ساتھ رزمیہ شان بھی قائم ہے مثلاً رد وابہ کی زلف کی تعریف یہ ہے۔

کم خدے کشاد اداز سر دلبند کس از مشکس زال سان ش پید کنڈ
حشم اندر خدم دار پر بار پر
رو دابہ زال کا خیر مقدم ان الفاظ میں کریتی ہے،
دو بیجا دہ کیشاد دا اداز داد
پیادہ بنیسان ز پردے سراے بر صحیت این خسر والی دوبائے
قوی خصوصیت کا حاظ سرتا پا شاہنامہ پایا جاتا ہے، دو گویا قومی رجڑے جو
ایرانیوں کے دل میں یہ جذبات پیدا کرتا ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں سے بالاتر ہیں۔
بیرونی حملہ اور دلن نے ہمیشہ ان سے شکست کھائی، عرب، ہندوستان، جپش،
ببر و دم، سب سے اس کو خراج دیتے، تو ان اس کا حریت مقابل تھا لیکن ہمیشہ
تاکام رہا، افراسیاب مارا گیا۔ ارجاس پ نے شکست کھائی، سکندر نے فتح پائی تو وہ
ایک نوری اور اتفاقیہ بات تھی، رسم تمام دنیا سے بالاتر تھا، تاہم اسفندیار کے مقابلہ میں

رددیا اور سیرغ کی اعانت لینی پڑی اور تم فردوسی کا ہیرد ہے اور دافقی فردوسی کو اس نام سے محبت ہے، لیکن فردوسی تو می فرض کے مقابلہ میں اپنے جذبات سے بھی منزہ ہو جاتا ہے، چونکہ تاریخی حیثیت میں یہ بحث تفصیل سے لگز رچی اس لئے اس موقع پر اسکے پھیلانے کی ضرورت نہیں۔

تحمیل شاہنامہ میں سرتایاد اتفاقات ہیں، اس بنابر اظاہر اس میں تحمیل نہیں لیکن انگر شاعر کا صرف اسقدر کام ہو کہ اس کے سامنے جو داقتم موجود ہے بعد نہ اسکی تصویر کی پیش کرو یہ صرف داقتم نگاری اور تصویری ہے لیکن اکثر موقعوں پر شاعر کو اس سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے، داقتم مخفی اجمالی اسادہ اور بے کیف ہوتا ہے، شاعر اس کا ایک عام خالک قائم کرتا ہے، جا بجا اس میں رنگ آمیزی کرتا ہے، بعض داقتمات کو دہند لارکھتا ہے، بعض کو مجاگر کرتا ہے، موقع یہ موقع جذبات کا رنگ چڑھاتا ہے، یہ سب کام تحمیل سے متعلق ہیں اور اس بنابر شاہنامہ نامہ تحمیل ہے،

خاص تحمیل جیسیں مخفی خیالی باتیں یا خیالی استعارے اور تشبیہیں ہوتی ہیں، فردوسی کے زمانہ تک پیدا نہیں ہوئی تھی، کیونکہ شاعری کی تدریجی رفتار میں یہ اس کا زمانہ نہیں ہے تاہم یہ حریت انگریز بات ہے کہ فردوسی نے خالص تحمیل کا بھی عمدہ تر نوڑہ قائم کر دیا ہے جو ائمہ شعراء کے لئے دلیل راہ ہو، پیرن کی داستان کی تمسید اس طرح لکھی ہے، ”اندھیری رات نے اپنا منہ قیرٹ سے دھویا، ستارے بالکل نظر نہیں آتے،

بلکہ ایک سیاہ در غم ہوتا ہے۔

ماہ نو نئے انداز سے آر استہ ہو، اُس کے تاج کے زیادہ حصے لا جو روئی ہو گے، اگر دنے ہو اکو
زنگوار بنادیا تاریک رات، نے قام صحراء در خیبل میں سیاہ فرش پھا دیا، ہر طرف بھوت پریت،
سانپ کی طرح منہ کھو لے نظر آتے ہیں، جب ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے
کہ انگلیٹھی سے گرداؤڑ رہی ہے، انہوں میر کی موبین اٹھتی نظر آتی ہیں، اسماں چلنے سے تھم گیا،
سورج کے انہ پاؤں سُست پڑ گئے زمین تیرگوں چادر اور گھر سورہ، چار پائے اور
مرغ بالکل چپ ہیں، زمانہ بربی بھائی کسی قسم کی بات کے لئے اب انہیں کھوتا؟

اس شعرا یہ ہے۔

شبے چون شب روے امشستہ تیر	نہ بہرام پیدا، نہ کیوان نہ تیر
دگر گونہ ادا یشے کر د ماہ	پیچ گند کر د برسپیں گاہ
زنا جشن نہ بیرہ شده لا جورد	سپردہ ہوار ای زنگدار کرد
پاہ شب تیرہ بردشت درانغ	یکے زش انگندہ چون پر زانغ
نودم نہ سو بچشم، اہر من	چرماد سیہ باز کر دہ دہن
ہر انہ کہ بر زد یکے باد سر د	چوز نگی بہ انگخت زنگشت اگرد
چنان گشت با غ ولب جو بار	کجا موج خیز دز دریاۓ قار
فر د مانڈ گر دن، گر دان یہ جانے	شدہ سُست خوشیدہ اوستہ دے
زمین نزیر آن چارِ قیر گو ن،	تو گفتی شدستے ہے خواب اندر دن
نہ آر از مرغ و نہ ہڑائے دد	زمانہ زبان بست از نیک و بد

جنبات اور احساسات فارسی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ اسے جذبات اور احساسات کے وسیع عالم میں سے صرف عشق و محبت کا ایک بذریعہ یا ہے اور اسی کے گوناگون عالم دکھائے ہیں محبت کا درستہ بھی نہایت محدود ہے، یعنی عشق و عاشقی سے آگے نہیں بڑھتا، باپ بیٹی کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، میان بیوی کی محبت، دوست دوست کی محبت ان جذبات کو فارسی شاعری میں ڈھونڈنا چاہیں توں نہیں سکتے۔
 یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، لیکن فردوسی اس نکتہ چینی سے بری ہو اس نے ہر قسم کے جذبات اور احساسات کو نہایت موثر طریقہ سے ادا کیا ہے، احباب کی محبت، بچوں کا پیار، میان بیوی کی گرم چوشان، والدین کی اطاعت، انتقام کا جوش غور کی شان، عاجزی کا انداز، فردوسی نے ان احساسات کی نہایت کامل تصویر کی چیزیں ہے، ہم چند مثالوں پر اتنا کہتے ہیں

(۱) سیاوش اپنے باپ کی کاؤس کی سرد ہربیوں سے عاجز کر افرا سیاپ کے پاس چلا گیا تھا، افرا سیاپ نے خاطر تو اضع کی اور اپنی بیٹی فرنگیش سے شادی کر دی، لیکن یا لآخر در اندازدن کے بھکانے سے ناراض ہو گیا، اور قتل کا حکم دیا، فرنگیش کو خبر ہوئی۔ وہ جنگی چلانی اور سر پر خاک اڑاتی، اپنے باپ کے پاس گئی اور کہا کہ سیاوش نے اپنے لئے اپنا خاندان اور تاج دنخت چھوڑا، اپنے سایہ میں آیا، اسکے خون سے ہاتھ نہ بھرئے باشنا ہوں کو قتل نہیں کیا کرتے،

سیاوش کی گنداشت ایران نہیں، ہمی بر تو کرد از جہان آفرین،

سیاوش سے جباران چھوڑا
 تو تیری بی بی اجی کرتا آیا -
 پیازرد از بہسر تو شاه را
 باندال شر و لخ و هم گاہ را
 تیر سے لئے اس نے بادشاہ کو بینید کیا
 اور تخت دنایج چھوڑا
 کہ باتاچ بر تخت اند بے
 سہرا جداران نہ بڑ د کے
 بادشاہ کو کوئی قتل نہیں کرتا ،
 یہ کہکر سیاوش کی طرف مخاطب ہوئی اور کہا
 بگفت این درد سے سیاوش بید
 دور خ را بکند و فنان بر کشید
 یہ کہکر سیاوش کے چہرہ کی طرف دیکھا
 گال نوچے اور چلا کر روئی ،
 کہ شاہا ! دیسرابا گوا اسرورا !
 سرافراز اشیرا ! دکندا اورا !
 کہ اے بادشاہ ! اے پہلوان ! اگر دا !
 کنون دست بستہ پیارہ کشان
 کجا افسر و گاہ گردن کشان
 تیر سے اتھ باؤھ کچھ گھٹتے لئے جا رہے ہیں ، وہ نایج اور تخت کہان ہے ؟
 کجا گیو ؟ دطوسس ؟ کجا پلیتن
 فرامرز و دستان آن انجمن ،
 کجا شناہ کاؤس و گردن کشان
 کہ بنید این دم ترا زین نشان
 آج شہنشاہ کاؤس کہاں پے کہ تجوہ اس حالت میں دیکھتا
 اخلاقِ حلالات سے جذبات کی حالت میں بدل جاتی ہیں ، شاعر کا کمال یہ ہے
 لہ اس اخلاق سے جو خصوصیتیں پیدا کر دی ہیں وہ بھی ہر جگہ ملحوظ رکھی جائیں فروتوں

بہر موقع پر اس نازک نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً سکندر جب مر ا تو اسکی حرم روشنک اس کی لاش پر نوحہ کرتی آئی، سکندر بہت بڑا فاتح اور بہت بڑا کشورستان تھا ر و شنک دار اگی بیٹی تھی جسکو سکندر نے شکست دی تھی، ان خاص حالات کے لامان سے روشنک کے جذبات کیا ہوئے ہے؛ فردوسی نے اس کو دیکھ کر یہ نکر ادا کیا ہے، روشنک سکندر کی لاش کے پاس کھڑی ہو کر ردی ہے اور یہ تھی ہے،

”اد شہنشاہ! تو نے سیز دن بادشاہ تین تباہ، اور برباد کریں فور مخافان چین کو تو نے مٹا دیا، تو جپڑا عالم کو برباد کر رہا تھا اس سے بھکوئی خیال ہوا حکاک کو تو خود موت کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے اور موت نے تجھکو سند لحمدی ہو گو اس را ز کو چھپا تا ہی، لیکن جب تو نے سب کو مٹا دیا تو خود بھی تاج شاہی سر سے پھینک لایا جب تیری کوششوں کے بار در ہونے کے دن آئے تو تر خاک میں مل گیا“

زبس رزم دیکار و خون رختن	چہ تہاچہ باش کر آدھن
زمانہ ترا داد گفتم جوانہ	ہی داری از مردم خویش رانہ
بیسند اختی تاج شاہنشہ	چوکر دی جہاں از بزرگان ہی
درختے کہ کشتی چوآمد ببار	بھی خاک بیسم تراغملکار

روشنک کو اپنے کشورستان شہر کے مرے کا صدمہ ہے، ساتھ ہی اپنے بیپ کے قتل کا بھی خیال ہے اور دنخلت اور مرتضاد جذبات جمع ہو جائے ہمیں فردوسی دلوں کو اس طرح ساختہ ساختہ ادا کرتا ہو کہ دونوں کی خصوصیتوں کا رنگ جھملتا ہو،

رسم کو جب اس قندیار نے زخمی کیا ہے اور اس کے جینے کی امید باقی نہیں ہی
 تو وہ گھر میں آیا ہے، باب، مان، بھائی، سب اسکی حالت کو دیکھ کر بے اختیار رہتے تھے لیکن
 باب، مان، بھائی، سب کی محبت یکسان نہیں ہوتی، باب کو بیٹھنے سے جو محبت ہوتی ہے
 بھائی کو بھائی سے نہیں ہو سکتی، مان کی محبت اس سے بھی بڑھ کر ہے اس فرق مرتب
 کا اثر دیکھو، زوارہ درستم کا بھائی (روتا ہوا آیا اور درستم کے سمجھیا راتا رے ازال (رسم کا باہم)
 بال نوجاتھا اور درستم کے زخموں پر منخر لکھ دیتا تھا، لیکن رو دا بہرستم کی آنکھ بچا کر روتی تھی،

چورستم بہ ایوان شد اندر زمان بر او سر بسر گرد شد دو دمان

جب درستم گھر میں گیا تو سارے خاندان اس سے کے پاس سکت آیا،

بیاندر زوارہ کشادہ میان از دگبسر بکشاد دہ بیان

زوارہ نے اُکر اس کا کمر سبند دکھولا، اور زوارہ اُتاری،

جهان دیدہ دستان ہی کند موئی بر ان خشگیہما بمالید رودے

زال، اپنے بال نوجاتھا اور زخموں پر منخر ملتا تھا،

زسر بہمی کشد رودا بہ موسے تہانی ازیثان ہی خست روئے

رو دا بہرستم سے چھپ کر اپنے بال، اور منیریں نہیں،

مان کی محبت دلکھو، دل قابو میں نہیں لیکن اس حالت میں بھی یہ خال ہے

کہ بیٹھنے کے سامنے روؤں کی تو اسکا دل چھوٹا ہو گا، اسلے چھپ کر روتی ہے،

فردوسی نے ایک اور موقع پر رو دا بہ کا رد نالکھا ہے یعنی جب اس کے

پرست سہرا ب کی لاش لگر میں آئی ہے، لیکن چونکہ سہرا ب مر جا ہے اس لئے اس خیال کا اثر نہیں، اس بنا پر جو کھول کر سب کے سامنے رہی ہے،

چور رو دایہ تابوت سہرا ب دید

ب زار می ہی موبیہ آغاز کر د

ہمی گفت زار اے گو سرفراز

نگوئی چہ امدت پیش از پادر

اس موقع پر سہرا ب کی ماں کا نوحہ پڑھوجو پہلے حصے میں ہم نقل رائے میں

اس سے یہ بھی اندازہ ہو گا کہ دردی اور ماں کی محبت یکسان نہیں ہوتی

(۲) رسم حب شقاد کے فرب سے کنوئیں میں گر کر مر گیا ہے اور زال کو خبر پوچھی
ہو تو اسے کپڑے بھاڑ ڈالے، سر پر خاک اڑاتا ہما اور کہتا تھا،

”مائے یہ داقعہ بھی کسی نہ سنا ہے کہ ایک شیریں لومڑی کے ہاتھ سے تباہ

ہو جائے، او ہنلوان! او شیر! او کشورستان! او شیر انگن! اب میں زندہ رہ کر کیا

کر دن گا، اب یہ خاندان مست چکا، میں تیر انتقام کس سے لوں؟ گل دنیا تیر سے

خون کا عوض نہیں ہو سکتی، جب تک توہتا تو نے دنیا کو سنبھال رکھا تھا، اب

کس پر چھوڑے جاتا ہے؟“

کہ دار دیر یاد انجینیں روزگار

زگفار ر دباہ گر دہلاک

گوا! شیر گیر! میا! بہسترا!
 دلادر! جہاں نگیر! بکند اورا!
 کنون من اگر کوہ دہامون کنم
 وگر اب جیون پر ازخون کنم
 مرا ان کینہ را از کھو اہم بکنون
 کہ بنیم نیز د جہانے یہ خون.
 چورستی کنون بر کر گذاشتی
 جہان تا تو بودی نگہ داشتی
 رسم نے سہرا ب کے مرلنے پر لوحہ کیا ہے۔ سہرا ب جس رتبہ کا یہا درا در پہلوان
 بختا اور جس عجربت انگلی طریقہ سے مارا گیا اس کے لحاظ سے اس کا لوز حصہ بھی نہایت پر اثر
 ہونا چاہئے بختا، لیکن چونکہ حالات ایسے ہیں جن سے اس بدگمانی کا موقع ملتا ہے کہ
 رسم نے جان کر سہرا ب کے پچانے سے ان غاضب کیا تھا اس لئے رسم کے فرض
 میں دہ تاثیر نہیں، ملاحظہ ہوا
 ہمی گفت زار اسے ببردہ جوان سرا فراز و از تحملہ پہلوان
 رسم کہتا تھا کہ اے خاندانی پہلوان، ما۔
 کر آمد این پیشیں کا مد مرنا
 کم فرزند کشمکشم ہے پیران سرا
 کسی نے یہ بھی کیا ہو گا جو میں نہ کیا
 کہ بڑا پے میں اپنے فرزند کو مار دے الا
 بُرییدن درد ستم سزا دا رہت
 جزو از خاک تیر د مبادم نشست
 میرے لئے لحرفت خاک سزا دا رہے
 چون نیست در گرد گیہان یکے
 بہر دی بدم پیشیں او کو د کے
 لیکن میں اسکے آگے بچے تھا،
 دنیا میں میرا ثانی نہیں

چہ گوئیم؟ چو آگہ شود مادرش چکونہ فرستم کئے رابرش
 جب اسکی ماں کو خبر ہو گی تو میں کیا آہنگا، کسی کو اس کے ان کیوں کہ بھجوں؟
 چہ گوئیم پسرا کشمکش میلیا، پسرا دوز کر دم بر د بسیا
 میں کیا جواب د دنگا کو مین نے اس کو بیگنا، کیوں قتل کیا،

کہ امین پر، این چنین کار کرد سزا دارم اکنون یہ گفتار سرد
 میں لخت کے قابل ہوں کس باپ نے ایسا کام کیا
 پہنچن سال گر دو چو سرد بلند کہ دانست کیں کو د کے اجنب
 اتنے ہی دنوں میں اتنا بڑا ہوا گیا یہ کسکو خربھی کہ یہ ہو تھا رڑا کا
 پہنچنگ آیدش را لے و ساز دپٹا پہنچنگ را لے و ساز دپٹا
 اور محب کو بتاہ کرنے گا کہ رڑا کی تیاریاں کرے گا

فردوسی رسم کی زبان سے اس سے بڑھ کر اور کیا ائمہ سکتا تھا لیکن اس کو
 کیا کیا جائے کہ یہ سب باتیں تضع معلوم ہوتی ہیں، سہرا ب نے بار بار کہا کہ مجھ کو اپ سے
 بڑے محبت آتی ہے، اپ رسم تو نہیں، بلکن خود غرض رسم نے نام نہ بتایا اور اسکو
 کو ادا ہو سکا کہ دنیا میں اسکے مقابل کا یہی کوئی شخص موجود ہو،

ہر مرد کو جب درباریوں نے اندھا کر دیا تو خسرہ اس کا بیٹا اس کے پاس
 آیا ہے، باپ کو اندھا دیکھ کر اس پر جو حالت گزرنی ہے فردوسی اس کو اس
 طرح ادا کرتا ہے۔

چور دے پر دید خسر وہ درد
 برآور دا ز دل کیے باد سرد
 خسر دے جب باب کا چہرہ دیکھا
 تو ایک ٹھنڈی سانس بھری
 بیوی سید ششم درد پاے او
 دلش پر زخون بود پُر آب رو
 اسکا دل خون سے او حیر دانسون سے بھرا
 اسکی اگھیں اور سر اور پاؤں چپے
 گراید دل کہ فرمان دہی بر درت
 کیے بن رہا ام پاسان بر سرت
 آپ فرمائیں تو میں آپ کے
 آستانہ کا ایک غلام ہوں
 بُشْرِم سرخویش درمیش گاہ
 کہنا تو سر کاٹ کر سانے رکھوں
 میں تاج و تخت نہیں چاہتا
 کی خسر دے جب قوران کی طرف فوجیں روانہ کیں تو سردار لشکر طوس کو
 تالیف کر دی تھی کہ زادہ میں میرا بھائی فرو و ایک پہاڑ پر رہتا ہے اور صر سے نہ جانا، قوران
 جانے کے دور استے تھے، ایک میں فردو کا پہاڑ آتا تھا اس سے کی خسر دے کہا کر در سری
 راہ سے جانا، لیکن طوس اپنے آرام کے لحاظ سے اسی طرف سے گیا فرو و مجبولا بجا لا
 نوجوان پہاڑ رہتا، اور سب سے الگ بخانگ پہاڑ پر قلعہ بنایا کہ رہتا تھا طوس نے خواہ نخواہ
 اس سے چھیڑ کی، وہ بھی کیا نی شاہزادہ تھا، لڑپڑا، دو چار کو ماہ اور مرگیا، یہ کنجی خسر د
 کو پوچھی، بھائی کے صدمہ سے بیتاب ہو گیا اور اپنے چھا فریبز کو اس مضمون کا خط
 لکھا کر طوس کو واپس بھیڑ، اس خط میں بھائی کے مارے جانے کا داقعہ جیں درد سے
 لکھا ہے اس سے بھائی کے خون کی بوائی ہے، خط کا مضمون یہ تھا،

”میں نے طوس کو توران کے فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا میکن رہا میں بھائی
 مارا گیا، میں نے طوس سے کہدا یا تھا کہ رہا میں قرود کا تعلہ آتا ہے، اُدھر سے زبانا،
 وہ کیا لی شاہزادہ ہے، تعلہ سے بھل آئے گا کسی کی بات کی تاب نہ لائیگا اور جان
 دیے گا، آہ! ایسا شاہزادہ طوس کے ہاتھ سے بر باد ہو گیا، میں باب کے صدر میں
 سے نہیں بھیلا تھا کہ بھائی کا صدر میں ابھا ناپڑا، آہ! اور بہادر جوان، وہ پہلو انکا
 بادشاہ، وہ سرد اردون کا سرد ار، اب کہاں ہاتھ آسکتا ہے۔

زکار پدر زار گسریان بدیم	پر از در دیک چند پریان بدیم
کشون پر برادر بباید گریست	نم انم مراد شمن دو دست کیست
کم آجنا قزو داست و باما درست	گو کے شزاد داست و کن آورست
کردیان فرود مع اپنی مان کیو	وہ کیا لی شاہزادہ اور بہادر ہو
مذاہدک این لشکر زمین که اندر	اڑایر ان سپاہ اند با خود جمہ اندر
دہ نہیں جاتا کہ یہ کون لشکر ہو؟	ایرانی ہے یا اور کوئی نوج ہے
برون آید در تہ سازد ہمی	چنگاں اندر وون سربیا زد ہمی
رہ باہر بھل آئے گا دبے گا نہیں	اور جبان دے دیگا
در لیخ آن چنان گرد خسرو نخزاد	کل طوس فرمایہ دادش بیا د
آہ، وہ شاہزادہ پہلوان	تالائیں طوس نے اسکو ہلاک کر دیا
طوس جب کنسرد کے دربار میں حاضر ہوا ہے تو جن لفظوں میں اس نے اس کو	

ملامت کی ہے وہ برا درانہ جوش و محبت کا ایک پر اثر منظر ہے، وہ طوس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

تین نے اس ماج دنستان دیکھیجا تھا اور کہدیا تھا کہ جہرم کی راہ سے نہ جانا،
تو نے پہلے میرے ہی اوپردار کیا، تو نے سیادش کی نسل مٹا دی، آہ! وہ عالی تیرہ
چلکو بھائی! جگان زمانہ میں جواب نہ تھا تو نے ایسے شخص کو مٹا دیا کہ تمہرے ہزاروں
اُس پر سے مستر بان کر دینے کے قابل ہیں، اور بد نسل ایسا نہ تھا دن دنیا سے مت
جائے، تھکلو خدا کا کچھ ڈر نہیں، تھکلو یہا در دن سے کچھ شرم نہیں،

کی خسر و نہایت حیم، نہایت تین، نہایت بارقار بادشاہ تھا، لیکن بھائی کے خون
ہے کہ بے اختیار اس قسم کے الفاظ اُسکی زبان سے نکلتے ہیں، فردوسی اس داقعہ
معنا نے ادا کرتا ہے، ع

بہ دشت نام بکشادب شہر بار
گالی دنیا سلاطین کا شیوه نہیں لیکن فردوسی جانا ہے کہ کی خسر و اس دقت
کی خسر و نہیں،

خزدغ رد غیظ غضب کے جذبات سے شاہنامہ بھرا پڑا ہے،
شہر اب کے مقابلے کے لئے جب کیا کاؤں نے رسم کو زائل سے طلب
کیا ہے تو اے نیں اسکو درچار دن کی درجہ ہو گئی، کیا کاؤں نہایت مشتعل مزاج تھا،
اتی بات پر اس قدر بزم ہوا کہ طوس کو حکم دیا کہ رسم کو در پر چڑھا دے، رسم وہ شخص تھا کہ

ایران کی سلطنت اس کے دست و بازو پر قائم تھی، بارہا اس نے کیا دس کو موت کے بچھے
چھڑایا تھا، ایک ایسے یکتا نے عالم پر اس ستم کے حکم کا جواز ہر سکتا تھا تم خود اس کا اندازہ
کر سکتے ہو اور ستم غیظ و غضب سے بیتاب ہو جاتا ہے اور کہتا ہے،

چو خشم اور م شاہ کا دس کیست چرا دست یازد پر بن طوس کیست

جب مجھکو غصہ آئے تو کا دس کیا چیز ہو؟ طوس میرے اور پر کیا تھا بہ اسکتا ہو بتا کوئی؟

چرا دارم از خشم کا دس باک چہ کا دس پیشم چیک ششت خاک

میں کوئی کا دس کے غصہ کی کیا پر داہئے میرے سامنے کا دس اور ایک مشقی خاک دنون پرین

گشتا سپ نے اس فندیار کو حکم دیا کہ ر ستم کے ہاتھ بازدھکر لائے، اس فندیار نے
ذابل پونچ کر ستم سے یہ استدعا کی، ر ستم نے کہا،

ک لفت بردا دست ر ستم بہ بند نہ بند در مراد دست چربخ بلند

تجھے سے یہ کس نے آہدیا کہ ر ستم کے ہاتھ باندھا میرے ہاتھ اسماں بھی نہیں باندھ سکتا

اس غریب من جس قدر زور اور جوش ہے ایک دفتریں ادا نہیں ہو سکتا

۵۔ ایشیا کی نسبت عام شکایت ہے کہ ہیان نامور پرستی کا جوش نہیں، ان ملکوں میں
ہزاروں نامور گذرے لیکن کسی شاعر نے یہ نہیں لکھا کہ قوم نے اس کے کمال کی یا قادر
کی، اس کے مرے کا ملک پر کیا اثر ہوا، لوگوں نے کیوں نکر اس کا ماتم کیا؟ اس کا نتیجہ
یہ ہے کہ ایشیا کی شاعری، ناموری کے جذبات کو بر انگیختہ نہیں کر سکتی، لیکن فردوسی
نے متعدد موقعوں پر موثر طریقہ سے اس کا انہصار کیا ہے، مثلًا ر ستم جب مر گیا اور اس کی

لاش لکر چلے تو کابل سے لیکر زامبستان تک آدمیدن کے ٹھٹت لختے، جازہ ہاتھوں پر آیا اور
صرف دو دن اور ایک رات میں یہ مسافت طے ہوئی، تمام ملک ماتم کردہ تھا، لوگ

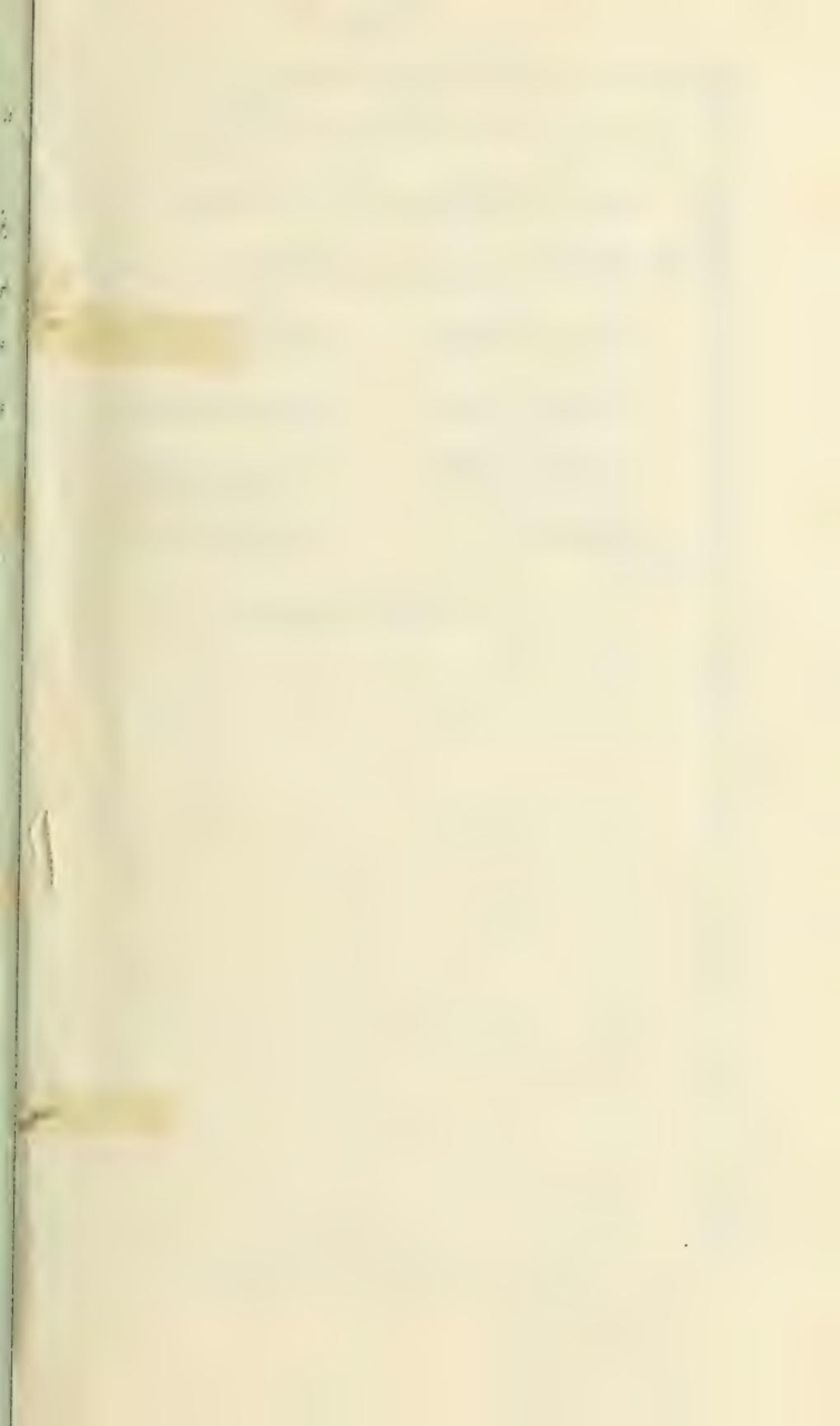
بے اختیار رہتے اور چلاتے تھے، مشک اور پھول لاش پر شمار کرتے تھے اور کہتے تھے

نگیری ہمی بادشاہی درز م نکوشی ہمی تیس زندگانم درز م

تواب بادشاہی اور رضاہی کیوں نہیں کرتا میدان جنگ میں کیوں نہیں جاتا

نہ خوشی ہمی گنج دیس نار نیز ہماناکہ پیش تو شد خدا حضیر

خوا نے اور زر دگوہر کیوں نہیں نہیں کیا یہ سب چیزیں تیرے نزدیکیں پچھلیں



مولانا نفیف الحسن بہار پوری کا عربی کلام مختصر ۲۶ ع، اونکی موطاٹے حدیث پر تبصرہ،

بہادر خوا تمین سلام یعنی خواتین اسلام کی بُلگی اور

بہادرانہ اخلاقی خدمات،

۲۶

مولانا عبد السلام ندوی

سوہ صحابہ جلد اول، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات

اور اخلاق کے پرا ثروات فاتح سنتہ حوالوں میں جن کو

پڑھکر آپ کو معاوم ہو گا کہ اون کی زندگی کتاب دست

کا علمی مونوگرافی، فتحامت ۳۵ صفحات تیمت،

اسوہ صحابہ جلد دوم، جس سے معلوم ہو گا کہ صحابہ کرام

نے اسلام کی سیاسی، ذہنی اور علمی خدمات کس

خلوص اور صداقت سے کیں فتحامت ۴۵ صفحات

فتحامت اور اون کے اچھہ اور کمالات پر مفصل تبہو

فتحامت ۳۵ صفحے تیمت،

اللهم قیمت

لغاۃ جدیدہ، چار بزرگ یہ عربی الفاظ و کشنزی،

دروس ادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم،

دوسری، پہلی ریڈر طبع دوم،

رسالہ اہل سنت و اجھاء، ذرۃ اہل سنت و اجھاء

زندگی اور اوس کے ظہور کی تشریح محلہ غیر محدث پھر

اصلی عقاید کی تحقیق، مبادی علم انسانی، ادیت نی رویہ نیا برلنکے کی

خلافت اور زہد و ستان، خلفائے اسلام و مسلمانان بہ

مشهور کتاب پہلیس آن ہیومن نائچ کامہ ایت ہمیدہ

کے بیہی تعلقات کی تایخ، آثار ذرا میں شاہی او سکون کے

مزہب و عقلیات، اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ

ذریعہ تشریح و تفصیل،

مزہب اور عقل میں تصاویر کا انکھان بن نہیں،

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے دین

اصحاب الایکر، قوم یوب، بنو سعیل، صحابہ الرس،

اصحاب البھر، بنو قیدار، الفشار اور قریش کی تاریخ، اور

عرب کی تجارت، زبان اور زندگی، تفصیلی مباحث

۱۰ صفحہ تیمت

سیرہ عائیشہ، ام المؤمنین حضرت عائیشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی، قرون اولیٰ کی

فاطمہ بنوں کے اصلی اسباب اور امام المؤمنین کے نفل

دنماقب اور اون کے اچھہ اور کمالات پر مفصل تبہو

فتحامت ۳۵ صفحے تیمت،

اللهم قیمت

لغات جدیدہ، چار بزرگ یہ عربی الفاظ و کشنزی،

دروس ادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم،

دوسری، پہلی ریڈر طبع دوم،

رسالہ اہل سنت و اجھاء، ذرۃ اہل سنت و اجھاء

زندگی اور اوس کے ظہور کی تشریح محلہ غیر محدث پھر

اصلی عقاید کی تحقیق، مبادی علم انسانی، ادیت نی رویہ نیا برلنکے کی

خلافت اور زہد و ستان، خلفائے اسلام و مسلمانان بہ

مشہور کتاب پہلیس آن ہیومن نائچ کامہ ایت ہمیدہ

کے بیہی تعلقات کی تایخ، آثار ذرا میں شاہی او سکون کے

مزہب و عقلیات، اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ

ذریعہ تشریح و تفصیل،

کتبیاں و مصنفوں اعظم گلہ

علامہ شبیل نعماں

مصنفوں عالمگیر، شنستا اور بزرگ زبان عالمگیر اغفاری

سیرہ تلبی صلیح حصہ اول طبع دوم تقطیع خرد سے لعلہ
ایضاً حصہ دوم طبع اول تقطیع کلان عقہ معمر
رسائل شبی، مولانا کے مختلف علمی مصنفوں کا جمعہ، عرب
الفاروق، حضرت فاروق عظیم کی لائف و طرزِ حکومت، عرب
مجموعہ کلام شبی، اردو،
الغزالی، امام غزالی کی سوانح مری اور ادباً کا لطفہ، عرب
شذوی صحیح امید، اردو،

مولانا حمید الدین صاحب بی اے
سیرہ النہمان، امام عظیم کے حالات و ادکنی نقیب پڑھہ عرب
الما منون، خلیفہ ماون رشید کے حالات اور ادکنی سلطنت

دہباد علی کا زامون کی تفصیل، عرب
تفسیر سورہ قیامہ، عرب
تفسیر سورہ واؤس، عرب
تفسیر سورہ والکفرون، عرب

الیضا حصہ دوم، خواجہ فرید الدین غطاسی طحہ اور
ابن عین کی صفات، عرب

الیضا حصہ سوم، شوارے متاخرین صفات، عرب
کے ذیچ ہونے پر ایک مدلل اور پیزور رسالہ، عرب
اباق التحوی، مسلم طنز پر عربی گرامر، اردو، عرب

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر رویو، عرب
دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، عرب
الاستقاء علی التمدان الاسلامی، جرجی زبان میں اشارہ
کا ترجمہ، عرب

اسلامی پر عربی میں رویو، عرب
سفرنامہ مصر و شام، مطبوعہ مغارب، عرب
تحفۃ الاعداب، عرب
موازنة امیں دہیز، میرزاں کی شاعری کے عاصن، عرب
دیوان لفیض، بہندہ، مکاہی نازم اسٹاد ادب

سلسلہ داراضفین

العمر ۱۳۹۳

حصہ پنجم

اس حصہ میں تصیید، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیات، اخلاقی اور فلسفیات

شاعری پریق و تبصرہ ہر

از

علام شبلی نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ

باہتمام مسعودی مسعودی ندوی میرج داراضفین

مطبع معاف عظیم گلہڑیں پچھی

۱۹۲۱ء

طبع دوم



نہرست مصایبین شعر جسم حصہ اخیر پنجم

صفو	مضمون	صفو	مضمون	صفو	مضمون
۱۱	قصیدہ گولی کی نئی زندگی فارسی مصایبین پر طعن کبھی	۲	حسین شناشی مختشم کاشی بخجر جمع نہیں ہوئیں	۳	قصیدہ گولی کے تین دو رین قدما کی خصوصیات
۲۳	۰	۰	کاشانی اور عفنی قدی شہیدی فارسی دو ربی قصاء کا موزارت	۴	قدیم طرز میں نوری نے کی قصہ تبدیلی کی
۲۴	۰	۰	ملکتا در عیش پر تھی کے اثر سے عرب کب من کرتے تھے	۵	شہزادی نے اپنی نوری کی قصیدہ عرب کی شاعری دو فاخت
۲۵	۰	۰	قصیدہ گولی غزل گولی بگانشی عرب کی شاعری دو فاخت	۶	شہزادی اپنی کی وقت آنحضرتی اوہ مضمون جندی
۲۶	۰	۰	شہزادی اپنی کی قصیدہ گولی شعرے فارس کا خڑہ	۷	ٹھیکرے قصیدہ میں کیا باتیں فنا کیں
۲۷	۰	۰	میں اصلاح قصیدہ شاعرا ذہ مصایبین کا	۸	خاقانی کی قصیدہ گولی اور جسے بڑا سیداں ہے
۲۸	۰	۰	قاوی اپنی فاسی قصیدہ گولی نے خواہادر	۹	خاقانی اور اسکی خصوصیات آجاد طرز خاص
۲۹	۰	۰	واقعہ بگاری دو سکی حربیات پر نظر ذلت پر تھی نہیں پیدا کی	۱۰	خاقانی اور اسکی خصوصیات خاقانی اور اسکی خصوصیات
۳۰	۰	۰	شاعرانہ نق کا انقلاب بہبودستان قصائد گولی باکل بیکانیں کی	۱۱	کمال ہمایل پر قدما کے دو رین کاخاتمہ
۳۱	۰	۰	او رایلان میں۔ عشقیت شاعری	۱۲	حلہ تازار کے بعد قصیدہ گولی کا زوال
۳۲	۰	۰	مزاغالب غزل کا آغاز	۱۳	سلاطین صفویہ کا دربار اور توہینی غلظتی سباب
۳۳	۰	۰	مزاغالب میں جنماد او بجدت کا رو دکی	۱۴	امدادی تغزیل دو قصیدہ کی بزرگی
۳۴	۰	۰	اداہ شدت سے تھا دقیقی	۱۵	قصائد سے کیا کام لیا گی
۳۵	۰	۰	قصیدہ کا موضوع اور اس کا تشریط ایمانی تغزیل کو نیا یا تنقی	۱۶	قصیدہ کا موضوع اور اس کا تشریط
۳۶	۰	۰	۰	۰	۰

۸۹	عشق کی حقیقت اور اسکے آثار	۶۶	اس طرز کی مقبولیت اور تقدیم	۳۵	غزل اور تصوف کا تعلق
۹۷	مشوق	"	علی قلی میلی	۳۶	غزل اور حکیم سنائی
۹۵	محبوب کی کچ ادائیان	۶۶	دلی قائنی		واحدی مراغی - خواجه عطاء را
۹۶	بعد عمدی	"	وحشی نزدی	۳۶	مولانا روم اور عراقی
۹۶	سفر	۶۹	فناں کے طرز میں بیعت دالی	"	سعیدی در غزل کا درواج نام
۹۹	رقبہ		ظهوری جلال سیر، طالبکشی	۳۸	سلمان اور خواجو
۱۰۰	قادصہ	"	کلم ناصر علی اور بیدل	"	خواجه حافظی کی شاعری اور اسکے
"	دار و ات عشق	"	غزل		ستعد نکات
۱۰۲	محبوب کاظم	"	ایران میں غزل گوئی کا باب	۴۹	خواجہ صاحب کا نزول ہم گیر شاعری
۱۰۳	اخفاء حال	"	ترک کنکے زمانہ میں سن کا اثر	"	خواجہ صاحب کے بعد دیڑھ سو
۱۰۴	مشوق کا کسلی اور پر عاشق ہوتا	"	حلہ تاتار کے بعد تصوف کا اثر	"	پرس تک غزل یہ شاعری کی
۱۰۵	لکن مشوق		غزل پر یون	۵۸	ترقی مرک گئی۔
"	عاشق کی دو گردی		عرب و ایران کے نزول کا		حکومت صفویہ کا آغاز اور اسکے
۱۰۶	رقبہ عاشق کی نظر تازی	"	موائزہ	۵۹	شانچ۔
"	رقبہ کی موت	"	فارسی غزل کے موائب	"	غزل کا درجہ دیدار با فنا
"	مجبت وظہ کی دین ساختہ	"	کی تفضیل		فناں نے نزول میں کیا تبدیلیں
"	اقاصد کا انتشار	۸۰	محاسن	۶۰	کیں اور اس کے خصوصیات
۱۰۷	بہترین حل کی یک یکٹا		تصوف نے فارسی غزل کو کر		فناں کے مقلدین عرفی اور
"	کی یاد	۸۲	بلند تر کر دیا	۶۲	تغیری
"	مشوق کی منی نظر لطف		فارسی غزل درواردات	"	مشتم کا شی دشمنی
	مشوق کی منی آزدگی		حسن عشق	۶۵	ایک خاصل در اسکا وجہ تحریک

۱۲۸	انلاقی، غلظہ اور تصوف	۱۱۵	مشوق کا دوسری بخشی ہو جانا	۱۰۴	رقب کے ہمراطف پر گلم
"	عراقی اور انگلی شنیان	۱۱۶	مشوق کا عاشق سی فنا عشق	"	مشوق کی بے مہری کا تجربہ
۱۳۰	محروم شہری اور انگلی شنی گلشن راز	"	دم مگر مشوق کی مدد کا انتظار	۱۰۸	مشوق ناچ کی باتیں سن کیتی
۱۳۱	شانہ نہت اندھولی، مغربی جاہی	۱۱۷	مشوق گھوڑ کر پروردہ رہے	"	محورت کا عالم
۱۳۲	شنانی کا اور فنا کوئی شاعری روایت سما	"	جان بازی در جان ستانی کا	"	مشوق کا خط آیا ہے
۱۳۳	فائری شاعری پر تصوف کا اثر	"	نقارہ ایک ساتھ	"	انہما رشتہ سے خوف
۱۳۴	فادری عری ہنس کارا کر قدمو جو گے	"	شب ہجر صرف جو بکے جلوہ ہے	"	رقب کی نا آشنا می محبت
۱۳۵	شریعت اور صوف کی میازی حالت	۱۱۸	صح ہو سکتی ہے۔	"	مشوق کی بیچ کے ساتھ جھوٹ
۱۳۶	ابتدائی تھنڈا وہ بودھو شو کا فرق	"	شرب پیکار نکلا دوازام سے	۱۰۹	کی آمیزش
۱۳۷	وحدت وجود دینی ہم لہ دست	۱۱۹	پنچے کی تدبیر	"	قادر سے بدگمانی
۱۳۸	نامہ باطنی	"	وہ سخت	"	دعب یا شرم سے رقب کی
۱۳۹	کشف حقائق	"	صوفیا نہ شاعری	"	سلکذی بنیں کرتا
۱۴۰	ذات باری	۱۲۰	تصوف فابری شاعری ہیں یعنی پیک	"	محبوب کے متعلق بدگانی
۱۴۱	اختلاف حال	"	سب سلطان بوسیدیو بخیر نے	"	مشوق کو خط لکھنا
۱۴۲	ذکر و تسبیح	"	صوفیانہ حیالات ادا کیے	۱۱۱	مشوق کی جور و ظلم کی دمین
۱۴۳	تصوف و طفلہ و زبد کا فرق	۱۲۱	لکھمنی کی صوفیا نہ شاعری	"	مشوق انداز
۱۴۴	روز اور روحانیات	۱۲۲	حدائقہ اوپری العبار	۱۱۲	مشوق کے بہار سن کا خالد
۱۴۵	نسان، عالم اکبر سنبھلتے۔	۱۲۳	اوہ مدینہ نما اور انگلی براہمیم	۱۱۳	عاشق کی بے صبری
۱۴۶	بہت اور اکنہ کے قابل نہیں	۱۲۴	نوجہ فرمایا ہیں عطا اور ہفت و فیانہ شمار کا	۱۱۴	مشوق کے انفراد ارتقا سکر
۱۴۷	عالم کائنات اور مسلمین ہوتے	"	مسکلہ وحدت جو دار ترزا بعطرار	"	ڈرتا ہے،
۱۴۸	کسفی نہایان حسن کی لذتی	۱۲۵	صوفی شاعری کی ترقی کو مختلف اسما	"	کسفی نہایان حسن کی لذتی
۱۴۹	رسوم و قیود و بہت پرستی	۱۲۶	رسوم و قیود و بہت پرستی	"	

					رضا با صفا
۲۱۳	نقرہ اور دولت ہندی کی تحریر	۱۹۶	بستان	۱۸۰	
۲۱۴	اخلاق رزیل کی مصلحت	۱۹۰	ملازمت اور نوکری کی برابی	۱۸۱	خدا کی حقیقت علوم نہیں ہوتی
"	عوام کے لیے آزادی خیام	"	ابن یعنی اور عمر خیام	"	اعظم فیض و افادات بیان کر شکار
۲۱۵	ایک لک فائدہ دوست کا نقصان ہے	۱۹۹	جاں	۱۸۳	الہیں و شیطان
"	خواں مقبول علوم نہیں ہو سکتے	"	جنتی صفتی	"	و حدت فی الکثرۃ
۲۱۶	مسئلہ جبر	۲۰۰	قیامت توکل کی بیانات میرین نہ کت	۲۰۰	اخلاقی شاعری
۲۱۷	عالم میں شرمنیں ہے	۱۸۵	دولت اور بارات کی بیشائی اور تحریر	۲۰۱	اخلاقی شاعری کا آغاز
۲۱۸	زہنا بھی نا بلد ہیں	۲۰۳	عزت نفس اور ترک حسان پریزی	۲۰۳	بائی طبی
۲۱۹	تقلید سے نجات	۷۰۷	غصے کے مقابلہ میں غصہ کرنا چاہیے	"	اخلاقی شاعری کی ترقی کے ساب
۲۲۰	مردوں کے لیے جنگ نزدع	۱۸۶	فلسفیانہ شاعری	۱۸۶	اخلاقی مسویان
"	جو ہر دعویٰ	۲۰۵	فلسفیانہ شاعری کیا ہے	"	ایران کی فلسفی شاعری پر عرض
۲۲۲	شیا کی بھنسی دو اعلاء بکیسا دی	۲۰۶	شاعری میں لطف کس راہ کر آیا	۱۰۰	اور اس کا جواب
۲۲۳	ناقص غذاء کامل	"	نام فرمون فلسفیانہ شاعری کی ابتدائی	۱۸۹	اخلاقی تسلیم پاچالی روپیہ
۲۲۴	حقیقت رسی اور اسکے مارج	۲۰۰	نظامی فلسفیانہ شاعری کو ترقی دی	"	آزادی کی تسلیم
۲۲۵	اپنی بے حقیقی	۱۹۰	تفاوی کے نتیجے میں خالا کا لٹکھیا اور	"	شیخ سعدی
"	ترک خدی اور جگہت سے جاتے ہیں	۲۰۹	دنوشہ رک جانا	"	جا برداشا ہونکے مقابلہ میں جو طریقہ
۲۲۶	صحویک دو میں فلسفیانہ شاعری کی ترقی	"	اصحاح خیتا کریا جا سکا ہزاں کا فصل	۱۹۲	صلح خیتا کریا جا سکا ہزاں کا فصل
۲۲۷	عام فلسفیانہ خیالات کی تفصیل	۲۱۰	باقشہ کی غرض علیا کا آرام و آسائش	"	باقشہ کی غرض علیا کا آرام و آسائش
"	بات سوچ کر کہنا چاہیے	۲۱۲	تدبیج حجتوں کی صلیخیوں سے تھے	۱۹۳	باقشہ ہوئے جنین آزادی و تحlossenی
"	حکم کو دنیا اور دیکی کسی بزر غرض نہیں	"	بس سوچ کر کہنا چاہیے	"	سیرینی
"	خود غرض نام تبریز کا سب سیچے	۲۱۳	خود غرض نام تبریز کا سب سیچے	"	نظمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دِیْپاچہ

دنیا کے ادب میں شعر اجم کو جو قبول عام حاصل ہوا، وہ موجودہ ہندستان کے ذوق فارسی کو دیکھ کر توقع سے بہت زیادہ تھے۔ چند سال کے عرصہ میں اسکے چند ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بعض یونیورسٹیوں نے اس کو نصاب میں داخل کر لیا ہے، روزانہ اسکی فرمائش کے خطوط اطراف ملک سے آئتے رہتے ہیں،

شعر اجم کا تخیل مولانا کے دل میں ایک مرد سے موجود تھا، انکی تحریر و نسخے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں انکو اس مخصوص کاخیال آیا۔ چنانچہ ۱۔ جولائی ۱۸۹۹ء کے بعد ۲۔ ۱۸۹۹ء کے ایک خطاب میں لکھتے ہیں،

فارسی پر درحقیقت جملکو صرف عالم خیال سے کام لینا پڑے گا۔ کیونکہ فارسی کا ایک یہاں بھی پیرے پاس نہیں۔ جو کچھ ہے، صرف دماغ میں ہے۔ ابتدائی کام اسکے یہ ہیں:

(۱) اس کے اور ارکی تقدیم۔

(۲) ہمروں کے خصوصیات شاعری اور مترود کا سات لفاظ و محاورات۔

(۳) پڑے پڑے شعر کے کلام پر یو یو۔

لہ مکاتیبی جلد اول صفحہ ۲۲۲ میں مکاتیبی دل صفحہ ۲۲۲ میں مکاتیبی دل صفحہ ۱۷۵

(۴) شاعری سے ملکی اخلاقی اور معاشرتی اثر کیا پیدا ہو

لیکن ابھی اس سے ضروری اور مقدم کام باقی تھے۔ چنانچہ اس کے بعد متعدد دفاتر میں شائع اعلیٰ، علم الکلام اور روازندگی وغیرہ میں کلمہ نئے ملکیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء میں جب مواد زندگی سے فرستہ میں تو ایران کی سحر طرزیوں نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور شعراء بھرم کی مرقع آرائی کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی

عجب اتفاق تھا کہ اسوقت اسی عنوان پر ہندوستان اور یورپ کے دوا اور اکابر مصنفین بھی قلم بھاڑکے تھے۔ شمس العلامہ مولوی محمد حسین آزاد لاہوری میں۔ اور پروفیسر براؤن انگلینڈ میں ادھر لاہور سے سخنداں پارس ملکی۔ اور ادھر انگلینڈ کر سے لٹریری بھرپوری آف پرشیا۔ شائع ہوئی۔ لیکن شعراء بھرم کے مصنف کامیاب تخلیل ان دونوں سے الگ رہا۔ میں ۱۹۰۷ء کے خط میں مولانا لکھتے ہیں

آزاد کا سخنداں پارس حصہ دو مبتلا، سجان اللہ! لیکن احمد لشکر کے میرے شعر بھرم کو باقاعدہ نہیں لگایا۔

اپریل ۱۹۰۸ء میں مولانا کو ایک دوست کے خط سے براڈن کی تصنیف کا حال معلوم ہوا۔ چنانچہ انہیں کے ذریعہ سے کتاب منگوائی اور پڑھو اکرنی۔ اسکا جواہر ان پر ہوا۔ وجہ سنبھالیں ہے۔

" بلا بمالغا در بلا تصنیح کرتا ہوں کہ براون کی کتاب دیکھ لسخت فسوس ہوا۔ نہایت عایماء"

اور سوچنا ہے۔ براڈ اسحاق سے پڑھو اکرنی، خود بھی الٹ پٹھ کر دیکھا۔ فردوسی کی

نسبت صرف دو تین صفحے لکھیں جس میں اسکے اقتباسات بھی شامل ہیں۔ مذاق

لئے مکاتیب اول صفحہ ۱۷۷۸ء دو مصروفیتیں۔ ۳۵ مکاتیب اول صفحہ ۱۷۷۸ء۔ اسی مضمون کا ایک خط دو مصروفیتیں ہیں ہیں۔

اتنا صحیح ہے کہ آپ فردوسی کا درجہ سمعہ معلقة کے برابر بھی نہیں مانتے اور فرماتے ہیں
کسی حیثیت سے یہ کتاب اور شعراء فارسی کے کلام کے برابر نہیں۔ یہ مع سود
وہر جس کے آپ سے اس کے دام دا پس نہ گا۔

واقع یہ ہے کہ براوون کی کتاب اور شعرابجم کے موضوع میں آسمان و زمین کا فرق ہے
براوون کا مقصد ایران کی ادبی و علمی تاریخ بخاری ہے۔ شعر اکا ذکر اسکی کتاب میں ضمیمانہ ہے،
اور وہ بھی صرف سعدی تک۔ اور شعرابجم کا موضوع محض فارسی شاعری ہے، وہ لوگ
جو شعرابجم اور لاطر یہی ہسترنی آف پر شیاد دون سے واقع تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ شعرابجم کا
انگریزی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ یورپ کو نظر آجائے کہ مشرقی تحریر کمال کے کیا معنی میں
انہیں سمجھ پشیدہ ہے وہ دست پر دفتر عرب القادر ایم لے۔ (النفسُنْ كَالْجِبْرِيْ) تھے،
سہم میں شعرابجم کی پلی جلد زیر طبع تھی اور دوسری اور تیسری تصنیف۔ سہم کے آخر میں
دوسری اور ستمہ تین تیسری جلد شائع ہوئی۔ ان تینوں حصوں میں قدماً، متواطیں، اور متاخر
شعر کے حالات اور انکے کلام پر نقشہ تبصرہ ہے۔ چھٹی جلد کے چھپ جانے کے بعد مولانا کو ایک
معدہ نامہ الگ چھاپ کر لگانا پڑا جس میں حسب ذیل عبارت تھی،
”یہ طے شدہ تعاکہ چوتھے حصہ پر شعرابجم کا خاتمه ہو گا، لیکن داتان چھلتی گئی،
اد راب اس حصہ کے بھی دو حصے کر دینے پڑے۔ یہ حصہ مشتوی کے روایوں کا تھا۔
دوسرے حصہ میں بقیہ تمام انواع شاعری پر تقریظ و تنقید ہے۔“

ناظرین ملک رہیں۔ پانچوں حصہ کے بعد ان کو محنت نہ دی جائے گی؛
پانچوں حصہ زیر تالیف تھا کہ مصنف کا طائر خیال بنزہ زار ایران کی بولمنیون سے گھبرا کر
ایک سدابہارچن کی تلاش میں نکلا، اور دہل گیا۔ یعنی حرمہ قدر جہان عمر کے آخری
لحظہ تک اس کا آشیانہ رہا ہے، عارفین شیراز، اپنے گذشتہ تجربوں کی بنابر پر کہہ سکتے ہیں کہ حرمہ ایران
ایران کے مجازی حسن و عشق ہی کا سوز و گداز تھا جو عشقِ حقیقی بنکر جلوہ گر ہوا۔

پنج کسیر بتا شیر مجنت آریڈ "کفر" آوردم و عشق تو ایمان کرم
بھر حال اس بادہ تند و تیز کا یہ اثر ہوا کہ سیرِ حسابوی کے سوا ہر چیز فراموش ہو گئی
چنانچہ جنوری سلطنت کے الندوہ ہیں یہ نوٹ انہوں نے لکھا۔

"شعرِ بجم کا چھو تھا حصہ زیر تالیف ہے لیکن وہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اسکے دو حصے کو زینت
پڑے۔ ایک حصہ مطبع میں جا چکا ہے اور تھپپ رہا ہے، لیکن دوسرے حصہ کو میں نے
روک لیا کہ اب جاکو سب مقدم اور حتم با اشان کام یعنی سیرۃ نبوی کی تالیفیں
مصرف ہونا چاہیے۔ اگر یہ کام انجام پا گیا تو شعرِ بجم ہوتی ہے گی اسکی کیا جلد ہی ہز" ۱۳
اب یعنی اوراق منوعہ، چھ بڑیں کے بعد و سب سلطنت میں شائع ہو رہے ہیں اور اس طرح
سمجننا چاہیے کہ شریعتِ حسن و عشق کے پانچوں صحیحے تقریباً ۱۳ بڑیں کے عرصہ میں تبدیل
مکمل کو پہونچے۔

از جلوہ بیار ام دھے کا یہن ہم خوبی در حوصلہ دیدہ یہ یکبارہ لکھنے
یہ پانچوں حصہ مولانا کے مسودات میں سے ترتیب پڑا تھا، قد رشنا سان شعرِ بجم کا اصل

تحاکہ اس کو جلد تر حلیئے ٹھن سے آ راست کیا جائے۔ لیکن کاغذ کی گرانی کے باعث بہت نہیں ٹھن تھی بالآخر ایک ”درست غائب“ نے پیشکل ٹھن حل کر دی۔ اور آج ہم اس قابل ہرے ہیں کہ اس نو ان نعمت کو اربابِ ذوق کے پیشکش کر سکیں۔

اس حصہ کے صفات میں کا سربراپانے کے لیے ناظرین کو پوچھی جلد کے عنوان ”فارس شا عربی پُر فضیلِ رویو“ کے دو تین صفحے پڑھ لینے چاہئیں۔ اس خیال سے کہ آپکی زندگی مطالعہ میں کی تقدیر تخفیف ہو سکے۔ ہم اُن صفات کا چند سطروں میں خلاصہ کر دیتے ہیں،

”ہمارے اہلِ ادب نے شعر کی تقسیم و وزن، تاقافیہ و دلیع وغیرہ کے لحاظات کی ہیں، اور اس بنابر اشعار کے اقسامِ قصیدہ و غزل و شنوی وغیرہ قرار دیے یا لیکن عالمی۔“ مم نہیں تقسیم کا صحیح طریقیہ تھا اگر کی جو حقیقت ہے (یعنی مصوریِ جذباتِ تخلیل) اس کے لحاظات سے اس کے معنوی اقسامِ قسم ہیں جاتے۔ مثلاً رزمیہ۔ عشقیہ۔ فخریہ۔ مرثیہ۔ اخلاقی۔ فلسفیانہ وغیرہ۔ شعر کے مشہور اقسام یہ ہیں۔ یعنی غزل قصیدہ۔ شنوی۔ مذکورہ بالا اصول کے لحاظات سے قصیدہ اور غزل جذباتی شاعری میں داخل ہیں۔ اور مشتوی۔ مظاہر قدرت کی مصوری ہیں۔ لیکن ہمارے شعر نے ان میں سے کسی کو اپنے حدود میں خود دنیں رکھا ہو غزل میں بجاۓ اسکو کہ جذباتِ محبت کا انہما کیا جاتا ہے قسم کے فلسفیانہ۔ اور تخلیلی صفات میں داخل کر دیئے۔ قصیدے مہرہ توں تخلیل بن گئے شنوی واقعہ نگاری کی حدست ہجادز ہو کر ہر قسم کی شاعری پر تصریف کر دیا۔ اس بنابر اصنافِ شاعری پُر فضیلِ رویو کرنے میں مجبوراً اخلط محبت کی کام لینا پڑتا ہے یعنی بعض توں میں عالمی۔ ہم کے لحاظات سے قائم کی گئی ہیں (مثلاً عشقیہ۔ اخلاقی۔ صوفیانہ، فلسفیانہ) اور بعض میں اسی قدیم

اطلاع کو قائم رکھا ہے۔"

بہ حال ان مختلف اصناف و انواع میں سے چوتھی جلد میں صرف رزمیہ شنوی پر رویو ہے لیتیہ اصناف پانچوں حصے کے لیے اٹھار کئے گئے تھے۔ اس حصہ میں۔ تصیدہ غزل عشقیہ صوفیہ فلسفیانہ اور اغلاقی شاعری پر تقریباً دوسرہ ہے،

پانچوں حصہ کی تصنیف سے درحقیقت مولنماے مر جوم تباہمہ فاغ نہیں ہوئے تھے۔ بہت سے مسودات انکی نظر ثانی کے نتاج تھے اسی لیے ارباب نظر دیکھیں گے کہ آئین بعض مواد بے ترتیب ہیں کہیں مضایین میں تکرار ہے بعض مقامات تفصیل طلب ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی ذہن کا پہلا خاکہ ہیں تاہم یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان موتیوں کی لڑی میں پوتہ ملا یا جائے۔ چنانچہ فضول و ابواب کی ترتیب کے علاوہ اصل تین میں کسی قسم کی مداخلت جائز نہیں رکھی گئی۔

مولنما اپنی ہر تصنیف بار بار کی حک و اصلاح تکراز نظر اور کاث چھانٹ کے بعد شائع کرتے تھے۔ اس کتاب سے یہ معلوم ہو گا کہ بے ساختگی کے ساتھ اول دہمہ میں انکو دماغہ کی لیاخیالات اور ان کے قلم سے کیا الفاظ ملکتے تھے،

ان اوراق کی ترتیب و تصحیح رفیق مکرم مولنما عبد السلام ندوی۔ اور مولوی ابوالحسنات ندوی نے کی ہے ناظرین انکی کوششوں کو مشکور فرمائیں،

سید سلیمان بنڈی

۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قصیدہ

جس زمانہ میں شاعری کا آغاز ہوا، عرب کی شاعری مدحیہ قصائد پر محدود تھی، اسیلے ایرانی شعر نے بھی انہی کی تقليد کی، اسکے ساتھ صندھ اور انعام کی تونع صرف قصیدہ سے ہو سکتی تھی، یہ اسباب تھے کہ ایران نے سب سے پہلے قصیدہ گوئی سے ابتداء کی، عرب میں مدحیہ قصائد کا یہ انداز تھا کہ تمہید میں عشقیہ اشعار ہوتے تھے، جن کو اشبیب کہتے ہیں، پھر کسی تقریب سے مددوح کا ذکر کرتے تھے، اسکو صطلح میں خلاص یا گرزی کہتے ہیں، پھر مرح ہوتی تھی اور دعا پر خاتمہ ہوتا تھا، فارسی نے بھی سراپا اسی کی تقليد کی، قصیدہ کے حسن کا معیار چیزیں سمجھی جاتی تھیں، مطلع یعنی قصیدہ کا پہلا شعر کس شان کا ہے، خلاص یعنی مددوح کا ذکر کس طرح بظاہر بلا قصد آگیا ہو کہ گویا بات میں بات پیدا ہو گئی ہے، مقطوع یعنی خاتم کس عدد گی سے کیا ہے، اس تینوں چیزوں فارسی میں بھی قصیدہ کا معیار کمال قرار پائیں،

قصیدہ گوئی کے تین دوریں، تین سکے خصوصیات علاوہ ایک دوسرے سے متاز ہیں، قدما، متوسطین، متاخرین، قدما کے زمانہ کی حسب ذیل خصوصیات ہیں۔
ا۔ تکلف، بـالغز، اور آ در دنہ تھی، سادہ اور صاف خجالت کو سادہ لفظوں میں ادا کر دیتے تھے،

بـ زیادہ تر انفاظ کی صفت گری پر مار تھا، جسکی متعدد صورتیں تھیں۔
دـ ایک مصروف میں جو الفاظ آتے تھے، دوسرے مصروف میں بھی اکثر انہیں کے مراد الفاظ لاتے تھے،

(۱) اس سے ٹھہری کہ مبوزان یا لکھ اکثر ہم قافية الفاظ لاتے تھے، مثلاً
اسے منور ہے تو سجوم جمال دے مقرر، بتور سوم کمال
بوستانے است صدر تو زیغم ہسمانے است قدر تو زجلال
در، پیر معزی، اور عبد الواسع جلی اکثر قصیدوں میں لفظ و نثر کا التزام کرتے
ہیں اور بعض قصیدوں میں اسکے ساتھ صفت اعداد بھی شامل کر دیتے ہیں،

قدما کے کلام میں مراد الفاظ اور مختلف اقسام کی لفظی صفت گریان اس
کثرت سے ہیں کہ جی اکتا آلتا جاتا ہے، اور چونکہ اوصاف اکثر مشترک ہیں اس لیے
جسکا کلام اٹھا کر دیکھو ایک بی آواز آتی ہے، غالباً اس سے اس طرز میں کسیقدر
تبدری الوری نے کی، اُس نے الفاظ کے خاص ناپ تول کا کام کم کیا اور بہت سے
سادہ اشعار لکھنے جنہیں لفظی خصوصیتوں کی رعایت نہ تھی، اسکے ساتھ مضمون آفرستی پر

توجه کی، جس سے الفاظ کی بندش کی قدر کم ہوئی، اور خیال دوسری طرف رجوع ہو سکا،
ٹھیک فاریانی نے وقت آفرینی اور مضمرین بندی کا آغاز کیا۔ متوسطین اور

متاخرین کی دلیل خیال بندیان اُسی کے نونہ پر قائم ہوئیں،

ٹھیک فاریاب کا رہنے والا تہا بو رکستان کا ایک شہر ہے۔ علوم درسیہ میں
کمال پیدا کیا، چنانچہ قوم کی زبان سے صدر الحکایہ کا لقب ملا، شاعری کے آغاز میں
غیشا پور آیا، اور ملغان شاہ بن سوید کی مداحی کی، پھر راث ندران گیا، اور یہاں کے
سلطین کی محی میں قصائد لکھے، بالآخر آذربایجان پہنچ گہاں پہلوان محمد پیدا کرنے
دربار میں رسائی حاصل کی اُسنے ٹھیکری ہنریت، قدر دامی کی، اسکے منزے کے بعد قزل

اسلامی کی مداحی کی، چنانچہ یہ مشہور قصیدہ اُسی کی محی میں ہے،

نہ کرسی فلک نہ راندیشہ زیر پای تایوس بر کاب قزل اسلام بہ

بالآخر کسی بات پر قزل اسلام سے ناراض ہوا، اور اتا بک ابو گیڑن جہاں پہلوان
محمد پیدا کرنے درباریوں میں داخل ہوا، یہ دہی اتنا پاک ہے جسکے نام پر خواجہ نظامی نے
سکندر نامہ لکھا، اخیراً خیرت ٹھیکری نے ترک نیا اختیار کیا، اور تبر نز میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا۔
۶۸
وفات نشہ نہ لکھا ہے، ٹھیک خاقانی اور انوری کامواصر اور ہم عذر تھا،

گوہر کی روایت کا قصیدہ ٹھیک نے فی البدیہ لکھا تھا جبکہ اسکا مدرج فیروزہ کی کان

لہ یہ بیضنا، ۷۰۵ نام قصیل یہ بیضناست اخود ہے،

ویکھنے لیا تھا، اور اسی وقت قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

فلمیر نے قصیدہ میں جو باتیں اضافہ کیں، حسب ذیل ہیں:

(۱) وقت انفرینی اور خیال بندی جو متاخرین کے مخصوص اوصاف ہیں، اسکی بنیاد قائم کی: ذیل کی مثالوں سے اسکا اندازہ ہو گا:

انداشہ کہ گم شود از لطف در نمیر گردون پر راز باکرت در میان نہما

متاخرین نے کمر کی تعریف میں نہایت وقت آفرینیاں کی ہیں، یہاں تک کہ اک کو ایک لطیف خیال، ایک باریک مضمون، ایک دو ہوم تجھیل کئے ہیں، اُن سب خیالات کی حلی یہی نلمیر کا شعر ہے،

شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کی کمراکیک لطیف خیال ہے۔ جکو آسمان ز پچک سے معشوق کے کمر بندے کدیا ہے، انوس ہے کہ ”راز در میان نہادن“، کام صحیح ترجمہ اُردو میں نہیں ہو سکتا۔ اس یہے فارسی میں جو لطافت ہے، وہ ترجمہ ہے جاتی رہی۔

(۲) در تنگنا یہ بیضہ ز تاثیر عدل اے نقاشِ صنعت پیکرِ مرغاناں ستان نہما

”ستان نہادن“ کے معنی چوت لٹانے کے ہیں، نقاشِ صنعت، یعنی قدرت۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل کا یہ اثر ہے کہ قدرت نے ذرا سے انڈے یہیں پر نہ دون کو چوت لٹایا کہ آرام سے سوئیں، اس صفت کو فارسی میں حسن التعلیل کہتے ہیں۔

(۲) ترکیب اور بندش میں پتی، بلندی اور زور پیدا کیا، چنانچہ اس دعویٰ ہے این کمال
اساعیل اور سلان ساویجی بھی اس سے آگے نہ تردد کے،
ذیل کے اشعار کی درد بست اور زور و بندش کو دیکھو۔

نگری فلک نہ اندازیہ زیر پایا
یعنی خیال جب آسان کی نوکر سیون کو، پاؤں کے یخے رکھ لیتا ہو، تب قزل ارسلان دید
کی رکاب کو چوم سکتا ہے۔

براستان شاہ مظفر نہادہ	سر بر نیکنی زمکنہ مگر کہ پائے
مند فراز گنبد خصہ نہادہ	شاہنثیہ زمانہ کہ از روی مرتبت

شرح غم تو ندست شادی بجان دید
ذکرِ بُلْطُم شکر در دہان دید
جز لفظ عارضِ تو ندیدم کہ یہ پکیں
ای خرسے کہ حفظ تو از روی اعتمام

(۳) زبان میں زیادہ صفائی اور گھلادٹ پیدا کی، چنانچہ اسکے قصائد نے انوری
اور خاقانی کی طرح کبھی شرح لکھنے کا احتمان نہیں اٹھایا۔

(۴) اکثر نازک اور طیف تشبیہین ایجاد کیں ماؤن کی تشبیہ میں ظہیر کے معاصر بن نے
بہت زور صرف کیا، اور سیکڑوں نئی نئی تشبیہین پیدا کیں لیکن ظہیر کی نزاکت کو دبو پچکے
ایک قصیدہ کی تہیید اس طرح شروع کی ہے کہ جب شام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ لا جودی

تحنیہ پر کس نے خط خفی میں زون لکھ دیا ہے۔ یاد رات میں کشتو بھی جاتی ہے، اب طح مقدود ہمیں
بیان کر کے کہتا ہے، کہ لوگ اپس میں بحث دزار گر سبے تھے، کہ یہ کیا چیز ہے، میں
عقل کے پاس گیا، اور کہا کہ یہ کوئا مصروف ہے، جسکے کام کا آہریہ آسان اڑالا یا ہے
یا کسی کے قبائی بیل تراش لی ہے، یا کسی مخصوص کے ہات کا انگل آتار لیا ہے،

آن شاپ از کیا سست کاین چن چن چنم از گوش و بردان کنداین نفر گوشوار
گردان ز جامہ کہ بریدہ است این طاز گیتے ز ساعد کہ ربودہ است این بوار
بھار کی تعریف میں لکھتا ہے،
کلکن

چن ہنوز لب از شیر ابرزا شستہ جو شاہدان خط بیرون دمید گردند
”اباز شیرنا خشن“ یعنی ابھی بچپن کا دودہ نہیں چھوٹا، شعر کا مطلب یہ ہے، کہ با غ
ابھی بچپن ہے، یہاں تک کہ ابھی اسکے ہونٹوں پر ابر باران کا دودہ ہجما ہوا ہے با وجود
اسکے نوخطوں کی طرح اس کے چہرو پر بزرگ مل آیا ہے۔

اسی زمانہ میں خاقانی نے قصیدہ گوئی میں بہت شہرت حاصل کی اور ایک
خاص طریقہ ایجاد کیا جو اس کے ساتھ مخصوص ہے یعنی کسی نے اسکی تقلید نہیں کی،
خاقانی کا دلن شرداران تھا، حصل نام ابراہیم فضل الدین بن علی لشیہ، با پ
بڑھنی تھا، اسی بنار پر ابوالعلاء گنجوی نے کہا ہے،

دروگ پسر بود نامت ہ شرداران بخاقانیست من لقب بر نہادم

لہٰ تذکرہ قرآن اترائب من سسن ولادت شکرہ در کھاہبے

ابتدائیں تمام علوم درسیہ کی تحصیل کی، پھر شاعری کا شوق پیدا ہوا، اب اطلاع گنجوی کی
شروعی اختیار کی، اور حقایقی تخلص رکھا، جب شاعری میں کمال پیدا ہوا تو تیرتیب شزان
یعنی خاقان کبیر منوجہ رختان کے دربار میں رسمی حاصل کی انسنایت قدر دانی کی،
اور حکم دیا کہ ہر قصیدہ پر نہار اشرفیان انعام دین بائیں و قضا فوتا جو انعام ملتے تھے
اس پر متزا د تھے، انہر میں دنیادی تعلقات سے سیر بود کہ جا ہا کہ گوشہ نشین مونک بیٹھ جائے
لیکن شزاد شاہ کی اجازت نہ تھی، مجبوراً ایک ان چھپ کر لکھ لیا، بادشاہ کو خبر ہوئی خاقان
بیلقان تک پہنچ چکا تھا، سرکاری آدمیوں نے وہیں گرفتار کیا، بادشاہ نے اس جرم
پر کہ بنا اجازت کیوں چلا گیا، شاہراں کے قلعہ میں قید کیا، تمام تذکرہ دن میں قید کی ہی وجہ
لکھی ہے، لیکن یہ واقعہ روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے، اصلی وجہ یہ ہے کہ ملک
وزیر اخواج جمیل الدین موصی نے خاقانی کو ایک انگوٹھی دی تھی جسکے نگہیہ پر احمد ظلم کندہ
تھا، اور عہد لیا تھا کہ کسی کو نہ دینا، چنانچہ خود خاقانی تحقیق العرائیں میں کہتا ہے،

این مہمناس لشڑہ ہوش وقف ابدی است بر تو مفرض

بر گوشہ اور عشم اغیار لا یوہب ولا سباع بنگار
شزاد شاہ نے خاقانی سے یہ انگوٹھی طلب کی، اور اس نے انکار کیا، اس
گستاخی اور نافرمانی کی پاداش میں تبید ہوا، سماں میمنہ کے بعد بادشاہ کی مان نے
سفر ارش کی، اور قید سے بچات ملی، اشکارہ میں رح کا قصر کیا، تحقیق العرائیں جمشہور
شنوی ہے، اسی زمانہ میں لکھی، یہ عجیب بات ہے کہ خاقانی اور نظامی، دونوں ایک

زمانہ میں تھے، اور دونوں کو دعویٰ ہے کہ حضرت ان کے تعلیم دی، خاقانی نے اس شنوئی میں خضر کی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، خدا جانے کوں صاحب تھے، جنکو دبم پرستی سے خاقانی نے خضر کے لیا،

بہر حال حج سے واپس آئے، اور عراق میں قیام کیا، بادشاہ نے طلبی کا فرمان بھیجا، لیکن خاقانی شاہی تعلقات سے سیر ہو چکا تھا، معدورت کا قصیدہ لکھ کر بھیجا، چند روز قزل ارسلان کے پاس رہا، ہا آخ تبر نہیں گوشہ نہیں ہو کر بیٹھ گیا، اور ہیں دفات پائی، تبر نہیں سرخا ب ایک مناظم ہو، یہاں مدفن ہوا، سنہ دفات اکثر تذکرہ دوں میں شتمہ کھتھے ہیں، لیکن جب ایسرے معاصم ہوتا ہے کہ ۵۹ تک زندہ تھا، خاقانی نے شاعری، ابوالعلاء بن جوی سے کہی تھی، لیکن معلوم نہیں کیا اس باب پیش آئے کہ استاد شاگرد میں آن بن ہو گئی، اور معاملہ اسقدر طول کھپا کر دوں نے نہایت فاحش بھوئیں لکھیں۔

تحقیق العراقيین، اس زمانہ کی تصنیف ہے، جب خاقانی تارک الدنیا اور پارسا ہو چکا تھا، باوجود اس کے ابوالعلاء کی بھوئیں کہتا ہے۔

یعنی تارک گنجہ، اور دین کوے ہم زرد تقفا دبم سے رو دے
رشید الدین و طباطب، خاقانی کا معاصر تھا، اور دونوں میں نہایت محبت تھی، خاقانی نے رشید کی میں ایک سیر حاصل قصیدہ لکھا ہے، جس کا ایک شعر ہے

۱۷۴ تفاصیل یہ بھینا سے ماخوذ ہے،

اگر بکہہ رسیدی روایت سخن
لیکن خاقانی سے ان سے بھی نہ بھکی، اور نہایت سخت فخش بھوکھی حقیقت یہ ہے
کہ خاقانی سے کسی کوشکایت کا حق نہیں وہ خود اپنی مرح میں فرماتے ہیں،
شبہت وَأَنْوِيمُ، ثُمَّهُتْ بِأَجْرِنِمْ چاَوِ مریم رُبَّاحِمْ پرِدَه نَبَرَادِمْ
خاقانی کی عملت تمام شرعاً میں مسلم ہو، عرفی با اینہم غدر، اسکے قصیدہ دن پر قصیدہ
لکھتا ہے، نظری وغیرہ اس کا نام ادب سے لیتے ہیں، خاقانی کے کلام کی خصوصیات
حسب ذیل ہیں۔

(۱) سب سے مقدم یہ کہ وہ نہایت کثرت سے مختلف علوم و فنون کی مسلطانیں
اور تلمیحات اور اشارات لاتا ہے، جب تک کوئی شخص تمام علوم و فنون سے واقف
نہ ہو اسکے کلام کو اپنی طرح سمجھ نہیں سکتا، اس کا مشہور تصدیقہ ہے،

دلِ منْ تَعْلَمِي سَتْ مِنْ طَفْلِنْ بَانِدَشْ وَمِنْ تَلِيمِ سَرْعَشْرَوْخِمْ زَا نُو دَبَسْتَانِشْ
اس تصدیقہ میں سیکڑوں علمی تلمیحات ہیں جن سے علماء کے سوا، عام لوگ بہت کم
واقف ہو سکتے ہیں۔

خاقانی کو علوم متداولہ پر خوب عبور تھا، اور علمی مسلطانیں اور کنائے یہ وقت
دریغ میں حاضر رہتے تھے، اسیلے جب کچھ کہتا تھا، تو بے ساختہ یہ الفاظ زبان پر آتے
تھے، یا ممکن ہے کہ لیاقت جتنے کے لیے بالقصد ایسا کرتا ہو،

(۲) یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ خاقانی اور معاصروں کے خلاف اتفاق ہماری

پر مائل ہے، اسے اکثر قصیدے خاص خاص واقعات پر لکھے ہیں اور ان قصائد میں جہاں واقعات کی تصویر لکھنی ہے شاعر اونٹھیں کارنگ بھی چڑھایا ہے جس سے کلام میں تاثیر پیدا ہو گئی ہے، حج کے سفر میں جب مدائن سے گزرا، اور طاق کسر کے شکستہ حالت میں دیکھا ہے، تو نہایت پر جوش اور پر درد قصیدہ لکھا ہے، جس کے چند شعر ہیں،

ایوانِ مدائن را آئینہ غبرت ان ایوانِ مدائن غبرت کا آئینہ ہے گلے دوسہ بر ماہ، اشکنے دہنے ہن بشان دوایک قدم ہماۓ اور پر کھوا در دا ہن ہباو از دیدہ گلابی گُن در د سرانشان اپنے آنسو و ان سے ہماں سرگرد کو در کرو بر قصر تمگاران آیا چہر و دخلان ظالموں کے گھر کا کیا حال ہوا ہو گا	ہاں ہی عبرت بین از دیدہ گلکن ہاں لے عبرت پریدل آنکھیں کھول در دیکھ گوید کہ تواز خاکی ماخاکی ایم اکون دہ کو گاتم خاکت اور ہم تماری خاک ہیں از نو خود چغد، امحق مائیم پ در دسر اونکون کی آواز سے سر زکھنے لگا مبارگہ دادیم این رفت تم پرما ہم ایوان عدالت تھے، ہما یہ حال ہوا
---	--

رس، خاقانی کئی کئی سورہ و ان کے قصیدے لکھتا ہے، اور کہیں زور طبع کرنیں ہوتا مشکل در د شوار گزار د لیفون میں بڑے بڑے قصیدے لکھے ہیں، اور جو با میں اسکی خواص کلام ہیں، ان کے التزام میں مطلق فرق نہیں آیا، اس خاص صفت میں اسکا کوئی ہمسرنہیں، حضرت امیر خسرو البتہ اسکی تقليد کرتے ہیں، اور اکثر

اکامیاب ہوتے ہیں،
خاقانی کے بعد کمال اسماعیل نے قصیدہ کو بہت ترقی دی اور قدما کے دور کا
اس پر خاتمه ہو گیا۔

قدما کے دور کے قصیدہ گویاں میں ابو الفرج رونی عبد الواسع جبلی، میر منیری نیشاپوری
ازرقی، رشید الدین و طواط، خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

قصیدہ میں رفتہ رفتہ جو ترقی ہوتی جاتی تھی، اور الفاظ کی بندش سے نکل کر
مضمون آفرینی اور سادہ گوئی کی طرف عام میلان ہوتا جاتا تھا، وہ رفتار جاری رہتی
تو یہ فن بہت کچھ ترقی کر جاتا، لیکن ہنگامہ تاثار نے دفعہ وہ سارا دفتر ابتر کر دیا، مدرج
نہ رہے تو مدح خواں کمان سے آتے، ہلاکو کا پوتا اسلام لایا، اور اس خاندان میں
ایک مرتب تک حکومت رہی، لیکن دربار شاعر ازاد لطافت سے خالی تھا، غرض تین سو
برس تک (سلمانؑ کے سوا) کوئی مشہور قصیدہ گو نہیں پیدا ہوا۔ سلاطین صفویہ
نے انداز سے دربار بجا یا، تو پھر اس مردہ قاب میں جان آئی، حسین شناہی، مختشم
کاشی، سخراج کاشانی وغیرہ نے قصیدہ گوئی کو بہت ترقی دی عرفی نے اس زمین کو
آسمان تک پہنچا دیا، اُنسے الفاظ کی شان و شوکت اور ترکیبیوں کی چیزی کے ساتھ
سیکڑوں گوناگون مصنایمن پیدا کیے، نئے نئے انداز کی تمہیدین لکھیں، مضمون
لہ سلمانؑ قصیدہ کے مجددین میں سے ہی، لیکن دوسرے حصے میں ہم اسکی شاعری مفصل روایوں کر چکے
ہیں اسیلے یہاں اسکے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

آفرینی اور مبالغہ کو جو متاخرین کا مایہ نازم ہے، اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آ سکتا، قدما میں انوری قصیدہ گوئی کا بادشاہ مانا جاتا ہے۔ لیکن بچپن کے سوا مضمون آفرینی اور زور کلام میں عرفی سے اس کو کچھ نسبت نہیں، حقشنہ کے تصانیف میں اگرچہ الفاظ کی شان و شوکت اور زور آوری نہیں ہو، لیکن اور اوصاف میں وہ شعر اکبری سے کم رتبہ نہیں خصوصاً تمہیدین نئی نئی پسیدا کی ہیں، ایک قصیدہ کی تمہید یہ ہے،

”وہ فیاض جس نے پھول کو خوبی اور منی کو جان دی، اُسے جس کو جو چیز دی اسی کے رتبہ کے موافق دی، عرش کو بلندی بازیں کوئیستی، بادل کو قطرہ افتابی ہوا کو شوخ خرامی مشتوقوں کے قد کو رفتار، ناز کو سکوت، عشوہ کو سخنواری اسی طرح بہت سے اوصاف گناہ کراخیر میں کھتا ہے،“

چوبادشاہی اقلیم صورت و معنی زیادہ دیدا زا شان ہری مریان دا
یعنی اقلیم صورت اور معنی دونوں کی بادشاہی جنکان سبکے رتبہ پڑھ کر چیزیں ایکسردہ موضع کو دی
اکبری شعر کے دور کے بعد طالب آملی اور حاجی محمد جان قدسی نے قصیدہ کو بہت ترقی دی، طالب آملی کے حالت تیرے حصہ میں ہم لکھ آئے ہیں، قدر کی، مشہد کا رہنے والا تھا، اللہ ہم میں ہندوستان آیا، اور شاہ جہان کے دربار میں پہنچا،
۹۵ اللہ ہم میں ایک قصیدہ کے صلمہ میں شاہ جہان نے حکم دیا، کہ چاندی میں ملوا دیا جائے، چنانچہ پانچ سو رپا پانچ سو روپیے کے برابر ٹھہرا، اور یہ رقم انعام میں ملی

سے اللہ ہیں جب جہاں آ را بگم نے شفایاںی اور قدسی نے مبارک بادپش کی تو خلعت
اور دو ہزار دپے عنایت ہوئے، ایک قصیدہ پر سات دفعہ جواہرات سے منح بھرا
گیا، شے اللہ ہیں وفات پائی،

یہ تمام حالات آزاد نے سرد آزاد ہیں لکھے ہیں، تعجب ہے کہ جہانگیر کے زمانہ
کا ذکر نہیں کیا، حالاتِ قدسی کے متعدد قصیدے بہماں گیر کی وجہ میں موجود ہیں، شاہ جہاں
کے دربار میں ملک اشعری کا خطاب اول قدسی ہی کو ملا تھا،

قدسی کے کلام میں عرفی کا ذور، اور طالبِ آملی کی جدت استخارات نہیں ہے
لیکن متاخرین جیکو مضمون آفرینی کرتے ہیں، قدسی نے اسکے دریا بھائیے ہیں، چند
شعار سرسراً طور پر ہم نقل کرتے ہیں،

عکس آئینہ در آئینہ نگر دیدا	نکند جلوہ گری روی تو در دیدہ ما
سیلے آمد کہ بگرداب فروشد دریا	آستین از مردہ تر کہ جدا کرد، کہ باز
بلبان مست و صبا بخود، دکل بے پزا	در چمن از که مراعاتِ ادب ارجی شم

عالیٰ از پرتو حسنِ توجیحان تنگ فضلات
کہ سپنداز سر آتشِ نتواند برجاست

چوشیع زندہ سر غوش دیدا مہربا	من ان نیم کہ کنم سر کشی ز تبع جفا
قدسی نام اذاع سنن پر قادر تھا، قصاص کشت سے لکھے ہیں، مثوابیان متعدد ہیں	قدسی نام اذاع سنن پر قادر تھا، قصاص کشت سے لکھے ہیں، مثوابیان متعدد ہیں

غزل کا دریاں منحصر ہے، لیکن جس قدر ہے اختاب ہے، مطلع ہے

زود بہ کردم من با سبہ داغ خوش را اول شب می گشند غلس حچاغ خوش را

قدی کے بعد طالبِ اعلیٰ ہلکم، عالی قائلیم وغیرہ نے قصیدہ گوئی کو ترقی دی، ان لوگوں کے دور میں قصیدہ کی ممتازت اور شان و شوکت میں فرق آگیا، اور رنگینی اور جدت استعارات و تشبیهات و مضمون آفرینی کو ترقی بھوئی، جیسا کہ ہم تیرسے حصہ میں تفصیل سے لکھائے ہیں،

تکلف اور عرض پر تھی روز بروز طبھتی جاتی تھی، شاعری بھی تمن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، ایسے اخیر اخیر میں قصائد غزل بنکر رہ گئے، بالآخر نکتہ دانوں کو نظر آیا کہ قصیدہ گوئی ملکہ خود شاعری کس خصیض میں جاہری ہے، سب سے پہلے مشتاق اصفہانی کو اس کا احساس ہوا۔ اسکے ہم بزم بھی اسکے خیالات سے متاثر ہوئے، چنانچہ لطف علی آذ مصنف آتشکدہ اور سید احمد باتفاق دیگر نے قدماء کا تقبیح شروع کیا، اور ایک جدید دور پیدا کر دیا، مجمع انصحاب میں مشتاق اصفہانی کے ذکر ہیں لکھا ہے،

”از طرز شعر متاخر دن دولت صفویہ و امثالہم کے دردیا چار اول این کتاب

مشتاق بتحقیق آن شرح نگاشتہ آمد، لغور گرد دید و در مقام اتفاقاً بطریقہ

متقد میں برآمد و ہم افاقت حاجی لطف علی بیک آور سید احمد باتفاق دیگران

از معاصرین، شیوه انصحاب امر و حج و مجدد و شدہ“

مشتاق نے اللہ ہیں وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہے،

رسے سست کمن کہ شخنہ عشق
ہشیار بجاے مت گیرد
مرغے کہ ترا نہ پست گیرد
دانستہ مراجِ نازک گل

ای میوہ امید فرو دائی خود ز شاخ
یا آن کہ دست کوتہ مار ابلنکن

زہم افسرده، خوشاد وقت قدر بیائے
کشودست، زند دست بکوبد پائے
اس دور نے ترقی کرتے قاتا آنی جیسا قادر ان کلام پیدا کیا جس سر قدم اکار کا دور
دوبارہ واپس آگیا،

قا آنی کا نام مراجِ جبیب ہے، باپ بھی شاعر تھے، او گلشنِ خالص کرتے تھے، یخاندان
قبيلہ رنگنہ سر تھا، قاتا شیراز متن پیدا ہوا، علوم درسیہ کی تحصیل کے بعد شاعری
اختیار کی اور شجاع اسلامنہ کی مداحی کرتا رہا، جب زیادہ شہرت حاصل کی تو شاہی
در بار میں پہنچا،

محمد شاہ اور ناصر الدین قاچار نے اسکی نہایت قدر دانی کی نکالہ بھری میں
وفات پائی،

قا آنی کے تمام قصیدے، قدماء یعنی فرنجی، منوجہری، سنائی، اور خاقانی کے
جو اب میں ہیں، الفاظ کی ہبات، مراد ف الفاظ کا اجتماع، صنعتِ ترسیع اور لفظ
خوشنہ، جو قدماء کے خصائص ہیں ان با توں میں وہ قدماء کا ہمسر ہے، ان با توں کے

سامنہ جو قدرت کلام اور صفاتی اور روانی اسکے کلام میں ہر قدمار میں بھی نہیں فرنخی وغیرہ کے طرحون میں اُنسے جو قصیدے سمجھے ہیں اُنسے اسکے قصائد کا مقابلہ کر دتو یہ فرق نہ

نظر آئیگا۔ اسکے خصوصیات حسب ذیل ہیں،

(۱) تشبیہات اکثر پیچرل بموئی ہیں مثلاً

دوزلفت تابر او جشم اشکبیا میں چوچپڑ کے اندر اور شنا کند ما رہا یعنی اسکی نہیں میری اشکبیا انکھوں میں اس طرح نظر آتی ہیں کہ گویا چشمہ میں ساہ

تیر رہے ہیں۔

ساق بالاذ نداندر شکر آب، کلنگ پہچو طفیل کر بصحیح سیماں گزرد

یعنی تالاب میں کلنگ اس طرح پانچ چڑھاتا ہو گویا بتعقیل غفرت سیماں کے شیشہ والے حوض میں اور ترہ ہی ہیں۔

لے خوشاد وقت کل زغا بیت تیش بخن پہچو سرمازدہ در کام پتکرا افتند

یعنی وہ بھی کیا لطف کا وقت ہوتا ہے کہ معموق کی زبان سے متی کی حالت میں ایک لفظ بار بار ادا ہوتا ہے جس طرح سردی کھایا ہو شخص پوتا ہے،

(۲) واقعہ نگاری میں کوئی شاعر آجٹک اسکے رتبہ کا نہیں ہوا۔ وہ طول طویل اتفاق

لکھتا ہے، ایک ایک جز بیات کو ادا کرتا ہے اور پھر سلاست، صفاتی اور روانی میں

مطلق فرق نہیں آتا، دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں،

(۳) ایک قصیدہ میں ایک ترک بچہ نلام کو خاطب کر کے کہتا ہے ”رمضان آگیا“

میری تسبیح اور جانماز اٹھا لے مجلس میں عیش کے جو سامان ہیں انکو اٹھا لیجاؤ۔ ایسا نہ کو کوئی
مولوی آجائے، ہمان اور وہ پرانا قرآن جو پارسال تو ہمانستے اٹھنے گیا اور
پھر وہ اپنے نہیں لایا، وہ بھی لاء کہ دال الدین کی مغفرت کی دعا مانگوں۔ اس حسینہ میں شریعت
بینی ناجائز ہے کیونکہ اس حسینہ کو خدا اور پیر برک طرف سے سند حاصل ہے زدن کو تو فتنہ
مطلق احرام ہے، لیکن رات کو دو ایک پایے پی نے جائیں تو مصنوعاتِ خمین بیکن
اس سے زیادہ پینا نہ چاہیے تاکہ بیع ہوتے ہوئے خمار اور بو جاتی رہے یا مقدار
زیادہ بینی چاہیے کہ دوسرے دن کی شام تک بستر سے اٹھانے جائے۔ میری سائے تو
یہی ہے، لیکن کیا کیا جائے اتنا مقدمہ وہیں۔ ایسے مجبوراً وہی قرآن وہی تسبیح وہی
وظیفہ، ان خیالات کو اس بے نکلنی سے ادا کیا ہے کہ گویا باتیں کر رہے ہیں۔

ماہ رمضان آمد اسے ترک کرن پر	مرخصی و مر اسمحہ و سعادہ ہیاد مر
داسباب طربا ببر از مجلس پیران	زان پیش کہ ناگا ملکیے سعاد در
دان صحف فرنخو کہ پارینہ مجلس	برٹے ب شب عید دنیا وردی گیر
بان آر و بدہ تاکہ بخواہم دوسرے سورہ	غفران پر خواہم و آمرزش اور
غم خوردان یعنی ماہ روزایت کا یعنی	فرمان خذادا اور دیر لعن پیر
در روز حرام است با جماع لیکن	رمانہ تو ان خورد پ شب کیور سلسلہ غر
بیش ز دوسرہ غارتیان خود کے تاصح	بویش رو دا ز کام خاٹنی دواز
یاخور د بدان گونہ ببا ید کہ زستی	تاشامم د گر برتوان غفار است ذتر

من ندیمِ نیست ملے و چشمِ نیست
 ناچار من مسح عجاده و تسبیح
 اس کے بعد ایک داعظ اصحاب کے مسجد میں آنے کا نقشہ دکھایا ہے،
 لے و عنطلگی آمد در سکھ جامع
 چون برف ہمہ جامہ سپیدا ز پاتسر
 کل ایک داعظ مسجد میں آیا
 برف کیڑھ اسکے کپڑے سر کو پاؤں تک سینچا
 چشمیں پسو چوپ پنکب کبوارت
 دکین بائیں دیکھتا آتا تھا کہ
 تاخود کہ سلامش کند او منعم و مضر
 زان سان کر خرا مدبین مرد رکن باز
 امیر غریب سکو سلام کرتے ہیں یا شین
 جس طرح نٹ رسی پر چلتا ہے
 آہستہ خرامیدی دمو زدن و مو قر
 د محضِ عام آمد و تجدید و حنو کرد
 زان سان کہ بودقا عده در مذہبی
 سکے سامنے آ کرنے سر سے و حنو کیا
 بیٹھ پشتستان شد و صفتِ ختنیں
 جیسا کہ جفری طریقہ ہے
 غرضِ مسجد میں آیا اور پلی صفحیں
 بخشش فرقہ ان خواند و جنبانہ تھی اس
 فارغ نہ شدہ خلقِ مسلم و تشهد
 بھی لوگ سلام سے بھی نہیں فارغ ہوتے
 بس عشوہ پیا در دخان کر دھنیں پر
 ابھی لوگون و لشیں لب مینی
 پھر کا پھر کا کر کہ ناشروع کیا
 و اسرا و گردن اور دار علی اور مہمنٹ ناک کو

جزئیات کے اداکرنے کے ساتھ زبان کا لطف، پے در پے محاورات اور مصطلہات،
بڑستگی اور روانی جادوگری معلوم ہوتی ہے، ایک قصیدہ میں شبِ صل کا حال لکھ کر
کہتا ہے کہ اگر خدا نخواستہ مشوق بادشاہ سے جاکر حالات بیان کرتے تو کیا ہو گا۔ اس
قصیدہ کی ردیف "افتند" ہے، دیکھو اس لفظ کو کس کس پہلو سے استعمال کیا ہے اور
کس طرح واقعہ کی تصویر کھینچی ہے،

کارم از بیم پرسو گند و به نکار افتند	صح اگر حالت شبے صنہ ناید بر شاه
ژندگے مانے جگدا نکار کرنا اور سم کھانا پیگا	صح کو اگر رائے واقعات بادشاہ کو جا کر کے
ما گزیرم کہ مرا کاربہ اقرار افتند	دب بخاک قدم شاہم سو گند و ہر
نا چار مجکو اقرار ہی کرنا پڑے گا	یکن ان گرا بادشاہ کی پاؤ نکلی خاک کی قدم بخاکو
گر نہ اول پکنم خاتم ز نہما ر افتند	بهم بخاک تقدم شد کہ قسم خود نہ خورد
یکن میں سخاک کی قسم کھا کر کتنا ہپنک بادشاہ کو جکو امان دیکھا تو قسم کھانہ کا ورنہ نکار کر جا دنگا اور سل پیگی	یکن میں سخاک از همه حال آن گاہ ہت
می خواہم کہ ہمی پر دہ ز اسرار افتند	بے خط اگر تم شاہ از همه حال آن گاہ ہت
واقف ہی یکن نین چاہتا کہ لوگونکا پر فیض	عیش میں غلط کہا بادشاہ نام و افعالی
این چین رندی قلاشی بسیار افتند	ہم خدا وند و ہم شاہ از همه حال آن گاہ ہت
کی رندی اور قلاشی کو واقعات ہو رہیں	خد ابھی جاتا ہزا اور بادشاہ بھی کرد ذر قسم
لا جرم سایہ او باید استار افتند	چون بربنائے جہاں با خلعت استار
اسیلے خدا کے سایہ کو ہمی پڑہ دار نہ چاہیں	چونکہ خدا لوگوں کی پر دہ داری کرتا ہے

بہار کی تعریف میں لکھتا ہے۔

اہم بستان شود و دو سبستان گزد
اہم بستان شود و دو سبستان گزد

الله در سجن حمین خندل خندان گزد
اب رہوف و من گریان گریان پدید

بکر بریا سمن و بنل بیجان گزد
مشک بر گزدہ اند ہمہ اتفاق نیم

پچھو بقیس ک برصحر سیمان گزد
ساق بالازندہ شمر آب کانگ

قا آنی کے خصوصیات میں یہی ہے کہ قدما کے جو الفاظ سیکڑوں برس سے
متروک ہو گئے تھے اور جن میں اکثر غلط بھی تھے، قا آنی انکو بے تکلف استعمال
کرتا تھا، اسکی وجہ پر تو یہ ہے کہ چونکہ اسنے شاعری کا وائرہ وسیع کیا اور ہر قسم کے
واقعات لکھے، اس لیے خواہ مخواہ الفاظ میں بھی وسعت اختیار کرنی پڑی۔ یا یہ کہ
وہ قدما کی اصلاح تعلیم کرنی چاہتا ہے کہ مطلق فرق نہ محسوس ہو اسکے لیے ضرور تھا
کہ قدما کے تمام الفاظ بھی جا بجا استعمال کیے جائیں،

شعر کے زحافتات بھی جو متروک ہو چکے تھے قا آنی نے انکو استعمال کیا ہے جیکی
وجہ سے قا آنی کا طرز تمام ایران پر پھاگیا، جو بھلے سب اسی رنگ میں کہنے لگے
لیکن یہ دردش ہے کہ قا آنی بی کے رتبہ کی شاعری بتو لطف دیتی ہے ورنہ بالکل
بدعزہ اور خالی الفاظ کا ذہیرہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قا آنی کے بعد پھر ایران میں
کوئی نامور نہیں ہوا،

عجیب بات ہے ایران کے انقلاب کی اگرچہ ہندوستانیوں کو خبر نہ تھی لیکن

خود بخود یہاں بھی انقلاب ہوا، یعنی شاعری کا مذاق جو ناصر علی وغیرہ کی بدولت سیکارن
برس سے بگڑا چلا آتا تھا، درست ہو چلا، مرتضیٰ غالب نے شاعری کا انداز بالکل بلن یا
ابتداء میں وہ بھی بیدل کی پیروی کیو جس سے غلط راست پر چڑھنے تھے، لیکن عرفی
طالب اعلیٰ، نظری، کلیم کی پیروی نے امکو سنبھالا، چنانچہ دیوان فارسی کے نامہ
میں اس داعم کی طرف اشارہ کیا ہے،

مرتضیٰ غالب نے قصیدہ میں متوضیں اور قدماں کی روشن اختیار کی۔ اگرچہ
اکثر قصائد میں متاخرین کی پیشیں بلکہ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن خیر خیر ہیں بہ
کچھ پیچھے کل کی، اور بالکل اس اندہ کا نگ آگیا ہے، مثلاً یہ قصیدہ۔

منم کہ بُرل و دینِ خود اعتماد ہم ہے	بُنیم غفرہ ہم این را ربِ ہمَان را
ترکا کا برطیع سوت و با در فرمان بر	بُرَن ہے باغ سر اپر دہ سیمان را

بسا آرائی کے بعد مجھ کی طرف کس خوبی ہے گریز کی ہے،

تو باغ و راغ بیارائی خواہ بیٹھن من	کہ آدم پتا شاخ دیو گیہاں را
------------------------------------	-----------------------------

مرتضیٰ غالب کی طبیعت میں نہایت شدت سے احتیاد اور رجوت کا مادہ تھا اسلیے
اگرچہ قدما کی پیروی کیو جس سے نہایت احتیاط کرتے ہیں تا ہم اپنا خاص انداز بھی
نہیں چھوڑتے، مثلاً ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں،

خاکِ نیش نو اپنلاد قادہ در جذب بخو	سجدہ از بھر حرم نگزاشت در سیامن
اصل ہفتمنون صرف اس قدر ہے کہ میں حرم کے بجائے مدوح کی خاک پر سجدہ	

کرتا ہوں، اسکو یون ادا کرتے ہیں کہ خاکِ کو کی شکایت کرتے ہیں کہ نہایت مغروڑا

اور خود پسند ہو چنانچہ میری پیشانی میں ایک سجدہ بھی حرم کے لیے نہ چھوڑا،

عاجزِ حمچون درشت دست باشکام پکار میردم اذخوش تاگیر عطارد جامن

یعنی مجھ سے مدد وح کی تعریف ادا نہیں ہو سکتی تو رشک سے کیا فائدہ میں اس کام
سے دست بردار ہو جاتا ہوں کہ عطارد آکر اس کام کو انجام دے،

قصاید سے کیا کام دیا گیا شاعری کی تاریخ میں یہ سب سے زیادہ افسوس ناک واقع ہے

کہ ایرانی شعر نے مرے سے قصیدہ کی حقیقت ذبحی، اور ابتداء ہی سے غلط راستہ پر
ظُرُکر کہیں سے کہیں نکل گئے،

ترقی یافتہ قوموں میں تمام شریانیہ اخلاق کی زندہ رکھنے والی اور ابھارنے
والی چیز: بچپلوں کے جوش انگیز و اتعات ہوتے ہیں، پارسیوں کا تمام لذت پر پھر

ہٹ گیا ان کی اصلی زبان کی دو کتابیں بھی آج نہیں ملتیں۔ ہزار برس سے
بے نامان ہیں، لیکن صرف اس بات نے کوئی نام، بہمن، کاؤس، کیقاڈا،

ہوتے ہیں آج تک ان کو زندہ رکھا ہے،

یورپ میں ہیکلہ دن ہزار دن اشخاص نام و نمود کے سبز پر نمایاں ہوتے
ہیں اور صرف یہ بات اُنکے حوصلوں اور رارا دنکروز بر وزبر صلاتی ۱۹۱۰

تیز کرتی جاتی ہے کہ جو کچھ دہ کرتے ہیں اخبارات اور تصنیفات کے ذریعہ سے
فوراً تمام عالم میں اسکی آذان پھیل جاتی ہے، قوموں کا بنتا، اُ بھرنا، اُ ن کے

جدبات کا تازہ اور مشتعل ہوتے رہنا اس بات پر موقوف ہے کہ ان کے اوصاف کی صحیح داد دیجائے۔ نئے کارنامے نمایاں اور جاگر کیے جائیں۔ ان کا ہر کام تاریخی صفات پرچکتا یا بات۔

قصیدہ درحقیقت ای کام کے انجام دینے کا ایک آر تھا، عرب میں شعر انے جن بوگون کا ذکر قصیدہ میں کر دیا، آج تک ان کا نام زندہ ہے، ایرانی شعر انے اپنے مددو حون کی شان میں، زین آسمان کے قلابے ملا دیے، لیکن ان کا نام ہی کوئی نہیں جانتا۔ شیخ سعدی تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن ابو بکر سعد زنگی کے لیے تاریخی صفات چھانتے کی ضرورت پڑتی ہے، سکندر نامہ بچ پچھہ پڑھتا ہے لیکن جس کے نام پر کتاب لکھی گئی ہے یعنی ابو بکر نصرۃ الدین، اس کے پتہ لگنے کے لیے ہر جتو سے کام لینا پڑا، عمدہ اوصاف اور جدبات کو قوم میں پھیلانا ہو، تو اسکا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے، کہ انکی محسوس اور زندہ مثالیں پیش کی جائیں۔ فرانس کے شجاعانہ جدبات کو صرف ایک نپولین کا نام جس قدر اُبھار سکتا ہے، ہر بڑے اخلاصی لکھر دہ کام نہیں دے سکتے اس بنا پر قصیدہ، جس کا اصلی موضوع میح ہے، بڑے کام کی چیز ہے، لیکن اسکے لیے شرط ہو کہ ۱۔ جسکی میح کی جائے، درحقیقت میح کے قابل ہو، ۲۔ میح میں جو کچھ کہا جائے تب کہا جائے، ۳۔ مدحیۃ اوصاف اس انداز سے بیان کیے جائیں لہ جدبات کو تحریک ہو۔

فارسی قصائد میں یہ شرطیں کہی جمع نہیں ہوئیں۔ اولًا تو اکثر ایسے لوگوں کی
ہیں لکھی گئیں جو سے میخ کے سنتھ نہ تھے، یا سنتھ تو انکی واقعی اوصاف
نہیں لکھے گئے، بلکہ نام قوت، مبالغہ، اور غلوتیں صرف کردی گئی۔ ابکر، خانخانان،
شاہ جہان کے یہ کڑے دن معروک تاریخی یادگاریں جن کے بیان سے مردہ دلوں
میں جنبش پیدا ہو سکتی ہے، عرفی، نظریہ، فیضی وغیرہ نے ان لوگوں کی میخ میں
یہ کڑے دن پر زور قصائد لکھے۔ لیکن ان معروکوں کا کمین نام تک نہ آیا، اس کے
 مقابلہ میں عرب کی شاعری پر نظر ڈالو۔ عرب اولاد تو کسی کی شاعرانہ میخ کرنی عار بھتھتے
تھے۔ اور میخ کرتے تھے تو کبھی صلیہ اور انعام لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ پھر جو کچھ کہتے
تھے پچ کہتے تھے۔ ایک ریس نے ایک عرب شاعر سے کہا کہ میری میخ لکھو، اس نے
کہا "ا فعل حتی اقول" یعنی تم کچھ کر کے دکھاؤ تو میں کہوں۔

عرب کے اکثر شعراء اسی وقت مدحیہ قصائد لکھتے تھے، جب مددوح کوئی معروک سرکار تھا
متعصم بالله نے ایشیا کو چک میں عموریہ فتح کیا تھا، چند روز کے بعد اس پر
عیسایوں کا قبضہ ہو گیا، ایک دن ایک عیسایی نے ایک مسلمان عورت کو پکڑا اس نے
پکڑ کر دھائی دی کہ دامتعصماہ (یعنی ہائے متعصم) پرچہ زیس نے یہ خبر پاٹ تھتھ
میں بھی متعصم نے درباریوں سے پوچھا کہ عموریہ کہ ہر ہے؟ لوگوں نے سمت بتا لی
تھتھ پر کھڑا ہو گیا اور اسی سمت فتح کوئے زور سے پکارا، کہ، لبیک، لبیک، یعنی
"ابھی آتا ہوں" یہ کمکر فوجونکو طیاری کا حکم دیا۔ دربار میں بنجم جیسا ہے تھے، ایک

منجم نے زایچ دیکھ کر کہا، کہ رہائی میں شکست ہوئی، اسیلے نجاتی ہے، متعصمنے نہ زمانہ
اور ایک لاکھ سے زائد فوج لیکر گیا، اور تمور یہ کو فتح کر کے برباد کر دیا، خورست کو تلاش
کرایا، اور جب سامنے آئی تو کہا کہ آج یہ نے مزد سے کھانا لھایا ہے،
پاس تھکت و پس آیا، تو دوبارہ اس ستر ہوا، وہ منجم بھی دربار میں آیا، ابو تمام
نے منجم کی طرز اشارہ کر کے قصیدہ پڑھا،

السيف اصلٰى ابناء اهلي الكتب	تلوا رکنا بونکي نسبت زياده فتح بولتی ہے
فِ حدَّ الْعَدُودِ بَيْنَ الْجَلْدِ وَاللَّعْبِ	اُنکی بڑی، سنجیدگی اور سخا میں کی فدائی
وَ الْعِلْمُ فِي اشْهَادِ الْأَرْضِ مَحْمَدٌ	علم بر جیوں کے شعادوں میں چکتا ہے
بَيْنَ الْخَيْرَيْنِ لِكَافِ الدِّبْعَةِ الشَّرِبِ	سبزہ سیارہ میں،

اس قصیدہ میں معکر جنگ کا پورا سماں پیش ہے،

ہر دن ارشید کے زمانہ میں، ایشیاء کو چک عیسائیوں کے قبضہ میں بھی
لیکن وہ خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے، جب نایس فرس بادشاہ ہوا، تو
اس نے ہر دن ارشید کو خط اکھا کہ، کہ اگلی تھکت نشین عورت تھی، اس نے جو کچھ
لیا کیسا، میں اسکا ذمہ دار نہیں، اور جو حصہ خراج کی توقع نہ رکھنی چاہیے ہارون ارشید
خط سنکر اس قدر بہم ہوا کہ درباری ادھر اور ہر ٹل گئے۔ خط کا جواب میان مختصر
الغاظ میں لکھا، ار سگ رو می! اس خط کا جواب، سننے سے پہلے تو دیکھ لے گا
اسی وقت حملہ کی تیاری کی، اور ایشیاء کو چک سا کا دار اس طلاقتہ فتح کر کے، اپس آیا

ناکیں ذریں نے دوبارہ بغاوت کی، اب کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ہر دن الرشید
کو یہ خبر پہنچائے، بالآخر ایک شاعر کو راضی کیا گیا کہ وہ اس واقعہ کو نظم کر کے سنائے،
شاعر نے دربار میں جا کر قصیدہ ٹھڑھا،

نقضی للذی اعطیہ نقفور فعلیہ «أَنْزَلَ الْبُوَادِتْ دَوْر

ہر دن الرشید نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، آلا، آؤ قد فعل، یعنی آہ، کیا درحقیقت
اُنسے ایسا کیا ہشتد کے جاڑے تھے، لیکن اُسی وقت فوجوں کو طیاری کا حکم
دیا، اور ایک لاکھ سے زائد فوجیں لے کر ہر قلعہ پر حملہ آور ہوا، سپاہیوں کی ڈھالوپز
ہر قلعہ کی تصویر کھینچوائی، اور اپنے تینوں بیٹوں کے نام ان پر لکھوائے، ایک ہمینہ کے
محاصرہ کے بعد ہر قلعہ کو فتح کر کے بر باد کر دیا، بغداد وابس آیا تو شعراء نے قصیدے
پڑھئے، ہر قصیدہ، واقعہ کی پوری تاریخ تھا،

عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاجرت ہے، جس میں شاعر اپنے
کار ناموں کو جوش و خروش سے فخر یہ بیان کرتا ہے اور وہ اس کو زیب دیتا ہے، عرب
کا ایک مشہور بادشاہ عمر بن ہنڈ گزر اس ہے، اس کا اقتدار جب زیادہ ٹھڑھا، تو ایک دن
درباریوں سے کہا، کہ کیا ب عرب میں کوئی ایسا شخص ہی ہے جسکو میسر سامنے
گردن جھکانے سے عار ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں، عمر بن کاشوم رقبیلہ تنبل کا مشہور
شاعر تھا، بادشاہ نے اسکو دعوت دے کر بلا یا، اور لکھا کہ مستورات بھی ساتھ آئیں
عمر بن کاشوم دربار میں آیا، اور عورتیں شاہی حرم میں گئیں، بادشاہ کی والدہ

نے عمر بن کلثوم کی مانست، کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا، کہ بی! ذرا اٹھا دینا،
اس نے کہا، آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی مان نے دوبارہ فرمایش
کی، وہ چیخ کر بچاری، والغلاه والذکار، یعنی "ہم" تغلب کی ذلت "عمر بن کلثوم" نے
باہر سے آواز سنی، بمحکم کی مان کی تحریر کی گئی، اسی وقت بادشاہ کا سر اڑا دیا اور خود بچکنگل
آیا، پھر دنوں قبیلوں میں ٹرے زور کا زن پڑا، اور نہار دن سر کٹ ٹکے،
عمر بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا اور عکاظ کے مشہور میسلمہ میں جوش
و خروش کے ساتھ پڑھا، ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلہ تغلب کا بچہ بچہ اس
قصیدہ کو زبانی یا درکھاتھا، اہل ادب کا بیان ہے کہ دوسو بر س تک اس قصیدہ
نے قبیلہ تغلب میں شجاعت کا جوش قائم رکھا، یہ قصیدہ آب زستے لکھ کر ذریعہ پر
آدیزان کیا گیا، اسی بناء پر اس کو معلقہ کہتے ہیں، اور آج وہ سمعہ معلقہ میں داخل ہے
اس قصیدہ کا ایک ایک شعر جوش و غیرت، حمیت و آزادی اور دلیسری کے
صاعقه کی گرج ہے، بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

ابا هندٰ فلہ تجعل علیيناً وَأَنْظِرْ نَا خبرَكَ الْيَقِينَ

اسے ابوہند حبلہ نہ کر ہم تجھ کو پسے واقعات بتاتے ہیں

باناً نور دال رایات بیضا وَصَدِّرْ هَنَّ حُمَّاً قد رویناً

ہم سوکر بجنگ میں ہمیں جو بندی کی جاتے ہیں اور انکو سرخ کر کے لاتے ہیں

لا لا یجملن احْدُ علیيناً فَخَلَ فَوْقَ جَهَنَّمَ الْجَاهِلِينَ

ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے
و نہ ہم جاہل ہے ہر ہمدرد جہالت کرنگر
اذ ابلغ الفطام رُدنا صبئی
خَنْرَلَهُ اِلْجَمَا بِرْسَاجِدِيْنَا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہو
خور کر دشمن کے فارس، اسکے مقابلہ میں کس پیزیر پفر کر سکتے ہیں، انفاسی، اور
عرقی نے بڑے زد کے خمزے لکھے ہیں۔ لیکن فریکی ساری کائنات یہ ہے کہ
ہم قلمخان کے بادشاہ ہیں، الفاظ اور حروف ہمارے باحکذا رہن، مضاہن، ہائے
سامنے دستابستہ کھڑے رہتے ہیں، اسی سے آگے ٹھہرے تو یہ کہ ہم پری پسیکر ہیں
چنانچہ عرقی کہتا ہے،

سر بر زدہ ام بامہ کنعان زیکو جیب
معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشه ندارم زظریفان
آن زہرہ را مشکر دن پدر نیزم
ن مختلف شاعرانہ مضایں کے لیے تصدیدہ سبے ہے میدان ہے، شنوی کے
لیے مسلسل طول طویل قصہ کی ضرورت ہے، غزل ہیں چھوٹے چھوٹے مغروہ
خیالات ادا کیے جاتے ہیں، باقی برصغیر کے مضایں جو ان دونوں تصوون کے
یقینی نہیں ہیں، وہ صرف تصدیدہ کے ذریعہ سے ادا کیے جا سکتے ہیں، مثلاً کوئی
دوسٹ جبرا ہو رہا ہے، تو کی موڑ منظر نظر سے گذر، کسی نے کوئی ناموری کا کام
کیا، کسی گرد کے تبران یا معاف نہست کی تصویر کھینچنے ہے۔ اس قسم کے تاصہ مضایں
صرف تصدیدہ میں عمدگی سے ادا ہو سکتے ہیں، عرب کے تصاویر اپنی مضایں سے

مادر میں اور زی و رجہ ہے کہ ان کے قصائد جذبات سے ابر زیہیں برخلاف اس کے
ایران میں اس صفت سے کبھی یہ کام نہیں دیا گیا،

قصیدہ کا گوئی صحیح تعلال نہیں کیا گیا، لیکن یہ خیال غلط ہے کہ قصیدہ کوئی نہ
قوم میں خوشایہ اور ذلت پرستی پیدا کر دی، ماڑح اور مددوح دونوں جانتے تھے کہ
درج میں جو شیا لاست اور کیے باتے ہیں، شخص مباندا درلفاظی ہے۔

آرچ یورپ میں یہ عام قاعدة ہے کہ بڑے سے بڑے امعز شخص ہی کسی عسام
آدمی کو خط لکھتا ہے، تو خط کے اخیر میں لکھتا ہے آپکا فرمان بردار خادم، لیکن
پونکہ محلوں ہے کہ محض یہ کم تحریر ہے، اس لیے اس سے قوم میں خوشایہ
اور ذلت پرستی کا وصف نہیں پیدا ہوتا، اسی طرح قصائد میں مددوح کو جو اسان بلکہ
قضاد قدسے بالاتر بتاتے تھے تو ہر شخص سمجھتا تھا، کہ زری شاعری ہے، صلیت
سے اس کو کچھ علاقہ نہیں،

قصاید گوئی بالکل بیکار نہیں گئی اتنا ہم یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ ہزار برس کی متصل داری
اور طباعی بالکل ایسکا گئی، قصیدہ سے گوصلی کام نہیں لیا گیا تاہم شاء می کو
ئنسے بہت کچھ ترقی دی

۱، قصیدہ اور ایک خاص زبان بلکہ یعنی بندش میں حصی اور ذر، الفاظ
متین اور پرشان بخیالات میں بلند تی اور رفتہ بہان تک کہ قصیدہ کے شروع
میں جو غزل میسا شواہ ہوتے ہیں، وہ جی عام غسل کی زبان سے مختلف ہوتے ہیں۔

اس سے یہ فائدہ ہوا، کہ سنجیدہ پر زور اور متین خیالات کے ادا کرنے کا ایک دفعہ ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ آج اگر قومی اور ملکی مصنایں لکھنا چاہیں تو قصائد کی زبان ان خیالات کے ادا کرنے کے لیے پہلے سے طیار ہے،

۴۔ شعر ایج کرتے تھک گئے تھے، اس لیے انہوں نے خیالات کے دعوت کے لیے اور اور راست نکالے، مثلاً تمیڈ میں غزل کے بجائے طرح طرح کے مصنایں داخل کیے، اسدی طوی نے یہ خاص روشن اختیار کی کہ قصائد کی تمیڈ میں مناظرات قائم کیے، یعنی وہ چیزوں کو یہ کہاں کی زبان سے ان کے فضائل بیان کیے، اس طریقے سے مختلف چیزوں کی خوبیوں کے تمام پہلو دکھنے کا موقع للا۔ ایک قصیدہ میں رات دن کا مناظرہ لکھا ہے، اس کے جواب میں انسی نے گل و مل کا مناظرہ لکھا،

میز دندے زہب اپات دم ان خروکرم	دوش در محیں احباب گل دل با هم
ہر طرف قافلمہ بر قاف طرف ہست کرم	مل اپنفت کر آنچا کہ نہم جلوہ فروش
مکوہ از تقویم سچبہ زند پایغم	مورا ز ترمیم بسرہ ر باید از مار
اخترم شعشاعم، مشتری ام، جہر و حم	چون نقابه ز دخ نورانی من باز شو
نام نامی من و نفع مر اکر در قم	چون نناز م که خداوند جهان فرقان
اثم تو اکبر گفت ہست، خدا نفع تو کم	گل سجندرید کرے خیر و هم اندر قرآن
در خمار تو ہمہ در و سر و ثابت غم	گرچہ در نشرہ تو ہست طرب لیکٹ بود

آنکہ دریافتہ بوسے تو نعمود بالله
منقبض گرد دل احوال کنان گئی زم
نم آن پاک چون بپی کنندم گوئی
صلی یارب علی روح رسول الکرم

۳۔ اکثر شعراء پسند و مونظت و حکمت کے مضامین قصاید میں ادا کیے، یہ
قصائد انی مضمومین کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں کسی کی محاذ اور ستائیش نہیں ہے
حکیم نباتی، اوحدی، سعدی، امیر خسرد، خاقانی، اور جامی کے بہت سے قصائد
انی مضمومین پر ہیں، حضرت امیر خسرد کا ایک ٹبر النبا تصدیقہ بحراں بر اربے اسکے
جواب میں جامی، علی شیر، اور اکثر شعراء نے تصدیق لکھے ہیں، ان تمام قصائد میں صرف
معرفت اور سلوک کے مضامین ہیں، امیر خسرد کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل
کرتے ہیں،

گوں شہ خالی د بانگل غلشن در دسرت
پر کہ قانع شد نجاش ک ترشیہ بحرو بہت
یعنی با دشاہ کا نقّارہ خالی آواز ہے، اور اس کا غلشنہ محض در دسرت ہے، جو شخص
نشک و تر پر قانع ہو جائے وہ بحرو بر کا با دشاہ ہے،

مر د بہان در گلیمے با دشاہ عالم است
تیغ خستہ در نیام پا سبان کشور است
اکثر اہل دل جو نہزاد دن لاکھوں دلوں پر حکمران ہوتے ہیں، اور جن کے باطنی اثر
سے عالم میں انقلابات واقع ہوتے ہیں، پھٹے پر ان کپڑوں میں نظر آتے ہیں،
اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ شخص جو کملی میں بچھا ہوا ہے دنیا کا با دشاہ ہے جب تک
تمار نیام میں ہوتی ہے، لیکن ملک کی پا سبان ہوتی ہے،

عاشقی بخ است مژان ابینه راست
 بسلمه بند است شیران بگدن نوست
 عاشقی عشق میں اگر چہ نہایت تکلیف او معماں پیش آتے ہیں، لیکن عزاداں خدا کے
 لیے وہ راحت دارا مہم ہے جب طرح شیر کی گردان میں ہوز نجیر پری ہوتی ہے، وہ اس کا
 ایور ہے،

غزل

پا

عشقیہ شاعری

عشق و محبت انسان کا نیہر ہے، ایسے جہاں انسان ہے، عشق بھی ہے، اور چونکہ
کوئی قوم شاعری سے خالی نہیں میلے کوئی قوم عشقیہ شاعری سے بھی خالی نہیں ہوتی،
لیکن ایران اس خصوصیت میں اور تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے، یہاں مدت دراز کے
تمدن نے انسانی جذبات کو نہایت لطیف اور زاد دشتعال بنادیا تھا، ایسے ذرا سی تک
یہ شعلہ بھڑک اٹھتا تھا اور دل و دماغ کو آتش فشان بنادیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایران میں
بقدر عشقیہ شاعری کو ترقی ہوئی، اور اصنافِ سخن کو نہیں ہوئی،

یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ ایران میں شاعری کی ابتداء قصیدہ سر ہوئی اور مابتداء
میں غزل جوش طبع سے نہیں بلکہ اقسام شاعری کے پورا کرنے کی غرض سے وجود
میں آئی، قصیدہ کی ابتداء میں عشقیہ اشعار کرنے کا دستور تھا، اس حصہ کو الگ کر لیا
تو غزل ملکی گویا قصیدہ کے درخت سے ایک قلم لیکر الگ لگا لیا،
فارسی شاعری کا آدم رو و کی خیال کیا جاتا ہے، اسکے زمانہ میں غزل کی صفت
مستقلًا وجود میں آچکی تھی، عنصری کہتا ہے،
غزل رو و کی دار نیکو بود غزہماں من رو و کی وزیر

غزل روڈ کی کے انداز کی تھی ہوتی تھی ، میری غزلیں ۔ روڈ کی کی طرز کی نسین ہیں
انسوں ہے روڈ کی کی غزلیں کم ملتی ہیں ۔ دیوان ہیں اور تذکرہ دن میں جو منہ
میں جو دے ہے ، یہ ہے ۔

دشوار نہیں بخ دستور دہی پس آسان برہائی دل آسان برہائی
یعنی تو مشکل سے چہرہ دکھاتا ہے اور مشکل سے بوسہ دیتا ہے ایکن دل اور جان نہایت
آسانی سے اڑائے جاتا ہے ،

بزرگ روڈ تو آب جاؤ باب کشادہ غنیہ تو باب محبت غنیہ
تیری آنکھوں پر بابل کر جادو کی بروکھودی میرے دہن سے سوچوں اور غیسوی کا دروازہ کھولدا
روڈ کی نے ٹسٹاہ میں وفات پائی اسلیے اسکے کلام کو تیسری صدی کی یادگار
سمجننا چاہتی ہے ، چونچی صدی کا سب سے بڑا شاعر و محقق تھا ۔ اسکی ایک بھاری غزل ہے ۔
سو برس بعد کی ترقی کا نمونہ ہے ۔

درانگندار صنم ۔ ابر بخشی نہیں راخلفت اور دی بخشی

بخشی بادلوں نے زمین کو بھار کا خلعت پنا دیا
بھان طاؤس گونڈ گشت گو ۔ بجے نرمی وجاء درشتی
دنیا طاؤس بگنئی ، کہیں نہ اکت ہے اور کہیں نہیں ۔

زگل بوس گلاب آید بد نیسان ۔ کہ پندرہ میں گل اندر گل سرستی
مشی کر گلاب کی بوصح آتی ہے گویا مشی کو جھوٹیں بسایا ہو

وقیقی چار خصلات برگزیده است
 بگتی از همه خوبی وزشتی
 رنیتی نہ دنیا کی تمام برجی بھلی چیز نہیں سے چار چیز ان چن لی ہیں
 سب یا قوت زنگ و نار چنگ می خون زنگ کیش زرد ہستی
 یا قوت جیسے ہوئمچ اپنگ کی آواز، شراب گلگلوں اور زرد شست کاندہب
 غزل گو قصیدہ میں الگ چیز ہے لیکن غور سے دیکھو تو اس زمانہ کی غزل کا اسی
 عنصر قصیدہ ہے، قصیدہ تین مددوح کی تعریف ہوتی تھی، غزل میں معشوق کی، قصیدہ
 میں مددوح کی جود و خنا، جبروت و اقتدار، عدل و انصاف، کی تعریف کرتے تھے،
 غزل میں محبوب کے حسن و جمال، ناز و ادا، جور و جفا کا بیان ہوتا تھا۔ غزل نرایک
 مدت تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کی جسکے مختلف اسباب تھے،
 ایک مدت تک شاعری کا کمال قصیدہ گوئی سمجھا جاتا تھا، قصیدہ ہی میں ہر
 قسم کی قدر دانی اور ترجیح و امتیاز کا موقع مل سکتا تھا، دربار میں قصیدہ گوین پر زرد
 گوہر کی بارش ہوتی تھی، جشن وغیرہ میں وضوم و دھام کے قصار ملکنے پڑتے تھے اور
 مسابقات کے جوش میں زور طبع دکھانا پڑتا تھا،
 غزل کی تحریکیں عشق و محبت کے جذبات سے ہوتی ہے، لیکن ایران میں مدت
 تک جنگی جذبات کا زور رہا، غزل کی ترقی کی تاریخ تصور سے شروع ہوتی ہے اور اپنی
 کا تعلق تما متر و رداد اور جذبات سے ہے، اور اسکی تعلیم کی پہلی ابجع عشق و محبت ہے
 تصور کی ابتداء اگرچہ تمیزی صدی کے آغاز میں ہوئی، لیکن پانچویں صدی کے

اوچ شباب کا زمانہ ہے، اور یہ زمانہ غزل کی ترقی کا پہلا نور و نور ہے۔

سب سے پہلے حکیم سنائی نے غزل کو ترقی دی، ان کے بعد واحد می هر ااغی نے جنخون نے ۱۷۵۰ء میں وفات پائی، غزل کو جذبات سے بر زیر کر دیا۔ اسکے ساتھ زبان کی نزاکت صفائی، روانی اور سلاست بھی پیدا کی۔ اشعار ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے،

بُوے آن دو دکلام سامن ہسا یہ سدہ رَّتْشِي بُو دکم درخانہ من پار گرفت
یعنی جس دھوئین کی بو آج ہسا یہ کے دماغ میں آئی، یہ وہ آگ ہے جو پار سال میرے
گھر میں لگی تھی،

از بسلک پر شدم ز صفاتِ کمال تو نزدیک شد کہ پر شود اذ من جہاں نہ
پونکہ میں تیرے صفاتِ کمال سے بر زیر ہو گیا ہوں ایسے قریب ہے کہ کافی نیا بچھ مک بر زیر ہو
ہم واحدی کی ایک پوری غزل دیج کرتے ہیں جس سر انکی غزل گولی کا پورا اندازہ
ہو سکے گا۔

بیدا سے حالِ رزم نہ مل جان کرتے خرم کے کہ فاش کندہ ہر ہاں ہوتے
ندا دمی کا حال جو ہے ظاہر ہے — مبارک ہو وہ شخص جو ہر بونشید لدن کو ظاہر کرتا ہے

ملہ بت بڑے صوفی اور عالم تھے، مدتوں سیاحت کی تھی، پھر اصفہان کو وطن بنایا تھا، ارغون
کے زمانہ میں تھے، اور حلال دین کرمانی سے بیعت کی تھی، ان کی شنوی جام جم مشہور ہے، میں نے

کچھ سمجھا۔

اے مقتب تو دلی نی شمع وہ باس آن آئین عشق را گلدا آن چنان کرست
 اے مقتب پر شریعت اور اسکے چھوٹ کو، تم جانو، لیکن عشق کے کارو بار کو دیسا ہی رہنگر دو ایں ہاتھ لگاؤ
 مومن زوین برآمد و صوفی را اعتقاد تر سامحمدی شد و عاشق ہاں کرست
 مسلمان نے دین چھوڑ دیا، صوفی اعتقاد سے باز آیا، عیسائی مسلمان ہو گئی، لیکن عاشق جو تھا وہی تھا
 خلق نشان دوست طلب میکنند و باز از دوست غافل ندی چند دین نشان کرست
 بہت سے لوگ محبوب کا پتہ پوچھتے ہیں، لیکن سیکنڈ دن پتہ کے ہوتے، محبوب خافل ہیں
 گر نام اوحدی سگ تسلیت در شر مہا اور اب ہر قبٹ تو دلی نہ ہو ان کرہست
 اگر آہدی تیکے دروازہ کا کتنا ہر تو اسکو گھر سے نکال تو جس قبٹے چاہے اسکو چکارو وہ وہی ہو جو تو کوئے
 اوحدی کے بعد خواجہ فرید الدین عطار، مولانا روم، عراقی وغیرہ نے غزل
 کو نہایت ترقی دی۔ لیکن یہ لوگ چونکہ عشق حقیقی کے جاندا وہ تھے، اسیلے ان کے کلام
 میں حقیقت کا پہلو غالب رہتا تھا، اس بنابر ان کی غریبیں، عامم نہ ہوئیں، انی ماذ
 میں تاتار کی باد صحر نے اسن دنماں کا شیرازہ ا بتکر دیا، اور تمام سلطنتیں و حکومتیں
 بر باد ہو گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ کا زور دفعہ گھٹ گیا، اور شاعری کو بہاؤ نے
 دوسری طرف رخ کیا، چونکہ شجاعانہ خذبات کو زوال آچکا تھا اسیلے صرف درد اور
 سوز کے جذبات رہ گئے، اور اس کا ذریعہ انہما ر غزل کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا،
 اسی زمانہ میں شیخ سعدی بیدا ہوئے، وہ ایک مدت تک عشق و عاشقی ہیں بہر
 کر چکے تھے، اخیراً خیر تصوف کے حلقة میں آئے، وہ فطرۃ شاعر تھے، زبان خدا داد تھی

ان بتوں نے مکار کی غزل ہیں اُثر پیدا کر دیا کہ تاہم ایران میں آگ لگئی۔
ان سے بعد حسر و ادرسن نے اس شراب کو اور تیز کر دیا۔

اس دو سکے بعد شہزادِ حیثیت سے سلماں اور خواجہ غزل کو تباہی دی۔

یہاں تک کہ خواجہ حافظہ کرنے میں،

استاد غزلِ عمدی سے پیش ہبھکس اما دارِ سخن حافظہ طرزِ روشن خواجوں
لیکن سلماں اور خواجہ دنوں اسوسوں سے محروم تھے اسیے ان پہلوان میں زنگ تھا۔
بُونہ تھی سلماں اور خواجہ جو زندہ ہی تھے کہ خواجہ حافظہ نے غزل کوئی شروع کی۔ اور
اس جوش سے یغمه چھپیا کہ زمین سے آسمان تک گونج آٹھا۔

خواجہ حافظہ کی شاعری پیں تفصیلی ریویو اکھو جکا ہوں۔ لیکن بہت سے بحث
ہ گئے۔ اور گویہ فرض اب بھی پورا ادا نہیں ہو سکتا تاہم اس دھپس انسان کے باہر
کرنے میں فرہاد آتا ہے،

ا۔ سب سے ٹری چیز جو خواجہ حافظہ کے کلام میں سنے ہیں۔ بیان۔ خوبی اور
شستگی اور رطافت ہے۔ لیکن یہ ذوقی چیز ہے جو کسی قاعدہ اور قانون کی پابند
نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے تمام اصول۔ اسکے احاطے سے غاہجہ ہیں۔ ایک اسی
مفہموں سے۔ سیروٹھ سے لوگ کہتے ہیں۔ وہ بات نہیں پیدا ہوتی۔ ایک شخص اسی
خیال کو معلوم نہیں کہ انفظون ہیں اور کر دیتا ہے کہ جاؤ دین جاتا ہے یہ بات فارسی
زبان میں خواجہ حافظہ کی برابر کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسکے ممات۔ بخاہیں

ہیں۔ تفاسیت بگو شہنشہ نہیں۔ دنیا سے احتساب۔ واعظوں کی پرودہ درست، مرندی اور
مکتبی مصنایں پانسو بر سست پامال ہوتے آتے ہیں۔ لیکن آج یہاں۔ خواجہ
حافظ کا جواب نہ ہو سکا۔

۲۔ غزل کی ایک خاص زبان ہے، جس ہیں نزاکت، لطافت، اور لوچ ہوتا ہے۔
اس قسم کی زبان کے لیے خیالات بھی خاص ہوتے ہیں۔ علمی یا فلسفیہ مصنایں اگر
ادا کیے جائیں تو وہ رنگیں اور لطافت قلم نیں رہ سکتی۔ مثلاً شیخ سعدی ایک
غزل کا مطلع کرتے ہیں۔

اگر خدا نے باشد زندہ خوشنود شفاعتِ ہمہ پیغمبر ان نما دسو
علاقیہ نظر آتا ہے کہ یہ مطلع غزل سے جو اُنہیں کہاتا۔ خواجہ حافظ کا یہ خاص عبادت ہے
کہ وہ ہر قسم کے علمی۔ اخلاقی۔ فلسفیہ مصنایں ادا کرتے ہیں۔ لیکن غزل کی بحافتوں میں
فرق نہیں آتے پاتا۔ ستر ہم کے فلسفیہ اور دقین خیالات ان کی غزل ہیں اور ہر کوئی
اور لطیف بن جاتے ہیں،

در دلِ ماغم دنیا غمِ مشوق شود بادہ گر خام بود۔ پختہ کند شیشہ ما
خواجہ صاحب تک پہنچے غزل۔ عشقیہ مصنایں کے لیے مخصوص تھی اس کے سوا
اور کوئی خیال غزال ہیں ادا نہیں کیا جا سکتا تھا، حالانکہ غزل کا ہر شعر جو کنم علیٰ وہر تھے
اس لئے وہی ایک ایسی صفت ہے جس میں ہر طرح کے مفرد اور بسط خیالات اور کیے
جا سکتے ہیں، خواجہ صاحب نے ایک طرف تو غزال کو یہ دست دی کہ اخلاق، فضائل

تصوف، پند و موعظت، سیاست، ہر قسم کے مضامین ادا کیے، دسری طرف یہ خصوصیت
ہات سے بجانے پائی کہ غزل کی جو زبان ہے اور جس قسم کی لطافت، شیرینی اور رنگینی
اس کے لیے در کار ہے، سب باتیں قائم رہیں، ذیل کی مثالوں سے اس کا
اندازہ ہو گا،

(۱) آسمان بار امانت نتو انت کشید قرعہ فال بنام من دیو اند زدند
قرآن ہیں مذکور ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو آسمان اور زمین پر پیش کیا،
بے بنی انکار کیا، اور ڈر گئے، لیکن آدمی نے اس بار کو عالیاً، مقصد یہ ہے کہ زمین و
آسمان تکلیفات شرعیہ کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، یہ قابلیت صرف انسان کو عطا
کی گئی کہ جائز، ناجائز، حلال، حرام، نیک و بد کی تیزی رکھتا ہے، اور اسی بناء پر اس کے
لیے شریعت کے احکام آتے ہیں، حضرات صوفیہ کے نزدیک امانت سے مراد عشق
حقیقی ہے کہ انسان کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں، بہر حال یہ شعبد و نون معنوں
کے لحاظ سے صحیح ہے، اس مضمون کو خواجہ صاحب نے ایک در شعر میں ادا
کیا ہے،

بای غم عشق تو بکرس که نودم عاجز شد داین قرعہ بنام من زمر قاد
(۲) حضرات صوفیہ کے نزدیک، ادراک کا اصلی ذریعہ، حواس خمسہ اور اشیاء
خارجی نہیں ہیں، بلکہ خود دل ہیں ایسی استعداد اور قابلیت ہے کہ اگر اس کا تازکیہ گیا
جاسے، تو تمام اشیاء، اس میں جلوہ افگن ہوتی ہیں، اس علم کو عسلیم باطن کہتے ہیں،

اور یہ کتابوں سے نہیں بلکہ تزکیہ قلب سے حاصل ہوتا ہے، اور کامیں یعنی اپنیا کو ریاست
اور تزکیہ کی بھی حاجت نہیں، بلکہ فطرہ حاصل ہوتا ہے، خواجہ صاحبؒ اس مسلم کو تعدد
اشعار میں ادا کیا ہے،

سالہادل طلب جامِ جم ازمی کرد
انچخود داشت ز بیگانہ تمنامی کرد
دل مجھ سے برسون جامِ جم مانگا کیا، جو چیز اس کے پاس تھی، بیگانہ سے مانگنا تھا
دیدش خرم و خندان قرح بادہ بست
واندران آئینہ صد گونہ تماشامی کرد
گفت آن روز کہاں بین چوکے داکیم
یعنی میں نے عارف کو دیکھا کہ نہیں رہا تھا، اسکے ہات میں جامِ شراب تھا اور وہ
اُس میں طرح طرح کے جلوے دیکھ رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ جامِ جہاں ہے
حکیم نے تکلوکس دن عنایت کیا، بولا کہ جس دن وہ یہ لا جوہی گنبد (آسمان)
بان رہا تھا،

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں
ساقی بیار بادہ و با مدعی بجو
انکار ممکن کہ چنین جامِ جم نہ دست
اس علم لدنی کی طرف خواجہ صاحبؒ ایک و شریں اشارہ فرماتے ہیں،
سر خدا کہ روفہ سالک بکن گفت
در حیر تم کہ بادہ فر دشل ز جا شنید
علماء سے ظاہر کی تصنیفات میں شریعت کے جو اسرار کہیں کہیں نظر آجائے ہیں
یہ حقیقت انہی عارفین کے افادات ہیں جو انگلی زبان سے کبھی کبھی نکل جاتے ہیں،

اسی بنابر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

ساتی بیا کہ عشق نہ می کند۔ بلند
کانکس کر گفت تعلہ باہم زمانشید۔

(۳) یہ اصر کہ علم ارباب باطن کے ساتھ مخصوص ہے خواجہ صاحب اس کو اس طریقہ
سے ادا کرتے ہیں،

شرح مبوع عذگل میغ سخرد اند دلیں کہ نہ ہر کو وسقے خواند معانی دست
چھول کے نکات صرف بیبل جان لکتی ہے، یہ نہیں ہے کہ جس نے ایک دعو ورق پڑھ لیا
وہ معانی سے واقعہ پور گیا،

(۴) اکثر حضرات صوفیہ جو وحدت وجود کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اسکی وجہ زیادہ
تر یہ ہوتی ہے کہ نو حقیقی کا پرتو تمام اشیاء پر ہے، اس لیے ایک صاحب دل جو عشق
و محبت سے لبریز ہے، جہاں یہ پرتو دیکھتا ہے۔ فریفۃ ہو جاتا ہے اور اس کو اصل د
فرع کی تین نہیں رہتی، خواجہ صاحب اس بات کو اس طرح ادا کرتے ہیں،
عکس روپ تو چود رائی نہ جامُ اقتاً عارف از پر نہیں در طبع خام اقتاد
غرض اس قسم کے سیکڑوں معارف اور حقایق اس اندازے ادا کیے ہیں کہ غزلیت
کے اسلوب میں فرق نہیں آنے پایا۔

معارف اور حقایق پر سو قوت نہیں، ہر قسم کے قومی ملکی، تمدنی، معاشرتی سائل خواجہ
صاحب نے ادا کیے اور غزل کی بطافت اور نازک ادائی میں فرق نہ آیا، مثالوں سے
اسکی تصدیق ہو گی،

ا۔ لوگوں میں خصوصیت اور جنگ و جدل کا بڑا سبب مذہبی منافرست ہے، دنیا
میں لاکھوں کروڑوں جانیں اسکی بدولت بر باد ہوئی ہیں، خود ایک ہی مذہب کے
لوگوں میں ذرا ذرا سے اختلافات پر نہایت ناگوار نزاعین قائم ہو جاتی ہیں اور
ایک دوسرے کو کافرا و مرتد کرتا ہے اور اس کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، ابل
دل ان نزعاعوں کو ناپسند کرتے ہیں، اور جس قدر حقیقت پرستی اور عرفان شناسی کا اثر
زیادہ بڑھتا ہے، اسی قدر یہ خیالات متعدد جاتے ہیں، اور نظر آتا ہے کہ سب اسی ذات کی
کے طالب ہیں، سب کو اسی کی تلاش ہے، سب اسی کے عشق میں پور ہیں، اس
نکتہ کو خواجہ صاحب نے متعدد پیرا یون میں ادا کیا ہے،

ہمکس طالب یا رانجھر ہشیار و محبت ہمہ جا خاہ عشق است پسجد کنپشت
سب یار کے طالبین خواہ مستحب، خواہ ہشیار، ہر جگہ عشق کا گھر، ہر سمجھ ہویا بست خانہ،
در عشق، خانقاہ و خربابات شرطیت ہر جا کہ ہست پر تور وی جہیب سست
عشق میں خانقاہ اور شراب خانہ کی قید نہیں، ہر جگہ معشوق ہی کے چڑ، کا پر تو ہے،
عرفی نے اس مضمون کو تشبیہ کے ذریعہ سے بالکل بدیحی کر دیا ہے،
عارف ہم از سلام من راست و ہم از کفر پروانہ، چڑائی حرم و دیرند داند
(۲) حکما میں ایک فرقہ ہے جسکو لا اور یہ کہتے ہیں، ان کا ذہب ہے کہ کسی نے
کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی، یہ فلسفہ، خشک، بے مزہ اور ہر قسم کے جذبات اور
جو شکار مٹا دینے والا فلسفہ ہے، لیکن خواجہ صاحب نے اپنی زنگیں بیانی سے اسکو

بھی ایک دلکش اور متی آمیز مضمون بنادیا ہے،
حیرت از مطرقب میگوی دراز و ہر کتو جوی
کہ کس نکشود نکشا یہ چکستا یعنی عمارا

آن کہ نقش زد این دا کرہ مینا تی	نیست علوم کو در پردہ اس لرجھ کرو
جس نے یہ لا جودی دا کرہ بنایا۔ کچھ نہیں معلوم کہ اس نے پردہ کے اندر کیا کھا	
کس نداشت کہ نز لگائے مقصود کجا است	این قدر ہست کہ بانگھ سرمی آید
یکوئی نہیں جانتا کہ منزل مقصود کہاں ہے، اتنی بات البتہ ہے کہ جس کی کچھ آوازی ہر	
یعنی آنا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہے۔ لیکن یہ علوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے؟	
بر طای زا ہن خود بین کہ جنپم من تو	راز این پردہ نہال سنت نہان خود برو

مردم در انتظار درین پردہ را نیست	یا ہست پردہ دار نشامنی دہ
یعنی انتظار میں مر گیا، پردہ کے اندر کیں راستہ نہیں یا ہے لیکن پردہ دار جگوبتا تا نہیں	
دوسرا کثر گوگ کس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب کامیاب نہیں ہوتے تو مجھے	
یعنی کہ مقصد ہی نا ملکن الحصول تھا، حالانکہ ان میں خود استقلال جوش اور طلب صادق	
نہ تھی ورنہ سچا طالب محروم نہیں رہ سکتا، خواجہ صاحب اس نکتہ کو اس طرح ادا کرتے ہیں	
طالب بعل و گہر نیست و گرنے نور شید	بچنان در عملِ معدن کا نہ کانست کل بود
مشهور ہے کہ آنے والے کی روشنی متصل کمی سو بر سی تک جب کسی پھر کے ملکے	

پر پڑتی ہے تو وہ تعلیم بجا تا ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ عسل اور جواہرات کے طالب موجود نہیں، ورنہ آفتاب تو اب یعنی اسی طرح جواہرات کے بنانے میں مصروف ہے،

(۴) عام خیال یہ ہے کہ قدم اجوکھ کر گئے، اب نہیں ہو سکتا۔ اس یہے کہ اب وہ قابلیت نہیں رہی، لیکن یہ غلط خیال ہے، خواجہ صاحب اسکو اس طرح ادا کرتے ہیں،

فیضِ روح القدس ربانی د فرماید دیگران ہم بلطفِ انجمن سیما می کرد

(۵) اکثر لوگوں میں کام کرنے کی نہایت قابلیت ہوتی ہے، لیکن اس سے کام نہیں سیلتے یا اس تردد میں رہ جاتے ہیں کہ کونسا کام کریں، خواجہ صاحب ایسے لوگوں کو کام کرنے پر اس طرح ابھارتے ہیں۔

این خون کہ بیج می زندان مر جگڑا در کار رنگ و بوسے بگاری کی کنی

یعنی یخون جو تھاری رگوں میں جوش اور رہا ہے اسکو کسی مطلوب پر صرف نہیں کہتے

تقلید کی برائی میں نظمی کا شہو شعر ہے، لکاغنے مگب کبکب درگوش کرو

ایسے خشک مخبوں کو خواجہ صاحب اس رنگ میں ادا کرتے ہیں،

گشت بیمار کہ چون جنم تو گردد رنگ شیوہ آن نشدش حامل بیمار باند

شعر آنکھوں کو بیمار باندستے ہیں، شعر کا مطلب یہ ہے کہ نرگس اس غرض سے

بیمار بی کہ معشوق کی آنکھ سے مشابہ ہو جائے، وہ بات تو نہ پیدا ہوئی اور بھی پاری

بیمار کی بیمار رہ گئی،

یہضمون کہ ”ہر چیز اپنے موقع پر مناسب ہوتی ہے“ اسکو اس طرح ادا کرتے ہیں،

با خرابات نشینان زکرات ملاف ہر جن جائے وہ برکتہ مکانے وارد

یعنی جو لوگ شریب خانہ میں رہتے ہیں اس کے سامنے کرامات کی شیخی نہیں بھارنی

چاہتے ہیں، ہربات کا لگ بوقوع ہوتا ہے اور وہ وہیں مناسب ہوتی ہے،

ندہب کے اختلافات اور روزاعین اس پر بنی ہیں، کہ کسی کو اصل حقیقت کی خبر

نہیں اس نکتہ کو یوں ادا کرتے ہیں،

جنگ ہفتاد و دو سلطنت ہمدرد خدا نہ چون ندیدند حقیقت رہ افغان زند

فعح خلائق کی کوشش میں ناجائز باتیں بھی جائز ہو جاتی ہیں،

از ان گناہ کہ نفع رسد بغیر چہ باک؟

و خل و معقولات نہیں چاہیے،

ز قاضی حمادہ مدرسہ نہ مفتیہ نہ فقیہہ مراجیہ کا کہ منع شرب خوارہ کنم

ان تمام مضا میں کو خواجہ صاحب نے غزل کے زگ میں ادا کیا ہے اور لیکر

اسی تسمیہ کی تشبیہین اور تکمیل اس تعامل کی ہیں رفتہ رفتہ یہ بات پیدا کی کہ تشبیہ،

استعارہ کی بھی ضرورت نہیں، خنک مضا میں کو اسی طرح سیدھے سادھے انداز میں

ادا کرتے ہیں اور غزل کی غایبیت قائم رہتی ہے، مثلاً یہ بات کہ ندہب میں جو بھی

فرستے بن کئے ہیں اور ان میں جو لڑائیاں بدلتی ہیں اس بنا پر میں کہ اصل حقیقت سے

غافل ہیں، اسکو بینیر کسی قسم کی نگینی کے ادا کرتے ہیں۔

جنگ ہفتاد دو ملت ہمدرد راغدر بند
چون نمیدند حقیقت را فناز ز دند
یا مشلاً یہضمون کر بڑوں کے تبر کی اس وقت ہوں کرنی چاہیے جب اس درجے کا
فضل و مکال حاصل کر لیا جائے،

ٹکیہ برجے بزرگان تو ان زد بگزاف
گلا سباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی
یا مشلاً یہضمون کہ اصل و نقل برا بنسین ہو سکتے،

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند
اس طریقہ سے خواجہ صاحب نے غزل کو مجموعہ شاعری بنادیا، یعنی جس قسم کا خیال
چاہیں غزل میں ادا کر سکتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عرفی، نظری، صاحب، کلیم نے
غزل ہی میں تمرنی، اخلاقی، معاشرتی، موعظت، پسند، ہر قسم کے مضامین ادا کیے اور
غزلیت کی شان میں فرق نہ ہیا،

دہم) شاعری کا اصلی معیارِ مکمال یہ ہر کہ جو مضامین ادا کیے جائیں اس طرح ادا
کیے جائیں کہ اس مضمون کا اس سے زیادہ موثر اور بلیغ کوئی طریقہ ادا پیدا نہ ہو سکے،
خواجہ صاحب نے جو مضامین ادا کیے ہیں سوسود فخر بندھ پکے، لیکن جو مضمون جسط
انھوں نے ادا کر دیا پس از آج تک اضافہ نہ ہو سکا، مثلاً

ا۔ عشقوق کو کسی بہانہ اور حیلہ سے بُلانا نُشرا کا عام مضمون ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے،
مشب بیاتا ناد حین سازیم پر بیانہ را
تو شمع و گل ردا غ کن من بُل ف پزاد را

اس شرمن بلانے کی تقریب انہار کمال قرار دی ہے، شاعر معموق سے کہا ہے کہ تم آؤ
تو ایک معزک قائم کیا جائے، ایک طرف تم اور شمع دگل، اور ایک طرف میں اور پروانہ
و بلبل اور چونکہ نتیجہ کا حال قطعاً معلوم ہے اس لیے کہتا ہے کہ تم شمع اور دگل کو رشک
سے جلانا، اور میں پروانہ اور بلبل کو،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

پروانہ و شمع و دگل و بلبل، ہمہ جمع انہ لے دوست بیار حجم بہتنا ہی مان
کہتے ہیں کہ اور رب لوگ اپنے اپنے مطلوب کے ساتھ ہم بزم اور ششین میں، اسے دوست
آ، اور میری تھنائی پر رحم کر،

اس میں اولاً تو بلانے کی تقریب بارجم قرار دی ہے جو فطرہ شخص میں ودیعت
کیا گیا ہے۔ سکے ساتھ ناکامیابی کا اس طحی انہار کرنا کہ معموق درکنار کوئی شخص بھی پاس
نہیں، پھر یہ بلاغت کہ بظاہر معموق کو معموق کی حیثیت سے نہیں بلاتے کہ اسکو شرم
و حماڑ کی بنابر کوئی مکلف ہو، بلکہ صرف اس غرض سے بلاتے ہیں کہ آکر ہماری تھنائی
دیکھ جائے، پھر اس میں یہ پلوٹ بھی ہے کہ جب اور معموقوں کو دیکھے گا کہ اپنے عاشقون
کے ساتھ ہم سمجھتے ہیں تو اسکو بھی ترغیب ہو گی،

ذنام معموق کے لطف کو تمام شعر نے باز ہا ہے، غزالی کہتے ہیں،

ذنام دہی و بر لب تو روح القدس آفرین نویسید

تو گالی دیتا ہے اور تیرے ہونٹوں پر جبریل "آفرین" لکھتے جاتے ہیں،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

قد آئینہ باگل ن علاج دل ماست

بوسہ چند بیامیزہ دشنا مے چند

مشوق سے کہتی ہیں کہ پھول میں جو قند ملائیتے ہیں (یعنی گل قند) یہ میرے دل کا علاج نہیں
علاج کرنے سے تو گالیوں میں چند بوسے ملاؤ،

اس طرز ادا کی بلاغتوں پر لحاظ کرو، اول تو کلام کا ایک ٹرا حصہ غیر مذکور ہے (یعنی عاشق

بخار سے مشوق کو معلوم ہوا کہ عاشق بیاری ہے اور دل کی بیاری ہے اس بنا پر وہ گل قند

بایا ہے اور عاشق کو دیتا ہے۔ یہ سب جملے غیر مذکور ہیں، لیکن خود بخوبی میں آتے ہیں، پھر

گل قند کو گل قند نہیں کہا، بلکہ اسکی ترکیب بیان کی ہے، ان کو ”آئینہ“ کے لفظ سے بیان کیا،

اس کو اس قوت تخلیک کا انہصار ہوتا ہے جو ہر جزیرہ کو جسم کر کے دکھا دیتی ہے۔ اس کے

ملاواہ چونکہ مشوق سے گل قند کی فرمائش ہے اس لیے وہی لفظ استعمال کیا ہے، جو

گل قند کے لیے کیا جاتا ہے، بوسہ اور دشنا م دنوں کی ایک ہی مقدار بیان کی ہے

(یعنی ”چند“)، جس سے یہ غرض ہے کہ اس گل قند کی ترکیب میں یہ ضرور ہے کہ دو نوں

اجزا بہم وزن ہوں (یعنی عینی گالیاں ہوں، اتنے ہی بوسے بھی ہوں)،

مشوق کو جس طرح اپنے حسن و جمال پر نماز ہوتا ہے، عاشق کو بھی اپنی وفا داری اور

کمال عشق کا غرور ہوتا ہے، اس مضمون کو اکثر شعر نے باندھ لیتے ہیں، خواجہ صاحب

فرماتے ہیں،

شے مجنون لیلی کفت کام عشق بہتا

تراعاشن شود پیدا وے مجنون خواہد

یعنی ایک دن مجنون نے لیلی سے کہا کہ اسے بے مثل عشق، مجنون سے انکار نہیں کر سکتے اور بھی عاشق ہیں اور آئینہ بھی ہوں گے، لیکن مجنون نہیں پیدا ہو سکتا پھر سرتاپا باغت ہے، چونکہ اس قسم کا خیال ایک طرح پر عشق کی تو ہیں ہے اس لیے آغاز کلام درج ہے کیا ہے یعنی اے ”بے مثل عشق“، اس فقرے کے بعد کہ میرا جسیا عاشق نہ پیدا ہو گا، یہ کہنا کہ مجنون نہ پیدا ہو گا، ”گویا یہ کہنا ہے کہ میرا ساجان باز میرا ساجان شار، میرا ساو فادا، میرا ساخانان بر باو، وغیرہ وغیرہ نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ مجنون کے نام کے ساتھ یہ تمام اوصاف خود بخود دہن ہیں اس جاتے ہیں، اس سے ظاہر ہو گا کہ مجنون کے لفظ میں جوبات ہے، صفحوں میں بھی نہیں ادا ہو سکتی، اور ایسے عاشقانہ غور اور نازکی کا اس سے بڑھ کر کوئی اسلوب نہیں ہو سکتا،

اکثر حکما کا خیال ہے کہ عالم کی حقیقت اور اسکی غرض و غایت نہیں معلوم ہو سکتی صرف اتنا معلوم ہو کر کچھ ہے، باقی یہ کہ کیا ہے، کیون ہے؟ کیسا ہو؟ معلوم نہیں، شرعا نے بھی طرح طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

کمن دنست ک منزگا یہ مقصوکیا است

ایں قدہست ک کم بالگا ہو ہر زمی آید
اگلے زادہ میں دستور تھا کلم قافا چڈا تھا تو ایک ونٹ کی گردان میں گھنٹہ لٹکائیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ یہ سیکھ معلوم نہیں کہ منزل مقصود کہاں ہے، اور کہاں چانا کر

اتی بات، البتہ ہے کہ ایک گھنٹہ کی آواز آ رہی ہے، جس کو تنکیر کے لفظ سے بیان کیا ہے
یعنی گھنٹہ کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے، کدھر ہے، کس قسم کا ہے، اس ایک آواز
سنائی دیتی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کوئی تافلہ ہے، اس مضمون کے
ادا کرنے کی چیلی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز میں ابہام اور اشتباہ باقی رہے، اس شعر میں
ابہام کو پورا قائم رکھا ہے،

فارسی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ گو ایک چیز کو ہزار دن دفعہ باندھتے ہیں
لیکن بار بار وہی باتیں کہتے ہیں، اگر یہ چاہیں کہ ان سب خیالات کو کیجا کر کے اس
چیز پر ایک بیٹا اور وسع مضمون تیار کر لیا جائے تو نہیں کر سکتے، مثلاً محبت کا مضمون
ہزار دن شہر دن میں بندھا ہے، لیکن آج اگر ان سے محبت پر ایک مستقل مضمون
لکھنا چاہیں تو نہیں لکھا جاسکتا، جبکی وجہ یہ ہے کہ مضمون کے تمام پہلو نہیں آتے، بلکہ
اکثر وہی مکر رہاتیں ہیں، جو مختلف الفاظ میں بار بار ادا کر دی گئی ہیں،
خلاف اس کے خواجہ صاحب نے جن مضا میں کو مرکز شاعری قرار دیا ہے
الی کا ایک ایک نکتہ اس طرح ادا کیا ہے کہ کوئی پہلو باقی نہیں رہا، اور اب چاہیں تو
ان سے اس عنوان پر ایک مستقل مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم صرف
ایک عنوان کا ذکر کرتے ہیں،

خواجہ صاحب نے فلسفہ مسرت کو اکثر بیان کیا ہے یعنی یہ کہ ”ہمیشہ خوش رہنا چاہیے،
مس مضمون کے بست کر اجزا رہیں اور جب سب پیش نظر آ جائیں تو اس فلسفہ کا

اُثر پوستا ہے، اسکا اجمالی بیان یون کیا جاسکتا ہے،
 دنیا چند روزہ ہے، اسکی تمام نیزگیان نقش برآ سب ہیں، کیا یہ عقل کی
 بات ہر کہ ہم ایسی موهوم چیزوں کے لیے اپنا دل، دماغ، وقت،
 محنت، سکون اطمینان، سب قربان کر دین۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک
 دنیا بھر کے جھگڑے، جوڑ توڑ، سازش۔ دربارداری، خوشنام، تماق،
 ترک، آزادی، یہ سب چیزوں اختیار نہ کی جائیں دنیا نہیں مل سکتی کیا یہ تابیں
 ہو کو دنیا کی موهوم غلطت کے لیے گوارا کرنی چاہئیں،
 ہکو مشیت آئی ہیں کیا، خل ہے، جو شخص جیسا ہے خدا ہی نے اسکو بنایا
 ہے، ہم کیا چیز ہیں، خدا کے ارادہ کے بغیر ایک ذرہ حرکت نہیں کر سکتا،
 ہم کو وہ جو حضر جلاتا ہے چلتے ہیں، جو کام ہم سے کرتا ہے، کرتے ہیں، ہم
 ایک پر کاہ ہیں، مشیت آئی کی ہوا، ہکو جو حضر جاہتی ہے، اڑائے
 لیے جاتی ہے،

ہمارا یہ فیصلہ ہے کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے، ہکو اس سر کیا غرض، ہم جو سمجھتے ہیں
 کرتے ہیں، غرض اس مضمون کی پوری ترتیب یہ ہے کہ پہلے عقلی طور سر دنیا کی ناپاکیاں اور اسی
 ثابت کیجاۓ پھر یہ کہ ایسی چیز کے لیے دردسر کی ضرورت نہیں پھر مسلمان چیز پیش کیا جائے
 پھر اپنا قطعی فیصلہ اور اپنے طرز عمل کا نہایت بے باگی، اور دلیری اور بلند آہنگی سے
 اعلان کیا جائے،

خواجہ صاحب نے اس مضمون کے ہر حصہ کو اس تفصیل، اس زور، اور جوش سے
ساتھ ادا کیا ہے کہ شاعری کی حادث سے آگئے نہیں بڑھ سکتی۔

دنیا کی بے اعتباری کو وہ اس پراثر طریقہ سے بیان کرتے ہیں،
بس کن زکر و ناز کر دیدہ است روزگار چین تباہ تیصرو طرف کلاہ کے
ناز و غدر رہنے والے زمانہ قیصر کی تباہی شکن، اور کنسرس کے تاج کا ختم دیکھو چکا ہے
لگلے زمانہ میں اُمرا اور اہل جاہ، قبا وغیرہ چنو اکر پہنچتے تھے، اور سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھتے
تھے، ایسے یہ چیزیں جاہ و عظمت کا نشان تھیں، اس بنا پر دنیادی جاہ و عظمت کو ان بقولوں
سے تعمیر کیا ہے، ساتھ ہی یہ لفظ ہلکو ہے کہ دنیادی عظمت کی بس اتنی حقیقت ہے، جتنی
کسی چیز کی شکن اور ختم کی۔

اعتماد نیست برد و رجحان بلکہ برگردان گردان نیز ماہم

کمند صید بہرامی بفگن جام مے بزار کمند پیو دم این صحراء نہ برم سنت کوش
بہرام گو رخرا کاشکار کھیلا کر تا تھا، اس بنا پر اس کو بہرام گو رکھتے تھے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ
بہرام کی کمند جس سے وہ گو رخرا کو پکڑ کر تا تھا) پھیکد و، اور جام مے بات میں لوہا میں اس
صحرا کو خوب ناپ چکا ہوں، اند بہرام ہے، نہ گور، اس مضمون کے ادا کرنے کی خوبی
کا ایک بڑا بہلو یہ ہے کہ بہرام کی گم شدگی کو نہایت وسعت و بیجاسے یعنی کہیں اس کا پتہ
نہیں لگتا، نہ زمان میں، نہ مکان میں، صحرا کا لفظ یہاں اس خوبی سے آیا ہو کہ زمان

اور مکان دونوں پر حاوی ہو گیا ہے۔ زمانہ کی امداد کو صحرائے تعبیر کیا ہے، یعنی زمانہ ایک صحرائے جس میں بہرام کا کمین پڑھنیں لگتا گم۔ شدگی کی ترقی دینے کے لیے بہرام کی چیزوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یعنی بہرام کے ساتھ ایکی کسی چیز کا پڑھنیں گور کا لفظ گورخ کے لیے بھی آتا ہے۔ اور گور قبر کو بھی کہتے ہیں۔ یا ان دونوں نامے جاسکتے ہیں، یعنی بہرام کے گورخ کا پڑھنیں، یا بہرام کی قبر کا پڑھنیں۔ اس لفظی اشتراک سے بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے،

شراب تنغ وہ ساتی کو دنگان بندوش کہ تلخ نجت بیسا میم ز دنیا و شوشوش
ایک شخص دنیا کے جھٹکے اور بکھیروں سے تنگ آکر کہتا ہر کہ جکو زادنیا کے شور
شرستے ستانے دو، اور چونکہ مشکل ہے، اسلیے کہ دنیا کے بکھیروں سے اس وقت نجات
مل سکتی ہے جب کہ دولت و عزت جادو منصب نام و نمود و ماعزت و اقتدار سے ہات
اٹھا لیا بابے، اس لیے کہتا ہر کہ شراب یعنی کوئی ایسی چیز دو جس کے نشہ ہیں یہ سب
باتیں بھول جائیں، اور چونکہ اسکے لیے سخت نشہ کی ضرورت ہے اسلیے ہر دافع اور
زور کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی ایسی شرب جس کا نشہ ہے ٹردن کو گرانے،
یہضمون کہ دنیا جیسی چیز کے لیے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں نہایت موثر
طریقوں سے ادا کیا ہے، مثلاً،

شکرہ تاج سلطانی کو یہ جان درد مر جات کلاہ دکش است اما به در سرنی رزو
یعنی شابی تاج (جسکے ساتھ جان کا خوف لگا ہوا ہے) بے شک داغ بیب تاج ہے،

لیکن در دسر کے قابل نہیں، تاج سلطانی کے رب کو شکوہ کے لفظ اس کا دل کیا ہے لیکن ساتھ ہی
 بیم جان کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ اسی غبتوں کی وجہ سے اور اس کا لفظ نہایت مجاہد اور
 بیرونی لفظ ہے، وہ آہیت اور بحقیقی دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے
 کہ تاج سلطانی اس قابل بھی نہیں کہ اس کے لیے فدا کار و سو بھی گوارا کیا جائے
 اور یہ بھی کہ وہ اس قابل نہیں جسکے لیے جان جو کھون برداشت کیا جائے،
 رندی کی عظمت، اس کا اعلان، اور اسکی ترغیب اور تحریص۔ یہ خواجہ صاحب کے
 خاص میدان ہی، اور آج تک کوئی انکی گرد تک نہ پہنچ سکا۔ فرماتے ہیں،
 کہ بزر و بزر دشمن زمینِ گلہ بیامے کہ بکوئی نے فروشان دوڑا رجہ پہنچے
 بادشاہ نکو مجھ فرقہ کا پیغام کوں پہنچا دیکا کہ مفرشوں کی گلی میں دوڑا جو شید کیتے ہیں اور آئے میں
 اس شعر کی وجہ بлагت پر لحاظ کرو، اول تو بادشاہون کو جو پیغام دینا چاہا ہے اس نے
 اپنے نام کے ساتھ "گدا" کا وصف بڑھایا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بخان
 کے گدابھی ایسے جری ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ عام لوگون پر چوٹ ہے کہ لوگ اتنی
 جراحت نہیں سکتے کہ بادشاہون تک پیغام پہنچا دین، اس لیے عام اعلان کے ذریعہ
 سے ایسے شخص کو ڈھونڈھتا ہے: بچہ بخان کے بجائے، کوئے ت فروشان کہتا ہے
 یعنی میکدہ تو خیر بڑی درگاہ میں ہے، میں فروشوں کی گلی میں بھی بادشاہوں کی قدیمیں
 جو شید کی تخصیص اولاً تو اس لحاظت سے ہے کہ شوکت اور بد بہ میں جو شید کا کوئی ہمسر
 نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ شراب اور جام، جو شید کی ایجاد ہیں، ٹاہم شراب

کے سامنے جب جہشید کی جاہ دشوت کی کوئی حقیقت نہیں، تو اور کسی کی کیا ہوگی۔

رندی اور سمرستی کے جوش کا اصلی وہ موقع ہے، جب رند، اسپر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ ہوئیں رندی سے باز نہیں آسکتا، خواجہ صاحب نے اس جذبہ کی تصور کی ہیچ پری ہے،

شرابِ عشق نہان چیت کا بربنیا

میں رندوئی صفت پر ٹوٹ کر گزابون ہوں ہوں پچکر

تاز میخانہ مے نام و نشان خواہ بود

ماہنیم کر بودیم وہمان خواہ بود

پیر میخانہ میں درگوش است

بیاتاگل بر افشا نیم و مرد ساغر اندازیم

او پھول برسائیں و شراب پیاں میں ڈالیں، آسمان کی چھت تو ڈالیں اور نبیا قائم کریں

دوسرے ضرع اگر چاکیست کی بنکار ہے، تاہم واقعیت سے خالی نہیں، مقصد

پر ہے کہ عام لوگ آسمان کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ کسی کو چین سے نہیں رہنے دیتا،

لیکن حقیقت میں یہ اپنا تصور ہوئے اگر ہم میں عزم و تسلیل، جد و ہجد ہو تو کوئی چیز ہماری

اغراض میں سدراہ نہیں ہو سکتی، اس خیال کو یوں دیکیا ہے کہ آؤ آسمان کی چھت

تو ڈالیں، اور ایک نیا آسمان بنائیں رجو اور دن کے آسمان سے الگ ہو

اگر غم شکرانگیز و که خونِ عاشقان ریزد مرن ساتی بہم سازیم و بنیادش بیندازم
 اگر غم، شکر طیار کر بیگانہ کھانا خون بھائے، تو ہم اور ساتی مل کر اسکو جسے الکھاڑ کر پھینک دینگے
 اس حوصلہ کو دیکھو، اُدھر غم کا سارا شکر ہے اُدھر صرف یہ اور ساتی۔ لیکن
 اس کے جڑ سے الکھاڑ کر پھینک دینے کا دعویٰ ہے،

مانے بہانگِ چنگٹا مرد نہیں خوریم بن ریشد کہ گنبدِ چنخ این چند اشنید
 ہم خلب باجے کے ساتھ آج سے نہیں پتے، تین ہوئیں کہ گنبدِ چنخ اسی واز کو سن چکا ہے
 من ترک عشق بازی و ساغرنی کنم صد بار توہ کردم و دیگر نمی کر نم

مازہ د تقویٰ کتر شنا سیم یا جام بادہ، یا قصہ کوتاہ
 ہمکو پہنچاری وغیرہ کم آتی ہے، بس یا شرب کا پیارہ، یا قصہ مختصر
 گدے میکدہ ام، لیکن متھی ہیں کنائز بر فلک و حکمرستارہ کنم
 یعنی گوئیں شراب خانہ کا گلدا ہوں، لیکن متھی کی حالت یہن مجوہ دیکھو، کہ آسمان سے
 نماز، اور ستارہ پر حکومت کرتا ہوں، چونکہ اس شہریں داقیت بھی ہے، اس لیے
 زیادہ اثر رکھتا ہے،

ساتی بیا کہ شد قبح لالہ پر زستے	طامات تا بچنڈ، و خرافات تاہر کے
ساتی آ، لالہ کا پیارہ شرب سے بھر جا کا	پہنچاری کہا تک دیک بکب کہتے تک
زان پشتی کر عالم فانی شود خراب	ما راجام بادہ گلگوں خراب گن

اے ساقی! اسکے قبل کہ یہ عالم فانی بر باد ہو جائے، ہم کو شرایب کے پیالہ سو بر باد کرنے
 یعنی ہم دنیا کی بر بادی اور خرابی کا منظرا پنی آنکھوں سے کیوں دیکھیں، پسلے ہم سوت
 اور بر باد کرنے کے جو کچھ ہو ہم پر اس کا اثر نہ ہونے پائے،
 خوشتر از فلک زرد جام چھ خواہ بروں چون خبر مریست کا نجام چھ خواہ بروں
 جب تین معلوم کہ انجام کیا ہو گا، توی و جام سے بڑھ کر کیا چسینہ ہو سکتی ہے،
 دے باغم بسر بروں جہاں کیسی نہیں رزو بمو بفرودش دلت ماکرین بہتر نی رزو
 ساری دنیا اس قابل نہیں ہے کہ اسکے لیے ایک حافظہ کا غم گوارا کیا جائے۔ ہمارا خدا شراب کے لیے
 رنج ڈالو تو اس سے اچھے اس کے دام نہیں اٹھ سکتے،

تم نے پڑھا ہو گا کہ شاعری کی صلیٰ حقیقت جذبات کا انہما رہے، یعنی شاعر پر کوئی
 جذبہ طاری ہو، اور وہ اُن جذبات کو سطح ادا کرے کر دوسروں پر بھی وہی اثر چھپا
 جائے، اشعار مذکورہ بالاست اندازہ ہوا ہو گا کہ جذبات کے انہما میں اس سے بڑھ کر
 جو شکا کیا انہما رہو سکتا ہے،

خواجہ حافظ کے بعد اصولِ ارتقا کے خلاف، غزلیہ شاعری کی ترقی ڈیڑھ سو
 برس تک رک گئی، جطح قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد، شعر کی زبانیں بند
 ہو گئیں، لیکن ارتقا میں التفاوتی سکون ہو جاتا ہے بلسلہ منقطع نہیں ہو جاتا، خواجہ
 صاحب کے راستہ پر چلنا تو مکن نہ تھا اس لیے اور اور رہیں نکلیں،
 اسی زمانہ میں حکومت صفویہ کا آغاز ہوا، اور کچھ ہی مدت کے بعد، تمام ایران سے

طوالِ الملوکی مت کرایک وسیع اور پر امن سلطنت قائم ہو گئی، یہ خاندان خود شریف اور شریف پرور اور فضل و کمال کا نہایت قدر دان تھا، شعر و شاعری کو انہوں نے یہ عزت دی کہ حکیم شفائی کی تعظیم کے لیے شہنشاہ وقت نے راہ میں سواری سے اتر جانا چاہا، اسی زمانہ میں تیموری خاندان ہندوستان میں فیاضیوں کا بادل برسارہ تھا، یہ سامان شاعری کی ترقی کے لیے آب حیات تھا، اور درحقیقت، مجموعی حیثیت سے شاعری نے اس زمانہ میں جبقدر ترقی کی تھی کبھی نہیں کی، لیکن اس موقع پر ہکو صرف غزل سے بحث ہے،
 قاعدہ ہے کہ جب برسات کے بادل برستے ہیں تو مختلف قسم کی نباتات آگ آتے ہیں، اس بناء پر اس دور میں غزل کی جبقدر طرزیں ملکن تھیں، تصوف کے سوا، سب کی بنیاد پر گئی تہییعت کو تصوف سے صد ہے، میر عباس شوستری فرماتے ہیں،

این کلام صوفیانِ خوم نیست شنوی مولوی ردم نیست
 چونکہ تمام ملک میں بھر شیعی مذہب جاری کر دیا گیا تھا، اس لیے صوفیاد شاعری کا بقا ملک نہ تھا۔ تاہم تصوف میں کچھ ایسی بات ہے کہ لوگ نقالی کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ شفائی وغیرہ نے اس رنگ میں کہا، لیکن یہ نری نقالی اور کاغذی بکھول تھے۔

تام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ اس درجہ پر کے آدم، بابا فناٹی ہیں چنانچہ والم

واغتنامی کی عبارت ہم تمہرے حصہ میں نقل کرائے ہیں، اوحدی نے عرفات میں تصریح کی ہے کہ تمام متاخرین، فناں کے مقلد ہیں، اندر وطنی شہادت یہ ہے کہ عرفی شفای، نظری وغیرہ عموماً فناں کی طرحون پر غزل لکھتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ اسکا ترتیب کرنا چاہتے ہیں، فناں کی شہادت غزل ہے،

گل می درد قباچپن ادھوا کہیت گلشن بخوان طبیدہ شہید نگاہ کہیت
اس پر نظری۔ قدسی وغیرہ سب کی غربیں ہیں۔ قدسی،

باز منشستہ تما فرہ در دل نگاہ کہیت عالم سیاہ کردہ حشم سیاہ کہیت
ایں پشیں سیل کج بکلمان از پا کہیت وین قبلہ کج شدہ طرف کلا کہیت
غرض یہ امر مسلم ہے کہ طرز جدید کا موجہ فناں ہے، لیکن تعجب ہو کہ اس کے متعلق کسی نے ایک حرفا بھی صراحتاً یا کنایتہ نہیں لکھا کہ فناں کی طرز کیا ہے؟ اور اسکی خصوصیتیں کیا ہیں؟ اس لیے ہمکو خود اپنی راے اور استقرار سے کام لینا پڑ یگا، فناں سے پہلے جو طریقہ تھا، اور جبکو فناں نے بدلا، اس کے نایاب خصوصیات یہ تھے،

۱۔ کلام میں سادگی اور صفائی تھی، کسی بات کو زیادہ تیزی دے کر نہیں کہتے تھے، فناں نے اس طرز کو بدلا، اور اس کے پیروں نے اس وصف کو اتنا تک پہنچا دیا، مثلاً فناں کہتا ہے،

درمانہ سلاح و فساد میم، الحذر زین رکھا کہ مردم عاقل نہادا نہ

جو خیال اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے، یہ ہے کہ حکما اور فلاسفے نے خیر و شر کے اصول
 قائم کیے، اور پھر ان میں باہم اختلاف ہے، ایک کے نزدیک جو چیز تمدن یا اخلاق
 کے خلاف ہے، وہی چیزوں سے کے نزدیک عین تمدن و اخلاق ہے۔ اس لیے
 عام لوگ سخت شکل میں پڑ جاتے ہیں، ان کو خود اس جگہ کے فیصلہ کرنے کی
 قابلیت نہیں، اور چونکہ دونوں رأیں باہم متناقض ہیں، ایسے دونوں ایک ساتھ
 تعلیم نہیں کیجا سکتیں، اُرعنی اسی خیال کو زیادہ بے باکی اور گستاخی سے اوکتا ہے
 کفر دین را بیزاریا د کلین فتنگر ان در بدموزی ہاصل ہتا ندیش خود اندر

صلاح و فنا کے بجائے عرنی نے کفر دین کا لفظ استعمال کیا، اور پھر صاف صاف
 دونوں کو فتنہ گر کرنا، فغانی نے صرف یہ کہا تھا کہ عقلانے جو اصول قائم کیے ہیں انہوں نے
 ہمکو چکریں ڈال دیا ہے، عرنی کہتا ہے، یہ دونوں (کفر دین) ہمکو باہم لڑانا سکھاتے
 ہیں، اور اس سے انکی غرض یہ ہے کہ انکی گرم بازاری قائم رہے، کیونکہ اختلاف و
 نزاع کے بغیر جوش و خروش، زور و شور، اور چلپل نہیں ہوتی۔ فغانی،
 ایک میگوڈا چڑا جائے، بجانے نیخی این سخن باساتی ماگوکرا زان کردہ تھا

ایک بہت دفعہ مضمون کو پیچ دیکر مختصر لفظوں میں ادا کیا ہے۔ داقعہ یہ فرض کیا ہے
 کہ ایک بادہ نوش نے شراب نہان میں جا کر جان کے عوض میں جام شراب خریدا کسی
 نے اعتراض کیا کہ تم نے یہ کیا کیا، مفترض کا اعتراض یہ تھا کہ شراب اسقدر گران
 کیوں خریدی؟ لیکن بادہ نوش یہ سمجھا کہ اعتراض اپر ہے کہ اس قدر رازان کیوں

خریدی۔ (یہ اس بحث سے کہ بادہ نوش کے نزدیک، تو شراب کی قیمت، جان سے بہت بڑھ رہی ہے) اس بنا پر بادہ نوش نے جواب دیا کہ اس کوئین کیا کر دن، یہ تو ساقی سے پوچھنے کی بات ہر کوئی نہ ستراب کو اس قدر کیون ارزان کر دیا ہے؟“
۲۔ تشبیہات اور ہتھوارات میں زیادہ جدت پیدا کی، مثلاً اس بات کو کہ ذہن

کا راز معلوم نہیں ہو سکتا، خواجہ صاحب اس تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرنے ہیں،

کہ کس نکشود و نکشاید، چکست این سمجھا را

یعنی دنیا ایک چیستان ہے، جو فلسفہ اور عقل سے نہیں عمل ہو سکتا،

۳۔ فنا نے اسی بات کو یوں کہتے ہیں،

آن کا لین نامہ بر بتہ نوشتار نجت گر ہے سخت بہ مرغیہ مضمون دہست،

یعنی جس شخص نے ابتداء میں یہ تحریر لکھی، مضمون کے دھاگے میں ایک سخت گیرہ بھی لگا دی۔

۴۔ سب سے بڑی خصوصیت فنا نے کی اختصار کلام ہے، یعنی ایک بڑے دستی مضمون کو مختصر لفظوں میں ادا کرتا ہی یہ وصف، مثا نزیں کا خاص جو ہر ہر جو بڑتے بڑتے کبھی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ معا بجا تا ہے، یہ اختصار اس طرح پیدا ہوتا ہی کہ کلام کے بہت سے بلکہ چھوڑ دیے جاتے ہیں، اور مضمون کو اس انداز سے کہا جاتا ہے کہ متروک بلکہ خود بخود سمجھ میں آ جائیں۔ مثلاً فنا نے کہتا ہی کہ

ساقی مدام بادہ بہ اندازہ می دہد این بخودی، گناہِ دل زد وست ماست

شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم شراب پی کر بدست ہو گئے، اس پر لوگون نے یہ اعتراض کیا کہ یہ ساتی کا قصور ہے، اس نے کیون اعتدال سے زیادہ شراب پلادی۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں، ساتی نے اعتدال ہی سے شراب پلائی تھی، قصور ہے تو ہمارے دل کا ہے جو بہت اجادہ مدت ہو جاتا ہے۔ اس وسیع خیال کو، دو مصر عون میں ادا کیا ہے اور رمضان کے متعدد ڈگٹیں چھوٹ چھوٹ گئے ہیں،

ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ اول اول لوگون کو فغانی کاظرز بیگانہ معلوم ہوا، اور کسی نے کچھ قدر نہ کی، اس بنابرودہ اور دربار وون کو چھوڑ کر تپرہ نہ میں چلا آیا، اور یہ میں اس کا نشوونما ہوا۔

اس الہمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس زمانہ میں دولت صفویہ کا آغاز تھا تبریز میں سلطان یعقوب فرمان رو تھا، وہ ترک تھا اور صفویہ کا حلفت مقابلہ تھا اس کے ساتھ نہایت سخن فرماد ر قدر دان فن تھا، اکثر بڑے بڑے شرعاً مثلاً نصیبی گیلانی غیرہ اسی کے دامن تربیت میں پل کر نامور ہوئے، ان باtron کے ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی بہرہ در تھا، چنانچہ بعض شعراء اس کے شیفہ اور دلدادہ تھے، ان میں فتح نجم الدین یعقوب بھی تھے، ایک دفعہ یہ بیماری کی وجہ سے دربار میں نہ گئے اور سلطان یعقوب انکی عیادت کو آیا۔ اس وقت ایک غزل لکھ کر بھیجی جس کا حسن مطلع یہ تھا صبوحی کردہ ست آ مر بایمن خشنہ نوبلہ کم تی راہانہ ساز دوبیار نشیند

قاضی مجح الدین علیٰ، جو بہت بڑے فاصل تھے اور سلطان یعقوب کے صدرالضد در
تھے، وہ بھی سلطان یعقوب کے عُشاق میں تھے، چنانچہ آتشکده میں اس داقعہ کو
تفصیل سے لکھا گئے ہیں،

سلطان یعقوب جمل حلاطین صفویہ کا اور بارون میں حرایت تھا، اکاذق
سخن بھی صفویہ سے جدا تھا، ایسے فقائق جوا و در باروں میں مردود تھا، یہاں اکر
مقبول ہوا، فقائق کے بعد اکثر لوگوں نے اس کے طرز کی تقلید کی اور اس کو اس قدر
ترتی دی کہ فقائق سے بہت زیادہ ممتاز بلکہ الگ نظر آتا ہے،

فقائق کے سلسلہ میں جن لوگوں نے زیادہ شہرت حاصل کی، عرفی، نظیری وغیرہ
ہیں، جو ہندوستان پلے آئے تھے اور یہاں کے مذاق نے ان میں اور زیادہ
رُنگیں اور لطافت پیدا کر دی تھی، جو شعراء خاص ایران کے شاعر اشمار کیے جاتے ہیں
ان میں محتشم کاشی اور شفائی نہایت نامور ہیں، محتشم کو طلباء پ صفوی اور شاه
عباس کے دربار میں نہایت اعزاز حاصل تھا، اکثر مشاہیر شعراء، اس کے تربیت یافتہ
ہیں، تمام ایرانی تذکرہ نویس اس کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں، لیکن العادف
یہ ہے کہ محتشم کی خوش اقبالی ہے، ورنہ عرفی و نظیری کی صفت میں وہ حقیر نظر آتا ہے
محتشم کا دیوان شائع ہو چکا ہے اور نکتہ دا ان اس کو پڑھ کر آسانی سے اس کا فیصلہ
کر سکتا ہے، شفائی ان ہی درباروں میں ندیم تھے، اور نہایت قدر و منزلاں رکھتے تھے

دہ اکثر فقانی کی طرح میں غزل لکھتے ہیں اور ان کا منتخب کلام نظیری وغیرہ کے
لئے بعگ کہا جاسکتا ہے، چند شعر یہ ہیں،

باز این چہ نوید اتفاقات است آہستہ کہ آسمان نہ داند

غم عالم پر پیشانم نے کرد سر زلف پر بیثان آفریدند

این جو ر دیگر است کہ آزاد اعشقان چندان نیکنی کہ ہے بیدا دخوند

مرغ چوہا بے دل میں گشتہ سیرت شکرانہ این صید تی کن قفسی چند

ای زمانہ میں ایک اور طرز شروع ہوا اور وہ ایک جدا گانہ شاخ بگائی،

سلطان الجایتو کے زمانہ میں سید سیف الدین ایک معزز رئیس اور حکمران

تھے، ان کے نواسے قاضی جہان تھے، ان کے بیٹے شرف جہان تھے، شرف

جہان نے نہایت فضل و کمال حاصل کیا، میر غیاث الدین منصور سے معقولات

کی تحصیل کی، رفتہ رفتہ طہاپ صفوی کے دربار میں پہونچے اور سیاہ و سفید کے

مالک ہو گئے، کربلا میں جو شہر ہے انہی کی بنوائی ہوئی ہے،

یہ شاعر بھی تھے اور صرف غزل کرتے تھے، غزل میں دفعہ گوئی یعنے معا لم

بندی، گو خسر و اور سعدی کے ہان خال پائی جاتی ہے، لیکن انہوں نے

اسکو خاص ایک فن بنادیا۔ ہزار شعر کا دریان ہے جو سرتاپا اسی اندازتیں ہے، مثلاً

بہر جا میرم ادل حدیث نیکوں پر کم کہ حرف آن سہ نامہ بان ادمیاں کم

میں جہان جاتا ہوں پڑھینو کا حال پوچھتا ہوں کہ آئی ضمن میں عشووق کا حال بھی پوچھوں

زندہ ہوئی نفہم ہر چکو بیدان پری بان چواز بیش و مضمون آن زوگان پہم
 یہ طرز فغافلی کے طرز سے زیادہ مقبول ہوا، اس زمانہ کے اکثر متاذ شعراء اسی
 انداز میں لکھتے تھے، ان میں سے جن لوگوں نے زیادہ شہرت حاصل کی جب تک ہیں
 علی قلمی میلی۔ قزل باباشی امراء میں سے تھا، نہایت خوش رہا اور خوش مزاج
 تھا، تک مشہد مقدس ہیں، سلطان ابراہیم مراز کے دربار میں رہا۔ پھر
 ہندوستان آیا، یہاں سین شناہی، غزالی۔ وحشی وغیرہ سے محرك رہے، مشہور ہر کم
 اکبر کے دربار میں غزالی سے مناظرہ ہوا۔ غزالی نے حکمت علی سے اس کو مغلوب کیا
 اس کا اسلو اس قدر صدمہ ہوا کہ اسی وقت تپ چڑھ آئی اور بالآخر بیار رہ کر مر گئی
 کلام کا نوندی ہے،

باآن کہ بپری دن ما آمدہ، مردیم	کایا زکہ پر سید رہ خائے مارا
یعنی گوری عبادت کیلئے آیا، لیکن میں اس شکستے مراجا تاہون کو میر گھر کا پتہ کس سے پوچھا	
باغیر شیخی و فرسی ز پے ما	آن را کہ نداندرہ کاشاٹہ مارا
غیر کے ساتھ بیٹھتے ہو، او میر بلانے کے لیے ایسے شخص کو بھیتے ہو جو میرا گھر نہیں جانتا	
بسے خشنود میں یہ سویم قاصد گن یا	کغیر از نامہ، حرثے از زبان یا تمہارو

تاقچ ساز ن در قیباں ن زباں ن من و تو

تونیا نی ز حیا در سخن و من ز حباب

لہ عزفات ادھری،

ولی۔ قائن ایران کا ایک صوبہ ہے، اس کے مصنافات میں ایک مقام ہے
بہمان کی خاک سفید ہوتی ہے اسیے اس کو دشت بیاض کہتے ہیں، دلی یہیں کا
رہنے والا تھا، میلی اور دشی کا معاصر اور حریف مقابل تھا، ہندوستان میں بھی آیا
تھا، اس کے کلام میں معاملہ بندی کے ساتھ نہایت سوز و گدانہ ہے اس کو فارسی کا
تیقی میر سمجھنا چاہیے، دہی زبان اور دہی درد ہے۔ اشعار ذیل سے اندازہ
ہو گا،

تحت زدام کر دیش گئے کاش پرند کے غیاز توہ عالم دگر ہست
دنخی شوق ٹکڑت لگاتا ہے کہن کسی اور کو چاہتا ہوں، کاش کرنی اس سے یہ پوچھتا کہ دنیا میں
اس کے سوا کوئی اور ہے بھی؟

بہر تو شنیدہ ام خنخہ شاید کہ توہم شنیدہ باشی
یعنی میں نے تیرے لیے بہت سی باتیں سنیں، شاید تو نے بھی سنا ہو
دوسرے مصروع میں ایمام ہے، یہ بھی اس کے سنتی ہو سکتے ہیں کہ شاید تم نے بھی
میرا یہ حال نا ہو گا، اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ شاید تم کو بھی میرے لیے باتیں سننی
کری ہوں،

بتنکے تو ترکِ دوہمان کر دو آئی مهر بانی توہم در خوران می بایت
شوہنگز دشت کر دیجہم بزل خوشی درہ میں لازہنوز از توہمان می بایت
خشی تپر دی مشور شاعر ہے، عقی وغیرہ کا معاصر ہے۔ اوحدی اس کی نسبت

لکھتے ہیں،

”وقت کے مولانا محنتشم طنطہ شاعریں قات تاقاف گرفتہ بودا اور برابر آمد و طرز نوی
در عرصہ آور و ہم در زمان اور نسخ گردانی،“

لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، وہ دھشی نے کوئی خاص طرز ایجاد کیا، نہ محنتشم کا کوئی
خاص طرز تھا جبکہ دھشی نسخ کرتا، اس میں شہہر نہیں کہ چونکہ دھشی تمام عمر، شاہراہ
بازاری کے عشق میں گرفتار رہا اس لیے اس کو ہوس پرستی کی وار داتین بست
پیش آئیں اور اسے وہ سب ادا کر دین، واسوخت بھی اسی کی ایجاد ہے اور اسی
پر اسکا خاتمه بھی ہو گیا۔ آتشکدہ میں لکھا ہے کہ اسے شراب خواری کی حالت میں جان
دی۔ یہ غزل مرتبہ وقت لکھی تھی۔

مگر در من نشان مرگ ظاہر شد کرمی بنیم عزیزان رانمانی، امیں جو پھر تراشب

نگانی کے سلسلہ میں رفتہ رفتہ خیال بندی، حضوران آفرینی، وقت پسندی پسید الاوی
اسکی ابتداء عرنی نے کی، ظموروی، جلال اسیر، طالب اعلیٰ، کلیم وغیرہ نے اس طرز کو
ترقی دی، اور یہی طرز مقبول ہو کر تمام دنیاۓ شاعری پر چھا گیا۔ اور چونکہ اس
طرز کی بے اعدالی سخت مضر نتائج پیدا کرتی ہے اسیلے ملک نخن ناصر علی، بیدل
وغیرہ کے قبضہ، اقتدار میں آگیا اور اس طرح ایک غلط یہ اشان سلسلہ
کا خاتمه ہو گیا،

اس نقلاب نے اگرچہ غزل کو نقصان پہنچایا، کیونکہ غزلِ اصل میں عشقیہ جذبات کا

نام ہے، اور اس طرز میں عشقیہ جذبات بالکل فنا ہو گئے۔ لیکن شاعری کو فی نفس ترقی ہوئی، عرفی نے نہایت بلند فلسفیانہ مسائل ادا کیے۔ کلیم اور صائب نے تخيیل کو بے انہتا ترقی دی۔ بعض شعر نے اخلاق اور معرفت کو نہایت خوبی سے ادا کیا۔ ان کا تفصیلی بیان شاعری کے دیگر انواع کے ذیل میں آئے گا،

غزل | عشق و محبت کا جذبہ فطرت انسانی کا خیر ہے اسیے تمام دنیا کی شاعری ہے عشقیہ شاعری، اور سب انواع شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہے، لیکن ایران اس خصوصیت میں تمام دنیا سے ٹھڑا ہوا ہے۔ ایران کا تمدن کسی ہزار برس کا ہے، معاشرت اور کار و بار زندگی میں ہمیشہ سے تکلف اور نزدیکی موجود تھی، تین ہزار برس کی متصفحیش و نعمت اور رجاه و ثروت نے، انفاس اور رطافت کو انہما تک پہنچا دیا تھا، آب و ہوا، سبزہ زار، آب روغن، لالہ و گل، دماغون اور طبیعتون کو ہمہ وقت نشاط انگینہ، اور دلوں خیز رکھتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ حُسن و جمال کے لحاظ سے ملک کا ملک یونفتان تھا۔ تو شادی خلخ۔ فرخار کشمیر جو حسن کی ہمیں زارتھے، ایران کے دمیں ہیں تھے، وہاں کے پیداوارین ایران ہی کے بازاروں کو سجا تی تھیں، ان سامانوں کی ساتھ ایران میں غزل گوئی کی ترقی ایک لازمی چیز تھی،

بنظاہر تعجب کی بات ہے کہ با وجود ان اسباب کے تین سورس تک غزل کو ترقی نہیں، ایک وجہ یہ تھی کہ ایران میں شاعری کا آغا ز فطری جوش سے نہیں بلکہ سیماش کی غرض سے ہوا تھا، جب ایران میں خود فتحاً سلطنتیں قائم ہوئیں تو شعر نے سلاطین کی مارجی

کے لیے شاعری شروع کی اور جو نکہ عرب کی تقلید کرتے تھے، اسیے قصائد کی ابتداء میں عشقیہ اشعار بھی کہتے تھے جنکو عربی میں تشبیہ یا نسیب کہتے ہیں۔ اور اسی کا وہ سر نام غزل ہے۔ لیکن یہ فقط تقلید تھی، اصلی جوش نہ تھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ ابتدائی شاعری سے کئی سو برس تک دیلیسوں، غزویوں اور سلوچیوں کی بدولت تمام ملک ایک میدان کا رزار بنارہا، اس حالت میں غزل کو کون پوچھتا،

بایں ہمہ غزل گوئی کا خیر طیار ہو رہا تھا، اول تو باوجو دنگی زندگی کے شاہ پرستی عام طور پر راجح تھی، ٹبیت ٹبیت قاہر اور مترشح سلاطین علامیہ حسن پرستی کرتے تھے، ان کی بیج میں جو قصائد لکھنے جاتے تھے، ان میں ان کے مشوقوں کا بھی تذکرہ کیا جاتا تھا۔ خود سلاطین شہزادے فرمائیں کر کے یہ مضامین لکھواتے تھے، خفاری رازی نے سلطان محمود کی فرمائیں سے ایا زکی شان میں اشعار لکھنے اور گران بھاصلہ پایا، چنانچہ خود قصیدہ لائے میں کہتا ہے،

بران صنوبر غبر عذر بشکین خال	دوبدرہ ذریف استاد دوہنار درم
فرخی نے ایا زکی تعریف ہے میں جو قصیدہ لکھا ہوا اس میں کہتا ہے،	

زبرخیہ بہ اول دا د محمود دل محمود را بازی مپنڈار

ترک غلام گھر گھر بھیلے ہوئے تھے اور جلوت و خلوت میں شریک صحبت تھے، اکثر شعر اعلان غلاموں کے شیفتہ تھے، اور عشقیہ اشعار میں انہی کا ذکر کرتے تھے، فرخی ایک قصیدہ

کی تمہید میں لکھتا ہے،

میرا پر یہ ترک آج خمار میں بھرا ہوا ہے، کیونکہ کل شام سے صحیح تک شراب پلاتا
رہا۔ میں نے دبار آنکھوں سے اشارہ کیا کہ سورہ۔ لیکن وہ یہی کھتار رہا کہ یہ دو ر
تو ہو جانے دیجئے۔ ایسے ذکری پرست پر کون ذہان دے گا۔ ایسے خدمتگار کے
ناز کون نہ اٹھاے گا؟“

منوچہری ایک قصیدہ کی تشبیب میں لکھتا ہے،
نگذارم بر تو جفا در تو جفا قصد کنی
یعنی میں تجوہ پر ظلم نہ کروں گا، اور تو مجھ پر ظلم کرے تو میں اور کسی کو تجوہ پر ظلم کرنے نہ دوں گا،
یہ مظاہر ہے کہ اس شعر کا مخاطب غلام اور ذکر ہی ہو سکتا ہے،
فوجی ترک جو اکثر سادہ اور حسین ہوتے تھے، ہر جگہ نظر آتے تھے، اور نظر فروزی کا
سامان کرتے تھے، اس بنابر اکثر شعر نے فوجی سپاہیوں کی مشوقاۃ تعریف کی ہے، چنانچہ
اسکی پوری تفصیل کتاب کے ابتداء میں گذر جلکی، اس کا جو اثر شاعری پڑھا یعنی مشوق کے
سر پا اوصاف میں تمام رزمیہ الفاظ اور رزمیہ اصطلاحیں آگئیں اسکو بھی ہم مفصل لکھ
آئے ہیں،

ادھر یہ سامان جیا ہو رہے تھے اور ہم تصوف کا دور شروع ہو چکا تھا، تصوف کا مائی
خمیر عشق و محبت ہے اور چونکہ اکابر صوفیہ میں بعض فطرۃ شاعر تھے اس سے ان کے
جنبدات موزوں ہو کر زبان سے نکلے، قوم میں پسگری کا جوش کم ہو چکا تھا، اور

تاتاریوں نے تمام ملک کو دیران کر دیا اور تمام ہر سلامی حکومتیں وفقہ خاک میں ملا دیں
ان متواتر اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری کا سارا ذور درد، اور سوز و گداز بگیا اور اسکے لیے
غزل سے زیادہ کوئی چیز موزوں نہ تھی، اس عہد کی غولیہ شاعری میں جو درد اور تاثیر
ہے، انہی اسbab کا اثر ہے۔ اوحدی، مولانا روم، عطاء، معدی، خسرد، حسن، ایسے
ہی زمانہ میں پیدا ہو سکتے تھے،

حضرت صوفیہ اگر عشق حقیقی رکھتے تھے۔ اور ان کے کلام میں شاہراہی و معاشر
تھے عنوان شاہزادی اور اس کے شیون، اور تخلیات مراد ہوتی میں، لیکن یہ اکابر کا رتبہ بھر
ہر شخص باری نظر اور عالمی ظرف نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ابتدائی منزبون میں عشق مجازی
ستگز نہ ہوتا تھا، ان اسbab سے غزل کو اور ترقی ہوئی اور شاعری کا سارا ذور غزل
میں آگیا،

اس وقت تک غزل میں عشق و محبت اور محبوب کے محسن و مجال کی تعریف کے
سواء اور کچھ نہیں ہوتا تھا، خواجہ حافظ نے اس دائرہ کو وسیع کر دیا، ہر قسم کے رذدانہ صوفیانہ
فلسفیانہ، اخلاقی، خیالات غزل میں ادا کیے اور چونکہ زبان پر بے انتہا قدر تھی، اس لیے
کسی قسم کے خیال کے ادا کرنے میں زبان کی لطافت اور زلگنی میں فرق نہ آیا۔ یہ غزل
کوئی کی معراج نہیں، جسکے بعد غزل کو یہ مرتبہ بھی نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکتا تھا، خواجہ صاحب
کا زنگ اگرچہ تمام ایران پر چھا گیا، یعنی انکے نذاق کے سوا، اور کوئی نذاق پسندیں آتا
نہ ہا۔ لیکن یہ سب جانتے تھے کہ اس طرز کی تقلید نہیں ہو سکتی، اس لیے کسی نے اس کا تعجب

بن کیا، اس بنا پر غزل گوئی کی ترقی رک گئی اور سوپر س تک رک کی رہی جب صفویہ کا آغاز
ا تو فنا فی نے ایک نیا طرز ایجاد کیا، لوگوں نے اسکی تقاضی کی، اور اس قدر وسعت ہی کر
میں آسمان بن گئی۔

صفویہ کا دور مختلف خصوصیتیں رکھتا تھا،

اس سے پہلے معقولات اور فلسفہ کی تعلیم اس قدر عام نہ تھی، اور خصوصاً مذہبی نفاذ

بجمیں فلسفہ داخل نہ تھا،

۱۔ فلسفہ جز تعلیم ہو گیا تھا،

۲۔ تمام ملک میں نہایت امن و امان اور دولت و نعمت کی بہتانات تھی،

۳۔ چونکہ تیموریہ، شعرو شاعری کے نہایت قدر داں تھے، اس لیے ایران کے اکثر

مراہینہ دشمن چلے آئے، اکثر دن نے ہمیں قیام کر لیا، اور ہمیں زمین گیر ہوئے،

تھے ایسے تھے جو ایران آتے جاتے رہتے تھے،

ان حالات اور اسباب کی وجہ سے غزل میں مختلف اسلوب پیدا ہو گئے،

فلسفہ کے اثر نے فلسفیات خیالات پھیلائے، چنانچہ بعض شعراء شاعری اور فیضی کا تام

لام، اس زنگ میں ڈوبا ہوا ہی، نظری - سیم - جلال - اسیہ میں بھی فلسفہ کی جھلکیاں نظر

تھی ہیں، فلسفہ کی بدولت وہ طرز ہی پیدا ہوا جسکو وقت پسندی کہتے ہیں، یعنی

نہایت دقیق اور پچیدہ مضمایں پیدا کرتے تھے، اور پچیدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے،

دولت و نعمت کی افراط نے رنداد اور عاشقانہ زنگ پیدا کیا، جو لوئی دشت بیاضی

علی قلی میلی و حشی زردی، شرف جہاں کا انداز ہے، ہندوستان کے اختلاط نے بطاfat خیال پیدا کی، اور یہ وجہ ہے کہ جو ایرانی شعراء ہندوستانی بن گئے، ان کے کلام کی بطاfat ناصل یارانی شعراء کے کلام میں مطلع نہیں پائی جاتی۔ نظری - طالب اُلمی کلینم ایران یعنی کہاں مل سکتے ہیں۔

غزل گوئی کی یہ سادہ اجمالی تاریخ نہیں۔ اب ہم اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں کہ فارسی زبان میں غزل یا عشقیہ شاعری کو کہاں تک ترقی ہوئی،
غزل میں جو اسلوب پیدا ہوئے یعنی فلسفہ اخلاقِ تخلیق، اگرچہ شاعری کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت بلند ہے، بلکن غزل کا اصلی موضوع عشق و محبت ہے، اسیلے اس موقع پر ہم غزلیہ شاعری پر اسی حیثیت سے بحث کرتے ہیں۔ فلسفیانہ اور اخلاقی غزل لیں فلسفیاد شاعری میں داخل ہیں، جس کا ریویو آگے آئے گا،
غزل پر ریویو اور یوکرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ غزل کے محاسن اور معایب الگ الگ بیان کیے جائیں جس سے تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائیں۔ چونکہ عیب کی نسبت غزل میں خوبیاں زیادہ ہیں اسیلے ہم پہلے معایب کو بیان کرتے ہیں
معایب | غزل کا ایک بُرّ نقص یہ ہے کہ عشق و محبت کے کسی معاملہ یا واردات کا مسلسل بیان نہیں ہوتا، ہر شعر الگ ہوتا ہے اور اس میں کوئی مفرد خیال یا واقعہ دا کر دیا جاتا ہے، عربی اور یورپی زبانوں میں غزل اکثر مسلسل ہوتی ہے جس میں محبوب کا مفصل سرایا، یا وعین دیجھر کی داستان یا کوئی دیچپ پ واردات، کوئی تفصیلی واقعہ

بیان کرتے ہیں، مثلاً ابن معز محبوب کی حالت خمار کا ذکر کرتا ہے،
 ”میں نے اس کی بات سے بچایا اور کہا کہ اسے راحت جان باؤٹھ دو، اس حالت
 میں بولا کہ نشستے اسکی آواز و بی جاتی اور اس طرح لڑکھراتی تھی جعلی دشمن جبکہ
 زبان سے بعض حرف ادا نہیں ہوتے، اس نے کہا تم جربو لئے ہو میری بچھین
 آتا ہے، لیکن شراب کا نشہ مجھ پر چھا گیا ہے، آج جملکو چھوڑ دو کہ نشہ اُتر
 جائے، بھر کل جو چاہے کرنا،“

یا مثلاً دوارِ مشقی کرتا ہے۔

میر دوستو! میرے متعلق کے پاس جاؤ، اس سے با توں میں کہو کہ ”یہ
 کیا بات ہے کہ تم اپنے عاشق کی خبر نہیں لیتے اور اس کو تباہ کرتے ہیو، اگر وہ سکارا
 توحین ادا کے ساتھ کہو کہ“ اس میں کیا نقصان ہے کہ یہاں سے عاشق کو لپنے
 دصل سے کامیاب کر دیکن اگر اسکے چہرہ پر غصہ کے آثار نظر آئیں تو بھلا دادیکر
 کہدیں کہ ہمکو کیا غصہ، ہم تو اسکو پہچانتے ہیں نہیں۔

فارسی غزل میں متعلق کے دصل یا بھر یا انتظار یا دادع، یا سفر، یا ہم بزمی یا ہم کامی
 یا اور اس قسم کے واردات و معاملات کا تفصیلی بیان ڈھونڈنا چاہیں تو نہیں مل سکتا۔
 حالانکہ فارسی میں غزل کا اس قدر سرمایہ ہے کہ کسی زبان میں نہیں مل سکتا۔

۲۔ ایران کا محبوب اکثر شاہ بہادری اور سنبذل ہوتا ہے، وہ ہر کیک کو ہاتھ آسکتا
 ہے، سیکڑوں سے تعلق رکھتا، آج اس سے ہم کنار ہے، کل اُس سے ہم آغوش ہے

جب غفل میں جلوہ آ رہا ہوتا ہے، تو جارون طرف سے عشق کا جھٹکا ہوتا ہے، وہ کسی نہ سین
لاتا ہے۔ کسی سے اشنا کے کنائے کرتا ہے۔ کسی کی طرف دیکھ کر سکرا دیتا ہے، کسی کو فریب میز
مگا ہوں سے جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہے۔ بنادٹ کے بھی روٹھتا ہے۔ کبھی متا ہے۔ کبھی
مگر نہ ہے، عشق ایک لیکا دپن پھی جاتے ہیں، ہر شخص سمجھتا ہے کہ اصلی اتفاقات میری ہی
طرف ہیں، اور ورن کو بناتا اور دھوکا دیتا ہے۔ بخلاف اسکے عرب کا معشووق عفت عصمت کا
حیثیت ہے۔ وہ ان تک سالی شکل ہے، کوئی شخص اُدھر کارخ کر کے تو پہلے تلوار و نکا
سامنا ہو گا۔ سیکڑوں سرکٹ جائیں گے، خون کی ندیاں بہ جائیں گی تھی کہتا ہے،
دیار اللواہی دارہن عزیزۃ

اس کا سبب یہ ہے کہ عرب میں پرده نہیں اور باعفست خورتوں سے عشق کرتے تھے،
جب عشق کا چرچا پھیل جاتا تھا تو یا تو قبیلہ و اسے شادی کر دیتے تھے، یا انکار کر دیتے
تھے، اور اس وقت محبوبہ پر زیادہ قید و بند ہو جاتی تھی، وہ باہر نہیں جا سکتی تھی اور
جاتی تھی تقبیلہ کے جان باز ساتھ ہوتے تھے، مکان پر گویا آٹھ پر بہرہ رہتا تھا۔ اس
حال میں بی عشق راتوں کو نظر بچا کر جاتے تھے اور ستمبار بالد ہکر جاتے تھے کبھی ناظمین
جاگ جاتے تھے اور تلواریں چلی تھیں۔ عرب کے مشہور عشق مثلاً بھیل، کشیر وغیرہ کو
اکثر اس قسم کے سور کے پیش آئے ہیں۔ انہی مخالفین کو ”رقب“ کہتے تھے، عربی میں
رقب جہاں آتا ہے اسی معنی میں آتا ہے، فارسی میں یہی لفظ نہایت خراب اور ذلیل
معنوں میں متعل ہو گیا ہے۔ یعنی ایک معشووق کے چند عاشقوں کو رقب کہتے ہیں جن میں

ہمیشہ لاگ ڈانٹ اور مقابلہ اور مسابقت رہتی ہے۔ لطف یہ کہ ان سب باتوں کے ساتھ عاشق و مسحوق دونوں پاک نظر اور پاک بازار ہے تھے۔ رات رات بھر جلے رہتے تھے اور کسی کو کچھ خیال نہیں گزرتا تھا، ایک دفعہ جمیل اپنی محبوبت تھنا میں ملا، اور کہا کہ آج میں تجھ سے دل کا معاکننا چاہتا ہوں، اسٹے اجازت دی، جمیل نے عرض مطلب کیا۔ جب پہنچے کہا تو پاک! اگر میر یہ عانتی تو کبھی تیری سورت بھی نہ سمجھتی۔ جمیل نے دامن کے نیچے سے خنجر لالا اور کہا آج میں تیر امتحان لینا چاہتا تھا، اگر تو راضی ہو جاتی تو میں اسی خبر سے تیر اسراز ادیتا۔

اس بنا پر عرب کے عاشقانہ جذبات ہنایت پر جوش اور سے ہوتے ہیں، محبوب کی شان و عرفت عشق کو شتعل کرتی ہے لیکن ابتدا نہیں آنے پاتا۔ یہ بات ایران کو نصیب نہیں۔ ایران میں عاشق اپنے آپ کو نہایت ذیل قوار دیتا ہے، اپنے آپ کو مسحوق کی لگی کا کتنا ہے، اور اپنے بھی لیکن نہیں ہوتی، بلکہ اسکو بھی گستاخی سمجھتا ہے۔ ہر طرح کی ذلت خواری اور بے قدری کو فخر خیال کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ کمال عشق اسی کا نام ہے۔

سحر آدم بکویت پر نکار رفتہ بودی تو کہ سکت بڑہ بودی بچ پکار فرقہ بودی

شیدہ ام کر سکان راقلا وہ می بندی چرا پگردن حافظا نمی نہی ریسینے

بخلاف اسکے عرب میں خودداری اور عزتِ نفس کے جذبات ہر حالت میں قائم رہتے ہیں۔ عرب کا عاشق طالب ہے لیکن گرائیں ہے، جانباز ہے، لیکن غلام نہیں ہے۔

آمادہ مصائب ہے۔ لیکن ذیل نہیں ہے، وہ مسحوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

وَكَانَتْ بِالْمُلْشِنِ فِي الْقِيلَادِرِ

فَلَا تَحْبِبُ لِي تَخْشِعْتَ بَعْدَ كُسْمٍ

اَدْرِيْ نَجْنَنَا كَمِينْ بَأْزِنْجِيرْ طَبْرِ دَرْ تَابُونْ

يَرْ نَجْنَنَا كَمِينْ تِيرْ بَعْدَ كُمْ حَصْلَهْ هُوْغِيَا

۲- جن جذبات کا انہمار کیا جاتا ہے پونکہ ان میں واقعیت کم ہوتی ہے، اس لیے الفاظ اور طرز ادا میں اصلی جوش نہیں ہوتا۔ فارسی عشقیہ اشعار پڑھ کر دل پر کبھی اثر نہیں ہوتا کہ یہ ایک جانہادر عاشق کے ولی جذبات میں، جو خیال ادا کیا جاتا ہے اس میں تعفیع اور باغہ ہوتا ہے، باخلاف اس کے عرب کا شاعر جو کچھ کہتا ہے، اسی حد تک کہتا ہے جبقدر اصلی واقعیت ہے اور اس لیے اس میں جوش اور اثر ہوتا ہے، مثلاً مجنون کہتا ہے کہ میں جب نماز پڑھتا ہوں تو میلی کے خیال میں یہ یاد نہیں رہتا کہ میں نے دو رکعت نماز پڑھی یا چار رکعت ادا کی، ایرانی شاعر کے نزدیک یہ نہایت معمولی بات بلکہ منصب عشق کی توبین میں لیکن اسکی واقعیت اور اثر سے کون انکار کر سکتا ہے، یا شلاؤ جمیل کہتا ہے،

اَرِيدُ لِكَانَى ذَكْرَهَا فَكَانَى

تَمَثَّلَ لِي لِي بَكْلَ سَبِيلٍ

یعنی میں چاہتا تو ہوں کہ میلی کو بھول جاؤں لیکن وہ مجھکو ہر طرف کھڑی نظر آتی ہے ایرانی شاعر بعض وقت ممکن اور قریب الوقوع دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ معلوم ہے کہ وہ اس وصف سے خالی ہے اس لیے اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مثلاً سعدی کہتے ہیں

حَدِيثُ عُشْقٍ وَادْنَكَسِيْ كَدْرِيْهَهُ عَمْرٍ

بَرْ سَنْكُوفَتَهْ بَاشَدَرِيْرَهَ رَا

یعنی وہ شخص عشق کا معااملہ کیا بمحض سکتا ہو جسے نام عمر ایک دفعہ بھی لیکلی چکھٹ پر اپنا سرنہ میں ماہو

یہ خیال بالکل صحیح ہے، لیکن واقعیت کے لحاظ سے خود سعدی بھی اپنی لوگوں میں نظر آتے ہیں جنکے سر کو آستان کو بی کی زورت نہیں آتی ہے، بخلاف اسکے جب عرب کا شاعر کرتا ہے کہ

ذکر تک والخلی بخط بینا و قد نصلت منا المتفقة السمر

میں نے اسوق تجھکو یاد کیا جبکہ گندم گون برجھیان میں خون کریسا ب ہوچکی تھیں
تو چونکہ معاوم ہے کہ شاعر نے میدانِ جنگ میں برجھیان کھائی ہیں اس یہ شعر دل پر
اثر کرتا ہے اور سامیں کے جذبہ کو برداشت کرتا ہے،

۵۔ فارسی شاعری میں حشوق حسن صورت کے لحاظ سے جھوڑ بے مثل بے نظیر ہے
اس سیقدار اخلاق کے لحاظ سے دنیا کے تمام عیوب کا مجموع ہے، ادھ جھوٹا ہے، بد عمد ہے،
ظالم ہے، سفاک ہے، مکار ہے، دناباز ہے، فتنہ گر ہے، حیله ساز ہے، بشر یہ ہے،
کینہ پرور ہے، یا نہایت حمق ہے۔ ہر ایک کی بات مان لیتا ہے۔ ہر ایک کے قابو میں
آ جاتا ہے،

ان خیالات کا آغاز اس طرح ہوا کہ عشق چونکہ تمام احساسات کو مشتعل در تیز کر دیتا ہے
اس لیے ہر جپنگ کا اثر عاشق پر زیادہ پڑتا ہے عشق کا تھنا ہر کو محظوظ کی دیدار و گفتار
کے بھی سیری نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ مکن نہیں کہ محظوظ دنیا کا تمام کاروبار جھوڑ کر آٹھ
پہر عاشق کی نظر فروزی کرتا رہے، اس لیے دہ عاشق کی آرزو بہ نہیں لاسکتا۔ اب گر
وہ عاشق کے سامنے کوئی وقت ہٹ جاتا ہے۔ یا ہر وقت اسکو حاضری کا موقع نہیں تیا۔

یا اسکے وعدوں کو پورا نہیں کر سکتا، یا کبھی کسی اور سے مخاطب ہو جاتا ہے، یا کوئی اور اسکی صحت میں پوچھ جاتا ہے، تو عاشق کو یہی باتیں بیوفائی، بعدہ دی۔ بیرحمی سخن سازی رقیب نوازی کی صورت میں نظر آتی ہیں، اور چونکہ عاشق کا احساس، عام لوگوں کے احساس کے نسبت زیادہ تیز ہوتا ہے اس لیے ہر صفت اپنے درجہ سے بہت بڑی پورے اس پر اثر کرتا ہے، معشوق کی ایک ذرا سی بے التفاوتی کو وہ ظلم اور سفا کی کہتا ہے، اسی طرح ہربات اعدال سے بڑھ جاتی ہے۔

اس بنابر ان خیالات کی تین کچھ نہ کچھ واقعیت ضرور ہے۔ لیکن ایرانی شعراء نے ان میں اس قدر مبالغہ کیا کہ ان اوصاف کو حصیقی قرار دیکر ان کے تمام اوازات اور جزئیات بیان کئے، مثلاً معشوق کو بے التفاوتی کی بنابر بریح کہا۔ پھر بریح کو قاتل کا خطاب دیا۔ پھر قتل کے تمام حقیقی سامان مہیا کرنے یہ، گویا معشوق واقعی ایک قاتل ہو، ہاتھ میں توارہ ہے، عاشق کو قتل کے لیے طلب کرتا ہے۔ اسکی آنکھوں پر جلا دوں کی طرح پٹی باندھتا ہے۔ پھر زخم کرتا ہے، عاشق کے خون کی چھینیں اڑتی ہیں اور اس کے دامن پر پڑتی ہیں۔

قاتلِ من خشمی بندو دمِ سجلِ مرا تا باندھ سرت دیدار او در دل مرا زخون خوش برلن قطروں بی بزم غیرت کگاہ قتل بدامان قاتل فقادستہ چکونہ جان بلاست برمز رخا کے کہ بروش ملک الموتیں سجلِ قداد است حاصل اگر چبیسا کہ ہئنے اور بیان کیا بالحاظ اغلب فارسی غزل گولی میں پسے جذبات

کلم انظر آتے ہیں تاہم ایں معتقد پنسہ ایسا بھی موجود ہے جس میں غزل کی اصلی خوبیان
علیٰ درجہ تاک پائی جاتی ہیں۔ حضرات سو فیہ کا کلام تماستِ رجش اور اثر سے بُریز ہے
جو خیالات اور مضامین غزل کے عناصر اعلیٰ ہیں، ان غزوں میں نہایت
بُر جوش طریقہ سے ادا ہوتے ہیں۔ غزل کا سب سے مقدم مضمون عشق کی میح و توصیف
قدر و قیمت اور اُسکی محبوبیت اور تابعی رشک ہوتے کا انہمار ہے۔ مضمون تمام زبانوں
ادا کیا گیا ہے۔ تینی انتہا ہے،

لودلت لار لفنا خریون فدا یته ممأبة لاغرتہ بفندا ۱۴

یعنی، اگر میں عاشق ہوں کہون کہ تیر عشق میں لیتے ہوں تو اسکر شک آئیگا اور اپر رضنی خو گاہ
فارسی میں مضمون گوناگوں اور پراشر طریقوں سے ادا کیا گیا ہے، ان کا اندازہ
تفصیل ذیل سے ہو گا،

۱۔ عشق وہ چیز ہے جو کانام لینے سے مزہ آتا ہے، عاشق عشق کا لفظاً بولتا ہے
اوہ اُسکی لذت سے مست و بخود ہوا جاتا ہے۔ اس مضمون کو ایک شاعر اطراح ادا کرتا ہے،
عشق می گویم دجان می دہم از لذت فی

۲۔ عشق میں گوہناروں معمیتیں پیش آتی ہیں۔ بہت سی سخت دشوار گذاہ مقام
آتے ہیں، منزل کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن ہر معمیت لذت کش ہوتی ہے، ہر درد دو معلوم
ہوتا ہے، ہر قدم پر منزل کا آرام مزصیب ہوتا ہے

رہروان راختگی راہ نیست عشق یہم راہ است ہم خود منزل است

چنداون کو راستہ کا بھان نہیں ہوتا کیونکہ عشق راستہ ہی ہوا ورنہ زل جی
عاشق فریاد کرتا ہے۔ لیکن اسی نہیں کہ کیون گرفتار ہوا، بلکہ اس لیکے اتنے دن بگزقاڑی
میں کیون گزئے،

نالہ از بہرہ بائی بخند مرغ اسیر خور و افسوس زمانے کے گرفتار نہ بود
عاشق اگرچہ محبوب کے ظلم و تهم اور بے وفائی دبے اعتدالی سے تنگ آ جاتا ہے
لیکن پھر غور کرتا ہے تو نظر آتا ہے کہ ان سب باتون کے ساتھ عشق میں جو لذت ہے
کسی چیز میں نہیں۔

جاء ہنوز نیست بذوق دیاعشق ہر چند ظلم ہست و تهم ہست دانیست
عشق کی تکلیفون میں وہ لذت ہر کہ اس سے جی نہیں بھرتا اور رحم پر رحم کھانیکا جی چاہتا ہے
خوش رابرزوک شرگان تھم کیشانیم آن قدر زخے کو دل نیوست درجنہ بروہ
یہ عشووقونکی بُزک شرگان پر ٹوٹ پڑا، کیونکہ تلوار میں اسقدر گھاؤنہ تھا جتنا دل حاصل تھا
عاشق کو حرفیون کے مقابلہ میں اپنی ترزیح کا اسی بنابر دعویٰ ہوتا ہے کہ اس نے
زیادہ رحم کھائے ہیں،

ماوبلل عرض چاک یمنی کردیم دش ناز پرورد گلستان زخم خاک ہم مہشت
سد ہر چہر جب کمال کو پختی ہے تب اس کا اثر مترب ہوتا ہے لیکن عشق آغاز سے
اسجام تک لذت بخش اور لطف انگریز ہے،
عشق و راول آخر ہمہ ذوق اُش سماع این شراب است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

۲ عشق کا بڑا صفت یہ ہے کہ تمام رذیل اخلاق، شریف اور اخلاق سے بدلا جاتے ہیں
بپن کینہ، حسد، خود پرستی، فخر، غرور، فنا ہو جاتے ہیں، طبیعت میں رقت اور سوز و گزار
پسیدا ہو جاتا ہے۔ اور انسان ایک عام مجت اور شش سے لبرزی ہو جاتا ہے، حضرات
صوفیہ، جب طالب کو تزکیہ نفس کی تعلیم کرنا چاہتے ہیں۔ تو سبے پہنچ عشق و مجت کی تعلیم
نیت ہیں۔ کہ یقیناً نام زندگی کو پاک کر دیگا، اس مضمون کو نظری اس طرح ادا کرتا ہے،

نیچ اکیرہ تاثیر مجت نہ سد کفر آور دم و عشق تو بیان کردم
کوئی اکیرہ مجت کی تاثیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں کفر نکر آتا ہے اور عشق کو درستی کرنے کے لئے بیان بنا لیا
غول کا اصلی ماہی نہیں عشق و مجت کا انہما ہے مجت کا جذبہ جو بندی میں پیدا ہو ہے تو بذکی اختیار زبان
کردا ہوتا ہے عاشق خود جانتا ہے کہ انہما مجت نہ صرف غیر ضروری بلکہ خلاف مصلحت ہے، لیکن ریپاہی میں
شوہق نگداشت کرنے سے بھر بول خوش در نہ این سوز ہنوز از تو نہ ان می باشد

چونکہ مجت کے دعوے میں عاشق کو مفرہ آتا ہے اسیلے طرح طرح سے ادا کرتا ہے،
بھی معشوق کو مخاطب بناتا ہے اور مختلف پر اثر طریقوں سے اس کو پنی شیفتگی و فنا
شعاری جان شاری اور جان بازی کا لیقین دلاتا ہے کبھی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر
کہتا ہے کبھی اس سے بھی غرض نہیں ہوتی کہ مخاطب کون ہے؟ جس طرح کسی غریب
آدمی کو اتفاقاً کوئی دولت ہات آ جاتی ہے اور موقع بے موقع دولتمندی جاتا پھر تا ہر
اسکی طرح عشق کا نشہ ہوتا ہے جس کے سرو میں عاشق، یہ کہتا ہے کہ تمام دنیا کی دولت
اوسمکو ہات آگئی ہے۔ اسیلے بے اختیار فخر و غرور کے لجه میں عشق کا دعویٰ کرتا ہے،

تَنَمْ بَاتِينْ نُطْرِي اور لازمِ محبت ہیں۔ اس لیے غزل میں سبے پسلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ صفاتیں کس حد تک پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں واقعیت اور اصلیت اور جوش و اثر کیاں تک ہے۔

فارسی شاعری نے تمام جذبات پر زور کے ساتھ ادا کیے ہیں

عشق کی شدت اور کمال کا انہما رَعْب کا شاعر اس طرح کرتا ہے،

طَافُ الصَّوْى فِي بِلَادِ اللَّهِ كَلْصَمْ حَتَّى إِذَا مَرَبِّي مِنْ بَنِيهِمْ وَقَفَا

عشقِ تمام دنیا میں چکر لگاتا پھر تا تھا جب میرے پاس پہنچا تو ہمیں ڈیرے والدیے

اس سے بھی زیادہ نیچرل طریقہ سے یک شاعر نے اس مضمون کو ادا کیا ہے،

أَتَانِي هُوَاهَا قَبْلَ أَنْ أَعْرَفَ لَهُ فَصَادَ فَلَبِّاً فَارِغًا فَتَكَنْ

میرے پاس عشق اسوقت آیا جب میں یہی نہیں جانتا تھا کہ عشق کیا چیز ہے اس نے

جو خالی جگہ پانی تو جنم کر بیٹھ گیا۔

ایرانی شاعر کہتا ہے،

دِوَامْ دَافِمْ وَنَهْ دَادِهِ اِنْ قَدْرَ دَافِمْ کہ پاسے تاہ سرمه ہر چہت درجست

مِنْ نَامِ اور وادِ نین جاتا لیکن اسقدر جانتا ہوں کہ سرسے پاؤں تک جو کچھ ہے شکنجہ میں بھپس گیا ہے۔
تصوف فارسی غوغل کوئی اس کشش یعنی عشق کا مبدل حسن ہے زندگی جہان حسن پا یا جایا کیشش بھی ہو گی
کو بلند تر کر دیا

او جس قدر حسن کامل تر ہو گا اسی قدر کشش بھی زیادہ قوی اور سخت ہو گی اور چونکہ حسن کامل صرف شاہِ حقیقی ہے اس لیے عشق بھی وہی کامل ہو گا، جو

شاہزادی سے تعلق رکھتا ہو۔ یہی دبہر ہے کہ حضرات صوفیہ کی شاعری میں جو جذبہ اور اثر ہے اور دن کے کلام میں اسکا شایستہ نہیں پایا جاتا۔ حضرات صوفیہ کا مطلوب عوام شاہزادی ہے اس لیے ان کا عشق ہوا وہوس سے پاک اور نہایت قری اور مشتعل ہوتا ہے،

مازی حسن ناکامل اور سرین الزوال ہے۔ اس لیے عشق مجازی میں دہزادہ جذبہ، وہ استقلال نہیں ہو سکتا جو عشقِ حقیقی کا خاصہ ہے۔

عشقیہ شاعری کا کمال پونک عشقِ حقیقی پر موقوف ہے جو تصوف کے ساتھ شخصوں ہے اور چونکہ اور زبانوں میں صوفیہ شاعری کم ہے اس لیے عشقیہ شاعری میں کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

صوفیہ شاعری میں جو خاصیتیں عوامی پائی جاتی ہیں ان کی تفصیل بیل ہر (۱) چونکہ تصوف میں جن جذبات کا انہمار کیا جاتا ہے وہ واقعی اور حقیقی ہوتے ہیں، اس لیے شاعری میں بھی نہایت جذب، جوش اور اثر ہوتا ہے،

عشق میں سیکڑوں قسم کی دارداتیں پیش آتی ہیں، محیت، شوق، جان بازی، خلاکیت، انتظار، ہجر، وصل۔ یہ تمام داردات اور جذبات عام شاعری کے مضمون ہیں۔ لیکن یہی جذبات جب تصوف کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تو ان میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس حالت کو کہ مطلوب کے سواد میں کسی کی جگہ نہیں رہی۔ سلطان ابوسعید ابوالخیر صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں۔

صحراے دلم عشق تو شورستان کرو تاہر کے دگر نہ روید ، ہرگز
 میرے دل کے صحرا کو، تیرے عشق نے بخیر کر دیا ، اس غرض پر کسی دل کی محبت نہیں زانگے پائے
 ی خیال کہ محبوب نظم و جفا کرنے پر بھی محبوب ہے۔ تصوف کی زبان سے یون
 ادا ہوتا ہے ،

جان زتن بُردی و در جانی ہنوز در دہا وادی در رانی ہنوز
 محبوب کی گران قدری کو حضرت امیر خسر و یون ادا کرتے ہیں -
 ہر دن عالم قیمتِ خود گفستہ نیخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
 تو نے اپنی قیمتِ دونوں جان قرار دی ہے۔ نیخ اور طبھا کیونکہ تواب بھی ستا ہر
 جان شاری کی آرزو
 ہمہ دھیانِ صحرا سر خود نہاد برف
 یہمید آن کر دنے پڑکار خواہی آمد
 محبوب کی نوازش کی افراط -

متسم کرن ان چنان کند نغم ز بخودی در عرصہ خیال کہ آمد ؟ کلام رفت ؟
 محبوب کی نوازش کی افراط -
 جان بیظارہ خرافیا زا فریاندازہ بیش
 ماہ بوسے مست و ماتقی پر دہر پیا نہ زا
 وصال کی جان سخشنی -
 خواہی لے جان برد خواہی بیان کر من مرد نی فیتم امر و ذکر کہ جاناں نیجاست
 اس موقع پر پیشہ ہو سکتا ہے کہ عشق مجازی ہیں جو دارِ این پیش آتی ہیں عشق

حیثیتی میں ان کا کیا موقع ہے، شاہدِ حقیقی دینی ذات باری، زمان، مکان۔ سورت
شکل، سمت اور جہت سے مطلق بری ہے۔ دیدار، وصال۔ فراق، انتظار۔ شوق
محیت، جذبات کا کیا محل ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عارف پر ذاتی اور صفاتی تجھیات
اور مشاہدات میں جو گفتگوں گذرتی ہیں وہ عشقِ مجازی کی داردادت سے بالکل متنی
جلتی ہیں۔ اسیلے اسی قسم کی، لیکن زیادہ لطیف، زیادہ پر جوش اور زیادہ پاک جذبات
پیدا ہوتے ہیں۔ اور صوفی شعر اُنہی کو عام الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ مثلاً تجھیات
کے تنوع اور کثرت کو ایک عارف یوں ادا کرتا ہے۔

اگزو دیدہ دادت کردیدارشکن او بینی طلب کن دیدہ دیگر کردیدار و گردار

اگر ہر ساعتی صد باڑ خسارش بصد بینی ہمی بینی مشوقانع کر رخسا، گردار

یا مشلاً قبض کی حالت جس میں بعض و قات فیضان غیب رک جاتا ہوا وہ ہجر، و
فرق سے متابہ ہے۔

یا مشلاً زندگی میں جو تکلیفات اور مصائب پیش آتے ہیں چونکہ عارف سبکو فاعل مطلق
کی طرف سے سمجھتا ہے اس لیے انکے جھیلنے میں اس کو دہی لطف آتا ہے جو مشوقون
کے جو رو رجفا میں حاصل ہوتا ہے اس بناء پر عارف کہتا ہے،

ہر چہ بخواہی گو کا یعنی ہمہ شنام تلخ چون بربت می سرداش شکر می شود

عمر کر دی کے بسوزی ہغم خویش مر یتیح غم نیست تو می سوز کمن می سازم

بُر دو صاف ترا کا نیست م دکش کہ بربپ ساقی مار نیت ہیں ابطان است

رنگ کنادہ باید پیشانی فرانخ آن جا لطفہ ہائے یہاں نہیں ازند

دو، صوفیانہ شاعری کی ایک ٹبر نی خصوصیت یہ ہے کہ دو ان الفاظ اور خیالات سے بالکل پاک ہوتی ہے جو پاکیزگی اور نزاہت اور تہذیب و ممتازت کے خلاف ہیں۔ مثلاً بوس و کنار و آغوش وغیرہ وغیرہ، کیونکہ تصوف میں عشق حقیقی کا بیان ہوتا ہے اور عشق حقیقی کو ان باتوں سے تعلق نہیں۔ تصوف میں اگرچہ بہت سے خیالات مجاز کے پریا ہیں ادا کیے جاتے ہیں تاہم وہیں تک محدود درستہ ہے ہیں جہاں تک تشبیہ و استعارہ کے ذریعہ سے عشق حقیقی پر ہی محول ہو سکتے ہیں اور آسودگی کی حد تک نہیں پہنچتے۔ مثلاً تصوف میں وصل و فراق و انتظار وغیرہ الفاظ آسکتے ہیں لیکن انکو ان واردات سے فی الجملہ مشابہت ہے جو مشاہدات و تجھیات میں پیش آتی ہیں۔ لیکن بوس و کنار وغیرہ الفاظ سے اس کا دامن پاک ہوتا ہے،

غزل گوئی کا یہ اعلیٰ درجہ ہے لیکن سیکڑوں ہزاروں شعراتھے اور سب صوفی نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے عشق مجازی کی واردات میں بیان میں آنے لگیں۔ اس طرز نے نہایت وسعت حاصل کی عشق و ہوس کے ہر قسم کی جزوی اور لطیف اور دقیق وارداتیں، فارسی زبان نے اس طرز میں جبقدر ادا کیں دنیا کی کسی زبان کی شاعری نے نہیں ادا کیں۔ اگر کوئی شخص نہایت تفصیل اور استقصا کر کے واردات مجست پر ایک کتاب لکھنے اور الگ الگ فصل و عنوان اور باب قرار دے اور ہر عنوان کے متعلق نہایت تفصیل سے لکھنا چاہے تو صرف فارسی غزوں سے یہ تمام سر زبان ہتھا

ہو سکتا ہے، ہم تفہن کے طور پر اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔ عشق کی حقیقت جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، عشق ایک فطری کشش ہے، جو انسان اور جانور کے آثار میں پائی جاتی ہے۔ وہ آکر دل میں ایک خاص ذوق اور شورش پیدا کرتا ہے۔ دل میں ایک کریدا اور ٹرپ پیدا ہو جاتی ہے، زبان سے خود بخود پر جوش الفاظ ملکتے ہیں،

عشق شوئے در نہادِ ما نہاد	جان مادر بونہ سودا نہاد
گفتگوے در زبانِ مان گند	جتوئے در درونِ مان نہاد

عشق کی منزل اگرچہ دور و دراز ہے اور تمام عمر صرف کرنے پر بھی یہ را ہٹے نہیں ہوتی۔ سیکڑوں نئی نئی دار岱ین اور مقامات پیش آتے ہیں۔ رنج و مسرت، بوش و ضبط، وصل و بجز، گلہ و مشکر، صبر و بیقراری، مستی و ہوشیاری، ان سب مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی حالت لطف و مزہ سے خالی نہیں ہوتی۔

رہروانِ راستگی را نیست	عشق ہم را است و ہم خود منزل است
چلنے والوں کو راہ کی تکلیف نہیں ہوتی	عشق خود راستہ بھی ہے اور منزل بھی

عشق کا ہر مقام ایک خاص لذت رکھتا ہے، عشق دراں آخر ہنر ذوق است سماع این شرابی است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است عشق ابتداء اور نہما دنوں حالتون میں سرتاپا ذوق و لطف ہے۔ یہ شراب ہے کہ خام بھی اچھی نہیں

اور سچتہ بھی

عشق کی ابتداء ہی اسکی انتہا ہے۔

نیروی عشق بین کر دین دشت بیکران گامے نہ رفتہ ایم وہ پا یاں رسیدہ ایم
وہ دل میں ایک ایسی لذت پیدا کرتا ہے کہ اسکے نام لینے سے فرہ آتا ہے،
عشق می گویم وجہ می دھم از لذت می

عشق میں گود رو ہم صیبت، رنج غم سب کچھ پیش آتا ہے اور ہزاروں قسم کے مصائب
جھیلنے پڑتے ہیں، تاہم ان سب باتوں کے ساتھ ہی عالم زندگی کی کوئی گیفیت اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جسے ہنوز نیست اب وقِ دیارِ عشق ہر چند جو رہت تو تم ہبہت داؤ دیتے
اس میں رنج کا رنج نہیں ہوتا بلکہ اسکا افسوس ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کیون گز اجنبی رنج نہ تھا
نال از بہرہا لی نکشد منغ اسیر خور د افسوس زمانے کے گزر قفارہ بُو
عشق انسان میں شریفانہ جذبات پیدا کرتا ہے۔ رنج ایسیہ۔ بعض عنا، کی دل میں جگہ
نہیں رہتی، محبت کا ایک عام اثر پیدا ہو جاتا ہے دل میں سوز و گدرا جاتا ہے۔ دشمن
سے بھی دشمنی کا خیال نہیں آتا۔

زمین عشق پر کوئیں صلح کل کردم تو خصم باشی زما دوستی تاشا کن
دوستی باشتم نزہر مهر انگیزی است دوستی را دوست دارم دشمن کوئی نہیں است
دشمن کو عین دوستی کرتا ہوں تو یہ کچھ ذاتی محبت نہیں ہے، ممکن دوستی خود محبوب ہے درد نہ دشمن یہ حال شکن

ہی ہے۔

عشق ایسا نفس پیدا کرتا ہے جو انسان کے بہترین اوصاف میں سے ہے اجات
وال عزت و ابر و ننگ دنام سب کچھ قربان کر دینا عشق کی ابجد ہے ،
دو عالم باختن نیزگ عشق است شہادت ابتداء جنگ عشق است
دونون عالم کو ہمارا جانا عشق کا کھل سپہ شہید ہو جانا عشق کے معکور کی ابتداء ہے ،
یا ز جانا ان یا ز جان بایست دل برداشت ن رسم عاشق نیست بایکنل دو دل برداشت ن
عشق دلیرانہ جذبات یعنی جان بازی ، جان نشاری ، عزم و ثبات ، پا مردی و
استقلال پیدا کرتا ہے ۔

تم اسر نہ ہم پا ذکشم از سر کوشش نامردی و مردی قدمے فاصلہ از
جب تک یہن سرز دنگا سکی گلی سے پاؤں فہنماؤں گا ، مردی اور نامردی یہن صرف یک
قدم کا فاصلہ ہے ۔

بردارم دل گرا ز جان فرمائی بر ہم زخم ، از سود دزیان فرمائی
بنشیشم اگر بر سر رتش گوئی بر خیزم اگر از سر جان فرمائی
چھ عاشق کوئی سے رشک در قابٹ نہیں ہوتی ، وہ سب سے محبت رکھتا ہے
کیونکہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ سب لوگ اس کے محبوب کے دوست ہیں ، اور دوست
کا دوست ، دوست ہوتا ہے ،

نیازارم ز خود ہر گردے را کمی تر سکم در وجہے تو باشد
انسان کا بڑا صفت یکسوئی اور یک طلبی ہے ، یعنی جس چیز کا طالب ہوا کے

سو تا نام عالم سے اس کو کچھ غرض ہو۔ کوئی چیز اسکی نظر میں نہ ملے۔ کسی طرف اسکی
نگاہ نہ ہٹھے۔

دو عالم را یک بارا زدیل تنگ
برون کر دیم تا جائے تو باشد
خی گویم درین گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و گل زیار و باغ از یار و یار از من

تمت زده ام یار عشق دگرے کاش
پرند که غیر از تو بر عالم دگرے ہست
محکوم عشوق نے یہ طعنہ دیا کہ تم کسی در پر عاشق ہو۔ کاش اس سر کوئی یہ پوچھتا کہ تیرے سو کوئی اور عالم تین بھی ہے
یا ز جانان، یا ز جان بایستیں برداشت
رمک عاشق نیست بایک دل دو دبرداشت

عشق مال دولت جاہ و حشت کی طمع سے آزاد کر دیتا ہے،

عشق کا مل نیست تا در بنداں مسلکی
اہن زمان آتش علم گرد کنسو خانہ را
عشق کے ساتھ تمام اخلاق ذمیہ اخلاق شریف سے بدل جاتے ہیں۔ عداوت محبت
ہو جاتی ہے۔ بخل فیاضی بجاتا ہے۔ غور۔ نیاز سے بدل جاتا ہے۔ پست، تہمتی کے بجاء
بلند حوصلگی پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض وہ ایک اکسیر ہے جس سے خاک زر بجاتی ہے۔

یعنی اکسیر پتا شیر محبت نہ رسد
کفر آور دم دور عشق تو ایمان کردم
تا شیر محبت کے ربہ کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی
میں کفر لایا تھا اور عشق میں اگروہ ایمان بن گیا
عشق جب چھا جاتا ہے تو تمام عالم میں عشوق کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ عاشق خو عشوق
بجاتا ہے۔ یہی مقام ہے جہاں سے انا الحن کی صد بلند ہوتی ہے،
موبیوم دوست شد تر کمر کے سیلای عشق
یک انا الحن گوے دیگر برسدا آور د

میرا ایک ایک، و نگنا مسحوق بن گیا ہے۔ جو کوڈر ہو کہ عشق ایک اور انا حق کرنے والے کو دار پر زیر ہائے
عشق اور ہوس یا شاہد بازی اور رندی بظاہر اگرچہ ہم صورت ہیں۔ لیکن
دونوں میں نہایت فرق ہے، عشق کی پہلی شرط، وحدت اور دوام ہے۔ یعنی ایک
محبوب کے سوا، کبھی کسی سے کسی قسم کا سرو کار در ہو۔

نظیری کو عشق است اپنی شاہزادی ورندی کگر یاۓ ردداد وست کس یاۓ دگر گرد
وقت عرفی خوش کر نکشوند گر در بر خش برد ز نکشوند ساکن خلد در دیگر نزد د
از سوز محبت چ خبر اہل ہوس را این شربت در دست نہ سازد ہمہ کس را
عشق ہر قسم کی خود پر تی۔ خوشنی میں، کبر غور، خود میں کو منادیتا ہے۔

خود میں دخویشت پرستی رسم است کہ در دیار مانیست
عشق میں گو سیکڑ ون طرح کی مصیبین پیش آتی ہیں۔ لیکن عاشق کو اسکی
شکایت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا افسوس ہوتا ہے جب وہ ن تھیں۔ کیونکہ عشق کی
ہر مصیبت بھلی لذت بخش ہوتی ہے،

نالا ز بہرہ ای ن کند مرغ اسیر خور د افسوس زمانے کے گر قمار نہ بود
مرغ اسیر رہائی کے لیے نالا نہیں کرتا۔ بلکہ اس زمانہ کا رنج کرتا ہے جب گر قمار نہ تھا
عشق زنگ روپ اور تناسب اعضاء سے نہیں پیدا ہوتا، بلکہ دلوواز ادا میں ہوتی ہیں جو دل
میں چھو جاتی ہیں۔

لیفایت نہانی ک عشق ازو خیزد ک نام آن زلب لعل خط زنگاری است

مشوقِ عشق کتنا ہی تیز ہو۔ لیکن اگر مشوقِ الحرام دا ان اور بست تصویر ہے، تو
شوق اور جذبات سکھ کر رہ جاتے ہیں۔ اب چونکہ محبوب ادا شنا سس
سخن فهم اور عشق و عاشقی کی ادا دان کے نکتہ دان ہونے لگے اس لیے خود بخود
عشق کی طبیعت میں شوق، آرزو، تمباکے اٹھارے کے نئے نئے جذبات اُبھرتے تھے
اور زبان شعر سے ادا ہوتے تھے، دنیا کی کسی قوم نے عشق کے جذبات و معاملات اس
نزدیک است اور گوناگون نیرنگی کے ساتھ کبھی نہیں ادا کیے جیسے ایرانیون نے کیے اور
اسکی یہی وجہ ہے کہ اور قوموں کو ایسے مشوق نہیں ہات آئے۔ غور کرو یہ اشعار،
ایرانیون کے سوا، اور کس کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں۔

شہرت نمکِ تجویی عشق است و گرنا آن گونه تو ان زیست کہ جانا نہ نہ از

از حسن این چہروں است کہ مشوق کیست این سخن راجح جواب است تو ہم میں ای

ہُدُور گردی من از غدر می خندو	حریف سخت کمانے کے دلکشین ارم
من دیپے رہائی واد رپے فریب	برسر گرہ زندگ رہ ناکشودہ را
از یک صیریثِ لطف کا ان ہم دروغ بود	ہمشبِ دفترِ گلہ صد باب شمشتمہ ایم
تو ان شناختن از دوستی مدارا	لو از شے زکرمی کند محبت نیست
کر شمہرِ مر سوال است لب کمن رنجہ	کہ احتیاج بپرسیدن زبانی نیست

رسید و گوشه ابر و بلندگر دو گذشت تو غصی که باید و کنند کرد و گذشت

شراب لطف پر در جام میرزی لذت رم کزو و آخر شواین باشد و من رخا فتم

فرماند هی کشور دل کار بزرگ است ندوست حنی ز تو این کار نیاید
 محبوب کی کج ادایان معاملات عشق کا یہ سب سب بڑا مصنوع ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ
 عاشق کے دل میں معشوق کی نسبت نہزادون خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور عاشقانہ
 خود غرضی کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اسکی ہر خواہش اور ہر آرزو برآئے، اور چونکہ یہ ہو
 نہیں سکتا اس لیے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ معشوق و فنا دار نہیں۔ یہ بدگمانی بڑھتی جاتی
 ہے، یہاں تک کہ اسکی ہر ارادے و فدائی اور بے رحمی پر تمول کی جاتی ہے۔ غرض شاعری
 کے عالم میں جبقدر بے اخلاق ہو سکتے ہیں یعنی ظلم، فریب، حیله سازی۔ دروغ بیانی
 بیحری بے اعتنائی۔ دل آزاری۔ دو زبانی۔ معشوق ان سب کا مجموعہ ہوتا ہے۔

۱۔ عاشق اپنا کچھ حال کہنا چاہتا ہے تو محبوب یہ کہکچپ کر دیتا ہے کہ یہ تو میں
 پہلے سن چکا ہوں (حالانکہ بھی سنانہ تھا)

ساز و خوش با من حسرت کشیده را گوید، ناشنیده ام، نحن ناشنیده را

۲۔ معشوق غیرون کے ساتھ بزم میں بیٹھا ہے اور عاشق کے بلا نے کو آدمی
 بیجا ہے لیکن قصد ایسے شخص کو بیجا ہے جس کو عاشق کا گھر معلوم نہیں۔

باغیر نشینی دفترستی ز پئے ما آن را کہ نداندرہ کاشانہ مارا

۳۔ محبوب کی زبان سے کبھی کوئی لفظ مہربانی اور دلجوئی کا محل جاتا ہے تو اس غرض سے کہ عاشق کو اسکا لیقین نہ آجائے اپے درپے غلط انداز با تین کہ جاتا ہے کہ وہ بات بھی اسی قسم کی سرسری غلط انداز بات تھی۔

یکبار نہ گفتی سخن حسر کر درپے صد گونہ حدیث غلط انداز گفتی

۴۔ متون کے بعد بھول کر بھی عاشق کا حال پوچھتا ہے تو وہ بھی عاشق سے نہیں پوچھتا، بلکہ عاشق کے سامنے رقیب سے پوچھتا ہے،

پس از عمر کی اگر حال من پیاری پر بد سخنی پرسد زمآن آن نیز از اغیار می پیدا

۵۔ اتفاقاً کبھی کوئی وعدہ دفا کھی کرتا ہے تو اس غرض سے کہ سیکڑا دونوں وعدہ خلا نیوں کا موقع حاصل ہو گا۔

بهرہار وعدہ خلافے دیکھ است گرا زہرا و وعدہ یکے راد فالند

۶۔ سیکڑا دون تدبیر دون کے بعد عاشق کو بزم یار میں پہنچنے کا موقع ملا ہے لیکن بیٹھتے کے ساتھ یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ جس سے مقصد یہ ہے کہ غریب عاشق شرمندہ ہو کر اٹھ جائے۔

پس از عمر کی دربز مشیں صدقہ نیشنیم سخنی ز مدعاے من کند تاز دد بخیزیم

۷۔ رقیب جب باتیں کرتا ہے تو عاشق کے دھوکا دینے کے لیے معشووق مُنخہ پھیر لیتا ہے لیکن کان اُسی طرف ہیں اور شوق سے رقیب کی باتیں سن رہا ہے۔

- چون کند غیر سخن بہر فریب ل من دو گردانی و خود را پشنیدن ا ری
 ۸- عاشق نے مصلیہ دوچار روز کے لیے آنا چھوڑ دیا تھا، معشوق کو ایک حیلہ
 ہاتھ آگیا اور پھر کبھی عاشق کو نہ بلایا۔
- رُتْمَهْ دُورُوْزَهْ از وَشَنْ از بَهْرَلْحَتْ دیگر مران خواند وہاں زبانہ نہ است
- ۹- محبوب نے وعدہ کر لیا ہے۔ عاشق ایفای وعدہ کا تقاضا کرنا چاہتا ہے،
 لیکن ابھی لب بھی نہ کھلے سختے کہ معشوق نے کہا کہ اس قدر بجا جدید را صار کیوں ہے؟
 نہ ہرہ دار مم و عدہ دیرین بیادش آرم دنب ہم نکشودہ می گوید کہ این برا میت پڑا
- ۱۰- عاشق خطراباً و ربے تابی کے عالم میں کبھی معشوق کی مجلس میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کسی کو متوجہ نہیں پاتا تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور
 پلا آتا ہے۔ لیکن معشوق کو مطلق پروانیں ہوتی۔
- می شنیم می شکلیم می گدازم میردم ضغط بے می کنتم اما کہ پروا می کند
 ۱۱- عاشق سے اس قدر بدگمانی ہے کہ بیچارہ کسی سے کوئی بات کرتا ہے تو
 معشوق کو گمان ہوتا ہے کہ میری شکایت کر رہا ہے،
 بدگمانی ہیں کہ باہر س جایتیکنم ا و تصویر می کند کنونے تکایت لیکنم
 اسفل معشوق سفر ہے، اس وقت جو حالت پیش آتی ہے اور جو خیالات
 دل میں گزرتے ہیں ایک ایک کر کے ادا کئے ہیں شرف قزوینی کی مسلسل
 غزل اس مضمون پر ہے۔

از تو ناندہ تاب جدا تی، دگر مرا
برندہ مرد بہ سفر یا بہ مردا
نادیدہ کرد، تا انکنہ عزم ہمہ بی
آن مہ چو دید وقت سفر در گز مردا
یعنی معشوق نے جب بھکوارہ میں دیکھا تو اس طرح نظر بچا گیا کہ کویا دیکھا ہی نہیں۔ اور یہ اس لیے کہ
کہیں میں بھی ساتھ نہ ہوں۔

گر قصد ان نہ داشت کہ گرد مزم زغم ہاں
بہرچ کر دی؟ از سفر خود خبر مرا
عزم سفر نہ وودہ و ترس کم کر در دور و ز
قاسد امباڈ چون شرف از خوشین فرم
وحشی زیدی کی ایک غزل ہے جس میں معشوق کو سفر کے ارادہ سے رکنا چاہتا ہے
یاران خدا ی را بہ سوے او گز کر کنید
باشد کش این خیال خاطر بدر کنید
دوستو! خدا کے لیے اس کے پاس جاؤ۔ شاید یہ خیال اس کے دل سے نکال سکو
از حال ما چنان کہ در و کار گر کشود
آن بے محل سفر گز مارا خبر کنید
اُس بے نزدیت سفر کرنے والے یار سے میرا حال اس طرح کو کہ اس پر اثر ہوا
منعش کنید از سفر و در میان منع
اغراق و صعوبت رخ سفر کنید
سفر سے اسکو روکو اور سلسلہ سخن میں سفر کی سختیوں کو زور دیکھو! بیان کر دو
گر خود شنید جان زم فرده از تما
در شنو دمبا د کر این جا گز کنید

اگر اس نے مان لیا تو تم خوشخبری لاو۔ اور میں جان نذر کر دوں گا۔ اور نہ مانے تو خدا انخواستے

تیری طرف نہ آتا۔

- ۱- معشوق رقیب پر عربان ہے لیکن عاشق کو اس کا رشک یقین پیدا نہیں ہونے دیتا اور سمجھتا ہے کہ میرے جلانے کو رقیب کی مزاج پر کی کر لیتا ہے ورنہ دل میں پکشیں۔ چنانچہ اس خیال کو خود قیسے ظاہر کرتا ہے
- نذرِ دای رقیب آنس سے پیان با قوہ لطفے گے حال تو برغمِ من فکار می پرسد
- ۲- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق کے دوست احباب عاشق کی سفارش معشوق سے کرتے ہیں لیکن نافہی سے ایسی غلطی کر جاتے ہیں کہ اسکا اور مختلف اثر ہوتا ہے بطفہ یہ کہ اللہ احسان بھی عاشق پر رکھتے ہیں،
- زناد افی نبراؤ کردہدم کارزن ضلائع عجب ترین کر بر من منت بیا عجم دار
- ۳- معشوق ہمہ تن عاشق سے مخاطب ہو لیکناتفاقیہ کسی اور کی طرف مخاطب ہو کے، اس سے ایک آدھ بات کر لیتا ہے تو عاشق کو یہ بھی گوارہ نہیں۔
- اگر کیجوف با غیار و بامن صدقجن گوید نذرِ متابی آن کیجوف ہم خواهم ہم گوید
- ۴- دانستہ دہ دشن زن نہار نامر قاصداً پہلوے او مبادا غیر نشترے باشد
- ۵- رقیب کی خصوصت اور شرارت سے عاشق تنگ ہے لیکن سمجھتا ہے کہ میں خود معشوق سے اسکی شکایت کر دنگا تو اس کو اعتبار نہ آئے کہا اس لیے چاہتا ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ واقعہ اس کے کان تک پہنچے۔
- این کر بامن کرده ہنم غیر غوغائے دگر خواہم آن مرتباً دندہ از من انجلے دگر
- ۶- عاشق مجلس میں معشوق کی نظر بچا کر اس کے دیدا کا طفٹھا رہا ہے اتفاق

سے معشوق نے دیکھ لیا۔ عاشق شرمندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہمان زو بخش داشتم تماشاے نظر بجانب من کرو دشمن سارندم

۱- معشوق مجلس میں خوش جالون کو ساتھ لیکر بیٹھا ہے، اس حالت میں عاشق کو بلا کر شرکی مجلس کرتا ہے، جس سے غرض یہ ہے کہ عاشق کی نظر کسی در طرف اٹھ جائے تو ازام لگائے کہ تو ہر جائی ہے۔

نہ شیندابنکور وان بزم خوشنیں یارم کہ چون بنیم بسوے دیکھی ساز دگنہ گرام
۲- بزم یار میں عاشق کو کیا کیا اتفاقات اور واردات پیش آتے ہیں۔

چین تاکے زبزم یارنا خشود برخیزم نگوید بامن بیدل سختا زد و برخیزم
زبیداد تو کے جو یم جدا میں قریم من کا زبڑست پریکتے فتاب آدو برخیزم
زرشک غیر ترسم خنودی انسندازن زبزم اوہاں بہتر کہ مشتبہ و برخیزم
پے تریب بزم خاصن مجلسس فتنی بجم اگر من ہم دران مجلسس خواہم پو و برخیزم
۳- قادر سے پیغام کرنے کے وقت عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک ایک بات کو سو بار کہتا ہے کہ کہیں قادر کوئی بابت بھول نہ جائے۔

چومن پیغام خوب افاصد لدار میگویم زیم آن کا زیادش و دصدبار می کویم
۴- معشوق کے ظلموں کی تاویل کرنا کہ کوئی اُس کو براز کرنے پاے۔

جفا می بنیم اوتا بدندگو میتھ کس لوا بہرگس میر سکم عذر جھٹاے پاری گویم
لیکن نظیری نے اسکا ایک اور طیف پھلو پیدا کیا یعنی خود بزم اور بذاعم بتا ہو کے

کوئی یہ نسلکا پائے کہ معشوق تر نہ اس کا خوازی سے کرو کیا
 بہری در تحریر جانا سب کے آرم کر مہاد خوازیں پری و گویند نہ رواز بیو
 ۲- عاشق اس ضرہ سے عشقی داستان بیان کرتا ہے کہ اور رون کو ہمی عشق
 ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔
 ہر کس کو شبندو شوہر فی ذوق عاشق اس کو حرف عشق کرنے والے دا کنم
 ۳- عاشق ہیں ٹلیں ہیں جا کر پیٹھ را نہیں سیڑا۔ رکھ رکھ پیٹھ رکھ رکھ اسی
 ذکر میں عشقوق کا بھی کچھ حال سننے ۴- جائے لگا
 بہر میں کچھ اساز ہم صرف نہ کوئی پکھ کر جتناں ۵- دا اس زیستیاں کیوں
 د- عاشق نے پیچے سے اس پتہ بخوبی سمجھ کر دیکھ دیجے تھے اسی
 عشقوق اس کا جواب دیتا ہے تو اس طرح کہ قریبی بھی ان انتباہ
 چنان گویا جو اس سکی کرالن کرو قریبی ۶- عالی گر کر جیدال زیستیاں اسی پر
 سر عاشق سے بڑھ کر عشقوق کے حال ہر کوں ما قھٹ ہو گئی اسی جسی دلیل عشقوق نے
 کرایکا یک سے اس کا حال پوچھتا پھر تا ہے۔
 زحال دا گر جپا گھم بیل زہم لیکن ۷- زہماںی عشق حال دا زینیں اس پر جم
 ۸- بھیں عشقوق نے عاشق سے پائیں کیں۔ ایکن عاشق نام شاہ بھمال زد
 ایسا محظیا کیوں بمحما۔ مگر بخاست ہوئے پرباہر کلا تو اب ایک طیار است پیچھا
 کر کیا بات کی اور اس کا پلو کیا تھا۔

زندہ ہوشی نہ فهم ہرچو گویاں پری ہاں
بواز بزمش و مضمون آن دیگران پرم
محبوب کاظلم ایرانی شاعری کا یہ سببے ٹرامیداں ہر اسلکی صلیت اقدار ہو کر عاشق اپنے

شقوق اور آرزو کے مطابق محبوب سے لطف والتفات کی توقع رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وفا دار سے وفا دار محبوب بھی اس سے عمدہ برآ نہیں ہو سکتا، اس لیے عاشق کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ محبوب کے دل میں جنمیں یہ خیال پر برتری کر جاتا ہے یہاں تک کہ تمام دنیا کاظلم اور بیرحمی اسکی طرف منسوب کی جاتی ہے، محبوب محبت اور التفات کی بھی کوئی بات کرتا ہے تو اس کو بھی کوئی بُرا پہلو فرض کیا جاتا ہے۔ اس مضمون کو شعر نے نایت و سعث دی ہے۔ اور اکثر جگہ فطری جذبات اور واردات کا بھی اظہار کیا ہے۔

۱۔ میرزی با غیر و می گوئی بیاعفی تو ہم لطف فرموی بر دکین پاپے رفتازیت
رقیب کے ساتھ جلا ہے ہو درستہ ہو کر عرفی تو بھی آ۔ آپ غایت فرائی لیکن میرے پاؤں چلنے کی طاقت نہیں
۲۔ محبوب کا طرز عمل اگر کیاں ہر تسبیحی کیسوئی ہو جاں لیکن محبوب یہ تم ظریفی
کرتے ہیں کاظلم کرتے کرتے کبھی کوئی ادا لطف کی بھی کر جاتے ہیں جس سے عاشق کرنے
سر سے امیدیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بچنا کامی ہوتی ہے۔

این جو رو دیگر است کا زار عاشقان چند ان نمی کند کہ بہید ادھوکنندہ

از ان پر در دو گرہ زمان گرفتارم کہ شیوه ہے ترا باہم آشنا نیست

۳۔ عاشق نے اخفاے راز کے لحاظ سے چند روز آنا جانا ترک کر دیا۔ محبوب کو بہانہ ات آگیا اور جرم کی پادش ہیں پھر کبھی باریابی کی اجازت نہ دی۔

رُفتہم دور زمے از در شان ز بر مصلحت دیگر مران خواند وہاں را بہانہ ساخت

۴۔ عاشق اگر کبھی کوئی راز کی بات محبوب سے پوچھتا ہے تو وہ دافعہ سلطھ جواب دیتا ہے کہ اور لوگ بھی اس لیتے ہیں۔

چنان گوید جواب میں کر زو گرد و قریب

۵۔ محبوب عاشق کو اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہے تو اس غرض سے کہ بے ملکی سے اس کی طرف نہ دیکھ سکے۔

در بزم ازان پہلو سے خود جادہ مرا تارست سوی او نتو انم نگاہ کرد

۶۔ مدتوں کے بعد اگر کبھی عاشق کا حال بھی پوچھتا ہے تو خود عاشق سے نہیں

بلکہ غیر وہ سے پوچھتا ہے۔

پس ا زغم اگر حال میں بیمار می پڑے نبی پر نہ من آن نیز نہم زاغیار می پر بد

۷۔ اخفاے حال طالب و مطلوب دونوں کی طرف سے اسات کی نہایت کوشش

کی جاتی ہے کہ محبت کا راز فاش نہ ہونے پاے اسیے ہر موقع اور ہر جگہ پخت احتیاط

اور پر دہ داری سے کام لینا پڑتا ہے مثلاً عاشق مختلف جلسوں میں جاتا ہے اور

معشوق کی خبر دریافت کرنی چاہتا ہے

پہنچ لیکن جاسازم حدیث نیکوں پرم کہ حرف آن من امہربان از مریان پرم

۷۔ ایسا کسی نہیں، ناچار ان خوبیوں کا تذکرہ جھیڑتا ہے ان کا اشمن میں بھجو کرکے

حالت پر آتھوادیں

بھجو کر کے دیں، تا جوڑا، شوق سے بیتاب ہوا ہاتا ہے لیکن اُنکی طرف
نظر نہیں، اُنکی تما

بیت دوڑا، میر دل تو گلگر درست، راست آنکہ فند غیر در گمان دگر
ایک شوکتی اور حسرت پر عاشق ہو گیا سہد۔ اب عاشق اسی سے اپنے مشوق
کی سعادتی رہتے ہے۔ صرف علمائی عقول میں بلکہ تاریخی واقعہ سہہ ریز اسی نام
داہب تخلص شاوه اُن رحمتوں کے زادہ میں ایک شاعر تھا، وہ ایک لوخط پر مرتا
تھا۔ اتفاق سے اسکے شاہزاداری سے محبت ہو گئی جو زانے اپنے محظوظ کے
مشوق کو یہ اشعار کیوں نہیں۔

اس کی صیادی کو اپنے ٹھوکتے ہیں	بیٹا بڑا کو سینٹ ٹھوکی سل گکر
عمر زاغت تو گلگر پردہ دلی عالم را	اوہم از کل سیدھا خطا کروہ جانے تھیں
ڈیکھاں گلے، اوہمیں یا ان سنت	در گلتا ان جہاں ہر دن دار یہ قلیر
شب کو مسناز دیزم تو قدم بگزارد	سجدہ شکران دور قدش زد دبیر
پھٹکتے کہ اسیرا دکلہ جپشی بوس	ہنیاف کہ فقیر اس کنند و شش گکر
عاصمہ صید تو گردید چواد صید تو شد	بود در طالع حست کشود عالم گکر
ترکا، برد سد پر، شکا کا لش زرد	کاڑشیہر نیا ید، زعنفلان شمشیر

صفاے نظر مہر و محبت سو گند
کی کغم روز ترا چون شب خود تیرہ دنار
می کشم زلف ترا چون خط او در زنجیر
۴۔ عاشق ایک خوشنہ سے اسلیے ملتا تھا کہ وہاں اُسکے معشوق کی آمد و رفت
غافلی۔ خوشنہ غلطی سے اپنے اپ کو معشوق سمجھا۔ عاشق اب پرده اُٹھا دیتا ہے۔

من بر تقریبے دران کو پائے دلکان شتم
کافرم یک ذرہ گر مہر تو در دل دشتم
خوش خرامے دیگران جا گاہ کا ہر بی گزشت
زان سبب عمر سر کوئی تو منزل شتم
صورت دلدار دیگر در مقابل دشتم
من کہ پیشیت می زدم فریاد می فر تم زخو

لائیں
لاست گریم ہشق دلدار و گردارم نقی

عاقبت انہمار کر دم انچہ در دل دشتم

۳۔ کسیں معشوق کی حسن فربی بھی عجیب چیز ہے۔ بڑے بڑے ارباب کمال، عالم
امان، امیر، غریب، ہر درجہ اور ہر رتبہ کے لوگ ہیں۔ لیکن ایک خوبصورت جمال کے
گے سب از خوشی رفتہ ہیں۔ اور کسی کی کچھ نہیں چلتی۔ یہ حالت دیکھا رہے اختیار ایک
بہتر پذیر شخص بول اٹھتا ہے۔

هم از غالیبے حریفی ہائے حسن است
کہ یک عالم حریفی کو دکے نیست

۴۔ عاشق چاہتا ہے کہ در سے لطف نظر اٹھاے اور معشوق کے دام میں نہ
لے۔ معشوق غزوہ حسن سے ہنتا ہے کہ بچکر کہاں جاسکتا ہے۔

بُوذرگِ دی من از غزوہ می خنده
حریف سخت کرنے کے دیکھیں ارم

وہ سخت کمان شکاری جو میری تاک ہیں ہے۔ میرے کتراء پھرنے پر عندر درستہ ہنتا ہے
۳۔ مجلس میں معشوق بھی ہے۔ عاشق بھی، رقیب بھی۔ معشوق کی نظر عاشق پر ہے
کہ وہ کس نگاہ سے مجبود کیوں رہا ہے۔ عاشق یہ دیکھتا ہے کہ رقیب کی نگاہ ہیں کس طرح
معشوق پر ٹپر رہی ہیں۔

تو واقعہ من من اقتب نگاہِ رقیب تو پاسِ خرمون من پاں نو شہرِ صین ام
ہم۔ معشوق عاشق کی باتیں سننا نہیں چاہتا۔ عاشق اس طرح اسکو سننے پر آمادہ
کرتا ہے۔

شاید بہ مرعای تو گفتہم حکایتی یک بار عرض حالِ هرمی تو ان شنید
کبھی میری عرض سن تو ملکن ہے تمہاری ہی ڈاھب کی کوئی بات نہیں آئے
۵۔ رقیب مر گیا ہے۔ معشوق کو جو ابھی کم سن اور اخڑھے ہے اس کا سنت صدمہ
ہے، اب لوگ یہ کہکر معشوق کو تسلی دیتے ہیں کہ عاشق بھی پندرہ روز کامہان ہے۔
چنان مرگِ قیباً زردہ کرداں طفل بنووا ک غنچہ اران ب مرگ من تسلی می کنند اولہ
۶۔ معشوق تسلی ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی ادھب کی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔
یہ دورنگی اور بھی صیبیت ہوتی ہے ایک سی حالت ہو تو اپر صبر آجائے۔
این جو روایگر است کہ آزار عاشقان چند اونٹی کندکہ ہ بیدا دخونکند
۷۔ قاصد پیغام لے کر گیا ہے اب عاشق یا ان بیٹھے بیٹھے دل ہی دل میں کہہ
رہا ہے کہ قاصد پیغام لے کر گیا ہے اب عاشق یا ان بیٹھے بیٹھے دل ہی دل میں کہہ چکا ہو گا۔

چو برد پیام فاصلہ کنم این خیال ن گویم کہ برش حکایت من بکجا صدہ باشد
۱- بھر میں وصل کی ایکسا ایک اوایاد آ کر زیانیا صدہ ہنچاتی ہے۔

ہر زگاہش میں موختہ درود و صال در شب بھر بلاست کہ من می انم
۲- معشوق کو التفات نہیں لیکن عاشق معشوق کی کسی ادا سے قیاس کرتا ہے کہ
ضرور اسکو نظر لطف ہے لیکن چونکہ رقبوں کے طغہ سے ڈرتا ہے اس سے یہ
صف صاف اس کا انہما نہیں کر سکتا۔

سوی خود میل دل این سید برا نستہ ام نی کند از طغہ بدو گو خدر دا نستہ ام
۳- عاشق کو یہ تو معلوم نہیں کہ معشوق کس بات سے آزر دہ ہو گیا ہے لیکن اس کو
اس قدر ضرور نظر آتا ہے کہ وہ اگلا سا برتا و نہیں رہا۔

پے بزدم کر جچ آزر دہ است طعن مذکت نیستی با من چو اول این قد دا نستہ ام
۴- رقب کے ساتھ معشوق کی مہربانی کا حال عاشق کو معلوم یبو گیا ہے۔ وہ اسکا
گھلہ معشوق سے کرتا ہے لیکن چونکہ معشوق اپنے محروم راز سے ناراض ہوتا ہو کر اسی نے
عاشق کو خبر کی ہو گی اس سے اس خیال کو دفع کرتا ہے۔

لطف تو دا نستہ ام با غیر از محروم منج کون گفت این با من انجا د گردا نستہ ام
۵- جس قدر زیادہ تجھر پہوتا جاتا ہے، اسی قدر معشوق کی بے مری کا لیقین بڑھتا
جاتا ہے۔

شیوه بدر ہری آن ماہ ربان خود شرف خوب می د نستہ اکنون خوب تر دا نستہ ام

۶۔ عاشق کبھی ناصح کی بتائے سن لیتا ہے۔ اپر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے کہ ناصح نصیحت کے اشنا میں کبھی کبھی معشوق کا نام لے لیتا ہے، کہ اسکی محبت سے باز آؤ، عاشق صرف اس نام سے لذت اٹھاتا ہے اور ناصح کو جو بھی میں آئے کہتے دیتا ہے۔

مقصود ماشندیدن نام تو بودہ است
گاہے زناصع ارسنے گوش کردہ

۷۔ مخوبیت کا عالم۔

ربودہ آں چنان رخود خیالِ نئی دیم
کہ خود حرف اگر پرسہ جواباً دنی گویم
۸۔ عاشق اپنے کسی دوست اشنا سے اپنا حال کھتائے ہے۔ لیکن بات کہتے ہے کہ جب خیال کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ (عالم ذوق میں) اپنے حال کے بجائے معشوق کا تذکرہ کر رہا ہے۔

چ شوق ہتائیں کہ گریم رحال خونجناکس
دشناۓ خون چون بلگرم حرف تو می گویم
۹۔ معشوق کا خط آیا ہے عاشق فخرستے ایک ایک کو سنا تا پھر تا ہے،

از دوست چون رسیدہ مانا مکر فخر
صدرہ نمودہ ایم پہ کرس رسیدہ ایم
۱۰۔ عاشق نے اپنے عشق کا حال معشوق سے کھدایا ہے اور اب یہ ڈر ہے کہ غیر ان سے اس راز کو وہ مخفی بھی رکھے گا یا نہیں۔

۱۱۔ او انہمار کردم مهر دراند شیہ آنم
کہ آن نامہ ربان از غیرہ بیان می کندا یا
۱۲۔ رقیب ابھی عشق کے نکتے کیا جانے۔ کبھی اتفاقاً اس کے منہ سے کوئی بات

عشق کے انداز کی نکل جاتی ہے، تو وہ عاشق ہی سے سخن ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ عاشق
رقیب سے خطاب کر کے کہتا ہے،

گرفتہ رعش، گے حرف آشنا آن ہم حکایتے اس کہ زم شنیدہ
ام عشوق کی زبان سے عاشق کی نسبت بھی کوئی کلمہ، محبت کا نکل جاتا ہے تو
اس غرض سے کہ عاشق کو اسکا لیقین نہ آنے پائے قصد اپے درپے غلط انداز با تین
کہتا جاتا ہے کہ وہ بات بھی گویا اسی قسم کی سرسری غلط انداز بات تھی۔

کیباں لگفتی نہن مہر کہ درپے صد گونہ حدیث غلط انداز دلگفتی
۲۔ قاصد خط کا جواب نہیں لایا۔ عاشق کو یہ پوچھانی ہے کہ غلطی سے اور کسی کو
فے آیا۔

نی آرد جواب نامہ در در مرا قاصد غلط کر دہ بدرست یگر دا دینداری
۳۔ یہ بھی عجیب موقع پیش آتا ہے کہ عاشق شرم سے لمحاظ سے۔ رعب سے
مشغوق کے سامنے بات نہیں کر سکتا۔ رقبیب اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہو کہ عاشق
کی نسبت جوانا پٹشاپ باتیں چاہتا ہو کر تاباہی غریب عاشق سنتا ہے اور اس کی
تمذیب نہیں کر سکتا۔

من از حیا خوشون تالے غیر پیش یار نقل حدیث بودہ ذنب بودہ می کنی
۴۔ رقبیب عاشق کرتا ہے لیکن عاشق رقبیب پر الزم نہیں صحت اکیونکہ جانتا ہے
کہ رقبیب جو کچھ کہہ رہا ہے عشوق کے اشارے سے کہہ رہا ہے۔

صد جو رمی کئی و نبی رنجھے قیب چون آگھم کہ این بہرہ فرمودہ می کئی
نبوبت متعلق بدگانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ بات بات پر محبوب کی نسبت بدگانی ان

پیدا ہوتی ہیں مثلاً

۱۔ کسی نے پوچھا کہ نبوبت کیا ہے؟ پوچھنے کے ساتھ عاشق کے دل میں سوسو
طرح کے دہم گزرنے لگتے ہیں۔

کاش لے محروم! نبی پرسید یہ کام کیا ہے یک خن گفتی و باذار صدگانم سوتی
۲۔ محبوب عاشق کے بیار پر کی کوئی ایسا ہے۔ اب عاشق کو یہ بدگانی ہے کہ گھم کا پتہ
کس سے پوچھا ہو گا۔

با ان کہ پر سیدن ما آندہ مردم کایا کہ ز پر سیدہ رو خانہ نارا
۳۔ محبوب عاشق کو قتل کر کے افسوس کا انہار کرتا ہے۔ یہ خوش ہونے کی بات
تھی۔ لیکن یہ بدگانی ہے کہ شاید قیب کی تائین کے لیے نہ ہو۔ یعنی رقبہ کو ڈر پیدا
ہوا تھا۔ کہ اگر وہی سفارتی ہے تو ایک دن میری نوبت بھی آئے گی۔ اس لیے عشوق یہ
ظاہر کرتا ہے کہ محکوم خود اس کا افسوس ہے۔ اور اتفاقیہ ایسا ہو گیا۔ آیندہ لہاچمال نہیں

از ہلاکم ہر دم انہار پر پیشانی کند این خن تا بر تسلیم ل ناشادیست
مشوق کو خط لکھنا عشوق کو خط لکھنے میں جو جو خیالات اور واقعات پیش آتے ہیں وہ

ایک سبق عالم ہے اور ہمارے شعر اسے اس عالم کے ایک ایک نقطہ کی سیر کی ہے۔
۴۔ عالم شوق ہیں ایک ایک بات کو سو سوار لکھ جاتا ہے۔

بہ جانا ن نامہ ہرگز عاشق بیا نزوید کراز بے طاقتی کیج فیصلہ باز نزوید

-۲۔ اکثر اور وون کے خطوط میں بھی عاشق کا تذکرہ آ جاتا ہے
بہ غیر نامہ نزوید عرض کی شریش نگر دینخود وحدت جاحدیت یا نزوید

۳۔ عاشق کا خط جو نہیں آتا تو عاشق کے دل میں یہ بھی شبہ گز رتا ہے کہ
عاشق کو نیری زندگی کی نسبت شبہ ہو گا کہ جتنا بھی ہے، یا نہیں، یوں ہی کیا خط
کھلون۔

نمی دانک ک از در د فرقش زندہ ام نا ملک عاشق کی جنوبی اداین

از ان برگز سلام عمر آن فرمش کا زنوسه
تمرا در نظر مدعا ان خوار کند

خمن مدعا ان لکن از من پنا ان دنچ از من شنود بر ہمہ ظہار کند

درست کے بعد بھی عاشق کا حال بھی پوچھتا ہے تو خود اس سے نہیں بلکہ کسی اور سے،
پس لازم ہے اگر حال من بیار می پس نمی پس من ان نیز از اغیار می پس

مشوق انا ناز۔

۱۔ محبوب کی زبان سے عاشق کی نسبت کبھی کوئی لکھ جست کا نہیں سیا تو قصداً
اس کے بعد پے در پے بہت سی غلط باتیں کہ جاتا ہے تاکہ عاشق ہے مجھے کردہ بات
بھی اسی قسم کی ہوائی بات تھی۔

لکبار لغتی خمن مسر کر کے در پے سد گونہ حدیث غلط انداز نگفته

۳۔ محبوب کو عاشق اور رقیب کے عشق و ہوس کا امتیاز نہیں۔ عاشق کے سچے
جدبات، اور رقیب کی مصنوعی حالت یعنی وہ فرق نہیں کر سکتا۔

۴۔ قسمت نگر کر باطل چاکم برابر است جیسے کہ معنی یہ ہو سپاہ میں کتنے
۵۔ عاشق کو ذرا سی نگاہ اتفاقات سے بھی تسلی ہو سکتی ہے لیکن انہوں محبوب سے
یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

مرابنیم نگہ می تو ان تسلی کرد ہزار حیفہ کر این شیوه رانی دانی
ہم بیوفانی اور ناہر بانی کے جو طریقے پڑھتے تھے محبوب نے اس میں اور اور
جذبہ میں پیدا کیں۔

طرز سر جوان و گیرا گشته بود الحس کون اختراع چند در نامہ بانی کر دہ است
عشق کا آذناز بھی ابھی تاک انہما عشق بھی نہیں ہوا ہے۔ چونکہ جدا لئی کا تصور بھی نہیں
اس لیے خوب بھی بھر کے دیکھنے کی بھی عندرست نہیں محسوس ہوتی۔ ہے۔

ہنوز عاشقی و دلربائی نشدہ است دل ایتادہ بدر یوزہ کر شمہ و لے
ہنوز فرصت عرض گدائی نشدہ است ہمین تو اضع عامہ سخت حقیقی عشق
میان ناز دنیا ز آشنای نشدہ است نگر ذخیرہ دیدار خود نکر دا مرد و ز
کہست فرصت و طرح جدائی نشدہ است

ہنوز اول عشق است اصل بکن جوشی مجال شکنی و غیرت فراہمی نشدہ است
مشیری کو عاشق کی طرف منفی اتفاقات سے جو دلربائی کر شمون سے ظاہر ہو رہا

ہے، اس نے عاشق کو زبانی پر سوجہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس حالت کو یون
اد کیا ہے۔

چپ لطف ہا کر درین شیوه نہانی نیست
عنایت کہ توداری ہمنہیانی نیست
کر شمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ
ک احتیاج ہر پر سیدان زبانی نیست
اسی طرح، معشوق نے اپنی جفا کار یون کی معددرت، تبسم، اور مہر آسودنگا ہ سے
کی ہے

امروز یار غذر جفال ہے رفتہ خواست
عذت کہ ادنیو است تبم نفقة خواست
من بندہ گلہ کے بعد شرح و بیٹھ گفت
حرف عنایت کہ تبم نگفته خواست

کی قسم کی ایک اور حالت۔
دوش پر عربہ بود است نہ آن است امروز
نگش قاصد صدق لطف نہان است امروز
روی در روی و نگہ در نگہ و چشم بہ چشم
شرح رازی کہ میان ہن دا خواہ بود
مشق پرست کے حسن کی بہار آخر ہے، اور اس بنابر عاشق کی ہوس پرستی کا بھی خاتمہ ہے
مشق پرست کو ڈرا صدمہ ہے کہ مشوق نے خلوت نشین بنکر اپنا حسن یون ہی بے کا ر
خناج کر دیا۔ نہ عاشقون کو عشق پرستی کا موقع ملا نہ ہوس پرستون کے گھنٹے رہے، زیادہ
صد مہیے ہے کہ اب خود مشوق کو بھی اس کا افسوس ہے کہ میں نے اس چند روزہ

حکومت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا،

اجام حسن و شد پایاں عشق من ہم

کرد آن چنان جلے و رکج خا صدای

بندتی غزوہ شہنگام گرم مگنا شست

آن بہت کہ بود اقتاد از طاق کعیل

عاشق اگر زردا خود داری سے کام لے اور استغنا اور بے نیازی پر آمادہ ہو تو یقیناً

مشوق کے غزوہ بے با اور بے التفات کا طسم ٹوٹ جائے ہی کن عاشق سے آنا

صبر کہان ہو سکتا ہے۔ اس کیفیت کو کس خوبی سے ظاہر کیا ہے۔

علان رنج تنافل و روزہ پر نہیں رست

پر اندر صبر و یگر فستہ بوداں نا زیبی و قع

غلط کردم چراں صلح بے ہنگام را کردم

مشوق کی توجہ اور التفات کا زیادہ ہونا اگرچہ عاشق کی معراج آرزو ہے لیکن یہ

ڈر رہتا ہے کہ یہ ساغر جلد چھپاک نہ جلے۔ اس حالت کو کیسے لطیف اور شاعر ادا

پیرا یہ میں ادا کیا ہے۔

حشی شراب لطف پر در جام میزی و می تعم

کرز و دآ خوشوداں بادا و من دخوار فتم

عشاق کو اس کا سخت افسوس رہتا ہے کہ خدا نبادگان جمال کو حسن کی دولت

دیکر قلیم حسن کا حکمران کر دیتا ہے لیکن حکمرانی کے جو قوانین و آئین ہیں کئی کیوں جو سے

وہ ان سے آشنا نہیں ہوتے، اس حالت میں بعض عشق پیشہ شعرانے تو صاف صاف
کہدیا کہ فرمانروائی حسن کے فرائض سے عذر برا ہونا، ایک ایسے نو خیز کا کام نہیں۔
فرماندہ ہی کشور جان کا ربڑگ است نو دولت حسنی زتو این کا زیما یاد
لیکن ہر شخص ایسی گستاخی کا مرتكب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اور شحرانے یہ تاویل کی کہ
گو معشوق صالح و آمین حکومت سے واقع نہیں لیکن قبال حسن ایسی چیز ہے
کہ بگڑ کا موں کو بھی بنادیتا ہے۔

قبال حسن کا تراپیش برداشت در نہ صلاح کا رذلانہ کہ چیت
دار دات عشق میں نہایت عجیب الالثر وہ موقع ہے جب معشوق کسی اور معشوق
کے دام میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں، عاشق سب سے پہلے تو صرف سوال پر
اتفاق کرتا ہے۔

مگر با محبت سر و کار داری	دل آشفته و دیدہ خون بارداری
کر گہاے خرگان گہر بارداری	کر شتر فرد بر د در مخز جانت
ہمانا کہ در پیر ہن خارداری	گل ناز پرور دمن بے قراری
دل حسرت آگین دیدار داری	وصالت نصیبت یا آن کہ چون من
کبل صفت نالہ زارداری	خلید است خاری بدل چون حریت

مشوق کا عاشق بننا اور ناز آگین ادا وُن کا نیا نے بدل جانا۔ واقعی عجیب
عبت انگیز مقام ہے اس لیے اسکی جزویات کی تفصیل مزہ دیتی ہے اور شاعر کرتا ہے

چشش براہے نیر و دمرگان فم ناکش نگر
در سینه دار د آستہ، پیرا، هن چاکش نگر
خونے ک مرگان ریخته بر دامن پاکش نگر
گفتار بے ترشش بہین رفتار بے باکش نگر
شرم از میان بر خاسته مهرزادهان برداشتہ
از کوس معشوق آمدہ شویدگان حلقہ اش
ایک اور شاعرنے کہا ہے۔

بر قے ک جان ہا سوتی دل از جفا و رش بہین شوخي ک فونا ریختی دست از حنا پاکش نگر
اس موقع پر عاشق کو ہمدردی کے انوار کا موقع ملتا ہے اور وہ معشوق ثانی
سے اپنے معشوق کی نسبت سفارش کرتا ہے،

حسن کی نکتہ سبھیوں میں سے ایک بڑا موقع یہ ہے کہ معشوق کے دل میں عاشق کی
جگہ ہے لیکن وہ اس اثر کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتا، یا ان تک کہیں تک لب پر
نہیں آنے پاتا۔ اس حالت کو تفصیل کے ساتھ سخوبی سے ادا کیا ہے،

امروز ناز را به نیاز م نظر نہ بود زان شیوه ہائے خاص یک جلوہ پر
اما بکی ک شود پر وہ در نبود بس شیوه ہائے ناز کو پر وہ دشمن
بیرون نزدیک پر وہ گلگبر تر نبود آن خندہ ہاکہ غنجہ سیر ب می نہفت
من ک شتمہ ک شتمہ مرگان کر بے جگر خجز دا ان چنان ک نگہ راجھ نبود
مرنے کے آثار طاری ہیں زندگی سے مایوسی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ دست احباب چکے
چکے روز ہے ہیں اور رانکھوں پر آستینیں رکھ لی ہیں۔ عاشق بیمار کو اور بھی اپنی

زندگی سے یاس ہو گئی ہے اس کو اس طرح ادا کیا ہے۔

زشہاے دگرد ارم تپ غم بثیره شب	وصیت ہی کنم باشیداز من با خبره شب
سماشیدای رفیقان امشب گیرز ماغافل	کا ز نزم شاخوا ہیم فر بن دره لمرشب
مکن دوری خدرا از سر پا ہینم ای ہدم	کمن خود رانی یا بکم پوشہ بکاد گرہ شب
مگر در من نشان مرگظا ہر ہند کدم بینم	رفیقان رانهانی آستین پرچم تر شب
معشوق گھوڑے پر سوار ہے،	
گرد سر تو گرم و آن خوش راند نت	دان دست تازیا ندو مرکب جهاند نت
شہر بہتر کتازد ہد بلکہ عالمے	تر کا نہ برشستن ہر سود واند نت
پیش خذگاٹ کش ناز توجان دہم	واشست ناز کردن تا برشاند نت
طرز نگاہ ناز م و جنبیدن مژہ	وان دامن کر شمہ پر دم قشاند نت
ایک ہی وقت جان نوازی اور جان ستانی بھی۔ کیونکہ بعض اداہیں جان نواز	
ہوتی ہیں اور بعض جان ستان اور یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں مختلف اعصار	
سے لیے جاتے ہیں۔	

چوداری غزہ را گذاشت اعمال مزندر بہم	نگل گوباش شرم آود دانہما جیا می کن
تو زخم ناز بر جان می زن می آن بازاو	دہان پر سکم گو علاج خون بہامی کن
تو نظر باز نہ ورنہ تقاضل نگہ است	تو زبان فهم نہ گور نہ حموشی سخن است
گرہ اسرافت تو می رفت خلوتی از حد	صرف اسال شدی طاقت پاریہ ما

عشق است حکمان کر گلارین گر آن کنم
 خود در میان نیم که چنین و چنان کنم
 کردی هزار بار ظوری مرا خجل
دیگر ترا چرا بشکیب امتحان کنم

این شکایت نامه نامه را بانیهای است
 اینچه دیدم از جدائی ها جدا خواهیم نوشت
 باشی خود را کرد آخرين غير در پلاو تو
گز نویم حرف بیچارے بجا خواهیم نوشت

ابتدای برای عشق بگو
 تا بگویم که انتهای هست
 طرز بیر حمان دیگر شته بود احتیت کنم
آخراع چند در نامه را بانی کرد ه است

در بزم یار دوش در صلح باز بود
 بود آن گمان غلط کر پا آخر رسید کار
 تصرفات توایام را دگر کرد دست
ز د عده تویک امر دز کو که فردانیست

فغان از قاصدان بے تصرف
 ز خود یکبار پینای ناز بود
 جانب من گونه بیند غیر گو خو شدل مشو
صد نگله چون جمع گرد دیک تعاقل نمی شود

خراب گشته ام از دست علاج این هست
 که چون پردن روم او را به خانه بگذارم
 از نگاه چشم تی گشت د تماشا ماند است
در زبان حرف نماد است و سخنها ماند است

۱- صد بار جنگ کرده ما صلح کرد هیم
 اور اخبر نبوده ز صلح در جنگ ما
 آئین
 ۲- دو مسہ فصل خزان گر خار خار جوش گلزار
 بگیر آئینه در گفت تا بهار رفتہ بر گرد دو

۳- شب به جو صرف محبوکے جلوه سے صحیح ہو سکتی ہے

بر ما مگر تو رحم کنی ز در د آن قتاب
شہماں سہ جرا نتو اند سحر کرند

روز م تم تو بر فروز، و شم را تو نور ده
این کار ترتیت کار مه و آن قتاب نیست

شراب پی کر، اکھارا درا لزام م سے بچنے کی تدبیر

خنکل متاد دا نکار شرابش نگرید
تا ندا نند که مست اسٹ شتابش نگرید

چہرہ افروختن د میں کیا بش نگرید
آن کہ گویز نزدم جام ندوشن دلم

چین بر ابر د زدن ناز د عتابش نگرید
تا ن پرسیم زان مست کرمی کے زده

د سوخت -

و شی

من نہ آنکم کفریب تو خوم بار د گر

تو بر و برع لاعاج دل بیار د گر

زان کر دادیم دل خوش بے لدار د گر

امید ز هر کس که بر یدمیم بر یدمیم

از گوشه بامے که پر یدمیم پر یدمیم

اکنون کر ماندی و زیدیم زیدیم

گر سبل یک باغ ن چیدیم ن خپدیم

کر صید پشیر بسیار در کین دارم

جتم از دام بد امی و گرفتار د گر

شد طبیب من بیاز سیحان فے

گوکن، غمزہ او سی ب د بھوی من

ما چون زوٹے پا کشیدیم کشیدیم

دل نیت کبوتر کر چوب رخاست شیند

رم دادن صید خود، از آغاز غلط بود

صد باغ د بھار است صلا گل و گلشن

کمن تغافل فی مگذا راز کند بر و ن

صوفیانہ شاعری

فارسی شاعری اُسرقت تک قالب بیجان تھی جب تک اس میں تصوف کا
عصر شامل نہیں ہوا، شاعری، اصل میں انظار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے
جذبات کا رس سے وجود ہی نہ تھا، تصدیقہ مذاہی اور خوش شامہ کا نام تھا، تمنی
و اتفاق نگاری تھی، غزل زبانی با تین تھیں، تصوف کا اصلی ماہی خیر عشق حیقیقی ہے، جو
سرتاپا جذبہ اور جوش ہے، عشق حیقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ
نے تمام سیئہ دل گرمادیے اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔
اربابِ دل ایک طرف اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی۔

سبک پہلے صوفیانہ خیالات، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ادا کیے وہ
شیخ بولی سینا کے معاصر تھے، ان سے اور شیخ سے اکثر مراسلات آج بھی موجود ہیں وہ
مسائل ان سے دریافت کرتا تھا اور وہ جواب دیتے تھے، یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں وہ
ابتدائی حال میں ابرس تک مجنزد بھی ہے۔ ملک میں آئے تب بھی جذب کا اثر باتی تھا
لکھنگہ ہمیں وفات پائی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے،

راہ تو بہر قدم کہ پویند خوش است	وصل تو بہر سبب کہ جویند خوش است
نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است	رد تو بہر دیدہ کہ سبند نکواست

غازی بہ شہادت اندر گفت پوست غافل کہ شہی عشق فاضل ترازوست
 غازی شہادت کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ شہی عشق کا مرتبہ اسے بڑھا رہو
 در روز قیامت این بدال کے ماند لیکن کششہ و شمن سوت دان کششہ سوت
 قیامت یہ نہ اسکو لامان ہو چکتا ہے۔ یہ شمن کا مارا ہوا ہے۔ اور وہ دوست کا،
 دل ہزرہ عشق تو بخوبی یہ ہرگز جز محنت و درد تو بخوبی یہ ہرگز
 دل تیر عشق کی راہ کے سوا، نہیں ڈھونڈھاتیر عشق اور محبت کے سوا، اور کچھ نہیں ہاتا
 صحراء دلم عشق تو سورستان کرد تامر کے دگرنہ رو یہ ہرگز
 میرے دلکے صحراء کو تیر عشق نے بخربنا دیا کہ اور کسی کی محبت، اس میں ڈاگ کے،
 در کوئے خود ممنزل مادی وادی، در بزم وصال خود مراجا دادی،
 القصہ بصد کر شمہ ونا ز مراء، عاشق کر دی دسر بصرحدادی
 اس زیادتیک تصوف کے حقائق اور مسائل شاعری سے آشنائیں
 ہوئے تھے، صرف عشق اور محبت کے جذبات تھے۔ لیکن چونکہ ان کا مختصر حجج
 عشق حقیقی تھا اس لیے تصوف کا زنگ جھلکتا تھا۔ سلطان صاحب کے بعد حکیم سنانی
 نے اس باغ کی آبیاری کی، وہ ابتدای میں قصیدہ گوئے تھے اور شاعری میں انگلی زبان خوب
 صفات ہو چکی تھی، چونکہ دل قابل تھا اس لیے ایک محذوب کے ایک طنز یہ فقرہ نے دینا
 سے انکو دفعتہ بیزار کر دیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صوفی بن گئے۔ شاعری اور علم و فضل
 کا سرمایہ پہلے سے موجود تھا اس لیے صرف صوفیانہ جذبات نہیں بلکہ تصوف کے مسائل بھی ادا کیے

اس زمانہ میں امام غزالی کی بدولت فلسفہ، منطق اور علم کلام، نصاہب میں داخل ہو گیا تھا اور ان علوم کی تعلیم علماء معموقیین کے دائرہ سے بخلکر عام ہو گئی تھی۔ شیخ ابو علی فارمدی جو امام غزالی کے پیر تھے حکیم سنائی کے دادا پیر تھے، اس رشتہ سے سنائی امام غزالی کے بھتیجے تھے۔ یہی اس بات کا سبب ہوا ہو گا کہ سنائی کو عالم کلام کے ساتھ خاص لگا دیتا۔ چنانچہ صوفیا نہ مسائل کے ساتھ علم کلام کے دلائل بھی قصائد میں درج کرتے ہیں، اشعارہ کا بڑا استدلال اثبات باری کے متعلق یہ ہے کہ دنیا میں ایک ہی سبب سے مختلف معلول وجود میں آتے ہیں اس سے دہ سبب درحقیقت سبب نہیں؛ بلکہ کوئی اور سبب ہے۔ اگر ما دہ اور ہیوی سبب ہوتا تو مختلف اشارہ اور مختلف آثار وجود میں نہ آتے، کیونکہ ہیوی اور ما دہ تمام اشارہ کا مشترک ہے، حکیم سنائی نے ایک بڑا قصیدہ خاص اسی استدلال میں لکھا ہے۔

چرا دیکن میں چندین نبایت مختلف نہیں اگر علت طبائع شد جو جبلہ ریچوں شد؟ اگر فطرت علت ہو تو ای خلاف کیون ہے کہ کوئی دو امر سکھو کریں سهل کوئی مفید کوئی مضر	زنجل نار پیٹ بیٹھوں آئی جون یتون یکے مساکنے کے سهل یک دارویکے طاعون حکیم سنائی نے تصوف میں مستقل کتابیں لکھیں، حدیقہ، سیر العباو، حدیقہ
---	---

چھپ گئی ہے اور سیر العباو کے معتقد بر اشعار مجمع الصنفی میں نقل کیے ہیں۔ حدیقہ میں تصوف کے اکثر مقامات مثلاً حبیر، رضا، توکل، قناعت وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیے ہیں اور انکی حقیقت بتائی ہے لیکن چونکہ تصوف سے پہلے علم کلام کا اثر

زیادہ غالب تھا اس لیے شورش انگریز مباحثت بھی شامل کرنے ہے ہیں۔ مثلاً امیر معاویہ کی سعن وطن کا بھی ایک عنوان ہے، حالانکہ جس دل میں محبت کا گھر بواس سین دشمنی کی رگوہ کسی کی میں کمان گنجائش ہے۔ ع. تو خصم باش وز ماد دستی تاشا کن۔ سیر العباد میں اس قسم کے عنوانات ہیں، نفس ناطقہ۔ مراتب نفس ان انسانی گوہ رخاک جوہر باد جوہر آب، صورت حرص صورت مکر۔ ارباب تقلید ارباب ظلن، قرآن (یعنی علام) عقل کل، سالکان طریقت، اہل رضا و توحید۔ ان مصنایف پر نہایت خوبی سے لکھا ہو، اور جس گروہ کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس کی اصلی حقیقت کھولدی ہے۔ علام کی شان ہیں لکھتے ہیں۔

تنِ شان زیر و دل زبر دیدم	قبلہ شان روے یک گردیدم
مردمان دیدم اندر د جمع	رُشْن و تیرہ ذات چون شمع

یعنی ان کی شال شمع کی سی ہے بظاہر روشن۔ لیکن در اصل سیاہ۔ و در دون کو ان سے ہایت ہو سکتی ہے لیکن خود گراہ۔

اصل خود را فدلے خود کر دہ	خوشی تن راغذ اے خود کر دہ
با دو مشتوق ناز می کر دند	بد و قبلہ نماز می کر دند

یعنی اپنی تمام قابلیت اور استعداد کو نفس پروری پر فدا کر دیا ہے۔ آپ اپنی غذا بن گئے ہیں۔

چوکہ علماء ظاہر بوجون کے سامنے اپنی غرض و غایت خدا طلبی قرار دیتے ہیں اور در اصل دنیا طلب ہوتے ہیں اس لیے ان کی نسبت یہ کہنا نہایت صحیح ہے کہ ان کے دو مشتوق

اور ان کی نماز کے دو قبیلے ہیں۔

اہل رضا اور توحید کے تعلق لکھتے ہیں۔

صف و گیر کے خاص تر بودند	بے دل دوست و پا و سر بودند
خوردہ یک بادہ بر رخ ساقی	ہرچہ باقی است کردہ در باقی
فاغ از صورت مراد ہمہ	بر تراز کثرت تعصا د ہمہ

یہ عجیب بات ہے کہ حکیم نای کے قصاید اور مثنویان تصوف سے بہریز ہیں۔ لیکن غزل میں تصوف کا نہ نہیں۔ اور ہے تو مگر وہ ہے،

نای نے ۵۷۵ھ میں فات پائی اُنکے بعد احمد الدین کرمانی المتنوی ۶۳۵ھ نے تصوف میں مصباح الارداح لکھی۔ اسی زمانہ میں اوحدی اصفهانی ایک بڑے صوفی شاعر پیدا ہوئے۔ وہ شیخ اوحدی کرمانی کے مرید تھے۔ ۴۰۰ھ ہزار اشعار کا دیوان۔ اور جام جم انگی یاد گار ہے۔ یہ مشہور شعر انی کا ہے،

خاکسار ان جہاں را ہے حقارت منگر	تو چہ دانی کہ درین گر دسوارے باشد
ان کی غزل میں سلاست اور صفائی میں تمام پیشہ دن سے متاز ہیں۔ ہم ان کے متفق اشعار نقل کرتے ہیں۔	

د پر دہ د بہ کہ س پر دہ می دری	باہر کسے و با تو کسے را وصال نیت
بوئے آن دو د کا مسال بہ سایید	آتش بود کہ در دا من من پار گرفت
نہ بہ اندازہ خود بارگزیدی لے نہ ل	تارییدی بہ بلاس کہ رسیدی لے دل

جام جم بجز خفیت یعنی حدائقہ کی بھرپوری نے زیادہ فضح اور سلیس ہے
حقیقت انسانی کے بیان ہیں لکھتے ہیں۔

ماہمہ سایہ ایلم و نور کیے است	اصل نزدیک و اصل دوری کی است
صورت سر بر عالمی شد	چون نہاد تو آسمانی شد
باز کن بسند نامہ آہستہ	نامہ ایزد دی تو سربستہ
در نہ بس مقشم کسی اے صدر	خویشتن رانی شناسی قدر
خط پھون و بے چکونہ توئے	صنع رابر ترین نومہ توئی
بیش ازین گرد و حرف بر خوانی	ترسمت بر جمی کہ سجوانی

حکیم ننائی کے بعد حضرت خواجہ فرید الدین عطار نے اس شاعری کی وسعت
کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا۔ ان کی بدولت قصیدہ۔ رباعی۔ غزل۔ تمام اصناف سخن
تصوف سے مالا مال ہو گئے، ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ ہے۔ ثنویاں
لکھتے سے ہیں جن میں منطق الطیز زیادہ مشہور ہے۔

وحدت وجود کا مسئلہ با دہ تصور کا نشہ ہے۔ خواجہ صاجب پر یہ نشہ بہت
چھایا ہوا ہے جس طرح متوضیں میں مغربی اور متاخرین میں سعادتی اس مذہب
کے نقیب ہیں۔ اس دوریں خواجہ صاحب نے سبے زیادہ اس راز کو فاش کیا ہے
وہ نہایت جوش و خردش اور اوعات سے اس کو بار بار کہتے ہیں اور مسلوم ہوتا ہے
کہ سیر نہیں ہوتے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام اشیا میں وہی جاری و ساری ہے،

اور اسی نے ہر چیز میں حسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ قد میں جلوہ۔ زلف میں شکن! بروئیں و سکر
یا قوت میں آب و مشک میں خوشبو ہے۔

تاب در زلف! و سکر برابرو
سرمه در چشم و غازہ بر خسار
زنگ! آب و آب در یا قوت
بوس در مشک و مشک در تاتار

وہ کہتے ہیں کہ جو شخص انا الحق نہیں کہتا وہ کافر ہے،

ہر کہ از ف نزد انا الحق نز
او بُد از جماعت گفتار

عالم میں ہزار دن لاکھوں مختلف چیزیں جو نظر آتی ہیں وحدت محض ہی جو ملکہ ہونے
کی وجہ سے متعدد معلوم ہوتی ہیں۔ جس طرح دش۔ نتو۔ ہزارہ لاکھ۔ کر در۔ دیکھنے میں
کثیر ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہی ایک کا عدد ہے جو ہزار لاکھ۔ کرد رنجاتا ہے۔ حالانکہ
اکائیوں کے سوا، اس میں اور کوئی چیز شامل نہیں۔

این وحدت است لیک پنکار آمدہ

گرہر دوڑوں موج برارند صد ہزار جملہ کیے است لیک چند بار آمدہ

جملہ یک ذات است اما مختلف جملہ یک حرفاً است اما مختلف

درین معنی کہ من گفتہم شکے نیست تو بے پشے دن عالم جزیکے نیست
خواجہ صاحب کے کلام میں حیرت کے مضمایں بھی کثرت سے ہیں۔ یہ مقام جب

عارف پر طاری ہوتا ہے تو لا اور یہ بجا تا ہے،

نیست مردم را نصیبے جز خیال می نداند یعنی کس تا چیت حال
دل درین دریاے بے آسودگی می نیا بد یعنی جز گم بودگی
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصوف سیکھنے سکھانے کی چیز نہیں یہ انعام اذلی ہے
جسکے خمیر نہ ہے، ہے۔ باہر سے نہیں آتا۔

صوفی نتوان بکسر آ مونعٹن درازل این خرقہ باید دوختن
خواجہ صاحب کے بعد صوفیانہ شاعری کی ترقی کے بہت سے اسباب پیدا ہو گئے
تاتاریوں کے ہنگامہ نے جو اسی زمانہ میں شروع ہوا تمام اسلامی دنیا کو زیر وزبر کر دیا
اینٹ سے اینٹ نج گئی مشرق سے مغرب تک سنا ٹا ہو گیا۔ تصوف کی بنیاد دنیا
و ما فہما کی بے قدری اور بے حقیقتی ہے یہ سب کو آنکھوں سے نظر آگئی۔ اس حالت
میں جو دل متاثرا اور قابل تھے، ان کو خدا سے زیادہ لوگی۔ اناہت۔ خضوع۔ تضرع
رضبا بالقصاص، توکل۔ جو تصوف کے خاص مقامات ہیں۔ خود بخود پر طاری ہوئے
اسی کا نتیجہ ہے کہ جس کثرت سے صوفی شرار اس زمانہ میں پیدا ہوئے کسی زمانہ میں
نہیں پیدا ہوئے۔ مولانا روم۔ سعدی۔ اوحدی۔ عراقی سب انھیں اسباب کے شانج ہیں۔
ایک بڑا سبب صوفیانہ شاعری کی ترقی کا یہ ہوا کہ تصوف میں ابتدا ہی سے
اخلاق کے سائل شامل ہو گئے تھے۔ کیونکہ اخلاق کو تصوف سے ایک خاص تعلق
ہے۔ اخلاق کافن اس زمانہ میں نہایت وسیع ہو گیا تھا۔ احیاء العلوم نے اس فن

کے دفیق اسرار عام کر دیتے تھے جو حق طوسی نے اخلاق ناصری میں اس طو کی فلسفیا نہ اخلاق ادا کئے اس کے اتر سے شاعری میں اخلاق کا ایک سرمایہ ہمیا ہو گیا اور اس ب تصور کے حصہ میں آیا۔ جھٹی صدی میں فلسفہ کو عام روایج ہوا، اور مذہبی گروہ میں بھی فلسفہ کی کتابیں درس میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ اس درس کے جوقدر مذہبی علم میں فلسفہ سے بھی آشنا ہیں۔ صوفیہ کے گروہ میں مولانا روم اور شیخ محمد الدین اکبر فلسفہ کے پورے ماہر تھے، اس لیے خود بخود ان کی تصنیفات میں فلسفہ کا امتزاج ہو گیا۔ تصوف کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جنکی سرحد فلسفہ سے ملتی ہوں۔ مثلاً وجود باری، وجود وحدت و جماعت و اختیار و حقیقت روح وغیرہ اس لیے ان مسائل میں فلسفہ کا اثر آنحضرت رہتا۔ غرض اب تصوف اور صوفیانہ شاعری اسی طرح فلسفہ سے ممزوج ہو گئی جو طبع اس زمانہ کا علم کلام، طبیعتیات اور فلکیات کے مسائل سے ملبوہ ہے، ان اسباب سے صوفیانہ شاعری زیادہ وسیع اور زیادہ دقيق اور عینیق ہو گئی۔

اس بعد کے مشہور صوفی شعراء میں عراقی، سعدی اور مولانا روم ہیں۔ مولانا روم کے حالات میں ہم ایک تقلیل کتاب لکھ کر ہیں جس میں انکی شاعری تفصیلی روایوی ہے۔ عراقی نے بخار الدین ذکر کیا ملتانی سے تعلیم پائی تھی۔ شمشہر میں بمقام دمشق ان کا انتقال ہوا۔ ان کا دلوان چھپ گیا ہے۔ ایک شنوی بھی ان کی تصنیف ہے جو کا نام وہ فصل ہے۔ ہماری نظر سے نہیں گذری لیکن ریاض العارفین میں اسکے شعار نقل کیے ہیں یہ انداز ہے۔

از بجالت نمی شکنید دل
عاشقان تو پا کبا زانند
صید عشق تو شاه باز مند
بنانے دوست ہر چہ بتوان کرد
عاشق و عشق و حسن یا ریکه است
عشق و اوصاف کرد گاریکی است

غزل میں حقیق خیالات نہیں، صرف عاشقانہ جذبات ہیں۔ اکثر وحدت و جوئے کے سلسلہ
کو صفات تعلیلوں میں ادا کرتے ہیں مثلاً۔

عشق شوئے در نہاد مانہاد	جانِ ما در بول سودا نہاد
گشتوئے در زبانِ مانگمند	جبخوئے در در دین مانہاد
دم بدِم در هر بلسے رخ نواد	لحن لخ نظم پائے دیگر پا نہاد
بر مثالِ خوشنین حرف نوشت	نام آن ترف آدم و خواہ نہاد
ہم ہر چشم خود جمال خود بدید	تھتے بر چشم نابینا نہاد

نخستین بادہ کا ندر جام کر دند
بگتی ہر کجا در دو دلے بود
ز چشم سست ساقی دام کر دند
بجم کر دند و عشق نام کر دند
غزل ان کی مشہور عامہ ہے اور حال قائل کے جلسون میں گانی جاتی ہے
ہر زمین چو سجدہ کر دم ز زمین ندا برآمد
کہ مر اخواب کر دی تو ہر سجدہ کہ ریانی
کہ بر دن در چپ کر دی کہ در دن خانہ آنی
چو برآ ہ کعبہ رفتم ہ حرم رہم ندادند

عرائی کے بعد محمود شبری، امیر خسرو، حسن، صوفیا نہ شاعری میں مشہور ہوئے۔ لیکن خسرو، اور حسن کے کلام میں مجاز کارنگ اس قدر غالب ہے کہ ان کی شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا زیادہ موزدان ہے۔ محمود شبری شبری کے رہنے والے تھے جو تبریز سے آٹھ میل پر ایک قصبہ ہے وہ علوم عقلی اور نقلی کے جامع تھے، ان کی شنوی گلشن راز تصوف کی مشہور کتاب ہے۔ اکثر فضلانے اس پر شرحیں لکھی ہیں جنہیں سے مقایع لا عبا زیادہ مشہور ہے اسکی تصنیف کاشان نزول یہ ہے کہ میر حسین ہروی نے تصوف کے، اسے ان سے نظم میں ریافت کیتے تھے انہوں نے اسی جلسہ میں ہر شعر کا جواب ایک شعر میں لکھ کر بیجدا یا پھر انہی اشعار کو بڑھا کر ایک شنوی لکھدی ان کی ایک اور شنوی حدیقہ کی بھرپور ہے، ^{۲۴} میں دفات پائی گلشن راز میں تصوف کے اکثر تین اسرار بیان کیے ہیں صوفیہ کے اعتقاد میں انسان کو کسی قسم کی قدرت نہیں وہ مجبور محض ہے۔ اس سلسلہ کو بیان کرتے ہیں،

تن من مرکب وجانم اخیارات است	تو می گوئی مرا ہم اخیارات است
کے را کو بود بالذات باطل	کلامی اخیاراتے مرد جاہل
نگوئی کا اختیارت از کجا بود	چوبود قست یکسر ہچھو نابود
منہ بیرون زدن خویشتن پے	مُؤثر حق شناس اندہ ہبہ جلے
مرین نادان حق ما دن گفت	چنان کان گر بزدان ہر من گفت

باتفاق اُن سبب مجازی است
 نسب خود در حقیقت اُن بازی است
 ندارد اختیار دگشته ما مور
 زی ہے مسلکین کہ شدم قمار و مجبور
 پُر مرعوت زان سبب تکلیف کردند
 کہ از ذات خود تعریف کردند
 اس دور کے بعد اور بہت سے صوفی شعر اپیدا ہوئے جن میں شاہ نعمت اللہ
 ولی المتوفی ۷۲۷ھ، مغربی المتوفی ۷۴۷ھ، جامی المتوفی ۷۹۶ھ زیادہ مشہور
 ہیں۔ مغربی کا کلام سرتاپا مسئلہ وحدت کا بیان ہے، اور چونکہ تخفیل اور جدت کم ہے
 اس لیے طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ ایک ہی بات کہ سوسو بار کہتے ہیں۔ اور ایک ہی
 انداز میں کہتے ہیں۔ شاہ نعمت اللہ میں شاعری کم ہے جامی نے بہت کم اور
 تصوف کا بہت بڑا ذخیرہ طیار کر دیا۔ سلسلۃ الذہب میں اکثر مقامات تصوف کی تفاصیل
 تفصیل سے شرح لکھی ہے لیکن اس میں شاعری نہیں۔ اس لیے یہ کہنا چاہتے ہی کہ
 تصوف کے مسائل نظم کر دیے ہیں جس طرح نام حق فقہ میں ہے۔ غزوں میں بھی تصوف
 کا زنجیک ہزادہ شاعری سے غالب ہے۔ خواجہ حافظ صوفی شعر میں بیسے زیادہ مشهور ہیں
 لیکن ہم ان کا ذکر غزل یہ شاعری میں کر جائیں کہ جامی کے بعد صفویہ کا آغاز ہوا۔
 اور طوال گفتالملوکی مث کر تمام ایران میں ایک عالمگیر سلطنت قائم ہوئی صفوی پیشہ تھا رسیلے
 دفعہ صوفیہ شاعری کو زوال آگیا۔ بعض لوگ تعلیم اس زنجیک میں کہتے تھے وہ
 صوفی نہ ہے لیکن صوفی بننے میں مزہ آتا تھا۔ حکیم شفایی نے ایک ثنوی تصوف
 میں بڑے زور شور سے لکھی تصوف کے معروکہ الارامسائل خوبی سے بیان کیے ہیں

لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ وہی شفافیٰ ہیں جو ذوقی کے مقابلہ میں بجا نہ بجاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک نقائی ہے۔ صوفیانہ شاعری میں صرف تخيیل اور فلسفہ درکار نہیں بلکہ اصلی روح جذبات ہیں، وہ ان لوگوں میں کہاں۔

تصوف کا اثر | تصوف نے شاعری پر گوناگون اثر کیے۔

۱۔ صوفی شعرا، دنیا طلبی سے آزاد تھے، اس لیے قصیدہ گولی جو سرتاپا خواستہ امتحنی موقوف ہو گئی۔ مولانا روم، عراقی، مغربی، سحاابی۔ ان لوگوں کے دیوانوں میں قصائد بالکل نہیں، جامی نے بہت قصیدے لکھے لیکن امر اکی بیح میں بہت کم زبان آؤ دہ کی۔

۲۔ ثنوی کے لیے یہ لازمی تھا کہ حمد و نعمت کے بعد با دشاد وقت کا نام لیا جائے اور حب نام آیا تو نام کے ساتھ اس کے واژات لینی ملایی و با دخوانی بھی ضروری تھی صوفی شوارنے یہ داغ مٹا دیا۔ ثنوی مولانا روم، منطق الطیر وغیرہ سلاطین کے ذکر سے خالی ہیں۔

۳۔ دوراول کے ختم ہوتے ہوتے سوسائٹی کی خرابی سے زبان نہایت فرش ہو گئی تھی۔ سوزنی۔ انوری وغیرہ کی فحاشی نے زبان کو سخت نجس کر دیا تھا۔ تصوف کی بدولت زبان مہذب اور شاستہ ہو گئی۔ ابتداء میں تو کچھ کچھ پھیلے آثار نظر آتے ہیں۔ مثلاً ثنوی مولانا روم میں بعض بعض عکائیں فرش ہیں۔ لگتا ان بھی اس آودگی سے پاک نہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ دارغ بالکل مست گیا۔ خواجہ حافظ، عراقی، مغربی، اوحدی کا کلام بالکل بے دارغ ہے۔ یہاں تک کہ آگے چلکر گو تصوف خود نہیں رہا۔ لیکن زبان بھی

شاستگی قام رہی عرفی نظیری طاب و لی سلی۔ اہل ہوس میں ہیں لیکن انکے کلام
میں ایک حرف خلاف تندیب نظر نہیں آتا۔ شفافیٰ فوتو یزدی وغیرہ اس قسم کی شواذ
ہیں جیسے آج کل کے مہذب زمانہ میں بھی خال پائے جاتے ہیں

یا ان ایک نکتہ خاص توجہ کے قابل ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ شاعری میں جب
عاشقانہ خیالات آتے ہیں تو بہت جلد ہوا دہوس کی طرف منجر ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ
تمام شاعری رنداہ اور عیاشانہ خیالات سے بھر جاتی ہے، یا ان تک کہے جیا گئی
ادغشیں بک نوبت پیچ جاتی ہے۔ عاشقانہ شاعری جھٹی صدی میں شروع ہوئی، اور
چونکہ ایران کو رندی اور عیش پرستی سے خاص مناسبت ہے اس لیے احوال تفاکہت بدل
اس کے خیر میں عفونت آجائے۔ لیکن تصوف نے کئی سو برس تک اسکی رطافت میں
فرق نہ آنے دیا۔ تصوف کا یہ عجائز تھا کہ وہ الفاظ جو رندی اور عیاشی کے لیے خاص
تھے حقائق اور اسرار کے ترجمان بن گئے، ساقی کا لفظاً ہرز بان میں اس پر پیشہ
شخص کے لیے موضوع ہے جبکی بدولت سیکڑوں آدمی باس عقل سے عاری ہو جاتے
ہیں اور سوسائٹی کے ذمیل ترین افراد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن تصوف میں
بھی شخص مرشد کامل اور عارف اسرار ہے،

پُرورد و صفات ترا کا نیت دم دکش

کہ آنچ ساقی مارختی میں رطاف است

ساقیا برخیز در ده حب ام را
فاک بر سر کن غم ایام را

ستِ خدا کہ زا بدو عارف کپس نگفت در حیر تم کہ بادہ فردش از کجا شنید
میفوش سے بدتر کوں ہو سکتا ہے لیکن تصوف کی زبان میں پیر مغان کر ٹھکار کوئی مقد
ذات نہیں۔

بُج سجادہ زمین کن گرت پیر مغان گوید کسالک بیخ نہو ذرا و رسم منزل با
شراب کے جس قدر لوازم ہیں بیشلا میکدہ۔ جام۔ سبو۔ شیشه۔ صراحی۔ نقل گز ک
لشہ۔ خوار۔ ورد۔ صاف۔ صبوحی۔ بطری۔ نغمہ۔ سردد۔ یہ سب عرفان کے ٹڑے ٹڑے
واردات اور محتاج کے نام ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے تصوف کے اہم مسائل اور
دقیق اسرار بیان کیے جاتے ہیں بیشلا
دیدش خرم و خداون قبح بادہ بست داندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفت این جام جہان بین بتو کے داد حکیم گفت آن روز کہ این گنبد بینا می کرد
صوفیہ کی اصطلاح یہن مرشد کو ساقی اور دل کو جام کتے ہیں تصوف یہن اور اک
کامل دل ہے لیکن دل اس مخفغہ گوشت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ روحانی ہے
جس قدر مکاشفات ہوتے ہیں۔ جو دار دایمن گذر تی ہیں۔ جو انوار جلوہ گر ہوتے ہیں اسی
لطیفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان شعروں ہیں اس حالت کا بیان ہے جب عارف پر طرح طرح کے ازواں اور اسرار
فالیض ہوتے ہیں۔ اس عالم میں عارف پر بسط کی حالت طاری ہوتی ہے اس کے
تمام بسط اور اندر ولنی احساسات شاگفتہ ہو جاتے ہیں۔ اس مطلب کو شاعر از

پیرا یہ میں یون ادا کیا ہے کہ میں نے ساتی کو دیکھا کہ اسکے باوجود میں جام غراب ہے
اس میں گوناگون عالم نظرتے ہیں اور خوشی سے بچا جاتا ہے۔ میں نے اس سے
پوچھا کہ یہ جام جہان میں کمکو ملکم مطلق نے کب عطا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جس دن
وہ یہ گندمینار آسمان، بنارہ تھا۔ یہ بنا پر کہ صوفیہ کے نزدیک روح اذلی چیز ہے
اور آدم کی تخلیق، آفرینش کے ساتھ ہی وجود میں آئی تھی،

۵۔ فلسفہ جو شاعری میں آیا تصوف کی راہ سے آیا جب، تو مطلق، دحدت و جود
فنا، بقا، وغیرہ مسائل اسی تصوف کی بدولت آشنا ہوئے تو جو نکر و پچب مسائل تھے عام
طبعیوں کو اس میں فرہ آتا تھا۔ لیکن شخص صاحب حال نہیں ہو سکتا تھا اس لیے جو
لوگ مکاشفہ اور حال کے زبان آموز رکھتے فلسفہ کا سہارا پکڑتے تھے اور اسی کے
سلک ہوئے الفاظ بستے تھے۔ یہ نے بڑھتے بڑھتے پورا فلسفہ زبان میں
گیا۔

۶۔ تصوف کا اصلی مقام عشق و محبت ہے اس عالم میں دشمن اور دوست کی
تمیز اٹھ جاتی ہے ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ہر چیز سے محبت کی بوآتی ہے
ہر چیز کی طرف دل کھلتا ہے۔ تمام عالم ایک معشوق بنکر نظر آتا ہے اور دنیا کی کروہات
اور مخالفت چیزوں میں معشوق کی دل دوز اور ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا اخلاق پر عمدہ
اثر پڑتا۔ فقہاء اور علمائے ظاہر نے اختلاف خیالات کی بنا پر جو شمنی پھیلائی تھی اور
جسکی بدولت نہ صرف غیر ملکی نہ ہے بلکہ خود اسلامی فرقوں میں ایک ابدی جنگ

قام ہو گئی تھی۔ وہ حالت بدل گئی۔ عام محبت اور ہمدردی کے خیالات پھیل گئے اور
یہ تعلیم ہونے لگی کہ
در حیرتم کہ شمیں کفر دین جزا است از یک پر ارع کعبہ و تجاذر و نہن است

ہمان زندگی کا آنحضرتی سلام میان بینی
منان رانیز بودا ما صفائی ندو دینجا

زین عشق بہ کوئی صلح کل کردم تو خصم باش فرماد تو تماشا کن
سخور و صحت بسوز آتش نذر گفہن ساکن تجاذب ارش مردم آزاری کن

تعصوف کے مقابلات میں سے اکثر مقامات ایسے ہیں جن سے جذبات کے
تعلق ہے: مثلاً رضا۔ فنا۔ محیت۔ وحدت۔ تفراق۔ اس لیے ان مقامات کے
ادا کرنے میں خود بخود کلام میں زور جذبہ اور اثر پیدا ہوتا ہے اور یہی چیزیں عربی سرچ ہیں
مثلاً رضنا کے معنی ہیں کہ جو کچھ عالم میں خیر و شر نیک و بد حسن و قبح بنی و راحت
ہے، اس بفاعل مطلق کے حکم ہے ہے اس لیے ہم کو چون وچرا کا حق اور گلہ و شکایت
کا سورج نہیں عاشقاد رنگ میں اسکو صوفی اس انداز سے ادا کرتا ہے کہ معشوق کا قربی
عاشق کے لیے جان فواز ہے اس کے عتاب میں بھی لذت ہے۔ اس کے ستم میں بھی
راحت ہے،

بہ درود صاف ترا کا رازیت دم درکش کہ ہر حساقی ماریخت عین اعطافت

ناز پر در تغمہ نہ بردرا۔ اہ بدوست عاشقی شیدہ زندانِ بلا کش باشد
 حضرات صرفیہ کو مقام رضامیں ایسی لذت نصیب ہوتی ہے کہ رنج اور
 مصیبت کی خود آرزو کرتے ہیں، جس قدر مصائب جھیلتے ہیں اسی قدر قوت بروائش
 بڑھتی جاتی ہے اور مصائب کے جھیلنے میں مزہ آتا ہے کہ یہ بھی اسی نگاہ کا ایک کرشمہ
 ہے۔ یہی خیال غزل میں اس اندان سے ادا ہوتا ہے۔
 خوش رابر نوکِ فرگاں سیہ چشم ان زدم آن قدر رخچ کے دل میخواست دخنخ بزبد

جان نہ تن بردی و در جانی ہنوز در دہا دادی و در مانی ہنوز

تاز مزہ خالی بزود ما یہدہ خون مشتِ نکے بر دلِ افگار فتنام

حریف کا دشِ فرگاں خون زیرش نہ زاہدہ بہ دست آ در گِ جانی و نشر راتا شاکن
 ۱۔ تصوف نے بہت سے نئے الفاظ، اصطلاحات، تیکھات، زبان میں
 داخل کر دیے جن میں سے ایک ایک لفظ نے بہت گوناگون خیالات کے لیے
 راست پیدا کر دیا۔ اور اس طرح شاعری کو نہایت وسعت حاصل ہو گئی مشلاً،
 حال۔ وہ وجہ ایکیفیت جو عارف پر طاری ہوتی ہے
 رازِ درون پر دہ زر زندانِ مت پرس کیں حال نیت صوفی عالی مقام را

خرابات مقام نما کرتے ہیں۔

بندہ پر خرابا مل کر لطفش دیم است ورنہ لطف شیخ ذاہد کا ہست کا نیت

در سر کار خرابات کندا یمان را

سالک عارف باخبر کوتے ہیں۔ ع کے سالک بخیر بود ز را در کم منزل ہا۔

قلند را وہ عارف جو مرتبہ تکلیف سے گذر جاتا ہے۔

بر در مکیدہ رندان قلندر باشد کہ ستاند دہند افسر شاہزادی

۱۔ ایک دت سے شخصی حکومت کے قسط اور اثر نے عام طبیعتون میں عزت

نفس کا خیال مٹا دیا تھا۔ معولی خط و کتابت میں لوگ اپنی نسبت "بندہ" اور "حقیر" وغیرہ الفاظ لکھتے تھے، بادشاہ کے سوا، شخص گویا مان کے پیٹ سے غلام پیدا ہوتا تھا کیونکی خود داری، رفتہ نفس اپنی عزت آپ کا خیال نہیں آ سکتا تھا۔ سلاطین اور امراء سے دبنا۔ اسکے آگے غلام انہ تعظیم بجا لانا کوئی عیوب نہ تھا۔ تصوف میں چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات اور عالم اکابر اپنے جاتا ہے اس لیے صوفیانہ شاعری نے عزت نفس کا خیال پیدا کیا۔ تصوف نے بتایا کہ زمین و آسمان اور کون دمکان سب انسان کے آگے بیجھ ہیں۔

این نخلعت کہ نفلک می خوانند گر است شوی یکے ہبالے تو نیت

تو اگر ان کو کھڑا ہو جائے تو یہ نخلعت رہا مان، تیکے جسم پڑھیک اُترنے کے قابل نہیں

تصوف نے بتایا کہ فرشتہ اور افلک انسان کا مرتبہ پہچاننے کے قابل نہیں۔

سر بایہ تو ملک پسہ داند
انہای کہ ایک عارف نے کہ دیا کہ۔

وز پائی تو فلک چسداز

ما پر تو نور با دشاد زیم

فرزند نہ ایم آدم و خوارا

ہم با دشاد اذل کے نور کے سایہ ہیں۔ ہم آدم و خوار کے فرزند نہیں۔

یہ بات اگرچہ مقامات تصوف سے تعلق رکھتی ہی تاہم اس کا پرتو شاعری اور اخلاقی پر بھی پڑا۔ صوفیانہ شاعری میں زبان بول گئی۔ انہوں اس قدر ذلیل نہ ہے جو قد رکھتا تھا مولانا روم عراقی بغریبی وغیرہ کا کلام مجھ کے داغ سے بالکل پاک ہو۔ ابن بیین نے کہا کہ ہل درکھنی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ کسی کے آگے سریلخم ختم کیا جائے ہزار بار اداں بکراز پے خدمت کمر پہنڈی و برمود کے سلام کئی کی بد دلت سعدی دربار س تھے مسلمانین اور امرا رکانیک کھاتے تھے۔ تاہم تصوف کی بد دلت کہتے ہیں۔

سعدیا چنداں کرمی دانی گوی

عن شاید گفتون الا آشکار

لے سعدی اوج جاتا ہے صاف کہ

حق کو علا نیہ ہی کہنا چاہیے،

ہر کرا خوف و طمع در بازیست

از خطابا کش نباشد و از تار

جس کو خوف اور طمع نہ ہو

اسکو خطابا اور تار کا کیا اثر ہے

فارسی شاعری میں تصوف اصل میں زبان و قلم کی حدود سے باہر کرو دے وجد اداں کا سر بایہ کس قدر موجود ہے

ذوق و مشاہدہ کا نام ہے جو بیان میں نہیں آ سکتا۔ تاہم جو حق

زبان قلم سے داہو سکتا تھا۔ ارباب تصوف نے تصنیفات کے ذریعہ سے ادا کیا۔ اور یہ پورا سرمایہ شاعری میں بھی آگیا۔ لیکن اس کی تفصیل سے پہلے تصوف کی تعریف میں چاہیے۔

اہل فلسفہ کے نزدیک تمام چیزوں کے ادراک کا ذریعہ حواس نہ اہم ہے بلکہ حواس کے مرکات و ماغ میں پہنچتے ہیں۔ اور وہ ماغ ان پر مختلف طریقوں سے عمل کرتا ہے جو زیارات سے کلیات بناتا ہے، مقدمات نے تائج نکالتا ہے، تحلیل و ترکیب سے کام لیتا ہے غرض ہمارا علم اور ادراک جو کچھ ہے صرف حواس اور وہ ماغ کے مجموعی عمل کا نام ہے۔ لیکن اربابِ تصورت کے نزدیک اوس سب کے علاوہ ایک اور حاس سے باطنی ہر جوش اور ریاضت سے پیدا ہوتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ اس کو حواس کے توسط کی کچھ صورت نہیں، بلکہ حواس کا تعلق اس کے لیے مفید ہوتا ہے اس حاس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کو مختلف ناموں سینے کشف، مشاہدہ، الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسکی نسبت مولانا روم فرماتے ہیں۔

آنینہ دل پون ٹوڈ صافی دیاں
نقش ہائی بُردن از آب دنماں

تنخ سے ہست جزاں تنخ جس
آن چو زر سخ دین جن جو مس

عالم غیب یعنی خلا۔ ملائکہ آخرت بہشت۔ دوزخ وغیرہ کے متعلق اہل شریعت اور فلسفہ جو کچھ جانتے ہیں قیاس اور استدلال کے ذریعہ سے جانتے ہیں۔ لیکن صوفی جانتا ہیں بلکہ دیکھتا ہے۔ شیخ بولی یینا۔ جب حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر سے ملا، اور

فلسفیانہ تحقیقات ظاہر کین تو اس کے جانے کے بعد سلطان صاحب نے لوگوں سے
کہا "انچہ ادمی و انہی بینم" یہ تصوف کا علمی حصہ ہے،

شریعت اور علم الاخلاق میں جن احکام کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً صبر رضا
توکل۔ استغنا۔ قناعت وغیرہ وغیرہ ان پر انسان علیٰ کرتا ہے تو اس بنابر کرتا ہے
کہ شریعت نے اسکی تعلیم دی ہے۔ اور شریعت کی سرتاہی عذاب قیامت
کی س tog جب ہے لیکن تصوف میں ایک حالت طاری ہو جاتی ہے جس سے
خود بخود اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ صوفی دل پر جبر کے صبرا ختیار
نہیں کرتا۔ بلکہ طبعاً اس سے صبر سرزد ہوتا ہے۔ وہ نہ اس لیے نہیں ٹرھتا
کہ نہ پڑھونا کا تدوذخ میں جانا پڑے گا بلکہ اس لیے ٹرھتا ہے کہ نہ پڑھنا اس کے
اختیار میں نہیں۔

یہ تصوف کا علمی حصہ ہے،

ابتداء میں انہی دو چیزوں لئی ای علم و عمل کا نام تصوف تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس
میں اور چیزیں بھی شامل ہوئیں۔ پرانچہ موجودہ تصوف تصوف۔ فلسفہ اور
اخلاق کے مجموعے کا نام ہے۔ شنوی مولانا روم میں سیدوں ایک سوال ہیں۔ جو خاص
فلسفہ کے مسائل ہیں اسی طرح حدائق اور دیگر صوفیانہ شنویاں میں اخلاق کے تمام
مسئلے ہیں۔ جو نکلے فلسفہ اور اخلاق کا عنوان الگ آئے گا اس لیے ہم بیان

صرف تصوف کے مسائل سے بحث کرتے ہیں

دحدت وجود یہ سلسلہ صوفیانہ شاعری کی روح روان ہے۔ صوفیانہ شاعری میں جو ذوق یعنی ہمدردی اور شوق یا سوز و گداز، جوش و خروش زور اور اثر ہے۔ سب اسی بادہ مرد افکن کافیض ہے، اس خیال کی ابتداء عشق حقیقی کے استیار سے ہوئی یعنی ارباب عفاف پر جب لشہ محبت کا غلبہ ہوتا تھا تو ان کو معموق حقیقی (عنانع کل)، کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ شاعری نے اسی حالت کی تصویر یعنی، اور حدی کرمانی نے نفس انسانی کی ترقی کے جو مدارج لکھے ہیں آخري درجہ فنا کا قرار دیا ہے اور اسکی تعبیر اس طرح کی ہے۔

چون دیدہ برفت و من بازدم	زان پیش نمیدم، و نہ راندم
تادیدہ ہے جائے بوڈمی دید	چون دیدہ نہ ماند، گوش بشیند
چون دیدہ گوش کو رد گرگشت	لُغتارِ بجا۔ زبان ہرگشت
زین حال پر از کے نشان داد	بخشندہ عقل، نطق جان داد
دان نکتہ کہ این چین گلگفت	چون من نمبدم بدان کا لوگفت
خود گفت حقیقت و خود اشید	و آن روے کہ خود نمود، خود دید
پس باش یقین کنیت واللہ	زاید موجود حقیقی سوے اللہ
شخ سعدی زیادہ تشریح کے ساتھ لکھتے ہیں۔	

لہ بنا، غبار کے ذریون کر کتے ہیں، اور ہر اس قتل کو کتے ہیں جس کا کچھ خون بنا نہ ہو مراد یہ ہے
گرفتگوار ربان فنا ہو گئی،

توان گفت این محققین شناس
 دن خردہ گیرند اہل قیاس
 بنی آدم و دام و دد کیںند
 پسندیدہ پریمی اے ہو شمند
 یکوم، گر آید جوا بست پسند
 کہ ہامون دریا و کوه و فلک
 ہمہ برج سهند زان کتراند
 کہ باہتیش نام ہستی برند
 اس کے بعد ایک تمثیلی حکایت لکھی ہے کہ کسی نے پنجینے رجگنو سے پوچھا کہ تم
 دن کو کیوں نہیں نکلتے۔ اس نے کہا میں تو دن رات، ایک ہی جگہ رہتا ہوں لیکن آن قاب
 کی روشنی کے ہوتے میں لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ یہی حال تمام عالم کا ہے کہ خدا اکی
 ہستی کے مقابلہ میں انکا وجود اہل حال کو نظر نہیں آتا،
 اس درخت کو وحدت شہود کہتے ہیں اور حضرت محمد داعف ثانی نے اسی کو
 اپنے مکتبات میں جا بجا ثابت کیا ہے،
 یہیں رفتہ رفتہ یہ خیال وحدت وجود کی حد تک پہنچا۔ یعنی کہ درحقیقتِ خدا
 کے سوا کوئی اور چیز سے موجود ہی نہیں۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ موجود ہے۔ سب
 خدا ہی ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ اسلام میں یہ خیال کیونکرا آیا۔ جمل کے ارباب تحقیق کی تاریخ
 ہے کہ یونان اور ہندوستان اس خیال کے مخذلیں۔ کیونکہ ہندو اور یونانی دو نوں
 ہمہ اوت کے قابل تھے یہیں اس کا تاریخی ثبوت ملتا مشکل ہے۔ زیادہ شبہ اسوجہ سے
 پیدا ہوتا ہے کہ یونانی علوم و فنون کی توسیع و اشاعت کا جزو مانہ تھا یعنی پہلی دوین صدیان

اس وقت یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا اس مسئلہ کی ابتدایا خود شیخ حجی الدین اکبر کے زمانہ سے بوا جو شیخ سعدی اور عراقی وغیرہ کا زمانہ ہے۔

بہرحال ہم کو اس وقت اس سے چند ان غرض نہیں کہ یہ خیال کب آیا، اور کمان سے آیا۔ بلکہ یہ بحث کرنی چاہیے کہ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے اور ہماری شاعری نے کیونکہ اس مسئلہ کو ادا کیا ہے،

حکما میں سے اہل مادہ (میٹریٹ) اس بات کے قائل ہیں کہ عالم کا بنانے والا عالم سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ ازل سے ایک مادہ ہے جس نے مختلف صورتیں اختیار کیں اور اختیار کرتا رہتا ہے۔ ابتدائیں چھوٹے چھوٹے ذرات تھے جن کو اجزاء "دی سقراطی" کہتے ہیں۔ یہ اجزاء باہم ملے۔ اور ان کے ملنے سے زمین آسانی سے وجود میں آئے چونکہ ان ذرات میں حرکت اور قوت بھی ازل سے موجود ہے اس لیے یہ تغیرات خود اس کی ذات سے وجود میں آئے ہیں کسی اور خالق یا اصل نے یا محکم کی بذریعت نہیں ہوئی۔

اس قسم کی وحدت وجود دہریوں اور مادیوں کا نہ ہے، "حضرات صوفیاء" اس وحدت کے قائل نہیں ہو سکتے۔ باینہما سقدر قطبی بحث ہیں کہ جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے موجودات خارجیہ سب اسی کے شیوه نات ہیں؟! اس صورت میں یہ مسئلہ اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کی تعمیر سخت مشکل ہے ہمنے اس سلسلہ پر شیخ حجی الدین اکبر کی تحریریں دیکھی ہیں۔ مولانا عبد العالیٰ بخاری عالم یحییٰ نے جو مستقل رسالے اس مسئلہ پر لکھے ہیں،

دہ بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔ لیکن ہم ان کے بھئے سے عاجز ہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں
نے لکھا ہے ہمارے صوفی شعرانے اس سے زیادہ صاف اور روشن لکھا ہے اور ہم
انہی کے خیالات کی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ شعراء صوفیہ نے اس مسلمہ کی مختلف
تشریحیں کی ہیں۔ لیکن چلے ان کا دعویٰ انہی کی زبان سے مننا چاہیے، کیونکہ یہ پر مزہ
داستان ہے۔ لیکن اسی وقت تک جب انہی کے اجھے میں ادا کی جائے۔

سرمد اگر ش وفا است خود می آید	در آذش بجا است خود می آید
سرمد اگر او خدا است خود می آید	بیهوده چرا در پے او می گردی

بکشود در صورت و معنے بر ما	بگرفت ره دینی و عقبہ بر ما
خود را دیدیم و محو او گردیدیم	هم از ما کرد حق تجسس بر ما

خود ساخت خدا بلند کی و پتی را	پا در سرد ہوشیاری و مستی را
تا کے گوئی کہ، تی ما غیر است	بس کن پ خدا و هدگر این ہتی را

تا محو شدم آن بخ محرا میں را	ہر ذرہ جو من فسود جسم دین را
خواہم کہ نہیشہ راز او فاش کنم	عالم ہم را وست با کو گویم این را

در عالم اگر هزار بیزندیکه است
لیکن آن را کامل تغیین اندیکه است
کل را چو گردند و ببینند یکه است
اجزاء کتاب مختلف می آید

چون ره رو شش سر بردارداز پست
میشل زد و قدم نیست راه قاد وست
در یک قدیم دگرداز بیند همه وست
در یکی قدمش زجله اقرب بیند

هر چند درین راه طلب کارگر است
بچارگی دنیا زر اهم اثر است
هر کس گرفت یا سے و من از عجز
یا سے که بمن از همه زد یک تراست
لعنی خن اقرب الی من جبل الودید

هم سای نشین و هم همراه، همه وست
در دنی گداو طلس شه همه وست
در انجین فرق و همان خانه جمع
بالند همه وست ثم بالند همه وست

هر کس نه گذر به عالم ما انداخت
گم گشت و وجود خوش از ما انداخت
متصور که محو آن انا اخی شد و رفت
اد قدره خوش را به دریا انداخت
فلسفه میں یہ مسئلہ محض ایک بے اثرا در مادی بحث ہے یعنی ازل میں اجزائے
و میقراطیسی تھے وہ ملک را دہ بنا۔ مادہ نے مختلف صورتیں اختیار کر لیں۔ لیکن تصوف
میں یہ مسئلہ ہمہ تن رو حائیت ہے، تصوف کی نظر میں تمام عالم شاہد حقیقی کا جلوہ ہے

یہ جو کچھ نظر آتا ہے اس کے کر شے اور ادایمیں ہیں۔ ایک روح ہے جو تمام اشیاء میں ساری ہے۔ ایک نور ہے جس سے تمام فضائے ہستی روشن ہے۔ ایک آنکاب ہے جو ہر ذرہ میں چمک رہا ہے،

عالم طبیعت میں انسان ایک حیر اور کمزور مخلوق ہے لیکن تصوف میں یہ وہ ذرہ ہے جو آنکاب سے ٹوٹ کر آیا ہے اور پھر آنکاب بن جائے گا۔ قطرہ ہے جس نے دریا کو آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ نقطہ ہے جو دائرہ سے ہدوش ہے گا ہے بہ نلک مرد خشان بودم گا ہے بہ ہوا ذرہ پویان بودم گا ہے دل و گا ہے تن گر جان بودم زین پس ہم ان شو مر کہ ہم ان بودم ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ مسلمہ اس قدر مشکل ہے کہ فلاسفہ کو اس کے ثابت کرنے میں نہایت دشمنی پیش آتی ہیں تاہم جس قدر فاسفہ ثابت کر سکا تصوف نے اس سے زیادہ روشن اور بدیل طریقہ سے ثابت کی اور لطف یہ کہ شاعرانہ اندراز ہیں مطلق فرق نہ آیا بلکہ انداز بیان کی رعنائی اور بڑھائی۔ تصوف نے اس مسلمہ کی مختلف تعبیریں کیں ہیں جنکی تفصیل حسبیں ہے۔

(۱) خدا، ہستی بحث یعنی وجود مطلق ہے۔ یہی وجود مقید ہو جاتا ہے یعنی غماض صورتیں اختیار کرتا ہے اور مختلف نام سے پکارا جاتا ہے تمام عالم اور موجود است عالم اسی وجود مطلق کے تشخصات ہیں۔ اسی بنابر حضرت فرید الدین عطار فرماتے ہیں کہ التوحید اس قاطع لامضات۔

آب در بحر بیکران آب است
و کشی در سبوہان آب است

بہست تو حید مردم بے درد
حضرتِ نوع وجود دریاک فرد

لیک غیر خدا عز و جمال
نیزت موجود نزد اہل کمال

وحدتِ خاصہ شہود این است
معنی وحدت وجود این است

(۲) آفتاب کی روشنی ایک ہے لیکن آئینہ میں، پانی میں ذرہ میں اسکی صورتیں
بدل جاتی ہیں کہیں تغیر ہو جاتی ہے کہیں دھند لی، کہیں اس قدر روشن کہ آنکھیں
خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اگر آئینہ پانی ذرہ۔ فنا ہو جائیں تو روشنی میں کچھ نقصان نہ آئے گا
اس کو ان چیزوں کے فنا ہونے سے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔

از موت و حیات چند پر کی ازمون خورشید پر روز نے در اقاد و برفت

(۳) اعداد جس قدر ہیں اکائیوں کے جموعہ کا نام ہے۔ مثلاً دس چند اکائیوں کے
مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن اکائی اور دس میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی کوئی نئی چیز اس کا نی میں
 شامل نہیں ہوئی۔ بلکہ اسی اکائی کو دس دفعہ شمار کیا تو دس بن گیا۔ اسی طرح تمام عالم ذات
واحد ہے۔ صرتہ کثرت میں مختلف اور متعدد معلوم ہوتا ہے،

این محض وحدت است پتکرا آمدہ

(۴) انسان کے جسم میں مختلف اعضا ہیں، ہر عضو کا نام جدا ہے۔ صورتیں جدا ہیں
لیکن ایک روح ہے جو تمام اعضا میں ساری ہے۔ اعضا کا ایک ذرہ بھی اس روح
ست خالی نہیں۔ تاہم روح کی کوئی خاص جگہ نہیں ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں یکاڑوں

اعضاء اور ہزار دن لاکھون رگین اور اعصاب الگ الگ کام کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہی ایک روح سب کچھ کر رہی ہے۔ وہ نہ تو کچھ نہیں سب خاک کا وہیر ہے۔ اسی طرح تمام عالم ایک ہستی خاص ہے۔ اس کے لاکھون رُر درون اجزا ہیں سب گوناگون اور مختلف الصورۃ ہیں، سب الگ الگ ہیں۔ لیکن درحقیقت اس حجم اکبر میں بھی ایک روح ہے اور وہی سب کچھ کر رہی ہے۔ وہ ایک یک ذرہ میں ساری ہے۔ وہ ہر جگہ ہے اور کمیں نہیں اس کا نہ کوئی حیز ہے نہ جست نہ کمٹ اور پھر سب کچھ ہے، یہی روح ہے جسکو ہم خدا کتے ہیں۔ اور وحدت وجود کے یہی معنے ہیں،

اے از تو حقیقت تو بس ناپیدا	بآآن کر توئی زہر چیز پیدا پیدا
تو حید طالب عین ہملا شیارشو	پچھو یک جان در ہمارے عضنا پیدا

حق جان جان است جان جلد بن
ارواح ولائکہ جو اس این تن
اغلاک و عناصر و موالید اعضا،
تو حید ہیں است دگر ہا ہم فن
(۵) آئینہ میں جب کسی چیز کا عکس ڈرتا ہے تو گویہ عکس محسم ہو کر نظر آتا ہی لیکن درحقیقت
کوئی چیز نہیں جس چیز کا عکس ہے وہ ہشت جاۓ تو پھر وہاں کچھ بھی نہیں جس کا عکس تھا وہ تو
اب بھی موجود ہے۔ لیکن عکس کا پتہ نہیں۔ اسی طرح دھوپ میں آدمی کا جوسا نظر آتا ہے
یہ سایہ درحقیقت کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح حصل میں ایک ذات واحد موجود ہے، یہ تمام عالم
گوناگون مخلوقات اس کے اظہال اور پرتو ہیں۔

سایه متک است نا کام	تاجنبش دست هبت مادام
پس نیست خود اندر حسل سای	چون سای زدست یافت مای
بہتیش نہادن از خرد نیست	چیز که وجود ادب خود نیست
پس با دلیین کرنیت وال اللد	موجود حقیقی سوے ۱ اللد

ہر چیز کر آن نشان ہتی وارد
 یا پر توردے اوست یا اوست بہین
 یہ سب اس مسئلہ روح دخت وجود اکی فلسفیانہ تعبیر میں ہیں لیکن فارسی شاعری نے اس
 مسئلہ کو جس جوش اور خروش اور گوناگون تخلیقات کے ذریعہ سے او کیا وہ شاعری کا انتہائی
 کمال ہے، ایک شاعر خود اس ذات واحد کو مناطب کرتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے،
 گفتی کہ ہمیشہ من خموشم
 گویا شدہ پس ہر زبان کیست
 تو کہتا ہے کہ میں ہمیشہ چپ بہتا ہوں تو یہ کون ہر جو زبان میں بولتا ہے
 گفتی کہ نہ سام اذ د عالم
 پیدا شدہ دریگان یگان کیست
 تو کہتا ہے کہ میں سب سے پو شید ہوں تو یہ کون ہر جو ایک ایک چیز میں نہیں ہے
 گفتی کہ نہ ایتم و نہ آنم
 پس آنکہ ہم این بود ہم آن کیست
 تو کہتا ہے کہ میں نہ ہوں نہ دہ ہوں تو وہ کون ہر جو یہ بھی ہے اور وہ بھی
 یہ مسئلہ اگرچہ ایک فلسفیانہ مسئلہ تھا اور اس لحاظ سے شاعری کو موجود حقیقت تخلیق کی دوسرا
 نام ہے۔ اس سے کچھ تعلق نہ تھا تاہم فارسی شاعری کا آدھا سر مایہ یہی ہے، اس عقدہ

کا حل یہے کہ گومنڈ کی اصل حقیقت کچھ ہو لیکن صورتہ وہ سرتاپا حریرت ہر اور شاعری کی
یہی بنیاد ہے ہر چیز جو پر تجھب انگیری کا اثر پیدا کرتی ہے۔ حقیقی شعر ہے۔ فضائے
غیر محدود۔ بحربے کران۔ سیارہ ہائے غیر تناہی۔ با و صرمر۔ امواج دریا۔ سب مجھم شریں۔
اس بنا پر وحدت وجود کا مسئلہ سرتاپا شاعری ہے۔ ہر چیز خدا ہے تمام عالم اس کے
اشکال گوناگون ہیں۔ ایک ہستی مطلق، عام بھی ہے، خاص بھی مطلق بھی، مقید بھی،
کلی بھی جزوی بھی۔ جو ہر بھی ہے۔ عرض بھی بیا بھی ہے۔ سفید بھی۔ اس سے بڑھا رشاعری
کیا ہو سکتی ہے یہی وجہ ہو کہ تخلیل نے اس مضمون میں اس قدر عمل کیا کہ سوبوس سے
اس بات کو کہتے آتے ہیں پھر بھی ذخیرم ہوتی ہے اور نہ اسکی دل آدیزی میں کمی ہوتی
ہے۔ صوفیہ شعرا کی شاعری کی تمام کائنات یہی ہے۔ مغربی نے تمام دیوان میں ایک
حرفت بھی اسکے سوانح میں کہا۔ ہزاروں پہلوتے یہ مضمون ادا ہو چکا ہے پھر بھی نئے

نئے پیراں نکلتے آتے ہیں

مشکل حکایتے ہست کہ ہر زردہ عین دست
امانی تو ان کے اشارتہ بہ اوکنندہ

در پر دہ و بر تہ کس پڑھ می دری
باہر کے دبا تو کے را دصال نیت

در ہر چینگرم تو پہ دیدار بودہ
لے نانو دہ رُخ تو چبی سیار بودہ

این عالم صورت است داد صورت
معنی توان دید مگر داد صورت

در صورت قطعه سربسر در یائیم
تو ذره بین مر جان آرایم
گویند که گنیه ذات نتوان یافت
ما یافته ایم این که کنهش یائیم
یہ مسلم جب تک صرف زبان پر رہتا ہے فلسفہ یا شاعری ہے۔ لیکن جب دل پر اس کا
استیلا ہو جاتا ہے تو ایک عجیب لذت بخش کیفیت طاری ہوتی ہے، دنیا کی کوئی ناگوارچیز
ناگوار نہیں معلوم ہوتی۔ سب سین اس کا جلوہ نظر آتا ہے، سب سین اسی کی خوبیوں تی ہے
دوست و شرک، گبر و مسلمان کی تیزماً ٹھوڑی جاتی ہے اسی عالم کو ایک شاعر ادا کرتا ہے،

عارف ہم از هلام خراب است ہم از کفر پر دانہ چراغ حرم دید نداند

اس کا اخلاق پر نایت عده اثر پڑا اور سی و جھے کے اخلاقی شاعری جو تصوف
سے علی گبر و مسلمان کے تفرقہ سے خالی ہے، بوستان کی وہ حکایت تکوید ہو گئی کہ حضرت
ابراهیم نے ایک گبر کو اس بنار پر دست رخوان سے انھا دیا کہ وہ گبر تھا۔ اسی وقت فرشتہ نازل
ہوا اور خدا کا پینغام لایا۔

منش داده صدیال روزی وجان ترانفت مد ازو یک زمان

یعنی یہیں نے اس کو برس تک زندگی اور روزی دی۔ تم دم بھوپلی اس کے ساتھ نگزار کے،
حاسہ باطنی جیسا کہ ہم اور پکھ آئے ہیں تصوف کی اصلی بنیاد علم باطن ہے اہل باطن کے
نزدیک تمام اشیاء اور خصوصاً معارف الہی کے اور اک کے دوسرے یعنی یہیں۔ ایک عقل جو

حوالہ کے ذریعہ سے معلومات بھم پہنچاتی ہے اور پھر ان کو تحریر ہجت فضیل و ترکیب دیکر
نتایج کا استباط کرتی ہے۔ اس کو علم ظاہر کرنے ہیں۔ دوسرے قابل روح جو شق اور نیانت
اوہ تصفیہ سے بغیر حواس کی اعانت کے اداک کرتی ہے۔ یہ اداک نہایت رائج
ہوتا ہے، وہ ایک تسانی خش کیفیت پیدا کرتا ہے اور شاک اور احتمال کے خدرہ سے پاک
ہوتا ہے۔ عارف کی آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن وہ دل کی آنکھوں سے علا نیہہ کشیا رکا
مشابہہ کرتا ہے اس کے ساتھ ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہ کیفیت بیان میں نہیں
اسکتی اور مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ ع۔ ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نہیں،

شیخ ابو علی سینا جب سلطان ابوسعید ابوالنیر سے ملا اور اپنی تحقیقات بیان کرنے تو اپنے
فرمایا کہ ”انچہ سیدانی میں نہیں“ یہی چیز ہے جسکو اصطلاح تصور میں مشاہدہ کشف اور الہام
کہتے ہیں یہ قوت بعض نسانوں میں کامل اور فطری ہوتی ہے۔ بے لوگ انہیا کہلاتے
ہیں بعضوں میں نہیں اور ریاضت سے پیدا ہوتی ہے، تاہم استعداد میں نہایت
فرق مرتب ہوتا ہے اور اسی فرق مرتب کے لحاظ سے اولیا کے طبقات قائم
ہوتے ہیں۔ مولانا روم نے اس اداک باطنی کو مثنوی میں جا بجا نہایت تفصیل سے
بیان کیا ہے جس کا احصل یہ کہ روح کی کئی قسمیں ہیں ایک جانور دن اور انسان دن
دوں میں مشترک ہے یہ روح حیوانی ہے، ایک وہ ہر جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے، وہ انسانی
غیرِ عقل و جان کر درگاؤ و خڑست آدمی رعقل و جانی دیگر است
اس سے بالا تر ایک روح ہے جو انبیا اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہے، وہ انسانی

روح سے اُسی قدر بلند ہے جس قدر انسانی روح، ورودِ حیوانی سے بالاتر ہے،

باز غیر عقول و جانِ آدمی ہست جانے در بُنیٰ دروں لی

فلسفیون کے نزدیک انسان کلی متواطی ہے۔ یعنی تمام انسان انسانیت کے لحاظ کر یکسان ہیں لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان کلی مغلک ہے، یعنی جبطح سردی گرمی کے مرتب میں اختلاف ہے، کوئی چیز نہایت گرم ہے اور کوئی کم سیطح خود انسانیت کے مرتب مختلف ہیں۔ انسان کی اصلی حقیقت اور اک اور تعقل ہے۔ اس لیے جس میں زیادہ اور اک ہے وہ زیادہ انسان ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں،

جان بناشد جز خبر در آزمون ہر کرا فزوں خبر، جانش فزوں

جان صرف اور اک کا نام ہے اس لیے جکا اور اک زیادہ ہے۔ جان بھی زیادہ ہے،

انسانیت کا اعلیٰ مرتبہ نبوت ہے۔ عام انسانوں میں اور انبیا میں وہی فرق ہے جو مختلف حیوانات میں ہے حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان نوع نہیں بلکہ جنس ہے اور اس کے افراد میں وہی تنفاذ ہے جو جنس کے انواع میں ہوتا ہے۔ انسانوں میں یہ اختلاف مرتب اُسی روح کی بنابر ہے جو روح انسانی سے بالاتر ہے کشف والہام اسی روح کا خاصہ ہے۔ اسی بنابر حضرات صوفیہ کے نزدیک جو علم قیاسات اور استدلالات سے حاصل ہوتا ہے یقین ہے۔

پاے استدلالیاں چوبیں نخت بے تکمیں بود
فخر رازی، راز دار دین بُدے

پاے استدلالیاں چوبیں بود

جو معلومات استدلال اور قیاس سے حاصل ہوتے ہیں گو کہتے ہیں یقینی ہون لیکن شکار در
احتمال سے خالی نہیں ہو سکتے فلسفہ کے سائل میں سخت اختلاف رہے ہوا در دو نون
طرف نہایت بڑے فلسفی ہیں۔ یہ رائین اکثر باہم تناقض ہیں اور یہ ظاہر ہے
کہ دونوں تناقض سائل میں سے ایک ہی صحیح ہو گا۔ یورپ اس درجہ کمال تک پہنچ چکا،
لیکن ہر فلسفی کی راستے درستے فلسفی سے مختلف ہے۔ بخلاف اس کے کشف
اور مشاہدہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے اور قطعی ہو یا نہ لیکن دل کو اس سے
تلی ہو جاتی ہے۔ وہ طبیعت کو کامل سکون اور دل میں ایک مطمئن خوشی اور رذوق
پیدا کرتا ہے جس شخص پر خود یہ حالت طاری نہ ہے۔ وہ اس علم رباطن (پرچمی طرح طرح کے
شبے قائم کر سکتا ہے لیکن کشف اور مشاہدہ کے بعد تمام شکوہ اور احتمالات دفعتہ
فنا ہو جاتے ہیں عقل اور کشف کے فرق کو خواجہ حافظ نے اس شعر میں ادا کیا ہے،
آن ہر شعبدہ باعقل کمی کر دے بجا سامری پیش عصا وید بھینامی کرد

جب یعلم حاصل ہو جاتا ہے تو تمام ظاہری علوم حقیر اور بے مزہ معلوم ہوتے ہیں، اور
بے ساختہ اس قسم کے الگاظ زبان پر آتے ہیں،

چند چند از حکمت یونانیں ان حکمت ایمانیان را ہم بخوان
جو علم استدلال سے حاصل ہوتا ہے صوفیہ اس کو عقلی کہتے ہیں اور جو علم مجاہدہ، اور
ریاضت سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام عرفان ہے ان دونوں کا فرق ایک صوفی
شاعرنے اس طرح ادا کیا ہے،

چشم آن باشد که نہ فلک را بیند چشمی کہ پر نور مهر بیند کو رست
آنکھ وہ ہے جو خود دیکھتی ہے۔ جو آنکھ آفتاب کی روشنی کی محتاج ہے وہ اندھی ہے،

ارباب سفطہ کتے ہیں کہ اصل حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے نہ معلوم ہو سکتی ہے صوفی
کہتے ہیں۔

زنمار گو کہ رہروان نیز نہیں کامل صفاتان بے نشان نیز نہیں
ہرگز یہ نہ کو کہ رہسر و ادر کامل لوگ نہیں ہیں
زین گونہ کہ تو محروم اسرار نہیں می پندراری کہ دیگران نیز نہیں
تم واقع راز نہیں ہو۔ تو سمجھتے ہو کہ اور لوگ بھی نہیں ہیں۔

حضرات صوفیہ جو کچھ کتے ہیں وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے کچھ دیکھا ہے۔ ورنہ بعض
قیاس اور استدلال میں یہ ذوق، یہ جوش و خروش نہیں ہو سکتا ہے،

لُغْلَوِیْسَانْ بَأْشَدْ غَافِلْ بِهِ شِيَارْ رَا دُرْفَسْ بَأْشَدْ تَفاوْتْ خَفْتَهْ وَبِيَارْ رَا
صوفیانہ انداز چونکہ بہت مقبول ہوا اس لیے تمام شعر اسی انداز میں کئے گئے،
عرفی، نظری، طالب، حقشمش، شفای سب یہ بولی بولتے ہیں لیکن صفات معلوم ہو جاتا ہے
کہ نزی نقائی ہے بچوں میں لیکن خوب شنوں میں۔ شراب ہے لیکن نشہ نہیں جُس ہے لیکن
دلفرمی نہیں۔ قالب ہر لیکن روح نہیں بخلاف اس کے مولانا روم سنانی، واحدی
سلطان ابوسعید کا الفاظ لفظ بتاتا ہے کہ کہاں سے نکلے ہیں۔

لُغْلَنْ بِهِ زَانْ كَيْ يَافِتْ خَامِشْ گَرْدَوْ لُغْلَنْ غَلَطْ أَسْتْ آنْكَهْ يَابْدَگَيْدْ

کشف حقائق تصوف کی اصل یہی مسئلہ ہے، تصوف کا دوسرا نام ”حقیقت“ ہے اور اسی بناء پر ہے کہ تصوف کی غرض و غایت یہی ہے۔ اگرچہ تصوف کو براہ راست تمام اشیاء سے بحث نہیں یہ حکما کا کام ہے تصوف کو صرف اس بات سے غرض ہے کہ انسان کا مطلوب اصلی کیا ہے؟ لیکن چونکہ اس نتیجہ تک پہنچنے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے عام طور پر حقائق اشیاء سے بحث کرنی پڑتی ہے اس لیے یہ دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اس کو ایک خاص مثال میں سمجھنا چاہیے۔ شلاؤ تصوف میں عشقِ حقیقی کی تبیین دیجاتی ہے یعنی یہ کہ جمال صرف شاہِ حقیقی میں پایا جاتا ہے اس لیے وہ عشق و محبت کے قابل ہے، باقی جن شخصاں یا جن چیزوں کو ہم حسین اور جبیل سمجھتے ہیں، واقع میں حسین اور جبیل نہیں یہ بات بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہے۔ ایک حسین خوب رو یا ایک خوشناپھول کے حسن کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے؟ اس شہر کے رفع کرنے کے لیے حسن و جمال کی عام حقیقت سے بحث کرنی پڑتی ہے اور ثابت کرنا پڑتا ہے کہ ان چیزوں میں اصلی جمال نہیں ہے۔ اس طرح یہ بحث زیادہ وسیع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح تصوف کی تعلیمات میں اکثر باتیں عام مسلمات کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اس لیے حقائق اشیاء کی بحث تصوف کا ایک مستقل عنوان ہو گیا ہے جس کو ہم اجمالی طور سے لکھتے ہیں۔

(۱) تصوف میں یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اکثر چیزوں کی نسبت و گون کا جو علم ہے وہ صحیح نہیں اخلاق اشیاء کے متعلق عام غلطیاں پہلی ہوئی ہیں جن چیزوں کو ہم جملج

دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیقت میں اس طرح نہیں ہیں۔ اس مسئلہ کی تلقین کے وقت علم تصوف سفطہ کے قریب آ جاتا ہے یعنی ہر چیز کی نسبت شک پیدا کر دیتا ہے، غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ جو چیزوں بظاہر محسوس اور مشاہدہ اور زیادہ نمایاں میں وہ اصلی نہیں ہیں، بلکہ اصلی وہ چیز ہے جو جنپی اور کنم نمایاں ہے۔ مثلاً ہوا جب چلتی ہے تو ہم کو جو چیز آنکھ سے متھک محسوس ہوتی ہے وہ خاک اور غبار ہے، ہو کو ہم بالکل نہیں دیکھتے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ در صلیح تحرک ہوا ہی ہے۔ خاک میں اُسی نے حرکت پیدا کی ہے،

بhydr اپوشید و گفت کرد آنکار با درا پوشید و بنودت غبار

دریا کو چھپایا اور گفت کون نمایاں کیا ہے۔ ہوا کو چھپایا اور غبار کو ظاہر کیا،

خاک بر باد است بازی می کند کج نمایی عشوہ سازی می کند

خاک پھون آز اور دست باو با در او ان عالی و عالی نژاد

یعنی خاک یعنی اور بے قدر ہے۔ لیکن جلوہ نمایاں کرتی ہے، ہوا جو اصلی چیز ہے وہ روپشن ہوئے

تاہم خاک ہوا کے ہاتھ میں گویا ایک آرہ ہے اس لیے ہوا ہی کو عالی رتبہ بھنا چاہیے۔

طبیعتیات میں تمام مسائل کی بنیاد محسوسات پر رکھی جاتی ہے اس لیے اس میں زیادہ مصروف ہونے سے محسوسات کا سقدر دپر اثر چھا جاتا ہے کہ یقین ہو جاتا ہے کہ جو چیز محسوس نہیں وہ خیالی اور وہی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ طبیعتیات جانے والے جبردست اور روحا نیات کے منکر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انکار کا یہ سلسلہ خدا

تک پہنچتا ہے کیونکہ وہ اعلیٰ المجدات ہے۔ لیکن تصوف میں سب سے مقدم اور
غزوری تری مسلمہ ہے کہ ظاہری حس کا اعتباً نہیں۔ غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ خود محسوسات
میں فرق مراتب ہے یعنی بعض چیزوں علانیہ مشا براور محسوس ہوتی ہیں۔ بعض آثار اس
اور علامات کے ذریعہ سے اور بعض صرف دلائل اور نتائج سے ثابت ہوتی ہیں۔
اب اگر محسوس ہونے پر مدار ہوتا تو چاہیے تھا کہ جو چیز زیادہ محسوس ہوتی زیادہ صحتی
ہوتی۔ لیکن حالت بر عکس ہے جب ہوا چلتی ہے تو خاک یا غبار نظر آتا ہے، ہوانغل
نہیں آتی۔ لیکن اصل میں ہوا ہی نے غبار کو حرکت دی ہے۔ پھول آنکھ سے نظر
آتا ہے لیکن اصلی چیز خوب شو ہے وہ نظر نہیں آتی۔ حجم زیادہ محسوس ہے لیکن اصلی
چیز جان یاری ہے جو نظر نہیں آسکتی۔ افعال اور اعمال علانیہ محسوس ہوتے ہیں
لیکن جو چیز افعال اور اعمال کا سبب ہے یعنی ارادہ یا فکر وہ دیکھنے یا سننے کی چیزوں نہیں،
الفاظ زیادہ محسوس ہیں لیکن اصلی چیز معنی ہیں جو کسی حالت ظاہری کو محسوس نہیں ہو سکتے،
غرض جقدر زیادہ غور کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ محسوسات میں بھی وہی چیزوں اصلی
وجود کھتی ہیں جو کم محسوس ہیں اور مجرّد ہیں۔ اور جقدر کم محسوس ہیں اسی قدر ان میں
زیادہ اصیلیت اور قوت ہوتی ہے۔ ہوا آنکھ سے نظر نہیں آتی لیکن ہوا کا ایک
طوفان عالم کو زیر وزبر کر دیتا ہے۔ نکلا در ارادہ محسوس چیزوں نہیں لیکن دنیا میں
جو کچھ ہوتا ہے انہیں کی بد دلت ہوتا ہے۔ آج کل علماء طبیعت محسوسات پر زیادہ
اعتماد کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں مقتولہ کا بھی یہی حال تھا اسی بناء پر حضرات صوفیہ

ہر شخص کو جو مادہ پرست اور حاصل پرست ہو مغزی لئے ہیں۔

ہر کہ درس ماندا مغزی است گرچہ گویدگی ام از جاہلی است

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ سے مجرد ہونا حقیقی وجود ہے اور بقدر زیادہ

تجدد ہو گا اسی قدر وجود حقیقی کا زیادہ ظہور ہو گا۔ چنانچہ موجود است کی ترتیب یہ ہے

کہ سبے کم رتبہ جسم اس سے بالاتر جان پھر وحی پھر محبدات پھر باری تعالیٰ۔

صورت پرست لوگ ظاہری حسن و جمال کو مطلوب اور محبوب خیال کرتے ہیں۔

لیکن وہ خود اپنے افیاضی کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ایک خوب و نوجوان جب

مرجا تا ہے تو کچھ دیر تک اس کے ظاہری حسن و جمال میں کچھ فرق نہیں آتا۔ لیکن اسکے

چاہئے والے اب اسکی صورت پر نہیں مرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز پر وہ مرد ہے

تجھے جمال ظاہری کے سوا کوئی اور چیز تھی جو بظاہر مرسوس نہیں ہوتی تھی۔

انچہ معموق ہست صفت نیست آن نواہ عشقِ این جہان نواہ آن جہان

تمام موجودات پر غور کرنے سے یا امر لقینی طور سر محمود ہونے لگتا ہے کہ ہر چیز

کی دو حالتیں ہیں حقیقی اور مجازی یادِ اقیٰ اور نماشی اور تصوف کا تامتر حاصل و در

منتهی مقصد حقیقت کی جستجو اور حقیقت پرستی ہے۔ یہی حقیقت پرستی خدا کا اذ عان

دل میں پیدا کرتی ہے۔ جب زیادہ عورتے نظر آتے ہے کہ تمام موجودات کا وجود غیر مستقل

ہے۔ عارضی ہی تغیر پذیر ہے تو اس وجود کی تلاش ہوتی ہے جو اصلی اور حقیقی ہو۔

ازی اور ابدی ہو۔ اس لقین سے تمام فانی پیزین بے حقیقت نظر آتی ہیں۔ اور

صرف ایک ذاتِ واحد کی عظمت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے،

ہر چیز کے درجہ اماں دیدم با ادھمہ یعنی بود و بے اوہمہ یعنی

اس ختم میں نام کائنات کا یعنی ہونا دن نون پہلو ان سے ثابت کیا ہے یعنی وجود حقیقی کے ساتھ بھی یعنی میں کیونکہ حقیقت کے ساتھ فناز کی کیا وقت ہے اور وجود حقیقی کے بغیر بھی یعنی میں کیونکہ بغیر اسکے وہ سرخ سے موجود ہیں ہو سکتے،

زندہ در عالم تصویب میں نقاش است خواہ غفلت ہمہ را بردا و بیدار کیوں است

جب حقیقت پرستی کا ذوق دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو ہر چیز میں حقیقت کی تلاش ہوتی ہے اور وہی چیز میں معبد معلوم ہوتی ہے جو حقیقتی ہے بناءً حسنِ لذت اور سرفت انسان کے اعلیٰ مطلوب ہے۔ انسان جن چیزوں پر جان دیتا ہے، جن چیزوں کے لیے جدوجہد کرتا ہے، جن چیزوں کا شفیقت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بتاتا ہے کہ ان میں حسنِ یا لذت یا سرفت ہے لیکن ان چیزوں میں ابھی حقیقت اور حجاز کے مراتب میں۔ سچے کھیل۔ تا شہ دھھوٹی اور مصنوعی چیزوں کو پسند کرتا ہے جب فراہم ہوتا ہے اور اس کا نذاق کسی قدر تصحیح ہونے کا تائے ہے تو پسند کا سیار بھی ترقی کر جاتا ہے اور اب وہ ان چیزوں کو پسند کرتا ہے جن میں فی الجملہ واقعیت اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ جب اُسکی عقل اور اور اک میں اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو یہ میمار اور ترقی کر جاتا ہے۔ ان مدارج میں جو فرق ہوتا ہے وہ دو چیزوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، ایک وہی حقیقت اور حجاز، ایسی پچوں اور نوجوانوں کے نزدیک جو چیزوں جیسیں لذتیں اور خوشنا ہوتی ہیں۔ ان میں حقیقی حسن۔ حقیقی لذت،

او حقیقی نوشاں ای نہیں بوتی بلکہ غارضی اور نظاہری ہوتی ہے
دوسرے فرق اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ کچون اور نوجوانوں کی مرغوبات اور مطلوبات
وہ چیزیں ہوتی ہیں جو ماڈی ہوتی ہیں۔ بخلاف اس کے عامل اور صاحب نظر جن
چیزوں کو مطلوب قرار دیتا ہے اور جن کے لیے جانشناشیاں کرتا ہے وہ غیر رادی ہوتی
ہیں۔ مثلًا پچ کھانے۔ پینے۔ پہنچ۔ نقش و نگار پر جان دیتے ہیں جو مادیات ہیں
بخلاف اس کے عقلاء۔ علم و هنر، عزت، بقاعے نام اور شہرت کے طالب ہوتے ہیں
اور یہ سب چیزیں غیر رادی ہیں۔ بعض خیالی چیزیں ہیں لیکن یہ معاشر حقیقی میاہیں ان انسان
کا مقصد اس سے بھی باندھ تر ہونا چاہیے۔ اور یہی چیز ہے جو تصوف کا مطیع نظر اور

مرکز خیال ہے

حسن و جمال تمام عالم کو مرغوب ہے۔ بلکہ تمام عالم میں جس قدر چیزیں مرغوب
اور مطلوب ہیں اسی وجہ سے ایں کہ ان میں کسی نکسی قسم کا حسن ہو۔ لیکن حسن میں بھی
حقیقت اور مجاز کا فرق ہے۔ عام لوگ جن چیزوں کو حسین سمجھتے ہیں وہ حقیقی حسین نہیں
ان کا حسن غارضی اور کسی اور حسن کا پرتو ہے۔ مثلًا اگر آن قاب کے عکس پڑنے سے دیوار
روشن ہو جائے تو دیوار در حسل روشن نہیں۔ بلکہ اصل میں آنتاب روشن ہے۔ دیوار پر
اس کا پرتو پڑ گیا ہے،

گر شود پر نور روز ن یا سرا	تو مدان روشن گلکھور شید را
پر تو غیرے ندارم این ننم	و رو رو دیوار گوید روشنم

پس گلو مید آفتاب اے نارشید چونکہ ن غائب ثوم آید پدید

یعنی اگر مکان اور دریکہ روشن ہو جائے تو نکو سمجھنا چاہیے کہ ہذا قتاب روشن ہے۔ درود دیوار اگر یہ دخولی گرین کر کہم خود روشن ہیں تو ہذا قتاب کے لام کر جب یہیں غائب ہو جاؤں گا اس وقت یہ بات کھل جائیگی اسی طرح تمام اشیاء میں جو حسن نظر آتا ہے وہ عارضی اور مستعار ہو اس لیے ضرور ہو جائے کہ کوئی اصلی جمال نہ ہے جس کا پر توجہ چنیز پر ٹپ جاتا ہے اس میں حسن اور جمال آ جاتا ہے اسی جمال حقیقی ہے جو تصور کا مقصد اور غایت ہے،

ذات باری (۱۱) وہریہ خدا کے منکر ہیں یو فطایوں کو شکست ہے فلسفی استدلال کے خواجہ میں لیکن ارباب حال کے نزدیک استدلال کی ضرورت نہیں۔ تمام عالم زمین آسمان آفتاب رہتا ہے، ثابت، ثابت، سیار، دشت و پمن، گل و خار، برگ و بارب اسکی شہادت دے رہے ہیں۔ وہ پوشیدہ ہو؛ لیکن اسی وجہ سے کہ بہت کھلا ہوا ہے۔ عطا رائے

اسے ز پیدائی تو ازبس نا پدید

بے شبهہ وہ این و آن دونوں سے بالاتر ہے لیکن اس لیے کہ وہ ایک پی ساتھ این جی بے اور آن بھی، مغربی۔ رع، پس آن کہ ہم این، ہم آن بود کیست؟،

کیا یہ ممکن ہے کہ محاول ہو اور عالم نہ ہو اثر ہو، اور موثر نہ ہو، ذرہ ہو آفتاب نہ ہو سایہ ہو اور دھوپ نہو،

عالم انہ است ذات یکتا نی را روزے کرد و نہ آفتاب است کرد

سماں جان اسی ذات کی نشانی ہے وہ نہ دن ہو اور آفتاب نہو یہ کہنے دیکھا جا

بجان اللہ حیرتے وار مسندت زان دیدہ کہ ذرہ دید و خوشنیدہ دید

میاں بلغ، گل سخن طے ہو دارد کہ بونید دبانِ مرا پھ بُو دار د

(۲) معرفت باری میں عقل بیکار ہے عقل کے تامتر اور اکات حواس کے درکات

پر مبنی ہیں یعنی حواس جو ادا کرتے ہیں عقل انہیں میں تحلیل یا ترکیب تعمیر یا تغیر یہ کاعل کرنی ہے لیکن ذات باری حواس کے درکات سے بالاتر ہے اسی

بنابردار باب حال کے نزدیک عقل کے درکات اولیٰ مرتبہ کی چیزوں ہیں۔

عقل جزیٰ کے توانگزشت برقارِ عالم عنکبوتے کے توانگزشت برقارِ شکار

یعنی عقل معارف قرآنی کا احاطہ نہیں کر سکتی، ایک کڑی بیمرغ کو کیونکر شکار کر سکتی ہے۔

ذہب کہ ہم خیالِ خواب است اور رہے نہ بروں زخاک آب است اور

او زنگ ہمی جوید و حق بزمگ است آن حشم حشم مل جواب است اور

یعنی علماء ظاہر کا علم خیال اور خواب ہے کیونکہ آب و خاک (بادیات) سے ہے گے

نہیں بڑھتے یہ لوگ زنگ ڈھونڈ رہتے ہیں اور خدا بے زنگ ہے ایسی انکھیں انکھیں نہیں

بلکہ حجاب ہیں۔

(۳) تجزیہ نفس و رجماہدہ سے روح کو ایک اور اک غیبی حاصل ہوتا ہے عرفانِ الہی کا

یہی ذریعہ ہے۔ اس کو علم باطن، مثاہدہ، اتفاق، کشعت وغیرہ کہتے ہیں۔ اس سے بھی گو خدا

کی ذات و حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ وہ ہر حالت میں انسان کے وترس سو بala تری

لیکن صفات اور شیوناتِ الہی کی تجلیاں۔ روح پر پڑتی ہیں اور شخض بقدر استعداد عرفان

کام مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ درجہ درس و تدریس تعلیم و تعلم کر حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ تذکرے نفس و تجوید یہ
و فنا سر حاصل ہوتا ہے جبقدر انسان علائق دنیوی سے بے تعلق ہوا رسم و قیود سے آزاد

ہو جائے اُسی قدر اس درجہ میں ترقی ہوتی ہے

درندہ بنا شفاف قرار دگر است دین بادہ نا راخا ر دگر است

ہر علم کہ در درسہ حاصل گردد کار دگر است عشق کار دگر است

ہر کے زانداز کروشن دلی غیب را بیند بعت در قلی

یعنی ہر شخص جبقدر نفس کا تذکرہ کر گیا۔ اُسی قدر اسکو عالم غیب کا دراک ہو گا اور پھر نکلا انسان کی تعلوک کو ملچ

کی کوئی آتمانیں اسلیے ہر شخص کو جدا دراک و جدا عرفان ہوتا ہے۔ ہر عاشق راز تو وصال فرست

اس سے زیادہ صفات ایک اور عارف کتائے ہے،

ساتی بہہہ بادہ زیک فغم دہاما در مجلس وستی ہر کیت شرابے هست

یعنی ساقی بہ کو ایک بھی خم سے خراب یتباہو لیکن جو لوگ پیجیں انکو انگل اگ خراب کا نشہ پڑھتا ہے

یہ مرتب عقل و علم کرنیں حاصل ہوتا بلکہ تجوید مجاہدہ اور یا فحش کے بعد خود بخود اور ہر سر فیضان ہوتا ہے

ہر چند تو اور ان تو انی دیدن او بتواند بتون مودن خود را

یعنی اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن وہ خود تم کو اپنے آپ کو دکھلا سکتے ہے،

علامے ظاہر خدا کی ذات و صفات جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ انسانی ہی اخلاق اور

او صاف سرما خود ہے۔ مثلاً انسان کے کمال اور عظمت کا اعسائے اتر درجہ یہ ہر کے صاحب

افتخار ہو۔ فیاض ہو۔ عالم ہو۔ عادل ہو۔ اسی پیاری نکوزیادہ بلن کر دیا جائے تو یہ خدا کی تصویر ہے

اور چونکہ کمال کا معیار شخص کے نزدیک مختلف ہو اس لیے خدا کے اوصاف میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً ایک شعری خدا کی یہ تعریف کرتا ہے۔

اگر وہ یک صلاۓ کرم عزاً مل گوید نصیبہ بزم

بہ تهدید گر برکشند تنخ حسلم باند کر دبیان صم و بکم،

یعنی اگر خدا اپنی مہربانی کا اعلان نہ تو شیطان کے گام جگو بھی کچھ حصہ ملنا چاہیے اور اگر غصب ہے تو فرشتوں کے حواس جاتے رہیں گے۔

لیکن ایک فلسفی کے نزدیک یہ خدا کی نہیں بلکہ چنگیز خان کی تصویر ہے جس کے لطف و کرم کا کوئی اصول نہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا تصور لوگ پڑا پنے معیار کمال کے موافق کرتے ہیں لیکن وہ اور جی کچھ ہے۔

بر انگل پر دہ، تا معلوم گردو کیا زان دیگرے رامی پرستند

یعنی اسے خدا تو پنے چہرہ سے پر دہ الٹ دے تو یہ کھل جائے کہ لوگ کسی اور کو پوچھ رہے ہیں۔

آنکہ وصفت حسن تو تقریبی لکنڈ خواب ندیدہ را ہمہ تعبیری لکنڈ

یعنی جو لوگ تیرے جمال کی حقیقت بیان کرتے ہیں وہ اس خواب کی تعبیر کہتے ہیں جو انہوں نے دیکھا نہیں۔ اولاً تو خواب خود ایک وہی چیز ہے۔ بچھر خواب دیکھا بھی نہیں اور اسکی تعبیر بیان کر رہے ہیں۔ تعبیر خود بھی کوئی یقینی چیز نہیں۔

فنا عجیب بات ہے انسان باطل، موت او فسیتی کے نام سے گھبراہر بلکن صوفیہ اسکے طالب ہیں اور تصوف میں سالک کے لیے جو مقامات مقرر ہیں ان میں فنا گو یا آخری منزل ہے، اس کے بعد ہے تو فنا، الفنا ہے کہ وہ بھی فنا ہی کی ایک دوسری سورت ہے فنا سے تصوف کو فتحاٹھتیتوں سے تعلق ہے،

(۱) مادہ پرستون کا یہ خیال ہے کہ کیندہ زندگی کوئی چیز نہیں۔ انسان کی ترکیب عضری جب تک قائم ہے زندہ ہے جب عناصر الگ ہو گئے فنا ہو گیا۔ اب دو بارہ روح کا پیدا ہونا یا باقی رہنا خیالی باتیں ہیں۔

تو زرہ اے غافل نادان کہ ترا در خاک لکندہ باز پیر دن آمد

تم سونا نہیں ہو کہ تم کو زمین میں گاڑ کر پھر کا میں گے،

اس خیال کو صوفی شرانے نہایت پُر زور اور لطیف پیرا یون میں باطل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تم نے کس چیز کو فنا ہو ستے دیکھا ہے دنیا میں کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی۔ البتہ صورتیں بدل جاتی ہیں، تو انسان کیون فنا ہو گا۔

کدام واذ فروخت وزمین کہ چرست چراہہ داز انسانت این گمان باشد

وہ کوئا داہی جزیں کے اندر گیا اور نہ اگا، پھر انسان کی نسبت تم ایسا کیون خیال کرتے ہو۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ فنا، بقا کا دیباچہ ہے، ہر یا وجود نئے عدم کا محتاج ہے۔ نئے عدم نہ ہوں تو نئی نئی بستیاں وجود میں نہ آئیں۔ ترقی در اصل فنا اور عدم ہی کا نام ہے، یعنی پھپٹی صورت فنا ہوتی ہے۔ اور ترقی کر کے نئی صورت پیدا ہوتی ہے

اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار کر جاتی ہو لئے اس سلسلہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے

تو ازان روزے کے درہست آمدی آتشی یا خاک یا بادی بدی
 تم جس دن پسید ا ہوئے اس سے پہلے خاک یا اور کوئی غصہ نہیں
 گربان حالت نہ ابودے بقا کے رسیدے مرزا ان ارتقا
 اگر تم اسی پہلی حالت پر رہتے تو یہ ترقی کہان سے نصیب ہوتی
 از مبدل ہستی اول نہ اند ہستی دیگر بہ جائے اونٹا نہ
 برلنے والے نے پہلی ہستی مٹا دی اور اسکی جگہ دسری قائم کر دی
 ہمچین تا صد ہزار ان ہستہ ہا بعد ایک دیگر دوم پڑا بستہ دا
 اسی طرح ہزاروں ہتھیاں ن ظہور یعنی ہمچین ہر ہمچلی پسلی سے بہتر نہیں
 این بقاہما از فنا ہای فستی از فنا پس روچرا بر تافتی
 تمنے یہ بقاہیں فتاوں سے پائیں سچہر فن سے کیون منح مورثے ہو،
 در فنا ہا این بعتا ہا دیدہ بر بقاے جسم چون چسپیدہ
 تمنے فتاوں میں یہ بعتا یعنی دیکھی ہیں۔ تو اب جسم کے بقا پر کیون پہنچے ہو
 تازہ می گیر دکن رامی سپار زانکہ امسالت فزوں آمدز پار
 نیا و اور پڑا نے چھوڑ دو کیونکہ ہر سنیا سال پُرانے سال ہر بڑا ہتا
 عام لوگوں کے نزدیک قیامت کی زندگی اخیر زندگی ہے۔ ایک حضرات

صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ترقی کی ایک منزل ہے،

از جمادی مردم و نامی شدم از نما مردم بچوں سر زدم

میں نے جا فکے مرتبہ کوچھو ٹرا اور نامی ہوا اس سے آگے بڑھ کر جاندار ہوا

مردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ تر سکم کے زمان کم شدم

جاندار کے مرتبہ سے گذر کر آدمی ہوا اس سے یہ بکو مریکا کیا غم ہر منے سریں لیا نقصا ہوتا ہے،

حالمہ دیگر بیرم از بشر تا بر آرم از ملائک بال و پر

دوسرے دھلین ہن بشریت گے بڑھون گلا اور فرشتہ بن جاؤ ن گا۔

(۱۲) چونکہ روح عالم قدس سے تعلق رکھتی ہے اس سے یہ جب جسم فنا ہو گا تو وہ

ذات بحث یہن جا کر مجاہے گی۔ اس سے ہوت اور فنا اور نیستی صوفیہ کا عین مقصود
اور انتہائی آرزو ہے۔

بار دیگر از ملائک پران شوم انجپا اندر وہم نا یاد آن شوم

پھر فرشتہ پن سے بھلی آگے بڑھون گا اور وہ ہو جاؤں گا جو دہم ہن بھی نیں اسکا۔

آب کوزہ چوان در آب جو شود محوجر د در وے و چون او شرو

جب کوزہ کا پانی نہیں میں چلا جاتا ہے تو وہی ہو جاتا ہے،

اختلاف حال | صوفیہ کے کلام میں اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی کہتی ہیں کہ کوچھ معلوم
نہیں۔ نکسی کو کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔

مردم و راستلا و درین پڑہ را نیست یا نہست و پردہ وارثانم نی وہ

کبھی کہتے ہیں کہ سب کچھ معلوم ہر روز در مجلسِ روزان خبرے نیت کرنیت۔
 لیکن حقیقت میں تناقض نہیں۔ جملہ عام انسانوں کی ختمت حالتیں ہوتی ہیں
 کبھی ایک چیز کو پسند کرتا ہے۔ کبھی اس سے گھبرا جاتا ہے۔ کبھی دوستوں کی صحبت کا شائق
 ہوتا ہے۔ کبھی چاہتا ہے کہ کوئی پاس تک نہ آنے پائے، اس طرح عالم حال میں مختلف
 ایفیتین نظر آتی ہیں۔ ہر حال میں جو کچھ میش آتا ہے صوفی کی زبان کردا ہوتا ہے۔ یہ کلام
 ببطالہ تناقض معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں واقعی تناقض نہیں۔ کیونکہ دونوں بائیں
 یک حالت کی نہیں ہیں۔ چونکہ انسان بالطبع جدت پسند ہے۔ ایسے عارف کبھی کبھی خاص
 حالت میں رہنے پر قانون نہیں ہوتا، تصور میں بسط کا مقام نہایت پر لطف ہے اسیں
 عارف پر مسرت اور خوشی کا فرش چھا جاتا ہے۔ تاہم اس حالت سے بھی جی گھبرا جاتا ہے،
 مولانا روم فرماتے ہیں۔

یک جہان تنگل مازفرخی نشاط یک نفس عاشق انیم کرد تنگشیم
 یعنی تمام لوگ تنگل ہیں اور ہر پر اسقدر مسرت کا انباء ہے کہ چاہتے ہیں کہ ذرا دم بھر کے
 لیے تنگ دل ہو جائیں۔
 عارف جس حالت میں ہوتا ہے اس سے اور ترقی کرنے کی کوشش کرتا ہے
 اور موجودہ حالت کو قید خانہ اور جس سکھتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

لے برگ قوت یافتی تائلخ رابشگانی چون رتی ز زندان گلو تامنی ین سبی کنم
 پتہ کا باوہ درحقیقت شاخ میں مخفی ہوتا ہے۔ جب موسم آتا ہو تو پھرٹ کر نکل آتا ہے شاعر پتہ سے

محاطب ہو کر کہتا ہو کہ اے پتے! تو نے قوت حاصل کی در شاخ کو توڑ کر نکالیا۔ تو نے اس قید خاوز سے کیونکر رہائی پائی ملکوبی وہ طریقہ بناف کریں جیسی اس قید خاوز نکل آؤ۔

ذکر تسبیح ارباب ظاہر اور زمین خدا کے نام کو بار بار زبان سرا دا کر نیکو ذکر اور تسبیح بخجھتے ہیں۔ اسی بنابر صدد و اند اور ہزار دا تسبیح کا درد ارج ہے۔ جو قدر زیادہ تر دا ڈھنگی اسی قدر زیادہ ثواب ہو گا۔ لیکن ارباب حال اسکو ذکر نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اگر ہزار دون لاکھوں دفعہ اللہ الدلیل زبان سے کہا جائے تو کچھ حاصل نہیں جلطھ جلوا کا لفظ بار بار کئے سے زبان شیرین نہیں ہو سکتی ذکر اس کا نام ہو کر خدا کی ذات و صفات کا تصور دپر مستولی ہو جائے۔ اس حالت ہیں جو کچھ زبان سے نکھلے گا سب ذکر ہے۔

ہر چیز کے گوید آدمی تسبیح است گریشنا سد بوا جبی سمجھان را یعنی اگر آدمی خدا کو بیچان لے اور معروفت اکھی کا درجہ حاصل ہو جائے تو کچھ زبان سے کے گا سب تسبیح ہے۔

تصوف و فلسفہ تصوف ہیں بہت سی ایسی باتیں ہیں جہاں تصرف و فلسفہ و زہر کے ڈاہنے زہر کا فسرق بنطاہر مل جاتے ہیں اور ایک ظاہر ہیں کو دھوکا ہو جاتا ہے لیکن یہ سنت غلطی ہے۔ فلسفہ اور تصوف میں علم و عمل کا فرق ہے۔ فلسفی جانتا ہے۔ صوفی دیکھتا ہے اور سطود لاکل سے ثابت کرتا ہے کہچھ اچھی چیز ہے۔ گو خود بھوٹ بول جاتا ہے۔ لیکن صوفی کی زبان سے بلا قصد بھی تجھ ہی نکلتا ہے۔ فلسفی دلیل سے ثابت کرتا ہے کہ شکر میں محسوس ہے۔ لیکن صوفی چکھ کرتا تا ہے کہ شیرین ہے۔

زہار و تصوف زیادہ ہرگز نظر آتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہزار دن کو س کافر ق بے
بے شہرہ ایک زاہد عبادت گزار، اسی طرح زہاد عبادت کرتا ہے جب طرح ایک صوفی کرتا ہے
ڈاہمی دنیا سے بے تعلق ہوتا ہے۔ رات رات بھر جاتا ہے گناہوں سے پچھا ہے خدا کے
خون سے کانپتا رہتا ہے۔ لیکن اس میں او صوفی میں تو کراہ رعائش کا فرق ہے۔ تو کہ
آقا کا کام کرتا ہے، اس سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لیے غنیم انجاماتا ہے جان بازیاں کرتا ہے
آقا کو چھوڑ کر اور ورنے کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ لیکن یہ بسا ایسے کرتا ہے کہ آقا خوش ہمارا کام اٹھا
بڑھ جائے۔ اس کو انعام فی۔ زاہد دن اور عبادت گزار دن کا بھی یہی حال ہے وہ
عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت میں بہشت ملے گی، حور و غلام ہاتھ دئیں گے
او دھا در شہد کی نہ رین نصیب ہوں گی۔ در نہ کہیں خدا ناراض ہو گیا تو دونخ میں جلن ہوگا
خون اور پیپ کھانے کو ملے گی۔ سانپ پھپو کا میں گے۔

این خلقِ عقل را پر خود نما خلف است	بے خوف نہ جبار دنار و جنت ملست
چون خر کہ بر اہ راست آرند اورا	خوف چوب است یار جائے علف است

یعنی عام لوگ جنت دو وزخ کی امید و یہم کے بغیر اخلاق حسنہ ختیار نہیں کر سکتے، جب طرح
گدھ کو جو چیز راستہ پر چلا تی ہے یا ڈنڈے کاڈ رہے یا گھاس کا لالج۔

لیکن صوفی کے زہاد عبادت کو ان چیزوں سے تعلق نہیں اُسکو زاد انعام کی خواہش
ہے۔ زرع قاب کا خوف نہیکنامی کی ہوں نہ بد نامی کی پروابی بے شہرہ دہ بھی سختیاں جھیلتا
ہے۔ صوفیین انجاماتا ہے۔ رات رات بھر نہیں سوتا۔ لیکن یہ بسا ایسے ہی کہ عشق و محبت

کا تقاضا ہے۔ ان باتوں سے خود اس کو خوشی ہوتی ہے۔ مزہ ملتا ہو لفظ اٹھاتا ہے۔ اس لیے آپ یہ افعال اُس سے سرزد ہوتے ہیں۔ روزے رکھتا ہے۔ یعنی لکھنے پڑنے کی پروانیں۔ حرام باندھتا ہے۔ یعنی لباس سے غصن نہیں۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ یعنی مالی و دلستہ اُسکی نظر دن میں بیچ ہو۔ نمازین پڑھتا ہے۔ یعنی خیال یا ریم سترخ ہو۔

بہر زد ان کی زیدنے بہر گنج بہر زد ان می صمد نہ خوف سخ

نرک کفرش ہم برے حق بود نرک یعنی آن کہ در آتش شود

روز اور رہ جانیات تھوف کی زبان اس سے زیادہ کسی چیز سے آشنا نہیں۔ روح کی نسبت ہیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ ایک فرقی باکل منکر ہے جو معترض ہیں اُنکو اُسکی اہمیت اور حقیقت میں اختلاف ہے جبکی تفصیل حب ذیل ہے۔

متکلمون۔ روح ترکیب عصری سے پیدا ہوتی ہے اور مرنے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔ قیامت میں حب دوبارہ جسم پیدا ہو گا تو روح جیسی ساتھ پیدا ہو گی۔

علماء اسلام۔ جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بھر فنا نہیں ہوتی۔

شر قرئین وغیرہ۔ قدیم ہے اور ہیشہ رہے گی۔

حضرات صوفیہ کے نو دیکھ روح ازی اور ابدی چیز ہی۔ لیکن وہ ایک روح ہو اور عربیت ہے۔ افراد انسانی میں اس کا تعدد اس طرح ہے جس طرح افتاب کا نور ہو جو تمام عالم میں چھایا ہوئا ہے۔ لیکن جس چیزوں کا منعکس ہوتا ہے۔ نکے، اختلاف حالت اُسکی کیفیت اور سورت بدلت جاتی ہے۔

روح کا ثبوت اور اسکی حقیقت حضرات صوفیہ کے شف اور مشاہدہ سے بیان کرنے ہیں
اس میں سے جقدر انفاظ کا پیرایہ قبول کر سکتا ہے ہم اس کو ذیل میں بدفوات لکھتے ہیں۔

(۱) یہ صفات نظر آتی ہے کہ عالم میں جو چیزیں ہیں ان میں ماڈہ کے ساتھ ایک ور
چیز پائی جاتی ہے اور وہی اسکی جان ہوتی ہے۔ مثلاً چوں میں خوبیوں جم میں حرکت تاریخیں
نور ہوا میں تلوخ، پانی میں روانی، وغیرہ وغیرہ۔ روح کی ابتدائی تصویر کے ذہن نشین کرنے
کے لئے یہ بھنا چاہیے کہ یہ ب طیف چیزیں، ان اشیا کی روح ہیں۔ جاندار چیزیں جس چیز
کو لوگ جان یا روح کہتے ہیں وہ بھی اس تعبیر کے لحاظ سے روح ہے لیکن یہ حیوانی
روح ہے) لیکن جس طرح جم میں یہ روح ہے اور اس روح کی بدولت جم میں حرکت ہعقل
اور ادراک پایا جاتا ہے اسی طرح خود یہ روح اصلی روح نہیں۔ اصلی روح ایک درجہ بہ طیف
ہے جو اس حیوانی روح سے ایک خاص قسم کا تعلق رکھتی ہے مولانا روم حیوانی روح
اور اصلی روح کا فرق اس طرح بیان کرتے ہیں۔

غیر فرمود جان کر درگاؤ ذخرست	آدمی ر عقل و جان د گیر است
آن چنان کر پر ٹو جان برتن است	پر تو جانانہ، بر جان سن است
یعنی حیوانات میں جو ادراک اور روح ہے اسکے علاوہ انسان میں ایک د روح ہی، اور	
حیوانی روح کو جو تعلق انسان کے جسم سے ہے۔ اسی قسم کا تعلق، اصلی روح کو اس حیوانی روح	

سے ہے ہے،

حد خست کافی لعف خود بیش نیت	جان تو تا اسان جلان کنیت
-----------------------------	--------------------------

بازنا مر روح حیوانی است این بیشتر و روح انسانی است این
 ان شعروں میں پہلے جسم اور روح کا فرق بتایا ہے کہ جسم کی مقدار ایک دہات ہے
 لیکن روح کی مقدار آسمان تک ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ روح جو آسمان تک پہنچتی ہے
 یہ بھی حیوانی روح ہے۔ انسانی روح اس سے بھی بالاتر ہے،
 ۲۲) روح ایک جو ہر واحد بیطہ ہے۔ افراد انسانی میں اس کا تعداد اس طرح ہے جس طرح
 آنفتاب کی روشنی ایک بسیطہ چیز ہے جو تمام عالم میں چھانی ہوئی ہے۔ لیکن ہم یہ میں
 پانی میں۔ دریچہ میں۔ روزن میں الگ الگ نظر آتی ہے اور ایک کے سامنے جگے، اسکے
 ہزاروں وجود نظر آتے ہیں۔

پھر آن یاک نور خور شید سما صد بودن بست پر صحن خانہ ہا
 جس طرح آنفتاب کا ایک نور کہ صحن کے تعدد کی وجہ سے سیکڑوں نور بن جاتا ہے
 یعنی آنفتاب کی روشنی مختلف اکائیوں میں دیکھی جائے تو متعدد معلوم ہوگی۔ لیکن اگر مکانات
 ڈھا دیے جائیں تو ایک نور نظر آئے گا۔ اسی طرح روح ایک مفرد بیطہ ہے لیکن
 مختلف اجسام میں اک مرتضد و مختلف معلوم ہوتی ہے۔

رس روح کا حصل مرکز عالم قدس ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو روح عالم قدس میں
 جا کر مل جاتی ہے۔ خواجہ فرید الدین عطار نے اس مسئلہ کو سب سے زیادہ عمدگی کر کر اکیا ہے
 از موت و حیات چند پر سی؟ اذن خور شید بر وزنے در اقادر برفت
 موت اور زندگی کی نسبت کیا سوال کرتے ہوں دھوپ ایک دریچہ میں آئی اور محلگئی،

انسان عالم اکبر ہو روح کی جو حقیقت بیان ہوئی اس کے لحاظ سے حضرات صوفیہ انسان
کو عالم اکبر کہتے ہیں۔ تمام عالم موجودات کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے۔ یہ ہے جمادی نبات،
حیوان، انسان، اہل مذہب اور بعض حکما ایک درجہ اور قرار دیتے ہیں یعنی مجرداً است،
(فرشته)، انہیں موجودات کے مجموعہ کا نام عالم ہے۔ حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان
جماد بھی ہے نبات بھی، حیوان بھی، انسان بھی، فرشته بھی، اور چونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں
جو ان تمام درجات کا مجموعہ ہواں یہی انسان سب سے بڑا عالم ہے۔ اسی بناء پر صوف کا ایک
اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو بیرونی علوم و فنون کے سلیکنے اور عالم کے مثابر اور
تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ انسان خود ہی تمام عالم اور صانع عالم کا مظہر ہے وہ اپنے
کو جان لے تو اسے سب کچھ جان لیا۔

رازِ دو جان و مردہ و زندہ آن اذ خود بخش نو کہ تر جانی ہمہ را

دو جان اور انکی فنا و بقا کا راز اپنے آپ سے سنو کہ تم رب کے تر جان ہو

ما پر تو نور بادشاہ از لیم فرزند ندایم آدم و خوارا

ہم نور ازل کے پر تو ہیں۔ ہم آدم و خواکے فرزند نہیں ہیں،

حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان سر بر ہلکر کوئی چیز نہیں، انسان حمل کا ناتا،
وہ خدا کا مظہر ہے۔ وہ شان ائمی کا طلس ہے۔ وہ ایک لحظہ میں عرش تک پہنچ کر پھر آسکتا ہو
آنفاب ماہتاب بہشت دوزخ زمین آسمان سب اسکے بازیچہ گاہ ہیں۔

این نہ خلوت کر نہ فلک می نامند گرست شوی کی بہلائے تنویت

تاترا پر دہ تو مساختہ اندر عالم از کردہ تو مساختہ انہ
 تم کو تھارا پر دہ بنایا ہے دنیب تھاۓ ہی کردار سے بنی ہے
 ہر پر دہ آسمان گروان است در تو چیز مقابل آنست
 جو کچھ آسمان یں ہے اس کی برابر کی ایک پر تمدن موجود ہے
 نعم عالم کبیر تو لی گرچہ در آب و مل صغر تو لی
 تم عالم اکبر کا مشتہ ہو گو آب و مل کے بخاف صغر ہو
 دھرت از مطلعت ہویدا شد در تو گم آشت و از تو پیدا شد
 دھرت تھاری ہی ذات سے ظاہر ہوئی، تم میں گم ہوئی اور تم ہی میں سے نہیں
 بہت سارے کہنے کے قابل نہیں | شریعت اور طریقت کے بہت سائل یہیں کہ انکی تشریع
 نہیں کیجا سکتی ورنہ عوام بلکہ خواص تک ان کے منکر ہو جائیں۔ مثلاً چہرہ قدر کا مسئلہ شریعت
 کا ایک ابھر مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں بہت فی آئین اس کے متعلق آئی ہیں۔ سیکن
 اس کے دونوں پلاو خطرناک ہیں۔ اگر رانا جائے کہ آدمی کو کچھ اختیار نہیں جو کچھ ہوتا ہے
 خدا کے حکم سے ہوتا ہے تو شریعت کا تمام مسلسلہ بیکار ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان
 کو کچھ اختیار نہیں تو اس کو کسی قسم کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس بنابر عذاب ثواب سب بیکار
 بخلاف اس کے اگر یہ مانا جائے کہ انسان مختار ہے جو چاہے کرے۔ تو فدا پر اعتراض
 لازم آتے ہے کہ اس نے انسان کو کیون ایسا اختیار دیا کہ وہ گناہوں اور برائیوں کا مکب
 ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آئین مذکور ہیں اور بظاہر ایں تناقض علوم

ہوتا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں کہ اگر انکی گرد کھوئی جائے تو دفعہ سیکڑا دن
مشکلات پیدا ہو جائیں گی جیسا کہ صوفیہ ان مسائل کو رانکتے ہیں۔ اور انکے متعلق کسی
قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتے۔

حقایق ہائے نیک بدر پیر خفتہ میں نہ کہ عالم راز نہ بہم چودتی بنی براد
یعنی خیر و شر کی حقیقت سوئے ہوئے شیر کے مشابہ ہو کہ اگر اس پر ہاتھ رکھ دو اور پیر جاگ
اسٹھ، تو ایک ٹپکل ٹپجاتے۔ غرفے کا میں ان اسرار سے باخبر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا
ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ خواجہ حافظہ کتے ہیں۔

مصلحت نیت کراز پر وہ بُرَانِ نند راز در نہ دُلْبُسِ رُنَدَانِ خبر نہیں کر نیت
لیکن علماء ظاہر سے سر ان مسائل کی حقیقت سے بینجھر ہوتے ہیں۔ اسی بنابر خواجہ
حافظہ ندا انداز میں فرماتے ہیں۔

بتر خدا کہ عارف سالاکت کس نہ گفت در حیر تکم کہ با وہ فروش از کجا شنید
یعنی خدا کا بعید جسکو زاہد اور سالاک نے نہیں بتایا مخلوق ہر کہ با وہ فروش نہ کہا آئے
کن لیا۔ با وہ فروش سے عارف مراد ہے

علم کائنات کے اسرار عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے فلسفی ہر ایک کا سبب اور مصلحت
معلوم نہیں ہو سکتے وغرض بتانے کا دعوے کرتا ہے لیکن رباب حال کے زدیک یا زلی

اسرار ہیں جو بالکل معلوم نہیں ہو سکتے تمام سوئی شعرانے اس مضمون کو دہرا کا غیر معلوم ہونا
نہایت بلند آہنگی اور مختلف طریقوں سے، ادا کیا ہے،

بروں ناہن خود میں کرنے پر من د تو
راز این پرہ نہان است و نہان خواہ بڑو

اسرارِ ازال ران تو دانی و نہ من
دین حرفِ سماز تون خوانی و نہ من
ہستا ز پس پڑہ گفتگوئی من تو
چون پردہ برندز تومانی و نہ من
لے معنی نزع توبابردہ دارِ حیث
لذور دن پردہ چہ داند فلک نخوش
رسوم و قیود و بت پرستی انسان کے درکات چونکہ تامترِ حواس سے ماخوذ ہیں اسلیے وہ کوئی
کامِ محسوسات کے سہائے کے بغیر نہیں کر سکتا۔ بلکہ کوئی خیالِ محسوسات سے الگ ہو کر
نہیں کر سکتا۔ تمام مذاہب نے خدا کو یہ چون و چکون مانا ہے۔ لیکن تمام مذاہب میں بت پرستی
یا بت پرستی کا شائہ موجود ہے مسلمانوں سے زیادہ کسی مذاہب نے تفسیر کی تعلیم نہیں کی، یعنی
کہ خدا کو زمان و مکان، فوق و تحت، سست و جست سبے منزہ سمجھا جائے لیکن عالم مسلمان
عرشِ در کری کی نسبت جو خیال رکھتے ہیں اور جس تخلی سے کعبہ کا طراف کرتے ہیں، وہ
بت پرستی کے اثر سے خالی نہیں۔ بیان تک کہ ان میں ایک خاص فرقہ پیدا ہو گیا۔
جو خدا کو جسم مانتا ہے۔ عجیب تر ہے جو عرش اور دبہ اور دید کے قائل ہیں صرف
یہ کہتے ہیں کہ خدا کا منہ اور رام تھا ایسے نہیں جیسے ہمارے ہیں۔

لیکن تصوف تامتر تفسیر ہے جو حضرات صوفیہ اگرچہ ہمہ اوصت کے قائل ہیں۔
لیکن وہ اُسی شاہِ حقیقی کے طالب ہیں جو تعلیم اور شخص کا اطلاق کی قید کر جی آزاد
ہے، صوفی کو حرم اور کعبہ سے انکار نہیں لیکن وہ جانتا ہو کہ یہ پس ماندگان رہ کی نزل ہوا

کعبہ اویران بکر ای عشق کا نجایف نس
یک عادہ مردم اور کعبہ کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے، سوچیں اس نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس
بنابر کہتا ہے،

جادہ بہر کن مفروٹ ای ملک نلکن کر تو غاذی میں، دم خانہ خدل بینم

اسے حاجتی تو گھر کو دیکھتا ہے اور میں گھر دا رے کو دیکھتا ہوں

ساکن کعبہ کیا دو لب دیدار کجا این قدر رہت کرد سایہ نیک از ہست

کعبہ میں بیٹھنے والے کو دو لب دیدار کیا تعلق ہے۔ تینی بات ایتھر ہے کہ ایک یاد رکسا یہ میں ہے

رضا بالقضاء یہ مقام، مقام عشق ہی کا ایک اثر ہے۔ عارف جب مشوق حقيقة کے نشے

محبت میں چور ہوتا ہے تو اس کو دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا احساس شیئن ہتا بلکہ

نامم حداوٹ اس کو شاہزادی ہی کی ادائیں اور کوشے معلوم ہوتے ہیں زہر بھی اسکو

تریاق کا مژہ دیتا ہے۔ حضرت بہلوں نے ایک درویش سے پوچھا تھا کہ تمہاری زندگی

یہی گذر تی ہے۔ درویش نے کہا تمام عالم میرے اشاروں پر چل رہا ہے۔ بہلوں نے

اس اجمال کی تفصیل پوچھی۔ درویش نے جواب دیا کہ

این قدر بشنو کہ جوں کلی کار می نگردد جز ہے امر کر دگار

یہ سن لو کہ جب تمام کام اسکے تکمیل سے ہوتے ہیں

جوں قضائے حق رہتا بندہ شد حکم اور ابندہ خواہند شد

تو خدا کی نیڑیاں بندہ کی خواہیں ایک ہی چیز ہر راستہ میں ہی چاہتا ہوں جو ہوا ہمرا وہ رہتا ہے

یعنی میں نے اپنی خواہش، رغبت، آرزو کو رضاۓ الہی میں فنا کر دیا ہے۔ اس لیے میں وہ سماں میں جو کچھ ہوتا ہے مجاہد نظر آتا ہے کہ میری ہی مرضی کے موافق ہو رہا ہے اسیلے میں وہ ہون کر

یہل و جو ما بر مراد اور وند اختران زان سان کا و خواہ پہ شوند

دریا اور سیلا بس میری ہی مرضی کے موافق چلتے ہیں۔ تاکہ میری کوئی مطالبہ گردش کرنے نہیں

بے رضاۓ او نیقت یعنی برگ بے قضاۓ او نیا یعنی مرگ

میری مرضی کے بغیر ایک پتہ دنیا سے نہیں گرتا۔ میری مرضی کوئی کوئی موت نہیں باقاعد ہوتی

بے مراد اور جنبہ یعنی برگ در جان زاوچ ثریا تا سک

میری مرضی کے بغیر میں سے آسمان تک ایک برگ بھی جنبش نہیں کر سکتی۔

خدائی کی حقیقت معادم فلسفی اور تکلم و نون خدا کے ذات و صفات جانتے کے معنی ہیں لیکن

نہیں ہو سکتی عارف کے نزد ایک خدا وہی ہر جسکو یہی میں جان سکتے۔ جو پیغمبر عقل

فہم خیال اور تصور است بالآخر ہو وہی خدا۔ میہ۔

ادحدی نے اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے:

چون عقل خیال وہم فانی نگشتند بنگ کر پہ باقی است ہملا و دل درست

یعنی بہب عقل خیال اور وہم فنا ہو جائیں تو جو جیز باقی رہ جائے وہی نہ ہے،

عالم غیب کے داقعات، عالم غیب کے داقعات جس بیڑا ہے میں بیان کر رکھے ہیں انکی نسبت

کے بیان کرنے کا طریقہ ارباب ظاہر کا خیال ہے گریب یعنی اسی طرح وہ موقع ہو گے۔ برشلا

قیامت میں خدا عرش پر بیٹھ کر آئے گا، فرشتے تخت کو تھانے ہوں گے۔ ترازو و قایم کی جائے گی تو گون کے نامہ اعمال تو لے جائیں گے، ان واقعات کو ارباب روایت اصلی واقعات سمجھتے ہیں، اشاعرہ کے نزدیک چونکہ اس سے خدا کا جسم ہونا لازم ہتا ہے اور جسم کے لیے فنا اور حدوث لازم ہے اس لیے وہ ان الفاظ کی تاویل کرتے ہیں اسی بنابر استواد عرش کے معنی وہ اقتدار اور قدرت کے لیتے ہیں، لیکن باقی واقعات کو اشاعرہ بھی حقیقی معنی میں لیتے ہیں اور کچھ تاویل نہیں کرتے۔

لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک عالم غیب کے جس قدر واقعات ہیں وہ ہمارے فہم اور خیال میں نہیں آسکتے، کیونکہ ہماری عقل محسوسات کے سوا کسی چیز کا تصور نہیں کر سکتی، اور عالم غیب جس سے بالا تر ہے۔ اس بنابر ان واقعات کو محسوسات کے پیرا یہ میں ادا کیا ہے۔ مولانا روم نے اسکی تشبیہ دی ہے کہ بچوں کو جب پڑھاتے ہیں تو انہی کی زبان میں پڑھاتے ہیں۔

چونکہ با اطفال کا رت او قناد ہم زبان کو دکان باید کشاو

جب تم کو بچوں سے کام پڑا، تو بچوں ہی کی زبان بولنی چاہیے،

کم بگرد، فضل استاد از علو گر الف چیز ندارد، گویدا و

یعنی اگر کوئی فاضل بچہ کو پڑھاتے وقت یہ کہے کہ الف غالی تو اس کو اسکے فضل و کمال میں کچھ نقص نہیں آتا۔

صحابی کہتے ہیں،

گر زان کر پدر زبان کو دک گوید عاقل داند که آن پدر کو دنیت
یعنی اگر کوئی شخص بچ کی زبان بولے تو عاقل بگ ینین بھین گئے کہ وہ خود بھی بچ ہے۔

بلیس و شیطان حضرات صوفیہ کے نزدیک عالم اکبر خداونسان ہے اور فرشتہ و شیطان خود اس کی قوت خیر و شر کا نام ہے۔ ع. در تو یک یک آرزد بلیس تست،

مولانا عبد العلی بجز اعلوم نے شرح ثنوی میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے اور ہم اس کو سوانح مولانا روم میں نقل کرچکے ہیں۔ صوفی شعر ان مختلف طیف طریقوں سے اس خیال کو ادا کیا ہے۔ فواجہ عطار نے ایک فرضی حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے ایک درویش سے جاگر شکایت کی کہ بلیس سے میں بہت تنگ آگیا ہوں، کیا کروں؟ انہوں نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ بلیس میری پاس آیا تھا اور شکایت کی کہ میں فلان شخص راں شکایت کرنے والے سے) سے نہایت عاجز آگیا ہوں وہ میرے مقبوضات پر قبضہ کیے لیتا ہے اور جگلو بے دخل کرتا ہے۔

عاقل شد پیش آن صاحب جلم	کرد از بلیس بسیارے گلہ
مرد گفتش کاے جوان مرد عزیز	آمدہ بُد پیش ازین بلیس نیز
خسته دل بود از تو و آزر ده بود	خاک از ظلم تو بر سر کر ده بود
تو بگوا درا که عزم راه کن	دست از اقطاع من کوتاہ کن

و حدت فی الکثرۃ حضرات صوفیہ چونکہ زیادہ تر ماقیہ اور مجاہدہ کرتے ہیں اس لیے الکثر عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں کہ خیال کی کیسوئی میں کوئی فرق نہ آئے

لیکن جب عارف زیادہ ترقی کر جاتا ہے تو کوئی چیز اس کے اطمینان اور یک جتنی میں خالل انداز نہیں ہو سکتی، زن و فرزند، اہل و عیال سب ہوتے ہیں، مگر وہ کسی سر دا بستہ نہیں ہوتا۔ لوگ اس کے سامنے ہر قسم کی بائیں اور تذکرے کرتے رہتے ہیں وہ خبر تک نہیں ہوتا۔ اس کو وحدت فی الکثرۃ کہتے ہیں۔ ایک صوفی اس مقام کی یون تشریق کرتا ہے۔

گر خلق ایند، غرض لئے لازم نیست
اذ کور چاھتیاں پہنан شدنا ہت
یعنی چونکہ عام لوگ واقعہ راز نہیں اس لیے ان کا وجود و عدم برابر ہے، انکے شریک صحبت ہونے سے عارف پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس طرح اندھے کے سامنے کوئی پر وہ نہیں کرتا۔



احسن لفافی شاعری

اخلاقی شاعری پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

۱۔ ابتداء اور نشود نہ،

۲۔ وسعت،

۳۔ معیار کمال

اخلاق کے جتنے جتنے عزان پندوں و مختلطات کے طریقہ پر ابتداء ہی کر شعر کے کلام میں آ جائتے۔ لیکن متقل نثر بچر کی بنیاد بدایتی بخوبی نے ڈالی۔ بدایتی کا نام محمد بن محمود بخاری ہے، وہ سلطان محمود کے زمانہ میں تھا، نویشیدان نے سائل اخلاق کے متعلق اپنے خیالات قلبینہ کر رہے تھے، جو پذند نامہ کے نام سے موسم ہیں۔ اور فارسی علم ادب کی بہترین یا دگار خیال کیے جاتے ہیں، بدایتی نے اس کو نظم کا جام سہ پہنچایا۔ یہ کتاب آج نایاب ہے۔ لیکن مجمع فصحاء کے مصنفوں نے یہم پہنچائی، اور چند اشعار اختیاً با اپنی کتاب میں درج کیے اس کے بعد اخلاقی شاعری روز بروز ترقی کرتی گئی جسکے مختلف اسباب تھے، ا تصوف کو اخلاق سے نہایت قریب کا تعلق ہے۔ اسیلے صوفیا نہ شاعری کا بڑا حصہ اخلاقی شاعری کے حصہ میں آیا۔

۲۔ اکابر شعراء مثلاً سانی، نظامی، سعدی، عرض شاعر نہ تھے، بلکہ صوفی اور عارف بھی تھے، اس لیے ان کی شاعری کا اخلاق سے خالی ہونا ممکن نہ تھا۔
 ان اسبابے اخلاقی شاعری کا جو بے پایان ذخیرہ پیدا کر دیا، اسکا اندازہ اس کو
 کہنا چاہیے کہ نظامی نے فخرانِ اسرارِ تصورت اور اخلاق میں لکھی تھی، اس کے تبع میں
 بے شمار شنویان لکھنگی کیں جن میں زیادہ ترا خلاقی ہی مسائل ہیں۔ ان میں سے بعض
 کی تفصیل حب ذیل ہے:

نامِ شنوی	نامِ صفت	نامِ شنوی	نامِ صفت
مطلع الانوار	حضرت امیر خسرو دہلوی	مرۃ الصفات	غزالی مشهدی
روضۃ الانوار	خواجوی کرمانی	نقش بردج	ایضاً
منوس الابرار	فقیہہ کرمانی	قدرت آثار	ایضاً
لکشن ابرار	محمد کاتبی	منظور انظار	رہائی مردی
تحفۃ الاحرار	جامی	شنوی	نویدی شیرازی
منظرا الابصار	قاضی سنجانی	مشاید	داعی شیرازی
فتح الحرمین	محی	شنوی	قاسم کاہی
منظراً ثار	امیر بخشی کرمانی	مرود و نما	سالم محمد بیگ
گوہر شہوار	عبدی جاذبی	منظرا اسرار	حکیم ابو الفتح دوائی
مشهد انوار	غزالی مشهدی	خلد برین	وحشی کرمانی۔

مجمع الابکار	عرنی شیرازی	مشنوی	حکیم حاذق گیلانی
زبدة الافکار	نیکی اصفهانی	نازو نیاز	نجاتی گیلانی
مرکز ادوار	فیضی	مشنوی	ابراهیم اوهم صفوی
مشنوی	زاده	مشنوی	محمد تقی
مشنوی	میر محمد معصوم خان نامی	مشنوی	ندانی بیگ
مشنوی	مولانا علی احمد شانی	مشنوی	مولانا غیاث سبزواری
تحفه میسونه	منظرا الانوار	مشنوی	مخدمن دصلوی
مشنوی	شناوی تکلو	مشنوی صفا	محمد باقر نایینی
منف الانمار	ملستی	مشنوی	صلاحی
ویده بیدار	حیل شفائی اصفهانی	الیضا	لامح تربیت
زبدة الاشعار	قاوی گونابادی	"	مزاعدا، الدین محمد
دولت بیدار	لاشیدا	"	طاہر و حیدر
مشنوی	شج بها، الدین عاملی	"	والی قمی
حسن گلسوز	زلالی خوانساری	"	دروش حسین والبرهونی
مشنوی	باقرزده فروش کاشانی	"	سخرا کاشی
سرشنوی	حاجی محمد جان قدسی	"	قصیحه هودی
مشنوی	علی قتلی سیم	مطلع الانوار	باقداماد

مشنونی	جلال ایسر	شنوی	اشرف ماڈندرانی
"	"	میر تھیے کامنی	صادق آفرشی
مطلع افمار	علی حزین	"	"

شعر ایران لے فلسفہ اخلاق پر عنوانیہ اعترض کیا جاتا ہے کہ اس سے بجا ترقی کرنے کے پتی اور بے قاعدگی کی طرف میلان ہوتا ہے، جو مسائل بار بار مختلف پسراں میں ادیکے جاتے ہیں۔ یعنی ترک دنیا، قناعت، توکل، تواضع، خاکا۔ یہ، عفو، حلم، جود و سخا، ان میں کچھ باتیں پست ہتی پیدا کرنے والی میں۔ کچھ اعتدال سے متجاوز ہیں۔ کچھ اصولِ تدن کے خلاف ہیں، اور شاید اسی تعلیم کا، غرہے کہ ان ملکوں میں قوم کو آزادی اور تحریت کا کبھی خیال نہیں پیدا ہوا،

بہم کو اس سے انداز نہیں کر اس زمانہ میں اخلاقی تعلیم کا معیار اس قدر بلند نہ تھا اور شخصی حکومت میں اس سے زیادہ بلند ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن یہاں ایک غلط فہمی بھی ہے۔ اخلاقی مسائل کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کی نسبت وہ گون کو یہ معلوم نہیں کہ اُن میں سے کیا چیز کس موقع کی ہے۔ حلم و تواضع کی تعلیم بے شبهہ عام آدمیوں میں مُردانی اور افسوسگی پیدا کرتی ہے۔ لیکن غور کرو ایسا لی ملکوں میں خود سر ملاطین اور امراء، جبروت و اقتدار، غرور و تکبر، نخوت و جاه کے پیکر مجسم ہوتے تھے، اور اس وجہ سے کیا کوئی سے کچھ کئنے سننے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، ان کے لیے تواضع، حلم، انکسار سے بڑھ کر کیا تعلیم ہو سکتی ہے، ہمکے اخلاقی و اعاظ

اس نکتے سے بخوبی واقعہ ہیں کہ ان اخلاقی اوصاف کے خاتمہ مراد ہیں غربانیں
 تواضع زردن فرازان نوامت گداگر تواضع کند خوے اوت
 جبار سلاطین جنکی حرکات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکی زندگی اور حکومت دونوں
 ابدی ہیں انکو اس سے بڑھکا اور کی نصیحت کی جاسکتی ہے،
 مکن تکیہ برس مرنا پامدار مباش امین از بازیِ روزگار
 شنیدم کہ جب شد فرخ مرشد بر سر چشمہ بر بسنگ نوشت
 برین چشمہ چون مابے دم زدن بر قند چون چشم پر ہسم زدن
 جن ملکوں ہیں تحصیل معاش، جاہ و عزت، دولت و اقتدار حاصل کرنے کے لیے
 خوشامد دربار داری اجڑ توڑ، سازش کے لنپیر چارہ نہو، دہان قناعت، گوشہ نشینی
 کم طلبی کی تعلیم سے بڑھکر کیا تعلیم ہو سکتی ہے؟ جو حالات اس زمانہ میں موجود تھے آج
 پیش آئیں تو یورپ کے حمل بھی وہی ہاتھیں کر یہ گئے جو آج سے کئی سورس پسلے قدما
 نے کی تھیں۔ اس نکتے کے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم اخلاقی تعلیم پر اجمالی روایوں
 کرتے ہیں،

آزادی کی تعلیم | ہر قسم کی عمدہ تعلیم، تربیت، عمدہ اخلاقی، اس پر موقوف ہیں کہ انسان
 محسوس کرے کہ وہ اپنے افعال و اقوال میں آزادا و رخود مختار ہے۔ لیکن شخصی حکمتون
 میں ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ جو کچھ ہے با دشائے ہے۔ وہ کوئی چیز نہیں، اس یہ انسان
 کے تمام پکے جذبات فر کر رہ جاتے ہیں۔ قمیح بونا جاہتے ہو، لیکن نہیں بول سکتے

کیونکہ نکن بے کر حکمران وقت نا راض ہو جائے۔ تم ایک گروہ کو مواعظِ حسنے سے مسخر کر سکتے ہو۔ لیکن نین کر سکتے۔ کیونکہ ذرہ ہے کہ تم پرسازش اور ارادہ بنادت کی بدگمانی ہو، اس لیے ربے مقدم یہ ہے کہ حکومت کی جبارتی کا اثر کم کیا جائے۔ اس مر میں ایران صرف شعرا کا ممنون ہے ایران بلکہ ملک ایشانیٰ چالاک میں ہر طرف درد دیوار سے حکومت پرستی کی صدائیں آتی ہیں۔ ”بادشاہ خدا کا سایہ ہے“ من اکھہ اکھہ اللہ و من اهانہ اهانہ اللہ، ان فقروں نے مذہبی حیثیت داصل کر لی تھی، اور ہر جمع کو خطبوں کے ذریعہ سے یہ صد اسماںی صدابنگر ہزاروں لاکھوں کا نون میں پڑتی تھی، اس آواز کے مقابلہ میں کوئی مخالف صدابنگر کرنا آسان نہ تھا، لیکن شیخ سعدی نے خود اپنے بادشاہ وقت کو مخاطب کر کے کہا۔

خزانِ پُر از بھر شکر بود نہ از اب سر آئیں وزیر بود

خزانِ شکر کے یہیں شان و خوکت اور آرائیش کے یہیں
چودشمن خر روتاۓ برد ملک باج و دیک چرامی خورد
جب پور دہقان کا جانور چرائے جاتا ہے تو بادشاہ خراج کیون یتا ہے

آرام طلب او عیش پند بادشاہن کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

تو کے بخشی نام دادخواہ ہ کیوان برت، گلخوا بگاہ
تم مظلومونکی فریاد کیا سنو گے، تھاری خوا بگاہ کی چھت تو آسمان سے ٹکراتی ہے
یکتے کتے شیخ عام اڑتے جھجک جاتا ہے۔ لیکن پھر ب غرضی اور آزادی کے زور

یہ آکر کھتا ہے۔

دیرآمدی سعدیا در سخن چوتینے بدست است فتح بکن
 اے سعدی! تو بولنے میں دیر ہے جب تیرے پاس تفعیل زبان ہو تو ملک فتح کر
 بگو اپنے دانی کر حق گفتہ ہے نہ رشوت تانی و نہ عشوہ دو
 جو کچھ جانتا ہے کہ، تو نہ رشوت خوار ہے نہ سخن ساز،
 زبان بند و دفتر دلکست بثوی طبع بجل و ہر چہ خواہی بگوئی
 انکیاں نو، چنگیز خانی خاندان کی یادگار اور بادشاہ وقت تھام عشق اس سے خطاب
 کر کے کھتا ہے،

سعدیا چندان کر میدانی بگو حق نشاید گفتن ال آأش کار
 اے سعدی، جو کچھ جانتا ہے سب کہہتے تھج علانیہ ہی کہنے کی چیز ہے،
 ہر کراخوف و طمع در باریت از خططا باکش نباشد و ز تار
 جسکے دل میں خوف اور طمع نہیں ہو؛ اس کو خطا کا ڈر ہے نہ تار کا،
 ایک اور موقع پر انکیاں نو سے کہتے میں۔

چین پنداز پر زشنیدہ باشی ال آگر ہوشیاری ل بشنو از عم
 ای کی نصیحتیں تو نے اپنے باپے بھی نہیں سنی ہو گئی ہاں، اگر تمہکو عقل ہو تو چاہے سُن
 نہ ہر کس حق تو اند گفتگستانخ سخن ملک است سعدی را مسلم
 ہر شخص بے با کا ذیح نہیں بول سکتا۔ گویا ایک ایک ملک ہو جو سعدی کے یہ مسلم ہو چکا

جاپر بادشاہوں کے مقابلہ میں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جو طریقے اختیار کیے جاسکتے تھے یہ تھے۔

- ۱۔ ثابت کیا جائے کہ بادشاہت کا مقصود رعایا کاراحت و آرام ہے اور سلطنت کی آمدنی بادشاہ کی ملک نہیں بلکہ قوم کی ملک ہے،
- ۲۔ بادشاہوں کے مقابلہ میں حق گوئی اور آزادی کی موثر مثالیں پیش کی جائیں۔
- ۳۔ خود سلاطین کی زبان سے ان خیالات کا اعتراض کیا جائے۔
- ۴۔ نوکری اور ملازمت کی مجازی بیان کی جائے۔
- ۵۔ حکومت اور سلطنت کی بے ثباتی اور بے استقلالی، مختلف پیرا یوں ہیں ثابت کی جائے،

شعر نے یہ تمام باتیں نہایت موثر طریقہ سے ادا کیں۔ ہم چند مثالیں ذیل میں لکھتے ہیں۔

بادشاہ کی غرض رعایا کا	اس مضمون کو شعر نے کبھی خود اپنی طرف سے کبھی کسی اور کی،
کبھی سلاطین کی زبان سے ادا کیا ہے۔	آرام اور آسایش ہے۔

شنیدم کہ در وقت نزعِ روانہ بہر منزہین گفت نُخیر وان

میں نے سنائے کہ مرتے وقت نُخیر وان نے ہم زمہ کہا تھا

کہ خاطر نگہدار درویش باش ن در بند آسایش خوش باش

کہ فقراء کی خاطر داری کا خیال رکھو۔ اپنے آرام کی فکر میں شہو۔

شندیدم کہ فرمان دے ہے دادگر قباد شتے ہر دو رواست

میں نے شاہ کو ایک عادل بادشاہ ایسی قبادتی تھا کہ دونوں طرف اتر ہوتا تھا

لیکے گفتہ اس خروجیک روز قباد زدیباۓ چینی بدوز

کسی نے کہا کہ حضور چینی کو مخاب کی قباد بونا کیم

بگفت این قدر سرو اسایش است دزین گبذر کی زیست آرائش است

بولا کہ پر وہ پوشی اور آرام کے لیے اتنا ہی بس ہے باقی بناؤ سنگارا ہے۔

مرا جنم ز صد گونہ آزو ہوا است ولیکن نہ تھا خزانہ مردا است

نیرے دل میں بہت سی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن خزانہ صرف نیز ماں نہیں

بادشاہوں کے مواجه۔ اس مضمون کو شعر نے نہایت موثر اور بلیغ طریقوں کردا کیا ہے

ازدادی اور حق تکوئی میں سکندر اور دیوباجانس کلبی کے واقعہ کو میر حسینی نے زاد المسافرین

میں نہایت پڑا شرطیت سے لکھا ہے۔

ایں طرف حکایت است بمنگر روزے ز قضا مگر سکندر

می رفت و ہرہ سپاہ با او و ان حشمت دملک وجہ با او

ناگہ پر خرا ہے گذر کرد پیرانہ

پیرے ز خرا ہے سر بد رکرد در چشم سکندر آمد از دُور

پرسید کہ این چہ شاید آخر در گو شہ این مُغاک د گیئر

یہودہ نہ باشد این چین پیر غار

خود راند بدان بناک چون گور پیرا ز سر وقت خود نه شد دور

خود اس غار کی طرف بڑھا۔ لیکن ڈھنہا خبر بھی نہ ہوا،

نَا گاہ سکندر شش بعد خشم	چون باز نہ کرد سوے او چشم
غافل چن شستہ درین راه	گفت ام کشہ غول این گذر گاہ
آخر نہ سکندر راست نام	بھرچ نہ کرد می احتس ام
گفت این ہمہ نیم جو نیز و	پیرا ز سر وقت بانگ بزرد
یک داد رکشت آدمی تو	ز پشت و نر و عاملے تو
دو بندہ من کہ حرص دا زند	بر تو، ہمدرد روز سر فراز ند
با من چہ برابری کسی تو	چون بندہ بندہ منی تو

قصہ یہ ہے کہ سکندر رفوج خشم کے ساتھ جا رہا تھا، ایک یہاں میں ایک ڈھنے انتظار آیا۔ سکندر اس کے پاس گیا۔ لیکن وہ خبر نہوا، سکندر نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ تو جانتا نہیں تھن سکندر ہوں، میری تعظیم کیوں نہیں کی، ڈھنے کہا، میرے دو غلام ہیں لالج اور حرص ریتی ان دونوں کو میں نے مغلوب کر لیا ہو، یہ دونوں تجھ پر حکومت کر رہے ہیں جب تو میرے غلاموں کا غلام ہے، تو میری برابری کیا کر سکتا ہے، لیکن چونکہ یہ مدت دراز کا داقعہ تھا اس لیے نظامی اور سعدی نے اپنے زمانہ اس مثالیں پیش کیں۔

سنجھ سلوچیوں میں سبے ڈھنہا دشاہ گزر رہے، ایک بڑھیانے اس کے گھوٹے

کی باغ پکڑا جس طرح اس کو بھلا بُر اکھا تھا نظامی مخزن اسرار میں اسکو یون دا رتے ہیں

پیرز نے راتھے درگرفت دست زد و دامن سنجھ گرفت

ایک بڑھیا پر ظلم ہوا اس نے سنجھ کا دامن پکڑا اور کما

کاٹ لاک رزم تو کم دیدہ ام از تو ہمہ سالہ ستم دیدہ ام

اے باشاہ بیان نے تیرا انصاف کم دیکھا ہے۔ ہمیشہ ظلم ہی دیکھے ہیں

شُخْنَة مُسْتَآمدَه در کوی من ز دلکش چند فرار دی من

ایک مست پاہی میرے گھر میں آیا۔ اور میرے گال پر کئی تھپڑے مارے

بے گناہ خانہ بر و نم کشید موسے کشان بر سر غونم کشید

بے گناہ جگو گھر سے نکال لایا۔ میرے گال پکڑا کر گھٹیتا ہوا، قتلگاہ میں لا یا

گفت فلان نیم شب کو کوز پشت بر سر کوے تو فلان را کہ کشت

مجھ سے کہا کہ اُبڑھیا۔ تیری گلی میں فلان شخص کو کس نے اڑا لالا۔

گزندہی داد من امی شہریار با ترو و روز شمار این شمار

اے باشاہ اگر میرا انصاف نہ دیگا، تو قیامت کے دن اسکی پیش ہوگی

چون کہ تو بیداد گرے پروری تُرک دہندو بے غار تُنگری

جب تو فالمون کو پاتا ہے۔ تو تو ترک نہیں، بلکہ غارت گر چور ہے۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ نظامی نے یہ تنہی جس باشاہ کی خدمت میں پیش کی تھی وہ

سلجوقیوں ہی کے خاندان کا ایک فرمان رو اتحا۔

شیخ سعدی نے اس شخصیوں کو نہایت کرست تھے اور نہایت بچے اور پرانے طریقوں سے ادا کیا ہے۔ باو شاہ غور نے ایک مظلوم کو قتل کرنا چاہا ہے۔ وہ جان سے ہات و ھوکر لہتا ہے۔

زنہ نہ ربانی کہ در و در تست
بمہ عالم آوازہ جو بہ تست
نہ من کر دم ازوست جورت نفیر
کہ خلق، زلخے کی کشته گیر

یعنی میں ہی تجھ سزا لانا نہیں۔ بلکہ خلق کی خلق نالان ہے۔ ان میں سے ایک کو تو نہ مار دا لاتو کیا ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ دار اشکار کو نکلا، فوج تیجھے رہ گئی، ایک چرو اما دار اکی طرف بڑھا۔ دار نے سمجھا کہ کوئی شمن ہے اور حملہ کرنا چاہتا ہے تو تیر جلیہ میں چڑھو داہما پکارا کہ میں شمن نہیں، سر کاری گھوڑے جنگل میں چرتا ہوں۔ دار نے کہا خوش قسمتی سے تو بچکیا اور نہ میں تیر زہ کر کچا تھا، چرو اسے نے کہا، بس جان اللہ! میں لکھ کے ایک یک گھوڑا کیا پچانتا ہوں، آپ نے بھاوسینکڑوں بارو ڈیکھا ہے اور پچان نہیں سکتے۔

مرا بار بار در حصن ر دیدہ، زخیل و چراگاہ پر سیدہ
کنوست ہ مہر آمد م پیش باز نمی دانیم از بد ان دشیش باز
تو انم من اے نامور شہر یار کہ اسے بروں آور م از هزار
دران دار ملک از خلل غم بود کہ تد بیرشاہ از شبان کم بود

اس سلطنت میں خل ہو گا جہاں بادشہ ایک چردبے کے بھی برادر نہیں
شیخ نے آزادگوئی اور نکتہ چینی کی تعلیم، مسلمانوں اور امراء تک محدود نہیں رکھی بلکہ

خلافات، اشیں کے مقابہ میں عین اس کو جائز رکھا، ایک روایت لکھی ہو کر ایک فوج کے نے حضرت علیؓ سے کہلی مسئلہ پوچھا، آپؓ نے جواب دیا، حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ یہ مسئلہ یونہین ہے، آپؓ نے فرمایا، جھاٹھم بتاؤ، اس نے نہایت خوبی سے مسئلہ کو بیان کیا حضرت علیؓ نے فرمایا بے شہرین نے غلطی کی تھی۔ تم نے صحیح جواب دیا۔ اب اس آزادی کے زمانہ میں بھی کسی مذہبی مقدس شخص کی غلطی پر کون گرفتار سکتا۔ ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ کسی تنگ گلی میں حضرت عمرؓ کا پانوں کی فقیر کے پانوں پر پڑ گیا، اس نے جھلاؤ کر کہا "تو اندھا ہے دیکھ کر نہیں چلتا۔" حضرت عمرؓ فرمایا، میں اندھا نہیں ہوں لیکن خیال ذرا ہا، مجبو معاف کرو"۔

ند کورم دیکن خط ارفت کار ندا نستم از من خط ا در گذر
اس قسم کی بستی کھاتین لکھی ہیں جن سے دونوں یہ ذہن نہیں کرنا تھا کہ آزادی اور حق گوئی کے موقع پر خلیفہ، باادشاہ، حاکم سب برابر ہیں، یہ بھی تعلیم دی ہو کہ آزادی ہیں جن کا خطرہ بھی برداشت کرنا چاہیے،

بستان میں لکھا ہو کہ ایک شخص نے کسی باادشاہ کے سامنے کوئی بات کہی جو اس کو ناگوار گزرنی، اس نے ان کو قید کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ ایسے موقع پر حق گوئی مصلحت کے خلاف تھی، اسے کہا، تعالیٰ بونا خدا کا حکم ہے، قید خانہ سے نہیں ڈرتا۔ یہ دو دن کی تکلیف ہے" باادشاہ نے کہلا بھیجا کہ دو دن نہیں بلکہ تمام عمر قید خانہ میں رہنا ہو گا" اس شخص نے کہلا بھیجا،

کہ دنیا آمین ساختے ہیں نیست غم و خرمی بیش درویش نیست
دیا لگھڑی دو گھٹری ہو۔ فیر کے آگے غم اور خوشی، کوئی چیز نہیں

ب دروازہ مرگ چون در شویم ہیاک ہفتہ با ہضم برا پر شویم
جب موت کے دروازہ پر جائیں گے، تو یاک ہفتہ میں ہم تم برا بہر ہو جائیں گے،

کلیم کرتا ہے

روشنہ لان خوشامدشاہان ز لفتم اندر آئینہ عیوب پوش سکند رنمی شود

جو روشنہ لان د کسیکل خوشامدناہین کرے، آئینہ سے کبھی سکندر کا عیوب ہنیں چھپایا

ملازمت او زکری کی بُرايی | اخلاق کے تباہ اور بر باد ہونے کا سبج ڈر سبب، نوکری او ملازمت
ہے۔ ایشیائی در باروں کی نوکری میں عزت نفس کی طرح قائم نہیں رہ سکتی، اس لیے شعر نے
نہایت کثرت سے اور مختلف شاعرانہ طریقوں سے نوکری کی برا بیان بیان کی ہیں ای خاص
مضمون کو این عین، عمر خیام اور شیخ سعدی نے نہایت آزادی اور دلیری سے ادا کیا ہے
اور چونکہ اس ہدایت پر خود ان کا عمل تھا، اس لیے ان کی زبان سے یہ مضمون زیادہ پڑا شر
ہو کر ادا ہوتا ہے اب نہیں کرتا ہے۔

اگر دو گاؤ بہ دست آوری و هزر عمد یکے امیر دیکے را وزیر نام کنی

اگر تم دوبیں اور کچھ کھیت ہیا کرو، اور ان بیسلوں کا نام امیر اور دیزیر کلو،
ہزار بارا زان بکرا زپے خدمت

کمر بندی و بر مرد کے سلام کنی

تو اس سے ہزار درجہ بترے ہے کہ کمر باندھ سکر کی مردک کو سلام کرو۔

دو قرص نان گراز گندم است یا از جو دوتا سے جامدہ اگر کمنه است یا خود نو

د د چاپ تیان، گیوں کی ہون، خواہ جو کی، د د جوڑے کپڑے، پرانے ہون، یا نئے

بچار گو شہ دیوار خود، بہ خاطر جمع کس نگو میا زین جان بخیزد، بخار و

اپنی چار دیواری کے اندر، اینیان کے ساتھ، کہ کوئی یہ۔ کہ کہیان کی اخواود روان جاؤ

نہار با فزوں تر پنزا ابن نین زفر ملکست کیقباد و د کے خسرد

ابن مین کے نزدیک، کیقباد، اور کیخروں کی سلطنت سے ہزار با۔ ڈھکر ہے

حیا م

یک نان پر درود زاگر شو دھال مرد دز کوزہ بشکتہ، دے آپ سرد

مامور دگر کے چسرا باید بود با خدمت چون خودی چڑا باید کرد

یعنی اگر دو دن میں ایک روٹی اور ایک ٹوٹی صراحی میں ٹھنڈا پانی مل جایا کرے تو کسی

غیر کے حکوم ہونے اور اپنے ہی جیسے شخص کی خدمت کرنے کے لیا معنی۔

جامی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بڑھا لکڑی کا گھٹائیے جاتا تھا اور خدا کا

شکر کرتا جاتا تھا کہ تو نے جگلو ٹری عزت سے رکھا، ایک شخص نے کہا، اوہ جز فایہ کو فسی

عزت کی صورت ہے، اُس نے کہا اس کو بڑھکر کیا عزت ہو گی کہ میں کسی کا نوکر چاکر نہیں

جنتی صفحہ اپنی تے اس مضمون کو سب سے زیادہ لطیف پیرا یہ میں ادا کیا ہو، ایک فرضی

حکایت لکھی ہے کہ ایک باز بادشاہ کے ہات سے چھوٹ کر اتفاقاً جنگل میں آیا، یہاں

ایک باز سے ملاقات ہوئی، راہ در کم بُرھی تو شاہی باز نے کہا۔ اس جنگل میں ہر قسم کی طلیف

کیون انھاتے ہو، آذشہر میں چلیں، شہزادوں کے ساتھ بس کریں زادوں کو کافروں شہین
جلائیں، دوں کو بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلیں، جنگلی باز نے جواب دیا۔

جو ایش داد آن بازنگوارے کا نادان دوں ہمت مرپے

اس باز نے جواب دیا، کہ او پست حوصلہ جتن

تمامی عمر اگر در کو ہسا را ان جغاۓ برف بینی بخوبی بارا ان

اگر ساری عمر پہاڑوں میں برف اور بارش کی تکلیف انھاتی جائے

کشی در ہر فرس صد گونہ خواری ز پنگال عفت بان شکاری

اور ہر دقت شکاری عقابوں سے سیکڑوں طرح کی تکلیف پہنچے،

بے بہتر کہ بر تختت زر اندو و دمے محکوم حکم دیگرے بود

تب بھی، اس سے کہیں بہتر ہے کہ تختت زرین پر ایک لمحظہ کے یہ بھی کہیں حکوم ہو کر ہنزا پڑے

یہاں یہ نکتہ خاص طرح پر یاد رکھنا چاہئے کہ ایرانی شاعری میں قناعت اور توکل

کی جو بے انتہا میں ہے، اس کے معنی لوگوں نے نہایت غلط خیال کیے ہیں کہ معاش

سے باز رہنا چاہئے۔ اور نذر دنیا ز پر سب کرنی چاہئے۔ قناعت سے ان لوگوں کی یہ غرض بخی

کر سلاطین، امراء، اور حکام کی ملازمت اور نوکری سے احتراز کرنا چاہئے اور بجارت ہمنعت

حرفت اور هر ز دوری سے معاش حاصل کرنی چاہئے، اور چونکہ اس زمانہ میں شاہی ملازمت

کے مقابلہ میں ہمنعت و حرفت وغیرہ، نہ عزت کی چیز خیال کی جاتی تھی نہ اس سرک دولت ا

و مال پیدا ہو سکتا تھا۔ اس یہ اسکے مقابلہ میں ان چیزوں پر اکتفا کرنا قناعت خیال

جاتا تھا۔ اسی بنا پر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بودست آپک تفتہ کر دن خمیسہ بادوست بر سینہ پیش امیسہ

خواجہ فرید الدین عطار فرماتے ہیں،

اصمی میرفت در را ہے سوار	دید گئی سے شدہ مشغول کار
نفس رامی گفت اے نفسِ نفسیں	کرد مت آزا دا ز کا خر سیں
ہم ترا دا میم گر انی دا شتم	ہم برائے نیک نامی دا شتم
اصمی گفتش کہ باے امین بگو	این خن باکے تو اے سکین گو
چون تو باشی درنجاست کار گر	خود چہ باشد در جهان زین خوار تر
گفت آن کو خلق را خدمت کند	کار میں صدرہ از دہتر بود

یعنی ایک دن اصمی گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، ایک حلال خور کو دیکھا کہ اپنا کام کرتا جاتا ہے اور آپ ہی آپ کہتا جاتا ہے کہ اے نفس! میں نے تیری عزت کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اصمی نے کہا نجاست اٹھانے سے زیادہ کیا ذلیل کام ہو سکتا ہے۔ حلال خور نے کہا میں نجاست اٹھاتا ہوں۔ لیکن کسی کی نظری تو نہیں کرتا۔

دولت اور امارت | اس مضمون کو شعرانے حصے زیادہ وست دی۔ خیام کی رباعیان
کی او تھیسہ | حافظ کی غزلیں۔ ابن سین کے قطعات، سعدی کی مشنیاں اسی
بے ثباتی اور تھیسہ

ضمون سے لبریز ہیں، دولت اور سلطنت کا سب سے بڑا منہض حضرت میلمان کی سلطنت
خیال کیجا تی تھی، جو اک اتحت ہل پرچڑ آتھا اور جن دپری اُن کے زیر فرمان تھے، ابن سین

ان کی سلطنت کی حقیقت یہ بیان کرتا ہے۔

سیمان مرسل علیہ السلام	زدیوانہ کر دروزے سوال
کہ چون دیری این حملکت کو پور	مرا نہ بایں ہے اختتام
چ خوش گفت دیوانہ اور اجواب	یعنی اختتام و مذہب
پور ملتے آئن سرد کرفت	کہ چون نیست این سلطنت متدام

حضرت سیمان کے والد زرہ بنایا کرتے تھے اور حضرت سیمان کا تخت ہوا پر چلتا تھا اس بنایا پر دیوانہ نے کہا کہ جب آپ کی سلطنت ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، تو یون سمجھئے کہ آپ کے والد محنڈا بوہا پیٹا کرتے تھے، اور آپ ہوانا پتے پھرتے ہیں۔ فارسی میں آئن سرد کو فتن اور باد پیوڑا، دونوں کے معنی بیکار کام کرنے کے ہیں،
شیخ سعدی فرماتے ہیں،

سر بر سیمان علیہ السلام	نہ بر بادرفت سحر گماہ دشام
خنک آن کہ با داشت دادرفت	نہ آخر شنیدی کہ بر بادرفت

حافظ

کہ این خن بیشل بابا سیمان گفت	گہ بباد مزن گرچہ بر هرا درود
خن خاشاک شر را رک گردن باشد	دیدہ تنگ کند خزہ دنیا می خیس

مُلْكُ كَاشِي

ہر زمان در دسھنا پاک و گر	طاس حمام است این دنیا می دون
---------------------------	------------------------------

دنیا حام کا وٹا ہے، ہر وقت ایک نکنپا کے ہاتھ میں رہتا ہے

بادل عارف، نشود جلوہ دہر
آئندہ عکس کو سنتگین نہ شود
خواجوئی این کو گویند کہ براب نہادست جان
مشنوای خواجه کہ چون دنگری بر بادا

لاحدہ این عمر کے بیتاب بہیں اور ا
نقش است کہ براب بہیں اور ا
دو خوابیں دزندگانی در دے
عزت فخر اور ترک احسان پذیری ایشیا میں چونکہ شخص پرستی حصے زیادہ بڑھتی تھی، اس لیے
لوگ ہم کمال کی خدمت گزاری اور نذر دنیا ز پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یعنی
یہاں ہمکہ بڑھی کہ ہر کس دنکس کو سکاچ کا پڑ گیا، اور فتح رفتہ مفت خودی کا عام درج
ہو گیا صوفیہ، اہل فن، شعر، مسلمان اور امراء کے عملیات اور انعامات پر سبکرتے تھے،
اور عیوب نہیں خال کیا جاتا تھا۔ اس بڑائی کے در کرنے کے لیے شیخ سعدی اور
ابن سینا دیگر نے حفظ آبرد، اور ترک احسان پذیری کے مضمون کو بار بار پر اثر
طریقوں سے ادا کیا ہے۔ سعدی کہتے ہیں،

از من نیا میاں کہ نہ ہقان دکھدا
 حاجت برم کے فعل گدایاں خرمن است
صدر گنج شاہگان بہاں جو ہز
منت برآن کری دھوئیں برمن است
یعنی اگر کوئی شخص جو بھرہ بزر کی قیمت بہت بڑا نہ دیدے تو اس کا احسان ہے۔ لیکن مجھر

افوس سے گریں قبول کروں۔

لا غرمی بہن گرفت آن کیلئی فربت	خواست تا عجم کند پر درد کا بیگانگان
شیرا گرم غلوچ باش بچنان از سگ بست	گرچہ در وشم سجد اللہ مخفی نیست
صاحب کمال را چغم از نقصان جا	چون ماہ پیکر کے درویخ دزد نیست
بھتر ز جامہ کے دردیچ مرد نیست	منے کریچ جامہ ندارد باتفاق
بعد ازین عشق بنازم نہ بہ نونہ بے عندر	انوری۔ منی این ہمدر کے باقیہ غنای جہان
وقت ناتران ہست ولہلہ الحمد	وقت وادن اگر نیست هر ایک نیست
ہر کہ قافع شد پر خشک تر شہر بھروسہ است	خرس۔ کوس شرخالی و بانگل غلغاش در دسر
یقین و ان کا نہ رین معنی شکن نیست	ابن لیکن۔ جہان از بہر کیت تن نیست تہنا
چو حرص اندر زمانہ مملک نیست	سلامت باقیاعت تو امان اندر
تر امر کہ زان ہاجز کیے نیست	اگر صد اسپ داری در طویلہ
تمام است این قدر و این اندر کر نیست	کلفی از قضات ارجی دہ دست

غصہ کے مقابلہ میں غصہ نکرنا چاہیے

جز پیر دی شکن سرکش نکند	دانہ ہرگز اداے ناخوش نکند
دفع آتش، کسے بآتش نکند	آتش چو بلند شد، بر و آب ز نکند



فلسفیانہ شاعری

فارسی شاعری میں فلسفیانہ خیالات کا جس قدر ذخیرہ ہے، کسی زبان میں نہیں لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فلسفہ کیا چیز ہے؟ کتب دریہ میں طبیعت، عضریات، فلکیات، الگیات، ان سب کے مجموعہ کا نام فلسفہ ہے، لیکن طبیعت اور عضریات، وحیقت، سائنس یعنی تجربی علوم میں داخل ہیں، فلکیات کا بڑا حصہ تجربیات اور مشاہدات پر مبنی ہے اسیلے وہ بھی فلسفہ کی حد سے خارج ہے۔ الگیات بیشک فلسفہ ہے لیکن اس کا باب یا کھاں نام پڑ گیا ہے اور وہ ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ علم الاخلاق، سیاست اور تمدن بھی فلسفی میں داخل ہیں۔ لیکن یہ سب بھی الگ الگ مستقل نام سے موسوم ہیں، اس لیے یہاں فلسفہ سے مراد، وہ فلسفیانہ مسائل اور خیالات ہیں جو کسی الگ نام سے موسوم نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ موجود ہے بلکہ کار و بارندگی کی روزمرہ باتیں بھی اگر مکاہِ حقیقت سے دیکھی جائیں تو سب فلسفہ ہیں،

کہر نہ شناسد کہ راز است و گرنہ این ہاہمہ راز است کہ مفہوم علوم است
یہ بات خاص طرح پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ فلسفہ کے وہ مسائل جو خشک اور وقت طلب ہیں، شاعری کی حد سے باہر ہیں۔ اگر انکو کوئی شخص موزون کرے تو وہ نظم ہو گی شعر نہ ہوگا اسی طرح فلسفہ کے عام مسائل بھی جب تک شاعرانہ طرز میں نہ ادا کیے جائیں، شاعری

کی حد میں نہیں آ سکتے، اسیلے اس موقع پر ہاڑ صرف ان فلسفیانہ مسائل سے غرض ہے جو
شاعر اذ انداز میں ادا کیے گئے ہیں،

فارسی شاعری میں فلسفہ کا جو سرایہ ہے اور کسے حسب ذیل ہے ہیں۔

تعصوف،

آہمیات و نبوت، متنقل فلسفہ ہے اس میں سے معتقد بحقیقتی ثبوت باری، وحدت
باری، معاد، دغیرہ مسائل ہوں خ مولناروم میں تفصیل سے لکھے جائے گے ہیں۔
اخلاق یعنی مارل فلاسفی، یہ بھی ایک متنقل حصہ ہے جو اس کو بچپنے گذر جکا، انکے
عماودہ جو باقی رہتا ہے اس موقع پر اسی سے بحث ہے،

شاعری میں فلسفہ تصوف کے راستے سے آیا، چونکہ اکثر تصوف کی سرحد فلسفہ سے
ملتی ہے اس لیے صوفی شعر افلاسفہ کے مسائل بھی ادا کیا کرتے تھے امام غزالی کی بڑتت
فلسفہ کو عامر رواج ہوا، صوفیہ میں اکثر علماء، مثلًا مولناروم، سعدی، سناعی نے صوفی ہونے سے
پہلے اقاعدہ فلسفہ کی تعلیم پائی تھی، صوفی ہونے کے بعد فلسفیانہ خیالات نے قابل بدل
لیا اور تصوف کے پیرا یہ میں ادا ہوں اچنانچہ مولناروم کی منزوی میں سیکڑوں مسائل ہیں
جو خالص فلسفہ کے مسائل ہیں۔

رسبے پہنے ناصحرخ روئے فلسفیانہ خیالات کو شاعری میں داخل کیا۔ وہ فرقہ اکھیلیہ
میں سے تھا جو اس بات کے قائل ہیں کہ شریعت کے دو نی ہیں ظاہر، باطن باطن صرف امام
وقت بھیجا کرتا ہے اور دہی اصلی مقصود ہے، اس فرقہ کا دستور تھا کہ جبکہ کسی کو اپنے طریقہ

میں لانا چاہتے۔ نجھ تو قرآن اور حدیث کے منسوبات اور حامہ کے متعلق اسکے دل میں شکوہ پیدا کرتے تھے۔ مثلاً کہ روزہ سے کیا فائدہ؟ غسل جنابت کے کیا معنی؟ محبر اسود کو چومنا اور رئی جاگر کرنا بظاہر بے فائدہ ہے جب یہ شجدہ میں جگہ پڑلاتے تھے اور وہ تکین چاہتا تھا تو کہتے تھے کہ رمز کی باتیں ہیں، انکو امام وقت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ امام کے ہاتھ پر بیعت کیجاۓ تو یہ مسائل حل ہوئے، ناصر خرد کی شاعری کا ایک بڑا عصر اسی قسم کے خیالات ہیں۔ وہ افلاک اور ستاروں کے قدیم ہونے کا قائل تھا اور ستاروں کو زمی رفح اور برباط مانتا تھا۔ یہ باتیں کثرت سے جس نے بیان کیں،

ناصر خرد کا دیوان جھپٹ گیا ہے، اگرچہ اس میں فلسفہ کے بہت بڑے مسائل ہیں۔ میں ہمہ اس کے اشعار نقل نہیں کیے کہ اس کا انداز بیان شاعرانہ نہیں، ناصر کے بعد نظامی نے فالسینا نہ شاعری کو ترقی دی اخون نے سکندر نامہ بھری میں حکماء یونان کے علمی مباحثے تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہ تمام فالسینا نہ مسائل ہیں اور اس خوبی سے انکو ادا کیا کہ ایک طرف شاعرانہ طرز ادا ہائی سے جانے نہیں پایا۔ دوسری طرف اکثر فالسینا نہ اصطلاح میں جو عربی زبان کے ساتھ خصوص ہو گئی تھیں فارسی میں آگئیں، سکندر کے دربار میں ابتداء ہر فریش کے سحل پر بحث ہوئی تھی (یعنی سلسلہ کائنات میں سب کے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی؟ پھر اور چیزیں کیونکہ اور کس ترتیب سے وجود ہیں) ایک نظامی نے اس مرکز کی پوری تفصیل لکھی ہے،

بِ فَرْمَانِ دَهْبَیِ شَاهِ فَیْرُودْزَهِ تَحْتَ
یکے روز برشدہ بِ فَرْدَزَهِ تَحْتَ پُرِیْپُیَا

اَذَانِ فَلِیْسُوفَاَنِ گَزِینِ کَرْدَهُفْتَ
کَمْ بِرْخَاطِرِ کِسْ خَطَائِےِ دَرْفَتَ
حَکَمَارِ مِنْ سَعَاتِ کَوْمُتْخَبِ کِیَا، يَوْهِ حَکَمَارَتَهِ جَنْهُونَ نَزَکِمُ غَلَبِیِ نَمِینَ کَیْتَهِ.

اَرْسَطُوكَهِ بِدَمَلْكَتِ رَادَوْزِیرَ
بَلِینَاَسْ بَرْنَا وَبَقْرَاطَهِ اَسِیْرَ
اَرْسَطُوكَوْ جَسْلَطَتَ کَا دَزِیرَتَهَا، اَوْرِنْجَوَاَنِ بَلِینَاَسْ کَوْ، اَوْرِبَدَهِ بَقْرَاطَهِ کَوْ
هَمَانِ هَرْمَسِ فَرَخِ نِیْکِ رَاسَ
کَهِ بِرْغَیْتَنِ آسَماَنِ کَرْدَجَاءَ

اَوْرِهَرْمَسِ نِیْکِ رَاسَ کَوْ، جَکِیِ جَگَدِ سَاتَوِینِ آسَماَنِ پَرْتَهِ
فَلَاطُونِ وَلَایِسِنِ فَرَفَرِیْسَ
کَرْوَحِ الْقَدَسِ کَرْدَشَانِ سَتِیْسَ
فَلَاطُونِ، دَلِیْسِ اَوْرِفَرَفِرِیْسَ کَوْ جَسِ کَامَتَهِ رَوْحِ الْقَدَسِ جَوْسَتَهِ،
دَلِیْشَرِدَرَانِ مَجَلسِ تَنَگِ بَارَ
بَا دَشَاهَ کَا دَلِ اَسْ مَلِیْسِ خَاصِ مِنْ نَهَایَتِ فَرَخِ حَصَلَگَیِ سَمَرُوتَ کَا رَهْدَا
بِ دَانَنِ گَانِ رَازِ بَکْشَادَوْ گَفْتَ
سَکَنَدَرَنِ ہَجِیْمُونَ سَےِ کَہَا، کَہِ یَرَازِ کَبِ تَکِ پُوشِیدَهِ رَسَبَ گَا،
گَبُوئَیدَهِرِیْکِ بَهْرَهِنَگِ خَوْشَ
بَسِ کَوْلَپَنِ خَیَالِ کَمَطَابِنِ بَتَانَا چَلَبَیِےِ کَہِ عَالَمِ کَیْوَنَکَرِ پَیدَ اَبُوا؟
بِ تَقْدِیرِ حَکَمِ جَهَانِ آفَسَرِینِ
تَحْتَ آسَماَنِ کَرْدَهِ شَدِیْزَمِنِ

خدا کے حکم سے پہلے آسمان پیدا ہوا یاد میں

بگفتند کیسے برائے سخن کارسطو بُود پیشوائے سخن

سب نے اپر اتفاق کیا کہ ارسطو سب سے پہلے تقریباً کہ

ارسطو روشن دل ہوشند شناگفت بر تا جدار بلند

ارسطو نے با دشاد کو دعا دی، اور کہا،

چو فرمان چین آمد از شهر یار کزا غاز هستی نام کم شمار

کر حضور کے حکم کے موافق میں، ابتداء سے عالم کی کیفیت بیان کرتا ہوں

نختین کیے جنبشے بود فرد بہ جنبید چند انکہ جنبش دو کرد

ابتدائیں صرف ایک حرکت تھی۔ یہ مرکت دمکڑ دن میں تقسیم ہو گئی۔

چون آن ہر دن بشیش بہ کجا قناد زہر جنبش، جنبشے نوبزاد

ان دو حرکتوں کے ملنے سے نئی حرکتیں پیدا ہوئیں

نظمی کے بعد فلسفیانہ خیالات عام ہو گئے، لیکن تما تما اور تمیوں کے حملوں کی وجہ سے

تین سو برس تک ایران میں امن و امان نصیب نہ رکا، اس لیے فلسفیانہ شاعری کی رفتار

رک گئی، صفویہ کا دور آیا تو گھر فلسفہ پھیل گیا۔ اور اب گھر فلسفہ کی حیثیت کسی نے شاعری

نہیں کی لیکن اکثر شعراء جو کہ تھر فلسفیاں زنگ میں ہوتا تھا، خصوصاً سماجی، عربی، نظری، جلالی، سر-

کے کلام میں ہر جگہ فلسفہ کا رنگ جھلتا ہے۔ فلسفیانہ الفاظ نہایت کثرت سے زبان

لے اس کے بعد کے اشعار پہلے حصہ میں سکندر نام کے رویوں میں آپکے میں

یعنی داخل ہو گئے جنکا اگرچھ کیا بسا تو فلسفہ کا ایک مختصر ساختہ ہو جائے گا مثلاً

خند جو ہر فرد است دلیل قیم	گر بیان پیچہ شوم ملزم ارباب کلام
دین ہمیشہ کے عشق تو منفکت ماشود	علمکن بو کہستی واجب فنا شود
طویل کہیج عرض ندارد میان تیست	لے آنکہ حجز رام تھیز کی دیانت است
لکھن بہرہ فعال برآشتہ بگفت	زین خن جو ہر فعال برآشتہ بگفت
بیم آن بود ز خاصیت یکتا نی او	کہ ہیوئی نہ پذیرد صورت سبق قبل
اب بھر عام فلسفیا خیالات، مستقل عنوانوں کے ذیل میں لکھتے ہیں،	

اجتاد کے لیے پہلے تقدیم کرنی چاہیے،

زندیق درین طریق صدیق بود	تو فیق فیق اہل تعصیت بود
تقلید کن آن تدریک تحقیق شود	گرداز هزاد دانی انکار کن

ہر انسان مادہ قابل رکھتے ہے۔

یعنی کہ محبت جیبے دار د	عالم در است و تم طبیبے دار د
ہر ذرہ خوشید نیبے دار د	کہ فیض کہ ارشاد در ذرہ رفیض
عاشق کا نازبھی مشوق کی وجہ سے ہے۔	عاشق کا نازبھی مشوق کی وجہ سے ہے۔

عاشق بھان شیوه او ساز کند	مششوی بے عاشق چونظر باز کند
آنہ جس ن او بہ او نا زکند	این ترک نیازمن پرواہ نہیت

بچی دستی کا خر،

اخلاق محبت آیه محبوبی است
هر کس گفته از تو اصم ترا ذ خود کرد
جس نے تم سکما، کہ میں تمھارا بیون، اس نے تم ہی کو اپنا بنالیا،

بہنچی نا بدین

گفتم کہ مگر قاصی و فتنی سنداند	در راه طریقت دو حقیقت بدلاند
<u>کیں ہم سفران ہمہ چون نا بداند</u>	<u>چون بر سر راه آدم داشتم</u>
جز نکر خدا محبوب عالم دیگر	شادی و گرایت افس و غم دیگر
<u>بچو کو ران بہ بیشه سر گردان</u>	<u>این خلق خدا گم اند و در ہر دیگر</u>
در زیر فلک اهل غریب چنداند	از زندہ غافل و دوئے چنداند
ہر چند نگاہے کنم می بیشم	کوئے چندے بہ طوف کو رکھنداز

شکایت بے فائد ہے،

آن کو غیر است فانی و دور و فرزو	آن کو یار است ساتی بزم وجود
بایار چہ حاجت است، و با غیر حسوس	این نالہ وزاری کہ بعضی دارند

خدا پرستون کی قیم،

ہستند بر سر قسم کہ این کارمی کند	خلق خدا که خدمت دادار می کند
دین کریم غاذیتی است کہ تجارتی کند	قسم شداند از پی جنت خدا پست
دین کاربندگان است کہ احرار می کند	تو مے دگر کند پرستش زیم او
بر کار چرد و طا لکھ انکار می کند	جمعی، نظر ازین دوجست قطع کرداند

چون غیر خوش مرکز نستی نیا فتنہ
برگرد خویش دور پور پر کارمی کنند
این است راه حق که یم فرقہ می روند
سیر و سلوک راه پر بخا رمی کنند

من بھی جملہ دون کی محل
من بھی نزع این جو لوگون میں برپا رہتی ہیں اور جنکی وجہ سے دنیا میں خرابی
دنیوی اغراض پوتے ہیں
خوز زیبیان وجود میں آتی ہیں۔ زیادہ غور سے دیکھا جائے تو انکی

تر میں دنیوی خود غرضیان پوشیدہ ہوتی ہیں، جن کے حاصل کرنے کے لیے مذہب کو ویسا
بنایا جاتا ہے۔ سلطان محمود نے ہندوستان پر جو حکم کیے وہ کشورتائی کی حوصلہ مندیاں
تحصین لیکن انکا نام جہاد اس لیے رکھ لیا جاتا تھا کہ اس سکر افغانوں کا خون زیادہ گرم ہو جاتا
تھا۔ مولوی جو ایک دوسرے کو کافر کرتے ہیں بظاہر من بھی خیال سے کہتے ہیں۔ لیکن تو میں
خود پر تی اور خود غرضی ہوتی ہے کسی دنیوی مقصد کے لیے دوسرا جوں میں رنجش ہوئی
وہی من بھی اختلاف اور نزاع بن گئی، بالآخر اس نے تحریر کا بابس پن لیا،
ہر فرقہ بھم بر سر دنیا درجنگ
آور وہ بہانہ دین و آئین ہا را
حکم کو دنیا اور دین کسی سے غرض نہیں

بادنیا و دین کا ندار و عاشق
مستی و خار در شراب حق نیست
اس بنابر دین و دنیا کو مستی اور خار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، شاعر کہتا ہے کہ عارف
دنیا اور دین دونوں سے الگ ہے کیونکہ خدا کی شراب مستی اور خار دو نوں سے پاک ہو
اس میں ایک دلیق نکتہ ہے کہ انسان جب زیادہ دینداری اور تقدیر احتیاک کرتا ہے
تو اسکی مقبولیت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بالآخر مقتدا کے عالم میں مجبوراً اس کو ریا وغیرہ

کام رنگ ہونا پڑتا ہے جو دنیا طلبی کے نتائج ہیں۔ اس یہے دین گویاستی ہو جسکے بعد خارجی ضرور پیدا ہو گا۔

خود غرضی نامتعبویت کا سبب، جو کام بظاہر نفع عام کے لیے کیا جاتا ہے گوئنہ ہی مفید ہو سکن اگر اسکی جھلک بھی باقی جائے کہ در حصل خود غرضی کے لیے کیا گیا تھے تو پھر اس س میں اثر نہیں رہتا،

چیزے زدعا پر بود انسان را امازلب گدا نخواهند آن را

یعنی لوگ دعا کی میری قدر کرتے ہیں اور عام لوگوں سے اپنے حق میں دعا کے طالب ہوتے ہیں لیکن فقیر اور سائل جو لوگوں کو دعائیں دیتے ہیں، اسکی کوئی قدر نہیں کرتا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ سائلوں کی دعا، دعائیں بلکہ سوال، اور سلام روشنی ہے فقراء و دولت مندی کی تحریر انسان اکثر اس بات کو محسوس نہیں کرتا کہ وہ کسی چیز کی عیب جوئی در حصل کس وجہ سے کرتا ہے امّا عوّماً افلام اور فقر کی تحریر کرتے ہیں اور اس بنابر فقر کو ذمیں سمجھتے ہیں

فقرا و دولت کی بڑائی بیان کرتے ہیں، اور ابل دولت پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن در حصل دونوں کو جس چیز نے ایک دوسرے کی عیب جوئی پر آمادہ کیا ہے وہ اور چیز ہر جسکی ان کو خبر نہیں۔ امرا کی نا اتوانی توانی تو ظاہر ہے، کہ نجوت اور غرور کی وجہ سے لیکن فقرا جو دولت کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کو زعم ہوتا ہے کہ بلند ہمتی اور عالی حوصلی کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہے۔ یہی صحیح نہیں حصل یہ ہے کہ انسان کو جو چیز حاصل نہیں ہوتی اس پر

حدکرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ امراہ کو جو عیش دعشرت جاہ و حشم کرو فرحاں مل برقہ اکونصیب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے طبیعت خود بخود آمادہ ہوتی ہے کہ ان چیزوں کو حقیر ثابت کر تاکہ اس کے زحاحل ہونے کا رنج خوشحالی نے اس نکتہ کو ایک ربانی میں ادا کیا ہے جس کا درس راشد یہ ہے

القصد کے اغراض اگر بخشنا سی برقہ زکر برقہ غنا از حسد است

اخلاق رزید کی صلحت [بعض لوگوں کو شہس پیدا ہوتا ہے کہ غدا نے انسان میں غزو کر بغبن غصہ نہ ہوتے، حرص دیگر اخلاق رفیا کیوں پیدا کیے۔ لیکن یہ تمام اخلاق، انسان کی بغا اور ترقی کیلئے ضروری ہیں۔ اگر انسان میں کینہ اور غصہ نہ ہوتا تو دشمنوں کا مقابلہ کیوں کرتا۔ اگر اس میں حرص اور دنیا طلبی ہوتی تو بڑے ہٹے کام اس کے باقی سے نہ انجام پاتے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان بعض اوقات ان قوتون کا استعمال صحیح موقعوں پر نہیں کرتا۔ اس لیے حضرت صوفیہ ان قوتون کے مثابے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ انکے صحیح استعمال کی ہدایت کرتے ہیں۔

ہر فس بدرے نیک شود عرفان را گرشنا سی حسکیم صاحب شان را

سگ اہل محلہ را بود در بالست ہر چند کہ دز و خوش ندار و آن را

یعنی محلہ والوں کو کئے کی بست ضرورت ہے۔ گوچر کئے کو بالکل پسندیں کرتے

عوام کے لیے آزادی مفید نہیں] آزادی نہایت عدم چیز ہے لیکن ہر شخص اس کے استعمال کے قابل نہیں۔ نا اہل اگر آزادی کو کام میں لائیں تو ہمیشہ نقصان ہو گا۔

اين خلق ہوا پرست مخاوم خوشان ند چون طفل کو صفاتیع است اگر بے پرست

ایسی ہوا پرستون کا حکوم اور زیر اثر ہنا ان کے حق میں خید ہے جس طرح چھوٹا بچہ باپ کا ساتھ چھوڑ دے تو گم جائے گا۔

ایک کافاً نہ دوسرا کا لفظان ہر کیا عجیب بات ہے جس پر کوئی خوشی سمجھتے ہیں وہ حقیقت ہے کسی ادنیخ پس کا غم ہے، بلکن راؤ راس کے ماح خوش ہیں کہ اس نے دنیا فتح کی، مالک مسخر کیے، عالم پر سکھ چھایا، لیکن یہی واقعہ دوسرا لفظان ہیں یہ کہ پڑی ٹبری حکومتین تباہ ہوئیں۔ خاندان کیاں کا تاج و تخت لٹگیا۔ بُرسہ پرست تاجر خاک شہر ہو گئی عرب شاعرنے آسی بن اپر کما تھا فaud قوم عند قوم و صائب۔

ایرانی شعر نے اس نکتہ کو زیادہ لطافت سے ادا کیا۔

زمانہ گلشن عیش کرای یغا داد کہ گل بدمکن ما درستہ درستہ جمی آید
یعنی ہمارے دامن میں ٹھکرستون کا جزو حیرانگ رہا ہے تو کسی کا باغ عیش بر باد بوابے عیش این باغ باندازہ یک تنگل است کاش گل غنچہ شودتا دل ماکشاید
اس باغ کا عیش، ایک تنگ دل کے لیے کافی ہو سکتا ہے، کاش پھول گلی بجا تاکہ ہارا دل کم است خواص عقول عام نہیں ہو سکتے | یہ عجیب بات ہے کہ جو شخص جستدر زیادہ فلسفی زیادہ محقق زیادہ نکتہ دان ہو گا اسی قدر عام میں کم مقبول ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک محقق جو بات کہتے ہے عام کی بحیثیں نہیں آ سکتی اس لیے وہ اس کی قدر نہیں کر سکتے۔ بے شہر ایسی مشائیں بھی پائی جاتی ہیں کہ بُرسہ تجدداً اور فامر مقبول عام بھی ہوئے لیکن انکے مقبول

ہونے کی وجہ ان کا اجتہاد و تحقیق نہ تھی، بلکہ ان میں کچھ اور احساساتی اوصاف موجود تھے جنہوں نے ان کو تقبیل عام بنا لیا۔ ورنہ کمال کی اصلی شان یہی ہو کہ عام لوگوں کا ٹہرپائے این عین کتے ہیں۔

ہنرمند باشد بسان گھر
کہ ہر کس مراد را خرید از نیت
ہنرمند باشد کہ باشد چونیل
کہ اولایتِ اہل بازا رنیت
ہنرمند کی مثال ہاشمی کی سی ہے کہ وہ بازا میں فروخت نہیں ہوتا

سلک جبرا جو لوگ اختیار کے قابل ہیں ان کا منہماںی استدلال یہ ہو کہ انسان کو خدا نے اختیار دیا ہے کہ وہ دونا افضل کاموں میں سے جس کام کو چاہے اختیار کر دیا اس لیے انسان کو ارادہ اور اختیار حاصل ہے اور اس لیے وہ مجبور نہیں کہا جاسکتا، لیکن اسکی تین بھی غلطی ہو جائیں گے انسان کو ارادہ اور قدرت عطا کی ہے، لیکن اس ارادہ پر بھی وہ مجبور ہو جائیں گے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو یہ اسباب جمع ہوتے ہیں کہ وہ اس کام کے ارادہ پر مجبور ہوتا ہے اور لوگوں نے یہ بھکر کہ ہمارا نفس بدمہ کو بھرے کام کا حکم دیتا ہے، نفس بدمکان نام نفس مارہ رکھا ہو جائے لیکن خود نفس امارہ کس کا مامور ہے،

ہر قرعدہ کہ زد سکیم در بارہ ما کردیم و نہ بو دغیر آن چارہ ما
بے حکمش نہست ہمچہ سرز داز ما مامورہ اوست نفس امارہ ما

اکثر حکماء اس سلک کے قائل ہیں لیکن انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ اس ہر گناہ سرزد ہوتے ہیں البیس اور خلیلان کوئی الگ چیز نہیں، ایک شاعر نہایت طفیل پیرا یہ میں

اس کو ادا کرتا ہے۔

لبیس چودہ آدم دھو انگریست
بنشت دہ بھائی ہائی بڑھو دگریست
و آنگہ نہ زبان حال با آدم گفت
لبیس تو من، بگو کہ لمبیں کیست
یعنی لبیس نے جب آدم اور حاد کو دیکھا تو بیٹھ کر اپنی حالت پر خوب رو دیا، پھر زبان حال سے
بول کر تھا را لبیس تو میں ہوں میرا لبیس کون ہے،

عالم میں فرشتہ نہیں [مد] انسان جب واقعات عالم پر نظر ڈالتا ہے تو اسکو شہہ پیدا ہوتا ہے کہ اسکا بنا نیا لا
کوئی حکم عادل اور مرد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بہت سی چیزیں بے کار اور بے مصرف نظر آتی
ہیں۔ بہت سی چیزیں صاف نظر آتی ہیں کہ مضر اور نقصان رسان ہیں شیر بھیری سان پ
بچھو۔ بچڑا سکے کہ لوگوں کو نقصان پہنچائیں اور کس کام کے ہیں؟ سیلا بڑنے پانی اور مرا
کے طوفان ملک کے لک برباد کر دیتے ہیں جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ
نہیں ہوتا۔

لیکن یہ شہر صحیح نہیں۔ عالم ایک نہایت وسیع اور بے پایان سلسلہ موجود است کا
تمام ہے اسیں انسان کے دائرہ علم میں جو حصہ ہے یا ہو وہ آنسا بھی نہیں جتنا سمندر میں ہے ایک قطرہ
ایک قطرہ کی حالت دیکھ کر کوئی شخص سمندر کے فوائد اور نقصانات پر کوئی راست لگاے تو کیونکہ
اعتبار کے قابل ہو گی، ہم ایک چیز کو اپنے لیے یا کسی گروہ کے لیے نقصان رسان سمجھتے ہیں
لیکن کل عالم صرف ہمارا نام نہیں۔ کار دبار عالم میں ایک شخص یا ایک گروہ کی مصلحت مٹا
نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام عالم کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ جو چیز ہے اس

یہ مضر ہے، مجموعی حالت کے لحاظ سے مفید ہو۔

گرجان از یک جمیت بی فائدہ است	از جمیت ہے دگر پر عائدہ است
حسن بیسف عالی را فائدہ	گرچہ باغوان غبٹ بد زایدہ
ہر کس کے خلاص زبدو نیک خود است	اندر ہمہ حال جوشان احمد است
دھشم کے کا حول است از هستی	جز انجمن موافق مراد است بادست
ہر لحظ درین عالم اقتاد و شکت	صد کش مکشم ہست فرمانیچ بدرست
من نا لکنان و حکم تم گوید بس	جز کام توام مصلحت دیگر ہست
مادام کہ دست کس پر بروئی ہست	کم راہ بردا کغیر او بود ہست
بروقت مراد توازان نیت فلک	تا دریا بی کہ جز تو موجوئے ہست

معنی آسمان اگر تھا رے اغراض اور مقاصد کے موافق کام نہیں کرتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تھا رے سو اور بھی موجودات ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہ باتیں ان کے مصالح کے لحاظ سے ہوں۔

گاؤ خرا فایدہ جے ڈر شکر ہست ہر جان رائے کے قوئے دگر
ہنا ہی نا بلد ہیں انسان ابتدائی حالت میں ہر شخص کی تقلید پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو قدر تحقیق اور تلاش بر صستی جاتی ہر ثابت ہوتا جاتا ہے کہ جو رہبہ ہیں وہ بھی اصل حقیقت سے آشنا نہیں۔ پیش روی اور پس روی کا ایک سیع سلسلہ جو نظر آتا ہے۔ بالکل یک بھڑایا عالیہ ہے اندھے اندھوں کے پیچے چل رہے ہیں،
چند انکہ نگاہ می کنم مے یختم کوئے چند ان

میں جقدر نظر دوڑتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ جد اندھے چند اندر ہوں کے تیکھے بارا ہے ہیں،
پہلے خیال ہوتا ہے کہ علار، قاضی بفتی آشنا راز ہوں گے لیکن اصل حقیقت سے
سب نا بلد ہیں۔

گفتہم کہ مگر قاضی بفتی سنداند	در راه طریقت و حقیقت بلد اندا
کیمن ہم سفران ہمہ چون نا بلد اندا	چون بر سر راه آدم م دانستم

ہر گز ہم افتاد پس سحراء مجتہ
دیدیم چو خود بیده گرفت و گذشتہم
یعنی جب میرا گز رضوی معرفت میں ہوا تو میں نے دیکھا، کہ رہنمائی میری ہی طرح چکر لگاتا ہے
ہیں، اس لیے میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا،

تفقید سے بجاتا اکثر لوگ کسی مسئلہ یا راستے کے حسن و فرع کا معیار جمہور کو قرار دیتے ہیں، یعنی
جو جمہور کی راستے ہر دوہ صبح سپہ، اور جس طرف صرف ایک دور اُمین ہوں وہ غلط ہیں لیکن
نکتہ، انہوں کے نزدیک حالت اس کے بالکل برعکس ہے، جمہور کی راستے کا کسی طرف
ہو جانا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں نے خاص اپنے غور اور فکر سے کام نہیں لیا ہے
لوگوں کو جو کہتے سناد ہی خود بھی کہنے لگے، یہی بات ہے کہ ہر زمانہ میں ہر قوم میں ہر زندہ بہ
میں جو مصلح، رفارمر اور بانی فن گذسے ہیں، انہوں نے ہمیشہ جمہور کی مخالفت کی ہے
اور وہ حقیقت جمہور کی مخالفت کرنا ہی اجتماع اور تحقیق اور رفارمینشن کی دلیل ہے، اس نکتہ کو

راقم مشهدی نے یون ادا کیا ہے،

زیبلکہ پریدی حسلن گمراہی آ ر د نئی رویم براہ کر کارہان رفتہ است

چونکہ ظلٹ کی پریدی گمراہی پیدا کرتی ہے اس سے ہم اس راستہ پر نہیں چلتے جس پر قائد گیا ہے

ابن مسین کہتے ہیں۔

درجہ ان ہر چھ می کشند عوام نزد خاصان رسم و عادات است

مرد و دن کے لیے اکثر لوگوں میں جن امور کے متعلق رذائی بھگڑا اور زراع رہی ہوائیں سے
جنگ و زراع ایک یہ ہے کہ فلان شخص اچھا تھا، یا بُرا، شیعہ، سُنی کے بھگڑے زیادہ تر اسی
پر بستی ہیں، یہاں تک کہ اپر سینکڑوں کتابیں تصنیف ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں، ہنا یہ است
انسونا کا در عبرت انگریز لایان اس کی بدولت وجود میں آئیں۔ ہزاروں لاکھوں جانیں
ضائع گئیں۔ آج بھی ہزاروں لاکھوں آدمی غیر ضروری بحث میں گرفتار ہیں۔ اسی بنا پر ایک
عارف نے کہا۔

بسترِ حق کے بر تو گرد منجلی اے گرفتار ابو بکر و عسلی ۔

ابن مسین نے اس مضمون کو شاعرانہ پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

بر کہ باز نہ از پے مر دہ می کند جنگ سخت نادان است

یعنی شخص زندہ مردہ کے لیے بھگڑتا ہے، سخت احتی ہے۔

جو ہر در پر عالم میں دو قمر کی چیزیں ہیں۔ جو ہر یعنی جو خود قائم ہیں مثلاً درخت، پہاڑ، زمین
دوسرے جو خود قائم نہیں بلکہ کسی اور چیز میں قائم ہیں۔ مثلاً خوشبو، بدبو، زنگ، ذائقہ
کہ چیزیں خود نہیں پائی جاتیں بلکہ کسی اور چیز میں ہو کر پائی جاتی ہیں، ان کو عرض کہتے ہیں

ہمارے افعال اور حرکات بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔ اکثر حکما کے نزدیک جو ہر اصل ہے اور عرض ایک فرع، اس مسئلہ پر بہت سی باتیں بنی ہیں مثلاً ہم مادہ کہتو ہیں کہ مادہ پر مادہ کے سوا کوئی اور چیز اثر نہیں پیدا کر سکتی۔ اس بناء پر وہ اس باعث کے قابل ہیں کہ عالم میں مادہ کے سوا اور کچھ موجود نہیں۔ کیونکہ کوئی اور چیز موجود ہوتی تو اسکا اثر بھی ہوتا۔ اور اک دن خیال جس کو ہم غیر مادی سمجھتے ہیں، یا تو موجود نہیں یا ہم تو وہ بھی مادہ ہی کی ایک قسم ہیں۔

لیکن بعض حکما اس بات کے قائل ہیں کہ عالم یا جو ہر خود چند اعراض کا مجموعہ ہے چند عرض جسم ہو جاتے ہیں تو ہم ان کو جو ہر کہتے ہیں، مولانا ردم بھی قریب قریب سی سلسلہ کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام عالم کی علت اعراض ہیں۔ عالم اعراض کا مجموعہ بے عرض بل کہ جو ہر ہو جاتا ہے۔

جملہ اجزائے جہان را بے عرض	در نگر حاصل نہ شد جزا عرض
جملہ عالم خود عرض بود نہ تا	اندرین ہنسنی بیام حل الی
چیست اصل دمایہ ہر پیشہ	جز خیال و جز عرض داند نیٹہ

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ عالم میں جس قدر جو ہر ہیں سب عرض ہو پیدا ہوتے ہیں مثلاً معاشر جب ایک مکان کی تغیر کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے مکان کا نقشہ ذہن میں تصویر کرتا ہے یعنی نقشہ کوئی مادی چیز نہیں، اس یہے جو ہر بھی ہیں، لیکن یہی عرض ایک محسوس اور مادی مکان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

عquam میں ایک بحث یہ ہے کہ انسان کے بُرے یا بھلے افعال عرض تھے وہ فنا ہو گئے۔

اب ان کا دور بارہ د جو دین آنا کیونکر ہو سکتا ہے۔ مولانا ردم فرماتے ہیں۔

ایں عرض ہا نقل شد وون دگر حشر ہر فانی بُود کون دگر

وقت محشر ہر عرض راصوئے ہت صوت ہر کیک عرض را روئیتے ہت

تامبدل گشت جو ہر زین عرض چون زپر ہیزے کزاں شدم عرض

گشت پر ہیز عرض جو ہر بجد شد و باں تلخ از پر ہیز شمد

یہ مسئلہ آجھل کی سائنس کے بھی مطابق ہے، حرکت، ایک عرض ہی جو خود قائم نہیں ہو سکتی۔

لیکن جب کوئی چیز نہایت تیز حرکت کرتی ہے تو آگ پیدا ہو جاتی ہو، موجودہ سائنس کی رو

یہ آگ کہیں اور سے نہیں آئی، بلکہ وہی حرکت بدلت کر آگ ہو گئی اور جو نکلا آگ ایک جو ہر ہے

اس لیے قطعی ثابت ہو گیا کہ عرض بدلت کر جو ہر ہو سکتا ہے،

اشیاء کی ہم جنمی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ مرکبات میں دو قسم کے اجزاء پائے جاتے

انقلاب کیمیائی ہیں، ایک وہ جو زندگی اور حیات کی قابلیت رکھتے ہیں، یعنی اگر زندہ

اجسام میں شامل ہوں، تو انقلاب کیمیائی کی رو سے زندہ اجزا ارجما میں بدلانا انسان

یا جانور جو کچھ کھاتے ہیں ان میں سے بعض اجزاء ارجزو بدن ہو جاتے ہیں اور زندہ اجزا

بخارتے ہیں۔ ان اجزاء کو اجزا رجھیت کہتے ہیں۔ دوسرے وہ اجزاء ہوتے ہیں جنہیں غرگی اور

حیوۃ کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ زندہ اجزاء سے مل کر بھی زندہ نہیں ہو سکتی۔ نہ میں انقلاب

کیمیائی پیدا ہو سکتا ہے، ان کو اجزائیت کہتے ہیں۔ جو اجزا دوسرا قسم کے اجزاء سے

بدل سکتے ہیں انہیں ایک قسم کا تجانس ہوتا ہے۔ یہ تجانس صورتہ نہیں ہوتا، بلکہ ترکیب

کیسا دی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

اس مسلم کو مولانا روم نے نہایت وضاحت سے لکھا ہے۔ وہ اس مسلم کو اس نظری دیکھتے ہیں کہ انسان کو قوت قدیمہ کے ساتھ تجانس ہوتا ہے۔ تو اسکے صفات بشری ملکوتی صفات سے بدل جاتے ہیں۔

پہنچو آب دنان ک جنس ما نبود گشت جنس ما د اندر مافسز دو

پانی اور روتی ہساری ہم جنس نہ تھی، یہیں اب ہاری ہم جنس بن گئی،

چون تعلق یافت نان با پا بشر نان مردہ زندہ گشت دبا خبر

جب رئی نے آدمی کے ساتھ تعلق پسید اکیا تو مری ہوئی روئی زندہ بن گئی اور جاندار ہو گئی

ناقص غذائی کاں | یہ اصول تمام عالم میں جاری ہو کر ادنی چیزیں اعلیٰ جزیز دنی کو غذا ہیں مخلوقات

کی ترتیب یہ ہے کمر تہ بجا دات ہیں بچہ نباتات پھر حیوانات پھر انسان اینہن جو اعلیٰ

ہے ادنی کو غذا بناتا ہے اور اسی سے اسکی زندگی قائم ہے۔ نباتات جو قدر میں مثلاً بندہ پوچھ

درخت وہ زمین کے اجزا کو پڑتے ہیں اور غذا بنتے ہیں جیوانات نباتات کو بالاتر ہیں۔

اس لیے وہ نباتات کو کھاتے ہیں۔ انسان ان سے بھی اشترف ہے اس لیے ان کو کھاتا ہے اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

حلق بخشد خاک را لطف خدا تاخور دا ب و برد یو صد گیا

باز خاکے را ہب خشد حلق ولب تاگیا ہش راخور دا زر طلب

چون گیا ہش خور دیوان گشت شفت گشت حیوان انقرہ انسان درفت

اصل صرف مادیات میں نہیں بلکہ تمام اشیاء میں جاری ہے، ہر عالیٰ چیز ادنیٰ کو فنا کر دیتی ہے اور اس پر غائب آجائی ہے۔ تمام عالم اسی غالب و مخلوق کے اصول پر چل رہا ہے۔ اسی بنابر سولنار و م فرماتے ہیں۔ ع، جلد عالم آنکل و ماکول دان۔

معنوی چیزیں مثلاً مفہما میں، خوالات، مذاہب مختلفہ فلسفہ، گوناگون سائل علمی سب کا یہی حال ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کو فنا کر دیتے ہیں۔ مولانا ع

پس معانی را چواعیان حلق ہاست

یعنی موجودات خارجی کی طرح، معانی کے بھی حق ہیں

حقیقت رکی اور اس کے مارچ | انسان کو نیک و بد کی تیزی میں جودھو کا ہوتا ہے اس وجہ کو ہوتا ہے کہ حقیقت رکی کے مارچ مختلف ہیں۔ فرض کرو ایک مٹھائی میں زہر ہوا یک شخص اسکی صورت سے بکھر جاتا ہے کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے۔ دوسرے بوسنگھ کر کھتا ہے اسراچکھ کر چوتھا لکھا کر پانچوائیں زہر کا اثر دیکھ کر، چھٹا ہمینہ نکو بعد ایسی حالت نیک و بد کا مونکی ہے۔ بُرے کا مونکی بُرائی ارباب عرفان کو فوراً معلوم ہو جاتی ہے اسیلے وہ ابتدا کے اس سے بچتے ہیں۔ دوسرے لوگ درجہ بدرجہ، تحریر اور نقصانات اٹھانے کے بعد بچتے ہیں۔ یہاں تک کہ برجست لوگ مرتے بھی نہیں سمجھتے،

مولانا اس نکتہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

اے بسا شیرین کہ جوں شکر بود لیک زہر اندر شکر مضم بود

آن کہ زیر ک تر بود بثنا سدش چون کردیدا ز دور اندر کشکش

دان دگر بشناسد شتابو کند دان دگر چون بر لب دنداز زند

دان دگر در پیش رو بوسه برو دان دگر چون دست نهد کرد روز

پس لبس روش کند پیش از گلو گرچه نعره می زند شیطان کا!

دان دگر اور گلو سید اکند دان دگر اراده بدن رسوایی نزد

دان دگر بعد ایام و شهر دان دگر بعد مرگ از قصر گور

بنی بے حقیقتی انسان جب کائنات اور منظاہر قدرت پر زیادہ غور کرتا ہے تو اسکو اپنے قدم

وربے حقیقت ہو ناظرا تما ہے وہ دیکھتا ہے کہ بات بات میں وہ دوسری چیزوں کا محتاط ہوا وہی

کے ادھی چیزوں کی اسکا پورا اختیار نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ تمام چیزوں میں ایک

لت عظم کے تحت میں کام کر رہی ہیں۔ اور ایک خاص نظام قائم ہے غور رسی جس قدر زیادہ

درستی جاتی ہے اسی قدر اپنی بے حقیقی اور قادر مطلق کے کمال کا یقین زیادہ پڑ جاتا ہے،

چندان کو دین دایرہ برمی گردم نقصان خود و کمال ادمی نیخم

پس لسلہ اس قدر ترقی کرتا ہے کہ انسان اور تمام چیزوں کا وجود بالکل یقین معلوم ہوتا ہے کہ

دریہ و جہاں طاری ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ایک ذات ہے باقی چیزوں میں قابل نہیں ع

کہ باستیش نامہ تی برند

یہی خیال وحدت وجود کا ابتدائی زینہ ہے جو ترقی کر کے اس درجہ کا پہنچتا ہے کہ

حقیقت میں اور کوئی چیز موجود نہیں۔ جو کچھ ہے وہی ہے۔

کہ خود سے جگلتے جاتے ہیں انسانوں میں جو اختلافات اور نزعین پائی جاتی ہیں کفر کی بنا

خودی اور خود پرستی ہے وہ دشمن سے ایسے لاتا ہے کہ اسکے آگے سر زین جھکتا ما وہ نکتہ چنپی
سے اس لیے ناخوش ہوتا ہے کہ اسکے کمال پر حرف آتا ہے، وہ دوسروں کی اس لیے تحقیر
کرتا ہے کہ اسکی عظمت ثابت ہو۔ اس لیے انسان اگر خودی اور شخصیت باز آئے تو دوست شمن
آشنا، بیگانہ، نیک و برب تفرقی مت جائیں۔ سجاہی اس نکتہ کو ادا کرتا ہے،

رفتم ز میانِ من و یک شد و جہاں دیوار قاد آن سُوی دایں سوی نامزد
یعنی جب ہن نے خودی چھوڑ دی تو نام دنیا ایک ہو گئی جس طرح دیواریں گر جاتی ہیں تو اس
لئے اور اس لئے ہن تیز زین رہتی۔

اعادہ نہ بہب عرفان کے نزدیک احتلاف نہ بہب کوئی چیز نہیں جتنے نہ اہب ہیں سب برق
ہیں، سب کا مقصد ایک ہی ہے تعبیر یا فهم میں غلطی ہو تو اس سے نتیجہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔
جب سب ایک ہی کوڈ ہونا ہوتا ہے ہندو بُت کو پوچھا ہیں لیکن یہ بھکر نہیں کہ بُت خود کوئی مستقل عجو
احلاف سے فرق نہیں پیدا ہوتا۔ ہندو بُت کا پوچھا ہیں لیکن یہ بھکر نہیں کہ بُت خود کوئی مستقل عجو
ہے؛ بلکہ اس نیت سے کہ اس میں مطلوب حقیقی کا پرتو ہے۔ یہ اسکی یاد کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر حضرت

سلطان ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں،

روے تو بہر دیدہ کہ میں نہ نکو است ایک اور شاعر کرتا ہے،

در حیر تم کہ شمنی کفر دین چرا است از ایک چراغ کعبہ و تجاذر روزگار است
سجاہی کرتا ہے۔

حق می گوید گوش خالص نین با
مقصد چونم پا اخلاف استین با

ہفتاد و دو فرقہ را ملبدگار کی است
سوی دیاست روی ہر سکی ہست
یعنی بہتر ون فرقہ کا سطاب ایک ہی ہے، جس طرح جتنے سلاب میں سب دیا کیطان
جاتے ہیں۔

بڑھاپے میں ترک یوس | ابن میمن -

چون جامیہ چریں شکر محبت نادان
زیراک گران باشد و تن گرم ندارد
از صحبت نادان تہرت نیز گویم
خوبیش کر تو نگرشد و آزم ندارد
زین ہر دو بتر نیز شیخ را که بعالی
با خبر خون ریز دل نرم ندارد
زین ہر سہ تہرنیز گویم کہ چہ باشد
ظرزاد کی بلا غت دیکھو سب سے پہلے حق کی بڑائی بیان کی پھر کہا کہ الحق کر بڑھکرو
رشتہ دار ہے جو دو لمحند ہو کر عزیز و نیزون کی خبر نہیں لیتا۔ اور اس سے بڑھکروہ با و شاہ جہ کے
ملین رحم نہیں۔ اور ان سب سے بڑھکر بتاؤ ان کہ برا کون ہر ہی ہر کوئی کندو شرم ندارد۔

بات سوچا کتنا چاہتے | ابن میمن -

سخن رفتہ درگ بار نیایہ بز با
اول اندریش کند مرد کہ عاقل باشد
تاز مانی و گراندیشہ نبا پید کردن
کچرا گفتم؛ و اندریشہ باطل باشد

بُرے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہئے

بادان کم شین ر صحبت بد
گرچه پاکی، ترا پسید کند
آفتابے با این بزرگی را
ذرد ابرنا پدید کند

م م م



1

Nov
20
1995



Presented to the
LIBRARY of the
UNIVERSITY OF TORONTO
by
Professor Aziz Ahmad

